

تاریخ جنگ آزادی ہند

اکھارہ سروسٹاؤن ۱۸۵۷ء

(دہلی، میرٹھ، اودھ اور روہیلکھنڈ)

مؤلف

سید خورشید مصطفیٰ رضوی

پیش لفظ

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

سابق ڈائریکٹر آرکائیو جیکل سروے آف انڈیا

رام پور رضا لاہیری

حامد منزل، رام پور (یو۔ پی) ۲۲۲۹۰۱

تاریخ جنگِ آزادی ہند اکھارہ سورستاون

(دہلی، میرٹھ، اودھ اور روہیلکھنڈ)



مؤلف
خورشید مصطفیٰ رضوی

پیش لفظ
ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی
سابق ڈائریکٹر آرکائیو جیکل سروے آف انڈیا

رام پور رضا لائبریری
حامد منزل، رام پور (یو۔ پی) ۲۴۴۹۰۱

© جملہ حقوق بحق رضا لائبریری، رام پور محفوظ ہیں

جملہ حقوق محفوظ

ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یادداشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹوکاپنگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔

نام کتاب : تاریخ جنگ آزادی ہند اٹھارہ سو ستاون

مؤلف : خورشید مصطفیٰ رضوی

پیش لفظ : ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

بار اول : ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

مطبع : آئی. بی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

قیمت : 500/- روپے

ناشر : رام پور رضا لائبریری

حامد منزل، رام پور (یو. پی.) ۲۲۴۹۰۱

ISBN: 81-87113-39-1

(نصاب)

”آج ہے ایک سو سال بعد یقیناً ایک دن ایسا
آئے گا جب غدر کے متعلق تمام واقعات اور
ہندوستانی روایات کا سختی سے احتساب کیا
جائے گا اور اس پر تعصب یا پروپیگنڈے کی
حیثیت سے نہیں بلکہ خاص تاریخی اعتبار سے نظر
ڈالی جائے گی جس کے بعد وہ ایک مستند
صورتے میرے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا
یقیناً غلامانہ زندگی کے کہ یہ ایک نہایت ہی خوف
ناک کہانی ہوگی“

— ایڈوڈ تھا میسن

انتساب

اس گمنام نوجوان عورت

کے نام

جس نے ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو سکندر باغ لکھنؤ
کی خوں ریز جنگ کے بعد پیل کے درخت پر
بیٹھ کر چھ انگریز افسروں کو گولی کا نشانہ بنایا
اور پھر خود بھی جان دے کر امر ہو گئی۔



ہم چو مرداں جاں سپردن زندگیست

مولانا محمد علی

اور

نیتاجی سبھاش چندر بوس

کی یاد میں

شورشِ عندلیب نے روحِ چمن میں پھونک دی
 ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

فہرست

پیش لفظ ۱۷

۲۳ سخن آشنا

۱۳۴	دہلی ریاستوں سے برتاؤ	۲۷	مقدمہ
۱۴۰	واجد علی شاہ		تحریک ۱۸۵۷ کی نوعیت اور تاریخی
۱۴۱	انعام کمیشن	۲۹	پس منظر
۱۴۱	نانا صاحب	۸۹	ماخذ کا سرسری جائزہ
۱۴۱	امیرانِ سندھ	۹۹	باب ۱: پس منظر - اسباب اور آثار
۱۴۲	مذہبی معاملات میں دخل اندازی	۱۰۱	جنگِ پلاسی کے بعد
۱۴۹	زمینی اصلاحات	۱۰۱	بنگال کی تباہی
۱۵۴	غلط پالیسی اور اصلاحات کے نتائج	۱۰۳	میر قاسم
۱۵۶	تعلیم کے مسئلے	۱۰۶	کنگال بنگال
۱۵۹	عیسائی پادریوں کی حرکتیں	۱۱۰	دستکاروں کے انگوٹھے
۱۶۱	کالے اور گورے سپاہی	۱۱۱	ہولناک قحط
۱۶۳	انصاف اور قانون	۱۱۳	بغاوت کے اسباب
۱۶۶	بہادر شاہ کی ولی عہدی	۱۱۵	سرسید کی زبانی
۱۶۷	پیشین گوئیاں	۱۱۸	مغل بادشاہوں کی توہین
۱۶۹	مختلف تحریکیں اور جدوجہد	۱۲۰	حکومت کا گھمنڈ
۱۶۹	اڑیسہ	۱۲۱	نظام حیدر آباد سے برتاؤ
۱۷۲	مالا بار اور بیسور	۱۲۳	اودھ پر دست درازی
۱۷۳	دکنی علاقے	۱۳۰	اودھ کی ضبطی
۱۷۳	آسام	۱۳۱	کمپنی کا راج
۱۷۶	ساونت وادی اور کولھاپور	۱۳۳	شاہِ اودھ کی فریادیں

۲۲۲	۱۷۹	آگ کی وارداتیں	حیدرآباد میں سازش
۲۲۵	۱۸۷	باب: شعلے	بنگال کی تحریکیں
۲۲۷	۱۸۹	بغاوت کا آغاز میرٹھ - دہلی	بہار کی سازشیں
۲۳۰	۱۹۱	اچانک اور قبل از وقت	تحریک ولی اللہی
۲۳۲	۱۹۲	مارو فرنگی کو	پنجاب
۲۳۳	۱۹۳	میگزین پر ہجوم	وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ
۲۳۵	۱۹۴	شریفانہ برتاؤ	اودھ اور روہیل کھنڈ
۲۳۵	۱۹۵	میرٹھ کی عوامی بغاوت	ستارا کے باپوجی
۲۳۶	۱۹۷	فوج میں سازش	فوجی بغاوتیں
۲۳۷	۲۰۰	دہلی چلو	خطرے کا احساس
۲۳۹	۲۰۰	دہلی	اشتہارات اور جہاد کے رسالے
۲۴۱	۲۰۳	انقلابی سپاہی دہلی میں	عظیم اللہ، نانا صاحب اور مولوی احمد اللہ
۲۴۱	۲۰۶	انقلابی سپاہی لال قلعے کے سامنے	دلیسی فوج میں سازشیں
۲۴۵	۲۱۰	لال قلعہ، بہادر شاہ ظفر اور زینت محل	مولوی، پنڈت اور فقیر
۲۵۲	۲۱۲	لال قلعے کے دن رات	آسام اور مدراس
۲۵۵	۲۱۲	انقلابی سپاہ کا دہلی میں داخلہ	پُر اسرار چپا تیاں
۲۵۷	۲۱۵	فریزر اور ڈوگلز کا قتل	کنول کا پھول
۲۵۷	۲۱۵	انقلابی سپاہ لال قلعے میں	مسجدوں اور مندروں میں دعا
۲۵۹	۲۱۶	بنک پر حملہ اور لوٹ	چکنے کار تو س
۲۵۹	۲۱۶	آگرے کو پیغام	کار تو سوں کی حقیقت
۲۶۱	۲۱۹	شہزادوں کی کمان	برہام پور کا واقعہ
۲۶۲	۲۱۹	دہلی چھاو نی	منگل پانڈے
۲۶۳	۲۲۲	بہادر شاہ کی سواری	انبالہ اور لکھنؤ

۲۹۵	۲۶۳	ذبیحے پر پابندی	میکزین پر حملہ
۲۹۷	۲۶۵	عید کے دن جنگ	میکزین اور تارگھر
۳۰۰	۲۶۶	انگریزی کیمپ میں مزید فوج	دہلی میں انتظام
۳۰۰	۲۶۷	نجف گڑھ کی جنگ	انگریزوں کا قتل
۳۰۲	۲۶۹	انقلابیوں کی مایوسی	انقلابی فوجوں کی آمد
۳۰۳	۲۷۱	زرد کوٹھی کا مورچہ	انگریزوں کی تیاریاں
۳۰۴	۲۷۱	عوامی جنگ	انتظامیہ کورٹ
۳۰۶	۲۷۳	تعلقہ داروں کی شرکت	ہندن ندی پر مقابلہ
۳۰۷	۲۷۵	بہادر شاہ کا کردار	بادلی کی سرائے پر جنگ
۳۱۱	۲۷۶	انقلابی حکومت کے خلاف کارروائیاں	انگریزی چال کامیاب
۳۱۳	۲۷۷	مایوسی	انقلابی سپاہیوں کی جگرداری
۳۱۵	۲۸۰	وفادار رجوارٹے	بادلی اور علی پور کے عوام
۳۱۶	۲۸۰	حملہ شروع ہو گیا	انقلابیوں کی جنگیں
۳۱۷	۲۸۱	انقلابیوں کی جانبازی	نیچ اور نصیر آباد کی فوجیں
۳۱۹	۲۸۲	برہمن کی پرارتھنا	جنگ پلاسی کی یاد
۳۱۹	۲۸۴	انگریزی فوج کا داخلہ	انگریزی کیمپ میں فوجوں کی آمد
۳۲۰	۲۸۴	جامع مسجد کی قربانی	جنرل بخت خان
۳۲۳	۲۸۸	دلی کے نہ تھے کوچے	شہزادے کی خرمستیاں
۳۲۵	۲۸۹	انقلابی فوجوں میں اختلاف	انگریزوں کی شکستیں
	۲۹۱	جنرل بخت خاں بہادر شاہ ظفر کے	دہلی کی جانباز عورت
۳۲۶	۲۹۳	سامنے	جاسوسوں کی خفیہ کارروائیاں
۳۲۹	۲۹۴	بہادر شاہ کی گرفتاری	پھوٹ ڈالنے کی کوشش
۳۳۱	۲۹۵	مغل شہزادے	انقلابیوں کا عہد

۳۹۸	میرٹھ کے مزید حالات	۳۳۲	بہادر شاہ قید میں
۴۰۱	منظر نگر	۳۳۴	بہادر شاہ کا مقدمہ اور انجام
۴۰۵	بلند شہر	۳۳۸	انقلابی عوام، شہزادے اور سلاطین
۴۰۸	بلند شہر کے انقلابی	۳۴۳	دہلی کے اخبارات
۴۰۹	گلزار علی	۳۴۷	جہاد کا فتویٰ
۴۰۹	علی گڑھ	۳۴۹	دہلی کے مقابلے
۴۱۳	آگرہ اور علی گڑھ کی جدوجہد	۳۵۰	دہلی میں ۱۸۵۷ء کی یادگاریں
۴۱۷	اودھ	۳۵۸	نواب نبی بخش خان
۴۱۷	اودھ کا الحاق	۳۵۹	بغاوت کے لیے سازش
۴۱۸	راجا بنارس کی طرف سے استقبال	۳۶۳	دہلی کی ریاستیں
۴۱۹	بغاوت کی خفیہ تیاریاں	۳۶۹	دہلی کی ریاستوں کے باغی سردار
۴۲۰	مولانا احمد اللہ کی سرگرمیاں	۳۶۹	عوام کا مقابلہ
۴۲۲	سازش کا انکشاف	۳۷۳	آگرہ، علی گڑھ اور میرٹھ ڈویژن
۴۲۳	فوج میں بغاوت کے آثار	۳۷۳	انقلاب کا پیش خیمہ: ولسن گردی
۴۲۴	مولانا احمد اللہ کی گرفتاری	۳۷۵	عیسائیت کا پرچار
۴۲۷	لکھنؤ کی بغاوت اور سازشیں	۳۷۵	چپاتیاں تقسیم ہوتی ہیں
۴۲۸	فیض آباد میں بغاوت	۳۷۶	بغاوت کی آگ
۴۳۰	فیض آباد کے دوسرے علاقے	۳۸۰	آگرے کے انقلابی جذبات
۴۳۳	سندیلہ اور خیر آباد	۳۸۴	فرخ آباد اور فتح گڑھ
۴۳۵	سلطان پور وغیرہ	۳۸۹	مین پوری، اٹاواہ اور ایٹ
۴۳۶	سلون، گونڈہ اور سیتاپور	۳۹۳	عام بغاوت
۴۳۸	چنہٹ کی جنگ	۳۹۴	میرٹھ کے قریبی علاقے
۴۳۹	جنگ کی تفصیلات	۳۹۷	سہارن پور اور روڑکی

۴۷۷	لکھنؤ پر حملہ	۴۴۰	جرجیس قدر کی تخت نشینی
۴۸۳	بیگم حضرت محل کی روانگی	۴۴۲	جے لال سنگھ کی اہم خدمات
۴۸۴	مولانا احمد اللہ پھر لکھنؤ میں	۴۴۳	مختلف چکھ دار
۴۸۷	لکھنؤ کی بے مثال بہادری	۴۴۳	ریزیڈنسی کا محاصرہ
۴۸۸	راؤ بل بھدر سنگھ راجا جھلاری	۴۴۵	انتظامیہ فوجی کورٹ
۴۹۰	بارڈی کا مورچہ	۴۴۶	نانا صاحب لکھنؤ میں
۴۹۱	حضرت محل اور لکھنؤ کو خراج تحسین	۴۴۶	آپس کا اختلاف
۴۹۳	آخر کار تمہیں شکست ہوگی	۴۴۹	ہیولاک مصیبت میں
۴۹۳	جواں مرد بڑھیا	۴۴۹	اناؤ پر جنگ
۴۹۴	اودھ کے تعلقہ دار	۴۵۰	بشارت گنج اور نواب گنج کے معرکے
۴۹۸	گورکھ پور	۴۵۲	اُناؤ کا جانباز ہیرو
۵۰۳	میر محمد حسن کے ساتھی	۴۵۳	کانپور پر جنگ
۵۰۴	بنارس اور الہ آباد کے قریبی علاقے	۴۵۴	لکھنؤ میں انقلابی فوجیں
۵۰۶	اعظم گڑھ	۴۵۷	ریزیڈنسی کے انگریز
۵۰۸	بنارس کی بغاوت	۴۵۸	عالم باغ
۵۰۹	سازش کا سراغ	۴۵۹	لکھنؤ میں خوں ریز جنگیں
۵۱۰	جون پور	۴۶۲	سکندر باغ کی جنگ
۵۱۴	سرگرمیاں اور خط و کتابت	۴۶۵	سکندر باغ کے بعد
۵۱۴	بغاوت کی نوعیت اور اثرات	۴۶۸	کانپور پر تانتیا ٹوپی کا حملہ
۵۱۷	بنارس میں مظالم	۴۷۰	فرخ آباد اور فتح گڑھ پر یورش
۵۱۸	الہ آباد آزاد	۴۷۲	اودھ پر حملے کی مہم
۵۲۰	مولوی لیاقت علی کا اعلان	۴۷۵	مولانا احمد اللہ شاہ کی سرگرمیاں
۵۲۴	گوپی گنج	۴۷۶	ویدی ہنومان برہمن

۵۵۱	۵۲۵	تانتیا ٹوپی کا حملہ	۵۲۵	الہ آباد ڈویژن بغاوت کے بعد
۵۵۲	۵۲۷	نانا صاحب کے اعلانات	۵۲۷	بغاوت کی عوامی نوعیت
۵۵۳	۵۲۸	نانا صاحب کے چند ہمراہی	۵۲۸	الہ آباد کے حالات
۵۵۵	۵۳۰	بغاوت کا آخری دور	۵۳۰	آگ بھڑکتی رہی
۵۵۶	۵۳۱	روہیل کھنڈ	۵۳۱	نانا صاحب کا اہم اعلان
۵۵۶	۵۳۲	سازشیں	۵۳۲	الہ آباد کے قریبی علاقے
۵۵۹	۵۳۳	اچانک بغاوت	۵۳۳	کانپور
۵۶۱	۵۳۴	خان بہادر خاں کا انتظام	۵۳۴	نانا صاحب کا باغیانہ کردار
۵۶۲	۵۳۵	سوبھارام کا انتظام	۵۳۵	بغاوت کا آغاز
۵۶۳	۵۳۶	انگریزوں کا قتل	۵۳۶	مولوی سلامت اللہ اور ان کے ساتھی
۵۶۴	۵۳۷	بہادر شاہ کا فرمان	۵۳۷	پھوٹ ڈالنے کی کوشش ناکام
۵۶۴	۵۳۸	پھوٹ ڈالنے کی کوشش	۵۳۸	نانا صاحب کی شرافت
۵۶۵	۵۳۹	خان بہادر کے اعلانات	۵۳۹	قتل عام اور اس کی وجہ
۵۶۶	۵۴۱	بریلی کے قرب و جوار میں	۵۴۱	قتل عام کے بعد
۵۶۷	۵۴۲	غنیور ساکنان رام پور	۵۴۲	نانا صاحب کی تخت نشینی
۵۶۸	۵۴۴	رام پور	۵۴۴	انگریز عورتوں کی شرارت
۵۷۰	۵۴۵	بدایوں	۵۴۵	نانا صاحب کا انتظام
۵۷۳	۵۴۶	وفاداروں کی حرکتیں	۵۴۶	کانپور کے انقلابی
۵۷۴	۵۴۷	کلکٹر کی زبانی	۵۴۷	نانا صاحب کی شکست
۵۷۴	۵۴۸	بدایوں کے انقلابی	۵۴۸	عام شہریوں پر مظالم
۵۷۵	۵۴۹	شاہجہاں پور	۵۴۹	کانپور شکست کے بعد
۵۷۸	۵۴۹	مراد آباد	۵۴۹	ہیولاک پھر کانپور میں
۵۸۴	۵۵۱	شہزادہ فیروز	۵۵۱	نادر خاں

مراد آباد کے انقلابی	۵۸۵	مولانا احمد اللہ کا حلیہ	۶۲۷
مراد آباد کا سرکاری رکارڈ	۵۸۷	مولانا کے سرکاراز	۶۲۷
امروہہ اور دوسرے علاقے	۵۹۲	راجہ پوایاں پر حملہ	۶۲۸
امروہہ کے انقلابی جذبات	۵۹۶	ہوپ گرانٹ سے مقابلہ	۶۳۱
نواب رام پور کی وفا شعار ی کا انعام	۶۰۰	شہزادہ فیروز کی حکومت	۶۳۲
بجنور کے علاقے	۶۰۰	انقلابیوں کے حوصلے	۶۳۳
نفاق پیدا کرنے کی تدبیریں	۶۰۳	وکتوریہ کا اعلان اور بیگم کا جواب	۶۳۴
بجنور کے انقلابی	۶۰۴	انقلابیوں کے خلاف نئی مہم	۶۳۶
پیلی بھیت	۶۰۶	آگرہ اور اٹاواہ کے علاقے	۶۳۹
فوجی سرگرمیاں	۶۰۶	گلاب سنگھ	۶۴۰
شہزادہ فیروز کا اعلان	۶۰۷	راجہ گوندہ	۶۴۰
انقلابی سرگرمیاں	۶۱۰	ہتھیار ڈالنے کی گفتگو	۱۴۱
ہلدوانی، بننی تال وغیرہ	۶۱۱	میر محمد حسن کی خط و کتابت	۶۴۲
آخری دور (اودھ اور روہیل کھنڈ)	۶۱۲	روہیل کھنڈ کے انقلابی	۶۴۴
مولانا احمد اللہ کی سرگرمیاں	۶۱۳	خان بہادر خان	۶۴۶
رانا بننی مادھو سنگھ	۶۱۴	راجہ دیسی بخش	۶۴۹
انگریزوں کے پلان	۶۱۵	نواب ولی داد خان	۶۴۹
مولانا احمد اللہ شاہ جہاں پور میں	۶۱۶	بنارس الہ آباد اور گورکھپور کے انقلابی	۶۵۰
ہردوئی اور فرخ آباد پر حملے	۶۱۷	انقلابیوں کا انجام: نیپال	۶۵۳
بریلی میں خونریز جنگ	۶۱۸	بننی مادھو کی قربانی	۶۵۴
شہزادہ فیروز سندیلے میں	۶۲۲	نرپت سنگھ	۶۵۷
راجہ پوایاں اور مولانا احمد اللہ	۶۲۴	دوسرے انقلابی سردار	۶۵۸
خراج تحسین	۶۲۶	بیگم حضرت محل	۶۵۹

۶۹۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۱	نخت خاں
۶۹۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۲	نیپال میں انقلابی رہنما
۶۹۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۳	مولوی بیات علی
۶۹۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۴	نواب فرخ آباد اور بجنور وغیرہ
۶۹۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۵	مولانا احمد اللہ کون تھے ؟
۶۹۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۶	واجد علی شاہ
۶۹۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۷	نانا صاحب کی گمشدگی
۶۹۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۸	ہنمیں : اہم دستاویزات اور
۶۹۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۶۹۹	سرکاری ریکارڈ
۷۰۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۰	دہلی کے سپاہیوں کا اعلان
۷۰۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۱	عریضہ ٹھاکر بخش تعلقہ دار حسنا پور
۷۰۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۲	عرضداشت ولی داد خاں بہ حضور
۷۰۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۳	بہادر شاہ
۷۰۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۴	عرضداشت ولی داد خاں
۷۰۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۵	عرضداشت دل جیت سنگھ تعلقہ دار
۷۰۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۶	بودھی پور (دھمپری)
۷۰۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۷	عرضی قادر بخش دروغہ میگزیں بنام
۷۰۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۸	احمد اللہ شاہ
۷۰۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۰۹	خط راجہ جے لال سنگھ بنام
۷۱۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۰	رامیشور بخش (ملاوال)
۷۱۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۱۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۱۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۲۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۲۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۲	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۳	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۴	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۵	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۶	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۷	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۸	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۳۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۳۹	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۴۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۴۰	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ
۷۴۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ	۷۴۱	خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

پیش لفظ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہماری تاریخ کا نہایت اہم باب ہے مگر ہم نے اُس کی اہمیت کو اتنا نہیں سمجھا جتنا انگریزوں نے سمجھا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے اس جنگ کے ہر پہلو پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، اپنی ڈائریاں اور خطوط شائع کیے ہیں، جو انگریز ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے انہوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات لکھے ہیں اور اس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

ہندوستان کے معاصر لکھنے والوں کو اول تو اتنا اطمینان نصیب نہیں تھا کہ وہ ان واقعات کی تفصیل قلمبند کرنے پر دھیان دیتے یہ موج خوں خود ان کے سروں سے گزر رہی تھی، جنہوں نے کچھ لکھا ہے تو وہ ایک محدود علاقے اور زمانے کے حالات ہیں، انگریزوں کی داروگیر اور سقوطِ دہلی کے بعد ہونے والے مظالم نے انہیں آزادی سے لکھنے بھی نہیں دیا بلکہ بعد میں بھی منشی ذکار اللہ جیسے مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مجاہدین کے خلاف اور انگریزوں کی حمایت میں لکھا ہے۔ وہ بھی اسے ”غدر“ کہتے ہیں، ظہیر دہلوی بھی اپنی کتاب کو ”داستانِ غدر“ کہتے ہیں، مگر (F.W. BUCKLER) اپنی کتاب

The Political Theory of Indian Mutiny میں لکھتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کبھی اپنے سلطنت کے حق سے دست بردار نہیں ہوا، انگریزوں نے مغل حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیا اور ”غدر“ کرنے والے انگریز اور ان کی ایسٹ انڈیا کمپنی تھی، ہندوستانی عوام یا بہادر شاہ ظفر نہیں۔

ہندوستان کے مورخوں نے بعد کے زمانے میں چند کتابیں انگریزی میں لکھیں جن میں سین اور محمدار وغیرہ کے نام نمایاں ہیں مگر معاصر ہندوستانیوں کے بیانات بہت کم ملتے ہیں۔ بعد

کے لکھنے والوں نے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، اور انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ رکارڈ اور اُس دور کے اخباروں کی مدد سے وقائع نگاری کی ہے۔ خود انگریز مورخوں کے بیانات پڑھ کر یہ معلوم کر لینا دشوار نہیں کہ ۱۸۵۷ء کی اس جنگ آزادی کا اثر نہ صرف پورے شمالی ہندستان تک پھیل گیا تھا بلکہ مہاراشٹر، میسور اور ریاست حیدر آباد تک اس کے اثرات پہنچ چکے تھے، اس جنگ میں عوام کے ہر طبقے کے لوگ شریک تھے۔ اُن میں ہندو، مسلمان اور سکھ سبھی تھے، اسی طرح مسلمان علماء اور ہندو پنڈت بھی مجاہدین آزادی کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے بارے میں یہ غلط مشہور ہو گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے فضل حق سے التباسِ اسمیٰ کی بنا پر گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اُس وقت کی خفیہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شورش کا آغاز ہوا تو مولانا فضل حق ریاست الور میں تھے وہ اپنی ملازمت سے استعفا دے کر ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو دہلی آ گئے اور یہاں مجاہدین کی باقاعدہ رہنمائی کر رہے تھے انگریزوں کے مخبر تراب علی کی رپورٹ مورخہ ۲۴ اگست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قلعہ کی جنگی مشاورتی کونسل کے ممبر بھی بن گئے تھے انگریزوں کے جاسوس گوری شنکر نے ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء کی رپورٹ میں لکھا تھا:

”مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے۔ وہ کہتا پھرتا ہے کہ اُس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کر دینے اور پورے شہر کو مسمار کر دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کے لیے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا شاہی مسجد کا صرف ایک مینار باقی چھوڑا جائے گا۔“

(India Office London Mutiny Collection No. 170, PP. 442-443)

اسی طرح مفتی صدر الدین آزادہ کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ اُن کی جاں بخشی اس سبب سے ہوئی کہ فتوے جہاد پر انھوں نے کَتَبْتُ بِالْخَيْرِ لکھا تھا اور اس پر نقطے نہیں لگائے تھے جب انگریزوں نے اُن سے باز پرس کی تو انھوں نے اپنی صفائی میں کہا کہ میں نے فتوے پر کَتَبْتُ بِالْجَبْرِ (دباؤ میں لکھا) لکھ دیا تھا۔ یہ بھی محض

من گھڑت کہانی ہے۔ وہ فتویٰ شائع بھی ہوا تھا اور ۱۹۴۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہونے والی ایک نمائش میں بھی رکھا گیا تھا، اُس پر کہیں یہ الفاظ لکھے ہوئے نہیں تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مفتی صدرالدین آزادہ کا کردار بھی مشکوک نظر آتا ہے۔ جب ۱۸۵۷ء کی جنگ شروع ہوئی وہ لکھنؤ میں تھے وہاں سے اگست ۱۸۵۷ء کے شروع میں دہلی آئے اور بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ہندوستانی مجاہدین اُن سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف انگریزوں کے مخبر تراب علی کی رپورٹ (مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۵۷ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں سے بھی خط و کتابت کر رہے تھے۔ ادھر مخبر تراب علی اپنی رپورٹ (مورخہ ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء) میں لکھتا ہے کہ

”حکیم احسن اللہ خاں، مفتی صدرالدین، مرزا الہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی

اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔“

مفتی صدرالدین پر روپے جمع کرنے کے لیے زیادہ دباؤ دیا گیا تو مخبر فتح محمد خاں یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو اطلاع دیتا ہے :

”مفتی صدرالدین کو رقم کی فراہمی کے لیے دربار میں طلب کیا گیا۔ اُس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اُس نے بہت سے غازیوں کو چوبیس روپے روزانہ کی تن خواہ کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس نے صرف بادشاہ کو کوئی رقم دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ دھکی دی ہے کہ اگر اُسے مجبور کیا گیا تو وہ شاہی فوج کے خلاف لڑ کر مرنے کے لیے تیار ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ انگریزی فوج کی نسبت ان لوگوں کے خلاف جہاد

کرنے کو ترجیح دے گا۔“ (Mutiny Collection Vol. II N.174, P.17-19)

اُن کے گھر پر متوازی جلسے بھی ہو رہے تھے۔ مخبر تراب علی ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو اطلاع دیتا ہے کہ

”مفتی صدرالدین کے گھر پر کل رات بارہ بجے تک جلسہ ہوتا رہا۔“

مجاہدین آزادی کی تعداد کم نہ تھی مگر وہ مختلف علاقوں سے اکٹرا جمع ہوئے تھے اور ہر ٹوٹے کا کمانڈر علیحدہ تھا، کوئی ایک مرکزی قیادت نہیں تھی۔ دوسری طرف قلعہ کے شہزادے اور سلاطین کسی قسم کا فوجی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ مرزا مغل اور بخت خاں میں سپہ سالاری پر

اختلاف تھا۔ کوئی یہ کچھڑی پکار رہا تھا کہ اگر انگریزوں کی فتح ہو گئی تو اُسے تخت کا وارث تسلیم کر لیا جائے گا۔ سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ خزانہ بالکل خالی تھا۔ فوج کو تن خواہ دینے کے لیے کچھ نہیں تھا مجبوراً فوج میں سخت بے اطمینانی اور پراگندگی تھی وہ بادشاہ سے بھی گستاخانہ باتیں کرنے لگے تھے۔ تراب علی ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کی رپورٹ میں لکھتا ہے:

”فوج کے افسروں نے دھمکی دی کہ وہ شاہی خاندان کے تمام افراد کو قتل کر کے محل اور شہر کو

لوٹ لیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تخت کی گدی

ان افسروں کے سامنے پھینک کر حکم دیا کہ شاہی محل کے تمام نوادرات اور شاہی

خاندان کی بیگمات کے زیور ان کے حوالے کیے جائیں اس کے بعد وہ کعبے کی طرف رخ کر کے

رونے لگا اور کہا کہ اُسے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔“

(Mutiny Collection
Vol. II, N. 174)

انگریز جیسے دشمن سے جس نے سارے ہندوستان کے خزانوں میں جھاڑو دے دی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے اربوں روپے تجارتی منافع میں کما چکے تھے، گھر کے برتن اور زیور بیچ کر نہیں لڑا جاسکتا تھا انگریز جانتا تھا کہ مغل خاندان میں نہ تعلیم ہے نہ تربیت ہے نہ اُن کے پاس دولت ہے، صرف عوام کے دل میں اُن کے لیے جگہ باقی رہ گئی ہے اور عام طور پر افلاس اتنا ہے کہ ہندوستانیوں کو مخبری کے لیے معمولی لالچ دے کر خریدنا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب جنگِ آزادی کا آغاز ہوا تو ایک لاکھ سے زیادہ مجاہدین اس میں شامل تھے لیکن شدید افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ فوج سے الگ ہو کر بھاگتے رہے اور آخر میں جب دہلی کا سقوط ہوا تو صرف دس ہزار مجاہدین رہ گئے تھے مگر ان کے پاس بارود کا ذخیرہ بھی نہیں تھا۔ کار تو س بنانے کے لیے اُس کی ٹوپیاں بھی نہیں تھیں۔ فوجت یہاں تک آگئی کہ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر نے اپنے ہودے اوڑھنے چاندی کے برتن وغیرہ سکے ڈھالنے کے لیے ٹکسال کے حوالے کر دیے تھے۔

اس زمانے میں انگریزوں نے اپنے مخبروں کے ذریعہ ہندو مسلم کشیدگی بھی پیدا کر دی تھی اور وہیں سے انھیں یہ نسخہ ہاتھ آیا کہ ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو ہندو مسلمانوں

کو ایک دوسرے کا دشمن بنا کر رکھا جائے۔ کچھ نہ ہونے پر بھی بہادر شاہ ظفر کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ :

”لوگ بادشاہ کے چاروں طرف جمع ہو رہے تھے۔ اُس کے نام کی کشش ایسی تھی کہ اس پر سارے ہندوستان کے امنڈ آنے کا خطرہ تھا۔ ہمارا بھلا اسی میں تھا کہ اس بوڑھے کی

جان بخشی کر دی جائے۔“ (September 21, 1857 (I.E.V. 2 P. 457) IOL 370/30)

مخبر تراب علی نے یہ بھی لکھا تھا کہ

”اگر آپ شاہی خاندان کے لوگوں کو سزا دینا چاہتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ آپ باغیوں کو شکست دینے کے بعد سب سے پہلے دہلی اور قلعہ کے عوام سے اُن کے ہتھیار لے لیں، اس کے بعد جو چاہیں کریں ورنہ شہریوں کی طرف سے کافی کشت و خون کا اندیشہ ہے۔“

(۱۱ ستمبر ۱۸۵۷ء)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہزاروں مجاہدین نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور اسی آگ میں جل کر راکھ بن گئے۔ دہلی اور لکھنؤ کے بازار اور کوچے خون سے لالہ زار ہو گئے۔ شہروں میں جگہ جگہ پھانسیوں کے پھندے لگا دیئے گئے۔ راجے، نواب، امیر، غریب، شہزادے سرکاری ملازم، مرد، عورتیں اور معصوم بچے تک انتہائی جبر و تشدد کا نشانہ بنائے گئے۔ دہلی کے راج گھاٹ میں ننگے سینوں اور گولیوں کا مقابلہ ہوا، ہزاروں کے سر قلم کر دیئے گئے، شہزادوں اور بیگمات کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا گیا بے گناہ شہزادوں کے سر قلم کر کے بہادر شاہ ظفر کو پیش کئے گئے۔

دہلی کے علاوہ گورگاؤں، جھجر، بلب گڈھ، کرنال، میرٹھ، کانپور، جھانسی، مراد آباد، بریلی اور شمالی ہند کے شہروں اور قبضوں میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی، انگریز شقاوت اور بے رحمی کا مظاہرہ کرتا رہا اور آزادی کے پروانے جل کر راکھ ہوتے رہے۔ چند مورخین کے اندازے کے مطابق تیس ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں سو برس کے ضعیف بھی تھے اور معصوم بچے بھی۔

ان مجاہدین میں چند کا نام آزادی کے افق پر آج تک سرخ حرفوں میں لکھا ہوا دکھائی دیتا

ہے۔ آزادی کی اس پہلی جنگ میں ہندو مسلم یک جہتی اپنے شباب پر تھی اور اس کا نعرہ اگر کسی نے کھل کر لگایا تھا تو وہ تھے عظیم اللہ خان جو انتہائی جوان مردی کے ساتھ انگریزوں کے خلاف بڑے حوصلے اور منظم طریقہ پر لڑتے رہے اور زندگی کے آخری لمحوں تک دشمنوں کی گرفت میں نہیں آئے۔ ساور کران کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں :

”۵۷ء کے اہم کرداروں میں عظیم اللہ خان کا نام ہی سب سے پہلے جنگ آزادی کے تصور سے متاثر ہوا۔ ان کا نام آزادی کی تاریخ میں روشن اور نمایاں ہے بغاوت کو منظم کرنے اور مکمل کرنے والی بہت سی اسکیموں میں عظیم اللہ خان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں عظیم اللہ خان کو اپنے وقت کا بڑا انقلابی کہا جاسکتا ہے۔“

اسی طرح جنرل بخت خان بھی ایک ایسا نڈر اور بہادر سیاست داں اور مورچہ بندی میں بھی ایسا ماہر تھا کہ اس کی مثال نہیں تھی۔

بریلی کی بغاوت میں جنرل بخت خان سب سے پیش پیش تھے۔ انہیں کی کوششوں سے خان بہادر خاں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اور جنرل بخت خان ہر لڑائی میں برابر کے شریک رہے۔ انگریزی حکومت ہر قیمت پر اس جاں باز سپاہی کو پکڑنا چاہتی تھی۔ لیکن شیر کو آسانی سے قید نہیں کیا جاسکتا تھا اور وہ تو شیروں کے سردار تھے۔ جو اہر لعل نہرو نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

”اگر دہلی کی ساری جنگ کا تاج ”بہادر شاہ ظفر تھا اور ہاتھ پاؤں ہندو اور مسلمان تھے تو اس جنگ کا دماغ بخت خان تھا۔“

مولوی احمد اللہ شاہ کا نام بھی ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی تاریخ میں ہمیشہ نمایاں رہے گا۔ ان کے بارے میں ساور کران نے تحریر کیا ہے۔

”مولوی قد میں اونچا اور اکہرے بدن کا ہونے پر بھی مضبوط اور گھٹا ہوا تھا آنکھیں بڑی اور بھنویں کالی تھیں۔ ناک نوک دار اور چہرہ بھرا ہوا تھا بہادر مسلمانوں کی زندگی سے یہ سبق حاصل ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اصول پر یقین اور دیش بھگتی نہ بے میل ہے نہ دشمنی تو احمد اللہ شاہ بہت بڑے وطن پرست تھے۔ سچے اور ایماندار۔ ایسے ملک میں پیدا

ہونے والے اور اس پر کٹ مرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔“

اسی طرح مولوی لیاقت علی اللہ آباد کے انقلابی مجاہد تھے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بلا امتیاز ہندو مسلمان سب ایک ساتھ مل کر جہاد کا نعرہ لگاتے تھے۔ ان کے بارے میں پنڈت سندھ لال کہتے ہیں:

”مولوی لیاقت علی نام کے ایک انسان کو شہنشاہ بہادر شاہ کی طرف سے صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ لیاقت علی ایک معمولی قابلیت کے انسان تھے ان کے چال چلن کی پاکیزگی کے سبب سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ انھوں نے اللہ آباد کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں سے شہر میں ایسا امن و امان قائم کیا کہ جس پر فخر کیا جاسکتا ہے۔“

اس عظیم جنگ آزادی میں عورتوں کا رول بھی تاریخ کا اہم باب ہے۔ بیگم حضرت محل نے انتہائی فراست، ہمت اور جاں فشانی سے اودھ کی خوں ریز جنگ میں حصہ لیا اور لڑائی کے میدان میں مردوں کی سی شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بارے میں پنڈت سندھ لال لکھتے ہیں:

”اودھ کے باشندوں کی اس آزادی کی لڑائی میں بیگم حضرت محل کے تحت اودھ کی بہت سی عورتیں مردانہ پوشاک پہن کر ہتھیار باندھ کر اپنی الگ فوج بنا کر لڑ رہی تھیں حضرت محل نے عورت ذات اور پردہ نشیں ہونے کے باوجود اس گرم جوشی اور بلند ہمتی سے میدان عمل میں قدم رکھا کہ جو ان مردوں کو بھی اس پر رشک آنا چاہیے۔“

ان اقتباسات سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا جو مخصوص کردار رہا ہے وہ ناقابل فراموش ہے حالانکہ موجودہ تاریخ داں، ان روشن حقائق کو دانستہ انصاف کے ساتھ پیش نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے ہندو مسلم یک جہتی کمزور ہوتی جا رہی ہے۔

ستمبر ۱۸۵۷ء تک جتنے مجاہدین رہ گئے تھے وہ اگرچہ نہتے تھے اور ان کے پاس روپے بھی نہیں تھے لیکن وہ سب مرنے مارنے کو ہر دم تیار تھے یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ بادشاہ نے یا مجاہدین نے کہیں بھی ہتھیار نہیں ڈالے انھیں مغلوب کر لیا

گیا اور وہ بے بس ہو گئے تھے مگر وہ اس جنگ میں حق پر تھے اور انگریزوں کو ملک کا دشمن سمجھ کر لڑے تھے۔

۱۸۵۷ء کی شورش میں بہادر شاہ ظفر نے مجاہدین کو حکم دیا تھا کہ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور بیماروں پر ظلم نہ کیا جائے۔ اس کے برعکس ہڈسن لکھتا ہے:

”جب ہماری فوجیں شہر میں داخل ہوئیں تو اس وقت موجود ہر شخص کو قتل کر دیا گیا، اس طرح مرنے والوں کی تعداد کافی تھی اس تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض گھروں میں چالیس چالیس پچاس پچاس سے زیادہ لوگ چھپے ہوئے تھے جن کو ہم نے قتل کیا۔ شہر کو دو دن کے لیے سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا تھا اور کون ہے جو یہ بتا سکے کہ شہر کے کونوں میں کتنے زخمی شوہروں، بیٹوں اور بھائیوں کا خون بہا۔“

اخبار ٹائمز لندن ۲۷ نومبر ۱۸۵۷ء میں ایک خط شائع ہوا تھا اس میں لکھا تھا:

”ہمیں ہر روز گھروں میں چھپے ہوئے ایسے سپاہی ملتے ہیں جو بیماریا زخمی ہونے کے سبب بھاگ نہیں سکتے تھے۔ ہم انھیں موقع پر ہی ہلاک کر دیتے ہیں۔“

غرض یہ ایک ایسی دردناک داستان ہے کہ اسے لکھتے ہوئے انگلیاں فگار اور خامہ خون چکاں ہو جاتا ہے۔ اردو میں اب تک اس کا غیر جانب دارانہ تحقیقی اور تاریخی مطالعہ نہیں کیا گیا تھا، جناب سید خورشید مصطفیٰ رضوی ۱۹۵۶ء سے اس موضوع پر ریسرچ کر رہے ہیں ان کی کتاب ”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء“ صد سالہ یادگار کے موقع پر ۱۹۵۷ء میں چھپی تھی اس کے بعد بھی انھوں نے اپنا مطالعہ اور تحقیق جاری رکھی اور اس میں اضافہ ہوتے رہے مجھے خوشی ہے کہ اب اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن اس وقت شائع ہو رہا ہے جب ہمارے دیس کی آزادی کا پچاس سالہ جشن جمہوریت ملک بھر میں منایا جا رہا ہے۔

سید خورشید مصطفیٰ رضوی نہایت خاموش طبع متین اور سنجیدہ عالم ہیں انھوں نے بڑی لگن اور محنت سے یہ کتاب برسوں تک سیکڑوں کتابوں اور دستاویزوں کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھی ہے اسے بلا خوف تردید اس موضوع پر اردو میں سب سے زیادہ جامع

اور منصفانہ مطالعہ کہا جاسکتا ہے۔

رامپور رضا لاہیری کے سابق ممبر پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ہمیں اس کتاب کی اشاعت کی جانب توجہ دلائی تھی اُن کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے، رام پور رضا لاہیری نے اپنی حیات تازہ کے دور میں اب تک بیس سے زیادہ نئی کتابیں شائع کی ہیں اور زیر نظر کتاب ایسی ہے جس کی اشاعت پر ہم یقیناً فخر کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں رام پور رضا لاہیری بورڈ کے چیرمین عالی جناب سورج بھان صاحب گورنر اتر پردیش اور ممبران میں پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر شریف حسین قاسمی اور ڈاکٹر شاہ عبدالسلام نے ہماری ہر موقع پر خاطر خواہ ہمت افزائی کی ہے جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت سے متعلق کاموں میں ابوسعدا صلاحی اسسٹنٹ لاہیری، سید احمد میاں لاہیری اسسٹنٹ بلقیس فاروقی اسٹینو اور موہنی رانی نے بھی میری مدد کی ہے جس کے لیے میں ان کا ممنوں ہوں۔

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

افسر بکار خاص

رام پور رضا لاہیری

رنگ محل، قلعہ رام پور

۱۷ جون ۱۹۷۲ء

سخن آشنا

نوآبادیاتی استحصال اور سیاسی مظالم سے بھرپور ہندوستان کی تاریخ آزادی اس سے بہت قدیم اور جان و مال کی قربانیوں سے لالہ زار ہے جتنی آج سیاسی بددیتی کے سبب سے بتائی جاتی ہے، یاد رسوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ تاریخ کے ساتھ کھلواڑ ہر دور میں ہوتی رہی ہے مگر اس زمانے میں کچھ زیادہ ہی ہوئی ہے۔ فرنگی تاجروں نے اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور ہماری مالی حالت کو اتنا خستہ کر دیا کہ آج تک اس ملک کے کروڑوں باشندے خطِ افلاس کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں اور ایک بہت بڑا متوسط طبقہ وجود میں آ گیا ہے جس کے کندھوں پر ہر طرح کے ٹیکسوں کا جوا رکھا ہوا ہے۔ لیکن تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ جس فرنگی نے ہندوستان کی دولت کو سمیٹ کر اپنے ملک کو سبایا، سنوارا، ہماری تہذیب اور ثقافت کی ہزاروں سال پرانی شاندار تاریخ کے آثار کو ملیا میٹ کر دیا، اور ہماری زندگی کے ہر شعبے میں اپنے کلچر اور رسم و رواج کو ٹھونس دیا، اس ملک کے باشندے آج بھی اُس کے لیے تعظیم اور ہمدردی کے جذبات رکھتے ہیں اور ہندوستان کے جن سپوتوں نے اپنی مادرِ وطن کی عزت و حرمت اور آزادی کو بچانے کے لیے اپنی جان، مال، عزت، آبرو، سب کچھ قربان کر دیا اُن کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور اُن کی قربانیوں کی جانب کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ ہندوستان کو فرنگیوں کے ظالم پنجوں سے چھڑانے کے لیے پہلی بڑی قربانی نواب سراج الدولہ نے پیش کی تو دوسرا مجاہدانہ اقدام شیر ہندوستان سلطان ٹیپو شہید نے کیا جسے فرنگی اپنے عزائم کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ لیکن آج ٹیپو کو بھی اس لیے نظر انداز کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسلمان حکمران تھا۔ تاریخ میں اس

سے بڑی احسان فراموشی اور محسن کشی کی دوسری مثال مشکل سے ہی ملے گی۔

فرنگی استعمار سے ملک کو آزاد کرانے کی تیسری بڑی کوشش وہ تحریک تھی جسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان کی قیادت میں شروع کیا گیا تھا، لیکن انگریزوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ بالآخر اُس کا رخ پنجاب کی سکھ حکومت کی طرف موڑ دیا تاکہ وہ اپنے دونوں دشمنوں کو لڑا کر اپنی طاقت بنائے رکھے۔ چوتھی بڑی کوشش ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے، جسے انگریز نے غدر کا نام دے دیا۔ یہ اگر غدر تھا تو انگریزوں نے ہندوستانیوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اس تحریک نے اچانک ایک ہندوستان گیر شکل اختیار کر لی تھی اور اس میں قربانی دینے والے ہندو مسلمان سبھی تھے، لیکن ہمارے سیاسی بازیگروں نے اس کو بھی دوسرا رنگ دے دیا اور اب اُس کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو اس ڈھنگ سے ہوتا ہے جیسے یہ صرف کسی ایک فرقے کا کارنامہ تھا۔ اس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے جو مظالم کیے اُن کی وجہ سے ہندوستانیوں کو اس کی تاریخ لکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ بہت سرسری اور یک طرفہ ہے۔ کیونکہ اس بے پناہ جذبہ آزادی کو کچلنے کے لیے انگریزوں نے پانچ لاکھ سے زیادہ ہندوستانیوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا تھا اور اتنی دہشت پھیلا دی تھی کہ ہندوستانی اپنے نجی خطوط میں بھی اس سے متعلق کوئی بات لکھنے سے ڈرتے تھے لیکن انگریز مصنفوں نے اس جنگ آزادی کے بارے میں جتنی تفصیل سے اور کثرت سے کتابیں لکھی ہیں اُن کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فرنگی اس تحریک کو کتنی اہمیت دیتا تھا اور اُس سے کتنا خائف تھا۔ اسی جہاد آزادی میں ہندوستانیوں کے جذبات کا اندازہ کر لینے کے بعد اُس نے ہندو مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بونے کی باقاعدہ مہم شروع کی اور ہماری جہالت اور حماقت نے اُس کی سازش کو کامیاب بنایا جس کے پھل اب ہمیں برابر مل رہے ہیں اور ہمیں اب بھی اتنی عقل نہیں آتی ہے کہ فرنگی ہمیں جس جال میں پھنسا گیا ہے اس سے باہر نکل آئیں۔

زیر نظر کتاب کے مصنف سید خورشید مصطفیٰ رضوی ایک معزز علمی خاندان کے وسیع المطالعہ فرد ہیں، اُن کی متعدد کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ انھوں نے ۱۸۵۶ء کی جنگِ آزادی کے موضوع کا گہرا تحقیقی مطالعہ کیا ہے، اس موضوع پر اُن کی پہلی کتاب جنگِ آزادی ۱۸۵۶ء کی صد سالہ یادگار کے موقع پر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی اور علمی حلقوں میں اُس کا گرم جوشی سے خیر مقدم ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن جلد ہی تمام ہو گیا تھا۔ میں نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اس کا اور زیادہ تفصیل سے مطالعہ کریں تاکہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔ رضوی صاحب نے چالیس سال سے زیادہ مدت اس موضوع کے تقریباً تمام دستیاب مآخذ کا مطالعہ کرنے میں صرف کی اور اب یہ نیا ایڈیشن پہلی اشاعت سے نہ صرف بالکل مختلف ہو گیا بلکہ ضخامت میں بھی دس گنا زیادہ ہو چکا ہے جس کا ابھی صرف ایک حصہ ہی پیش کیا جا رہا ہے۔

رضوی صاحب کی خصوصیت ایک تو یہ ہے کہ وہ اردو، انگریزی اور فارسی سبھی مآخذوں سے براہِ راست استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ خوبی دوسرے لکھنے والوں میں بھی مل جائے گی۔ دوسری خصوصیت یہ کہ انھیں اپنے موضوع سے ایک دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے جو انھیں تحقیق کی نئی راہیں دکھاتا ہے۔ یہ تعلق بھی دوسرے مصنفوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ تیسری خوبی اُن کا بہت سلیس، شگفتہ اور سلسل و مربوط انداز بیان ہے جس سے پڑھنے والا اُن کی تحریر سے جڑ جاتا ہے اور اسے کہیں ابہام یا پیچیدہ اظہار کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ یہ وصف بھی ایسا ہے جسے ہم کسی دوسرے مصنف میں بھی ڈھونڈ سکتے ہیں۔

خورشید مصطفیٰ رضوی کی چوتھی خوبی دوسرے مصنفوں کی تحریروں میں، خصوصاً ایسے لکھنے والوں میں جن پر سیاست کے آسیب کا سایہ پڑا ہو، مشکل سے ملے گی بلکہ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ نہیں ملے گی، وہ ہے اُن کا صاف ذہن جس میں کسی تعصب کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ذہنی اور فکری اعتبار سے وہ ایک سچے اور پکے محبِ وطن ہیں، اسی لیے بعض مواقع پر کسی قدر جذباتی بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر حق و انصاف کا دامن

ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اُن کی وطن پرستی اس لیے اور بھی معتبر ہے کہ وہ سیاست کے گھناؤنے دھندوں سے کوسوں دور ہیں، ورنہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے محب وطن بننے والے بہت سے گندم نما جو فروش وطن پرست بھی مل جاتیں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ رام پور رضا لاہیری کے افسر بکار خاص ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی نے جو خود بھی تاریخ کے اسکالر ہیں، اس کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کو پہچانا اور اس کی اشاعت کا بند و بست کیا۔ اس سال میں اس کی اشاعت کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہو گئی کہ یہ ہمارے ملک کی آزادی کا پچاسواں سال ہے۔ رام پور رضا لاہیری کی مطبوعات ہمیشہ علمی امتیاز اور وقار کی حامل رہی ہیں اس سلسلۃ الذہب میں یہ کتاب ایک انمول رتن کا اضافہ کی جاسکتی ہے۔

مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اپنے موضوع پر یہ سب سے طویل اور مستند کتاب ہے، جس کی تالیف میں مصنف نے چالیس سال تک دیدہ ریزی کی ہے اور اس کا علمی حلقوں میں ایسا ہی استقبال ہوگا جیسا اس موضوع پر رضوی صاحب کی پہلی کتاب کا ہوا تھا۔

نثار احمد فاروقی
پروفیسر، شعبہ عربی،
دہلی یونیورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
۱۷ ستمبر ۱۹۹۸ء

مقدمہ

۱۸۵۷ء پر میری پہلی کتاب ”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء“ شائع ہوئی (۱۹۵۹ء) تو خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک نوجوان کی پہلی کاوش مقبولیت کا یہ شرف حاصل کر لے گی کہ چند ہی ماہ میں دوبارہ چھاپنے کی نوبت آگئی اور پھر نہ جانے کتنی بار (۶) پرنٹ ہوتی رہی۔ اس کتاب کی غیر معمولی مقبولیت نے دوبارہ اس طرف متوجہ کیا اور اس موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا گیا۔

ڈاکٹر تارا چند، ڈاکٹر کنور محمد اشرف اور مولانا محمد میاں نے اس کتاب پر پیش لفظ اور تعارف تحریر کیے تھے۔ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا

ہے۔

”شاید اس مضمون پر یہ اردو کی پہلی تصنیف

ہے جس میں بلا تعصب مذہب و ملت اس انقلاب

کی صحیح کہانی بتلائی گئی ہے

..... ان کی معلومات وسیع ہیں اور ان کی نظر گہری“

ڈاکٹر اشرف نے لکھا تھا :

” میں اس ”نقشِ اوّل“ کو کامیاب قرار دوں گا۔

مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اُردو بلکہ ہندی زبان میں بھی ان کا مقالہ سہۂء کے ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ صاف اور سلیس زبان، واقعات کا تسلسل اور فراوانی، ایک مرتب اور مربوط داستان۔“

حضرت مولانا محمد میاں (ناظم جمعیتہ العلماء ہند) کی رائے تھی کہ :

” یہ کتاب اس کا حق رکھتی ہے کہ اس سلسلے میں مرتب ہونے والی تمام تصانیف میں بہتر قرار دی جائے۔“

یوپی گورنمنٹ نے اس کو اوّل انعام (ایوارڈ) کا مستحق قرار دیا (۱۹۴۰ء)۔ پنڈت سند رلال نے ہندی ترجمے کے لیے اصرار کیا۔

ہندوستان و پاکستان کے متعدد رسائل نے اس پر تبصرے کیے اور اپنے موضوع پر ”خوب ہی نہیں“ بہت خوب ”قرار دیا۔ ان میں قابلِ ذکر ہیں ”فاران“، ”کراچی“، ”پگڈنڈی“، ”امرستھر“، ”مجلس“، ”حیدرآباد“، ”یڑہان“، ”دہلی“، ”الفرقان“، ”لکھنؤ“، ”النشا“، ”کراچی“۔

”آجکل“، ”دہلی“، ”الجمعیتہ“، ”دہلی“، وغیرہ۔

گہرائی تک پہنچا ہوا تھا“ لے

جی۔ بی۔ میلین نے اعتراف کیا ہے کہ بغاوت کی تحریک جن لوگوں نے شروع کی وہ سپاہی نہیں تھے۔ اُس نے اپنی دوسری کتاب ”انڈین میوٹی“ (۱۸۹۱ء) میں بتایا ہے کہ ”جون کراکرافٹ ولسن کا یہ بیان کہ ۳۱ مئی کا دن ملک میں بغاوت کے لیے مقرر کیا گیا تھا، ہر جہیز میں کمیٹیاں بنادی گئی تھیں اور صرف انہی کو پورے پلان کا علم تھا، تجھے شمالی ہند کے لوگوں سے جو معلومات حاصل ہوئی ہے اُس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ بالکل درست ہے۔“ وہ کہتا ہے کہ ”دسی باشندوں کو جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا اور ابھی زندہ ہیں، اس سلسلے میں کچھ کہنے کے لیے آمادہ کر لینا بہت مشکل کام ہے مگر کچھ لوگوں سے میں نے یہ حالات معلوم کر لیے کہ تاریخ مقرر کی گئی مگر میرٹھ کی قبل از وقت بغاوت نے کامیابی کے امکانات ختم کر دیئے“ (ص ۱۸۸)۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ تحریک قومی رنگ اختیار کرتی چلی گئی (جلد ۱ ص ۱۶۵)۔ مورخ رائس ہومز نے بھی عوامی بغاوت کہا۔ حالیہ ہندوستانی مورخوں میں ڈاکٹر سین اور محمد ار نے عوامی کردار پر توجہ نہیں کی اس لیے بغاوت کے عوامی رنگ (جسے اب ”قومی“

سے تعبیر کیجئے (کو عیاں کرنا ضروری معلوم ہوا کیونکہ بغاوت کے کردار اور ہمہ گیری کو چانچنے کے لیے اس پہلو کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ علاوہ ازیں تحریک ولی اللہی کے علماء نے ملک کے گوشے گوشے میں جس سرگرمی سے حصہ لے کر جہاد کا رنگ بھرا، وہ بغاوت کا کردار متعین کرنے کے لیے اہم رُخ ہے۔ اس تحریک کو وہابی تحریک کا نام دیا گیا لیکن ہم ولی اللہی کے نام سے بیان کریں گے کیونکہ اس تحریک کے رہنما حضرت شاہ ولی اللہ سے متاثر تھے۔

بغاوت کے لیے پورے ملک میں جو سازشیں ہوئیں وہ بھی قومی نوعیت پر دلالت کرتی ہیں۔ تحریک ولی اللہی کے علماء جو خفیہ تیاریاں کر رہے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بغاوت کا یکے بعد دیگرے تمام علاقوں میں یکساں انداز طے شدہ پلان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جون کراکرافٹ ولسن اور ولیم میور نے اپنے مشاہدے، تجربے اور سرکاری ریکارڈ کی بنیاد پر سازش کا حال بیان کیا ہے۔ اکثر انگریزوں نے سازش کا وجود صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ مثلاً کے روٹن کی کتاب 'پیسپین یٹو' وغیرہ میں بہادر شاہ کے مقدمے میں جج ایڈوکیٹ ہیریٹ بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ دہلی اور میرٹھ کی سپاہ میں تعاون اور رابطہ تھا۔ میرٹھ کے کمشنر ایف ولیم، پٹنہ کے کمشنر گوپہ، مورخ میس اور لی گرانڈ جیکب وغیرہ نے ان سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ گوپہ نے

اپنی کتاب (Our Crisis) میں بہار کی باغیانہ خط و کتابت کا ذکر کیا ہے۔ رابرٹس نے اپنی ضخیم کتاب (فورٹی ون ایرن ان انڈیا۔ ص ۱۳۵) بتایا ہے کہ پشاور میں بغاوت کی افواہیں سن کر ڈاک خانے سے خطوط دیکھے گئے تو بہت بڑی تعداد میں باغیانہ خطوط ملے جو ہندسوں اور اشاروں کی زبان میں تھے اور ان میں انگریزوں کو ملک سے نکلانے کے جذبات کھلے طور پر بیان کئے گئے تھے۔ لاہور کرائیکل، مورخہ یکم اپریل ۱۸۵۷ء میں خبر تھی کہ لاہور میں سپاہ کی باریکوں میں باغیانہ اشتہارات پائے گئے۔ الگرنڈرڈون نے بغاوت کو سیاسی سازش کا نتیجہ اور عام بغاوت کہا۔ میلین جس نے ان واقعات کی غالباً سب سے زیادہ چھان بین کی، اپنی کتاب میں جو اس نے تین سال بعد دوبارہ ہندوستان آکر تحقیق کے بعد لکھی (۱۸۹۱ء) یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ :

”حالات سے مجھے ثبوت مل گیا کہ بغاوت کی تہہ میں انگریزوں سے نفرت کے جو جذبات تھے وہ ذاتی نہیں بلکہ قومی تھے اور ان لوگوں کے دلوں میں بھی کارفرما تھے جو ایک صدی تک ہمارے سچے اور بے حد وفادار رہے تھے۔ جب بغاوت کچل دی گئی تو میں نے ان قومی جذبات کی اصلیت کا پتہ لگانے کے لیے اپنی

تحقیق از سر نو شروع کی اور مختلف جگہوں پر اپنے ہندوستانی
احباب کی مدد سے ایک قطعی نتیجے پر پہنچا..... چچائیوں
کی گردش سے ان رہنماؤں نے دیہاتی عوام کو آگاہ کیا
تھا کہ عمل کا وقت آگیا ہے۔“ ۱

حالات پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہو گا کہ نہ صرف ہر ذات، طبقے،
فرقے اور رنگ و نسل کے عوام ملک کے گوشے گوشے میں متحد نظر
آتے ہیں بلکہ اُن کی بہادری اور جان بازیوں کی مثالیں بھی ایسی
ہیں جو تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھی جائیں گی۔ دہلی ہی کو
دیکھئے کہ جہاں انتہائی بد نظمی اور انتشار کا عالم ہے، غداری اور
دغا بازی عروج پر ہے جس میں احسن اللہ اور زینت محل بھی از
سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں مگر سرفروش انقلابی ہیں کہ روزانہ
صبح کو انگریزی فوجوں سے جنگ آزما ہوتے کے لیے فوجی ترتیب
کے ساتھ نکلتے ہیں اور دن بھر کی لڑائی کے بعد دن چھپے واپس
آ جاتے ہیں۔ ایک دو دن نہیں پورے
چار مہینے تک متواتر۔ اور وہ بھی جون، جولائی
اگست کی قیامت خیز تپش، لوہ اور گرمی ہیں۔ اُن کو
تنخواہیں نہیں ملتیں، اُن کو کھانا نصیب نہیں ہوتا، تن پہ کپڑا نہیں،

بد قماش مغل شہزادے اُن کے نام پر لاکھوں روپیہ مہاجنوں سے
 لے کر خود کھا جاتے ہیں مگر آزادی وطن کے متوالے اس کی پرواہ
 نہیں کرتے اور ۲۴ ستمبر تک پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کر کے
 دشمن کو ناکوں چنے چوادیاتے ہیں۔ کانپور،
 اودھ اور روہیلکھنڈ کو دیکھتے تو دہلی کی جانبازیاں ماند ہو کر رہ
 جائیں گی۔ بنگال اور بہار پر نظر کیجئے تو اسی سال کا بوڑھا کنور سنگھ
 جواں مردوں سے بازی لے گیا۔ گورنر بنگال اپنی
 رپورٹ میں نہ کہتا تو شاید مشکل سے یقین آتا کہ بعض جگہ تو یہ
 دلیران وطن فقط تیر و کمان لے کر توپوں اور بندوقوں کے منہ
 آرہے ہیں

مضحکہ اور قطرہ شبہم کا انگاروں کے ساتھ !
 دہلی اور لکھنؤ کا انتظام حکومت انقلابیوں کے ہاتھ میں آتا ہے
 تو موجودہ دور کی جمہوریت اور پرچاراج کی جھلک نظر آتی ہے۔
 ادنیٰ انقلابیوں کے جذبات کا اندازہ اس عرضی سے لگائیے جو
 پیادہ رجمنٹ کے سپاہی بھوانی سنگھ نے بہادر شاہ کو بھیجی کہ
 ”میگزین کے عملے کو کام پر لگانے سے پہلے ضروری
 ہے کہ ہر شخص سے اس کی جائے قیام پوچھی جائے اور اس
 کے بیان کی تصدیق کر لی جائے یا وہ کسی کی ضمانت
 دے اور اس کا پورا پتہ ہمیشہ دفتر میں موجود رہے....“

اگر بغیر پوچھ گچھ کام پر لگایا جائے گا تو دشمن کے جاسوس بھی شامل ہو جائیں گے..... میگزین میں ایک افسر اور محرر رکھا جائے اور صبح شام جانچ ہو کہ کوئی دشمن کا جاسوس تو نہیں آگیا ہے“ اے

سرسری طور پر اگر ہم سلطان ٹیپو رح کے عہد سے ۱۸۵۷ء تک کا جائزہ لیں تو مختلف بغاوتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہونگے کہ اس آدھی صدی کے دوران ملک ایک ہمہ گیر تحریک بغاوت کی تیاری کر رہا تھا اور ملکی حالات انقلاب کی گرج سنار ہے تھے۔ اس عرصے میں ملک کے مختلف حصوں میں برابر بغاوتیں ہوتی رہیں جن میں کچھ عوامی، کچھ فوجی اور کچھ ستم رسیدہ جاگیرداروں یا حکمرانوں کی شورشیں تھیں۔ مثال کے طور پر چند بغاوتیں یہ تھیں :

۱۸۰۰ء _____ ڈھونڈیاواگ کی بغاوت

۱۸۲۹ء _____ ناگاؤں کی بغاوت

۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۹ء _____ آسام میں مختلف بغاوتیں

۱۸۰۵ء - ۱۸۰۳ء _____ بندیل کھنڈ میں مختلف بغاوتیں

۱۸۱۳ء _____ سہارنپور کے گوجروں کی بغاوت

۱۔ حسن نظامی : غدر کے فرمان

ساونت وادی	۱۸۳۲ء تا ۱۸۳۶ء
کولھاپور	۱۸۲۳ء
بیجاپور	۱۸۲۴ء
ضلع گنجام	۱۸۰۱ء
دکھنی علاقوں میں	۱۸۲۶ء - ۱۸۲۹ء
مالابار - ویلور (مدراس)	۱۸۰۲ء
بریلی	۱۸۱۲ء
اڑیسہ (پانگوں کی بغاوت)	۱۸۱۷ء
ساگر	۱۸۲۲ء
مالابار	۱۸۱۲ء - ۱۸۱۳ء

۱۸۵۵ء _____ سنخالوں کی بغاوت

انگریز مورخوں نے اپنے دشمنوں کو ملکی دفاع اور آزادی کے لیے دلیرانہ جنگ پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ تو کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ انہی منتشر بغاوتوں نے ملک کے ذی ہوش اور غیرت مند طبقے کو دعوتِ فکر دی ہو۔

متعدد واقعات خفیہ تنظیم اور سازش کا کھلا ثبوت ہیں جن پر اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ مستند حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً تمام ملک میں مولویوں، فقیروں اور سنیاسیوں کے دورے، شہروں میں اشتہارات، آگ کی پراسرار وارداتیں اور

سُراغ لگانے میں ناکامی خفیہ خط و کتابت کا انکشاف چنانچہ مسٹر
ہرپرشاد چٹوپادھیائے کی تحقیق کے بموجب :

” پٹنہ اور لکھنؤ کے درمیان نامہ و پیام ہو رہا تھا
خفیہ تنظیم کے کارکن فوجوں کو بغاوت پر آمادہ کر رہے
تھے..... ایک وہابی لیڈر پیر علی کے گھر کی
تلاشی پر ہمہ گیر سازش کا انکشاف ہوا..... خفیہ
تنظیم کے ایجنٹ جگہ جگہ مقرر تھے اور ان کو تنخواہیں دی
جاتی تھیں۔ بغاوت کی تیاری کے لیے چندے کیے جا رہے
تھے“ اے

ملک کے دور دراز علاقوں حتیٰ کہ اندور، گوالیار، بھوپال وغیرہ
سے باغی فوجی سرداروں کی رہنمائی میں مع جہادیوں، تحریک ولی اللہی
کے متاثرین، کے فوراً دہلی کا رخ کرتے ہیں، زیادہ تر فوجیں خزانہ
پوری حفاظت کے ساتھ دہلی لا کر شاہی خزانے میں جمع کراتی ہیں
علی گڑھ۔ بنارس۔ مدراس وسط ہند وغیرہ میں ایسے سادھو اور
برہمن گرفتار ہوتے ہیں جو فوج میں بغاوت پھیلا رہے تھے۔ تو کیا
یہ سب لوگ خود بخود بغیر کسی طے شدہ اسکیم اور تحریک کے اس
مہم پر نکل پڑے تھے ؟

جے ڈبلوشیر نے اپنی سرگذشت ”ڈیلی لائف ڈیورنگ میوٹنی“ میں لکھا ہے کہ بغاوت سے چند سال پہلے وہ آگرے میں ولی دادخاں سے ملا تھا اور بعد میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہ وہاں بغاوت کے لیے سازش کر رہا تھا ویلیس ڈنلپ اپنے چشم دید حالات میں بتاتا ہے کہ قائم خاں کے جو کہ ولسن کے دستے کا افسر تھا، خطوط شاہ دہلی کے کاغذات سے برآمد ہوئے جن میں بغاوت کے پلان اور میرٹھ پر حملے کی اسکیمیں درج تھیں۔ وہ یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ سازش موجود تھی اور نگینہ کے تحصیل دار نواب احمد اللہ نے ایک انگریز سے یکم مئی ۱۸۵۷ء کو کہا تھا کہ اس بار ہم کامیاب ہونگے کیونکہ یہ کام اب لائق ہاتھوں میں ہے۔

مورخ محمد ار نے خفیہ تنظیم اور سازش سے انکار کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ نانا صاحب باغی فوجوں کے ہمراہ دہلی نہیں گئے حالانکہ یہ تو دورانِ لشی کا ثبوت ہے کہ تمام قوت ایک جگہ جمع کر کے انگریزوں کو مقابلے کی آسانی دینا مناسب نہ سمجھا، دیگر رہنماؤں کی طرح اپنے علاقے میں انتظام سنبھالا اور بہادر شاہ کی سلامتی دی۔ سیتارام کی داستان ”قرام سیپائے ٹو صوبیدار“ سے، ۲۷

جس کا حوالہ اس مؤرخ نے بھی دیا ہے، سازش کا وجود ثابت ہے اور چشم دید بیان ہے مگر مجدد صاحب نے اس پورے بیان کی صداقت سے صرف اس جملے پر کہ ”یہ بات ہر شخص خصوصاً ہر برہمن جانتا تھا“ یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ ”یہ بازاری گپ معلوم ہوتی ہے“ اس کتاب کے آخری باب میں سیتارام نے جو تلوی (اودھ) کا ساکن تھا، بیان کیا ہے کہ اودھ کی صنطی کے بعد نواب اودھ اور شاہ دہلی نے مختلف جگہوں پر آدمی بھیجے تاکہ دیسی فوجیوں کے رجحانات کا پتہ لگائیں۔ ان آدمیوں نے دیسی فوج والوں کو سمجھایا کہ اگر دیسی فوجیں ایک ساتھ بغاوت کریں تو ملک سے انگریز نکالے جاسکتے ہیں۔

بغاوت کے دوران مرکزیت اور قومیت کا مظاہرہ ہر جگہ سامنے آتا ہے۔ بہادر شاہ کے نام پر حکومت قائم ہوتی ہے۔ ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ نہ صرف کانپور جھانسی مراد آباد بجنور بلکہ اڑیسہ وغیرہ کے علاقوں سنگھ بھوم میں بھی اعلان یہ ہوتا تھا کہ :

”خلقت خدا کی۔ ملک بادشاہ کا.....“ لے

نانا صاحب کی تخت نشینی پر پہلے بہادر شاہ کے اعزاز میں
 توپیں سر کی جاتی ہیں۔ دینا پور (بہار) اور مدراس کی فوجیں
 بغاوت کرتی ہیں تو ”پادشاہِ دہلی زندہ باد“ کے نعرے بلند کرتی ہیں۔
 الہ آباد سے مولوی لیاقت علی دہلی کو رپورٹ بھیجتے ہیں تو کنور سنگھ
 اپنی سرگرمیوں کا حال بہادر شاہ کو لکھتا ہے۔ بہار میں وارث علی
 پھانسی کے وقت کہتا ہے :

”کوئی ایسا ہے جو ہمارے مارے جانے کا حال شاہ

دہلی تک پہنچا دے۔“

فرخ آباد اور فتح گڑھ کے علاقوں میں نادر علی پھانسی پاتے
 وقت ہم وطنوں کو پکار کر کہتا ہے

”اپنی تلواریں اُس وقت تک میان میں نہ کرنا

جب تک انگریزوں کو نیست و نابود کر کے آزادی

حاصل نہ ہو جائے۔“

بہئی پریسی ڈنیشی کی ریاست ستارا کا ایک چیرا سی گرفتار

ہوتا ہے جو دیسی رجمنٹ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔

پھانسی کے تخت سے چلا کر کہتا ہے

”آج انگریز اُس وقت سے زیادہ مصیبت میں

ہیں جب وہ اس ملک میں آئے تھے..... لوگو! عمل اور حرکت کا وقت آگیا ہے۔ اگر ہندو مسلمانوں کی اولاد ہو تو بغاوت کرو“ ۱

بنگال کے بارے میں جی بی میلینسن کا چشم دید واقعہ سینے؛ ”وہ بنگالی لوگ جو شاید تلوار کی شکل دیکھ کر بے ہوش ہو جاتے، بغاوت اور انگریزوں کے قتل عام کی خبریں سن کر آپس میں چہ می گوئیاں کرتے تھے کہ بہادر شاہ کی حکومت کے ماتحت ہم میں کون ایسا ہے جو انتظام سنبھالنے کے لیے مناسب ترین ہو“ ۲

ابھی اور آگے چلیے۔ آسام میں راجہ سارنگ کا دیوان منی رام دت جب بغاوت کی خبریں اور بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان سنتا ہے تو بہادر شاہ کی حمایت میں بغاوت کی تحریک شروع کرتا ہے اور فوجوں کو خط لکھ کر بغاوت پر آمادہ کرتا ہے۔ ۳

۱ Foreign Sec. Consultation 634, September 25, 1857
Freedom Str. UP vol.1 p. 362 SEN: 409

۲ MALLESON: Indian Mutiny (1891) p. 408

۳ BARPUJARI (H.K.): Assam in the Days of East India Company

حیدرآباد میں انقلابی جذبات بیدار ہوتے ہیں تو اشتہارات میں یہ عبارت نظر آتی ہے۔

”پنج رمضان المبارک کے دہلی پر تروار (تلوار) چلی اور سوائے اس کے دس جائے ہتھیار چلا مگر ابھی تک ریاست میں دھن کے ڈھیل ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دہلی کا تخت آباد ہونا ریاست والوں کو منظور نہیں۔“

لکھنؤ میں برجیس قدر کی تخت نشینی ہوتی ہے تو اگرچہ اودھ کے نوایان اپنے آپ کو آزاد تصور کر چکے تھے اور سابقہ خطاب ’وزیر اودھ‘ کی بجائے ’شاہ‘ کا لقب اختیار کر لیا تھا مگر انقلابی فوجی افسروں کی طرف سے جو شرائط رکھی جاتی ہیں اُن میں یہ ملاحظہ ہوں :

۱۔ دہلی سے جو احکام صادر ہونگے اُن کی تعمیل کی جائے گی۔

۲۔ برجیس قدر کا لقب وہ ہوگا جو بہادر شاہ تجویز کریں۔

یہ تجاویز پیش کرنے والے فوجی افسروں میں رسالدار امرا و سنگھ۔ شہاب الدین۔ رگھوناتھ سنگھ۔ مخدوم بخش بیپال سنگھ۔ راج مند تیواری۔ برکات احمد وغیرہ شامل تھے۔ یہ

شرائط تحریری شکل میں تھیں، جسے لال سنگھ نے پڑھ کر سنائیں اور منظور کی گئیں۔

اے ایل سری واستوانے وسط ہند کے علاقوں پر تحقیق کے بعد جو کتاب لکھی اُس میں صاف طور پر بیان کیا ہے کہ وسط ہند راجپوتانہ وغیرہ کے تمام علاقوں میں یہ اعلان کیا جاتا تھا: ”خلقِ خدا۔ ملکِ بادشاہ۔ حکمِ سپاہ“ اے

پورے ملک میں چپاٹیوں کی تقسیم اور کنوں کی گردش جسے تقریباً تمام انگریز مورخوں نے عوام کے لیے اشارہ تسلیم کیا، قومی اور عوامی نوعیت کا بلکہ خفیہ تنظیم کا بھی ثبوت ہے۔ میلینسن نے تو ذاتی طور پر تیس سال بعد تفتیش کر کے یہ بھی پتہ لگالیا کہ یہ مولانا احمد اللہ شاہ نے شروع کی تھیں۔ اس کا بیان ہے کہ خفیہ تنظیم کی ایگزیکٹیو کونسل (مجلسِ عمل) بنائی گئی جس کے جلسے ۱۸۵۷ء کے ابتدائی مہینوں میں ہوئے اور بغاوت کی تاریخ دو مرتبہ مقرر کی گئی۔

بغاوت کی ہمہ گیری اور وسعت کے علاوہ رہنماؤں کی نقل و حرکت اور دور دراز کے سفر بھی بغاوت کے اس پہلو کو سامنے لاتے ہیں۔ علاوہ انہیں عورتوں کا جوش و خروش اس کی

نوعیت کو سمجھنے کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ رانی جھانسی یا بیگم حضرت محل وغیرہ تو حکمرانوں کی صف میں ہیں اگرچہ اُن کے کردار بھی تاریخ کے لیے فخر و تراز کا سرمایہ ہیں لیکن عام عورتوں میں لکھنؤ کی بیگمات کا یہ واقعہ قابل غور ہے جو ”ٹائمر“ کے نامہ نگار رسل نے پیش کیا ہے کہ جب اُن سے انگریز افسروں نے پوچھا کہ کیا تم نہیں سمجھتی کہ یہ شورش ہماری فتح پر ختم ہوگئی؟

تو اُن کا جواب تھا کہ

”نہیں۔ بلکہ ہمیں یقین ہے کہ آئندہ ایک نہ ایک دن تمہیں ضرور شکست ہوگی“

قومی غیرت اور خودداری کی عکاسی ان الفاظ سے زیادہ اور کہاں ہو سکتی ہے؟ صرف یہی نہیں، واقعات بے شمار ہیں۔ لکھنؤ ہی کی اُس بڑھیا کو دیکھتے جو بارود میں آگ لگانے کے لیے ایک بمبو کو سلگارہی ہے اور جس کا میچنڈی نے تذکرہ کیا ہے۔ سکندر باغ کی جنگ میں نہ صرف عورتیں شامل ہیں بلکہ ایک نوجوان لڑکی پیل کے درخت سے انگریز افسروں کو نشانہ بناتی ہے جبکہ جنگ ختم ہو کر لاشوں کا فرش بچھ چکا ہے۔ دہلی کی جواں ہمت بڑھیا گھوڑے پر سوار ہے اور لوگوں کو جہاد کے لیے پکارتی ہے خود سب سے آگے رہ کر بار بار جنگ کرتی ہے، زخمی ہو کر گرفتار ہوتی ہے اور انگریز افسر اپنی خط و کتابت

میں اسے ہندوستان کی ”جون آف آرک“ کا خطاب دیتے ہیں۔ کانپور کی عزیزن کا واقعہ بھی یاد کر لیجئے۔

بریلی میں خان بہادر خاں کو پچھانسی کے لیے لایا جاتا ہے اور سوال کیا جاتا ہے کہ ”تم نے ہمارا نمک کھایا، پھر یہ غداری کیوں کی؟“
جواب شروع ان الفاظ سے ہوتا ہے :

”تم نے ہمارا آبائی ملک چھین لیا تھا.....“

ایک لمبی تقریر اور بحث کے بعد خان بہادر خان کہتے ہیں کہ
”اب دیر لگانا کیا ضروری ہے“ اور یہ شعر پڑھتے ہیں :

بہ جرم کلمہ حق می گشتند غوغا نیست

زمرگ زندگیم می شود تماشا نیست

منیر شکوہ آبادی نے نوابانِ فرخ آباد کے پچھانسی پانے پر
شعر کہے :

”دونوں شہیدِ راہِ خدا آہ ہائے ہائے“

خدا کی راہ میں مقتول ہو کے آخر کار

گئے جہاں سے وہ سُوئے روضۂ رضوان

علماء نے جو تقریریں کیں وہ محفوظ نہیں۔ صرف مولوی سرفراز

علی کی تقریر انگریزوں کی تحریروں میں ملتی ہے، مولوی موصوف

تحریک ولی اللہی کے علماء میں شامل ہیں، بغاوت کی سازش

میں ہمہ تن شریک تھے اور اس مقصد کے لیے دورے کر رہے تھے۔ چنانچہ یکم مئی ۱۸۵۷ء کو مولوی مظہر کریم کے گھر شاہ جہاں پور، ایک خفیہ میٹنگ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہماری تحریک تمام ملک میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ حاضرین میں نظام علی خاں۔ قدرت علی۔ ستیل سنگھ۔ عبدالرؤف خاں۔ دولت رائے۔ کالکا۔ شاد۔ گھنشام سنگھ۔ منگل خاں وغیرہ تھے۔ مولوی سرفراز علی نے کہا:

”..... کیا ان فرنگیوں کو مزید ہمارا مالک بنا رہنا چاہیے؟ قسم ہے پیغمبرؐ کی انھیں ہمارے وطن کو ناپاک کرنے کی اور زیادہ مہلت نہیں دی جاسکتی۔ میں یہاں اس کے طور طریقے تجویز کرنے کے لیے آیا ہوں۔ سوچو کہ انھوں نے اس ملک پر قبضہ کرنے کے لیے کیا طریقے استعمال کیے..... یہ ہندوستانی سپاہ تھی جس نے ان کے لیے یہ ملک فتح کیا اور علیؑ کی تلوار کی قسم یہی حربہ اب انھیں تباہ کرنے کے لیے استعمال ہوگا..... کیا تم بھول گئے کہ ہمارے جری اور بہادر ہم وطنوں نے کس طرح انگریزوں کو مالا بار، وسط ہند، کابل اور پنجاب میں بار بار شکستیں دیں اور انشاء اللہ ایسا اب پھر ہوگا.....“

اے بھائیو! ————— ہمارا دین خطرے میں ہے۔
 وطن کی آزادی اور اقتدار کھو دینے کے بعد اب کیا
 ہم اپنے دین دھرم سے بھی محروم ہو جائیں گے؟ ”اے
 حسان بہادر خاں کے ایک اعلان کے الفاظ —————
 ”..... کیا انھوں نے ہمارے ملک کے علاقوں
 اور حکومتوں کو نہیں نگل لیا ہے؟ کس نے ناگپور کی
 حکومت چھینی؟ کس نے لکھنؤ کا راج ہضم کیا؟ —
 کس نے ہندو مسلمان کے مذہب کو روند ڈالا؟ —
 ہندوستان سے ان فرنگیوں کا نشان اپنے
 خون کے دھاروں سے مٹا دو“ ۲۱
 نانا صاحب کا ایک اعلان —————
 ”انگریز اس ملک میں سوداگری کے لیے آئے اور
 پھر فریب کاریوں اور سازشوں سے ہندو مسلمانوں کی
 حکومتوں کے مالک بن بیٹھے..... ظلم فریب

CHAUDHURY : Theories of Indian Mutiny p.31

Civil Rebellion pp. 25-26

KAYE: vol. V p. 290 SARKAR: 177-178

CHAUDHURY: Theories... p. 30

اور نا انصافیاں اُنھوں نے اس ملک کے باشندوں کے ساتھ روا رکھی ہیں۔ مجھے خدا کی طرف سے ان کافروں کی سزائش کے لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ میں انھیں تباہ و برباد کر دوں اور اپنے وطن کو بچاؤں“ ۱

موجودہ دور کے موڑخوں میں ایس بی چودھری کا اندازہ یہ ہے کہ ”کوئی بھی موڑخ جو پوری طرح اس تمام مواد اور مآخذ کا جائزہ لے، اس بات سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ بغاوت نے آزادی اور دیش بھگتی کے سگلتے جذبات میں آگ لگا دی“ ڈاکٹر سرنیدرناکھ سین کو اقرار ہے کہ ”میرٹھ کے باغیوں نے جب اپنے آپ کو بہادر شاہ کے سامنے پیش کیا اور جاگیرداروں اور عوام کے ایک طبقے نے اس کی حمایت کا اعلان کیا تو تحریک نے جلد ہی عوامی بغاوت کی شکل اور سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ اس طرح جو تحریک مذہبی جنگ کی صورت میں شروع ہوئی، آزادی کی جنگ پر ختم ہوئی کیونکہ اب اس امر میں خفیف سا شبہ بھی باقی نہیں کہ باغیوں کا مقصد اجنبی اقتدار سے آزادی حاصل کر کے پُرانا نظام قائم کرنا تھا جس کا جائز نمائندہ بہادر شاہ تھا“ ۲

۱. Source Material for History of Freedom Movement 253-254
Bombay Govt. Records quoted by Chaudhury in Theories of Indian Mutiny pp. 30-34

۲. SEN: p. 411

مسٹر ایس ایم گھوش سکریٹری فریڈم ہسٹری بورڈ کی تقریر
(۱۶ دسمبر ۱۹۵۳ء) :

”جو حالات فراہم کیے گئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ
یہ کوئی اچانک یا الگ تھلک واقعہ نہیں تھا بلکہ ملک بھر
کے بیدار ملک کو آزاد کرانے کے لیے یک جا ہو گئے تھے
غیر ملکی حکمرانوں کو نکالنے کی یہ پہلی منظم کوشش تھی۔
تحریک کا مقصد یہ تھا کہ سارے ملک کو آزاد کر کے ایک
خود مختار حکومت قائم کی جائے جس کا حاکم اعلیٰ بہادر
شاہ ہو“ اے

مسٹر اے۔ ایل سری واستو کا خیال ہے کہ :
”بغاوت عوام کی ناراضگی اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔
انگریز مورخوں نے اعتراف کیا ہے کہ بغاوت نے
برطانوی حکومت کی جڑ بنیاد ہلا کر رکھ دی..... باغی
فوجوں کے ساتھ عملی طور پر عوام کے ہر طبقے کی مدد اور
تعاون شامل تھا..... خفیہ طور پر جو پلان
بنایا گیا وہ کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکا مگر ایسا پلان
موجود ضرور تھا“ ۲۱

۱۱ نور شید رضوی: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء - ۲۷۸
۲۱ سری واستو: وسط ہند میں ۱۸۵۷ء (انگریزی) ۲۵-۲۳۴

شائع کیے، سازشوں اور خفیہ تنظیموں کے جال بچھا دیئے چنانچہ
مدارس میں جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک پوسٹر نکلا جس کے بارے میں
خیال ہے کہ مولانا احمد الشرح نے شائع کیا۔

ملاحظہ ہو۔

”برادران وطن اور مذہب کے خیر خواہو! —
اٹھو۔ اٹھو۔ متحد ہو کر اٹھو۔ فرنگیوں کو وطن سے نکالنے
کے لیے اٹھو جنہوں نے انصاف کو روند ڈالا اور ہمارا
ملک چھین لیا ہے۔ ایک ہی علاج ہے کہ
ہندوستان کو فرنگیوں کے ظلم و ستم سے آزاد کیا جائے
اُن سے خوں ریز جنگ کی جائے۔ یہ آزادی
کے لیے جہاد ہوگا۔ یہ انصاف اور حق

کے لیے جنگ ہے۔“ ۱

جن انگریز مورخوں نے صحیح طریقے سے تمام مواد اور مآخذ کا جائزہ
لیا ہے وہ ایک خاص نتیجے پر پہنچے کے لیے مجبور نظر آتے ہیں۔ ایف
ایچ فشر نے نتیجہ نکالا ہے کہ ”بغاوت کو فوجی شورش قرار دینا مشکل
ہی سے صحیح مانا جاسکتا ہے۔“ ۲۔ مہترا کا مجسٹریٹ تھارن ہل

1. BALL (C.): Vol.1 pp. 39-40

SAVARKAR: pp. 88-89 Chaudhury : Theories... P. 31

۲۔ فشر گزیٹیٹر جس کا مراد آباد کے حالات میں حوالہ دیا گیا ص ۱۶۲

اعتراف کرتا ہے کہ یہ صرف فوجی شورش نہیں بلکہ عوامی بغاوت تھی۔ لے بدایوں کا مجسٹریٹ صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ ”یہاں کی پوری آبادی بغاوت پر کمر بستہ تھی۔“ ہومز کا اندازہ ہے کہ پورا رُوہیلکھنڈ بغاوت کی لپیٹ میں تھا۔ ولیم کے نے لکھا ہے کہ تقریباً تمام بندیل کھنڈ نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھالیے تھے۔“ وسط ہند کے بارے میں کیننگ نے لکھا کہ ”وسط ہند ہاتھ سے گیا جسے از سر نو فتح کرنا ہوگا۔“ ای۔ اے سیمول کمشنر ٹپنہ نے بنگال گورنمنٹ کے سکریٹری کو ایک خط (۲۵ ستمبر ۱۸۵۸ء) میں ’عظیم ہندوستانی بغاوت‘ کہا اور لکھا کہ :

”شاہ آباد میں یہ قومی بغاوت کی پوری شان رکھتی

تھی۔“ لے

جون ولیم کے اعتراف کرتا ہے کہ :

”نہ صرف گنگاپار بلکہ دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقوں میں بھی دیہاتی عوام نے بغاوت کی اور تھوڑے ہی عرصے میں شاید ہی کوئی ہندو یا مسلمان ایسا بچا ہو جو ہمارے خلاف کھڑا نہ ہو گیا تھا۔“ (جلد ۲ ص ۱۹۵)

1. CHAUDHURY; Civil Rebellion p. 287

2. DUTTA : Freedom Movement in Bihar p. 10

بنجامن ڈسریلی انگلینڈ پارلیمنٹ میں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ:
 ”یہ عظیم قومی بغاوت ہے۔ فوجی شورش نہیں“

(تقریر ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء ہاؤس آف کامنز لندن)

بورڈ آف کنٹرول کے چیرمین الہنرو نے لکھا:
 ”ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ان حالات میں اودھ کی
 جدوجہد کی حیثیت ایک جائز جنگ کی ہے یہ نسبت
 بغاوت کے“

جوسٹن میکارتھی کی رائے تھی کہ:

”ہندوستان کے وسیع و عریض علاقوں میں یہ ہندوستانی
 نسلوں کی بغاوت تھی انگریزی اقتدار کے خلاف۔ یہ کسی
 طرح بھی فوجی بغاوت نہیں بلکہ انگریزوں کے خلاف فوجی
 بے چینیوں، قومی تنفر، مذہبی تعصبات کا ملا جلا مرکب
 تھی۔ دیسی حکمران، سپاہی، ہندو مسلمان سب ہمارے
 خلاف کھڑے ہو گئے تھے“ ۱

چارلس بال کا تجزیہ

”تحریک نے اب ایک اہم رخ اختیار کر لیا اور

پوری قوم کی بغاوت بن گئی“ (جلد ۱۔ ص ۲۲-۲۴)

۱. Mc CARTHY (Justin): Short History of Our Times p. 170

الگزنیڈر ڈف نے اسے عوامی جدوجہد، قرار دیا اور اس نظریے پر طویل بحث کی ہے اے پادری ریوکیٹڈی کے بیان کے مطابق :

”بغاوت نے بیشتر معاملات میں ذاتی مفاد اور سابق

آقاؤں سے وفاداری کے جذبات کو فنا کر دیا۔ ایسے حالات میں حکومت کا وفادار رہنے کی تہمت ناقابل برداشت تھی۔ یہ سب جانتے ہیں کہ جو چند سپاہی ہماری ملازمت میں ڈٹے رہے اُن کو نہ صرف اُن کے ساتھی بلکہ ذات برادری کے لوگ بھی برادری سے خارج تصور کرتے ہیں۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں کو جانے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ نہ صرف لعن طعن کی جلے گی اور برادرانہ عنایات سے محروم رکھا جائے گا بلکہ اُن کی جان کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔“ ۱

کیا یہ اس بات کی قطعی شہادت نہیں کہ بغاوت قومی بنیادوں پر تھی۔ ؟ ریوکیٹڈی نے یہ بھی بتایا ہے کہ :

”اگر اُن ہندوستانی افسروں کی فہرست تیار کی جائے جو بغاوت میں شامل ہوئے تو یہ تمام افسروں

1. DUFF: Letters of India. Pp. 482-483

2. SAVARKAR: p. 281

کی فہرست ہوگی۔ سو اے چند کے "۱۵
اکثر اضلاع کی جو رپوٹیں وہاں کے مجسٹریٹوں نے بھیجیں اُن
سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے۔ مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں
تیر لاکھ باغی سرکاری ملازمین کی فہرست ہے اُن میں منصف
اور ڈپٹی کلکٹر سے لے کر مہدیو چیرا سی فوجداری اور سنیل چند
سیا ہی تک شامل ہیں۔ بجنور کے ملازمین کی فہرست "تاریخ سرکشی
بجنور" میں دی گئی ہے جس میں رام سروپ جمدار جیسے ادنیٰ
ملازمین بھی ہیں۔ کانپور کے مجسٹریٹ جے ڈبلو شیر نے ۳۱
جنوری ۱۸۵۹ء کو کانپور کے بارے میں لکھا تھا کہ :

"ہندوستانی عملے کی غداری کا بھی بے شک ضلع

میں بہت برا اثر پڑا۔ کلکٹر کی سرکردگی میں سب ہی آدمی

چپکے سے باغیوں سے مل گئے" ۱۶

جے ڈبلو پنکنے نے ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء کو جھانسی کے متعلق بھی اسی
طرح کی رپورٹ دی۔ کمشنر ایف ولیم نے ۱۵ نومبر ۱۸۵۸ء کو شمالی
مغربی صوبجات کے گورنمنٹ سکریٹری ولیم میور کو سہارن پور سے
لکھا تھا کہ "پولس نے کامل غفلت اختیار کی اور ٹس سے مس
نہ ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ گویا انھوں نے لوگوں کے ساتھ سمجھوتہ

1. SAVARKAR: p. 281

KENNEDY (J.): Great Indian Mutiny. P. 43

2. Narrative of Events, Kanpur No. 68

کر لیا ہے“ ۱

ریڈ پمفلٹ میں ہے کہ :

”تمام اودھ ہمارے خلاف برسرِ پیکار تھا۔ نہ صرف باقاعدہ فوجیں بلکہ بادشاہ کی فوج کے ساتھ ہزار جوان، زمیندار اور اُن کے نوکر چاکر۔۔۔۔۔۔ اُن پنشن خواروں نے بھی جو ہمارے ملازم رہے تھے ہماری مخالفت کا اعلان کر دیا تھا اور اُن کا ایک ایک آدمی بغاوت میں

شریک ہو گیا“ ۲

عوام میں انگریز دشمنی کے جذبات کا مظاہرہ جبکہ نظر آتا ہے مثلاً فرانسیسی عورت ہو رٹسٹ انگلیسی نے اپنی سرگزشت میں بتایا ہے کہ کلکتہ۔ بمبئی اور مدراس کے خطوں سے علم ہوا کہ ہندوستان میں عنقریب ایک بڑی شورش برپا ہونے والی ہے۔ مائیں اپنے بچوں سے دعا کرتی تھیں کہ فرنگی جڑ بنیاد سے غارت ہو جائیں گے۔ مسز انگلیسی کا بیان ہے کہ :

1. Narrative of Events, Meerutt No. 406 (Symposium edited by Joshi)

2. SAVARKAR: p. 260

۳ مسز آلڈول کی گواہی مقدمہ بہادر شاہ

”یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو مندروں میں دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانہ (مغلیہ) کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو..... اُن کی ہر ادا بتاتی تھی کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں..... یہ لوگ ہم انگریزوں کے تسلط سے ایسے دل تنگ اور انگریزی حکومت سے اس قدر نالاں تھے کہ مارسیاہ (سانپ) کی طرح بل کھاتے تھے۔ اُن کی کوئی بات طنز سے خالی نہ ہوتی تھی۔ دکنی پنڈت عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہے تھے دکن کے برہمنوں نے کالپی سے ایک اعلان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ”اگر اس موقع پر ہم سب ایک ہو جائیں تو تو یہ دیوتا ہادیو کی خوشی کا باعث ہوگا اور دھرم کا بچاؤ ہو سکے گا۔ ہمیں امید ہے کہ وہ تمام لوگ جو سولہ اور تیس سال کے درمیان عمر کے ہوں اور تلوار چلا سکتے ہیں، فوجوں میں اپنے سپاہی بھتیجیوں کے جمل پور کے راجہ شکر شاہ اور رگھوناتھ شاہ کی قیام گاہ پر چھاپہ مارا گیا تو دوسرے باغیانہ کاغذات کے علاوہ ایک دعا،

۱۔ عاصی (ظفر حسن) مترجم: ایام غدر ۱۲-۸ (یعنی سرگزشت مسز انگلیسی)

۲۔ Foreign Spl. 651 (Freedom Str. UP vol. 3 p. 356

برآمد ہوئی جو مندروں میں پڑھی جاتی ہوگی یہ دعا، ٹائمز، لندن
اسر اکتوبر ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی ترجمہ یہ ہے :

”اے سنگھار کھا۔ (دشمنوں کو برباد کرنے والی)

انگریزوں کو مار دے نیست و نابود کر دے دشمنوں کو پکڑنے نکلنے دے

اور نہ ایسوں کی بیویاں اور بچے

..... دھرم کی پکار سن

دیر نہ کر۔ اب انھیں کھا جا

اور وہ بھی جلد ہی“ لے

کانپور کے برہمنوں نے تمام قرب و جوار کے علاقوں میں بغاوت
کی آگ لگا دی تھی۔ بنارس اور پٹنہ پنڈتوں اور علماء کے مرکز
ہونے کی وجہ سے انتہائی خطرناک علاقے تھے۔

باغی عوام اور رہنماؤں نے جو پامردی اور استقلال کی
مثالیں قائم کی ہیں انکے بارے میں خود انگریزوں کی زبانی یہ الفاظ
ملتے ہیں کہ اُن کا انداز کسی بلند مقصد کے شایانِ شان تھا۔ مثلاً
لی گرانڈ جیکب نے بیان کیا ہے کہ کوہا پور میں جب باغیوں
کو توپوں سے اڑایا جا رہا تھا تو اُس نے جاں بخشی کی پیش کش
کی بشرطیکہ وہ اپنے ساتھیوں کے نام بتا دیں

لے

وہ ناکام رہا۔

گراند جیکب نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب باغیوں کو توپ سے اڑایا جا رہا تھا تو ان میں سے ایک ایسا تھا جو صرف زخمی ہوا لیکن اس کے باوجود وہ فخر کے ساتھ سینہ تان کر دوسرے راؤنڈ کے لیے توپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر جیکب اُس کے قریب گیا اور کہا کہ ”مجھے تم پر رحم آتا ہے شاید دھوکہ دے کر تمہیں بغاوت میں پھنسا دیا گیا ہے اگر تم سرکاری مدد کرو اور باغی سرداروں کے نام بتا دو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے“ لیکن یہ زخمی شخص اپنے زخم کی تکلیف سے جھکا، خاموش رہا، میری طرف ترش روئی اور حقارت سے دیکھا اور برملا کہا ”میں نے جو کیا ٹھیک کیا“ یہ کہہ کر اُس نے مُنہ پھیر لیا اور دلیری سے توپ کے سامنے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ۱۵

شولا پور کے راجہ وینکٹا پاننگ کو بغاوت کے جرم میں حیدرآباد سے گرفتار کیا گیا۔ ایک انگریز میڈوز ٹیلر نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب اُس نے راجہ سے سازش کی تفصیل اور باغی سرداروں کے نام پوچھنا چاہا اور اس شرط پر جاں بخشی کا یقین دلایا تو راجہ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ ”میں دوسروں کی

بھیک پر بُزدلوں کی طرح جینا نہیں چاہتا، لیکن ٹیلر ایک بار پھر اُس کے پاس گیا اور اُسے بہلا پھسلا کر پوچھنا چاہا تو راجہ کا جواب سنئے !

”کیا —؟ — جب میں موت کے منہ میں جانے کو تیار ہوں، دغا کر کے اپنے ملک والوں کے نام ظاہر کر دوں؟ — نہیں نہیں — پھانسی کے پھندے توپوں کے دہانے یا کالا پانی کوئی چیز بھی اس قدر ہولناک نہیں جتنی کہ غداری اور دغا بازی —
..... میں چور ڈاکو نہیں ہوں اس لیے یہ درخواست کرنا ہے کہ مجھے پھانسی نہ دو بلکہ توپ سے اڑا دو اور تم دیکھنا کہ میں کس قدر استقلال اور خاموشی سے توپ کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا۔“

مولانا پیر علی کو جب پھانسی دی جانے لگی تو وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھے۔ صرف اُس وقت آنکھیں ڈبڈبائیں جب انھوں نے اپنے عزیز بیٹے کا نام لیا۔ فوراً ہی ایک انگریز افسر نے ان کے جذبات کا فائدہ اٹھا کر کہا کہ ”پیر علی تم اب بھی یح سکتے ہو اگر سازش کے دوسرے لوگوں کا نام بتا دو۔“ پیر علی نے خاموشی سے انگریز افسر کی طرف منہ پھیرا، ہمت اور شرافت سے بھرپور

نے ۱۸۵۷ء کی تاریخ کے صفحات کو رنگین کر کے اپنے وطن کا سر بلند کیا ہے۔ اودھ میں میر محمد حسن اور خیر الدین کی خط و کتابتیں یہ رنگ صاف کھٹنا نظر آتا ہے۔ مورخ گبنس نے تو مثالیں دی ہیں کہ زمینداروں اور تعلقہ واروں مثلاً راجہ نواب علی اور راجہ گور بخش سنگھ کو لالچ دیکر توڑنے کی کوشش کی گئی مگر ناکامی ہوئی۔ منومنت سنگھ کا واقعہ اودھ کے حالات میں ملے گا۔ اُس نے کہا کہ میں نے آپ کی جان بچانے میں مدد کی مگر آپ نے ہمارا ملک چھین لیا ہے اس لیے اب میں شاہ اودھ کی طرف سے آپ کو ملک سے نکالنے کی جدوجہد میں حصہ لوں گا۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ چارلس بال بھی اقرار کرتا ہے کہ لالچ دینے سے کام نہیں چلا لے پارلیمنٹ لندن کے کاغذات سے عیاں ہوتا ہے کہ کم از کم ستر مقامی تعلقہ دار محمد حسن کے ساتھ تھے جن میں رانیاں مثلاً ڈگری کنور اور رانی امور با وغیرہ بھی تھیں روہیل کھنڈ میں پرگنہ کرور، موضع کھیرہ، شیوگڈھ اور نگریا کے بھٹاکروں نے خان بہادر خاں کی حمایت کا اعلان کیا۔

سہارن پور میں (انگریزی رپورٹوں کے مطابق) دیہاتی اور شہری عوام عزم و استقلال کا مظاہرہ کر رہے تھے اسی طرح علی گڑھ

میں غوث محمد خاں کی کمان میں عوام پانچ چھ ہزار تھے اور یہ ایک دلیرانہ جنگ تھی (۲۴ اگست ۱۸۵۷ء)۔ اعظم گڑھ وغیرہ کے حکام کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صورت حال کس قدر خطرناک تھی جو ہنر ایا عوام کی شرکت سے پیدا ہوئی۔ اس صلح مراد آباد کے بارے میں انگریز حکام کی خط و کتابت میں جو سرسید نے اپنی کتاب ”خیر خواہ مسلمانان ہند“ (حصہ دوم) میں نقل کی ہے، اس صلح کو ”دغا باز اور مصیبت خیز علاقہ“ کہا گیا ہے یہ الفاظ بغاوت کے عوامی رنگ پر دلالت کرتے ہیں۔ گزٹیر میں لکھا گیا کہ ”صلح کے مسلمانوں نے من حیث القوم انگریز دشمنی کے جذبات ظاہر کیے،“ امر وہم جیسی چھوٹی سی بستی کے بارے میں عدالتوں کے انگریز حکام کے یہ فیصلے ہیں کہ ”سوائے امر وہم کے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں انگریزی اقتدار کے خلاف اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا ہو“ ۱۲

ہنری ویلیس ڈنلپ نے اپنے ذاتی مشاہدے میں لکھا ہے کہ مظفرنگر کا پورا علاقہ سخت بغاوت کی لپیٹ میں تھا جہاں بڑی تعداد میں شہری و دیہاتی عوام شریک تھے مسلمان، ماوی جاٹ، دھولانہ اور سولانہ کے راجپوت اور تمام گوجر قبیلے کھلی بغاوت میں شریک

۱۲. CHAUDHURY: Civil Rebellion p. 45

۱۳. عباسی: تاریخ امر وہم ۸۲-۸۰

تھے۔

اجیت مل (اٹاواہ) کی جنگ (مارچ ۱۹۵۸ء) میں دیہاتی عوام کثیر تعداد میں تھے۔ کانپور کی جنگوں میں تمام قبیلے مثلاً گور۔ چوہان۔ پوار۔ چندیلہ۔ پٹی والا وغیرہ نے حصہ لیا۔^۱ شاہ جہاں پور میں جب اپریل ۱۹۵۸ء میں مولانا احمد اللہ نے جنرل ہیل کی فوج کو گھیرا تو خفیہ سرکاری رپورٹ ہے کہ ہر گھر پر مورچہ بندی کا عالم تھا۔ اودھ کے لیے تو کئی مورخوں نے اعتراف کیا ہے۔ مثلاً میکلائڈ انس کہتا ہے:

”کم از کم اودھ کی جدوجہد کو تو جنگ آزادی کہنا پڑیگا“
گورنر جنرل کے نام کو رٹ آف ڈائریکٹر کی خفیہ کمیٹی کے خط (۱۹ اپریل ۱۹۵۸ء) میں لکھا گیا کہ ”اودھ کی معرکہ آرائیاں جائز جنگ کی حیثیت رکھتی ہیں“^۲۔

جون ولیم کے اور الگرنیڈ رڈف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اودھ میں عوامی بغاوت کا سامنا تھا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اودھ میں یہ جنگ آزادی تھی اور باقی صوبوں میں نہیں، تو اسے نہ عقل تسلیم

1. DUNLOP (W): Service with ... 119, 121, 67, 57

2. CHAUDHURY: Theories pp. 156-157

3. INNES (M): quoted by Savarkar p. 357

4. MAJUMDAR: p. 224 TARACHAND: vol.2 p. 41

کرے گی نہ تاریخ۔ میرٹھ کے کمشنر ایف ولیم نے بغاوت کی عوامی نوعیت کا اعتراف کیا ہے۔ اے کیپٹن ہیرلسن وغیرہ کے بیانات بہار میں عوامی نوعیت پر گواہ ہیں۔ رابرٹسن نے دیوبند کے عوام کے مقابلے بیان کیے ہیں اسی طرح متھرا۔ غازی پور۔ الہ آباد۔ باندہ۔ جالون۔ جھانسی۔ اگمر۔ نربدا علاقوں کے عوام کا دلیرانہ کردار تمام سرکاری کاغذات اور پارلیمنٹ لندن میں پیش کردہ رپورٹوں سے عیاں ہے۔ پالامو بہار اور دکنی علاقوں کے حالات عوام کے جوش و خروش کی داستانیں سناتے ہیں اور انگریزی حکام نے ’قومی بغاوت‘ سے تعبیر کیا ہے۔ بغاوت کے اسی انداز و کردار نے انصاف پسند انگریزوں کو بھی جھنجھوڑ دیا۔ برطانیہ کے ایک شاعر اور ادیب ارنسٹ جونسن نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے نہلکہ برپا کیا۔ اپنے اخبار ”پینلنر پیپر“ (یکم اگست ۱۸۵۷ء) میں لکھا۔

”بغاوت نے قومی جنگ کی شکل اختیار کر لی ہے۔“

..... یہ عوامی جنگ ہے۔ ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں عوام کی اتنی کثیر تعداد نے حصہ نہیں لیا..... ہماری رائے ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے۔“

۱۔ CHAUDHURY: Civil Rebellion p. 276

۲۔ JOSHI: Symposium Ed.

۳۔ فخر شید رضوی: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۵۲۷

”لندن ٹائمز“ کے نامہ نگار ولیم رسل کا بیان ہے کہ :
 ”اجنبی حکومت کا جو اتار پھینکنے، ہندوستانی حکمرانوں
 کا اقتدار بحال کرنے اور ملکی مذہبوں کا پورا غلبہ قائم کرنے
 کی جنگ، امید کی جنگ اور قومی عزم کی جنگ تھی“ اے
 ”ریڈ پمفلٹ“ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ :
 ”ابتداء کے وقت بظاہر صرف فوجی بغاوت تھی لیکن
 تیزی سے اس کا کردار تبدیل ہوا اور قومی بغاوت بن گئی“
 قومی اتحاد کا جو مظاہرہ ہوا اُس کا ایک اندازہ توفارسٹ کے
 الفاظ میں کیجئے کہ اُس سے زیادہ شاید ہی کسی نے تمام ریکارڈ کا جائزہ
 لیا ہو :

”بغاوت موڑخوں اور انتظامیہ (ایڈمنسٹریشن) کو جو
 سبق دے گئی اُن میں سب سے زیادہ اہم یہ وارننگ
 ہے کہ آئندہ یہ ممکن ہے کہ کسی انقلاب کے موقع پر برہمن
 اور شہور اور ہندو مسلمان ہمارے خلاف متحد ہو جائیں“

۹

1. RUSSEL: My Diary p. 164

2. Freedom Str. UP vol.4 p.3-4

3. BALL: vol.1 pp. 644-645 CHAUDHURY: Theories of
 .p.144 FORREST: Selections vol. II p. 150

پی ہارڈی کا اندازہ ہے کہ:

”۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کو یقین تھا کہ ہندوستان

سے اُن کا نکالا جانا _____ جو کہ ناممکن نہیں۔

صرف دو مذہبی گروہوں ہندو اور مسلمان کے اتحاد

پر ممکن ہو گا اور اسی لیے اُنھوں نے ان گروہوں کے

اختلاف اور ضد کو بڑھا کر برقرار رکھا تاکہ اس اختلاف

میں ایک تیسرے غیر جانب دار ایمپائر (جج) کی ضرورت

پیدا ہو یعنی برٹش حکومت کی۔ کیونکہ تشدد پسند

مسلمانوں سے براہ راست الجھنا گویا ۱۸۵۷ء کو دوبارہ

دہرائے کی دعوت دینا تھا۔ اسی نظریے سے بعد کے

مورخوں مثلاً جیمس مل اور مونسٹورٹ الفسٹن اور

ایلیٹ وغیرہ نے قلم اٹھایا۔^۱

(ہنری ایلیٹ نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر اُس کی کتاب شائع

کر دی جائے تو ہندوستان کی تمام آئندہ قومی تحریکیں سرد پڑ جائیں

گی^۲)

میرٹھ میں اپریل ۱۸۵۷ء میں ہی گورنر جنرل کیننگ بڑا پر امید

۱. HARDY (P): Muslims of British India p. 79

۲. خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا روزنامہ ۴۵-۳۳

تھا کہ نمبر ۱۹ دیسی رجمنٹ کے ہتھیار لینے پر ہی ہندو مسلمانوں میں
تفرقہ پڑ جائیگا۔

(Canning to Vernon Smith, 9th April 1857 quoted by

Hardy in Muslims of British India p. 89).

بغاوت شروع ہونے کے بعد کولون (گورنر شمالی مغربی
صوبجات) کو پورا یقین تھا کہ آہستہ آہستہ ہندو ہم سے پشیمانی
کا اظہار کریں گے (الگ ہو جائیں گے) مگر جب یہ نہ ہوا تو جگہ جگہ
کوشش کی گئی کہ دونوں میں افتراق پیدا کیا جائے۔ روسیلکھنڈ
کے ہندوؤں کو خان بہادر خاں کے خلاف اکسانے کے لیے خزانوں کے
منہ کھول دیے اور کیپٹن گوان کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا لیکن یہ کوشش ناکام ہوئی
جارج کوپر سکریٹری چیف کمشنر اودھ کے خط کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو جو سکریٹری حکومت ہند کو
یکم دسمبر ۱۸۵۷ء کو لکھا گیا :

”یہ سلسلہ مکتوب چیف کمشنر بنام گورنر جنرل مورخہ
۱۴ ستمبر جس میں انھوں نے پچاس ہزار روپے کی رقم بریلی
کی ہندو آبادی کو مسلمان باغیوں کے خلاف آمادہ پیکار
کرنے پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے..... یہ
کوشش ناکام رہی اور اس کو ترک کر دیا گیا“ ۱۷

۱۷ 1. Canning Papers quoted by Hardy p. 89

۱۸ نظامی (خلیق احمد) : ۱۸۵۷ء کا روزنامہ ۳۲ و سہ ۳۵۲

ہارڈی : مسلمانوں انڈیا۔ ۶۶ HARDY: Muslims of India. P.66

کیپٹن گوان نے اپنے خط مورخہ ۱۴ نومبر ۱۸۵۷ء میں اپنی ناکامی کا اعتراف کیا۔ بدایوں کے مجسٹریٹ ولیم ایڈورڈس نے لکھا ہے کہ ”مسلمانوں نے ہندوؤں پر ظلم شروع کر دیا ہے اور ٹھاکر ہندوؤں کو جمع کر رہا ہے تاکہ وہ ظالموں کو سزا دیں اگر ایسا ہوا تو انگریزوں کو روہیل کھنڈ میں واپس آنے کا موقع مل جائیگا۔“ لے کول ون نے ہیولاک کو بڑی حسرت سے لکھا :

”دہلی میں ہندو مسلمانوں کا جذبہ اور جوش قابل دید تھا جس کے تحت متحد ہو کر جدوجہد کی گئی۔“

(چودھری ۲۸۲)

پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے گورنمنٹ کو لکھا کہ ”پیر علی کے مکان سے جو خط برآمد ہوئے اُن میں ظاہر کیا گیا تھا کہ سازش کو بروئے کار لانے کے لئے تمام لوگوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت متحد ہونا ہے۔“ ایچسین نے اعتراف کیا کہ ”اس موقع پر ہم مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف آلہ کار نہ بنا سکے۔“ لے جون ولیم کے نے بھی اس اتحاد کا حیرت سے اعتراف کیا ہے۔

1. EDWARDS: Personal Adventure p. 146-147

2. AITCHESON ©: Lord Lawrence p. 77

MEHTA (Ashok): Great Rebellion p. 42

بمبئی سے نکلنے والے انگریزی اخبار پنجابی، کا اقتباس ملاحظہ

ہو :

”اس میں شک نہیں کہ موجودہ جنگ مذہبی نہیں ہے
..... تمام باشندگان ہند کی یہ کوشش ہے کہ اجنبی اور
غیر ملکی محکومین سے آزادی حاصل کریں۔“ (۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء)
اسی اخبار کی ۲۷ جولائی کی اشاعت میں لکھا تھا :
”اگر مسلمان تیموری خاندان کی حکومت کی بحالی کے
لیے مضطرب ہیں تو یہ حیرت انگیز نہیں۔ حیرت تو اس پر ہے
کہ ہر ذات کے ہندو بھی اسی طرف دوڑے جا رہے
ہیں..... ہندو اس مقصد کی تکمیل کے لیے گویا
وقف ہو گئے ہیں۔“

ہنری ویلسن ڈنلپ نے اپنے چشم دید مشاہدات میں لکھا
ہے کہ جب بریلی برگیڈ کی فوجیں بخت خاں کی سرکردگی میں دہلی
جاتے ہوئے گجروے پر مقیم تھیں تو انگریزوں نے ایک مسلمان اور
ایک سکھ (تمن سنگھ) کو بھیجا تا کہ سکھ کمپنیوں کو ان سے الگ کر دیں۔
تمن سنگھ نے فقیر کا بھیس بدل کر یہ کام کرنا چاہا مگر باغیوں کو پتہ چل
گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا مسلمان ساتھی نصیر خاں، جو نمبر ۸

بے قاعدہ سوار رجمنٹ کا تھا، باغیوں کے ساتھ دہلی گیا ہے
محمد حسن کی فوج (گورکھپور) میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش
کی گئی ایک رپورٹ تھی کہ راجہ بنسی کار شتے دار اس میں کامیاب
ہوا ہے۔ ۲

بجنور میں انگریزوں کو کچھ وفادار مل گئے جنہوں نے انگریزوں
سے خط و کتابت کی اور ہندو چودھریوں کو انگریزوں نے خط لکھ
لکھ کر بھڑکایا آخر کار ان وفاداروں نے جن میں ایک تو سب سے
بڑے وفادار تھے چودھریوں سے نواب محمود کا تنازعہ کرا دیا۔
انگریزوں کے کچھ خط "تاریخ سرکشی بجنور" (مولفہ سر سید) میں بھی
نقل ہیں جن میں ہندوؤں کو بھڑکایا گیا ہے۔

دہلی میں بقرعید کے موقع (یکم اگست ۱۸۵۷ء) پر فساد کرانے
کا پلان بنایا گیا تھا جس پر بعض انگریزوں کی یادداشتیں مثلاً
کیٹھینگ کے خطوط سے روشنی پڑتی ہے اُس نے ایک خط میں
لکھا تھا کہ "بظاہر کل شہر میں زبردست فساد کے لیے ہماری امیدیں
پوری نہیں ہو سکیں" ۳ دہلی میں فساد کی کوشش مئی ۱۸۵۷ء
کے ایک واقعے سے بھی سامنے آتی ہے جب ایک شخص محمد سعید نے

۱. DUNLOP: Services with ... pp. 50-51

۲. Freedom Str.UP vol.4 p-328

۳. رضوی (خوشید): جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۹۱

جامع مسجد میں ہندوؤں کے خلاف جھنڈا کھڑا کیا تو بہادر شاہ نے
 دربار میں کہا کہ ”میری نظر میں ہندو مسلمان ایک ہیں اور یہ جہاد
 انگریزوں کے خلاف ہے۔“ اس بیان کے لیے ایک رسالہ ”بساط
 غدر“ سے چند اشعار دلچسپی کا موجب ہو گئے۔ یہ رسالہ منشی کنیشی
 لال نے آگرے سے ۱۸۶۰ء میں نکالا تھا اور اپنے چشم دید واقعات
 نظم میں بیان کیے ہیں۔ بہادر شاہ کے لیے عقیدت مندانہ انداز
 قابل غور ہے۔ چند شعر دیکھئے !

پلٹن ہندی کے ڈاکٹر نے	اتنے میں کہا کسی نے شہ سے
اون سب کے ساتھ ہو کے اہل آن	ہیں شہر میں جس قدر مسلمان
بیہودہ بہت سا غل چما کے	جامع مسجد کے پاس جا کے
دل سب کا ہوا ہے اس سے ٹھنڈا	گاڑا جو محمدی ہے جھنڈا
کہلا بھیجا یہ شہ نے اونکو	بہ سنتے ہی وہاں پہنچے وہ جو

صدر الدین خاں جو مولوی تھے سمجھانے کو پھر گئے تھے انکے

جس کی طنیت بگڑ رہی تھی	آیا وہ سعید ڈاکٹر بھی
ہیں جتنے کہ ہندو مسلمان	فرمانے لگے پھر اس سے سلطان

نزدیک ہمارے ہیں برابر
پھر جتنے تھے فوج کے وہ افسر
دربار میں کی ادھوں نے فریاد
موجود ہیں جتنے یہاں مسلمان
یہ گفتگو سن کے افسروں کی
ہرگز نہ کرو خیال اس کا
توڑو جھنڈے کو جلد جا کر
حاضر ہوئے پیش شاہ آکر
کہ اے رونق بخش مسندِ داد
اب اونکو لگا ہوا ہے شیطان
یوں کی سلطان نے تسلی
انگریزوں کے برخلاف تھا وہ جھنڈا

ان اشعار میں محمد سعید کوپلٹن ہندی کا ڈاکٹر بتایا گیا ہے

بعض جگہ انھیں 'مولوی' لکھا ہے۔

پی ہارڈی نے اعتراف کیا ہے کہ سر جیمس اوٹرم روہیل کھنڈ
کے ہندوؤں کو خاں بہادر خاں کے خلاف آمادہ جنگ کرنے
کی کوشش میں ناکام ہوا۔ لے کے۔ سی یادو نے اپنی کتاب۔

”ہریانہ کی بغاوت“ (انگریزی) میں ایک پورا باب ہندو مسلم
اتحاد پر لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ اتحاد ہریانہ کی قدیم روایات
اور رواداری کے جذبات کی بنا پر تھا اور بغاوت کے دوران
ہر جگہ نمایاں رہا۔ وہ لکھتے ہیں :

”عوام کے سامنے ایک مشترک مقصد کا حصول تھا
یعنی غیر ملکی اقتدار سے چھٹکارا اور اس کی جگہ ہندوستانی

حکومت کا قیام جس کا حاکم اعلا بہادر شاہ ہو.... کیا
یہ ٹھوس منصوبہ اور مشترک مقصد کی لگن اس بغاوت
کو قومی آزادی کی جدوجہد کا رنگ دینے کے تمام عناصر
نہیں رکھتی؟“ ۱

ٹائٹمز کے نامہ نگار کا خیال تھا کہ !
”بغاوت کی تہہ میں مذہبی تعصبات نہیں بلکہ جذبہ
آزادی اور غیر ملکی اقتدار کو ختم کرنے کے احساسات
نے عوام کو حصہ لینے پر آمادہ کیا۔“ ۲

اودھ کے تعلقہ داروں اور عوام نے جس جوش و خروش کا
مظاہرہ کیا وہ ان صفحات میں ہماری نظر سے گزرے گا۔ ان تعلقہ
داروں نے جو کردار پیش کیا وہ یقیناً کسی عظیم مقصد کے شایان شان
نظر آتا ہے۔ گورنر جنرل کینگ نے اوٹرم کے نام طویل خط میں واضح طور پر
لکھا تھا کہ ”یہ مثالیں بالکل صاف ظاہر کرتی ہیں کہ ان زمینداروں اور
راجوں کی بغاوت کا سبب صرف ان کا ذاتی نقصان نہیں۔“

تحریک ۱۸۵۷ء پر انگریزوں کے مزید تاثرات اور ناکامی کے اسباب
وغیرہ کی بحث ہم اس کتاب کی دوسری جلد میں کریں گے۔ یہاں تحریک
ولی اللہی کے بارے میں کچھ وضاحت کے بعد مآخذ کا جائزہ لیں گے۔ اس
تحریک پر بہار کے حالات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ (جلد ۲)۔

1. YADAV (K.C): Revolt of 1857 in Haryana p. 136

2. CHAUDHURY: Civil Rebellion p. 290

بعض مؤرخوں کا خیال ہے کہ تحریک ولی اللہی کے رہنماؤں نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا اور وہ ہندوؤں سے تعاون پسند نہیں کرتے تھے اس نظریے کی تردید کے لیے سرکاری یادداشتیں اور ریکارڈ کافی ثبوت بہم کرتے ہیں۔ جہاد کی پیہم صدائیں، فرنگیوں کے خلاف فتوے اور منظم طے شدہ اسکیمیں ان کے کردار اور عمل کو سامنے لاتی ہیں۔ اسی زمرے کے راہنما حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۸۲۳ھ) نے ایک فتوے میں کہا تھا کہ:

”دریں شہر..... (یعنی یہاں انگریزوں کا حکم

بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے..... ہندوستانیوں

کو ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں..... وہ بے

تکلف مسجدوں کو مسمار کرتے ہیں اور عوام کی شہری

آزادی ختم ہو چکی ہے“ اے

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس طرح غیر ملکی اقتدار کے خلاف بہانگ دہل آزادی کا اعلان کیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے دولت راؤ سندھیہ کے مدارالمہام ہندو راؤ کو سرحد کے مرکز جہاد سے ایک خط میں لکھا تھا:

”بیگانگان بید الوطن ملوک زمین و زمان گردیدہ و

تاجران متاع فروش بہ پایہ سلطنت رسیدہ.....

وقتے کہ میدانِ ہندوستان از بیگانگان و دشمنان
 خالی گردیدہ و نیز سعی ایشان بہ حذفِ مراد رسید
 آئندہ مناصب ریاست و سیاست بہ طالعین
 اُس مسلم باد و بیخِ شوکت و سلطوتِ ایشان محکم شود“
 ترجمہ: ”جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی سمندر پار کے
 رہنے والے دنیا جہان کے تاجدار اور سودا بیچنے والے
 سلطنت کے مالک بن گئے ہیں..... مجبوراً چند
 عریب اور بے سرو سامان کمرہمت باندھ کر کھڑے
 ہو گئے..... جس وقت ہندوستان ان غمید
 ملکوں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری
 کوششیں بار آور ہو گئیں تو حکومت کے عہدے اور
 منصب اُن لوگوں کو ملیں گے جن کو ان کی طلب
 ہوگی اور اُن کی شوکت اور سلطوت کی بنیاد مضبوط
 ہو جائے گی“ اے

تحریک ۱۸۵۷ء کے دوران ملک کے گوشے گوشے میں ان علماء نے

۱۔ غلام رسول تہر، جماعت مجاہدین جلد ۳ ص ۱۳-۱۴
 حسین احمد مدنی (مولانا): نقشِ حیات جلد ۲ ص ۱۳
 خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ۱۱-۱۲

بغاوت کی رہنمائی کی، بے غرض اور بے لوث انداز سر بکف ہو کر جہاد کا رنگ بھرا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ انگریزوں کو وطن سے نکالیں، ڈاکٹر تارا چند نے اس فتویٰ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ انھوں نے کانگریس کے قیام پر مسلمانوں کو اس سے تعاون کا مشورہ دیا لیکن مولانا مکمل آزادی کی تمنا رکھتے تھے جبکہ کانگریس اس راہ پر نہیں آئی تھی اس لیے اس میں شامل نہیں ہوئے اے

جامع مسجد دہلی میں جو جہاد کا فتویٰ مرتب ہوا وہ دہلی کے حالات میں نظر سے گزرے گا۔ یہ فتویٰ تمام ملک میں تقسیم کیا گیا اور اس کا بوجھ پڑا وہ بھی اگرچہ دھندلا سا مگر سرکاری ریکارڈ ویزہ میں نظر آتا ہے۔ ایک شخص نے اپنا ساز و سامان بیچ کر اس راہ میں قربان کیا۔ بہت لوگوں نے زندگی بھر کا پیشہ ترک کر کے جنگ میں شرکت کی جس کو وہ جہاد سمجھتے تھے۔

بخت خاں جب مع فوج کے بریلی سے دہلی روانہ ہوتا ہے تو مولوی سرفراز علی (امیر المجاہدین) اور متعدد علماء مع اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہیں اور راہ میں کتنے ہی مجاہدین مراد آباد امروہہ رجب پور وغیرہ سے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مراد آباد کے متعدد لوگ ہیں جن کے بارے

اے تارا چند: فریڈم موومنٹ جلد ۲ ص ۳۸۵-۳۸۴

(TARA CHAND: Freedom Movement vol. II pp. 384-385)

میں سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ ”ہمراہ تحفہ کے دہلی گیا“ مولوی نعمت اللہ کا ذکر ایس بی چودھری نے بھی کیا ہے اور مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ :

”دہلی میں بمقابلہ سرکار مارا گیا“

ایسی ہزار ہا مثالیں ہیں جن میں اکثر منظر عام پر نہیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں یا اس سے پہلے اور بعد تک یہی ایک ایسی تنظیم تھی جس کی پشت پر منظم پلان تھا ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے لکھا ہے کہ بڑے ذہین اور دولت مند اشخاص اس سازش میں حصہ لے رہے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں ہی پنجاب میں یہ ”وہابی“ انگریزوں کا تختہ الٹنے کے لیے فوجوں سے نامہ و پیام کر رہے تھے۔ جنوبی بنگال کے ضلع مالہ میں ۱۸۵۳ء میں سازش کا سراغ لگنے پر باغیانہ خطوط پکڑے گئے وہاں مولوی عبدالرحمن لکھنوی بغاوت کی تلقین اور جہاد کے لیے روپیہ جمع کر رہے تھے۔ ۱۸۵۲ء میں نمبر ۴ نیٹوائف سنٹری سے رابطہ قائم ہونے کا راز کھلا تو پٹنہ کے مجسٹریٹ نے تحقیقات کا حکم دیا بنگال کے ہر ضلع میں اس قسم کے مرکز موجود تھے۔ ہنٹر کہتا ہے کہ :

”مسلمانان ہند اب بھی بہت عرصہ پہلے سے بھی ہندوستان کی انگریزی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہیں“ لے

۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک اور بعد میں بھی سرحدی قبیلوں کو انگریزوں کے خلاف کمر بستہ کرنے کی کوششیں اسی تنظیم کے ذریعے ہوئیں جس کی بدولت حکومت کو سولہ مرتبہ جنگ مول لینا پڑی۔ ۱۸۵۷ء میں بھی سرحدی مرکز نے دہلی اور لکھنؤ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۲۸-۲۹ء میں دکن میں ان کی سرگرمیاں اور مبارزہ الدولہ کی بغاوت اسی تحریک کا حصہ ہیں۔ اس تحریک نے پورے ملک میں جو تنظیم اور جذبہ پیدا کیا اس کی مثال تاریخ ہند میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ ڈبلو ڈبلو ہنٹ نے یہ حالات بھی بیان کیے ہیں کہ ہزاروں مسلمان اپنی ملازمتوں سے اس لیے چھٹی لیا کرتے تھے کہ سرحد جا کر آزادی وطن کے لیے بھاد کریں۔ بغاوت ۱۸۵۷ء میں بھی تحریک کے تمام مرکزوں نے سرگرمی دکھائی۔ خصوصاً پٹنہ جو سب سے بڑا مرکز تھا، نہایت خطرناک ثابت ہوا جہاں دیگر علماء کے علاوہ، جو ہون ۱۸۵۷ء میں نظر بند کر دیئے گئے، مولانا پیر علی خفیہ طور پر کام کر رہے تھے، دیسی فوجوں اور کنور سنگھ سے خط و کتابت کر رہے تھے۔ جس کی تفصیلات اپنی جگہ پر نظر سے گزریں گی۔ بغاوت ۱۸۵۷ء کے دوران مجاہدین کا رول ثابت ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ غیر مسلموں سے ان کے اشتراک کو واضح کیا جائے پھر حضرت سید احمد شہیدؒ کا مذکورہ بالا خط ہی اس کی تردید کے لیے کافی ہے۔

انگریزوں کو ملک سے نکالنے کا جو بے پناہ جذبہ ان کے قلب و

جگر میں تھا اُس کا اندازہ امروہہ کے ایک بزرگ شاہ سید محمد امین غازی^۱ کی مثنوی "فیروزی نامہ" (قلمی) سے ہو سکتا ہے، دو شعر ملاحظہ ہوں:

ہمی خواستم از درِ کبریا کہ از ہند بُرقوم بد بے حیا
نصاری دریں ملک گرد و تباہ گرفتارِ وہم گشتہ و رُوسیاہ
اپنے بیٹے روح الامین کے لیے دعا بھی کرتے ہیں تو یہ کہ —

مجاہد چنانش کُن اندر غزا کمز و تار سد ہر نصاریٰ سزا
(اُسے جنگ میں ایسا مجاہد بنادے کہ وہ انگریزوں کو سزا دے)

معروف تاریخ داں ڈاکٹر کے ایم اشرف نے تحریک ولی اللہی کے موضوع پر پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ہی وہابی تحریک کے رہنما شمالی ہند میں اپنی تنظیم کا جال بچھا چکے تھے اور علاقائی خلیفہ اور معتبر کارکن مقرر کر چکے تھے۔ ۱۸۳۲ء میں انھوں نے حیدر آباد میسور اور وسطی ہند، راجپوتانہ کی ریاستوں مثلاً بھوپال، ٹونک، جے پور وغیرہ میں رابطہ قائم کر لیا تھا۔ چھاونیوں اور دیسی سپاہ کی فوجی کمیٹیوں

۱۔ شاہ محمد امین غازی^۲ امروہہ کے معروف بزرگ حضرت مخدوم سید ابن بدر چشتی^۳ کی اولاد میں تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ انھوں نے سید احمد شہید^۴ کے ساتھ جہاد میں بھی حصہ لیا اور ۱۸۵۷ء میں بھی۔ (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۴۶)

تذکرہ بدر چشتی^۵ از نور شید رضوی و جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ ۴۷۲

میں اُن کا اثر و رسوخ نہ سے ہی ظاہر تھا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ۱۸۵۷ء تک وہابیوں نے ایک ملک گیر سیاسی تنظیم قائم کر لی تھی اور اسی تنظیم اور جذبات نے وہ بنیاد فراہم کی جس نے بخت خاں اور دوسرے 'وہابی' رہنماؤں کو حکومتیں سنبھالنے میں مدد دی۔

ویلیور کی بغاوت (۱۸۰۶ء) کے بعد فوجیوں کی غیر سرکاری انجمنوں کا قیام فوجی زندگی کی عام خصوصیت تھی ان انجمنوں نے ۱۸۲۹-۱۸۴۰ء کے دوران پنجاب اور صوبہ سرحد کے 'وہابی' رہنماؤں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لی تھی۔ جنہوں نے خفیہ کارندوں اور خانقاہوں کا سلسلہ قائم کر کے سازش کا طریقہ کار تیار کر لیا تھا۔ ان رابطوں سے فوجیوں کی منتخب کمیٹیاں وجود میں آئیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کی حکومت سنبھالی۔ سرحدی مرکز نے دہلی اور لکھنؤ کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور ملک گیر بغاوت کو منظم کرنے کی کوشش کی چنانچہ سوات کے حکمران اتھوند نے سرحد اور پنجاب کی دیسی سپاہ کے ساتھ راہ و رسم پیدا کی جس کی وجہ سے سڈنی کاٹن کو مع فوج سرحد کی طرف کوچ کرنا پڑا اور ۱۸۶۳ء یعنی ستانہ کی تباہی تک بیس فوجی مہمات کرنا پڑیں ۱۷ ہر پر شاد چٹو پادھیہ کی تحقیق کے بموجب:

”وہابیوں کے عقائد اور ان کی رہنمائی کا بھی مسلمانوں

کو بانگ ریزوں کے خلاف کھڑا کر دینے میں بڑا حصہ رہا۔۔۔

اس خفیہ تنظیم کے ایجنٹ جگہ جگہ مقرر تھے اور ان کو تنخواہیں دی جاتی تھیں“ ۱
ڈاکٹر تارا چند کا خیال ہے کہ:

”یہ تحریک... برطانوی اقتدار کے لیے سب سے زیادہ زبردست چیلنج تھی..... سید احمد شہید کی تحریک نے مسلمانوں میں آزادی وطن کی تمناؤں کو دوام بخشا اور ان مولویوں نے انگریزوں کے خلاف تمام تحریکوں کو بھرپور تعاون دیا یعنی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو“ ۲

بغاوت کی آگ بجھا دی گئی مگر تحریک ولی اللہی کی مشعل فروزاں ہی رہی اس کے سرغنہ سرحد سے برابر انگریزوں پر حملے کرتے رہے۔ ایک انگریز جو وہابی، کیس میں انگوائری کے لیے مقرر کیا گیا، تحقیق کے بعد کہتا ہے کہ ”گوپٹنہ کے مولویوں نے ۱۸۵۷ء میں کوئی نمایاں رول ادا نہیں کیا، ان کے ذہن میں کچھ اور پلان تھے۔ انھیں ستانا (سرحد) کے وہابیوں کی طرف سے دعوت دی گئی تھی کہ وہ سرحد آکر انگریزوں پر حملہ کریں“ ۳ چنانچہ سرحد پر روپیہ اور آدمی پورے ملک سے برابر

1. CHATTOPADHYAYA: Sepoy Mutiny pp. 103, 115, 117

2. TARACHAND: vol.2 p. 23-30

3. HARDY: p. 82

پی ہارڈی نے تمام اہم ریکارڈ کی بنیاد پر اندازہ کیا ہے کہ روہیلکھنڈ کے مسلمانوں نے انگریزی اقتدار کی ابتدا (۱۸۰۱ء) سے ہی سخت بے چینی اور اضطراب ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ ایک انگریز بشپ ہیبر نے ۱۸۲۴ء میں ان علاقوں کا دورہ کر کے اپنے سفر نامے میں کہا تھا کہ:

”اگر مناسب موقع مل جائے تو خاص طور پر مسلمان

ہمارے خلاف بغاوت کرنے کو فوراً تیار ہو جائیں گے“

روہیلکھنڈ کے بارے میں کہتا ہے:

”یہاں مسلمان معزز اور سربر آوردہ لوگ کثیر تعداد

میں ہیں، حکومت سے سخت نالاں ہیں اور برابر سرکشی

اور تشدد کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں“ ۱

ظالمز کے نامہ نگار ولیم رسل سے سنیے کہ:

”مسلمان وہ عنصر ہیں جس نے ہمارے لیے سب سے

زیادہ مصیبت پیدا کی اور سب سے زیادہ ہماری دشمنی بھڑکائی

ہے۔ مسلمان ہمارے اقتدار کے لیے بے شک بہت بڑا خطرہ ہیں“ ۲

۱. HEBER (Reginald): Narrative of Journey through Upper Provinces. Vol.2 pp.120,139,393, quoted by Hardy pp. 33-35

۲. My Diary vol.2 pp. 73-74 Hardy p. 70

(مُغل بادشاہوں) کی سب سے بڑی خوبی اُن کی رواداری کی شریفانہ روایت تھی جسے وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ برتتے تھے..... نسل و مذہب کی بنا پر بہت کم امتیاز روا رکھا جاتا تھا..... اُن دنوں یہ بات عام تھی کہ دونوں فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں شرکت کیا کرتے تھے۔..... مختلف مذہب کے پڑوسیوں کے ساتھ پُر امن طریقے پر رہنے کا فن بہت بلند سطح پر پہنچ گیا تھا“ ۱

اسی اتحاد کو خاک میں ملانے کے لیے منصوبے بنائے گئے جو آخر کار کامیاب ہوئے لیکن بغاوت ختم ہونے کے فوراً ہی بعد بمبئی کے گورنر نے کہا تھا کہ ”ایک قدیم رومن اصول یہ ہے کہ پھوٹ ڈال کر حکومت کی جائے اور یہی ہمارا بھی نظریہ ہونا چاہیے“ ایک گورنر جنرل نے برطانوی اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کا منصوبہ تجویز کیا اس نے لکھا تھا:

”میں اس یقین سے فائل نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بنیادی طور پر ہمارے دشمن ہیں اور ہماری پالیسی ہندوؤں کو

اپنے ساتھ ملانے پر مبنی ہے“ ۱۔
 لیفٹیننٹ کرنل جون کوک نے جو بغاوت کے زمانے میں مراد آباد کا
 کمانڈنٹ تھا، لکھا تھا کہ — ”ہماری کوشش یہ ہونا چاہیے کہ یہاں
 مذہبی فرقوں میں علیحدگی کے جہاں بھی امکانات ہیں انھیں پوری
 قوت سے زندہ رکھیں نہ کہ انھیں ختم کرائیں۔“ ۲۔ ایک معزز انگریز
 مصنف جون اسٹریچی نے لکھا تھا:

”ہندوستانی عوام میں، ساتھ ہی ساتھ، مذہب کے
 اختلافات ہماری سیاسی پوزیشن کے لیے بہت ہی مضبوط

بنیاد ہے“ ۳۔
 ایک امریکن مصنف اقرار کرتا ہے کہ:
 ”انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کے ہندو
 مسلمانوں میں بہت کم کشیدگی تھی۔ وہ ہر جگہ امن اور
 میل جول سے رہتے تھے“ ۴۔

-
1. SMITH (W.C): Modern Islam in India (1943) pp. 189-190
 2. COUPLAND: Indian Problems pt.I p.35
 3. BASU (B.D): Christian Power in India p.7
 4. SUNDERLAND: India in Bondage pp. 266-267

اس امن و امان اور میل جول کی ایک خاص وجہ تھی جو صدیوں کے روادارانہ روابط اور مشترک تہذیب و تمدن کا نتیجہ تھی۔ مسٹر آر۔ این۔ اگروال نے اپنی کتاب ”نیشنل موومینٹ“ (قومی تحریک) میں اس کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ :

”انگریزی راج مسلمانوں سے اس پہلو سے مختلف تھا کہ تیمور اور نادر شاہ وغیرہ نے حملے کیے، لوطا اور ہندوستان سے چلے گئے۔ مغلوں نے اور ان سے پہلے بادشاہوں نے یہاں مستقل قیام کیا، ہندوستان کو وطن بنایا، اس کے مفاد سے اپنے آپ کو وابستہ کیا، ہندوستان پر ہندوستانیوں کی طرح حکومت کی اور ملک کی دولت باہر نہیں گئی۔ وہ غیر ملکی صرف اسی معنی میں تھے جیسے کہ انگلینڈ کے حکمرانوں کو ولیم فاتح کے زمانے سے غیر ملکی کہا جائے“ ۱

بغاوت کی ناکامی کے اسباب اور اس کی صحیح نوعیت کا جائزہ یہ پوری داستان بیان کرنے کے بعد لیا جائے گا لیکن تاریخی حقائق سے واضح ہے کہ تحریک ولی اللہی کے رہنماؤں نے مسلمانوں میں انگریز دشمنی کے جذبات بیدار کرنے اور آزادی وطن کے لیے سینہ سپر کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

۱. AGGARWAL (R.N): National Movement and Constitutional

مآخذ کا سرسری جائزہ

تحریک ۱۸۵۷ء پر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد اس کثرت سے موجود ہے کہ اس کا مختصر جائزہ بھی بڑا دشوار ہے اور بیلوگرافی (کتابیات) کی تکمیل بھی، غیر مطبوعہ مآخذ تو برابر نکلتے رہے ہیں۔

سب سے زیادہ اہم ریکارڈ نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں ہے، جس کی ایک فہرست چھپ بھی چکی ہے۔ ان میں وہ کاغذات بھی ہیں جو لاال قلعے سے برآمد ہوئے تھے، علاوہ ازیں محکمہ خارجہ، داخلہ اور سیاسی کی خفیہ دستاویزات ہیں۔ ملٹری ریکارڈ مطبوعہ ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ ریکارڈ جس میں دہلی رزیڈنسی ریکارڈ بھی شامل ہے۔ اہم معلومات کا مجموعہ ہیں اور چار جلدوں میں طبع ہوئے ہیں۔

مختلف صوبوں کے اسٹیٹ آرکائیوز میں مقدمات کی کاروائیاں ہیں اور اضلاع میں محافظ خانہ کلکٹریٹ میں سرکاری ریکارڈ ہے۔

لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں کارآمد مواد کا ذخیرہ ہے جس میں وہ مواد بھی شامل ہے جو مشہور مؤرخ جون ولیم کیئی (J.W. KAYE) نے استعمال کیا۔ یعنی مادھو کے خط ہیں، جو ایک انگریز کو لکھے گئے۔ دہلی کے ایک انگریزی جاسوس کیدار ناتھ کا روزنامہ ہے۔ منشی منوہر لال کارونامہ ہے جو بریگڈیر چمبرلین (Chamberlain) کے لیے لکھا گیا، اور بعد میں ولیم کیئی کو ملا، جنرل نیل (Neill) کی ڈائری اور خط و کتابت بھی یہاں محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں مبارک شاہ کوتوال دہلی کا بھی ایک روزنامہ (قلمی) ہے۔ برٹش میوزیم لندن میں بھی بہت کچھ مواد ہے جس میں سندھ اور پنجاب کی جنگوں سے

متعلق بھی ہے۔ بے شمار ذاتی خطوں کے بنڈل ہیں جو فوجی افسروں کے ہیں۔

مشہور مؤرخ جارج ولیم فارسٹ (G.W. Forrest) کے

کاغذات اور خط دو جلدوں میں ہیں۔ سرسری ہیوروز (H. Hugh Rose) کے کاغذات خط اور ڈائریاں ہیں۔ لندن کے نیشنل آرکیائیوز کم یوڈلین لائبریری اور کیمبرج یونیورسٹی لائبریری وغیرہ میں بھی قیمتی مواد ہے حیدرآباد اسٹیٹ آرکائیوز میں چند نایاب کتابیں مثلاً حسین بلگرامی کی ”مرقع

عبرت“ اور میموریز آف سالار جنگ“ (۱۸۸۳ء) (Memoirs of Salar Jung)

مد علی کی ”ریاض مختاریہ“۔ پیراغ علی کی ”حیدرآباد انڈر سالار جنگ“ (Hyderabad

under Salar Jung) چار جلد (۱۸۸۶ء)۔ مہدی علی کی ”حیدرآباد افروز“ ۱۲ جلد

(۱۸۸۴ء) وغیرہ ہیں۔ حال ہی میں ”فریڈم اسٹرگل ان حیدرآباد“ (Freedom Struggle

in Hyderabad) دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

وسط ہند کے حالات پر نیشنل آرکائیوز کے علاوہ دھاراسٹیٹ آرکائیوز میں ڈائریاں اور روزنامے ہیں اور ”مالوہ اخبار“ کے فائل ہیں سینٹرل انڈیا ایجنسی ریکارڈز اندور میں بھی کافی مواد ہے۔ پنجاب اسٹیٹ آرکائیوز ٹیپالہ میں پنجاب اور ہریانہ پر مواد ہے ہریانہ ڈسٹرکٹ ریکارڈز روم وغیرہ میں سنہ ۱۹۵۷ء پر تاریخی نوٹ اور متفرق ریکارڈز میں پھانسی پانے والوں کی فہرست ہے۔

ہم عصر کتابوں میں اہم ”ریڈ پمفلٹ“ (Red Pamphlet) ہے یہ جی بی میلین

کی تصنیف ہے۔ اس میں ڈالہوزی (Dalhousie) اور کیننگ (Canning) پر تنقید

کی گئی ہے۔ ایک اور معروف شخص جس نے اپنے احباب، اور انگریزوں کے عوام کو باخبر

رکھنے کا عزم کیا الگزینڈر ڈیف (Alexander Duff) ہے۔ جس کے خطوط اخبارات میں اور

پھر کتابی صورت میں چھپے۔ بہت سے انگریزوں کی یادداشتیں اور ڈائریاں، ذاتی

خطوط وغیرہ ماہانہ قسطوں میں ”انلس آف انڈین ریلیں“ (Annals of Indian

Rebellion) مئی تا نومبر ۱۸۵۹ء میں کلکتے سے شائع ہوئیں، جس سے تاریخی مواد کو

جانچنے میں مدد ملتی ہے۔ ۵۹-۱۸۵۸ء میں بہت سے اہم کام منظر عام پر آئے جن کی پوری فہرست اور تذکرہ بہت دشوار ہے۔ اسی دور میں دہلی گزٹ کے سابق ایڈیٹر کی کتاب "دی انڈین میوٹی" سامنے آئی۔ ولیم ایڈورڈس مجسٹریٹ بدایوں نے کتابی صورت میں یادداشت لکھی (اردو ترجمہ "مصائبِ غدر") اور ایک پمفلٹ "واقعات اور تاثرات" بھی لکھا۔ اس نے اعتراض کیا ہے کہ عوام (Facts and Reflections of Rebellion) میں بغاوت سے ہمدردی اور انگریزوں کو اپنی اور غیر ملکی سمجھنے کا احساس موجود تھا یہ احساس دیہاتی عوام میں بھی موجود تھے۔ جنہیں قومی جذبات کہا جاسکتا ہے۔ متھرا کے مجسٹریٹ تھارن ہل (Thornhill) نے بھی اپنی یادداشت کتابی صورت میں قلم بند کی۔ ویلیس ڈنلپ (Dunlop) نے اپنے تجربات اور مشاہدات بیان کیے۔ سہارن پور کے رابرٹسن (Robertson) نے بھی مقامی حالات بیان کیے ہیں۔ جن میں ہندوستانیوں سے تعصب آشکار ہوتا ہے۔ پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے کئی پمفلٹ لکھے اور بتایا ہے کہ وہابی علماء جو بغاوت کے دس سال بعد باغیانہ سرگرمیوں میں مامخوذ ہوئے، ۱۸۵۷ء کی سازشوں میں پیش پیش تھے ایک مصنف شیرر (Sherer) نے ریٹائر ہونے کے بعد کتاب لکھی اور فتح پور اور باندہ وغیرہ کے چشم دید حالات تحریر کیے۔ (Daily Life during the Mutiny)

انگریز عورتوں کی بھی بے شمار یادداشتیں ہیں، جن میں غالباً سب سے اہم مسز ہورٹسٹ انگریسی Mrs Hortestet Inglisi کی سرگزشت ہے۔ جو فرانسیسی نژاد تھی۔ اس کی یادداشت پہلے فارسی اور پھر اردو میں ترجمہ کی گئی۔ (فارسی میں "خانم انگریسی در بلوائے ہندوستان" اور اردو میں "ایامِ غدر" مترجم ظفر حسن عاظمی امرہوی)۔ اس کتاب میں کانپور کے اصل واقعات بیان کیے ہیں۔ جو انگریزوں کی لکھی ہوئی تاریخوں کی صریحی تردید ہیں۔ اس عورت نے نانا صاحب کو کانپور کے قتل عام سے بری قرار دیا ہے۔ اور سستی چورا گھاٹ پر قتل عام کی وجہ بیان کی ہے۔ اس لحاظ سے کتاب

بہت اہم ہے۔

محاصرہ دہلی کی یادداشتوں میں بھی بے شمار کتابیں ہیں جن میں جے ڈبلورڈن۔ کیو براؤن وغیرہ کی یادداشتیں اور خطوط ہیں کیتھ ننگ اور گرتھڈ (K. Young) کے خطوط کتابی صورت میں چھپے جن سے بعض خفیہ حالات اور کاروائیاں سامنے آتی ہیں۔ ڈبلوٹی گروم (W.T. Groom) کے خط بھی کتابی صورت میں چھپے (۱۸۹۴ء) جو جنرل ہولاک (Havelock) کا ماتحت ایک افسر تھا۔ لارڈ رابرٹس (L. Roberts) کے خطوط کا مجموعہ بھی شائع ہوا۔ موبرے تھامسن (M. Thompson) اور شیفرڈ اور ٹریولیان (Shepherd & Traveyan) نے کتابی صورت میں کانپور کے حالات لکھے ہیں۔ لکھنؤ کے محاصرے کی بھی متعدد یادداشتیں ہیں۔ محصور انگریزوں میں سے دو نے تاریخ بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں مارٹن گنبنس Martin Gubbins کی کتاب 'میوٹینز ان اودھ' (Mutinies in Oudh) (۱۸۵۸ء) اہم کتاب ہے۔ دوسرا مصنف میکلائڈ انس (McLeod Innes) ہے جس نے اودھ کی بغاوت پر اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

جون کیئی (J. Kaye) ایک ایمان دار مؤرخ کسی حد تک کہا جاسکتا ہے جس نے ہسٹری آف سپائے وار (History of Sepoy War) لکھی۔ اسی مؤرخ نے ایک اور

۱۔ یہ کتاب میرے ذاتی کتب خانے میں تھی اور اپنی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" میں اس کے کئی جگہ حوالے دیئے ہیں۔ ڈاکٹر تارا چند نے میری کتاب دیکھ کر "ایام غدر" طلب فرمائی اور اپنی تصنیف "ہسٹری آف فریڈم موومنٹ" (جلد ۲ ص ۱۰۶-۱۰۵) میں اس کے حوالے سے وہی نقطہ نظر پیش کیا ہے جو میری تصنیف میں کیا گیا تھا۔

ہسٹری ترتیب دی جسے پورا کرنے کے لیے وہ زندہ نہ رہ سکا، اور یہ کام جی بی میلیسن (G.B. Malleson) نے پورا کیا، مگر وہ غیر جانبدار نہیں رہا۔ ٹی ٹرائس ہومز (T.R. Holmes) نے بہترین تاریخ لکھنے کا دعویٰ کیا۔ مگر غیر جانبداری سے وہ بھی نہ لکھ سکا۔ بعض واقعات کا اُس نے دفاع کرنا چاہا مثلاً چربی والے کارتوسوں کے متعلق وہ قابل یقین شہادت نہیں مانتا جب کہ یہ ثابت ہے کہ وہ گائے اور سور کی چربی سے چکنے کیے گئے تھے۔

ہومز (Holmes) سے زیادہ مقبول کام فٹ چٹ (W.H. Fitchett) نے کیا ہے۔ جارج فارسٹ (Forrest) نے بھی بغاوت پر بہتر کام کیا۔ ایلون وڈ (Elvelynwood) نے فوجی خدمات انجام دی تھیں، اس نے بہت بعد میں متوازن انداز میں لکھا۔

ہندوستانی مصنفوں نے زیادہ تر اپنا دفاع کیا ہے۔ سمجھو چندر مکھو پادھیائے نے ہندوستانیوں کی وفاداری کی مثالیں جمع کی ہیں۔ کشوری چند مترا نے بغاوت، ملٹری ٹیک محدود بتائی۔ سب سے اہم سرسید ہیں جنہوں نے "اسباب بغاوت ہند" اور "خیر خواہ لہمانان ہند" (دو حصہ) لکھی۔ انھوں نے بجنور میں انگریزوں کو بچانے اور باغی رہنماؤں کو فریب دینے میں نمایاں حصہ لیا، انھوں نے "تاریخ سرکشی بجنور" بھی اپنے نقطہ نظر سے لکھی۔ اسباب بغاوت ہند" ایک غیر جانبدارانہ جائزہ ہے، گویا نوگر حر "سے تھوڑا سا گلہ ہے۔ حالی نے اُن کی سوانح حیات "حیات جاوید" میں لکھا ہے کہ ایک دربار کے موقع پر ایک انگریز اُن پر سخت برہم ہوا کہ یہ کتاب ایک باغیانہ فعل ہے، اس پر سرسید نے فرمایا کہ میں نے سب کاپیاں انگریزی ترجمہ کرا کے لندن پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھیج دی تھیں یہاں کسی کو نہیں دکھائی ہے۔

دوران بغاوت دہلی کے تھانیدار معین الدین حسن اور جیون لال کے روزنامے انگریزی ترجمہ کر کے تھو فیلس مطکاف نے شائع کیے۔ معین الدین کی یادداشت کا اصل نسخہ "خندنگہ خدر" کے عنوان سے حال ہی میں (۱۹۷۲ء) طبع ہو چکا ہے۔ ایک

تائب کی مشنوی "تاریخ احمدی" (قلمی) میں مولانا احمد اللہ شاہ کے حالات نظم میں بیان کیے گئے۔ فارسی میں ایک مشنوی "فیروزی نامہ" (قلمی) امروہہ کے سید محمد امین غازی کی لکھی ہوئی ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کی عربی تصنیف "الثورة الهندیہ" (اردو ترجمہ "باغی ہندوستان" از عبد الشاہد شروانی) اور مولوی جعفر تھانیسری کی "تاریخ عجیب" (۱۸۵۸ء) بھی اہم کتابیں تھیں۔ پنڈت مندر لال کی "بھارت میں انگریزی راج" (ہندی) بھی نایاب معلومات کا ذخیرہ ہے۔ جس کے ایک حصے کا ترجمہ "سن ستاون" کے عنوان سے اردو میں طبع ہوا ہے۔ عشق صدیقی کی دو کتابیں اخبارات اور دستاویزات پر ہیں۔

ایک اور مؤرخ آر سی مجمدار (R.C. Majumdar) کی کتاب میں کچھ نئی معلومات ہیں مگر ایک مخصوص زاویہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ بغاوت کو قومی تحریک یا جنگ آزادی کہنے میں تاثر کیا ہے۔ یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ بغاوت میں تحریک ولی اللہی (دہلی) کے علماء نے حصہ نہیں لیا اور وہ ہندوؤں سے تعاون پسند نہ کرتے تھے جو کہ واقعات کے آئینے میں بالکل غلط ہے۔ سریندر ناتھ سین (S.N.Sen) نے حکومت ہند کے ایما پر متوازن اور اہم ترین کام کیا ہے، لیکن اس سے بھی اہم کام ایس بی چودھری کا ہے، جنہوں نے تمام اہم عصر، اصل اور نایاب مواد کی چھان بین کے بعد بغاوت میں عوام کی شرکت اور اس قومی روپ کو نکھارا ہے جو اکثر جگہ اوجھل رہا یا رکھا گیا تھا۔ چودھری کی تین کتابیں اس موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

اودھ پر جو اہم کتابیں ہیں ان میں فارسی کی قلمی کتب میں ظہیر بلگرامی کی "اسرار واجدی" لال جی کی "مرآۃ الاودھ" رتن سنگھ زخمی کی "سلطان التواریخ" وغیرہ ہیں۔ اردو میں قلمی کتب "شکوہ فرنگ" اور "افسانہ لکھنؤ" از سیادت حسن سید جلال الدین۔ تاریخ آفتاب اودھ از محمد تقی اور تاریخ ممتاز وغیرہ ہیں۔ مطبوعہ کتب میں "بوستان اودھ" از درگا پرشاد۔ "وزیر نامہ" از امیر خاں۔ "احسن التواریخ" از آغا حسن۔ "قیصر التواریخ"

از کمال الدین۔ "افضل التواریخ" اور "احسن التواریخ" از رام سہلے تمنا کے علاوہ نجم الغنی کی "تاریخ اودھ" قابل ذکر ہے۔ حال ہی میں جی ڈی بھٹاگر کی انگریزی کتاب "اودھ انڈر واجد علی شاہ" (Oudh under Wajid Ali Shah) سامنے آئی ہے اس کے علاوہ انگریزی میں دو اور کتابیں اودھ میں سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت پر ہیں۔ آر کے مکرجی کی "اودھ ان رولٹ" (Oudh in Revolt) اور جون پیمبل (J. Pemble) کی اسی موضوع پر شائع ہوئی ہیں۔ رئیس احمد جعفری نے "واجد علی شاہ اور ان کا عہد" کے عنوان سے ضخیم کتاب مرتب کی ہے۔ سب سے اہم کام یوپی گورنمنٹ کی طرف سے ایک ضخیم کتاب "فریڈم اسٹرگل ان اتر پردیش" (Freedom Struggle in Uttar Pradesh) پانچ جلدوں میں ہے جسے اے اے رضوی نے ترتیب دیا، اور تمام سرکاری ریکارڈ یکجا کر دیا ہے۔

ہم عصر اخبارات و رسائل کا ذخیرہ نیشنل لائبریری کلکتہ، نیشنل آرکائیوز نئی دہلی، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ وغیرہ میں محفوظ ہے۔ انگریزی اخبارات اور رسالوں میں 'بنگال ہرکارو' (Bangal Harkaroo)، 'انڈیا گزٹ' (India Gazette)، 'ہندو پٹریاٹ' (Hindu Patriot)، 'فرینڈ آف انڈیا' (Friend of India)، 'انگلش مین' (Oriental Bomay Times)، 'ملٹری کرائیکل' (سب کلکتہ سے شائع شدہ) اور نیٹل بمبئی ٹائمز (Karnatak Telegraph) اور نیٹل لندن نیوز (Illustrated London News) کرناٹک ٹیلی گراف

وغیرہ ہیں۔ اردو فارسی کے اخباروں میں "سراج الاخبار" (فارسی) دہلی، "دہلی اردو اخبار" (الظفر)، "حبیب الاخبار" بدایوں، "کشف الاخبار بمبئی" صادق الاخبار دہلی، "سم سامری" لکھنؤ، "طلسم" لکھنؤ، "کوہ نور" لاہور، "مالوہ اخبار" اندور، "جام جہاں نما" کلکتہ، "اسد الاخبار" آگرہ، "سلطان الاخبار" (فارسی) کلکتہ، "محب ہند دہلی" راست گفٹار بمبئی، "گلشن نو بہار" کلکتہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں "طلسم" کی ایک کاپی نیشنل آرکائیوز نئی دہلی

مکمل فائل فرنگی محل لکھنؤ کے کتب خانے میں ہے۔ 'سحر سامری' کی ایک ناقص فائل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں ہے۔ 'مالوہ اخبار' کے فائل دھارا اسٹیٹ ریکارڈ آفس میں ہیں۔

اس سلسلے میں یہ ذکر باقی رہ گیا کہ یوپی اسٹیٹ آرکائیوز الہ آباد میں بھی نایاب ذخیرہ ہے۔ خفیہ کاغذات اور خطوط وغیرہ میں جن میں راجہ شاہ گڑھ اور نواب باندہ کی خط و کتابت کے علاوہ فتح پور اور مرزا پور وغیرہ پر انگریزوں کی ڈائریاں ہیں۔ لکھنؤ سکریٹریٹ ریکارڈ روم میں آگرہ، شمال مغربی صوبجات فارن ڈپارٹمنٹ کی پولیٹیکل اور جنرل پروسیڈنگ، ہوڈیشل پروسیڈنگ، ملٹری پروسیڈنگ وغیرہ ہیں بعض اضلاع کے 'میوٹنی بستے' اسٹیٹ آرکائیوز الہ آباد میں ہیں۔ اور بعض اضلاع کے بستے متعلقہ کلکٹریٹ کے محافظ خانوں میں بھی ہیں۔ مثلاً مراد آباد کا ریکارڈ یہاں کے محافظ خانے میں ہے اور تقریباً آٹھ دس بڑی بڑی گھڑیوں میں بندھا ہوا ضائع ہو رہا ہے۔

خورشید رضوی (امروہوی)

۲۵ اپریل ۱۹۹۹ء

باب

پس منظر

★ اسباب و آثار

① جنگ پلاسی کے بعد ② بغاوت کے اسباب

③ مختلف تحریکیں اور جدوجہد

جنگِ پلاسی کے بعد

تاریخِ ہند میں ۲۲ جون ۱۷۵۷ء وہ تاریخ تھی جب پلاسی کی جنگ کے دوران چند گھنٹوں میں ہندوستان کی قسمت پر غلامی کی مہر لگ گئی۔ یہ جنگ بنگال کے حکمران سر ارج الدولہ اور انگریز سوداگروں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوئی۔ ہم اس جنگ کی تفصیلات نظر انداز کر رہے ہیں لیکن تمام تاریخوں میں یہ بات صاف طور پر عیاں ہے کہ کمپنی کے حکام اور اس کے سربراہ کلائیو کی پُر فریب سازشوں اور دغا بازیوں سے جنگ میں کامیابی ہوئی اور سر ارج الدولہ کو قتل کیا گیا۔ آخر کار وہ دن آ گیا جس کا سر ارج الدولہ سے غداری کرنے والے میر جعفر اور کلائیو کو انتظار تھا۔

بنگال کی تباہی :- میر جعفر کو تخت نشین کیا گیا جسے بنگال کے عوام کلائیو کا

گدھا کہتے تھے چنانچہ تخت نشینی کے اگلے ہی دن انگریز

سوداگروں کی ٹولی اُس پر سوار ہو گئی اور روپیہ ادا کرنے کے تقاضے ہونے لگے۔ مختصر طور پر بیان کیا جائے تو یہ داستان اس طرح ہے کہ اے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دارے نیارے ہو گئے

لے تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

1. MUKERJI (R): Rise & Fall of East India Company
2. GUPTA (B.K): Sirajuddoula & East India Company
3. ROMESH DUTT: Economic History of India

۴۔ محمد عمر: سر ارج الدولہ ۵۔ طفیل احمد: مسلمانوں کا روشن مستقبل

۶۔ باری: کمپنی کی حکومت

روپیہ بھیجائیں قسطنطنیہ ملاکر ۷۲۷۵۷۲۰ روپیہ ہوتے ہیں“ ۱۔
 ۱۷۶۰ء تک میر جعفر انگریزوں کے لیے نہایت اطمینان بخش ثابت ہوا لیکن اس کے
 لائق، بیٹے میرن نے باپ کی 'میری' اس طرح تمام کر دی کہ چند انگریز عورتوں کو مار ڈالا جو
 اس طرحی کے الفاظ میں:

”اصل وجہ یہ تھی کہ میر جعفر ایک ایسے کنویں کی مانند رہ گیا تھا
 جس کی تلی میں بھی کچھ نہ رہا ہو کہ جو انگریزوں کے ہاتھ لگ سکے۔“

لہذا اب میر جعفر کے داماد (فاطمہ کا شوہر) میر قاسم کی باری آئی۔

میر قاسم | انگریزوں نے میر قاسم کو ۱۷۶۰ء میں تخت نشین کیا تو پھر کمپنی کے دارے
 نیارے ہوئے۔ ٹکسال کھولنے کی اجازت کے ساتھ ہی بیسٹ لاکھ روپیہ نقد وصول کیا گیا۔
 کہا جاتا ہے کہ میر قاسم نے اپنی بیگمات کے زیور تک کمپنی کے قدموں میں ڈال دیئے مگر
 کچھ ہی دن بعد یہ اندازہ ہوا کہ وہ میر جعفر کی طرح گدھا ثابت نہ ہوگا۔

ہنگال کی الم ناک تباہی سے چونکہ تمام ملک کے اقتصادی حالات کا ایک خاکہ سامنے
 آتا ہے جو آگے چل کر پلاسی کے آزمودہ نسخے کی بنیاد پر مرتب ہوتا گیا اس لیے یہ حالات
 ذرا تفصیل سے بیان کیے جا رہے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو آزاد تجارت کے حقوق تو
 حاصل تھے ہی، کمپنی کے ملازمین نے اپنی نجی تجارت الگ شروع کر رکھی تھی۔ انہیں تو
 محصول کا سوال ہی نہیں تھا البتہ دیسی سودا گروں کو محصول بھی دینا پڑتا تھا نتیجہ یہ ہوا
 کہ ٹوٹ شروع ہو گئی۔ انگریز سوداگر جس مال پر ہاتھ رکھ دیتے اسے دوسرا آنکھ اٹھا کر
 نہ دیکھ سکتا تھا اور یہ لوگ من مانی قیمت پر خرید لیتے۔ اسی طرح جب تک ان کے مال کی

1. ORME (Robert): Historical Fragment of Mughal Empire (1805) 180-187

STRACHEY: End of Empire, 35-36

نکاحی نہ ہو جاتی دوسرے تاجر کاروبار بند رکھنے پر مجبور ہوتے۔ جس ہندوستانی تاجر کو محصول سے بچنا ہوتا تو کسی انگریز گماشتے کی مٹھی گرم کر کے ایک تحریر (دستک) لکھوا لیتا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے محصول مانگے۔ نواب بے دست و پا تھا۔ مارچ ۱۷۶۲ء میں میر قاسم نے کمپنی کے افسروں کو جو خط لکھا وہ ان حالات کی دھندلی سی تصویر پیش کرتا ہے:

”ہر پرگنہ، گاؤں اور منڈی میں انگریز گماشتے حکم، چاول، پھالی، گھی، بانس، بھلی، تمباکو وغیرہ کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ رعایا کا مال زبردستی اٹھالے جاتے ہیں اور چوکھائی قیمت بھی نہیں دیتے۔ ان کے ظلم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے مال کے بدلے میں ایک کی جگہ پانچ زبردستی لے لیتے ہیں۔۔۔۔۔ مجھے تقریباً پچیس لاکھ روپے سالانہ نقصان ہو رہا ہے۔“ ۱

ایک خط میں اس نے لکھا تھا کہ:

”کلکتہ فیکٹری سے لے کر قاسم بازار، پٹنہ اور ڈھاکہ وغیرہ میں تمام انگریز حکام اور ان کے گماشتے، افسر اور ایجنٹ ہمارے علاقے کے ہر ضلع میں کلکٹروں، کرایہ لینے والوں، زمینداروں اور تعلقہ داروں کی سی پوزیشن اختیار کیے ہوئے ہیں اور کمپنی کے جھنڈے کے کرمیرے افسران کو کوئی اختیار استعمال نہیں کرنے دیتے۔ اس کے علاوہ ہر ضلع، ہر گاؤں، ہر بازار، ہر پرگنہ میں اپنی تجارت چلا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ہر شخص جس کے ہاتھوں میں کمپنی کی دستک (تحریر) ہے اپنے آپ کو کمپنی سے کم نہیں سمجھتا۔“ ۲

۱۔ طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل ۵۲

ایک ہم عصر تاریخ 'سیر المتاخرین' مؤلفہ غلام حسین (جلد دوم) میں بھی یہ حالات بیان کیے گئے ہیں جس کے حوالے سے انگریز معتمد مل نے اپنی کتاب ہسٹری آف برٹش انڈیا میں لکھا ہے کہ ان علاقوں کے عوام تباہ ہو گئے، مفلس اور مصیبت زدہ ہیں۔ میر قاسم نے مئی ۱۸۵۳ء میں پھر ایک خط لکھا۔ ایک انگریز سر جیٹ بریگٹ نے یہ حالات بیان کرتے ہوئے ایک خط میں ۶ مئی ۱۸۵۳ء کو لکھا تھا کہ:

”پہلے انصاف عوامی عدالتوں میں ہوتا تھا مگر اب ہر گماشتہ جج بنا ہوا ہے اور اس کا گھر کچہری جی کہ وہ زمینداروں پر بھی اپنے ریکامس لکھتے ہیں اور روپیہ وصول کرتے ہیں۔“ ۱

ایک انگریز تاجر ولیم بوٹس نے بھی جو چشم دید مبصر ہے، یہ حالات اپنی کتاب میں تحریر کیے ہیں ۲ کمپنی کو بنگال کے نوابوں سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس کا تو کہنا ہی کیا، محتاط انداز یہ ہے کہ میر جعفر اور میر قاسم کی تخت نشینی پر کمپنی نے جو وصولیاں کی وہ پانچ کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ ایڈمنڈ برک نے ہسٹنگز کے مقدمے میں جو تقریر انگلینڈ میں کی اس میں انگلینڈ پہنچی ہوئی رقم کا اندازہ چالیس کروڑ لگایا تھا واضح رہے کہ صوبہ بنگال کے سالانہ محصول کی آمدنی اُس وقت صرف ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ برک نے اپنی تاریخی تقریر میں کہا تھا:

”ہندوستان کے سابق فاتحین میں اور ہم میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ اُن کی خوش حالی اور بربادی اُن کے نئے وطن یعنی ہندوستان کے ساتھ وابستہ ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔ لیکن انگریزی حکومت میں نظام بالکل بدل گیا۔ تاتاریوں کے حملے ہندوستانیوں کے لیے نقصان دہ تھے مگر ہماری حفاظت اس ملک کو تباہ کیے دیتی ہے وہ تاتاریوں کی دشمنی تھی، یہ ہماری دوستی ہے۔۔۔۔۔ نوٹ

1. ROMESH DUTT: Economic History of India vol.1 p.13-15

Consideration of Indian Affairs quoted by R. Dutt.

لوندے ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔۔۔ ملک میں ان کی آمد کا اتنا بندھا ہوا ہے، ایک کھوپ لٹتی ہے دوسری پہنچ جاتی ہے۔ ہندوستانی عوام کے سامنے اپنے مستقبل کی صرف ایک مالیوں کن صورت ہے اور وہ یہ کہ ایک غیر محدود زماں تک ان موٹی شکاری پرندوں کے نئے نئے غول اسی طرح آتے جاتے رہیں جن کی بھوک ہر بار تیز تر ہوگی یہاں تک کہ جس چیز کے وہ بھوکے ہیں، کم سے کم ہو جائے۔“ ۱۷

غرض یہ کہ ان حالات سے مجبور ہو کر میر قاسم نے یہ قدم اٹھایا کہ ہندوستانی تاجروں کا حصول بھی معاف کر دیا۔ اس طرح اگرچہ اُسے زبردست نقصان ہوا مگر انگریزوں کی تجارتی لوٹ کی بنی بنائی عمارت دھم سے زمین پر آ رہی، ان کا چلن پا ہونا یقینی تھا، یہی میر قاسم سے جنگ کا سبب بن گیا۔ پلاسی کی جنگ فریب اور دغا بازی کا نسخہ بتا ہی چکی تھی لہذا جب میر قاسم کے سامنے کچھ پیش نہ گئی تو پلٹے پر حملے میں شکست کے بعد وہی چال چلی گئی، میر جعفر کا پارٹ سردار نجف خاں نے ادا کیا جس کی رہنمائی میں انگریز رات کی تاریکی میں ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں نواب کا لشکر توپوں کی زد میں تھا۔ اس شب خون میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور میر قاسم کی فوج کا شیرازہ بکھر گیا (بمقام اودانا ۱۷۳۷ء) تو میر جعفر کو دوبارہ نواب بنا کر لاکھوں روپیہ وصول کیا گیا اور پھر اس کے بیٹے نجم الدولہ کو نواب بنا کر سنٹل لاکھ وصول کیا بعد میں کلائیو کے اشارے پر حکیم الدولہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا مگر بنگال میں جو اقتصادی تباہی مچی اس پر بطور مثال ایک نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کچھ حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

کنگال بنگال کمپنی نے ۱۷۵۷ء میں بہار، بنگال اور اڑیسہ کی دیوانی شاہ عالم سے حاصل کرتے ہی دوسرے یورپین تاجروں کو کنگال باہر کیا اور پوری طرح قبضہ جمالیا۔ عوام کی جو حالت ہوتی چلی گئی وہ الفاظ و بیان میں نہیں آ سکتی۔ جو کچھ سامنے ہے وہ

انگریزوں کی ہی تحریروں سے اخذ کیا جاسکتا ہے اور حالات کی صحیح تصویر ذہن میں لانے کے لیے ان تحریروں کے آئینے میں تصور کے پردوں پر کہیں زیادہ بڑا عکس مرتب کرنے پر ہلکا سا اندازہ ہو سکے گا۔

بنگال کے صرف ایک ضلعے باقر گنج کے بارے میں سر جمنٹ بریگیو کی رپورٹ ملاحظہ ہو (۱۷۴۲ء)؛

”یہ اور اس کے علاوہ بہت سی ظلم و زیادتیاں جو بیان نہیں ہو سکتیں، کمپنی کے گماشتوں کا روزانہ کا مشغلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ روز بہ روز یہ علاقہ ویران ہوتا چلا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ بازار جو پہلے کثرت سے مال اور پیداوار کے مرکز تھے، اب مشکل ہی سے کوئی کار آمد چیز ان میں نظر آتی ہے۔“ ۱

اسی سال ڈھاکے کے کلکٹر نے کمپنی کے گورنر کو رپورٹ کی کہ یہ اور دوسرے علاقے جو پہلے بے حد خوش حال تھے، تباہ و برباد کر دیئے گئے، دیسی سوداگر بالکل برباد ہو گئے۔ نواب کے محصول اور مال گزاری میں نمایاں کمی واقع ہوئی اور کمپنی کے ملازمین تجارت سے مالا مال ہو گئے ہیں۔ کمپنی کے گماشتے لوگوں کو مار پیٹ کر گھائل کرنے ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ حکومت اور اس کے مقرر کردہ افسروں کے اختیارات کو بھی روند ڈالتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں نواب کے افسروں کو باندھ کر سزا دیتے ہیں۔ جب کمپنی کے ڈائریکٹروں نے بنگال کا سروے کیا کہ دیکھیں کہاں سے اور کچھڑا جاسکتا ہے تو

”صرف دیناچ پور ضلع کے بارے میں رپورٹ یہ تھی کہ تجارت کا بڑا حصہ دیسی تاجروں سے نکل کر کمپنی کو جا پہنچا ہے، ضلع میں اب کوئی دیسی تاجر باقی نہیں۔۔۔ صنعت و حرفت بھی ان کے ہاتھ سے چھن گئی، وہ صرف اپنی رہی سہی زمین کی پیداوار پر ہی جی رہے ہیں۔“ ۲

1. MUKERJI: p. 175

2. VANSITTART (H): Narrative of Transactions in Bengal, 24 MUKERJI: 175-176

3. MSS of Bachanan in Commonwealth Office Library London, quoted by Mukerji p.181-186

گویا ”کسے نہ ماند کہ اورا بہ تیغ ناز گشتی“

کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز کے نام کلائیمو کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو

(مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۵ء):

”اس قبضے کے بعد کمپنی کو وصول شدہ محصولی ۲۵۰ لاکھ روپیہ ہوگا جس

میں بردوان کے علاقے بھی شامل ہیں۔ بعد میں اس لگان میں بیس

یا تیس لاکھ کا اضافہ اور ہو جائے گا۔ ہمارے سول اور ملٹری اخراجات زیادہ

سے زیادہ ساٹھ لاکھ ہوتے ہیں۔ نواب کا وظیفہ کم کر کے بیالیس لاکھ کر دیا

گیا ہے اور مغل شہنشاہ کی نذر بھی گھٹا کر بھیسس^{۲۴} لاکھ کر دی گئی ہے اس

طرح کمپنی کو ۱۲۲ لاکھ روپے سکہ ہندوستانی کی اور بچت ہوگی یعنی ۱۴۵.۹۰

پونڈ اسٹرلنگ کی“ ۱

۱۹۴۵-۴۶ء سے ۱۹۴۶-۴۷ء تک کمپنی کی آمدنی ۷۹۷۲۳۵۰۱ پونڈ ہوئی جس میں اخراجات

نکال کر منافع ۱۳,۰۴۶,۷۱ پونڈ۔ سول اور ملٹری اخراجات کے بعد چھ سال کا خالص منافع

یا بچت ۱۵۲,۱۵۲,۰۳۱ پونڈ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً کل رقم کا ایک تہائی حصہ ملک

سے باہر بھیجا گیا جبکہ کمپنی کے افسروں کی تنخواہیں جو ملک سے باہر گئیں اس کے علاوہ تھیں....

ہندوستانی تاجروں کو لوٹ کر جو ہاتھ لگتا وہ اس میں شامل نہیں۔ ان حالات کے نتیجے میں

۱۹۴۷ء میں بنگال میں زبردست قحط پڑا جس میں انگریزی اندازے کے مطابق ایک تہائی

آبادی ختم ہو گئی لیکن اس کے باوجود جیسا کہ مٹیلن نے کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو لکھا تھا کہ

۱۹۴۷ء کے محصول کی رقم ۱۹۴۸ء سے بھی زیادہ ہے۔ ”اندازہ تھا کہ آبادی کم ہو جانے کی وجہ

سے توقع کے مطابق محصول وغیرہ کی آمدنی بھی اسی تناسب سے کم ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں

ہوا (بلکہ اضافہ ہی ہوا) اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب کچھ بہ زور طاقت زبردستی کر کے

پہلی سطح پر برقرار رکھا گیا ہے

غرض یہ کہ جیسے جیسے تباہ حالی بڑھی، کمپنی کا اقتدار بڑھا اور ٹوٹ کھسٹ میں اضافہ ہوا، محصول اور مال گزاری کی رقم بھی بڑھتی ہی چلی گئی جس کی وجہ تو ابھی بیان ہوئی، ایک سرسری خاکہ یہاں پیش ہے۔

سال	محصول اور مال گزاری
۱۷۴۲ — ۴۳	۴۴۴۰۰۰
۱۷۴۴ — ۴۵	۸۱۸۰۰۰
۱۷۷۱ — ۷۲	۲۳۴۱۹۴۱
۱۷۹۰ — ۹۱	۲۴۸۰۰۰۰

(یہ اعداد و شمار رام کرشن مکرجی کی کتاب "رائز اینڈ فال آف ایسٹ انڈیا کمپنی" سے لیے گئے ہیں)۔

ولیم بولٹس کی رائے تھی کہ "اگر کمپنی کو اس کے موجودہ نظام پر عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تو نہ صرف وہ تباہ ہوگی بلکہ بنگال میں ہمارے مقبوضات مفلس اور فلاح ہو جائیں گے، ۱۷۷۱ بنگال بہار اور اتر پردیش کی دیوانی کے حقوق حاصل کرتے ہی کمپنی نے ان کا لگان پہلے ہی سال ۱۷۷۴-۷۵ء

1. MACAULAY (T.B): Lord Clive vol.4 p. 63 (1850)

SCRAFTON (London): Reflections on the Govt. of Industan

MUKERJI: Rise & Fall of EIC pp. 176-198

HUNTER (W): Annals of Rural Bengal p. 381

2. BOLTS (W): Considerations on Indian Affairs

JOSHI: Symposium p.6

میں دو گنا یعنی سترہ لاکھ چالیس ہزار پونڈ کر دیا جو کہ پہلے آٹھ لاکھ گیارہ ہزار پونڈ تھا۔^۱ جنگ پلاسی کے بعد سے ہی یہ لوٹ انگلستان کو سیراب کرنے لگی، وہاں کا مشہور صنعتی انقلاب اسی کا نتیجہ تھا اور ایک سرسری اندازے کے مطابق تین چالیس سال کے عرصے میں ہندوستان سے پندرہ ارب روپیہ انگلینڈ جا چکا تھا۔^۲

۱۷۷۷ء میں زمینداروں کی طرف سے ٹیکس یا محصول ادا نہ ہونے کی صورت میں زمین قرق بہ حق سرکار ضبط کر کے فروخت کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا اور اس طرح وہ لوگ جو وسیع قطعہ زمین کے مالک تھے، کچی جھونپڑیوں کے کرائے دار اور چند برتنوں کے مالک رہ گئے۔ اتنا ہی نہیں — کمپنی کے ملازموں نے بنگال کی تجارت کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حصول محصولات کا ایسا طریقہ ایجاد کیا جس کے بیان سے رُوح لرز جاتی ہے، جس کا تذکرہ بدن میں کپکپی پیدا کرتا ہے — الم ناک داستان جو صرف اشکوں کی روانی ہی میں سنی جاسکتی ہے۔^۳

دستکاروں کے انگوٹھے | صنعتی بربادی کی داستان بھی اس سے کچھ کم دردناک نہیں، ایک انگریز برنس نے ۱۷۷۲ء میں حیرت کا اظہار کیا تھا کہ ”بعض کپڑے ایسی نفاست سے تیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔“ یہ نفیس کپڑے انگلینڈ میں بے حد مقبول ہوئے چنانچہ پارلیمنٹ میں قانون پاس کیے جن سے ہندوستانی کپڑے کا استعمال ممنوع ہو گیا۔ جرمانے ہوئے، چنگی اس قدر لگائی گئی کہ کھپت بند ہونے لگی۔ ادھر ہندوستانی کپڑا بنانے والوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ صرف انگریزوں کی فیکٹریوں میں کام کریں۔ ولیم بولٹس ہی گواہ ہے کہ جب وہ کمپنی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کرتے تو کمپنی کے ایجنٹ ان کا سامان نبلام کر دیتے اور قیمت ضبط کر لیتے۔ باریک ریشم کاتنے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا۔ ایسی مثالیں

۱. WADIA & MERCHANT: Economic Problem p. 279

Symposium: p.9

بکثرت موجود ہیں کہ لوگوں کے انگوٹھے اس لیے کاٹ دیئے گئے کہ وہ باریک دھاگانہ بنا سکیں۔ اے جیمس ٹیلر کا کہنا ہے کہ ”صنعت و حرفت اور تجارت کے منزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ٹھکانے کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۳۷ء میں دو لاکھ اور اب (۱۸۳۸ء) میں صرف سترہ ہزار رہ گئی۔ جتنی تیزی سے آبادی گھٹی اس سے کہیں زیادہ تیزی سے افلاس بڑھ گیا۔“ ۱۷

ہولناک قحط ۱۸۳۷ء میں بنگال اور بہار میں جو قحط پڑا اس کی بدولت ایک تہائی آبادی بھوک سے تڑپ تڑپ کر فنا ہو گئی اور سب سے زیادہ مصیبت زرخیز ہونے کے باوجود انہی علاقوں پر آئی جو چند سال سے انگریزی چنگل میں تھے۔ اس قحط سالی کی بدولت مدت تک یہ علاقہ ویران رہا۔ ”کمپنی کی حکومت“ کے مصنف کی زبانی سنیے کہ:

”کمپنی کے ملازموں نے انسانی نعشوں کے اوپر کھڑے ہو کر محاصل اور مالیہ کا مطالبہ کیا۔ بربریت کی تاریخ میں اس سے زیادہ خوں چکاں حوادث کا ملنا امر محال ہے کمپنی کے فلک بوس گوداموں کے سائے میں لوگ دانے دانے کو تڑپ کر مر گئے لیکن کمپنی نے گوداموں کو بدستور مقفل کیے رکھا۔“

قحط سالی کے تقریباً بیس سال بعد لارڈ کارنوالس نے (۱۸۵۹ء میں) بنگال کی نسبت

لکھا:

”میں بہت ہی احتیاط کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کمپنی کے علاقے کا ایک تہائی حصہ آج کل درندوں کا مسکن اور غیر آباد جنگل رہ گیا ہے۔“ ۱۸

اسی طرح جب برطانوی مصنوعات بازاروں میں چھا گئیں، ہندوستانی صنعت تباہ ہو گئی

۱۷ اے باری: کمپنی کی حکومت ۲۸۰

۱۸ ہاشمی: تاریخ ہند۔ ۴۵، ہاؤس آف کامنز کمیٹی کی رپورٹ بحوالہ رام کرشن مکرجی ”رائز اینڈ فال آف کمپنی ۲۰۶ جوشی: سمپوزیم۔ ۷

تو یہ ملک خام اشیاء کی منڈی بن کر رہ گیا۔ ۱۸۳۴ء میں گورنر جنرل ولیم بینٹنک نے کورٹ
آف ڈائریکٹرز کو لکھا تھا کہ

”اُن کی بد حالی کی مثال اقتصادی اور تجارتی تاریخ میں مشکل سے ملے گی
کپڑا بننے والوں کی ہڈیاں ہندوستان کے میدانوں میں پڑی سڑ رہی
ہیں۔“ ۱

۱ ہاشمی: تاریخ ہند۔ ۴۵، ہاؤس آف کامنٹر کیٹی کی رپورٹ بحوالہ رام کرشن مکرجی ”راہ
ایڈفال آف کمپنی ۲۰۴ جوشی: سمپوزیم۔ ۷

بغاوت کے اسباب

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے اسباب پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کڑیاں جنگ پلاسی سے جا کر ملتی ہیں جو ہندوستان میں دو بر غلامی کی ابتدا ہے اور ملک کے عوام نے اسے اپنی اجتماعی شکست و تذلیل قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پلاسی کے میدان میں جمع ہو کر ہر سال اس شکست کی یاد مناتے رہے اور سو سال بعد (۲۳ جون ۱۸۵۷ء) بھی اس عزم کے ساتھ میدان میں آئے کہ ”آج پلاسی کا بدلہ لیں گے۔“

بنگال کا حال مختصراً ہماری نظر سے گذرا، صرف یہ بات اور بیان کرنا ہے کہ سراج الدولہ سے عوام کو جو بے پناہ عقیدت تھی اس کا اندازہ نہ صرف مرشد آباد کھرام سے ہوتا ہے بلکہ جب یہ خبر پٹنہ پہنچی تو وہاں کے صوبیدار راجہ رام نرائن نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، دیوانہ وار بازاروں میں روتا پھرتا تھا، اس کے ساتھ بے پناہ ہجوم نے کھرام مچا رکھا تھا، سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ رام نرائن روتے میں یہ شعر پڑھتا تھا:

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی

دوانہ مر گیا آخر تو ویرانے پہ کیا گزری

بیرہجوم کے جاگیردار نواب بدیع الزماں کو جب یہ خبر ملی تو فقیرانہ لباس پہن کر

جنگل کی طرف نکل گیا اے

بنگال کی تباہی کے جو حالات نظر سے گزرے، رفتہ رفتہ انگریزی اقتدار بڑھنے پر وہی حالات باقی ملک میں رونما ہونے لگے اور عوام کو ملک کی بیکسی اور بد حالی کا احساس دلاتے رہے۔ بقول سرسید:

”شہر کی سرکشی میں یہی ہوا کہ بہت سی باتیں ایک مدت دراز سے لوگوں کے دل میں جمع ہوتی جاتی تھیں اور بہت بڑا میگزین جمع ہو گیا تھا صرف اسکے شتابے میں آگ لگانی باقی تھی“

اس تمام ”میگزین“ کے علاوہ کچھ فوری اسباب بھی تھے جن کی بدولت ملک کے عوام اس ظلم و جور سے نجات پانے کے لیے مجبور نظر آتے تھے۔ ”محاربہ عظیم“ موافقہ کنہیا لال میں ایک انگریز کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

”فوج والوں کے پہروں پر ترش روئی کے آثار تھے اگرچہ وہ اپنے افسران سے کچھ نہ کہتے تھے صرف ایک جوان سپاہی نے اتنا کہا کہ تمہارا نمک پانی اب کھایا نہیں جاتا“

دیہات کے عوام بھی اس قدر متنفر تھے کہ مختلف جگہوں سے بھاگتے ہوئے انگریزوں کو طعنہ دیتے، سائے تک میں نہ بیٹھنے دیتے، حتیٰ کہ پانی بھی نہ دیتے تھے۔ فرانسیسی عورت ہورٹسٹون انگریسی اپنی سرگذشت میں کہتی ہے:

”اُن کی ہر ادا بتاتی تھی کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔۔۔۔۔ یہ لوگ ہم انگریزوں کے تسلط سے اس قدر دل تنگ اور انگریزی حکومت سے اس قدر نالاں تھے کہ مارسیاہ کی طرح بل کھاتے۔ انکی کوئی بات طنز سے خالی نہ ہوتی تھی۔“ ۱۷

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا مجبوریاں تھیں جنہوں نے ملک کے عوام کو تنگ آمد بہ جنگ آمد کا مصداق بنا دیا تھا۔ سب سے پہلے سرسید کا بیان مختصراً سنیے جنہوں نے انقلابی لیڈروں کو 'کم بخت خاں'، 'نامحود خاں' تک لکھ ڈالا اور بہادر شاہ کو 'خولہ خبطہ' کا خطاب عطا کیا ہے۔ بغاوت کے اسباب پر اُن کی کتاب 'اسباب بغاوت ہند' گویا 'شکوہ اربابِ وفا' کا مصداق ہے جس میں بہت ہی احتیاط سے دامن بچا کر لکھا جا رہا ہے جو اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔

سرسید کی زبانی | جو اسباب سرسید نے بیان کیے، کچھ اُن کے اور کچھ ہمارے الفاظ میں یہ ہیں کہ :

”اودھ کی ضبلی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خلاف عہد و اقرار کے کیا ہے۔ عموماً رعایا کو ضبلی اودھ سے اسی قدر ناراضگی ہوئی جتنی کہ ہمیشہ ہوا کرتی تھی جب کمپنی کسی ملک کو فتح کرتی تھی۔“ رعایا ہندوستان انگریزی حکومت کو میٹل زہر اور شہد کی چھری اور ٹھنڈی آنچ سے تعبیر کرتی تھی۔۔۔۔ اور یہ جانتی تھی کہ اگر ہم آج گورنمنٹ کے ہاتھ سے بچے ہوئے ہیں تو کل نہیں اور کل ہیں تو پیرسوں نہیں۔۔۔۔۔ ”تمام لوگ جاہل و قابل اور ادنیٰ و اعلیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو کیا مسلمان، عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم و رواج پر لا ڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے۔۔۔۔۔ ۱۸۲۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی بنائے گئے وہ تمام اضلاع مالک مغربی و شمالی میں ارادہ گورنمنٹ کے ایک نمونہ گئے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح مفلس کر کے اپنے

مذہب میں لے آئیں گے.... حکومت نے پادریوں کو مقرر کیا جنکو تنخواہیں اور بہت روپیہ ملتا تھا اکثر حکام نے اپنے ماتحت لوگوں کو حکم دیا کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادری کا وعظ سنو۔ پادریوں نے جو کتابیں تقسیم کیں اُن میں دوسرے مذہب کے مقدس لوگوں نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے۔ پادری میلوں میں جا کر وعظ کہتے۔ اُن کے ساتھ تھلنے کا چپر اسی جاتا تھا مشنری اسکولوں میں عیسائی مذہب کی تعلیم رائج تھی۔ دیہاتی مکتبوں میں انسپٹر عوام کو مجبور کرتا کہ لڑکوں کو داخل کرو۔ یہ انسپٹر کالا پادری کہلاتا تھا۔ بڑے کالجوں میں رفتہ رفتہ عیسائیت کی تعلیم پر زور دیا جانے لگا۔ چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی انسپٹروں یعنی کالے پادریوں کے سرٹیفکیٹ پر منحصر تھیں۔ ”لوگ سمجھ گئے کہ ہندوستان کو محتاج اور بے معاش کیا جا رہا ہے۔“ ۱۸۵۵ء میں پادری ای۔ ایڈمنڈ نے کلکتے سے عموماً اور سرکاری معزز نوکروں کے پاس خصوصاً چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی۔.... مذہب بھی ایک چاہیئے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ہو جاؤ۔.... ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی اور یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منظر تھے وہ آگیا۔ ”کچھ عجب نہ تھا کہ اُسی زمانے میں کچھ برہمنی اور فساد ہو جاتا چنانچہ اس وقت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے مگر گورنر بنگال نے ایک اشتہار جاری کیا جس سے کچھ تسلی ہو گئی۔“..... لیجس لیٹو کونسل سے امور مذہبی میں مداخلت ہوئی۔ ایکٹ ۲۸ نمبر ۱۸۵۷ء صاف مذہبی قواعد پر اثر انداز تھا۔“ ایکٹ ۱۵ ۱۸۵۶ء ہندوؤں کے رسوم مذہبی میں

خلل ڈالتا تھا۔ ”قوانین ضبطی آراضیات جس کا آخر قانون ۲۔ ۱۸۱۹ء
ہے ہندوستان کو نہایت مضر تھا۔ ضبطی آراضیات نے جس قدر رعایا
ہندوستان کو ناراض اور بدخواہ ہماری گورنمنٹ کا کر دیا تھا اس سے
زیادہ کسی اور چیز نے نہیں کیا۔“ زمینداروں کا نیلام ایسی بے ترتیبی سے
ہوا کہ تمام ملک الٹ پلٹ ہو گیا پھر قانون اول ۱۸۲۱ء جاری ہوا جس
سے اور صد ہا قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اسٹامپ جاری کیا گیا یعنی عدالت
میں انصاف کے لیے روپیہ لگانا ”سب عقلا اس محصول کو ناپسند کر گئے
ہیں۔“ ملازمتوں کی قلت ہو گئی صد ہا آدمی بے روزگار ہو گئے۔ حرفہ کا
روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیائے تجارت ولایت کے بالکل
جاتار ہا یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیاسلائی
بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا۔“ ہماری گورنمنٹ نے اپنے آپ کو آج تک
ہندوستانیوں سے ایسا الگ اور انمیل کر رکھا ہے جیسے آگ اور سوکھی
گھاس۔۔۔ اور پھر ان دونوں میں ایک فاصلہ ہے کہ دن بہ دن زیادہ ہوتا
جاتا ہے۔“ بلاشبہ تمام رعایائے ہندوستان اس بات کی شاکی ہے کہ
ہماری گورنمنٹ نے انکو نہایت بے قدر اور بے قدر کر دیا ہے۔“
اگلے حکام عوام سے بہت اخلاق سے پیش آتے تھے خلاف اس کے
انگریزی حکام اس کے برعکس ہیں۔۔۔ کیا بڑے سے بڑا ذی عزت
ہندوستانی حکام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں نہ تھا؟۔
.... میرٹھ میں سپاہ کو بہت سخت سزا دی گئی جس کو ہر ایک عقل مند
بہت بُرا اور ناپسند جانتا ہے۔ اس سزا کا رنج جو کچھ فوج کے دل پر گذرا
بیان سے باہر ہے۔“

مغل بادشاہوں کی توہین | مغل بادشاہ صدیوں کی روایات کی بنا پر پورے ملک میں قابل عزت مانے جاتے تھے مگر انگریزوں نے انہیں حقروذلیل کرنا شروع کر دیا۔ جس سے عوام کو سخت صدمہ پہنچا۔ شاہ عالم جب الہ آباد میں تھا تو کرنل اسمٹ نے سخت توہین آمیز برتاؤ کیا۔ قلعے میں نہ رہنے دیا، پنج وقتہ نوبت بند کرادی اور دوسری ذلیل حرکتیں کیں اسی طرح لارڈ لیک نے جب مرہٹوں کو ۱۸۰۳ء میں پٹ پٹ گنج کے میدان (دہلی) میں شکست دی تو بعد میں بادشاہ کی ذلت و خواری میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ اکبر شاہ کے تخت نشین ہونے پر (۱۸۰۶ء) انگریز ریزیڈنٹ چارلس ملکان نے سخت نازیبا حرکتیں کیں۔ دہلی نے شاہ عالم کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ وہ لال قلعہ خالی کر دے اور منگیر کے قلعے میں سکونت اختیار کرے یہ تجویز سن کر بوڑھے، عیاش اور بے حس شاہ عالم تک کا خون جوش کھا گیا۔

دہلی پر مرہٹوں کے اقتدار کے بعد (۱۷۸۴ء) پیشوا مہادجی سندھیانے شاہ عالم کے وزیر کی حیثیت سے انتظام سنبھالا، اسی طرح اس کے جانشین دولت راؤ سندھیانے (۱۷۹۴ء) نے بھی کیا اور مغل شہنشاہ کے نائب کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ۱۷۸۲ء میں امیر الامراء اخلاسیا خاں کے مرنے پر شاہ عالم نے مہادجی سندھیانے کو امیر الامراء کا عہدہ اور وکیل مطلق کا منصب عطا کیا۔ اس دور کی تاریخوں میں صاف اقرار کیا گیا ہے کہ مرہٹوں نے کبھی مغل بادشاہ سے بے عزتی کا برتاؤ نہیں کیا اور نہ کبھی اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہتک آمیز رویہ اختیار کیا۔ انھوں نے صرف پوری آمدنی کا چوتھائی حصہ (چوتھ) لینے پر قناعت کی، ہر احترام برقرار رکھا حکام کی تبدیلی اور اکھاڑ پچھاڑ بھی نہیں کی۔ ان حالات میں مسلمان علماء نے بھی مسلمانوں کو مرہٹوں سے تعاون کا مشورہ دیا ۱۷۸۵ء شاہ عالم کا یہ شعر بھی اسی صورت حال کی عکاسی کر

مادھو جی سندھیا فرزندِ جگر بندہ من است

ہست مصروف تلافی رستم گاری ما

لیکن مرہٹوں اور انگریزوں کی جنگ (۱۸۰۳ء) کے بعد شاہ عالم بادلِ ناخواستہ انگریزی 'پناہ' میں آگیا اگرچہ اُس نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار سنبھالنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا (جس کی وہ بے چارہ اہلیت ہی نہ رکھتا تھا) انگریز جنرل لیک نے مغل دربار میں مرہٹوں کا اثر و اختیار دیکھ کر پلاسی والی چال چلی اور شاہ عالم کو ایک عہد نامہ لکھ کر دیا کہ اگر ہم نے مرہٹوں پر فتح پائی تو آپ کا کھویا ہوا اقتدار بحال کر دیں گے اور سالانہ وظیفے میں اضافہ کریں گے لیکن ہوا یہ کہ انگریز گورنر جنرل منٹو اور ایچر سٹ وغیرہ نے بادشاہ کی توہین کے نئے نئے طریقے نکالنا شروع کر دیئے۔ لارڈ بینٹک نے تو اس قدیم اعلان میں کہ "خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا" یہ ترمیم کرائی کہ "حکم کمپنی بہادر کا۔" ۱۸۳۱ء میں جب انگریز رزیڈنٹ ہائکس مغل بادشاہ کے سامنے نذر پیش کرنے گیا تو رواج کے مطابق مؤدب کھڑے ہونے سے انکار کیا اور زنانہ محلات میں جا کر اپنے لیے کرسی طلب کی، گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے میں نقار خانے اور دیوانِ خاص تک گیا جو شاہی رسم رواج کے خلاف تھا۔ دوسرے حکام بھی جان بوجھ کر بادشاہ کی بے عزتی اور اپنی بالادستی کے مظاہرے کرتے رہے۔ دہلی کو شمالی مغربی صوبہ بنا کر اس کی امتیازی حیثیت ختم کی گئی۔ اکبر شاہ کا نام سکوں سے ہٹا دیا گیا (۱۸۳۵ء)۔ گورنر جنرل کی مہر سے "بادشاہ کا فدوی خاص" کے الفاظ نکال دیئے گئے اور ہندوستانی دالیاں ریاست کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ اگرے کے قلعے اور تاج محل کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اکبر شاہ کے نامزد ولی عہد مرزا نیلی کو ولی عہد ماننے سے انکار کر دیا گیا اور کمپنی کے لیے کارآمد سمجھ کر ابو ظفر سراج الدین کو ولی عہد بنایا گیا جسے اکبر شاہ نامنطور کر چکا تھا۔ اکبر شاہ کے بیٹے مرزا جہانگیر کو جلا وطن کیا گیا کیونکہ اُس نے رزیڈنٹ کو "لوٹو" کہا اور اُس پر گولی چلائی

تھی۔ اے بہادر شاہ ظفر نے ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہو کر اپنے وظیفے میں اضافے کا مطالبہ کیا اور وہ وعدے یاد دلائے جو اکبر شاہ سے کئے گئے تھے مگر جواب یہ ملا کہ تمام مطالبات واپس لے لیے جائیں اور رہے سہے اختیارات بھی کمپنی کو سونپ دیئے جائیں تو وظیفے کی رقم برطعائی جاسکتی ہے۔ بہادر شاہ اس پر تیار نہ ہوا تو اس کی وہ نذر بھی بند کر دی گئی جو تقریبات یا تہواروں کے موقع پر دی جاتی تھی (۱۸۴۲ء)۔ رزیدنٹ نے نہایت حقارت سے لکھا کہ اُسے خطوں میں بادشاہ کا "فرزند ارجمند" نہ لکھا جائے جو کہ بطور خطاب لکھا جاتا تھا۔ والیان ریاست کو بھی یہی حکم ہوا کہ وہ بادشاہ کے لیے عزت و احترام کے الفاظ نہ لکھیں۔ سلیمان نے نہایت غصے اور افسوس کے ساتھ لکھا کہ دھول پور اور بندیل کھنڈ کے والیان ریاست جن کو انگریزوں نے قائم کیا اور جن کو بہادر شاہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اپنے لیے "شاہ دہلی کا غلام" اور "بندہ" کے الفاظ مہروں میں استعمال کرتے ہیں۔ اے بہادر شاہ بے چارے نے اس پر بھی احتجاج کیا مگر اس کا انعام یہ ملا کہ دربار کرنے اور خلعت و انعام عطا کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ چاندی کا جو تخت دیوان خاص میں بادشاہ کے لیے رکھا ہوا تھا، تہہ خانے میں مقفل کر دیا گیا اور دیوان عام بھی بند کر دیا گیا۔ (لارڈ البرا کے عہد میں)

حکومت کا گھنڈا | انگریز حکام کے لیے کالے ہندوستانیوں سے بات کرنا بھی کسر شان تھا۔ حکومت میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ مغل دور میں اونچ نیچے حسب نسب اور ذات پات کا لحاظ رکھا جاتا تھا لیکن اب صرف کالے اور گورے میں فرق سمجھا گیا باقی سب تفریق پیچ تھی۔ اس سے عوام کے دلوں کو سخت ٹھیس پہنچی۔

اے مرزا جہانگیر کو الہ آباد میں نظر بند کیا گیا جہاں وہ اپنی موت (۱۸۴۱ء) تک رہا اور خسر و باغ میں دفن ہوا

۷۲ جوشی: سمپوزیم ۹۶

نظام حیدر آباد سے برتاؤ | میسور کی چوتھی جنگ میں نظام حیدر آباد نے غیرت و خودداری کے تقاضوں کو پامال کر کے انگریزوں کا ساتھ دیا اور اس بنیاد پر ایک انگریزی فوج 'عہدہ معاونت' کے بعد یہاں مقیم ہو گئی جس کا خرچ ۲۴ لاکھ روپیہ نظام کے سر ڈالا گیا اور اس کی اپنی فوج کو برطرف کر دیا گیا۔ دو تین ہی سال گزرے تھے کہ ۱۸۱۵ء میں اس فوج کے اخراجات میں اضافہ کر کے نظام سے وہ علاقہ واپس لے لیا گیا جو سلطان ٹیپو سے دغا بازی کے 'انعام' میں دیا گیا تھا۔ یہ 'سودا' نقد یوں بھی کیا خوب تھا کہ بدلے میں بیچارے نظام کو دیا کچھ بھی نہیں گیا اور وہ کمپنی کے ہالے میں مکھی بننا چلا گیا۔ انگریزی 'کرم' کا سلسلہ دراز ہو گیا تو اپنے وفادار پٹھوؤں مثلاً نظام کے خاص معتمد مہی پت رام جیسے قابل اور مدبر کو ہٹا کر میر عالم جیسے ناکارہ لوگوں کو دیوان اور دوسرے عہدوں پر بٹھا دیا گیا۔ امدادی فوج کے نام پر اخراجات بڑھتے چلے گئے اور ۱۸۲۲ء تک ریاست ایک کروڑ سولہ لاکھ کی قرض دار ہو گئی جس کے عیوض میں پھر انگریزوں کو معافیاں، جاگیریں اور رعایتیں دی گئیں مگر "مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دوا کی" ۱۸۲۳ء میں دو کروڑ روپیہ واجب تھا، دیگر مصارف اس کے علاوہ تھے۔

نظام سکندر جاہ کے مرنے پر اتقاب و آداب میں بھی فرق آیا اور مساویانہ بلکہ گستاخانہ الفاظ نظام کے لیے لکھے جانے لگے۔ اے 'تاریخ رشید خانی' کا مصنف یہ حالات بتا کر لکھتا ہے:

"اس سے خود بدولت اپنے نزدیک بہت آزرده خاطر رہے اور خیلے

دل پر ملال گذرا" (ص ۲۳۹ - ۲۴۰)

ظاہر ہے کہ اب 'آزرده خاطر' اور 'ملال' چڑیوں کے کھیت چگ جانے کے بعد

کی بات تھی۔ معاہدے کی دفعہ ۷ کی رُو سے امدادی فوج کا فرض تھا کہ اندرونی شورشوں کی سرکوبی کے لیے نظام کی مدد کرے مگر یہ بھی نہ ہوا۔ مزید عنایت یہ ہوئی کہ ۱۸۰۴ء میں ایک نئی فوج کمپنی کے زیرِ اہتمام حیدر آباد کینٹنمنٹ کے نام سے آراستہ کی گئی جس کا خرچ چالیس لاکھ روپیہ نظام کے ذمہ ڈالا گیا اگرچہ فوج پوری طرح ریزیڈنٹ کے ماتحت تھی۔ ۱۷ یہ سب کچھ نظام صاحب کی مرضی کے خلاف عمل میں لایا گیا اور اب اُن کی مرضی کی ضرورت بھی کیا تھی۔ سکندر جاہ نے اسی نئی امدادی فوج کے اخراجات دینے سے ہرچند انکار کیا اور اسے برخاست کرنے کی خواہش کی مگر بے کار!۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کینٹنمنٹ کی بدولت ریاست قرض کے چکر میں ایسی آئی کہ بالکل دیوالہ نکل گیا۔ ریزیڈنٹ فریزر نے اپنی یادداشت میں اعتراف کیا ہے کہ ”ریاست اس فوج کا خرچ اٹھانے کے قابل کسی طرح نہیں ہے“ (ص ۲۵۵)۔ ان اخراجات کے بہانے نظام کا علاقہ ہضم کرنے کے لیے پھر ’بندر بانٹ‘ ہونے لگی اور اپنے ایک پیٹھو سراج الملک کو مدارالہما (دیوان) بنا کر اُن دیسی سپاہ کو بہ طرف کیا گیا جو نظام کے ماتحت باقی رہ گئی تھی اور جن کا وجود انگریزوں کو کھٹک رہا تھا۔ نظام ناصر الدولہ کی ناراضگی پر سراج الملک کو ہٹایا گیا لیکن قرض کی ادائیگی کا مطالبہ شدت سے کیا جانے لگا اور اس بنیاد پر مزید علاقوں کا مطالبہ ہوا۔ ولزلی نے جب یہ دیکھا کہ نظام قرضے کی نقد ادائیگی کی تدبیر کر رہا ہے تو اسے روک دیا گیا۔ ۱۷۹۲ء آخر کار ۱۸۵۳ء میں علاقہ برار مانگا گیا۔ نظام صاحب اب کی بار بھی بہتیرا کُلبلائے مگر کچھ پیش نہ گئی اور صوبہ برار لے لیا گیا۔ جو تریسٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا تھا یعنی نظام کی کل ریاست کا تقریباً ایک

۱۔ مودودی (ابوالعلا): دولت آصفیہ اور برطانیہ/۲۲۔ حیدر آباد افیروز (انگریزی)

جلد دوم ص ۴۲۳، ۳۷۴، ۲۴۷، ۳۷۲، ۳۲۲

تہائی۔ اسی پر بس نہیں ہوا، ایک اور فوج رکھی گئی اور خرچ (بائیس لاکھ) نظام کے سر پڑا۔ جب وہ غریب اس قابل بھی نہ رہا تو یہ خرچ 'ازراہ شفقت' کمپنی خود ادا کرتی رہی اور نظام کے کھاتے میں لکھا جاتا رہا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ کھاتہ نہیں تھا بلکہ نظام کو کھاتے جانے کی ایک حسین و جمیل ترکیب تھی چنانچہ کچھ عرصے بعد ایک اور زرخیز حصہ قرضے میں چھین لیا گیا۔ نظام کو فوج کے اخراجات ایک کروڑ ستر لاکھ ادا کرنے پڑتے تھے جبکہ ریاست کی کل آمدنی دو کروڑ سے زیادہ نہ تھی۔ ایک انگریز ڈیوڈ سن کس مزے سے اپنے مراسلے میں لکھتا ہے۔

”تعجب اس پر نہیں ہے کہ ۱۸۵۲ء میں ریاست تینتالیس لاکھ کی قرضدار کیوں تھی بلکہ اس پر ہے کہ پچاس سال تک اس بُری طرح لٹنے اور تباہ ہونے کے باوجود وہ صرف ۴۲ لاکھ ہی کی قرض دار کیوں رہی، اس کا بالکل دیوالہ کیوں نہ نکل گیا“ ۷۱

اودھ پر دست درازی | اودھ پر کمپنی کے قبضے کی کہانی بڑی طویل اور دردناک ہے لیکن ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی کڑیاں تانتخ سے اس طرح پیوست ہیں کہ اسے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ بعض مورخوں نے تو اودھ کے الحاق کو تحریک ۱۸۵۷ء کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے ذرا واضح طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔

اودھ ایک زرخیز اور خوشحال علاقہ تھا چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی نگاہیں عرصے سے اس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وارن ہیسٹنگز نے جب نواب اودھ سے چالیس لاکھ روپیہ لے کر روہیلوں کو پامال کیا (۱۷۷۴ء) تب ہی سے کمپنی کی امدادی فوج 'جو ہر جگہ تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، یہاں بھی رہنے لگی اور یہیں سے اودھ کی بدنصیبی کی داستان شروع

ہوتی ہے۔ امدادی فوج کے اخراجات کے لیے شروع میں پینتیس^{۲۵} لاکھ روپے کی رقم نواب اودھ نے منظور کی لیکن جلد ہی یہ چھیتر^{۲۶} لاکھ تک جا پہنچی اس کے علاوہ جو طریقے اختیار کیے گئے اُن میں سے صرف مثال کے طور پر کورا اور الہ آباد کا لطیف ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ علاقے نواب وزیر اودھ سے کمپنی نے لے لیے لیکن آٹھ سال بعد یہی علاقے پھر نواب اودھ کے ہاتھ فروخت کیے گئے، پینتالیس^{۲۵} لاکھ روپے میں۔! غریب نواب اودھ کو صرف اتنے ہی پہ بس نہیں ہوا، متواتر مطالبات جو کمپنی کی طرف سے ہوتے رہے وہ الگ تھے اور ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے تھے، ساتھ ہی، زمینوں کا محصول اور لگان بھی بڑھتا چلا جاتا تھا چنانچہ نوبت یہ آئی کہ لگان کمپنی نے براہ راست وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس وصولیابی میں جو ظلم و زیادتی روا رکھی گئی اس کا ذکر فضول ہے۔ زراعت، صنعت اور تجارت برباد ہو کر عوام کی جو حالت ہوئی وہ بنگال کے آئینے میں دیکھ لیجئے۔

۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کی موت پر کمپنی نے تمام معاہدے (سوائے ادائیگی زر نقد) منسوخ کر دیئے اور نئی شرطیں منظور کرنے پر زور دیا۔ امدادی فوج کے خرچ میں بھی اضافہ کیا گیا، نواب کو مجبور کیا گیا کہ بنارس کمپنی کے حوالے کر دے جس کی آمدنی بائیس^{۲۷} لاکھ تھی۔ غرض یہ کہ کمپنی اور اودھ کے روابط کا ہر گوشہ حریصانہ نگاہوں اور فریب کاریوں کی طویل داستانیں سن رہا ہے جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ سر جان شورگورنر جنرل ہو کر آیا (۱۷۹۲ء) تو نواب اودھ سے طے شدہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کیا اور انکار کرنے پر اس کے وزیر لال بھاؤ کو گرفتار کر لیا بالآخر آصف الدولہ کو شرطیں منظور کرنا پڑیں۔ آصف الدولہ کے مرنے پر پہلے تو وزیر علی کو جانشین تسلیم کیا گیا مگر بعد میں سعادت علی سے ساز باز کر کے عدم مداخلت کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو تخت نشین کر دیا گیا۔ "سعادت مند" وہ یوں بھی ثابت ہوا کہ تمام من مانی شرطیں تسلیم کرا لی گئیں مثلاً یہ کہ ملک کی حفاظت کے لیے دس ہزار انگریزی فوج رکھی جائے گی جس کا خرچ نواب ادا کرے گا۔ الہ آباد کا علاقہ اور دس لاکھ

روپیہ نقد کمپنی کے حوالے کیا جائے گا۔ نواب کسی اور سلطنت سے خط و کتابت کا مجاز نہ ہوگا وغیرہ۔
 بڑھتے ہوئے مطالبات کی ایک مثال راجہ بنارس کی بھی ہے جس کو کمپنی نے ۱۷۷۷ء
 میں اپنی 'سرپرستی' میں لے لیا تھا۔ راجہ چیت سنگھ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک طویل داستان ہے
 مختصراً یہ کہ وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۸ء میں راجہ کو لکھا کہ موجودہ جنگ (جو کمپنی ہندوستانی ریاستوں
 کے خلاف جاری رکھے ہوئے تھی) کے خرچ میں اپنا حصہ پانچ لاکھ روپیہ ادا کرے۔ اس کے بعد یہ
 مطالبہ ہر سال اصلے کے ساتھ ہونے لگا راجہ جب بالکل مجبور ہو گیا تو معذوری کا اظہار کیا اس
 'جرم' پر ہیسٹنگز خود پچاس لاکھ روپیہ وصول کرنے بنارس پہنچا جس پر بنارس کے عوام نے حملہ کیا
 اور جان بچا کر بھگل بھاگا۔ غرض یہ کہ ان حالات نے بنارس کو تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا اور ۱۷۸۲ء
 میں قحط نے آدیا۔ کمپنی نے جب چیت سنگھ کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاں بھی اتار لی تو ایک کٹھ پتلی راجہ
 گدی پر بٹھا کر شوٹرا گیا۔

یہ تو مثال بنارس کی تھی، اودھ کا باقی علاقہ بھی انہی حالات سے دوچار تھا۔ آصف الدولہ
 کو اپنے کیے کا انجام نظر آیا مگر اب تو 'خود کردہ را' کے بعد 'علاجے نیست' کی منزل آچکی تھی انگریزی
 جونک اودھ کو لگ چکی تھی جس سے بچنا اب دشوار نہیں، ناممکن تھا۔ اس انگریزی جونک کو
 اودھ کے نو نہالوں کا خون درکار تھا اور اس کی دو ہی صورتیں تھیں — یا تو آہستہ آہستہ
 جوکس لینے دیا جائے اور یا میدان میں نکل کر تلوار سے بہایا جائے — ابھی تک پہلی
 صورت حال رہی تھی مگر ملک کے دیگر گوں ہوتے ہوئے حالات نو جوانوں کی غیرت کو للکار
 رہے تھے۔ اور جب غیرتوں میں اُبھار اور گرم خُون میں اُبال آیا تو تاریخ وطن کے اوراق پر وہ
 خونی داستان نقش ہو گئی جو انہی صفحات پر ہمارے سامنے آرہی ہے۔

اودھ کا عیش پسند نواب بے چارہ یہی کر سکتا تھا کہ کمپنی کی دہائی دے، ۱۷۷۹ء میں
 بھی اُس نے فریاد کی مگر سنوالی آخر کیوں ہوتی؟ نتیجے میں وہی حشر ہوا، ہر طرح کی تباہی
 کے ساتھ ہی گاؤں کے گاؤں ویران ہوتے چلے گئے۔ ۱۷

کمپنی کی امدادی فوج تو مسلط تھی، ہی، اب یہ مطالبہ بھی ہوا کہ نواب اپنے فوجی دستے ختم کر دے جس پر حسب معمول احتجاج کیا گیا۔ ایک انگریز فلیس فرانس نے کونسل کو (انگلینڈ) جو رپورٹ کی تو اُس میں لکھنا پڑا کہ :

”مجھے تو ایک آزاد حکمران کے اس مطالبے میں کوئی جرم و قصور نظر آتا نہیں کہ اُسے ایک غیر بردنی طاقت کی فوج رکھنے کے بارے میں چھوٹا راولا دیا جائے جو کہ بے حد شرارت سے اُس کے محصولات اور ملک کی آمدنی کو نکل گئی ہے اور وہ بھی اُس کی حفاظت کے بہانے سے“ ۱

مگر سسٹنگنز نے کمپنی کے فوجی دستے کم بھی کرنے سے انکار کر دیا۔ اب کمپنی کے مطالبات چودہ لاکھ پونڈ (ہندوستانی سکے میں دس گنا بڑھا لیجئے) تک جا پہنچے تھے۔ حالات سے مجبور ہو کر جب گاؤں کے باشندے اپنی زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگے تو انگریزی فوجوں نے زبردستی گھیر لیا، تنگ آکر انھوں نے مقابلہ کیا تو فوج نے گچل کر رکھ دیا۔ کیپٹن ایڈورڈس نے ۱۷۷۷ء میں اور پھر ۱۷۸۳ء میں اودھ کا دورہ کیا، پہلے خوش حال اور نو، ہی سال بعد تباہ حال دیکھ کر اپنے بیان میں یہ حالات لکھے۔ ہولٹس نے بھی اس تباہ حالی کی داستان بیان کی ہے۔ ۱۷۸۴ء میں تو یہ علاقہ زبردست قحط سالی کی زد میں تھا۔ اس کے باوجود کمپنی کے مطالبات اور امدادی فوج بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ ولزلی نے ۱۷۸۰ء میں ایک نیا مطالبہ یہ کیا کہ نواب اپنی غیر قواعد داں فوج کو بھی ختم کرے اور مزید پچاس لاکھ روپیہ سالانہ امدادی فوج کی نذر کرے اس طرح اودھ کی پوری فوجی طاقت کمپنی کے قبضے میں آجاتی۔ نواب نے انکار کیا تو ولزلی نے فرضی الزام رکھ کر انگریزی فوجیں زبردستی داخل کر دیں اور حکم ہوا کہ ان کے خرچ کا انتظام کیا جائے۔ نواب نے عاجزی سے احتجاج کیا تو ولزلی نے تمام مراسلات یہ لکھ کر واپس کر دیئے کہ ”ان کا

طرز خطاب ہندوستان کے سب سے بڑے برطانوی حاکم کی شان کے خلاف ہے۔“ ۱ نمبر ۱۸۰۱ء میں نواب کو بے بس کر کے ایک اور معاہدہ ہوا اور بہت سا علاقہ کمپنی نے امدادی فوج کی کفالت کے نام پر ہضم کر لیا جس کی سالانہ مال گزاری ۴۷۲ ۴۵۲۵۱۳ روپے تھی۔ نئے معاہدے سے یہ بھی پابندی تھی کہ وہ اندرونی معاملات میں بھی کمپنی کے افسروں سے رائے لے کر کام کرے گا گویا اس طرح وہ بالکل ہی جکڑ لیا گیا۔ لیکن کمپنی کی طرف سے وہ فوجی امداد بھی نہیں دی گئی جس کا معاہدوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔ ۲ مارش مین کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ ”اس ترکیب سے نواب بالکل بے بس ہو گیا کیونکہ اس توڑ جوڑ کے مقابلے میں جیت جلتے کا ڈھب اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔“ مختصر یہ کہ اُن بڑھتے ہوئے مطالبات نے اودھ کو کھوکھلا کر کے بد انتظامی پیدا کی اور نواب کے لیے ناممکن ہو گیا کہ وہ اپنی سلطنت کا انتظام کر سکے کیونکہ سابقہ قانون کمپنی نے ختم کر دیئے اور نئے قانون کی بدولت عوام کو اس قدر پریشان کن نتائج بھگتنا پڑے کہ دس سال بعد کمپنی نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ خزانہ خالی ہو جانے پر جب نواب نے ٹیکس لگایا تو کمپنی کی طرف سے ’بد انتظامی کا الزام عائد کیا گیا اور اگر کبھی عوام آواز اٹھاتے تو انگریزی سنگینیں اُن کو کچلنے کے لیے نکل آتیں۔ اس طرح ایک طرف تو اصلاح اور سدھار کو ناممکن بنا دیا گیا، دوسری طرف ’بہتر انتظام‘ کے متواتر مطالبات کو رفتہ رفتہ زیادہ سختی سے پیش کیا گیا۔ انگریز مورخ چارلس بال نے لکھا ہے کہ ”عوام کو خوش حال بنانے والی اصلاحات رائج کرنے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ کمپنی کے نمائندے کو واپس بلا کر نواب کو آزادانہ طور پر انتظام کا موقع دیا جاتا ہذا حدود ریاست کی اندرونی بے چینی کی تمام ذمہ داری کمپنی کے سر ہے۔“ ۳

1. MARSHMAN: p.255

2. SEN: Eighteen Fifty seven p. 172-173

3. BALL C : Vol.1 p.152

اب وہ وقت قریب آگیا جب اُس بھیڑیے کا فارمولا استعمال کیا جائے جو بکری کے بچے کو دریلے پانی پیتا دیکھ کر اُس پر پانی گندا کرنے کا الزام لگا رہا تھا۔ چنانچہ ایک طرف کمپنی کی طرف سے اصلاحات کے تقاضے تھے دوسری طرف اس راہ میں رکاوٹیں ڈالی گئیں اور صاف الفاظ میں رزیڈنٹ کی طرف سے روکا گیا۔

۱۸۴۷ء (۱۳ فروری) میں جب واجد علی شاہ تخت نشین ہوا تو کمپنی اودھ پر پوری طرح قابو پائے ہوئے تھی۔ ۱ واجد علی شاہ نے اصلاحات شروع کیں تو انگریزوں کے کان کھڑے ہوئے، رزیڈنٹ کو یہ حرکت پسند نہ آئی۔ فارن سکریٹری نے رزیڈنٹ کو لکھا اور رزیڈنٹ نے اعتراض کیا لیکن ساتھ ہی گورنر جنرل نے اودھ کا دورہ کرنے کے بعد شاہ کو نومبر ۱۸۴۷ء میں ایک سخت وارننگ بھیجی کہ اگر دو سال کے اندر انتظام میں سدھار نہ کیا گیا تو کمپنی اودھ کا انتظام خود سنبھال لے گی۔ ۲ اودھ کا کچھ علاقہ ہڑپ کرنے کے لیے اسکیمیں تیار ہونے لگیں لیکن پھر یہ سوچا گیا پورے ہی اودھ کو نکلنے کی ترکیب کی جانا چاہیے۔

واجد علی شاہ نے مستعدی کا ثبوت دیا، اصلاحات کے علاوہ صبح کو پریڈ پر قواعد وغیرہ کرانا شروع کی۔ معین الدین حسن لکھتا ہے کہ :

۱ اودھ کی سرحدیں شمال میں نیپال، جنوب میں گنگا، مشرق میں گورکھپور اور مغرب میں شاہ جہاں پور سے ملتی تھیں اور پانچ نظامتوں میں تقسیم تھی یعنی خیر آباد۔ گوندہ بہرائچ۔ سلطانپور۔ بیسواڑہ۔ سالون۔ ہر نظامت میں تین چار چکے تھے۔ زائد علاقے باڑی بسواں۔ دریا بادرولی۔ دیوا۔ مکرسی۔ نواب گنج۔ گوشائیں گنج۔ موہان۔ رسول آباد۔ صفی پور۔ بانگر مو۔ سانڈھی پالی۔ محمدی وغیرہ تھے واجد علی شاہ ۲۴ جولائی ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوا۔ باپ امجد علی اور ماں ملکہ کشور زمانی تاج آرا بیگم بنت نواب حسین الدین تھیں۔

”جب ایسی کچھ ہوشیاری اور کارروائی روزمرہ آراستگی فوج کا چند روز میں شہرہ ہوا اور صاحب رزیرڈنٹ بہادر نے بھی ملاحظہ فرمایا تو صاحب موصوف کو وہم و اندیشہ پیدا ہوا جو اس بارے میں واجد علی شاہ بادشاہ سے خط و کتابت ایسے مضمون کی شروع کی کہ حضور خود بادشاہ ہو کر اس قدر محنت و مشقت و جفاکشی اپنی ذات پر کیوں گوارا فرماتے ہیں۔ یہ جو فوج آراستہ سرکار انگریزی کی ہے اس کو بھی آپ اپنا ہی تصور فرمائیں اور آپ عیش و آرام سے زندگی بسر کریں۔۔۔۔۔ جب واجد علی شاہ بادشاہ کو متواتر ایسی تحریر و تقریر سے نہ معلوم کہ ازراہ غصہ اور طیش کے برا معلوم ہوا یا یہ کہ تو تحریر و تقریر اُن سے کی گئی وہ موثر ہو گئی، یہ ارشاد فرمایا کہ اچھا اب ہم اور شغل میں بسر کریں گے۔ یک بارگی وہ سب باتیں انتظام ملکی و مالی کی موقوف کر کے ارباب نشاط کی طرف متوجہ ہوئے۔“ ۱

اصلاحات میں رزیرڈنٹ کے ٹانگ اڑانے کا یہ ایک ہی ثبوت نہیں ہے، وہ اصل تحریریں محفوظ ہیں جن میں واجد علی شاہ کو پہلے نرم اور پھر سخت الفاظ میں اصلاحات سے روکا گیا۔ جی ٹی بھٹناگر نے اپنی انگریزی کتاب ”اودھ واجد علی شاہ کے عہد میں“ میں

۱ معین الدین: خدنگ، خدر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا انگریزی ترجمہ ملکاف نے تحریف کر کے شائع کیا تھا۔ یہ اصل کتاب کا اقتباس ہے (ص ۱۲)۔ ان حالات پر ایک، اور کتاب تواریخ نادر العصر مؤلف نول کشور میں بھی روشنی ڈالی گئی ہے (ص ۱۲۶)۔ واجد علی شاہ نے انتظامی اصلاح پر ایک کتاب ”دستور واجدی“ بھی ترتیب دی تھی اس کا تذکرہ وزیر یار مؤلف امیر علی میں بھی (ص ۱۳۷) کیا گیا ہے۔

تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اب حسب منشا ترکیبیں شروع ہوئیں۔ کرنل سلیمین رزٹرنٹ ہو کر آیا تو داجد علی شاہ کے خلاف رپورٹیں لکھنا شروع کر دیں کہ ”وہ انتظامی معاملے میں بالکل ناکارہ ہے۔ اس کا وزیر نہایت تیسرے درجے کا آدمی ہے“ وغیرہ۔ اتنا ہی نہیں، سلیمین نے شاہ سے انتہائی بے عزتی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ شاہی مہر میں لفظ ’غازی‘ ایک حکم کے ذریعے مٹا دیا گیا۔ ۱۸۵۱ء تک یہ حرکتیں برابر جاری رہیں۔ ڈالہوزی نے ایک خط مورخہ ۲۰ جولائی ۱۸۵۱ء میں لکھا:

”یہ مزے دار پھل کسی نہ کسی دن ہمارے مُنہ میں آنے والا ہے بہت عرصے سے پک کر تیار ہو چکا ہے۔ ابھی الحاق مناسب نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کورٹ مجھے خواہ مخواہ درخت کو ہلانے کی منظوری دے اس پھل کو گرنے

کے لیے“ ۱

اودھ کی ضبطی

اودھ کا ’مزے دار پھل‘ آخر کار پکتے پکتے کمپنی کے مُنہ میں آگرا۔ رزٹرنٹ سلیمین اور اوٹرم ۱۸۵۱ء سے رپورٹیں مانگی گئیں اور الحاق کا فیصلہ کر لیا گیا۔ واضح رہے کہ اودھ وہ مملکت تھی جو نہ صرف ہمیشہ انگریزوں کی ’وفادار‘ رہی بلکہ اُڑے وقت میں کسی ممکن امداد سے دریغ نہیں کیا۔

الحاق کا فیصلہ آخر وقت تک پوشیدہ رکھا گیا۔ شاہ اودھ کی طرف سے فوجی نقل و حرکت کے بارے میں پوچھا بھی گیا تو یہ بہانہ کر دیا گیا کہ شاہ نیپال یا تراکو جا رہا ہے اس لیے فوج جمع ہوئی

1. BHATNAGAR: p. 71

2. BAIRD (J.G.A): Private Letters of Dalhousie p.33

۱۸۵۲ء میں سلیمین کی جگہ رزٹرنٹ مقرر ہوا جو الحاق کے بعد چھٹی پر چلا گیا، اور جیکسن مقرر ہوا۔ مارچ ۱۸۵۶ء میں، ہنری لارنس چیف کمشنر بنایا گیا

ہے۔ آخر کار جنرل اوٹس نے ۲۴ جنوری ۱۸۵۳ء کو واجد علی شاہ کے سامنے اودھ کی ضبطی کا فرمان دستخط کے لیے پیش کیا تو شاہ نے غم زدہ ہو کر کہا ”عہد نامہ برابر والوں میں ہوتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ میں اس پر دستخط کروں“ انگریزوں کو اختیار ہے میرے اور میرے ملک کے ساتھ جو چاہیں کریں ”چنانچہ اودھ کو ضبط کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ واجد علی شاہ اور اس کی والدہ نے ہزار دلیلیں اور گزاریں کیں مگر ایک نہ سنی گئی۔ شاہ کو کلکتہ جانے کا حکم ہوا اس نے اپنے وزیروں یعنی علی نقی اور راجہ بال کرشن کو ہمراہ لے جانا چاہا تو اس کی اجازت نہ ملی کچھ کاغذات وغیرہ بھی نہ لے جانے دیئے گئے۔ لندن کے بعض اخباروں نے اودھ کی جبری ضبطی کو نا انصافی اور عہد نامے کی خلاف ورزی قرار دیا تھا انگریزوں کے بڑے اور سچے وفادار سرسید بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

”اودھ کی ضبطی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ

کمپنی نے خلاف عہد و اقرار کیا ہے“ ۱

کمپنی کا راج | اودھ پر کمپنی بہادر کا تسلط ہوتا ہے جو بہار آئی اس کا قیاس اس طرح کیجئے کہ ایک اندازے کے مطابق سات آٹھ لاکھ آدمی بے روزگار ہو گئے۔ پورے صوبے کا جو حال ہوا وہ انگریزوں کی یادداشتوں ہی سے اخذ کیا جاسکتا ہے جو بہت ہی ہلکا سا اندازہ ہو گا صرف ایک انگریز رٹنر ریز کے الفاظ میں سنیے:

”ہزاروں شرفاء، امراء اور حکام جو شاہی زمانے میں بڑے عہدوں پر تھے اور عیش و عشرت کی زندگی گذارتے تھے، مفلسی اور محتاجی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کے ماتحت ملازم اور مصائب بے روزگاری کا شکار ہیں

۱ اخبار کوہ نور (لاہور) ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء

۲ سرسید: اسباب بغاوت ہند/ ۵

..... عام لوگ عموماً اور غریب خصوصاً بے حد غیر مطمئن ہیں کیوں کہ طرح طرح کے ٹیکسوں کی بھرمار ہے۔“ ۱

اودھ کی شاہی فوج کو بھی برعاست کر دیا گیا جو تقریباً ستر ہزار تھی۔ اس طرح تمام اودھ کا علاقہ ان برعاست شدہ سپاہیوں سے بھر گیا جن کی نئے اودھ کی پولیس یا فوج میں کوئی جگہ نہ تھی۔

جائداد میں اس کثرت سے ضبط و نیلام ہوئیں کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کے چار پانچ سال میں پچیس^۲ ہزار میں سے اکیس ہزار قرق یا نیلام کی جا چکی تھیں۔ یہ کارنامہ انعام کمیشن کے ذریعے ہو رہا تھا جس کی کارروائیوں کو کئی انگریز مصنفوں مثلاً تھارن ہل اور جی بی سٹین کار و فیہ نے تاجائز اور ظالمانہ قرار دیا ہے۔ تھارن ہل کا کہنا ہے کہ:

”ہمارے لگان اراضی کی تشخیص بلا شک بہت زیادہ تھی زمین کی فروخت کے ذریعے جبری وصولی نے اس کی سختی میں اور بھی اضافہ کیا“ ۲

مال گزاری کے نئے نظام کے سلسلے میں چودہ ہزار مقدمات سخت گیری اور نا انصافی کے خلاف دائر ہوئے۔ مورخ میلسن نے بھی یہ حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کہا تھا:

”کسی دیسی ریاست کا الحاق اس کے باشندوں کو زوال پذیر اور قلاش کر کے اپنا دشمن بنانا ہے“

تھامس منزو نے کہا:

”اس پالیسی نے تمام لوگوں کو اکھاڑ پھاڑ کر رکھ دیا ہے“

1. REEZ: Narrative of Siege ... pp.33-34

جوشی: انقلاب ۱۸۵۷ء (اردو ترجمہ سمپوزیم) ص ۲۷، ۱۷، ۱۴

میلین نے اقرار کیا ہے کہ اودھ کے الحاق نے اس علاقے کو بے اطمینانی اور سازشوں

کا مرکز بنا دیا۔

شاہِ اودھ کی فریادیں | واجد علی شاہ کو ہر طرح کی بے عزتی اور ظلم و ستم سہنے کے باوجود یہ امید تھی کہ فریاد سُنی جائے گی چنانچہ ایک وفد تو لندن بھیجا گیا اور کلکتے میں قید کیے جانے کے باوجود گورنر جنرل کو احتجاج کے خط شاہ کی طرف سے لکھے جاتے رہے۔ ایک خط (۲۰ اگست ۱۸۵۶ء م ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ) میں کس بے بسی سے لکھا تھا کہ:

”میں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ پر اس قدر ظلم و تشدد اور بے عزتی روا رکھی گئی کہ اس کا دسواں حصہ بھی کبھی انگریز حکومت کے کسی دشمن کے ساتھ نہیں کیا گیا ہوگا۔ میری ہزاروں چیزیں اور سامان ضبط کر لیا گیا۔ میری چھ پُشتوں کی یادگار لاکھوں کی عمارتیں مسمار کر دی گئیں۔ فرج بخش کی عظیم الشان عمارت کو گھوڑوں اور کتوں کا اصطبل بنا دیا گیا۔ میرے ذاتی دفتروں حتیٰ کہ منشی خانے پر گارڈ کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ گوداموں کا تالا توڑ کر سامان برباد کر دیا گیا۔ میرے بیل۔ ہاتھی۔ گھوڑے کوڑیوں کے مول نیلام کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے کام کیے گئے جن کا بیان مشکل ہے۔ میرے کلکتہ آنے کے بعد بھی روزانہ ایسے کام کیے جا رہے

ہیں کہ میری تذلیل ہو۔۔۔۔۔“ ۱

ایک اور خط (۱۴ ستمبر ۱۸۵۶ء م ۱۴ محرم ۱۲۷۶ھ) میں ۷ محرم کو بھیجے گئے خط کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ لکھنؤ میں چھتر منزل کو جو شاہی بیگمات وغیرہ کی رہائش گاہ تھی، زبردستی خالی کر لیا گیا اور بیگمات کو بے عزت کر کے نکالا گیا۔ شاہی افسروں سے گوداموں کی تفصیل طلب کی

گئی، بیگمات کا روپیہ ضبط کر لیا گیا، وہ ایک ایک پیسے کو محتاج ہو گئیں۔ ایک اور خط میں لکھا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو چھتر منزل سے نہایت صوبے دردی سے گھسیٹ کر نکالا گیا۔ اس طرح کے بے شمار خطوط ہیں جو اسی کام آئے کہ آج حالات کا ہلکا سا عکس دکھائی دے رہے ہیں۔

فروری ۱۸۵۶ء میں اودھ کی جبریہ ضابطی کا اعلان ہوا، بد انتظامی کے حیلے سے ملک چھین لیا گیا، شاہی محلات کو لوٹا گیا۔ قدم رسول جو ایک مقدس مقام تھا، اسلوا خانہ اور اسٹور بنایا گیا۔ کل کے شاہی محلات آج انگریز فوجیوں کے اسٹبل تھے اور کل کے امیر آج کے فقیر! دیسری ریاستوں سے برتاؤ | دوسری ریاستوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا تھا اس کی مختصر روئداد بیان کرنے کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ حیدر آباد اور اودھ کو بھی ہم نے کسی قدر تفصیل سے ان کی اہمیت کے پیش نظر بیان کیا۔ ملک کی دوسری ریاستوں کو بھی کمپنی ہضم کرتی چلی جا رہی تھی اور ڈلہوزی (گورنر جنرل) کا زمانہ آتے آتے تو ہاضمہ غالباً زیادہ درست ہو چکا تھا اس لیے اُس کے عہد میں آٹھ ریاستوں کو یکے بعد دیگرے ہضم کیا گیا۔ ترکیب یہ ایجاد کی گئی کہ ہندو راہاؤں کو گود لینے کی رسم جاری رکھنے کی اجازت نہ دی گئی۔ اولاد نہ ہونے پر کسی نزدیکی رشتے دار کے بچے کو گود لینے کی رسم ہمیشہ سے رائج تھی جسے ہندو دھرم اور رواج کی رو سے صحیح سمجھا جاتا تھا لیکن کمپنی کی نئی پالیسی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

ڈلہوزی کے زمانے میں سب سے پہلے ریاست ستارا کو ضبط کیا گیا۔ ۱۸۱۸ء میں پیشوا باجی راؤ کے خلاف دوسری مرہٹہ ریاستوں کو بھڑکانے اور اپنے ساتھ ملانے کے لیے کمپنی کے عادی فریب کاروں نے مختلف وعدے کیے اور یہ راجے اس جاں میں پھنس گئے۔ انھیں میں ستارا کا راجہ بھی تھا۔ جس سے وعدہ کیا گیا کہ پیشوا کی طاقت کو ختم کر کے ساری مرہٹہ حکومت آپ کو دیدی جائے گی اور ستارا کو راجدھانی بنادیا جائے گا مگر پیشوا کو ختم کرنے کے بعد

یہ تمام وعدے مکڑی کے جالوں کی طرح صاف کر دیئے گئے۔ رابرٹ نائٹ کا کہنا ہے کہ:

”ہمارے اعلان کے وعدوں اور ستارا راج کے از سر نو قائم کیے جانے کے وعدوں نے پیشوا کا خاتمہ کر دیا اب ہمارا جان بوجھ کر اپنے وعدوں سے پیچھے ہٹنا ایسا فعل ہے جسے کوئی بھی ایمان دار قابل ملامت ٹھہرائے بغیر نہیں رہ سکتا چاہے اس وعدہ خلافی کے لیے دلیلیں کیسی بھی کیوں نہ دی جائیں“ ۱

ستارا کا راجہ پرتاپ سنگھ اُس وقت نابالغ تھا، اُسے مہاراجہ مان کر ایک انگریز رزیڈنٹ گویا ریاست کی ’حفاظت‘ کے لیے بھیج دیا گیا مگر بالغ ہونے پر راجہ امید کے خلاف عقل مند ثابت ہونے لگا تو سازش کے ذریعے اس کے بھائی کو ساتھ ملا کر پرتاپ کو گرفتار کر کے بنارس بھیج دیا گیا اور اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ۱۸۴۸ء کے قریب دونوں کی موت ہوئی، دونوں لادہ تھے مگر دونوں کے لے پاک بیٹے موجود تھے لہذا لہوری نے زبردستی ستارا پر قبضہ کر لیا۔

ناگپور کے آخری راجہ راگھوجی گھونسلے (سوم) کی ۱۸۵۲ء میں موت ہونے پر اس کی بیوہ مہارانی کے لے پاک بیٹے یشونت راؤ کو جانشین تسلیم نہ کرتے ہوئے جنوری ۱۸۵۳ء میں ناگپور پر کمپنی نے قبضہ کر لیا جبکہ دس سال پہلے (۱۸۴۲ء) ناگپور کے رزیڈنٹ کے خط کے جواب میں گورنر جنرل نے لکھا تھا کہ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں راجہ کے خاندان والوں کو گود لینے کا پورا حق ہے۔ دس برس کے اندر ہی یہ تمام اصول بدل گئے اور ناگپور ضبط کر کے راج محل کو جس انداز میں لوٹا گیا اس کا اندازہ جون کے ان الفاظ سے لگائیے کہ راج محل کا سارا اسباب حتیٰ کہ گھوڑے، ہاتھی، اونٹ، بیل، گائے وغیرہ کے علاوہ رانیوں کے

زیورات جواہرات، گھر کا سامان، فرنیچر، برتن اور کپڑے تک نیلام ہوئے۔ ”محل کا فرش تک کھود ڈالا گیا۔ بعض سونے چاندی کے برتن اور قیمتی سامان کلکتہ لے جا کر نیلام کیا گیا۔ کروڑوں کے زیورات ہزاروں میں نیلام کیے گئے ہاتھی گھوڑے گوشت کے داموں میں بیچے گئے۔ اے ناگپور پر اُس خاندان کا راج تھا جس نے حیدر علی اور نانا فرنولیس کے خلاف کمپنی کا ساتھ دیا تھا جھانسی کے راجہ رام چندر راؤ سے، جو پیشوا کے ماتحت تھا، کمپنی نے دوستی کا عہد نامہ کیا اور پیشوا کو ختم کرنے کے لیے وعدہ کیا کہ جھانسی کی پوری ریاست رام چندر اور اس کے جانشینوں کو دیدی جائے گی۔ بے چارہ رام چندر بھی اس جھانسی میں آگیا مگر ۱۸۵۲ء میں گنگا دھر راؤ کے مرنے پر اس کے لے پالک دامود راؤ کو جانشین تسلیم نہیں کیا گیا اور مارچ ۱۸۵۲ء میں جھانسی ضبط ہو گئی۔ میجر ایونس بیل نے اپنی کتاب (دی ایمپائر ان انڈیا) میں ڈاہوری کے اس ظلم کو صاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔

بھرت پور کے راجہ کی موت پر وہاں کے قلعے پر چور اسی توپوں سے گولہ باری کی گئی اور بارود سے اڑا دیا گیا، خزانہ اور سامان لوٹا گیا۔ ۱۸۲۲ء میں برما پر چڑھائی کی گئی پھر ۱۸۵۱ء میں دوبارہ حملہ کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ راجہ انگریزوں سے گستاخی کر رہا ہے راجہ نے سفیر بھیجے تو انھیں ذلیل کر کے دربار سے نکال دیا گیا۔ میسور کے راجہ کو ۱۸۳۱ء میں تخت سے اتار کر چیف کمشنر مقرر کر دیا گیا۔ اسی طرح سنبھل پور، ہالون، جیت پور، تنجور وغیرہ ریاستیں کمپنی نے ضبط کر لیں۔ تنجور کی بیوہ رانی کا لطیفہ قابل غور ہے جس نے کمپنی سرکار کے خلاف مدراس سپریم کورٹ میں نالش کی کہ میرے شوہر کی ذاتی دولت کو بھی ضبط کر لیا گیا ہے وہ دلوائی جائے۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ رانی کے حق میں دیا۔ مدراس گورنمنٹ نے اس کے خلاف انگلستان پر یوی کونسل میں اپیل کی۔ یہاں کے ججوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اگرچہ انگریزی

سرکار کو تنہا پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہ تھا اور رانی کے ساتھ زبردستی کی گئی پھر بھی چونکہ یہ معاملہ سیاسی ہے اور عدالت کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں اس لیے صدر اس سپریم کورٹ کا فیصلہ رد کیا جاتا ہے اور رانی کا دعوا خارج —!

ایک انگریز مورخ لڈلو حیران ہو کر کہتا ہے:

”جس وقت سے گورنر جنرل نے اپنی اس چھینا جھپٹی کی پالیسی کا اعلان کیا اُسی وقت سے ہندوستانی والیان ریاست میں لاوڈ موتیں اتنی زیادہ ہونے لگیں جسے دیکھ کر انسان کو تعجب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا“^۱ پنڈت سندر لال اس تعجب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”اُس وقت کی ہندوستانی ریاستوں اور اُن کے اندر کمپنی کے کارناموں کی کوئی سچی تواریخ کسی ہندوستانی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ملتی اس لیے مورخ لڈلو کے تعجب کو دور کر سکتا اب ناممکن ہے“

بندیل کھنڈ پر دست درازی کی کہانی بھی باقی ملک سے الگ نہیں ہے کیونکہ مرہٹہ ریاستوں کی آپسی رقابت انگریزوں کو قدم جانے کا موقعہ دیتی چلی گئی اور آخر کار عہد نامہ بسین مرتب ہوا جس کی رُو سے پیشوا کو انگریزی فوج رکھنے کے بدلے میں کچھ علاقہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑا۔ بعد میں ان علاقوں کو بندیل کھنڈ کے اُس حصے سے بدل لیا گیا جو پیشوا کے قبضے میں تھا (دسمبر جنوری ۱۸۰۳ء) ان عہد ناموں کی آڑ میں کمپنی کی بڑھتی ہوئی دست درازیوں اور مرہٹہ ریاستوں کی بے دست و پائی سے یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کی آزادی آہستہ آہستہ ختم ہو کر کمپنی کے اقتدار کا راستہ صاف ہو رہا ہے لیکن پھر بھی یہ ریاستیں متحد نہ ہو سکیں اور قدرت نے اس نفاق کا مزہ اس طرح چکھایا کہ ۱۸۰۵ء تک مرہٹہ اقتدار تقریباً خاک میں مل گیا اس

کے بعد وسط ہند اور ہندیل کھنڈ میں کمپنی کے پنجے دراز ہوئے۔ کبھی ریاستوں کو ایک دوسرے کے مقابل کر کے کبھی ایک دوسرے سے خوف زدہ کر کے اور کبھی خود درمیان میں مداخلت کر کے مختلف علاقوں کو قبضے میں کرتے جانے کی کہانی بڑی عجیب و غریب ہے اور اس بندر کی بے ساختہ یاد دلاتی ہے جو دہلی کی ہوئی بلیوں کے درمیان روٹی بانٹنے بیٹھا تھا کہ بلیاں بے چاری تو دونوں محروم اور روٹی بندر صاحب کے پیٹ میں۔

اندور کے حکمران ہوکر خاندان کی ریاست پر ۱۸۴۴ء تک کمپنی کا اقتدار پوری طرح قائم ہو چکا تھا ۱۸۱۸ء میں عہد نامہ مندسور کی رو سے ہلکے کی ریاست کا ایک بڑا حصہ بھی کمپنی کے قبضے میں آ گیا تھا۔ اسی زمانے میں جاوڑا اور ٹونک کی آزاد مسلم ریاستیں انگریزی سرپرستی میں قائم کی گئیں تاکہ مرہٹوں اور ہلکے کے مقابلے میں سہولت رہے اور اپنے وفاداروں کے بل پر اڈے بنانے کا موقع مل جائے۔ ۱۸۴۴ء میں گوالیار کے کچھ علاقے کی مال گزاری کمپنی کے حوالے ہوئی۔ اسی سال سندھیا کے مقبوضہ علاقوں میں سے چندیری لے لیا گیا۔ ٹھاکر جواہر سنگھ کے مرنے پر نانک پور پر قبضہ ہوا۔ یہ چھینا جھپٹی کا سلسلہ ۱۸۰۲ء کے عہد نامہ بسین سے ہندیل کھنڈ میں شروع ہوا تھا۔ مختصراً ملاحظہ ہو کہ نومبر ۱۸۰۳ء میں علاقہ ریتھ (Rath) اسی سال دسمبر میں کالپی اس کے بعد اورتی، محمد آباد، کوٹرا، سیدی نگر، کونچہ پھر راجہ تیج سنگھ سے جلال پور ۱۸۰۴ء میں باندہ کے علاقے، کیسری سنگھ سے جیت پور اور ہمت بہادر کے مرنے پر اس کی جاگیر ہضم ہوئی۔ ۱۸۱۶ء میں یونا معاہدے کی رو سے پیشوا کے تمام اختیارات ختم ہو گئے اسی سال نانا گووند راؤ سے ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے خاندانیش، مہوبا، چرکھی وغیرہ پر قبضہ کیا گیا، پرگنہ موتھ پر قبضہ ہوا۔ جالون کے نانا گووند راؤ کے انتقال (۱۸۲۲ء) اور پھر اس کے بیٹے بالا گووند راؤ کے لاولد مرنے پر (۱۸۲۲ء) کمپنی کو یہاں بھی قدم جانے کا موقع ملا۔ نانا گووند راؤ کی نواسی تالی بائی کی پنشن مقرر کر کے علاقہ ہضم کر لیا گیا۔ چرکاؤں پر ۱۸۴۱ء میں قبضہ ہوا کیونکہ یہاں راؤ سخت سنگھ نے کمپنی کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا لیکن شکست کھا کر بچ نکلا اور

اگلے سال مارڈالا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں کچھ علاقے راجہ جھانسی اور سندھیا سے انگریزی فوج کے اخراجات کے بہانے بھین لیے گئے ۱

پنجاب کے علاقوں میں بھی اندازہ ہی رہا۔ ۱۸۰۵ء میں ریواڑی فرخ نگر۔ بلبھ گڑھ وغیرہ ریاستیں تراش خراش اور کتر بیونت کا نشانہ بنتی رہیں۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۵۱ء تک متعدد ریاستیں ضبط ہو گئیں مثلاً نواب ضابطہ خاں کی بغاوت پر رانیہ (۱۸۱۸ء) حکمرانوں کی لاوڈموت پر بے شمار ریاستیں انبالہ۔ مرادور۔ دیال گڑھ۔ کیتھل۔ تھانسی وغیرہ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۱ء تک ختم کی گئیں اور اس طرح عوام، پنڈت، علماء اور دیگر اہلکار اپنی آزادی سلب ہونے پر انگریزوں کے دشمن بنتے چلے گئے۔ ۲

لاوڈ مرنے کا یہ 'مرض' جو پورے ملک کے حکمرانوں کو لاحق ہوا، کمپنی کے لیے خوب تھا کہ جہاں کمپنی کو ذرا بھی عمل دخل کا موقع ملا اور راجہ لاوڈ مرا۔! بہادر شاہ کے ولی عہد شہزادوں کی یکے بعد دیگرے موت اور کمپنی کے حسبِ منشاء تاج بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

کرناٹک میں بھی دوسری ریاستوں کی طرح وہی ناکہ دکھایا جا رہا تھا۔ یہاں کے نواب نے ہی سب سے پہلے سودا گروں کی اس ٹولی کو مدراس اور کٹرلور کے علاقے دیئے تھے پھر محمد علی والا جاہ نے کچھ اور علاقے دیئے اور ہندوستانی ریاستوں کے مقابلے میں انگریزوں کی مدد بھی کی لیکن والا جاہ کے مرنے پر کمپنی نے اس کے بیٹے عمدۃ الامراء سے علاقے چھیننا شروع کر دیئے۔ عہد نامے ہوتے رہے حتیٰ کہ ۱۸۵۵ء میں نواب غوث محمد کی موت پر اس کے بیٹے عظیم جاہ کو نواب ماننے سے بالکل ہی انکار کر دیا گیا اور ڈلہوزی نے پورا علاقہ زبردستی ہتھیا لیا۔

1. SINHA: Revolt in Bundelkhand pp. 19-30

2. YADAV (K.C): Revolt in Haryana pp. 30-31

اسی دوران میں حیدر آباد اور اودھ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔

واجد علی شاہ | اودھ مغل سلطنت کا ایک صوبہ تھا اور یہاں کا حکمران نواب وزیر اودھ کہلاتا تھا لیکن کمپنی کو یہ فکر تھی کہ اسے مغل سلطنت کی اس برائے نام ماتحتی سے الگ کیا جائے چنانچہ انہیں بجائے وزیر کے شاہ اودھ (کنگ آف اودھ) کا خطاب دیا گیا۔ اودھ کے ناعاقبت اندیش نوابوں نے اس اعزاز کو قابلِ فخر سمجھا لیکن بقول پنڈت سندر لال:

”جوں جوں مغل دربار کی طرف سے اودھ کے نوابوں کی آزادی بڑھتی گئی
انتا ہی انگریز کمپنی کی طرف سے ان کی غلامی بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ
اودھ کے ناعاقبت اندیش نواب کمپنی کی دوستی کے چنگل میں پھنس کر تھوڑے
ہی دنوں میں بالکل بے دست و پارہ گئے۔“

ان حالات میں واجد علی شاہ تخت نشین ہوا جس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہاں واجد علی شاہ کے کردار پر پنڈت سندر لال کے الفاظ میں روشنی ڈال کر آگے چلیں گے۔ واجد علی شاہ کے خلاف بدچالنی اور عیاشی کے افسانے گھڑے گئے اور اس موضوع پر کتابیں لکھوائی گئیں۔ انہی میں ایک کتاب آرنلڈ کی لکھی ہوئی ہے جس نے ڈلہوزی کی سوانح بری بھی لکھی تھی۔ پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

”بد قسمتی سے آرنلڈ جیسوں کی کتابوں کے فرضی واقعات کو لے کر کئی ناول
لکھے گئے۔۔۔۔۔ اور آج تک واجد علی شاہ کے ہم وطن تک ان میں سے
بہت سے گندے اور جھوٹے الزاموں کو سچا مانتے چلے آئے ہیں۔۔۔۔۔ مگر
ہم اپنے اس ہم وطن حکمران کے بارے میں صرف سچائی اور انصاف کے
خیال سے کچھ باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ واجد علی شاہ کا عیاشی کا
زمانہ صرف اُس وقت شروع ہوا جس وقت انگریز گورنر جنرل اور ریزیڈنٹ

کی بے جا مداخلت نے اسے اپنی فوج کو قواعد کمرانے تک سے روک دیا

..... اس بے جا مداخلت سے پہلے واجد علی شاہ کی زندگی ایک والی

ریاست کی حیثیت سے غیر معمولی نیکی اور نیک چلنی کی زندگی تھی“ ۱۷

انعام کمیشن | چھوٹی بڑی زمینداریاں تعلقے اور جاگیریں بھی کمپنی کی دست درازی سے محفوظ

رہیں۔ ڈاہوزی نے انعام کمیشن کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی جس نے دس سال کے اندر

تقریباً پینس ہزار جاگیروں کی ”جانچ“ کی اور اکیس ہزار کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ حال صرف مرہٹہ ریاستوں

کا ہے، بنگال اور بمبئی وغیرہ میں جو کچھ ہوا وہ اس کے علاوہ ہے ۱۸

نانا صاحب | مرہٹوں کی شکست (۱۸۱۸ء) کے بعد باجی راؤ کی پنشن آٹھ لاکھ روپے سالانہ

مقرر کر دی گئی تھی۔ ۱۸۲۶ء میں باجی راؤ نے دھوند و پنت نانا صاحب کو گود لیا جس کی عمر اس

وقت تین سال تھی اور کانپور کے قریب بھٹور میں پیشوا خاندان کے لوگ مقیم تھے لیکن باجی راؤ

کے مرنے پر (۱۸۵۱ء) یہ پنشن بند کر دی گئی بلکہ باسٹھ ہزار روپے جو کمپنی کے ذمے واجب الادا

تھے اس کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیا گیا، نانا صاحب کو نوٹس بھی دیا گیا کہ بھٹور کی جاگیر بھی چھین

لی جائے گی۔ تمام انگریز مورخوں نے نانا صاحب کی تعریفیں کی ہیں اور انگریزوں سے اس کے

اچھے برتاؤ کو بیان کیا ہے جون کے نے اس کو ”صاف، سچا نوجوان“ لکھا ہے اس کے باوجود اس

کی پنشن بند کر دی گئی۔ جب ڈاہوزی سے داد و فریاد کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو نانا صاحب نے اپنا ایک

معتد وکیل عظیم اللہ خاں انگلینڈ بھیجا، پھر بھی جوں کا توں رہا۔ جون کے۔ چارلس بال۔ ٹریولیان

وغیرہ مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ انصاف کا تقاضہ نانا صاحب کے حق میں تھا۔

امیران سندھ وغیرہ | ۱۸۰۹ء میں امیران سندھ سے معاہدہ ہوا تھا مگر ۱۸۴۱ء میں

حالات نے رفتہ رفتہ وہی رُخ اختیار کیا کہ حملہ کر کے غصب کر لیا گیا۔ ونسٹن اسمتھ نے لکھا ہے کہ چارلس نیپئر نے اہل سندھ کو اس قدر دق کیا کہ بلوچیوں نے بگڑ کر حملہ کر دیا اور انگریزوں کو حسب دل خواہ بہانہ ہاتھ آگیا: ۱۔ سندھی فوجوں کو مہائی کے مقام پر شکست دینے کے بعد مام گڈھ کے قلعے کو ڈھایا گیا، حیدر آباد (سندھ) کے شاہی محلات کو جس بے دردی سے ٹوٹا لیا اس کی مثال چنگیزی سفاکیوں کو ماند کر دیتی ہے، بیگمات کے کپڑے تک اُتار لیے گئے۔ اگلے ۱۸۴۹ء خیر پور پر بھی قبضہ کر لیا گیا اور پھر دیگر ریاستیں ہضم ہوئیں۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کو دو جنگوں کے بعد ڈلہوزی نے کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا۔ حسب دستور والیان ریاست کی باگیروں اور زیورات تک پر قبضہ کر لیا گیا۔

۱۸۵۰ء میں راجہ سنگھ کے خلاف مہم بھیجی گئی اور انگریزوں سے بدسلوکی کا الزام لگا کر اس کا کچھ علاقہ ہتھیا لیا گیا۔ اسی سال تھانسیہ۔ گنچ پورہ۔ شام گڈھ کو ختم کیا گیا۔ بعض انگریز مورخ تو اس چھینا جھپٹی کو قزاقی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ (مثلاً مارش مین) ۱۸۴۴ء میں برما پر چڑھائی کی گئی اور کچھ علاقے قبضے میں آئے پھر ۱۸۵۱ء میں اس جرم میں حملہ کیا گیا کہ راجہ انگریزوں سے گستاخی کرتا ہے لہذا برما کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور راجہ کے سفیروں کو ذلیل کر کے نکالا گیا۔

مذہبی معاملات میں دخل اندازی | ۱۸۴۹ء میں مذہبی معاملات کے متعلق انگریزی حکومت کی پالیسی بدلتی ہوئی نظر آئی۔ پرانا رواج یہ تھا کہ حکمران کو تمام مذہبی مقامات کانگراں یا سرپرست مانا جاتا تھا اور رعایا کے مذہبی جھگڑوں میں بھی اس کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا۔ چنانچہ کمپنی نے اس دستور کے مطابق تمام مندروں یہاں تک کہ پوری کے جگناتھ مندر کو بھی

۱۔ آکسفورڈ ہسٹری ۶۸۵ بحوالہ ہاشمی: تاریخ ہند۔ ۱۳۰

۲۔ مارش مین: تاریخ ہند مترجم عبدالسلام۔ ۴۷۴

سرپرستی میں لے لیا۔ اس عمل سے ہندوستان کی کسی پرانی ریت کی پابندی مد نظر نہیں تھی، یہ تو بہانہ بن گیا، مالی منافع اصل مقصد تھا کیونکہ اس طرح مندروں کی آمدنی قبضے میں آگئی جس کا بہت کم حصہ مندروں پر خرچ ہوتا تھا۔ عیسائیوں اور خصوصاً انگلینڈ میں اس پر احتجاج کئے گئے تو ہندو مسلمانوں کی عبادت گاہیں ان کے ماننے والوں پر چھوڑ دی گئیں لیکن ساتھ ہی، ملک میں ہر جگہ عیسائی مشنری اور پادری اس کثرت سے نظر آنے لگے کہ نہ صرف ہر اسکول، ہسپتال، جیل خانہ بلکہ بازاروں میں بھی نمایاں ہونے لگے۔ انھوں نے پبلک مقامات پر وعظ شروع کیے، صرف عیسائیت کے پرچار پر بھی بس نہیں کیا بلکہ ہندو مسلمانوں کے مذہبوں رسم و رواج اور عقائد کا کھلے عام مذاق اڑایا۔ اکثر ان کے ہمراہ پولیس بھی ہوتی اور تمام اخراجات حکومت ادا کرتی۔ جگہ جگہ مشنری اسکول قائم ہوئے۔ اور ایسی کتابیں بھی شائع ہونا شروع ہوئیں جن میں ہندو دھرم اور اسلام کا حقارت سے ذکر کیا گیا اور مذہبی پیشواؤں کی انتہائی دل آزاری سے توہین کی گئی۔ اکثر حکام اور فوجی افسر اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادری کا وعظ سنو۔ مشنری اور سرکاری اسکولوں میں عیسائیت کی تعلیم شروع ہو گئی۔ دیہاتیوں کو مجبور کیا گیا کہ بچوں کو ان اسکولوں میں داخل کرائیں۔ ملازمین تک انشپکٹروں کے سرٹیفکیٹ پر منحصر ہو گئیں جو کالے پادری کے نام سے مشہور تھے۔ اگرے کے حالات میں ہم دیکھیں گے کہ عیسائی پادریوں نے ہندوستانی بچوں کی مذہب سے بیگانگی پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اگرہ اور دوسرے مقامات پر مسلمان علماء نے ان پادریوں کا مقابلہ کیا، تقریریں اور مناظرے کیے اور عیسائیت کے رد میں کتابیں لکھیں پادری فنڈر ۱۸۵۳ء ہندوستان آیا۔ اس کی کتاب 'میزان الحق' سے کافی غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ علماء اور پنڈتوں نے اُسے مناظروں میں شکست دی اور وہ واپس چلا گیا۔ یوپی کے انگریز گورنر ولیم میور نے کتاب "لائف آف محمد" لکھی جس میں پیغمبر اسلام کی ذات پر گستاخانہ حملے کیے گئے۔

پادری ای ایڈمنڈ نے کلکتے سے تمام سرکاری ملازمین کو چٹھیاں بھیجیں کہ اب عمل داری ایک ہو گئی مذہب بھی ایک ہی چاہیے (۱۸۵۵ء)۔ سرسید نے ”اسباب بغاوت ہند“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

جیل خانوں میں قیدیوں کے سامنے عیسائیت کا پرچار پادریوں سے کرایا جاتا تھا، عیسائی مذہب اختیار کر لینے والے قیدیوں کو سہولتیں اور مراعات دی جاتیں۔ لے اس کے علاوہ جیلوں میں کھانے کا رواج تبدیل کیا گیا۔ پہلے ہر قیدی کو اپنے عقیدے اور رواج کے مطابق کھانا تیار کرنے کی اجازت تھی لیکن اب ایک ہی برہمن کو تمام ہندوؤں کا کھانا بنانے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کے عقائد کو بھی مجروح کیا گیا مثلاً دڑھی مونچھ کا صفایا کرایا گیا۔ ان تبدیلیوں پر بنارس میں شورش بھی ہو گئی۔ افواہ تھی کہ فوج میں بھی یہ تبدیلیاں رونما ہوں گی اور اسی افواہ نے پٹنہ کی سازش (۱۸۵۷-۵۸ء) کو زیادہ ہوا دی۔ آرہ۔ مظفر پور اور ترہٹ وغیرہ میں عوام نے بغاوت کی پادری اپنی تقریروں میں ہندوستانیوں کے مذہب کی کھلے عام تحقیر کرتے تھے چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۸۵۷ء کو انگلینڈ کی پارلیمنٹ کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے کیپٹن فیلمیکن نے کہا:

”..... بہت سے لائق ہندوستانی مسلمانوں نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ انگریز گورنمنٹ پادریوں کے ساتھ بڑی رعایتیں کرتی ہے اور یہ پادری عام گلیوں تک میں اسلام کی برائی کرنے میں حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ایک پادری عوام کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ تم لوگ محمدؐ کے ذریعہ اپنے گناہوں کی معافی کی امید کرتے ہو لیکن محمدؐ اس وقت دوزخ میں ہے....“ ۵۳

1. SHERING: Indian Church During the Rebellion p. 184

2. SEN: p.11

DATTA: Anti-British Plots... pp. 30-32

سند لال: سن ستاون ۴۸-۴۵

پنجاب، میں تو یہ بھی مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ توہم اور مدرسوں کا سارا کام پادریوں کے حوالے کر دیا جائے۔ سرکاری اسکولوں میں انجیل اور عیسائیت کی تعلیم لازمی کر دی جائے ہندوستانی تہواروں کی چھٹی بند ہو۔ ڈپوٹری اور کمپنی کے ڈائریکٹر بھی متفق تھے۔ لندن سے شائع شدہ کتاب (مرتبہ ملیم لیون) Cause of the Indian Revolt by a Hindu

میں تو یہاں تک لکھا ہے ۱۸۵۷ء کے شروع میں فوج کے بہت سے کرنل دیسی فوج کو عیسائی بنانے کے کام میں مصروف تھے اور فوجی ملازمت سے ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ سپاہ کو عیسائی بنایا جائے چنانچہ انھوں نے ترقی کے لالچ اور انعامات دے کر سپاہ کو مذہب بدلنے پر آمادہ کیا۔ انھوں نے دوسرے مذہب کے پیغمبروں کو بد معاش اور دغا باز تک کہنا شروع کر دیا تھا۔ مشنری پادریوں کی یہ سرگرمیاں پورے ملک میں عروج پر تھیں پنجاب اور ہریانہ میں کمپنی کے زیرِ اقتدار آتے ہی (۱۸۰۵ء) شروع ہو چکی تھیں۔ نہ صرف دکھنی علاقوں بلکہ اڑیسہ اور بنگال تک یہ حال پھیلایا جا چکا تھا۔ ذمہ دار انگریزوں کے بیانات سے ان کے ارادوں کی پوری عکاسی ہو جاتی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر کے چیرمین مسٹر مینگلس نے ۱۸۵۷ء میں ہاؤس آف کامنز لندن میں کہا:

”ہر ایک کو اپنی پوری طاقت لگا دینا چاہیے تاکہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ قدرت نے یہ ملک اسی لیے ہمارے حوالے کیا ہے کہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک عیسائیت کی فتح کا پرچم لہائے“
ریو کینڈی کا بیان :

”خواہ کسی ہی مصیبت آئے مگر جب تک ہندوستان میں ہماری سلطنت

لاوارث اور یتیم بچے، جو کہ آئے دن کی قحط سالی کی بدولت ہزاروں کی تعداد میں تھے، عیسائی مشنریوں کو دیدیئے جاتے تھے۔ ۱۸۲۷ء میں بھی ایسا ہی ہوا۔ لندن کے اخبارات میں برابر عیسائیت کے پرچار کے متعلق مضامین نکلتے رہے مثلاً اخبار ٹائمز ۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء اور ۲ دسمبر ۱۸۵۷ء وغیرہ میں مضامین شائع ہوئے۔ ایک جوشیلے انگریز افسر جارج کیمپبل نے اپنی کتاب ”انڈیا ایز اٹ مے بی (ہندوستان جیسا کہ ہوگا)“ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں ایک عیسائی ملک بنانے کا نقشہ کھینچا تھا کیپٹن ولکسن اور جے آر اوسلے (اسٹنٹ) نے چھوٹا ناگپور میں عیسائیت کا پرچار دیکھ کر رپورٹ کی کہ عیسائیت کے پرچار کی اس سے بہتر جگہ نہیں ہو سکتی (رپورٹ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۴۰ء)۔ یہ افسران یہاں کے برہمنوں سے بہت ناراض تھے کیونکہ وہ کولوں کو ہندو دھرم کی ترغیب دے رہے تھے۔ انھوں نے کلکتے کے پادری کو مدد کے لیے لکھا۔ ریو ولیم بوئرز نے بہار کے کچھ علاقوں کا دورہ کیا اور ۱۸۴۸ء میں ایک کتاب مرتب کی جس میں کہا گیا کہ اگرچہ پٹنہ کا پبلسٹ مشن کافی پرانا ہے مگر شہر کے لوگوں پر ابھی تک اس کا اثر کم ہے اس نے لکھا کہ مشنری (پادری) اکثر اوقات شہر میں سخت مخالفت اور تشدد سے دوچار ہوئے، خصوصاً مسلمانوں کی طرف سے۔ ایک پادری نے اسے بتایا کہ جب وہ عیسائیت پھیلانے کی کوشش کر رہا تھا تو نہ صرف گالیاں دی گئیں بلکہ پیٹا بھی گیا۔ ۱۸۵۵ء میں جب ایک پادری نے کلکتے کے بڑے پادری ای ایڈمنڈ کے مشہور خط کی پٹنہ میں اشاعت و تقسیم شروع کی، جس میں عیسائیت قبول کرنے کی اپیل کی گئی تھی، تو زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ پٹنہ کے کمشنر ڈبلو ٹیلر نے اپنے تاثرات میں لکھا کہ ہندوستانی عوام کے دلوں میں یہ بات گھر کر چکی ہے کہ حکومت اب فوری طور پر انہیں عیسائی بنانے کی مہم شروع کرنے والی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ کچھ عرصے سے اس موضوع پر معزز

لوگوں میں خط و کتابت جاری ہے۔ ٹیلر نے اپنی کتاب ”اور کرائس“ (Our Crisis) میں بھی یہ حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اُس نے بغاوت سے تقریباً دو سال پہلے حکومت ہند کو آگاہ کیا تھا کہ بہار کے عوام خصوصاً مسلمانوں کے ذہن پر آگندہ ہو چکے ہیں اور یہ افواہیں انھیں مشتعل کر رہی ہیں کہ حکومت ان کے مذہب، روایات اور سماجی رسم و رواج میں دخل اندازی کر رہی ہے ۱

دہلی کے قریبی علاقوں پنجاب وغیرہ میں مشنری پادریوں کا گویا سیلاب اُمنڈ پڑا تھا بورڈ آف ریونیو کی کارروائی مورخہ ۱۷ نومبر ۱۸۲۰ء میں یہ حالات بیان ہوئے ہیں کہ پادری اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام ہوئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ایک اور چال چلی۔ روہتک، نارنول وغیرہ کے ست نامی ہندوؤں میں بائبل کا اردو ترجمہ یہ کہہ کر تقسیم کیا کہ یہ مقدس پوٹھی یا نردان گیان ہے۔ کچھ عرصے کے لیے دیہاتی عوام دھوکا کھا گئے لیکن بعد میں یہ راز کھلا کہ یہ بائبل ہے (۱۸۲۴ء)۔ ۲ پانی پت کا ایک کائستھ رام چندر (۱۸۲۱ء - ۱۸۸۰ء) جو دہلی کالج میں ٹیچر تھا ۱۸۵۲ء میں عیسائی ہوا تو دور و نزدیک سے ہزاروں ہندو مسلمان اس تبدیلی مذہب کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے دہلی آئے ۳

وسط ہند میں بھی یہی حالات تھے۔ مذہبی روایات میں دخل اندازی کے نئے نئے قانون، فوج میں داڑھی اور تلک پر پابندی، مذہبی اداروں کی سرکاری امداد کا بند ہونا پادریوں کی کارستانیوں وغیرہ۔ چنانچہ یہاں کے عوام نے بغاوت کو جہاد سے تعبیر کیا۔ عادل محمد خاں نے سکندر بیگم (والی بھوپال) کو لکھا تھا کہ ہم نے جہاد کر کے نصاریٰ (انگریز) کو راحت گدھ سے نکال

1. DATTA: p. 33

2. YADAV : Revolt in Haryana pp. 32-33

۳ شرمہ (رام دلاس): ۱۸۵۴ء کی راجیہ کرائی (ہندی) ۴۶ - ۴۹

دیا ہے۔ بھوپال کے ایک سپاہی شیخ ابراہیم نے حیدرآباد کی مسجدوں کے لیے ایک اعلان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ”اے مسلمانو! تمہیں ان ملعون نصاریٰ کے موجود رہتے ہوئے کھانا پینا حرام ہے، انہیں جہنم رسید کر دو“ ۱

سہارنپور میں (۱۸۴۹ء) میں ایک ہسپتال کھولا گیا جس میں ہر مذہب کے مریض داخل کیے جاتے تھے اور اعلان کرایا گیا کہ کوئی حکیم یا وید کسی کا علاج نہ کرے اس اعلان پر تہلکہ مچ گیا اور اعلان واپس لینا پڑا۔ ۲ ۱۸۵۵ء میں بولارم (حیدرآباد) میں سپاہ کی بغاوت بھی عیسائیت کی تبلیغ اور محرم کے جلوس پر پابندی کی وجہ سے ہوئی جسے ہم مختصراً آگے بیان کریں گے۔

لارڈ کیلنگ جب گورنر جنرل ہو کر آیا تو مذہبی روایات کے خلاف اصلاحات نافذ کی گئیں۔ افواہ تھی کہ وہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کا عہد کر کے آیا ہے۔ متعدد انگریزوں کے بیانات، جو اوپر نقل ہوئے اور کتنے ہی ان کے علاوہ، اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں ۳

زمینی اصلاحات | ملک کے کسی علاقے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہوتے ہی اس کے افسروں کے پیٹ میں درد اٹھتا تھا زمینوں اور زراعت کی اصلاحات اور سدھار کا — یہ اصلاحات عام باشندوں کو تباہ کر کے رکھ دیتی تھیں۔ تعلقہ داروں اور زمینداروں سے ان کے مالکانہ حقوق چھین لیے جاتے تھے جو انھیں صدیوں سے حاصل رہے تھے۔ مثال کے طور پر راجہ مین پوری ایک بڑا جاگیردار تھا، دو سو گاؤں اس کی جاگیر میں تھے لیکن نئے قانون کی رو

1. SRIVASTAVA: Revolt in Central India pp. 74-77

سے صرف اکیاون گاوؤں کا مالک مانا گیا، باقی گاوؤں کے زمیندار یا کسان براہ راست حکومت کے ماتحت آگئے جن کا لگان اور مال گزاری پہلے سے کہیں زیادہ ہوتا چلا گیا۔ جب علاقے اس طرح تقسیم و تقسیم ہو کر بکھر گئے تو معاشی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ اسی طرح کا برتاؤ نواب ولی داد خان کے ساتھ ہو رہا تھا۔ ایکٹ ۱۸۵۲ء میں پاس ہوا، ہزار ہا جاگیرداروں اور تعلقہ داروں کو ان کے مالکانہ حقوق سے بے دخل کر گیا جو کئی نسلوں سے حاصل تھے کیوں کہ نئی قانونی کمیٹی کو وہ لوگ مطمئن نہ کر سکے۔ چنانچہ صرف دکنی علاقوں میں پینتیس ہزار میں سے اکیس ہزار جاگیریں ضبط کر لی گئیں (۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۷ء) بنگال میں ضبط شدہ جائیدادوں سے حکومت کو پچاس لاکھ پونڈ سالانہ اور بمبئی میں تقریباً چار لاکھ پونڈ ماہانہ کی آمدنی ہوئی۔ ایک انگریز مدبر ڈسریلی نے اس جبر و ظلم پر سخت نکتہ چینی کی ۱

اودھ پر کمپنی کا قبضہ ہوتے ہی وہاں بھی یہی اصلاحات نافذ کی جانے لگیں جن سے تعلقہ داروں کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ پچھلے کئی سال کا بقایا مانگا گیا، بہت سے تو اپنی جائیدادیں کھو بیٹھے۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں ہنری لارنس نے لارڈ کیننگ کو لکھا کہ فیض آباد کے جاگیردار اپنی آدمی جائیدادوں سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ کچھ تو سمجھی کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ ۵۲ شاہ گنج کے مان سنگھ - کالا کانکر کے ہنومن سنگھ شکر پور کے بیٹی مادھو اور راجہ تلسی پور وغیرہ کو نقصان اٹھانا پڑے۔ نئے قوانین کی فضول خانہ پوری اور تکمیل میں غیر ضروری تاخیر اور بھی زیادہ بے چینی کا سبب تھی۔ کسان اور کاشتکار کا حال بھی بد سے بدتر ہوتا چلا گیا کیونکہ مال گزاری اور لگان کے بڑھتے ہوئے بوجھ، نئے ٹیکس اور جنگی وغیرہ نے تباہ کر کے رکھ دیا۔ انگریز مصنف ریز

1. Hansard's Parliamentary Debates col. CXLVII p.459

CHAUDHURY: Civil Rebellion p.13

2. MALLESON: vol.1 p. 351

نے اپنی کتاب ”محاصرہ لکھنؤ“ میں اس نظام پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے ”عوام پریٹیکسوں کی چاروں طرف سے بوچھاڑ کر دی گئی تھی۔“ انگریز حکام مثلاً بدالوں کے ایڈورڈس، سہارنپور کے رابرٹسن اور متھرا کے تھارن ہل وغیرہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغاوت ہوتے ہی شہر و دیہات کے عوام نے اُن بنیوں سے انتقام لیا جنہوں نے ضبط شدہ زمینیں نیلام میں خریدی تھیں۔ انگریز مصنف شیرر نے تو صاف طور پر بیان کیا ہے کہ جائیدادوں کی قرقی اور فروخت نے بغاوت کو عوامی رنگ دینے میں نمایاں رول ادا کیا ہے کیونکہ انگریزی عہد میں لگان اکثر جگہ پہلے سے دوگنا اور زمین گنا ہو گیا یہاں تک کہ بنجر زمینوں پر بھی اُسی حساب سے تھا جس سے قابل کاشت زمین پر۔ لگان کی ادائیگی کے لئے کاشتکار قرض اور سود در سود کے جالوں میں مکھی ہو جاتے تھے بہت سی جاگیروں کو ہر سال اُن قرضوں کے عوض نیلام کر دیا جاتا۔ جو بعض اوقات چند روپوں سے زیادہ نہ ہوتے تھے

دہلی پنجاب وغیرہ کے علاقوں میں بھی حال یہی تھا۔ مغل حکمرانوں نے بہت کم مال گزاری مقرر کی تھی جو بدلتی بھی رہی لیکن کبھی پیداوار کے چھٹے یا چوتھائی حصے سے زیادہ نہیں ہوئی بلکہ اکثر اس سے بھی کم رکھی گئی جس کی وصولی بھی نرمی سے کی جاتی اور پوری رقم وصول نہ کی جاتی تھی یعنی ’حاصل‘ ہمیشہ ’جمع‘ سے کم رہتا تھا اس کے برعکس انگریزی اقتدار قائم ہوتے ہی بندوبست رائج کر کے سختی سے وصول کیا جانے لگا اور ہر سال اضافے کے ساتھ۔ اصل ریکارڈ سے ثابت ہے کہ ۱۸۱۱ء میں جو لگان نو لاکھ ستائیس ہزار مقرر تھا وہ ۱۸۱۷ء میں سترہ لاکھ تیس ہزار تک ہو گیا جس کی بدولت نہ صرف کاشتکاروں کو زمین سے ہاتھ دھونا پڑے بلکہ جیل کی ہوا بھی کھانا پڑی۔ وصولی کا طریقہ بھی انتہائی ظالمانہ اختیار کیا گیا۔ اول تو فروری اور ستمبر میں وصول کیا جاتا

تھا یعنی پیداوار سے بہت پہلے جبکہ کسانوں کے پلے کچھ نہ ہوتا تھا، پھر یہ کہ وصول کرنے والوں کے ساتھ سوار پولس مقرر ہوتی تھی مثلاً صرف کمرنآل میں ڈیڑھ سو پولس کے جوان اس کام کے لیے مقرر ہوئے جبکہ بائیس کافی ہوتے تھے۔ دہلی کی ضلع سٹلمینٹ رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نو گاؤں کے باشندے (۱۸۴۲ء تک) اپنے کھیت اور گھر چھوڑ کر بھاگ گئے یہی حال روہتک ریوآڑی۔ حصار اور دوسرے علاقوں کا ہوا جو کہ بندوبست رپورٹ اور ڈسٹرکٹ گزٹیر میں بیان کیا گیا ہے۔ اے لطف یہ کہ اگر کسان یا زمیندار عدالت میں جاتے تو بجائے انصاف کے تباہیاں انھیں چاروں ہی طرف سے گھیر لیتی تھیں۔ نہ صرف ہزاروں روپے کا خرچ بلکہ ناکامی اور تذلیل یقینی۔ اس طرح ہزاروں کسان اور زمیندار قانڈان مفلس اور کنگال ہو گئے۔ عدالتی کاروائیوں کی اس دھاندلی اور تباہ کن روشن نے عوام کو بغاوت کے دوران انگریزوں سے شدید نفرت اور دشمنی پیدا کر دی۔ اور یہ دشمنی اس حد تک تھی کہ انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کا اکثر جگہ انھیں کی ذات برادری کے لوگوں نے بائیکاٹ کر دیا۔ بقول ریوکنیڈی:

”بغاوت اکثر موقعوں پر شخصی احترام اور سابقہ مالکوں سے وفاداری کے تمام

جذبات بھالے گئی۔ اُس زمانے میں انگریزی حکومت کی وفاداری کا الزام

ناقابل برداشت تھا۔“ ۷

بعض انگریزوں نے اقرار کیا ہے کہ ”کینہ مفسدین کا ہماری جانب اس قدر ہے کہ اگر

۱۷ تفصیلات کے لیے دیکھئے عرفان حبیب کی انگریزی کتاب ’ایگریمرین سسٹم آف مغل انڈیا‘۔ دہلی رزیڈنسی ریکارڈ جلد اول۔ پول اور مورلینڈ کی کتابیں علاوہ ازیں بندوبست رپورٹ بحوالہ یادو (جس کا اوپر حوالہ دیا گیا) ص ۲۸-۲۵

اُن سے ہو سکے تو ہماری بیخ و بن اکھاڑ ڈالیں۔" زمینی اصلاحات نے درحقیقت کسانوں، شہری عوام اور زمینداروں کو دوش بدوش کھڑا کر دیا۔

برطانیہ کا ایک انگریز صحافی ارنسٹ جونز اپنے ملک میں ان تمام حرکتوں کے خلاف آواز اٹھاتا رہا۔ ۸ مئی ۱۸۵۸ء کو اخبار پبلیشر پیپر میں جو کچھ اُس نے لکھا اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھنا ممکن نہیں معلوم ہوتا:

"انھیں یاد ہے کہ ہم نے انھیں زمینوں سے جبراً محروم کیا انھیں یاد ہے کہ مارکان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور انھیں وہی زمینیں ہم سے پٹے پر لینے کے لیے مجبور کیا گیا جو پہلے ان کی ملکیت تھیں۔ انھیں یہ بھی یاد ہے کہ اُن کی زمینوں پر اس قدر ٹیکس لگائے گئے جو وہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے پھر وہ اپنے زرعی آلات تک گروی رکھنے پر مجبور ہو گئے اس کے بعد سختی سے وصول کرنے والی سرکار کو رقم ادا کرنے کے لیے انھیں بیجوں کا غلہ فروخت کرنا پڑا جس سے وہ بھکاری بن گئے۔ انھیں یاد ہے کہ جب کاشت کاری نامکن ہو گئی تو انھوں نے کھیتوں سے دست بردار ہونا چاہا کیونکہ وہ کھیتی باڑی کے قابل نہیں تھے لیکن دراصل انھیں اس زمین کا ٹیکس بھی ادا کرنے پر مجبور کیا گیا جس میں انھوں نے کبھی کاشت نہ کی تھی۔ انھیں یاد ہے کہ جب وہ اپنے دوستوں سے قرض لینے میں ناکام رہتے تو کس طرح انھیں اذیت دی جاتی۔ کس طرح انھیں دن کی جھلسانے والی گرمی میں پاؤں کے تلوؤں سے لٹکایا جاتا یا ٹانگوں کے ساتھ پتھر باندھ کر انھیں سر کے بالوں سے لٹکایا جاتا۔ کس طرح ان کے ناخنوں کے اندر تیز لکڑی کی پچیریں ٹھوکی جاتیں۔ کس طرح باپ بیٹے کو اکٹھا باندھ کر کوڑے لگائے جاتے۔۔۔۔۔ کس طرح عورتوں کو چابک سے پیٹا جاتا اور ان کے پستانوں

سے بچھو باندھ دیئے جاتے کس طرح ان کی آنکھوں میں سُرخ مرچیں ٹھونسی جاتیں۔ یہ سب باتیں اُنھیں یاد ہیں اور یہ مدراس کی عرضداشت کمشنروں کی سرکاری رپورٹوں اور برطانوی پارلیمنٹ کے ریکارڈ سے ثابت ہو چکی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں بھولے کہ کس طرح پولیس ان کے پیچھے لگادی جاتی۔ اس کی تنخواہ کم تھی، وہ لوٹ مار سے اپنا گزارہ کرتی۔ ان قانون کے محافظوں کو چور ڈاکو بننے پر مجبور کیا گیا۔۔۔ ساری ہندوستانی

قوم ہمارے خلاف ہے“ ۱

غلط پالیسی اور اصلاحات کے نتائج

یہ حالات چند سال میں نہیں، پچھلے سو

سال کی ظالمانہ پالیسی سے پیدا ہوئے تھے۔ جنگ پلاسی کے بعد بنگال کی جو حالت ہوئی، ہماری نظر سے گذر چکی، بہار بنگال اور اڑیسہ کی دیوانی ہاتھ آنے پر جو کچھ ہوا، مختصراً بیان کر دیا گیا۔ ہندوستان کے عوام کا حال ناقابل بیان ہے۔ قحط پر قحط پڑنے لگے اور یہ مولنا کیاں اُنہی علاقوں کو برداشت کرنا پڑیں جو چند سال سے انگریزی حکومت کے قبضے میں یا زیرِ سایہ تھے۔ بہار میں حالت یہ تھی کہ:

”روزانہ مرنے والوں کی تعداد خاص پٹنہ میں ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی تھی اور اطراف و نواح کا حال اس سے بدتر تھا۔۔۔۔ روزانہ سڑکوں پر ہزاروں نفوس مرتے جن کی لاشیں کُتے، گیدڑ اور گدھ کھا جاتے تھے۔۔۔۔ اکثر جگہوں کی نصف آبادی اور عام طور پر تمام علاقوں کی ایک تہائی آبادی اس قحط سے کم ہو گئی“ ۲

۱ اخبار پبلشر پیپر، مئی ۱۸۵۷ء تا اپریل ۱۸۵۸ء بحوالہ سمپوزیم (ترجمہ: انقلاب ۱۸۵۷ء)

مرتبہ پی سی جوشی ص ۳۱۴

۲ فصیح الدین: تاریخ مگدھ ۳۸۰

برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے میسور کے بارے میں کہا تھا کہ ”یہاں کے باشندے ہندوستان میں سب سے زیادہ خوش حال ہیں۔ یہاں ٹیپو سلطان کی حکمرانی ہے اس کے برعکس انگریزی مقبوضات صفحہ عالم پر بدنامیوں کی حیثیت رکھتے ہیں“ ۱

کارنوالس کے رائج کردہ بندوبست دوامی سے کسان اور زمیندار تباہ ہوتے چلے گئے۔ ہومز نے اعتراف کیا ہے کہ اس کے نتیجے میں زمیندار بار بار لگان کی ادائیگی میں ناکام ہوئے اور ان کی جائدادیں حکومت نے قرق کرالیں۔ ۱۸۰۲ء میں مدناپور کے کلکٹر نے لکھا:

”فروختگی اور قرقی کے اس نظام کی بدولت چند ہی سال میں بنگال کے بڑے زمینداروں کی اکثریت مصیبت زدہ اور کنگال ہو گئی اور زمینیں جائدادوں میں اس قدر تبدیلیاں ہوئیں کہ کسی ملک میں صرف اندرونی قوانین کی بدولت نہ ہوئی ہو تگی“ ۲

کپڑا بننے والوں پر ہولناک مظالم توڑے گئے، اُن کا مال ضبط کر لیا گیا اور طرح طرح کی سزائیں دی گئیں یہاں تک کہ انھیں اپنا پیشہ ترک کرنا پڑا۔ لاکھوں کارگیر صنّاع اور دست کار دانے دانے کو محتاج ہو گئے جس کا اعتراف سرسید کو بھی ”اسباب بغاوت ہند“ میں کرنا پڑا ہے۔ بشپ ہیبر نے اپنی یادداشت (۱۸۳۷ء) میں لکھا:

”انگریزی مقبوضات کے کاشتکار بہ نسبت دیسی ریاستوں کے انتہائی محتاجی اور مفاسی اور دل شکستگی کی حالت میں ہیں کیونکہ کوئی دیسی حکمران وہ لگان اور کرلہ نہیں لیتا جو ہم لیتے ہیں۔“ ۳

۱ باری: کمپنی کی حکومت ۲۲۱

۲ رجنی پام دت: انڈیا ٹوڈے ص ۱۹۱ بحوالہ سمپوزیم

۳ بہ حوالہ سمپوزیم ۱۵

سرسید نے بھی مضبوطی آراضیات کو بغاوت کے خاص اسباب میں شمار کیا ہے مگر ساتھ ہی، خوف کے مارے اپنے دو آقاؤں کا نام بھی لے دیا کہ :

”سچ فرمایا لارڈ منرو اور ڈیوک آف ولنگٹن نے کہ ضبط کرنا معافیات

کا ہندوستانیوں سے دشمنی پیدا کرنی اور ان کو محتاج کر دینا ہے،“ ۱

ایک اور مشہور انگریز مؤرخ جون کے کی رائے ہے کہ :

”نئے نظام کے تحت وہ لوگ جو اتنے وسیع قطعات آراضی کے مالک

تھے کہ جہاں تک نظر جاتی انہی کی زمین تھی، مٹی کی جھونپڑیوں میں

سمٹ گئے اور ان کی جائیداد کھانے پکانے کے چند برتنوں تک محدود

ہو کر رہ گئی“ ۲

گاوڑوں کی پنچائیتیں ختم کر دی گئیں جن کی بدولت دیہاتی عوام آپس کے جھگڑوں

کا فیصلہ بغیر کسی دوطرفہ دھوپ کے کر لیتے تھے۔ انصاف نہ صرف مہنگا بلکہ عام دیہاتی کی دسترس

سے باہر بھی ہو گیا اور اس طرح اکثر جاگیردار، تعلقہ دار، انعام دار، معافی دار فقط 'نادار' بن کر رہ

گئے۔

تعلیم کے مسئلے

تعلیم کے معاملے میں جو غفلت برتی گئی وہ 'بے خودی' بھی بے

سبب، نہیں تھی۔ تفصیل کے لیے تو بہت کچھ ہے لیکن چند

انگریزوں کے بیانات سے صورت حال واضح ہوتی ہے۔ بروکل ہرسٹ کی رائے ملاحظہ ہو :

”ہندوستانی صنعت و حرفت کو ہم تباہ کر چکے۔ کیا تم ہندوستانیوں

کو از سر نو خوش حال کرنے کے لیے انگلستان کو تباہ و برباد کرنا چاہتے

ہو؟۔ ہندوستان یا انگلینڈ دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و
حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لیے لازمی ہے۔“

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر تھامسن ٹریسن کے خیالات :

”تم ہندوستانیوں کو تعلیم دینا چاہتے ہو؟۔ تعلیم دے کر تم انہیں اپنی
بے انصافیوں سے آگاہ کرو گے۔ تم نے ان کا ملک ٹوٹ لیا ہے۔ تم نے
ان کے ہم وطنوں کو برباد و ذلیل کیا۔ تم نے ان کے بادشاہوں کو قتل کر
ڈالا لہذا تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو اسی طرح فریب خوردہ
خود فراموش اور جاہل رہنے دو،“ ۱

سر ڈی ہملٹن کا قول :

”اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ کر
جائیں گے جس میں نہ تعلیم ہوگی نہ حفظانِ صحت کا سامان نہ دولت“ ۲
لیکن سوداگری سے حکمرانی کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد کمپنی کو ایسے طبقے کی ضرورت تھی جو
حکومت کی مشنری کے لیے کل پُرزوں کا کام دے یعنی دفتروں کے اہل کاروں، کلرکوں اور
چپراسیوں کی۔ میکالے کا مشہور قول تھا کہ :

”ہمیں ایک ایسی جماعت بنانا چاہیے جو ہمارے اور ہماری رعایا کے
درمیان مترجم ہو۔ جو خون اور نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر
مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز“

تعلیمی پالیسی کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ رفتہ رفتہ نئی نسلوں کو عیسائی بنایا جائے سرفریڈرک ہیلیڈ
نے ہاؤس آف کامنز میں کہا تھا کہ ہندوستانی کالجوں میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ

انگلستان کے پبلک اسکولوں میں بھی اتنی نہیں ہے۔“ ۱

اس پالیسی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ ترقی تو دور کی بات ہے، روحانی بصیرت فنا ہوئی، ذہنیت غلامانہ ہو گئی، من گھڑت اور فرقہ وارانہ تعصب سے بھرپور تاریکیوں میں پڑھائی گئیں جن سے منافرت اور تنگ نظری دماغوں میں گہرائی تک اتر گئی۔ یہ نتائج تو خیر ۱۸۵۷ء کے بعد ظہور پذیر ہوئے لیکن اُس دور کے رہنماؤں نے حالات سے یہ اندازہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بغاوت میں عوامی رنگ ہر جگہ صاف نظر آتا ہے۔ جو سٹن مسکار تھی کی رائے ہے کہ:

”صرف سپاہی بغاوت پر نہیں اٹھے، صرف ملٹری نے شورش نہیں کی بلکہ یہ فوجی بے چینوں، قومی تنفر اور انگریزی اقتدار کے خلاف تعصبات کا ملا جلا مرکب تھی۔ ویسی حکمران شریک تھے سپاہی شریک تھے، ہندو مسلمان عیسائیوں کے مقابل ہو گئے تھے۔ میرٹھ کے باغی سپاہی جب جمنائے کنارے پہنچے تو انھیں رہنمائی کے ساتھ ایک جھنڈا اور ایک مقصد مل گیا اور یہ انقلابی جنگ بن گئی۔۔۔۔۔ فوجی شورش نے ایک قومی اور مذہبی جنگ کا رنگ اختیار کر لیا“ ۲

اور بقول ایڈورڈ تھاٹسپن —

”ہندوستانی قوم کی دیوانگی ایسی بعید از قیاس نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آ سکے کیونکہ مسلسل مصائب اور تکلیفیں اٹھاتے ہوئے اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی“ ۳

۱ طفیل احمد: مسلمانوں کا روشن مستقبل

History of Our Times quoted by Savarkar pp. 11-12

۲ تھاٹسپن: اور سائڈ آف دی میڈل (ترجمہ انقلاب ۱۹۷۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ)

عیسائی پادریوں کی حرکتیں

پورے ملک میں عیسائی مشنری (پادری) جو شرانگیز حرکتیں کر رہے تھے وہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا ایک بنیادی سبب ہے۔ اور سوداگروں کی کمپنی کو جیسے جیسے اقتدار حاصل ہوتا گیا پادریوں کی شرانگیزیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ۱۸۰۷ء میں لارڈ منٹو (گورنر جنرل) کو سب سے پہلے احساس ہوا کہ پادریوں کی اس شرارت کے اثرات خطرناک ہوں گے جو وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے کر رہے ہیں۔ پادریوں نے سہرام پور (بنگال) میں کچھ پمفلٹ شائع کیے جن میں ایک کا عنوان تھا ”ہندو مسلمانوں سے خطاب“ یہ پمفلٹ ہندو دھرم اور اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کی مذبذب بولتی مثال تھے۔ لارڈ منٹو نے اس سلسلے میں سہرام پور کے گورنر کو خط لکھے۔ اے جن میں اس خطرے کا صاف طور پر اظہار کیا کہ اس طرح ہندو مسلمان عوام میں باغیانہ جذبات کو فروغ ملے گا جو انگریزوں کے لیے سیاسی طور پر خطرناک ثابت ہوگا۔ جواب میں گورنر سہرام پور کی یقین دہانیوں سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور پادری بدستور اُدھم مچاتے رہے۔ لارڈ منٹو نے تجویز کیا کہ ان کا پریس کلکتہ منتقل کر دیا جائے تاکہ نگرانی ہو سکے مگر پادریوں کو یہ گوارا نہیں تھا انھوں نے گورنر جنرل کو محض بھیجا اور آئندہ احتیاط رکھنے کا وعدہ کیا جس کی گورنر سہرام پور نے بھی حمایت کی۔ ذاتی طور پر لارڈ منٹو عیسائیت کے پرچار کا سرگرم حامی تھا اور اس کا طرز عمل پادریوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا چنانچہ اس نے بیٹسٹ مشنری سوسائٹی کو آگرہ اور دہلی میں بھی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی۔ وہ سمجھتا تھا کہ عیسائیت کا پرچار اس ملک کے لیے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ تاہم انھیں دوسرے مذہبوں پر حملہ کر کے اشتعال پیدا نہیں کرنا چاہیے لیکن کورٹ آف ڈائریکٹرز کے اس

طرزِ عمل میں تبدیلی نہیں آئی کہ وہ پادریوں پہ کوئی پابندی لگانے کے حامی نہیں تھے اور ان کے گروہ برابر ہندوستان پہنچ رہے تھے۔ مسٹر ایس آر بخشی کی حالیہ انگریزی تصنیف ”برٹش ڈپلومیسی اینڈ ایڈمنسٹریشن ۱۸۰۴-۱۸۰۵ء“ اس دور کی دستاویزات اور خط و کتابت کی مدد سے ان حالات سے پردہ اٹھاتی ہے اور یہ نظارہ بھی سامنے لاتی ہے کہ جب ان پادریوں پر پابندی لگانے کا ارادہ کیا گیا جس کی ایک بڑی وجہ ویلور کی حالیہ بغاوت (۱۸۰۴ء) بھی تھی، تو انگلینڈ میں کلیڈلس بچانن اور مارش مین وغیرہ نے ان پادریوں کے خلاف تحریک چلائی جس کے نتیجے میں چارٹر ایکٹ ۱۸۱۳ء میں انھیں آزادیاں عطا کر دی گئیں ہندوستان میں داخلے پر پابندی ہٹائی گئی اور مختلف مقامات پر ان کے مرکز قائم کر دیئے گئے (سیکشن ۴۹ ایکٹ ۱۸۱۳ء)۔

پادریوں کو آزادی دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے تمام ملک میں اسکول قائم کیے جن میں عیسائیت کی تعلیم شروع ہو گئی اور پھر تبدیلی مذہب کے واقعات رونما ہونے لگے۔ انگریزی اقتدار سے قبل مکتب، مدرسے اور پاٹ شالائیں تھیں جہاں ہندو مسلمان بچے بلا امتیاز فارسی، عربی، حساب اور سنسکرت کی تعلیم پاتے تھے۔ مرہٹوں نے بھی جہاں اقتدار حاصل کیا وہاں فارسی تعلیم کو فروغ دیا۔ اور مدرسوں کا نظام جاری رکھا۔ لیکن انگریزی اقتدار کے بعد ۱۸۳۶ء میں فارسی کو عدالتی زبان کی حیثیت سے ختم کر دیا گیا اور مقامی زبانوں کا جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ جس سے انگریزی کے لیے میدان ہموار ہوا اور قدیم مدرسے بیکار ہو گئے۔ پادریوں کے اسکولوں کا اصل مقصد عیسائیت کا پرچار تھا جس کے ساتھ وہ انگریزی تعلیم دیتے اور بائبل پڑھاتے تھے۔

کلے اور گورے سپاہی | انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوا اس کی کہانی بھی بڑی طویل ہے۔

نانا نصابیوں کے خلاف بار بار بغاوت ہوئی جس پر مختصراً فوجی بغاوتوں کے بیان میں روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ ویسی سپاہ کے ساتھ نانا نصابی، وعدہ خلافی یا تذلیل وغیرہ ان بغاوتوں کے اسباب تھے کیونکہ یوروپین سپاہ کے ساتھ انتہائی لحاظ اور خبرگیری روا رکھی جاتی تھی۔ ۱۸۴۲ء کی بغاوت بھی اسی طرح کی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے ہوئی جس میں مدراس اور بنگال آرمی شامل تھی۔ پہلی افغان جنگ (۱۸۴۲ء) میں ہندوستانی سپاہ کو دریائے سندھ کے پار اترنے کا الاؤنس (بھتہ) دیا گیا لیکن سندھ پر حملہ آور ہونے کے لیے جب ان فوجوں نے بھتہ کا مطالبہ کیا (۱۸۴۲ء) تو انکار کر دیا گیا۔ حالات نازک دیکھ کر ان کے کمانڈر موسلے نے بھتہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ شکار پور پہنچ کر جب سپاہ نے دیکھا کہ ان کی تنخواہوں میں بھتہ شامل نہیں ہے تو تنخواہ لینے سے انکار کر دیا اور اس دیدہ و دانستہ فریب پر غصے کا اظہار کیا لیکن ہاراج ہنٹرنے بہلا چسلا کر اور بھتے کا یقین دلا کر سکھ تک جانے پر آمادہ کر دیا جہاں گورے سپاہ کے دستے ان کے گرم مزاج کو ٹھنڈا کرنے کے لیے موجود تھے۔ لے مدراس آرمی کے ساتھ اس سے بھی بدتر برتاؤ ہوا۔ وہ یہاں بھی جاتے ان کے بیوی بچے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے دور دراز جگہوں پر تبادلہ ان کے لیے سخت تکلیف دہ ہوتا تھا۔ نمبر ۶ سوار رجمنٹ مدراس آرمی کو کامٹی سے جبل پور بھیجا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ جلد ہی واپس آجائیں مگر وہاں جا کر پتہ چلا کہ نہ صرف مستقل یہیں قیام کرنا ہوگا بلکہ نو سو میل دور بھیجا جائے گا اور مرے پر سو ڈرے یہ کہ کم تنخواہ پر گزارا کرنا ہوگا۔ مدراس آرمی کے جو دستے سندھ وغیرہ بھیجے گئے انھیں بھی اسی طرح کی یقین دہانی کی گئی لیکن بمبئی پہنچ کر معلوم ہوا کہ کوئی خصوصی

مراعات نہیں دی جائیں گی لے یہ حالات ایک دو بار نہیں، بار بار پیش آتے رہے ۱۸۴۹ء میں کچھ رجمنٹوں نے (راول پنڈی) بھتے کا مطالبہ کیا اور دسمبر میں ایک رجمنٹ نے بغاوت بھی کی (گووند گڈھ)۔ کمانڈر انچیف چارلس نیپرنے الاؤنس دیئے جانے کی سفارش بھی لیکن گورنر جنرل نے نامنظور کر دیا کیونکہ سندھ اور پنجاب فتح ہو چکے تھے لہذا اس شورش کو گورے سپاہ کے دستوں اور وفادار دیسی فوجیوں کی مدد سے کچل دیا گیا۔ اس طرح کے واقعات جنگ بکسر ۱۸۵۷ء سے ہی شروع ہو گئے تھے جنگ برما اور کابل کے درمیانی عرصے میں چار بار دیسی فوجیوں کے مطالبات پر انھیں پھانسیاں اور گولیاں نصیب ہوئیں۔

پیادہ فوج کے دیسی سپاہی کو سات روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی جس میں سے اُسے وردی اور ڈرل (فوجی پریڈ) وغیرہ کے لیے روپیہ دینا پڑتا تھا۔ ڈرل کی فیس سولہ روپے تھی۔ سوار کو ستائیس روپے ملتے تھے۔ اُسے گھوڑا وغیرہ خود خریدنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس انگریز سپاہی کے رہن سہن، غذا اور دوسرے لوازمات کے لیے پوری فراخ دلی سے دیا جاتا تھا۔ ایک صوبے دار ستیارام نے اپنی سرگذشت میں بتایا ہے کہ پوری فوج (۳۱۵۵۲۵ آدمی) کی تنخواہ پر ۹۸۰۲۲۵ پونڈ خرچ آتا تھا جس میں سے ۵۶۶۸۱۱۰ پونڈ صرف اکیاون ہزار انگریز سپاہیوں اور افسروں پر خرچ ہوتا تھا ۵۲۔ بریلی میں مقیم سوار فوج کے ایک بنگالی کلرک کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک عام سپاہی کو وردی وغیرہ کی فیس اور دوکانداروں کا قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ ملتا وہ ایک ڈیڑھ روپیہ ہوتا اور بعض حالتوں میں صرف چند آنے۔ جس میں وہ دال روٹی سے زیادہ کا خواب میں بھی تصور نہ کر سکتا تھا۔ یہی حال سوار فوج کے سپاہی کا تھا جس کی تنخواہ میں کئی فیسیں کاٹ لی جاتی تھیں۔ دوسری طرف فوج کے معمولی انگریز

۱ جون کے: ہسٹری آف دی سیپائے وار جلد اول ص ۲۹۵

۲ ستیارام: سیپائے ٹو صوبہ ہیدار۔ ۴ بحوالہ سین ۲۱

افسروں کی آسائشوں اور فضول خرچی کی حالت یہ تھی کہ چھوٹے افسر کے پاس بھی پورا اسٹاف ہوتا تھا۔ وہ پاکی میں سفر کرتا، پکھا جھلنے اور دیگر کاموں کے لیے آدمی نوکر ہوتے۔ خانساماں، خدمت گار، پائپ بھرنے والا، جھتری اٹھانے والا، شراب پیش کرنے والا، کرسی وغیرہ اٹھانے والا، جوتے صاف کرنے والا، شیبو بنانے والا وغیرہ۔ وہ جوئے، شراب اور گھوڑوں کی ریس پر بے دریغ روپیہ بہاتے اور قرض بھی لیتے رہتے یہاں تک کہ بچے حوالدار تک سے روپیہ لے لیتے جو شاید کبھی ادا نہ ہوتا ہوگا۔ صرف فوجی ہی نہیں ہر ہندوستانی کو انگریز نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لفٹیننٹ ورنی کا بیان ہے کہ ”انگریز عام طور پر دیسی باشندوں سے سخت تعصب رکھتے تھے اور انکے عمل سے اس کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ بغاوت کا ایک سبب یہ بھی تھا۔“ عام ہندوستانی اس ذلت آمیز برتاؤ پر سخت پیچ و تاب کھاتے تھے۔

انصاف اور قانون | بڑے عہدے صرف انگریزوں کو ملتے تھے۔ ہندوستانی باشندے زیادہ سے زیادہ ڈپٹی کلکٹر یا صدر امین کے عہدے تک پہنچ سکتے تھے جبکہ ان میں صلاحیت اور تعلیم کی کمی نہ تھی۔ لندن ٹائمز کے نامہ نگار ولیم رسل اور پریسچارڈ نے لکھا ہے کہ ”ہندوستانی باشندے ہم سے نالاں تھے۔ وہ ہم سے کیا آس لگائے ہوئے تھے؟۔ کچھ نہیں۔“ بڑے عہدوں سے ان کا آہستہ آہستہ نکال دیا جانا بھی بغاوت کا ایک سبب تھا۔ پھر یہ کہ قانون اور انصاف نہ صرف مہنگا ہو گیا بلکہ عام آدمی کی دسترس سے باہر بھی ہو گیا۔ عدالتوں میں رشوت اور بدعنوانی کا بازار گرم ہو گیا۔ پہلے ایک غریب دیہاتی بھی آسانی سے اپنا مقدمہ پیش کر سکتا تھا لیکن اب اس کے لیے وکیل مقرر کرنا بھی ممکن نہ رہا تھا، حاکم تک پہنچ جانا تو بالکل ہی خواب و خیال کی بات تھی۔ سیتا رام نے لکھا ہے کہ ایک بار وہ ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں چلا گیا لیکن یہاں کے داخلے پر اسے دس

روپے جرمانہ ادا کرنا پڑا وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اُس نے کون سا جرم کیا یا قانون توڑا ہے۔^۱ عدالتیں اور قانون نہ صرف غریبوں پر ظلم و ستم کا ذریعہ بن گئے بلکہ امیروں کے ہاتھ کا کھلونا بھی۔ جہاں رشوت دے کر ہر جائز و ناجائز کام کرایا جاسکتا تھا۔ اگرے کے ایک جج کا بیان ہے کہ عوام ہمارے دیوانی قوانین کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس کی معقول وجہیں تھیں،^۲ بدالیوں کے کلکٹر ایڈورڈس کو ایک زمیندار نے بتایا کہ انگریزی حکومت کے مطالبات مانگزاری وغیرہ ادا کرنے میں اس کا ایک ہزار روپیہ مقدمات میں اور چھ ہزار سے زائد رشوتوں میں خرچ ہوا جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اور وہ اپنے آبائی گاؤں سے محروم ہو گیا۔ جو کچھ بچا اس کا لگان اس قدر زیادہ تھا کہ زیورات فروخت کر کے ادا کر پایا۔ اگلے سال وہ اس قابل بھی نہ رہتا اور سب ہی کچھ بک جاتا مگر بغاوت نے جان بچالی یہ عوام یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رشوت کے روپے کا بہاؤ ادپرہ کی سمت میں ہوتا ہے۔ اور ماتحت علی سے شروع ہو کر ان رقموں کا بڑا حصہ انگریز حاکموں کے پیٹ میں پہنچتا ہے جو ایک وسیع سمندر کی مانند ہے۔

عام لوگوں کے احساسات کا اندازہ لگانے کے لیے اعظم گڑھ کے انقلابیوں کا یہ اعلان ملاحظہ ہو:

”سب جانتے ہیں کہ انگریزوں نے زمین کی مال گزاری اور لگان بہت زیادہ لگایا اور یہی تمہاری بربادی کا سبب ہوا اس کے علاوہ ادنیٰ ملازمین اور مزدور کی شکایت پر بغیر کسی تحقیقات کے تمہیں عدالتوں میں طلب

1. SEN: p.32

2. RAIKS: Notes on the Revolt p.7

3. ADWARDS: Personal Adventures p. 167

کیا گیا اور ذلیل و رسوا کیا گیا اور جب تم ان کی عدالتوں میں کوئی مقدمہ دائر کرنا چاہو تو تمہیں کاغذ پر اسٹامپ اور کورٹ فیس وغیرہ لگانا ہوگی جو تباہ کن ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں اسکولوں اور میٹرکوں کے لیے بھی روپیہ دینا ہوگا۔۔۔۔۔ عدالتوں میں تمہیں اسٹامپ اور کورٹ فیس میں بھاری رقمیں ادا کرنا پڑتی ہیں۔ انھوں نے عوام سے روپیہ کھینچنے کے لیے نہ صرف اسٹامپ بلکہ اسکول فنڈ وغیرہ بھی جاری کیے۔ انھوں نے معزز زمینداروں کو عدالت میں بلا کر قید، جبرمانہ اور ذلت آمیز برتاؤ کیا ہے۔۔۔۔۔ سرکاری ملازمین کو خبردار ہونا چاہیے کہ دیوانی اور فوجی محکموں کے تمام کم تر اور ماتحت عہدے ہندوستانیوں کو دیئے جاتے ہیں اور بڑی تنخواہوں کے باعزت عہدے یورپین لوگوں کو۔ مثلاً فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ جو ایک دیسی کو حاصل ہوتا ہے وہ صوبے دار کا ہے جس کی تنخواہ ساٹھ ستر روپے ہوتی ہے اور دیوانی میں صدر امین اسکے لیے سب سے بڑا عہدہ ہے جسکی تنخواہ پانچ سو روپے ہوتی ہے۔ جاگیریں۔ انعامات معافیاں سب ختم ہو چکیں۔۔۔۔۔ تمام مال یورپ سے درآمد ہو رہا ہے اور تمہارے لیے معمولی اشیا چھوڑی گئی ہیں۔۔۔۔۔ ہندو مسلمان عالموں کو معلوم رہے کہ انگریز تمہارے مذہب کے دشمن ہیں اس لیے تمہیں ہمارے ساتھ شامل ہو کر خدا کی رضا مندی حاصل کرنا چاہیے ورنہ تم گناہ گار ہو گے۔“

(انگریزی سے ترجمہ) ۱

پنپائیتی نظام ختم کر دیا گیا جس کی وجہ سے غریب کسانوں کو عدالتوں میں برسوں ٹکریں

کھانا پڑتیں اور دیوالہ نکل جاتا تھا۔ عدالتی کاغذ پر ٹکٹ لگانے کا جو دستور نکلا اس کے بارے میں سرسید نے بھی 'اسباب بغاوت ہند' میں لکھا ہے کہ "سب عقلاً اس محصول کو ناپسند کر گئے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ دستاویزات پر محصول لگانا جتنا قابل الزام اور بے وجہ محض ہے اس سے زیادہ بُرا وہ محصول ہے جو کاغذات پر انصاف کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔"

بہادر شاہ کی ولی عہدی | بہادر شاہ کے عہد (تحت نشینی ۱۸۳۷ء) تک

اگرچہ بادشاہت ایک مذاق بن کر رہ گئی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی تمام معاملات پر پوری طرح قابض ہو چکی تھی پھر بھی اس برائے نا بادشاہت کو برقرار رکھنے دیا گیا تھا، شاید اس لیے کہ ہندوستانی عوام کے دماغوں میں ابھی تک مغل سلطنت کا 'خار' باقی تھا اسی لیے کمپنی کو اس آڑ میں شکار کھیلنا اور آہستہ آہستہ انگریزی اقتدار کا شکنجہ مضبوط کرنا آسان ہوتا رہا لیکن بہادر شاہ کے بعد مغل سلطنت کا یہ تماشہ بھی ختم کرنے کا تہیہ کیا جا چکا تھا۔ اس کے باوجود ولی عہدی کے لیے مضحکہ خیز کشمکش ہوئی اور کمپنی کی عیارانہ دخل اندازی عوام و خواص کے غم و غصے کا باعث بنی۔ سب سے پہلے بہادر شاہ نے دارالبخت کو ولی عہد بنایا لیکن اس کے انتقال (جنوری ۱۸۴۹ء) پر شہزادوں میں کشمکش شروع ہو گئی جو عیاشیوں میں ازسرتا پانگرتھے مگر اُن میں ہر ایک اپنے آپ کو مستقبل کا شہنشاہ ہند تصور کرتا تھا۔ دارالبخت کے بعد مرزا شاہ رخ کی باری آئی۔ جب وہ بھی چل بسا تو فتح الملک کو بنایا گیا مگر وہ بھی نہ رہا تو یہ رسہ کشی پھر شروع ہوئی۔ بہادر شاہ نے (زینت محل کے اصرار پر) ہواں بخت کو ولی عہد بنانا چاہا لیکن انگریزوں نے خفیہ طور پر مرزا فخر سے اپنی شرطیں تسلیم کر اکر اُسے ولی عہد منظور کر لیا (۱۸۵۲ء) فخر صاحب اس برائے نام جانشینی ہی کے لیے اس قدر ماہی بے آب و بے تاب تھے کہ انھیں تمام ذلیل شرطیں منظور تھیں اور اس انتظار میں تھے کہ کب بہادر شاہ دنیا سے سدھارے

اور ان کے نام کا اعلان ہو مگر ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء کو یہ حسرت دل میں لیے خود ہی سدھار گئے۔ نامزد ولی عہدوں کا اس تسلسل سے انتقال اس پردہ زنگاری میں کسی استاد کا پتہ دیتا ہے۔ مرزا فخر کے بارے میں تو یہ افواہ بھی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ اس افواہ کی تحقیق ہو یا نہ ہو مگر یہ یقینی ہے کہ ولی عہدی کی اس مضحکہ خیز رسد کشتی سے فائدہ یا تو انگریزوں کو پہنچ رہا تھا جو ہرنے ولی عہد سے پہلے سے زیادہ ذلیل شرطیں منوالیتے تھے۔ اور یا جواں بخت کی دعوے دار زینت محل کو۔ بہر حال، مرزا فخرؑ کے مرنے پر بہادر شاہ نے تمام شہزادوں سے ایک کاغذ پر دستخط کرا لیے کہ وہ جواں بخت کو ولی عہد مانتے ہیں۔ اور یہ کاغذ کمپنی کے رزٹڈنٹ کے حوالے کر دیا گیا لیکن معاملہ آسانی سے طے ہو جانا کمپنی کے مفاد میں نہ تھا اور نہ یہ منشا تھا کہ ولی عہدی شطرنج کی بساط اتنی سہولت سے طے کر کے رکھ دی جائے لہذا مرزا قولیش شکوہ کو بھڑکا کر ولی عہدی کا دعوے دار بنا دیا گیا اور پہلے سے زیادہ ذلیل شرطیں منظور کرائی گئیں حالانکہ اس مرتبہ سب کچھ زبانی جمع خرچ پر رکھا گیا ان ذلیل شرطوں اور خفیہ کارروائیوں کا جب بہادر شاہ اور اس کے خاندان کو علم ہوا تو نہ صرف غصہ بلکہ بیکسی پر رونا بھی آیا ہوگا۔ مشکاف کا بیان ہے کہ:

”جب یہ معلوم ہوا کہ انگریز جانشینی ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہندو اور

مسلمانوں دونوں کے جذبات کو سمجھٹھیس لگی“ ۱۲

پیش گوئیاں | بغاوت کی آگ مشتعل کرنے میں پیش گوئیوں نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ پلاسی کی شکست کو ملک کے تعلیم یافتہ طبقے

۱۔ مرزا فخرؑ الہی بخش کا داماد تھا۔ الہی بخش کا اصل نام ہدایت افزا ولد مرزا شجاعت عرف بچو ولد عزت افزا ولد ہمایوں بخت ولد عظیم الشان۔ ۱۸۷۵ء میں انتقال ہوا۔

۲۔ حسن نظامی: مرتب۔ غدر کی صبح و شام ۲۸

نے قومی شکست قرار دیا۔ بنگالی عوام کے احساسات تو یہاں تک وابستہ تھے کہ ہر سال پلاسی کے میدان میں جمع ہو کر شہیدوں کو خراج عقیدت ادا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے قریب یہ پیشین گوئی کافی مشہور تھی کہ سو سال بعد انگریزی راج کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انگریز مصنفوں کی کتابوں میں بھی اس طرح کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ ملتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ۲۳ جون ۱۸۵۷ء کو جب پلاسی کی جنگ پر سو سال پورے ہو رہے تھے انقلابی صفوں میں غیر معمولی جوش و خروش کانپور اور دہلی تک موجود تھا۔ موہرے تھا مپسن نے اپنی کتاب ”اسٹوری آف کانپور“ میں لکھا ہے :

”۲۳ جون ۱۸۵۷ء، جو جنگ پلاسی کی برسی تھی، بلا شک و شبہ وہ تاریخ تھی جس پر ایک طے شدہ اور متفقہ جدوجہد کا قصد تھا تاکہ برطانوی اقتدار کا جوا ہمالیہ سے ہگلی تک اتار پھینکا جائے“

(ص ۱۲۲)۔

مسلمانوں میں ایک بزرگ شاہ نعمت اللہ دلی کا ایک فرضی قصیدہ مقبول تھا جس کے ایک شعر میں بھی اس طرف اشارہ ہے :

درمیانِ این و آں گرد بے جنگِ عظیم
قومِ عیسیٰ را شکستِ بے گماں پیدا شود

چند جیوتشیوں کی پیشین گوئی تھی کہ ستارے باغیوں کی حمایت میں ہیں۔ مسز ہورٹسٹ انگلیسی نے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ ”ہندوستان کے تمام ہندو مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ انگریزی حکومت سو سال سے زیادہ نہ رہے گی۔“

مختلف تحریکیں اور جدوجہد

۱۸۵۷ء کی تحریک سے پہلے ملک کے مختلف حصوں میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ ثبوت دیتی ہیں کہ انگریزی اقتدار کو کسی بھی حصے میں برداشت نہیں کیا گیا اور اس کے خلاف عوام نے جگہ جگہ خوں ریزہ جدوجہد کی ہے جو مقامی اور غیر منظم ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی اور شاید اسی ناکامی نے ان میں یہ احساس جگایا کہ ملک گیر تنظیم اور طے شدہ اسکیم کے بغیر کامیابی دشوار ہے۔ یہاں ہم چند بغاوتوں کے مختصر تذکرے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

اٹریسہ : اٹریسہ کے پاگلوں نے ۱۸۱۷ء میں بغاوت کی جنہیں انگریزی راج (۱۸۰۳ء) سے سخت نقصانات اٹھانا پڑے تھے۔ اس سے پہلے مال گزاری چار لاکھ سے زیادہ نہیں تھی جو ہنڈی کی شکل میں ادا کی جاتی تھی مگر انگریزی نظام میں رفتہ رفتہ یہ دس لاکھ تک پہنچی (۱۸۱۵-۱۶ء)۔ پہلے ہنڈی کی شکل میں ادا کی جاتی تھی مگر اب چاندی کے سکے کی شکل میں کلکتے میں ادا کی جانے لگی تو چاندی کی بڑی مقدار اٹریسہ سے باہر چلی گئی اور مقامی سکے کی قیمت گر گئی۔ مال گزاری کی وصولی کے لیے جو ظلم روا رکھا گیا اس کا ذکر بیکار ہے چنانچہ ۱۸۱۷ء میں کھردا (ضلع پوری) کے علاقے میں زبردست شورش ہوئی۔ یہاں کے راجہ کو 'جو گجاپتی' کہلاتے تھے، نئے ٹیکسوں سے بڑا نقصان پہنچا اور یہ علاقے تباہ ہو گئے آخر کار پاگلوں نے جو یہاں فوجی حیثیت رکھتے تھے، بغاوت کی۔

انگریزوں کا قبضہ ہوتے ہی سب سے پہلے حاکم میجر فلیچر کے ہاتھوں ہی ان پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ۱ مارچ ۱۸۱۷ء میں کھونڈوں کی ایک جماعت گھسار (ضلع

گنجام) سے کھردا میں داخل ہوئی اور پاملک قبیلے اس کے ساتھ شامل ہو گئے جن کی رہنمائی کھردا کے راجہ کا کمانڈر جگ بندھو کر رہا تھا۔ بان پور وغیرہ علاقوں میں بھی بغاوت پھیل گئی اور کٹک میں یہ اطلاع پہنچنے پر انگریز افسر مع مجسٹریٹ ایڈورڈ ایمپی کے فوج لے کر بڑھے مگر کھردا سے دو میل دور ہی گنگ پارا میں باغیوں نے گھیر کر مرمت کر دی اور ایمپی کو واپس بھاگنا پڑا اپنی رپورٹ میں گورنر کو لکھتا ہے :

”کھردا کا تمام علاقہ پوری طرح بغاوت پر کمر بستہ ہے“ لے

اس موقع پر بان پور میں سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی، خزانہ لٹ گیا، پولس تھانوں پر حملے ہوئے، تقریباً سو آدمی قتل کیے گئے اور انگریزی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۲ اپریل ۱۸۱۷ء کو باغیوں نے پوری پر حملہ کیا، مقامی باشندے بڑی تعداد میں ان کے ساتھ ہو گئے، کیپٹن ونگٹن، جو صورت حال پر قابو پانے آیا تھا واپس کٹک کو بھاگ گیا پھر دوبارہ فوج بھیجی گئی لیکن چونکہ اس وقت جگ بندھو بان پور پر قبضے کے لیے بڑھ چکا تھا اس لیے یہ فوج بہ آسانی قابو پا گئی اور کھردا کے راجہ کو گرفتار کر کے ۱۸ مئی ۱۸۱۷ء کو کٹک لایا گیا۔ بغاوت کھردا تک ہی نہیں بلکہ جنوبی مشرقی اڑیسہ کے علاقوں مثلاً اموریشو، تیران۔ ہری ہر پور اور گوپے میں بھی یہی سب کچھ ہو رہا تھا۔ اور قریبی علاقوں کے راجہ باغیوں کی مدد کر رہے تھے چنانچہ بڑے پیمانے پر فوجی انتظامات کئے گئے اور مسلح فوجوں نے گھیر کر کھردا وغیرہ پر چڑھائی کی تب کہیں اکتوبر ۱۸۱۷ء میں قابو پایا جاسکا لیکن جگ بندھو ہاتھ نہ آسکا، برابر سرگرمیوں میں مصروف رہا اور ۱۸۲۵ء میں ہتھیار ڈالنے تک میں نظر بند کیا گیا، ۱۸۲۹ء میں فوت ہوا۔ اڑیسہ کے بارے میں ڈبلو ڈبلو ہنٹ نے لکھا ہے :

”یہاں کے عوام کسی طرح برٹش راج کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے اور انیسویں صدی کے وسط تک برابر انگریزوں سے جنگ کرتے رہے۔“

انہوں نے اپنے لیڈر چکرا بسوئی کی سرکردگی میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔ انگلوں کا راجہ سومناٹھ جگد یو بھی چکرا بسوئی سے خفیہ رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ اُسے ۱۸۴۷ء میں معزول کر کے ہزاری باغ میں نظر بند کیا گیا جہاں ۱۸۵۳ء میں فوت ہوا۔ اس کے کمانڈر سندھو گد نائک کو مع بارہ ساتھیوں کے جلا وطن کیا گیا، پھر بھی ۱۸۵۶ء تک ان بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا اور چکرا بسوئی دوبارہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔

بغاوت کے بعد تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹوں کا خلاصہ یہ تھا کہ زمینوں کی اندھا دھند فروخت اور نیا مال گزاری نظام اس بغاوت کا سبب تھا۔ یہ خرید و فروخت کھلتے میں ہوئی اور اڑیسہ کے غریب عوام گھر بیٹھے محروم ہو گئے۔ ان رپورٹوں میں یہ تمام تفصیل دی گئی ہے اور انگریزی نظام کو نہ صرف ناقص قرار دیا گیا بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں کے عوام مقامی راجاؤں کے عہد میں کس قدر خوش حالی اور سکون کی زندگی گزار رہے تھے اور انگریزی راج کا آغاز ہوتے ہی انہیں مظالم کا شکار ہونا پڑا۔ مال گزاری کی رقم دو گنا، تین گنا ہونے پر اُس کی ادائیگی ناممکن ہو گئی تو ان کی زمینیں چھین لی گئیں ۷

مدن پور سے بہار اور چھوٹا ناگپور تک برابر بغاوتیں ہوتی رہیں۔ سنگھ بھوم کے کول اور چھوٹا ناگپور کے مُنڈا قبیلے، مان بھوم کے بھوج قبیلے، راج محل کے سنتھال اڑیسہ کے کھونڈ اور آسام کے کھاسی قبیلوں نے سخت شورش برپا کی۔ بغاوتوں کا یہ سلسلہ ۱۷۹۸ء میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ۱۸۲۱-۲۲ء میں کولوں کی بغاوت رانچی سے شروع ہو کر سنگھ بھوم،

1. HUNTER: History of Orissa pp. 396-98

۷

TARACHAND: History of Freedom Movement vol.2 p.5-6

2. PATRA: Orissa Under E.I.Co: pp. 18-29,35

۸

Orissa Records vol.2 p.3

ہزاری باغ، پالامو، مان بھوم وغیرہ میں پھیلتی چلی گئی جسے کچلنے کے لیے بڑے پیمانے پر سخت فوجی اقدامات کیے گئے۔ ۱۸۵۵ء میں راج محل کے سنتھالوں نے بغاوت کی کیونکہ ان سے بھاری لگان کا مطالبہ کیا گیا، انھیں اُجرتیں نہیں دی گئیں اور طرح طرح سے جو مظالم ڈھائے گئے وہ اس کے علاوہ تھے یہاں تک کہ عورتوں کو بھی نہ بخشا گیا۔ یہ بغاوت بردوان سے بھاگل پور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُڑیسہ کے سرداروں نے ۱۸۰۴ء سے ہی بغاوتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آسام پر انگریزی قبضے کے بعد متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ سنگ خور اور اس کے ساتھیوں نے ۱۸۲۰ء میں سادیہ کے مقام پر حملہ کیا اسی طرح ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۹ء میں بھی بغاوتیں ہوئیں۔ ۱۸۳۹ء میں ناگاؤں نے بغاوت کی لے

مالا بار - میسور : ۱۷۹۲ء میں جب سلطان ٹیپو کی سلطنت کا کچھ حصہ کمپنی کے قبضے میں آیا تو مالا بار کے تقریباً تمام راجہ چھ سال تک انگریزوں سے جنگ کرتے رہے۔ کوٹایم کے راجہ کیرالاورما نے، جو پانچ راجہ بھی کہلاتا تھا، دوسرے سرداروں کے ساتھ نمایاں حصہ لیا اور حالات اس قدر خطرناک صورت اختیار کر گئے کہ راجہ سے نرم شرائط پر صلح کرنا پڑی۔ گنجام کی ایک ریاست کمیدی کے جاگیردار کو جب کمپنی نے خراج کی ادائیگی میں دیر ہونے پر گرفتار کیا تو وہاں ۱۷۹۷ء میں عام بغاوت پھیل گئی۔ گاؤں والوں نے جان دینا گوارا کیا مگر کمپنی کو لگان دینے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۲۴ء تک برابر خوفناک بغاوتیں ہوتی رہیں۔ مالا بار میں ۱۸۰۲ء میں پھر بغاوت ہوئی جو پورے صوبے میں پھیل گئی۔ ۱۸۱۲ء تک ان شورشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ میسور کی فتح کے بعد مرہٹہ سردار دھونڈیاواگ نے بغاوت کی مگر ۱۸۰۷ء میں اس کو شکست ہوئی اور ۱۰ ستمبر ۱۸۰۷ء کو جنگ میں کام آیا۔ انگریز مصنفوں کا خیال ہے کہ اگر وہ مارا نہ جاتا تو دوسرا حیدر علی بن جاتا۔ ۱۸۳۲ء میں کورگ کے راجہ ویرانے

۱۔ ان بغاوتوں کی تفصیلات (۱۸۲۱ء سے ۱۸۳۱ء) کے لیے ملاحظہ ہو، کے کے دتہ کی انگریزی کتاب "اینٹی برٹش پلاٹس....."

بغاوت کی۔ ٹراؤنکھور میں ۱۸۰۴ء میں بغاوت ہوئی جس کا سبب کمپنی کی دخل اندازی تھا یہاں کے دیوان ویلوتا پی نے ۱۸۰۸ء میں کوچین کے دیوان کو شامل کر لیا اور فوج جمع کر کے سخت مقابلے کیے۔ اے شکست کے بعد ایک مندر میں پناہ لی اور وہیں خودکشی کر لی (۱۸۰۹ء)۔

دکھنی علاقے : ضلع بیجاپور میں دو اکڑ کشت نے فوج جمع کر کے ۱۸۲۲ء میں مقام سندگی کو لوٹا اور حکومت قائم کر لی شیوالنگا کی موت پر جب کمپنی نے اس کے لے پالک بیٹے کو جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو ۱۸۲۲ء میں ریاست کٹور میں بغاوت ہوئی جس میں انگریز قتل ہوئے اور باغیوں نے ریاست کی آزادی کا مطالبہ کیا، انھیں شکست ہوئی مگر ۱۸۲۹ء میں پھر بغاوت ہوئی۔ ۱۸۲۹ء میں راموگس نے بغاوت کی اور دکھنی علاقوں میں جہاں قحط پڑ رہا تھا، تین سال جاری رہی۔

مدرس اس پرسی ڈینسی میں پالیکاروں کی باغیانہ سرگرمیاں جاری تھیں راجہ وزیرانگرم سے کمپنی نے ملین لاکھ روپے کا مطالبہ کیا اور پھر اضافہ ہوتا گیا وہ پورا نہ کر سکا تو اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی راجہ نے ۱۷۹۴ء میں بغاوت کی اور جنگ میں کام آیا۔ تنے ولی۔ سوآگری۔ رام ناد وغیرہ کے پالیکاروں نے ۱۸۰۱ء میں بغاوت کی۔ ڈنڈی گل۔ مالا بار اور پلاٹم وغیرہ کے راجاؤں نے بغاوتیں کیں۔ شمالی ارکاٹ میں ۱۸۰۱ء اور دوسرے علاقوں میں ۱۸۱۳ء میں بغاوتیں ہوئیں۔ ۱۸۲۰-۲۱ء میں راجا سر بھدرا اور بگناتھ (وزنگا پیٹم) نے بغاوت کی۔ گنجام ضلع اور زرسہا ریڈی کرنول کے پالیکاروں نے ۱۸۲۵-۲۶ء اور ۱۸۲۶-۲۷ء میں بغاوت کی۔

آسام : سلہٹ کے قریب کھاسی کی پہاڑیوں (نونگ کھلاؤ) میں راجہ تیرت سنگھ نے ۱۸۲۹ء میں بغاوت کی کیونکہ انگریز سلہٹ اور کاما روپ کے علاقوں پر قبضہ کر چکے تھے اور اس کی

ریاست میں سٹریک بنانے کے چیلے سے دخل اندازی کر رہے تھے۔ راجہ کے ساتھ قریب کے جاگیردار اور عوام بھی تھے۔ ایسا مقابلہ کیا کہ انگریزوں نے حیرت سے اعتراف کیا ہے۔ یوں بس نہ پہلا تو تیرت سنگھ کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی گئی، وہ اس جال میں بھی نہ آیا۔ آخر کار اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا اس سے کہا گیا کہ اگر وہ انگریزوں کی بالادستی منظور کر لے تو ریاست واپس مل جائے گی۔ مگر تیرت سنگھ سسر زمین وطن کے دامن پر نظام حیدر آباد اور اس جیسے دوسرے دھبوں کی طرح نہ تھا، وہ سلطان ٹیپو کی مثال تھا، اس نے جواب دیا:

”آزاد رہ کر ایک عام آدمی کی طرح مرنا میرے لیے غلام راجہ بن کر
 جینے سے کہیں بہتر ہے۔“

وہ ۱۸۲۲ء میں جلا وطنی کی حالت میں بمقام ڈھاکہ انتقال کر گیا۔

جنگ برما کے بعد ۱۸۲۶ء میں آسام کے علاقے کمپنی کے قبضے میں آئے دو ہی سال بعد بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کیونکہ لگان میں روز بہ روز اضافہ اور پرانے نظام میں اصلاحات ہونے لگی تھیں۔ غریب کسانوں پر جو مطالبات پورے کرنے کے قابل نہ تھے، مظالم ڈھائے گئے۔ زمینداروں اور راجاؤں سے جبریہ وصولی کی جارہی تھی چنانچہ دارانگ کے علاقے (وسط آسام) کے راجہ بجنرائٹن سے بیالیس ہزار روپیہ اور ڈیڑھ ہزار پانگوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس کے فوراً ہی بعد یہ رقم چوٹن ہزار کر دی گئی۔ راجہ نے سخت احتجاج کیا تو صرف تین ہزار کی رعایت ملی۔ اس غریب نے کسی نہ کسی طرح یہ مطالبہ بھی پورا کیا لیکن سال بھر بعد معلوم ہوا کہ اس پر ابھی اکیس ہزار روپیہ اور واجب ہے جس کے حصول کے لیے اس کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ اے یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ تمام آسام میں جو ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا اس کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔ اسی مسلسل ظلم و ستم نے

تمام آسام کو بغاوت کے کنارے لاکھڑا کیا اور ۱۸۲۶ء میں جو رہاٹ کے علاقے بسا میں سابق حکمران خاندان کے ایک نوعمر شخص گوم دھر کووار کی رہنمائی میں بغاوت شروع ہو گئی۔ اس سازش میں علاقے کے معزز اور با اثر لوگوں کا ایک پورا گروہ شامل تھا۔ انھوں نے کمپنی کے دیسی افسروں اور مقامی زمین داروں سے نامہ و پیام کیا اور طے شدہ اسکیم کے بعد بغاوت کی۔ اسی زمانے میں سلہٹ کے کھاسی قبیلے تیرت سنگھ کی رہنمائی میں بغاوت کا پلان بنا رہے تھے۔ گوم دھر کو تخت نشین کیا گیا (نومبر ۱۸۲۸ء) اور مریانی کی طرف پیش رفت کی گئی لیکن جلد ہی بغاوت کچل دی گئی، گوم دھر کو سزائے موت تجویز ہوئی جو بعد میں سات سال قید میں تبدیل کر دی گئی۔ ۱۷ سال ہی بھر بعد پھر انگریزی راج کا تختہ الٹنے کی ایک اور کوشش کی گئی جس کا لیڈر ویانگ گومند راؤ عرف گودادھر سنگھ تھا۔ جو سابق راجہ کا رشتہ دار تھا۔ اس موقع پر ایک دیسی فوجی صوبے دار ظالم سنگھ سے رابطہ قائم کرنے کی بھی کوشش کی گئی لیکن اس نے باغی سرداروں کو گرفتار کر گواہی بھجوا دیا۔ اس سازش میں حکمران خاندان کی ایک راجکاری بھی شریک تھی جو برما کے ایک راجہ کو منسوب ہوئی تھی۔ آوا کا راجہ بھی سازش میں شریک پایا گیا۔ اسی دوران ۱۸۲۰ء میں سنگ نو اور کھامتی قبیلوں کی بغاوت شروع ہو گئی جس میں شمالی آسام کے بیشتر زمیندار شریک تھے لیکن فروری ۱۸۲۰ء کے آخر میں بغاوت کچل دی گئی۔ اُدھر ۱۸۲۹ء کے آخر میں دھن جوٹے نے، جو بچ کر نکل گیا تھا، ایک گاؤں میں اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ دوبارہ بغاوت کا پلان بنایا، علاقے کے اکثر زمیندار اور سابق حکمران اس کے ہمراہ تھے۔ انگریز حکاک کی رپورٹ (۱۴ جون اور ۲۰ اپریل) میں سازش کی تفصیلات بتائی گئیں جو باغیوں کے قبضے سے برآمد شدہ کاغذات اور خط و کتابت میں موجود ہیں اور جس کے ذریعے مختلف قبیلوں کے سرداروں کو اس پر آمادہ کیا گیا تھا کہ انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالیں لیکن ۲۰ فروری ۱۸۲۰ء

کو ایک سرغنہ گرفتار ہوا جس کے پاس سے باغیانہ خطوط اور کاغذات برآمد ہوئے اس کے باوجود ۲۵ فروری کو باغیوں نے رنگ پور پر حملہ کیا جو پسپا کر دیا گیا اور کئی باغی سردار گرفتار ہوئے۔ دھن جوئے پھر بھی ہاتھ نہ آیا۔ ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے کچھ ساتھیوں نے غداری کی اور انگریز حکام کے ساتھ ہو گئے۔ منی رام بروا، جو اس وقت دیوانی میں سررشتہ دار تھا اور بعد میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن بنا، ان حالات سے بے تعلق رہا۔

جون ۱۸۳۹ء میں ایک اور قابل ذکر بغاوت کھاتمی قبیلے کی طرف سے ہوئی جو تمام شورشوں سے زیادہ زبردست تھی، انگریز رجیمینٹ کا کمانڈر میجر وائٹ بھی باغیوں کے ہاتھ آگیا، انگریز حکام کو باہر سے مزید امدادی دستے بلانا پڑے۔ ۱۸۳۱ء میں گوبائیں قبیلے کی طرف سے پھر بغاوت پھوٹ پڑی جس کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا تھا لیکن باغی عوام مناسب رہنمائی اور تنظیم کے اعتبار سے ناقص اور کمزور تھے۔ غرض یہ کہ ۱۸۵۷ء تک آسام میں مسلسل بغاوتوں اور سازشوں کا دور دورہ رہا، ہم نے صرف چند کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۸۴۹ء میں بھی ناکلوں نے بغاوت کی اور ۱۸۳۴ء میں راجہ پور ندر سنگھا کی موت کے بعد منی رام بروا نمایاں ہوتا گیا، جو اس کے بیٹے کا میسور سنگھا اور پھر ۱۸۵۷ء میں اس کے وارث کندار پیسور عرف چارنگ راجہ کا دیوان اور مشیر خاص رہا حالات کا مشاہدہ اُسے انگریزوں کے دشمنوں کی صف میں لے آیا اور اس نے اپنی یادداشت میں ۱۸۵۷ء میں حکام کو پیش کی گئی، انگریزی راج کی خرابیاں کھلے الفاظ میں بیان کر کے نکتہ چینی کی۔

ساونت وادی اور کولہاپور وغیرہ : شمالی کونکن کے مقام ساونت وادی میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۲ء میں کھلی بغاوتیں ہوئیں۔ ۱۸۳۴ء میں کولہاپور میں بغاوت ہوئی اور انا صاحب نے بادشاہ کا اعلان کیا، انگریزی فوج کے ویسی افسروں سے بھی سازش کی گئی تھی اور بغاوت آس پاس کے علاقوں میں دور تک پھیل گئی تھی۔ آندھرا سٹیٹ کے ضلع وزاگا پٹم میں براہمدراروزے اور جگناتھ روزے نامی سرداروں نے ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۲ء تک بغاوت کی رہنمائی کی۔ پل کونڈہ میں ۱۸۳۱ء میں عام بغاوت ہوئی۔ ۱۸۳۰ء میں ایک برہمن نرم داتر یہ کی رہنمائی میں کچھ عربوں نے نظام کے علاقے

سے نکل کر قلعہ بادامی پر قبضہ کر لیا اور نرسیم کی حکومت کا اعلان کیا۔ ضلع ساگر کے چند زمینداروں نے ۱۸۲۷ء میں بغاوت کی۔ اسی سال دکنی علاقوں کے پالیگاروں نے بیلاری۔ کڈاپا۔ انت پور اور ضلع کرنول وغیرہ میں اتنی زبردست بغاوتیں کیں کہ انگریز مورخوں نے بھی ان کو آزادی اور ملکی دفاع کے لیے جنگ کرنے پر خراج تحسین ادا کیا ہے۔

کولہا پور کی ریاست سے ۱۸۲۷ء میں کمپنی کا عہد نامہ ہوا جس کی رو سے کمپنی کو راجہ کا وزیر اعظم نامزد کرنے یا برخواست کرنے کا ذمہ دار تسلیم کیا گیا یہی ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کی ابتدا تھی۔ ۱۸۲۷ء میں یہاں راجہ شیواجی (چہارم) عرف بابا صاحب تخت نشین ہوا جس کی کم عمری کی وجہ سے کونسل بنادی گئی لیکن کمپنی دخل اندازی سے باز نہ رہ سکی اور مارچ ۱۸۲۷ء میں بد انتظامی کی آڑ لے کر اپنے پٹھو کرشنا پنڈت کو وزیر اعظم بنا دیا پھر حسب دستور زمینی اصلاحات اور مال گزاری میں اصناف وغیرہ کی آڑ میں دخل اندازی شروع کر دی یہاں تک کہ قلعوں پر قبضہ اور راجہ کے فوجی دستوں کو غیر مسلح کرنا بھی شروع کر دیا گیا۔ حالات ناقابل برداشت ہونے پر سمن گد اور بھودر گد کے دیسی فوجی دستوں نے بغاوت کر دی تو ۱۹ ستمبر ۱۸۲۷ء کو بیلگام سے فوجیں طلب کی گئیں اور ۱۲ اکتوبر تک مشکل قابو پایا گیا لیکن حالات نے اس کے بعد خطرناک ترین صورت اختیار کر لی، کولہا پور کے عوام انگریزوں کے خلاف میدان میں نکل آئے اور دسمبر ۱۸۲۷ء تک زبردست بغاوت ہوتی رہی۔ گوا کے بعض سردار باغیوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ ۱۷ نومبر ۱۸۲۷ء کو گوا کے ان سرداروں سے باغیوں نے مدد طلب کی، اپنے نمائندے بھیجے اور لکھا کہ کولہا پور پہنچو

۱۔ گوا آرکائیوز کے ڈائریکٹر مسٹر شرود کرنے ایک مقالہ مغربی اور پرتگالی علاقوں کی بغاوت پر لکھا تھا جو بسین (پرتگال) کے ایک سمینار میں پڑھا گیا۔ یہ آرکائیوز کے اصل ریکارڈ اور دستاویزوں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا۔ موصوف نے میری درخواست پر مقالہ ٹائپ کر اکر ارسال کیا اسی کی مدد سے یہ حالات لکھے گئے ہیں۔

اور ہمدعا شوں سے ہماری عزت بچاؤ۔ باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کا سردار قلعہ پٹالا پر جنگ میں کام آیا لیکن کوہا پور کے حالات نے ساونت وادی پر بھی اثر ڈالا اور دیسی رجمنٹ میں بغاوت ہونے لگی، منوہر گد کے عوام نے انگریزی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں ایک بااثر سردار چوند ساونت تمبولیکار اپنے آٹھ بیٹوں کے ہمراہ بغاوت میں شریک ہوا اور سار ڈیساٹی کے سولہ سار لڑکے انا صاحب کو بھی ہمراہ لیا جو تخت کا وارث تھا۔ گوا کے عوام میں بھی باغیوں سے ہمدردی کا رجحان پیدا ہو گیا اور رابطہ قائم تھا۔ لیکن پرتگالی حکمرانوں نے پابندیاں عائد کر دیں کہ چوند ساونت کو مدد نہ مل سکے اس کے باوجود انگریزوں کو یقین تھا کہ باغیوں کو گوا سے مدد مل رہی ہے اور یہاں کے گاؤں پر ولی (نزد بھیم گد) سے اسلحہ اور بارود مہیا کیا گیا جہاں دوسو کے قریب باغی موجود تھے۔ انگریز حکام نے پرتگالی افسروں کو زیادہ سخت اقدامات کرنے کا مشورہ دیا (جنوری ۱۹۴۷ء) اور ڈیساٹی ذات کے لوگوں پر کڑی نظر رکھنے کی تجویز کی جو بغاوت کے خاص رہنما تھے۔ گوا کے کئی ڈیساٹی سردار ساونت وادی کی بغاوت میں شریک تھے۔ انا صاحب کو بھی گوا کے علاقوں میں پوشیدہ رکھا گیا جسے انگریزوں کے حوالے کرنے کی درخواست گوا کے حکام سے کی گئی۔

جنوری ۱۹۴۷ء کے آخر میں کرنل جے اوٹرم (او۔ ایس ڈی کوہا پور) کو باغیوں کا پیچھا کرنے گوا کی سرحد پر بھیجا گیا اور گوا کے حکام کو لکھا گیا کہ وہ باغیوں کو اس کے حوالے کر دیں اور اوٹرم کو باغیوں کا پیچھا کرنے کی اہازت دیں۔ چوند ساونت مع ہمراہیوں کے گوا کی سرحد میں داخل ہو گیا تھا۔ اور انا صاحب مع دوسو ساتھیوں کے اس سے مل گیا تھا۔ گوا کے ایک گاؤں ٹورسا کو مرکز بنا کر یہ لوگ بغاوت کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انگریز حکام کو یہ بھی علم تھا کہ گوا کے باشندے ان کے ساتھ تھے اور مدد کر رہے تھے۔ بمبئی کے گورنر نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ ”یہ لوگ ساونت وادی کے علاقوں میں آکر شورش کرتے ہیں اور جب ان کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے تو گوا میں جا کر روپوش ہو جاتے ہیں“ گوا کے حکام نے باغیوں کو انگریزوں کے حوالے کرنے کے بجائے خود حالات کا جائزہ لینے کا ارادہ کیا۔ دو تین سال بعد ۱۹۴۸ء میں انگریز حکام نے انھیں

پتالیس باغی سرداروں کی فہرست بھیجی اور لکھا کہ ان میں سے ساونت وادی کے جن لوگوں نے بغاوت میں سرگرم حصہ نہیں لیا انہیں معاف کر دیا جائے۔ انا صاحب کو وطن واپس آنے اور سو روپیہ ماہوار پنشن پر اپنے وطن میں رہنے کی اجازت ملی۔ (مئی ۱۸۵۸ء)۔ گوا کے پرتگالی افسروں نے میجری گرانڈ جیکب پولٹیکل ایجنٹ ساونت وادی کو اپنے خط میں شرائط ماننے سے انکار کیا۔ ۱۸۵۱ء تک انگریز حکام برابر اپنی خط و کتابت میں باغیوں کی نقل و حرکت پر گوا کی حکومت کو توجہ دلاتے رہے۔ اسی زمانے میں گوا میں پرتگالی حکومت کے خلاف بغاوت پھیل گئی جو حکمرانوں کے سخت قوانین کے خلاف تھی۔ ستاری کا دیپا جی رہنے بغاوت کا رہنما تھا اس نے نانس کے قلعے پر قبضہ کیا اور میگزین وغیرہ لوٹ لیا، ستاری سے پرتگالیوں کو نکال دیا اور آس پاس کے علاقوں پر بھی چھاپے مارے۔ اس خطرے کے پیش نظر پرتگالی حکومت کو ساونت وادی کے انگریز افسروں سے مدد مانگنا پڑی حتیٰ کہ باغی رہنماؤں سے بھی مدد مانگی۔ ساونت وادی کے انگریز حکام نے سرحدوں کی سخت نگرانی کی لیکن اس کے باوجود پرتگالی علاقے کے باغی سردار ساونت وادی کے گاؤں میں پناہ لیتے اور مدد حاصل کرتے رہے اگرچہ پرتگالی افسروں کی درخواست (مئی ۱۸۵۲ء) پر سخت اقدامات کیے گئے۔ انگریز حکام نے دو باغی سرداروں قاسم خاں اور شیخ ابراہیم ولد عثمان کو دیپا رہنے کی مدد کے جرم میں سزا دی اور پرتگالی حکومت کو ہتھیار مہیا کیے ستمبر ۱۸۵۲ء میں گوا کے باغیوں کو ساونت وادی واپس آنے کی اجازت دیدی گئی۔ دیپا رہنے اور ہنومنٹ ساونت ۱۸۵۵ء تک بھی پرتگالی حکومت کے ہاتھ نہ آ سکے۔ جون ۱۸۵۶ء میں ان باغی سرداروں نے ضلع منگلور میں کسٹم ہاؤس اور ایک پولیس چوکی پر چھاپا مارا، کچھ لوگ گرفتار ہوئے مگر دیپا رہنے ہاتھ نہ آیا، وہ برابر شورش میں سرگرم رہا۔ اس دوران ۱۸۵۷ء کی بغاوت نے اسے ایک اچھا موقع فراہم کر دیا۔

حیدر آباد میں سازش۔ مبارزہ الدولہ: ۱۸۰۶ء میں ہی ایک سازش کا سراغ ملتا ہے جس میں حیدر آباد کے جاگیردار راؤ رمبھا اور نور الامراء شریک تھے جنہوں نے انگریزی فوج

کے دیسی سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کر لیا تھا۔ نومبر ۱۸۱۲ء اور اس کے بعد دو علاقوں میں فوجی بغاوتیں بھی ہوئیں جنہیں آسانی سے کچل دیا گیا۔ یہ حالات برطانیہ نے اپنی کتاب ”ہسٹری آف حیدر آباد کبھیٹ“ میں (ص ۲۸-۲۹) بیان کیے ہیں۔

نظام اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حالات گذشتہ صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ عوام میں جو بے چینی ان حالات سے پیدا ہوئی اس کا مظاہرہ مبارز الدولہ کی تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ ۱۸۱۵ء میں ہی وہ اپنے جذبات ظاہر کر چکا تھا۔ اُس کے مکان کو انگریزی سپاہ نے گھیر لیا، ایک انگریز مارا گیا اور انگریز سپاہیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا جس پر رزیڈنٹ کو سخت غصہ آیا اور سکندر آباد سے فوج طلب کر لی گئی لیکن مہاراجہ چند دلال نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ اس کے بعد جب نظام نے رزیڈنٹ کے اشارے پر اس کے محل پر انگریزی پہرہ لگانا چاہا تو مبارز الدولہ نے غصے سے بپھر کر اعلان کیا کہ وہ مرہانا پسند کرے گا مگر اپنے محل پر انگریزی سپاہ کو دیکھنا گوارہ نہیں کرے گا۔ اُسے پانچ سال کے لیے گول کنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔ مگر رہائی کے بعد وہ پھر اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا، افغانوں اور عربوں کی بھرتی شروع کر دی تو ۱۸۲۰ء میں پھر نظر بند کیا گیا (گول کنڈہ قلعہ) اُس نے فوج میں بغاوت پھیلانا شروع کر دی اس پر بولارم سے ایک اور دستہ بھیجا گیا۔ مبارز الدولہ کسی نہ کسی طرح پھر رہا ہو گیا۔ میڈوز ٹیلر جو ان واقعات کا چشم دید مبصر ہے، اپنی کتاب ”اسٹوری آف مائی لائف“ میں یہ حالات بیان کیے ہیں کہ یہاں عرب، روہیلے اور سکھ وغیرہ مبارز الدولہ کی حمایت پر مکرستہ تھے۔ نظام نے ہم سے مدد کی درخواست کی۔ ہم ۶ جنوری ۱۸۲۱ء کو پہنچے اور دہلی دروازے کے سامنے خیمہ زن ہوئے مگر نظام کے

۱۔ اصل نام گوہر علی، نظام سکندر جاہ کا بیٹا تھا۔ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا، بچپن ہی سے جبری اور بہادر تھا، عربی فارسی کا عالم اور فنون جنگ کا ماہر تھا۔ حیدر آباد کے سیاسی حالات نے اُسے انگریزوں کا دشمن بنا دیا تھا۔ اور ہندوستان سے انگریزوں کا نکالا جانا ضروری سمجھتا تھا۔

دستوں نے بھی دشمنی کا برتاؤ کیا، ہمیں اندر نہیں جانے دیا اور مقابلے پر کمر بستہ ہوئے، میں نے بڑی مشکل سے بھاگ کر جان بچائی۔ ۱۵ فروری کے بعد جب نظام کے دستے ہٹائے گئے تب ہم نے پوزیشن سنبھالی۔ اس کے بعد مبارز الدولہ سے بات چیت کی گئی۔ اس کے اور رزیڈنٹ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس میں انگریز رزیڈنٹ سے اس کی اصل حیثیت میں خطاب کیا گیا تھا لیکن صاحب بہادر کو یہ لہجہ بڑا ہی گراں گزرا کیونکہ طرزِ خطابت نہایت درشت تھا۔ ۱۸۲۹ء میں سکندر جاہ کے مرنے پر نصیر الدولہ تخت نشین ہوا جو مبارز الدولہ کا بھائی تھا۔ اسی زمانے میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک پورے عروج پر تھی۔ مبارز الدولہ بھی اس سے وابستہ ہو گیا اور حیدر آباد میں سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے نظام (سکندر جاہ) کو خطوط بھی لکھے کہ چند سال سے اس علاقے میں فرنگی اثر و اقتدار بڑھ رہا ہے۔ یہ اچھی علامت نہیں ہے، مگر نظام بے چارے کی عقل و خرد کا نظام اگر درست ہوتا تو وہ اب سے پہلے ہی سلطان ٹیپو سے دغا بازی کر کے غلامی کا یہ تنگ ہوتا ہوا پھندہ کیوں اپنی گردن میں ڈالتا۔!

۱۸۲۸ء میں تحریک دلی الہی کے دو راہنما مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم حیدر آباد آئے۔ ان کے کارکن پہلے ہی مدراس، بنگلور، کرنول، ممبئی وغیرہ میں خفیہ طور پر سرگرم تھے۔ مبارز الدولہ کی شرکت نے ان سرگرمیوں میں رُوح بھونک دی۔ کرنول کا نواب غلام رسول خاں (ابن الف خاں) بھی اس تحریک سے وابستہ ہو گیا۔ مبارز الدولہ کی طرف سے تقریباً تمام والیان ریاست کو خطوط لکھے گئے۔ حیدر آباد کے ریکارڈ آفس کے غیر مطبوعہ کاغذات سے اس پر کسی حد تک روشنی پڑتی ہے اور انگریزوں کے خلاف اس تاریخی تحریک کے نقوش نظر آتے ہیں۔ انگریز رزیڈنٹ فرینئر کو اس سازش کا پتہ چل گیا اور ٹھیک اس وقت جب یہ سازشیں میدانِ عمل میں داخل ہونے کو تھیں، مبارز الدولہ، نواب کرنول، مولوی سلیم وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۸۲۹ء میں مقدمہ چلا تو سازش کی ہمہ گیری اور ہوشیاری سے بنائے گئے

جنگی پلان نے سوداگروں کی اس حکمران ٹولی کو حیران کر دیا۔ رزیڈنٹ نے ایک خط میں لکھا تھا:
 ”مبارز الدولہ مقامی اور بیرونی جاگیرداروں سے برابر رابطہ قائم کیے ہوئے
 تھا اور عوام کو تحریک کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔“ ۱

بیس ہزار آدمی سر بکف ہو کر میدان میں آنے کو تیار تھے۔ مدراس میں بھی اس تحریک
 نے جاگیرداروں اور عوام کو آمادہ جہاد کر دیا تھا۔ مبارز الدولہ کے دو خاص کارکن لال خاں اور
 فقیر محمد تمام جاگیرداروں اور نوابوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ اس کے سفیر مختلف جگہوں مثلاً
 گوالیار، شورا پور، لاہور، سندھ، کراچی، بمبئی، میسور، کرناٹک وغیرہ میں خاموشی سے اپنے کاموں
 میں مصروف تھے اور بہت سے ان جگہوں سے گرفتار بھی ہوئے۔ انھوں نے نہ صرف ناگپور اور
 سکندر آباد وغیرہ کی دیسی سپاہ کو بغاوت کے لیے تیار کیا بلکہ والیان ریاست سے خفیہ نامہ و پیام
 بھی کر رہے تھے۔ ٹونک کے نواب وزیر الدولہ کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے جو اس تحریک سے
 وابستہ تھا۔ ۲ مبارز الدولہ کے چند ساتھی جو گرفتار ہوئے اور تحریک کے خاص سرغنہ تھے، یہ
 ہیں :

- ۱۔ مولوی سلیم (مبارز الدولہ کے مشیر اور صلاح کار)
- ۲۔ لال خاں (اصل نام عبدالہادی ساکن انکول)
- ۳۔ سید عباس (ساکن قندھار۔ مبارز الدولہ کا استاد)
- ۴۔ قاضی محمد آصف (سابق قاضی اندور بعد میں مبارز الدولہ کا ملازم)

۱ خط مورخہ مارچ ۱۸۳۹ء حیدر آباد رزیڈنسی ریکارڈ

۲ وزیر الدولہ کے بارے میں غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ”جماعت مجاہدین“ میں تفصیل
 سے لکھا ہے کہ وہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے متاثر تھا۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد
 جو لوگ ٹونک میں پناہ گزیں ہوئے ان کو ایک محلہ ’قافلہ‘ میں بسایا گیا۔

۵۔ الہی بخش (اصل نام افضل علی، مبارز الدولہ کا ملازم)

۶۔ مولانا پیر محمد، ۷۔ فیض اللہ، ۸۔ سید قاسم

مہر نول میں تحقیقات کی گئی تو انعام کا لالچ دینے کے باوجود کسی نے اصل راز نہ بتائے صرف کچھ کاغذات ہاتھ لگے اور کچھ زبانی حالات۔ ایک سمجھ دھم داس گرفتار ہوا جو فقیر کے بھیس میں مہاراجہ جو دھپور کی طرف سے آیا تھا اور والیان ریاست کو متحد کرنے کا کام کر رہا تھا راجہ مان سنگھ۔ راجہ سنار۔ مبارز الدولہ۔ راجہ کیکوڑ۔ نواب باندہ۔ راجہ پٹیا۔ نواب بھوپال وغیرہ سے رابطہ کر کے مقررہ وقت کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ پلان یہ تھا کہ جیسے ہی روسی اور ایرانی فوجیں دریائے سندھ کو پار کریں یہ والیان ریاست بہ یک وقت انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دیں۔ اس کام کے لیے متعدد کارکن اور مولوی فقیروں اور یاتریوں کے بھیس میں مصروف کار تھے۔ جہاں جہاں ممکن ہوا ان مولویوں نے چھاؤنیوں کے قریب مسجدوں میں بسیرا کیا اور نماز کو آنے والے فوجیوں کو اپنے وعظ کے ذریعے اور پمفلٹ تقسیم کر کے جہاد پر آمادہ کرتے رہے۔ وعظ کے ساتھ ہی ایک طویل نظم پڑھی جاتی تھی اور بمبئی کا طبع شدہ رسالہ ”جہاد“ تقسیم کیا جاتا تھا ان کارکنوں کے پاس خاص طرح کی چوڑیاں اور انگوٹھیاں تھیں جن پر مخصوص اشارے کندہ تھے ایسی انگوٹھیاں بھوپال میں بھی بہت سے مسلمانوں کے پاس سے برآمد ہوئیں۔ منصوبے کے تحت رنجیت سنگھ۔ مان سنگھ۔ راجہ جو دھپور۔ شاہ ایران۔ دوست محمد خاں وغیرہ متحد ہو کر اس پلان کو عمل میں لانے والے تھے۔ چوڑیاں اور انگوٹھیاں دکھا کر تحریک کو سرداروں سے ہر جگہ ضرورت کے وقت روپیہ اور سامان سے مدد لی جاتی تھی۔ مبارز الدولہ نے حسین ساگر کے کوٹوال کے

۱۔ یہ نظم اور رسالہ وہی ہے جس کا بغاوت کے دوران الہ آباد کے مولوی لیاقت علی کے بیان میں تذکرہ آیا ہے۔

۲۔ حسین ساگر حیدر آباد سے متصل خوشنما مقام ہے جس کے قریب سکندر آباد میں انگریزی فوج کے سپاہی مقیم تھے۔ یہ وہ امدادی فوج تھی جو عہدہ معاونت کے بعد مسلط کر دی گئی اور جس کے اخراجات کے بہانے نظام کا خون چوس چوس کر کمپنی طاقت و اقتدار کا رنگ لاتی چلی گئی۔

ذریعے وہاں کی سپاہ سے رابطہ قائم کیا۔ اسی طرح بھوپال میں کیا گیا ایک جاسوس شیخ عبداللہ نانوی نیلور بھیجا گیا جس کے پاس سے خط برآمد ہوئے۔ خیال یہ تھا کہ انگریزی فوجیں جب افغانستان پر چڑھائی کرنے کے لیے کشمیر سے ہو کر جائیں گی تو جو دھپور۔ بھوپال اور ممبئی وغیرہ کے لوگوں کے لیے بہترین موقع ہوگا اور وہ حیدرآباد فتح کرنے کے بعد مدراس کی طرف بڑھیں گے اسی مقصد کے پیش نظر مدراس کے ایک مقام اؤگیر کے قلعے میں اناج، ہتھیار اور میگنیزین کا زبردست ذخیرہ جمع کر لیا گیا تھا جس کے لیے مبارز الدولہ نے روپیہ فراہم کیا تھا۔ دو اور گرفتار شدہ کارکنوں مولوی عبدالرزاق اور عبداللہ کے بیانات سے پتہ چلا کہ ممبئی کا محمد یحییٰ بھی شریک تھا اور وہاں ایک فوجی کیپٹن کے ذریعے سپاہ کو بغاوت کے لیے تیار کر لیا گیا تھا۔ مولوی عبدالرزاق کے پاس سے شریف مکہ کا ایک خط بھی برآمد ہوا جو نواب کرنول اور تمام مسلمانوں کے نام پیغام تھا کہ وہ تحریک میں شامل ہوں۔ حیدرآباد کے امراء میں نواب اعظم الدین خاں۔ سراج الدولہ بن منیر الملک کے علاوہ اکبر جاہ۔ سلیمان جاہ۔ میر فضل علی۔ سید عبداللہ۔ راؤ رمبھا وغیرہ بھی تحریک کے حامی تھے اور راجہ چندوالال کے محل پر مشوروں کے لیے جمع ہوتے تھے۔ رنجیت سنگھ نے ایک ہزار سے زائد فوج مبارز الدولہ کے پاس بھیجی جو پوشیدہ طور پر شہر میں جمع ہو رہی تھی اور مبارز الدولہ بھی فوج منظم کر رہا تھا۔ انگریز افسروں کی غیر مطبوعہ خط و کتابت میں اقرار کیا گیا ہے کہ اؤگیر کا قلعہ ہر لحاظ سے بہترین مقام تھا۔ اس علاقے کا جاگیردار رحمت اللہ بھی اس سازش میں شریک تھا۔ مولوی عبدالرزاق، مولوی مہدی اور مولوی نصیر الدین نے وعظ کیے، تقریریں کیں اور جاگیرداروں کو متحد کر دیا۔ انگریزوں کے بیانات میں ہے کہ ”یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حیدرآباد کا تقریباً ہر شخص کھلے طور پر یا خفیہ طور پر ان سازشوں میں کسی نہ کسی طرح شریک تھا“ لے جن لوگوں کے

خطوط مبارز الدولہ کے پاس آتے رہے اُن میں خان عالم خاں (مدراس)، ولایت علی (کلکتہ) عبد الحکیم اور قاضی یوسف (بھنبی) مولوی محمد علی (مراد آباد)، مولوی اسحاق (دہلی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ قاضی آصف اور مولانا پیر محمد نے سندھ جاکر سازش کا جال پھیلایا اور ہر جگہ خلیفہ مقرر کیے گئے۔ کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ دہلی اور اُس کا ولی عہد بھی اس تحریک کے حامی ہو گئے تھے اے اسی زمرے میں رسالہ 'جہاد' شائع کیا گیا۔ الہی بخش کرنول، میسور وغیرہ میں سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ اور لال خاں نے جو بیحد با اثر تھا، حسین ساگر میں قیام کر کے چھاؤنی کی دیسی سپاہ کو سازش میں شریک کیا۔ جب وہاں سے ہٹایا گیا تو مبارز الدولہ کے پاس واپس آ گیا۔ نیلور کی مسجدوں میں اس کے پیغام پڑھ کر سنائے گئے۔ سازش کے انکشاف پر مبارز الدولہ کے ساتھ تقریباً دس کارکن حیدر آباد اور دیگر جگہوں سے گرفتار کیے گئے اور مختلف سزائیں دی گئیں بعض کو ۱۸۵۴ء میں رہا بھی کیا گیا مگر مبارز الدولہ کا ۵ جون ۱۸۵۴ء کو قید (گولکنڈہ فورٹ) میں انتقال ہو گیا۔ انکوائری کمیشن کی رپورٹ میں مبارز الدولہ پر دالیان ریاست سے خط و کتابت، دیسی سپاہ سے سازش اور تحریک دلی الہی سے وابستگی وغیرہ کے الزامات ثابت ہوئے اس رپورٹ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ:

”اُس کی پالیسی اپنے وطن کی بھلائی کے لیے انگریزوں کی مخالفت پر مبنی تھی“

مبارز الدولہ کی مہر میں یہ الفاظ کندہ تھے:

”حامی دین شرع مبین الاسلام والمسلمین عبدالعزیز مبارز الدولہ ۱۲۵۵ھ“

1. Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 pp. 146-153

Hyderabad Affairs vol.5 p. 86-87,4-6

2. Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 p.161

۱۸۴۱ء میں حیدر آباد کے علاقے راجپور میں بھی ایک سازش کا سراغ ملتا ہے جو عرب جمع دار کھران اور ایک برہمن نرسنگھ راؤ کی رہنمائی میں دیودرگ میں ہوئی۔ جب نظام نے فوجی دستے بھیجے تو یہ سپاہی بھی باغیوں سے مل گئے۔ تب رزٹینٹ فریئر نے فوجیں روانہ کیں تاکہ باغی سپاہ کو بادامی کے مضبوط قلعے سے نکالا جاسکے جس پر ان کا قبضہ تھا۔ فریئر نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ وہ لگ بھگ پانچ ہزار تھے، ان کے پاس کافی سامان اور روپیہ تھا، باغیانہ جذبات عوام میں پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ خیال ہے کہ یہ سازش ستارا کے راجہ پرتاپ سنگھ کے اشارے اور امداد پر کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی حیدر آباد میں ۱۸۵۷ء تک مختلف مسلح بغاوتیں ہوئیں ۱۸۱۸ء میں دھرماجی پرتاپ راؤ کی قیادت میں صنلع بیٹر میں سخت ہنگامہ ہوا جس کو کچلنے میں انگریزی فوجوں کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ۱۸۱۹ء میں ناند بیٹر کے ہتکار قبیلے کی شورش میں عرب جوان بھی ان کے ساتھ ہو گئے جن کے قلعے (نواہ) کے محاصرے میں انگریزوں کے متعدد افسر زخمی اور ہلاک ہوئے۔ مشرقی اضلاع سر و پچا اور مہادیو پور میں کوناراؤ کی راہنمائی میں بغاوت ہو رہی تھی، اُدھر رائے چور کے ایک مقام کوپ بال میں ایک زمیندار ویرے پانے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا (۱۸۱۹ء)۔ اگلے ہی سال بیدر کے دیش مکھ قبیلے نے شوالنگپا اور تیرومل کی قیادت میں بغاوت کی۔ ۱۸۲۲ء سے ۱۸۵۷ء تک اورنگ آباد میں مسلسل اور منظم بغاوت ہوتی رہی ۲

محکمہ امور خارجہ کی خفیہ خط و کتابت سے، ہونیسنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہے، پتہ لگتا ہے کہ راجہ نیپال بھی ہندوستانی والیان ریاست کی ان خفیہ سازشوں میں شریک تھا کیونکہ

1. FRASER: Memoirs pp. 117-122

2. BURTON (R.G): History of Hyderabad Contingent p. 74
Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 pp. 87-115

وہاں بھی ۱۸۱۶ء سے نیپال کی شکست کے بعد انگریز رزیڈنٹ دربار میں گھس چکا تھا۔ حیدر آباد کے رزیڈنٹ نے ان سازشوں کی جو سونگ کر مصدقہ اطلاعات کی بنیاد پر خط لکھے گورنمنٹ سکریٹری میڈوک نے ۱۸۲۹ء میں راجگان لیکوآڑ۔ ستارا۔ حیدر آباد۔ جودھپور۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ۔ اودے پور۔ جے پور۔ برما۔ ہرات وغیرہ کے درمیان سازش کے لیے نامہ و پیام کی اطلاعات فراہم کی تھیں۔ ایک اور افسر تھامس نے ۱۴ فروری ۱۸۳۹ء کو لکھا کہ گوسائیں پنڈت اور ہرکارے جو نیپال سے بھیجے گئے، مختلف جگہوں پر خفیہ کاموں میں مصروف ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں نیپالی برابر بنارس اور پٹنہ وغیرہ میں آرہے ہیں، تقریباً پانچ سو کا پتہ چل سکا۔ ایک غازی پور میں پکڑا گیا جس کے پاس خطوط برآمد ہوئے لیکن یہ تمام سازشیں میدانِ عمل میں آنے نہ پائیں۔

بنگال کی تحریکیں : سیاسی اور سماجی حالات کے ساتھ مذہبی جذبات نے بھی انگریز دشمنی کا سامان مہیا کیا۔ خصوصاً مسلمانوں کے جذبات ہمیشہ انگریزوں کے خلاف مشتعل رہے چنانچہ مذہبی اصلاح کے ساتھ ہی ملک کی آزادی کے لیے اُنھوں نے مختلف تحریکیں چلائیں۔ ولی اللہی تحریک بھی اسی طرح کی ہمہ گیر تحریک تھی جس سے بنگال جیسے دور دراز علاقے بھی بچے نہ رہے اور یہاں مولوی ولایت علی مولوی عنایت علی اور میر مٹھن عرف ٹیٹو نظام نے ۱۸۵۷ء تک سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۸۵۷-۵۸ء ہی سے یہاں مذہبی اصلاح کی مختلف تحریکیں تھیں جو مجنوں شاہ کی سرگردگی میں تھیں۔ جس کے انتقال (۱۸۷۷ء) پر اس کا بیٹا چراغ علی شاہ لیڈ رہا تحریک کا مرکز نیپال کے جنوبی علاقے مکھوان (کھٹنڈو) میں تھا۔ بھوانی پاٹھک اور دیوی چودھرائی بھی شریک تھے۔ اُنھوں نے انگریزی مرکڑوں پر حملے کیے، پٹھان، راجپوت اور

برطرف شدہ سپاہی ہمراہ ہو گئے اور ۱۸۱۰ء تک یہ شورش جاری رہی۔ لارڈ منٹون نے ۱۸۱۰ء میں تحریک کی ہمہ گیری اور خطرے کا اقرار کیا تھا۔ اے شنکر آچاریہ کے پیلوں کی سنیا سی تحریک بھی میر قاسم کے عہد سے انگریزوں کے خلاف تھی ۱۷ گری سنیا سی فرقے نے بغاوتیں کیں اور انیسویں صدی کے شروع تک جاری رہیں۔ ایک تحریک ”پاگل بنتھی“ کے نام سے مشہور ہے جس کے لیڈر کرم شاہ اور پھر اس کا بیٹا ٹیٹو شاہ تھے جنہوں نے آزادی کا اعلان کیا تھا، ۱۸۲۲ء میں قابو پایا جاسکا ٹیٹو ۱۸۵۲ء میں بمقام جندہ فوت ہوا۔ ایک اور تحریک خرائضی تحریک ہے جو مذہبی اصلاح کے علاوہ سماجی اور سیاسی رنگ لیے ہوئے تھی، ولی اللہی تحریک سے متاثر تھی، حاجی شریعت اللہ (۱۷۸۱ء - ۱۸۴۰ء) کی رہنمائی میں تھی۔ شریعت اللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد حسن عرف دادو میاں لیڈر ہوا جس نے ٹیکس نہ دینے کی مہم چلائی، کسانوں کو شریک کر لیا، عدالتیں قائم کیں اور دور تک تحریک کو پھیلا دیا تھا۔ تحریک ولی اللہی کے رہنماؤں سے اس تحریک کو مدد اور تقویت پہنچی جن میں مولوی ولایت علی عنایت علی اور ٹیٹو نظام قابل ذکر ہیں۔ ٹیٹو کو تو ۱۸۲۱ء میں پھل دیا گیا مگر دوسرے رہنماؤں نے ۱۸۴۰ء تک سرگرمیاں جاری رکھیں۔ چنانچہ گورنر بنگال نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ مشکل سے کوئی ضلع بچا ہوگا جہاں یہ خطرات موجود نہ ہوں۔ ہنٹر نے اپنی کتاب ”ہندوستانی مسلمان“ میں ان حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۱۷۸۲ء میں بنگال کے بعض اضلاع رنگ پور اور دیناچپور میں عوام نے بغاوت کی۔ مغربی بنگال میں بیربھوم اور بشنو پور کے راجاؤں سے ۱۷۸۹ء میں تصادم ہوئے جس کے اثرات بہت عرصے تک باقی رہے۔ اس کے بعد بنگال کے پہاڑی قبیلوں کی بغاوتیں ہوئیں۔ مدنا پور

1. GOSH (J.M) : Sanyasi and Faqir Raiders.....10
MUINUDDIN : History of Faraizi Movement Bengal
1818-1906 (pub. 1965)

۱۷ سنیا سیوں کے مسلح دستے ”گوسائیں“ کے نام سے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ بھی تھے جو پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے جنگ کرنے گیا تھا۔

کے بھوج قبائل اور وال بھوم کے راجہ جگناتھ دھال کی رہنمائی میں ۱۷۷۷ء میں بغاوت ہوئی جس میں قرب و حوالہ کے راجہ شامل تھے۔ یہ حالات تیس سال تک جاری رہے ۱۸۳۲ء میں ان قبیلوں کا سردار گنگا نرائن تھا۔ جس نے زبردست بغاوت کی، سرکاری وفات پر حملہ اور بارہا بھوم پر قبضہ کیا، بڑے سیمانے پر فوجی کارروائی کی گئی مگر لمبے عرصے تک بغاوت جاری رہی یہ ۱۸۵۵ء میں سنتھال قبیلوں کی بغاوت ہوئی۔ بارہا بھوم میں ۱۷۹۹ء اور سلہٹ میں ۱۷۸۷ء میں بغاوت ہوئی۔

بہار کی سازشیں ۱۸۲۵-۲۶ء میں بہار میں انگریزوں کے خلاف ہمگیر سازشیں شروع ہو چکی تھیں۔ دسمبر ۱۸۲۵ء میں ایک جمہور کے ذریعے یہ سراغ ملا۔ پٹنہ کے نہ صرف بڑے جاگیردار بلکہ پولیس کے افسر اور سپاہی بھی شریک تھے۔ فرسٹ رجمنٹ کا منشی پرنخش روپیہ تقسیم کر رہا تھا جسے ۲۲ دسمبر کو گرفتار کیا گیا اس کے پاس باغیانہ خطوط اور رجسٹر وغیرہ برآمد ہوئے، نیوریا کے زمیندار راحت علی سے نامہ و پیام کا سراغ ملا جسے ۲۵ دسمبر کو پکڑ لیا گیا، یہ شخص میر عبد اللہ کے ہمراہ ۱۸۲۹ء میں ایک مظاہرے کی رہنمائی کر چکا تھا جو وقف جائداد پر سرکاری قبضے اور عیسائیت کی تبلیغ وغیرہ کے بارے میں ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ دہلی کا ایک مغل اکثر اس کے پاس آتا تھا جو بظاہر کتب فروش تھا۔ راحت علی کے گھر (محلہ سبزی باغ پٹنہ) پر جو کاغذات ملے اُن سے سہسرام کے کبیر الدین کا نام بھی سامنے آیا۔ پرنخش سے پوچھ گچھ پر پتہ چلا کہ اصل سرغنہ خواجہ حسین علی ہے ۲۷ مگر وہ ہاتھ نہ آیا اور پٹنہ کے دروغہ کوٹ گشت میر باقر کی ہوشیاری سے محفوظ رہا جو خود بھی خفیہ تنظیم کا کزن تھا۔ حسین علی ۸ اکتوبر ۱۸۲۶ء کو مجسٹریٹ کے

۲۷ خواجہ حسین علی چند سال سے گوالیار میں ملازم تھا اور بطور وکیل ریاست کلکتہ میں بھی رہ چکا تھا۔ بہار کے جسٹس محمد نور خواجہ موصوف کی اولاد میں تھے۔

سامنے خود ہی آگیا مگر ثبوت مہیا نہ ہونے کی بنا پر ۲۷ کور ہا ہوا۔ مجسٹریٹ کو یہ بھی پتہ چلا کہ پٹنہ کے متعدد با اثر لوگ اور زمیندار اس تحریک سے وابستہ ہیں۔ اے ایک افسر اس سازش کے بارے میں لکھتا ہے :

”مسلمان شرفا نے ستلج کے کنارے ہماری قسمت کو فیصلہ کن موڑ پر دیکھ

کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ کچھ دیسی فوجی افسروں کو بھی ورغلانے میں

کامیاب ہو گئے جو دینا پور میں مقیم تھے۔“

پٹنہ ڈویژن کے کمشنر ٹیلر نے اگست ۱۹۵۷ء میں لکھا تھا :

”یہ سازش ایک بہت بڑی سازش کا صرف ایک حصہ تھی جس میں پٹنہ

اور آس پاس کے بہت سے مسلمان ملوث تھے۔“ ۱

کمشنر پٹنہ کے ریکارڈ روم میں موجود دستاویزوں سے اس سازش پر مزید روشنی پڑتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کنور سنگھ بھی اس میں شریک تھا۔ وہ پٹنہ آتا رہتا اور راحت علی سے رابطہ قائم رکھے ہوئے تھا۔ راحت علی نے ہی شیخ پیر بخش سے رابطہ قائم کیا جس کے ساتھ پنڈت درگا پرشاد کے ذریعے یہ سازش کی گئی۔ رجمنٹ کوچہ ماہ کی تنخواہ کا وعدہ اور بغاوت کی تاریخ مقرر کی گئی۔ منشی اور پنڈت کی گرفتاری پر کچھ با اثر لوگوں اور زمینداروں کے خط براہمد ہوئے جن میں راحت علی اور حسین علی خاں کے خط بھی تھے۔ ۲

1. DATTA (K.K.) : Kunwar Singh 62

Anti-British Plots.....23

Freedom Movement in Bihar 3

2. Our Crisis quoted by Datta in FMB, 4-7

HALL (J.J.) : Two Months in Arrah 58

۳ راحت علی زمیندار ساکن نیور یا سر علی امام کے بزرگوں میں تھے اور ایم ضمیمہ الدین سابق پرنسپل پٹنہ لا کالج کے دادا تھے۔ یہ خطوط پٹنہ فوجداری ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

مولوی نیاز علی افسر قانون، برکت اللہ وکیل سرکار سول کورٹ، میر باقر دروغہ کوٹ گشت وغیرہ
 برخواست کیے گئے۔ مولوی علی کریم پر بھی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ تھا۔ پولیس جمع دار
 حسن علی خاں پر بھی شبہ تھا جسے ۱۸۵۷ء میں پھانسی ہوئی۔ اس سازش میں بے شمار شہریوں، مہاجروں
 اور کچہری کے ملازمین نے سر دھڑکی بازی لگانے کا عہد کیا تھا۔ راجاؤں اور زمین داروں سے نامہ و
 پیام ہوا اور راجہ نیپال اور شاہ دہلی سے بھی مدد لینے کا پلان بنایا گیا۔ ساری اسکیم سون پور کے
 میلے میں بمقام ہری ہر چھترا، حسین علی کے خیمے میں تیار ہوئی، اسی کے تحت سیف علی نے
 جو خود کو شاہ دہلی کا پیغام بر بتانا تھا، دانا پور کی دیسی سپاہ میں بغاوت پھیلا نا شروع کر دی۔
 فوجیوں سے رابطے کا ذریعہ یہی شخص تھا۔ وہ ۲۳ دسمبر ۱۸۵۷ء کو لا پتہ ہو گیا۔ اس اسکیم کے
 مطابق میر باقر کو سیگولی کی دیسی سپاہ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ڈوراٹا
 اور ہزاری باغ میں بھی اسی طرح کوشش کی گئی۔ راجہ نیپال مدد کے لیے تیار تھا۔ کہا جاتا ہے
 کہ کنور سنگھ نیپال بھی گیا تھا۔ ملک خادم علی مختار کی تلاشی پر وہ خط براہمد ہوئے جو کنور سنگھ
 نے خواجہ حسین علی، خادم علی، برکت اللہ اور میر عبد اللہ وغیرہ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط ایک
 کنویں سے نکالے گئے۔ کچھ اور لوگوں کا بھی پتہ چلا جن میں بابو مودنرائن، راجہ کاری، اسکا
 دیوان منشی چراغ علی کے علاوہ ترہٹ کے صدر امین ہدایت علی، اشرف حسین، مولوی نیاز
 علی وغیرہ تھے۔ درجنگ، بیہٹیا، ہٹوا وغیرہ کے راجے، تمام بااثر زمیندار، سوداگر، مہاجن
 بھی شامل تھے۔ دسمبر ۱۸۵۷ء جنوری ۱۸۵۸ء میں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے شاہ آباد کے کلکٹر
 کو کنور سنگھ کے بارے میں خط بھی لکھا مگر خطرناک نتائج کے خوف سے کاروائی نہ ہو
 سکی حسین علی ترہٹ کے موضع بری میں مقیم ہوا اور سکھ چنڈ جہا جن کو خط لکھے حسین
 علی کے نیپال جانے کی بھی تجویز تھی۔

تحریک ولی اللہی بہار کی ایک اور باغیانہ تحریک وہ ہے جسے انگریزوں نے
 ”دہلی تحریک“ کا نام دیا اور اکثر جگہ آج تک اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس تحریک

اور اس کے رہنماؤں پر متعدد ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے سے تمام ملک میں پھیلی اور بہت بعد تک رہی اس لیے ہم ذرا تفصیل سے بہار کی بغاوت کے حالات میں بیان کریں گے۔

پنجاب ۱۸۴۵-۴۶ء میں یعنی پنجاب کی جنگوں کے دوران اور اس کے کچھ بعد پنجاب میں سازشوں اور بغاوتوں کا سراغ ملتا ہے۔ ملتان میں زبردست عوامی بغاوت ہوئی جس کا سرغنہ مول راج تھا۔ ۱۸۴۹ء میں ان تمام علاقوں میں انگریزوں کے خلاف ہمہ گیر سازش موجود تھی۔ لیتھ برج نے لکھا ہے کہ :

”اول اول انگریز یہ سمجھتے تھے کہ بغاوت صرف ملتان ہی کے اندر ہے مگر چند روز ہی میں یہ آگ دور تک پھیل گئی۔ لاہور کے تمام انگریزوں کو قتل کرنے کے لیے ایک سازش ہو رہی تھی جو انہی دنوں پکڑی گئی۔ مہارانی چندر کور سازش میں شریک تھی اس لیے اُسے قید کر کے بنارس بھیج دیا گیا،“ ۱

اس سازش کا حال دیہی پرشاد نے ”گلشن پنجاب“ میں بیان کیا ہے۔ دلیپ سنگھ کی ماں چندر کور کا منشی گزگارام پیش پیش تھا جس نے انگریزی فوج کے دیسی سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ تاریخ کا فیصلہ بھی ہو گیا تھا مگر عین وقت پر راز کھل گیا۔ مول راج کے علاوہ باغیوں کے راہنما سردار چتر سنگھ۔ راجہ مشیر سنگھ اور اتر سنگھ بھی تھے (۱۸۴۵ء - ۴۸ء)۔ انگریزی حکام کی یادداشتوں میں اعتراف کیا گیا ہے کہ چتر سنگھ نے بغاوت کو بڑے پیمانے پر قومی جنگ کے روپ میں منظم کیا۔ باغی سردار اٹاری میں نظر بند کیے گئے مگر برابر باغیانہ خط و کتابت کرتے رہے تو جنوری ۱۸۵۰ء میں الہ آباد

اور پھر کلکتہ بھیج دیئے گئے ۱۔ راول پنڈی میں لکھنؤوں کے قبیلے منڈلہ کے سردار نادر خاں نے راجہ
پشوار سنگھ کی حمایت میں بغاوت کی لیکن جلد ہی کچل دی گئی۔ نادر خاں کو پھانسی ہوئی (۱۸۵۲ء) ۲۔
سرچارلس نیپٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۵۰ء میں ہی پنجاب کی پوری فوج میں بغاوت کا زہر
سرایت کر چکا تھا۔

وسط ہند۔ راجپوتانہ وغیرہ کیپٹن اوٹرم نے ۱۸۲۵ء میں گجرات وغیرہ علاقوں کا
دورہ کیا، اپنی رپورٹ میں یہاں کے تعلقہ داروں اور جاگیرداروں کو بغاوت پر کمر بستہ بتایا ہے
اس رپورٹ میں کچھ اور کاٹھیاوار علاقے کی بعض بغاوتوں کا تذکرہ بھی ہے جو ۱۸۱۵ء سے
۱۸۳۲ء تک جاری رہیں۔ یہاں واگھیر قبیلے بغاوت کر رہے تھے، عوام نے پورا ساتھ دیا اور
انگریزی حکومت سے قطع تعلق کیا۔ ۳۔

بندیل کھنڈ پر انگریزی قبضے (۱۸۰۲ء) کے بعد اس علاقے میں تقریباً دیرپھ سو
قلعے دار اور سرداروں (خصوصاً کالجھر کے) نے سخت بغاوت کی۔ اجمے گڑھ کے لکشمین راؤ کو جب
قید کیا گیا تو اس نے درخواست کی کہ مجھے توپ سے اڑا دو۔ ۱۸۰۹ء میں خان دیش کے بھیلی
بغاوت پر اٹھے اور ۱۸۴۴ء تک بار بار بغاوت ہوئی۔ کوئی قبیلے نے ۱۸۲۸ء، ۱۸۳۹ء،
۱۸۴۲-۴۸ء میں بغاوتیں کیں جو ۱۸۵۰ء تک جاری رہیں۔

راجپوتانہ کے علاقے مرہٹوں کے ماتحت رہے لیکن کمپنی کے زیر اقتدار آنے پر
راجپوت برابر بغاوت کرتے رہے۔ بودھپور کا راجہ مان سنگھ سازشوں میں شریک تھا، کوڑے
میواڑ۔ مارواڑ کے جاگیرداروں کی سازشیں اور سرگرمیاں برابر جاری رہیں ان کے تفصیلی حالات

۱۔ نوازش علی: تذکرہ رؤسائے پنجاب (۱۹۱۱ء) ترجمہ پنجاب چیفس۔ ۸۳۱

۲۔ بھگوان داس: تاریخ رؤسائے پنجاب۔ ۲۲۹

سے انلازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف کس قدر شدید نفرت کے جذبات تھے۔ کوی راج بانکی داس اور سوریمل مصرا وغیرہ کی کوتاؤں میں اس باغیانہ رجحان کے آثار نظر آتے ہیں ۱

گوالیار کی بیجا بائی (زوجہ دولت راؤ سندھیا) ۱۸۳۸ء سے ہی انگریزوں کے خلاف سازش کر رہی تھی چنانچہ کرنل ڈورنیلڈ نے ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ ”وہ عملی طور پر ہماری حکومت کے خلاف سرگرم تھی۔“ ساتھ ہی پنڈتوں کا ایک گروہ (دکنی پنڈت) عوام کو بغاوت پر آمادہ کرتا رہا۔ ۲

اودھ اور روہیلکھنڈ اودھ اور روہیلکھنڈ کے علاقوں میں بھی شورش کے آثار سازشیں اور بغاوتیں ہوتی رہیں۔ نواب اودھ نے جب ایک انگریز کرنل ہنری کو ملازم رکھا (۱۷۷۸ء) اور گورکھپور۔ بہرائچ۔ بستی وغیرہ ضلع اس کے زیر انتظام دیدیئے تو کرنل نے مظالم کی انتہا کر دی جس سے یہ علاقے تباہ ہو گئے اور عوام بغاوت پر مجبور ہوئے۔ زمین داروں نے ہتھیار سنبھالے اور چند قلعوں پر قبضہ کیا۔ دوسری جہد و جہد اودھ کے نواب وزیر علی کی ہے جو تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اُسے ۱۷۹۹ء میں تخت سے اتار دیا گیا۔ اُس نے راجپوتوں، مرہٹوں اور مسلمان والیان ریاست کی مدد سے انگریزوں کے خلاف سازش کی۔ گوالیار کے سندھیا اور کابل کے زماں شاہ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ نواب مرشد آباد اور ڈھاکہ کے تعلقہ دار بھی شریک تھے۔ وزیر علی کے تخت سے اتارنے جانے پر بغاوت ہوئی۔ اسے گرفتار کر کے ولیور بھیج دیا گیا۔

1. TARACHAND : Vol. 2, p. 19-20

2. SRIVASTAVA : Revolt in Central India 31-32

بریلی میں ۱۸۱۴ء میں ایک نوجوان ریزہ بغاوت ہوئی جس میں مفتی محمد عیوض نے خود حصہ لیا اور بغاوت کے حق میں فتویٰ دیا۔ اس جدوجہد میں مفتی موصوف زخمی ہوئے۔ نہ صرف بریلی بلکہ سیلی بھیت، رام پور، شاہجہانپور وغیرہ سے صرف دو دن کے اندر ہزاروں تعداد میں مسلح آدمی بریلی پر چڑھ آئے (ان کی تعداد پندرہ ہزار بتائی جاتی ہے)۔ ۲۱ اپریل ۱۸۱۴ء کو ایک انگریز قتل کر دیا گیا اور انگریزی دستوں کو شکست ہوئی تو باہر سے فوجیں بلا کر باغیوں کو پکایا گیا۔ یہ تصادم پرانے شہر میں حضرت شاہ دانا ولیؒ کے مزار کے قریب ہوا جو باغیوں کا مرکزی مقام تھا۔ مفتی عیوض ٹونک چلے گئے۔

سہارن پور میں ۱۸۱۳ء میں گوجروں نے بغاوت کی پھر سازش ۱۸۲۲ء میں کی گئی۔ ڈسٹرکٹ گزٹیر (جلد ۱- ص ۲۷۳) میں یہ ذکر ملتا ہے کہ دو آبہ علاقے میں بڑے پیمانے پر بغاوت کا پلان تھا لیکن راز کھل گیا۔ اگرہ میں ۱۸۴۷ء میں مسلمان علماء نے سازش کی جس میں مولانا احمد اللہ شاہؒ رہنما تھے اس کی تفصیل ہم اگرہ میں بغاوت ۱۸۵۷ء کے حالات میں پیش کریں گے۔

دہلی میں ۱۸۵۲ء میں انگریزوں کے خلاف سازش کا پتہ چلتا ہے جس کی خبر اخبار ”ہندو پٹریاٹ“ میں شائع ہوئی تھی۔ اس سازش میں بہادر شاہ، جواں بخت اور دیگر مراد شامل تھے۔ یہ لکھنؤ میں بھی پہنچائی گئی۔ کمشنر کی رپورٹ کے بموجب سازش کو اس قدر پوشیدہ رکھا گیا کہ انگریزوں کو ہوا بھی نہ لگنے پائی صرف چند اشارات ظاہر ہوئے۔
ستارا کے رانگو بالو جی ریاست ستارا کا رانگو بالو جی، جو تقریباً تیرہ سال (۱۸۴۰-۵۲ء) انگلینڈ میں رہ چکا تھا، انقلابی سازشوں کا روح رواں تھا۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران

عظیم اللہ خاں بھی وہاں مقیم تھا جسے نانا صاحب نے بحیثیت وکیل بھیجا تھا۔ رانگو باپو وہاں ستارا کے راجہ پر تاپ سنگھ کا وکیل تھا۔ اُس نے اپنی جدوجہد کو قانونی روپ دیا، انگریزی سیکھی، ممبران پارلیمنٹ سے رابطہ قائم کر کے انھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جاہلانہ کاروائیوں سے آگاہ کیا۔ لی گرانڈ جیکب نے اپنی کتاب ”ویسٹرن انڈیا“ میں لکھا ہے کہ رانگو، باپو جی نے ستارا کے حالات اور نانا صاحب سے رابطے کا فائدہ اٹھا کر زبردست سازش کی بنیاد ڈالی وہ پرتی میں مقیم تھا اور مسلح بغاوت کی اسکیم بنا رہا تھا۔ سرکاری کاغذات میں ان حالات کی کسی قدر تفصیل ملتی ہے۔ اسٹوارٹ الفنسٹن نے گوا کے پرتگالی حکام کو لکھا تھا کہ ”ستارا میں پورے پین افسروں کو قتل کرنے کی سازش کا انکشاف ہے جس کا اصل سرغنہ رانگو باپو جی ہے جو غالباً پرتگالی علاقے میں پوشیدہ ہے اس لیے میری درخواست ہے کہ اسے گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دیا جائے ہم اس شخص کی سرگرمیوں کی تفصیل بھیج رہے ہیں“ اسی طرح ستارا کے مجسٹریٹ کے خط بنام انڈرسن سکریٹری گورنمنٹ بمبئی مورخہ ۷ جولائی ۱۸۵۷ء میں بتایا گیا ہے کہ ستارا سے طے شدہ اسکیم کے تحت کچھ لوگ جمع کیے گئے مگر راز کھل جانے پر تیرہ آدمی پکڑ لیے گئے۔ ایک چپراسی گرفتار ہوا جو فوج کے صوبے دار کو سازش اور بغاوت کے لیے آمادہ کر رہا تھا تاکہ جب ستارا کے انگریزوں پر حملہ کیا جائے تو یہ لوگ مقابلہ نہ کریں۔ جب اس کو پھانسی دی گئی تو اس نے اپنے ہم وطنوں کو اس طرح للکارا:

”آج انگریز اُس وقت سے کہیں زیادہ مصیبت میں ہیں جب ان کے قدم اس سرزمین پر آئے تھے۔ میرے ساتھ میرے ہم وطنوں نے غداری کی اور پھانسی دلوائی ہے۔ لوگو! عمل اور حرکت کا وقت آگیا۔“

۱ خط مورخہ ۶ جولائی ۱۸۵۷ء جو گوا آرکائیوز میں موجود ہے بحوالہ مسٹر شرود کار کا مقالہ جس کا حوالہ دیا گیا۔ (غیر مطبوعہ)

اگر تم ہندوؤں اور مسلمانوں کی اولاد ہو تو ضرور اٹھو گے اور اگر عیسائیوں کا
تنم ہو تو خاموش رہو گے، ۱

اس سازش کے انکشاف کے بعد بالو جی غائب ہو گیا (جون ۱۹۵۷ء)۔ کے سی تھیکر
نے اپنی مرہٹی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ ۱۸۷۱ء تک زندہ تھا۔ ستارا کے سترہ باغی سرداروں
کو پھانسی ہوئی جس میں اسکا بیٹا سیتا رام بالو جی بھی شامل تھا۔ ۲

فوجی بغاوتیں جنگ بکسر کے بعد (۱۸۷۴ء) فوجی بے چینی سب سے پہلی فوجی بغاوت تھی
ایک پوری بٹالین جو پٹنہ میں نواب میر قاسم کے مقابلے میں تھی، اپنی جگہ چھوڑ کر نواب سے
ملنے والی تھی۔ لہذا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور ۲۴ افسروں کو توپ سے اڑا دیا گیا ۱۸۷۴ء میں دو
بار فوجی شورش ہوئی۔ ویلور کی بغاوت (جولائی ۱۸۰۷ء) ایک اور خطرناک واقعہ تھی۔ جہاں
نئی فوجی اصلاحات اور مذہبی مداخلت کے خلاف بغاوت ہوئی۔ دیسی سپاہ نے یہاں ٹیلیو
سلطان کا شیر کا نشان والا جھنڈا فصیل پر لہرایا اور دین دین کے نعرے لگائے گورہ فوج کو
شکست دی۔ ارکاٹ سے فوج بلا کر انھیں پسپا کیا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں جنگ برما کے موقع پر
بغاوت ہوئی اور کمانڈر انچیف نے بارکپور پہنچ کر پوری بٹالین کا صفایا کیا۔ میران سندھ پر
حملے کے بعد ۱۸۴۴ء میں فوجی بغاوت ہوئی۔ مارشس مین لکھتا ہے :

”الحاق سندھ کا خدائی انتقام بھی ساتھ ہی نازل ہوا۔ دیسی فوجوں کی
وفاداری اور اطاعت شعاری میں بڑا فرق پڑ گیا اور اس بغاوت کی

1. Freedom Struggle U.P. Vol.1, p. 362-66.

2. Source Material for History of Freedom

Movement Vol. 1, p. 153 from Bombay Govt. Records.

۳ کے سی تھیکر کی مرہٹی کتاب ’رائگو بالو جی‘ (۱۹۴۸ء)

داغ بیل پڑ گئی جس نے تیرہ سال بعد تمام دیسی فوجوں کا صفایا کر کے رکھ دیا۔“ ۱

فروری ۱۸۴۲ء میں ۲۴ پلٹن نے سندھ جانے سے انکار کیا۔ جنگالی رسالے اور توپ خانے نے بھی ایسا ہی کیا ۶۴ رجمنٹ نے لدھیانہ، مدکی اور شکارپور میں بغاوت کی۔ مدراسی فوجوں نے بھی سندھ جانے سے انکار کیا اور یہ بھی مارش مین سے ہی سن لیجے کہ:

”اُن کی سمجھ میں یہ انصاف اور قاعدہ کسی طرح نہ آتا تھا کہ اُن کا بھتہ صرف اس لیے بند کر دیا جائے کہ اُنھوں نے اپنے آقاؤں کی سلطنت میں ایک نئی مملکت کا اضافہ کر دیا تھا،“

اس کے بعد بہار میں فوجی بغاوت ہوئی جہاں مسلمان علماء جہاد کا پرچار کر کے سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کر رہے تھے۔ پنجاب کی جنگوں کے بعد سپاہ کے بھتے کاٹ دیئے گئے جس کے خلاف سخت شورش راولپنڈی، وزیر آباد، جھیلیم اور گوندگڑھ کی فوجوں میں نمودار ہوئی (۱۸۴۹-۵۰ء)۔

فوجی شورشوں کے پس منظر میں سماجی، سیاسی اور مذہبی اسباب کے علاوہ کالے اور گورے سپاہیوں میں امتیاز (جس پر ہم نظر ڈال چکے ہیں) سہولتوں کی کمی، بھتہ اور پنشن کے مسئلے، ملازمت کی عارضی کیفیت، وعدہ خلافیاں، عہد شکنی کی مسلسل روایات نے بد اعتمادی پیدا کی۔

حیدر آباد اور دوسرے دکھنی علاقوں میں بھی ۱۸۵۷ء تک بار بار فوجی بغاوتیں ہوئیں۔ مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ۱۸۱۱ء میں نظام کے دستوں میں شورش کیپٹن گورڈون کی درگت بنی۔

۲۔ ۱۸۱۲ء۔ کیپٹن کلارک کے خلاف نظام آباد میں بغاوت

۳۔ ۱۸۲۷ء۔ مومن آباد میں کرنل ڈیوس پر حملہ

۴۔ ۱۸۴۲ء۔ سکندر آباد کی 'امدادی فوج' میں بغاوت

۵۔ ۱۸۵۱ء۔ اورنگ آباد کی کنٹینٹ فورس میں شورش

۶۔ ۱۸۵۵ء۔ بولارم میں بغاوت اور میکنیزی پر حملہ

۱۸۴۲ء میں 'امدادی فوج' کا، جو حیدر آباد میں مقیم تھی، بھٹہ اچانک کاٹ دیا

گیا تو تمام دھنی علاقوں میں بے چینی پھیل گئی۔ اگرچہ زرڈینٹ فرنیئر کے خیال میں بھی یہ سخت نا انصافی کی بات تھی مگر انگریز حکمرانوں کی طرف سے اسے بھی ڈانٹ پڑی اور دیسی سپاہ سے سختی کرنے کے حکم جاری ہوئے اور باغیوں کا کورٹ مارشل ہوا۔ ۱۸۵۱ء میں ذوالفقار علی بیگ پر اورنگ آباد میں ایک فوجی شورش کے الزام میں مقدمہ چلا جس کی تفصیلات اس حقارت آمیز برتاؤ پر روشنی ڈالتی ہیں جو دیسی سپاہ کے ساتھ کیا گیا۔ فرنیئر نے اپنی یادداشت کتابی صورت میں مرتب کی اور ان واقعات کی تفصیل بیان کی ہے۔ بولارم کی کہانی مختصراً یوں ہے کہ ایک افغانی سپاہی کو جو عیسائی ہو گیا تھا، پر چار کے لیے بارکوں میں بھیجا گیا مگر سپاہیوں نے پتھر برسائے اور نکال دیا۔ اس دوران سپاہ کا ایک گروہ نعرے لگاتا ہوا بریگیڈیر میکنیزی کے مکان پر پہنچا اور اس کے پُر غرور برتاؤ پر مسلح سپاہ کا ہجوم میکنیزی پر حملہ آور ہوا۔ سپاہی "دین دین" کہتے ہوئے نکل آئے، غلام قادر ان کا رہنما تھا۔ آخر کار سکندر آباد سے فوج طلب کر کے اسے گرفتار کیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۱ ستمبر ۱۸۵۵ء (محرم) کا ہے۔ ۱

۱۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: 1. Freedom Struggle in Hyderabad Vol. 1
TARACHAND : Vol. 2

FRASER : Memoirs 398

Hyderabad Affairs Vol. 5

خطرے کا احساس | تمام ملک کے حالات انگریز افسروں کو بھی آنے والے طوفان کا احساس دلا چکے تھے۔ سرچارلس نیپئر نے تو ۱۸۵۵ء ہی میں بیان کر دیا تھا کہ باغیانہ رجحان پنجاب کی فوج میں سرایت کر چکا ہے۔ خود ڈلہوزی نے فروری ۱۸۵۶ء میں کہا تھا کہ

”سرکشی اور بناوت زمینیں بخارات اور بھاپ کی طرح اٹھ سکتی ہے اور تمام جنگوں سے زیادہ ظلم و تشدد میں وہ لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں جو عین اُس دن تک جس دن اُن کے خون میں اُبال آیا، نہایت معصوم، بے ضرر اور بودے نظر آتے رہے ہوں“ ۱

اگست ۱۸۵۶ء میں لارڈ کینگ نے ڈائریکٹرز کی الوداعی پارٹی میں اس خطرے کے آثار کا اظہار کیا تھا۔

اشتہارات اور جہاد کے رسالے | بناوت کی تیاری کے لیے ملک میں پیہم کوششیں کی گئیں اور اعلانات اور اشتہارات شائع کیے گئے۔ بعض مؤرخوں نے ایک اشتہار کا ذکر کیا ہے جو کسی ایرانی شہزادے کے خیمے سے جنگ ایران کے زمانے میں برآمد ہوا جس میں ایران اور افغانستان کے حالات بتاتے ہوئے انگریزوں کے خلاف جہاد کی دعوت دی گئی تھی۔ بہر حال، یہ ضرور سچ ہو سکتا ہے کہ جنگ ایران کے دوران شاہ ایران نے بہادر شاہ سے خط و کتابت کی اور ایک نمائندہ دہلی سے ایران بھیجا گیا۔ اسی زمانے میں کچھ اشتہارات دہلی میں چسپاں کیے گئے۔ جامع مسجد کے دروازے پر ایک اشتہار پایا گیا جس میں ڈھال اور تلوار کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ شاہ ایران عنقریب آنے والے ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ انگریزوں سے جہاد کے لیے تیار ہو جائیں۔ مشکاف نے بہادر شاہ کے مقدمے میں بیان

دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس پر پانچ سو مسلمانوں نے جہاد پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بغاوت سے چند روز پہلے بھی ایک اشتہار جامع مسجد میں چسپاں کیا گیا جس میں بغاوت کی جانب اشارہ تھا۔ دہلی میں دوسری جگہوں پر بھی اشتہارات لگائے گئے ان کا ذکر اس دور کے اخبارات میں بھی ملتا ہے۔ سادر کرنے دہلی کے عوام کے جذبات اور اشتہارات کا ذکر کیا ہے اے۔ لکھنؤ میں ایک اعلان چسپاں کیا گیا —

”ہندو مسلمانو! متحد ہو کر اٹھو اور ایک ہی بار ملک کی قسمت

کا فیصلہ کر دو کیوں کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکال دیا تو تمہارے لیے جانیں

پچانے کا بھی موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ آخری موقع ہے۔ اب یا کبھی نہیں“

اس طرح کے اشتہارات روزانہ لگائے جاتے بعد میں معلوم ہوا کہ اشتہارات لگانے

والوں کا پتہ کیوں نہیں چلتا — پولیس بھی ان خفیہ انقلابی کارروائیوں میں شریک تھی۔

اشتہارات پورے ملک میں چسپاں کیے گئے۔ مدراس کے ایک اشتہار میں لکھا تھا —

”ہم وطن اور مذہب کے شیدائیو! — تم سب ایک ساتھ اٹھو۔ فرنگیوں

کو نیست و نابود کرنے کے لیے جنہوں نے عدل و انصاف کے ہر اصول کو

روند ڈھلا ہے، ہمارا راج پھین لیا، ہمارے ملک کو خاک میں ملانے کا

ارادہ کیا ہے صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ خوں ریز جنگ کی بجائے

یہ آزادی کے لیے جہاد ہے — یہ حق و انصاف کے لیے مذہبی جنگ ہے“

اودھ میں ”فتح اسلام“ کے عنوان سے ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا جس میں مسلمانوں کو

جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ جہاد کا پورا خاکہ اور آئندہ کا نظام دیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ میں کہا

گیا تھا کہ ”ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ ان رہنماؤں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے دھرم کو بچائیں
 ہندو مسلمان چونکہ بھائی ہیں اس لیے انھیں انگریزوں کو نکالنے کے لیے مل جل کر شریک
 ہونا چاہیئے۔ اسی طرح جیسے کہ وہ مسلمان بادشاہوں کے ساتھ دل و جان سے شریک رہے
 اور ان بادشاہوں نے ان کے جان و مال کی یکساں حفاظت کی ہے۔“ اس کے بعد انگریزوں
 پر حملہ کرنے کا پروگرام دیا تھا کہ حملے ایک ہی مقررہ دن کیے جائیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو
 ایک ہی مہینے میں دو دو چار چار دن کے وقفے سے باقاعدہ کیے جائیں تاکہ انگریز کہیں جمع نہ ہو
 سکیں۔ ۱۔ یہ ایک طویل پمفلٹ تھا آخر میں ایک اعلان تھا جس کے الفاظ اور اشعار
 تقریباً وہی ہیں جو مولوی لیاقت علی کی طرف سے الہ آباد میں جاری شدہ اشتہار کے ہیں۔
 ظاہر ہے کہ یہ ولی اللہی جماعت کے مجاہدین کی طرف سے تھا جو ملک میں خفیہ جاں بُن
 رہے تھے۔ جہاد کا یہ پمفلٹ صرف اودھ میں ہی نہیں، تمام ملک میں تقسیم کیا گیا۔ یہاں
 تک کہ دکھنی علاقوں حیدر آباد اور مدراس وغیرہ میں بھی۔ مبارز الدولہ کے حالات میں
 اس کا ذکر ’رسالہ جہاد‘ کے نام سے ملتا ہے جو بمبئی سے طبع ہوا ۱۲۷۱ھ کے انقلابیوں
 نے افغانستان کے امیر دوست محمد کو ایک خط بھی لکھا جس میں اُس سے مدد مانگی گئی
 تھی۔ یہ اگست ۱۸۵۵ء میں انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ اودھ کے الحاق کے بعد یہ سرگرمیاں اور
 بھی تیز اور منظم ہو گئیں۔ اگست ستمبر ۱۸۵۶ء میں خفیہ بھرتی بھی کی گئی۔ (تفصیل ملاحظہ ہو
 لکھنؤ میں بغاوت کے تحت)۔ یہاں فضل علی باغیانہ سرگرمیوں میں پیش پیش تھا۔ رسالہ
 ”طاسم“ لکھنؤ (۱۸۵۶-۵۷) کے فائلوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اُس نے بدھنی ضلع
 ٹلسی پور کے تھانے پر (غالباً فروری ۱۸۵۷ء) چھاپہ مارا پھر مارچ ۱۸۵۷ء میں کشنر گونڈہ

1. Freedom Struggle U.P. Vol.2 , p. 155-156

2. Freedom Struggle in Hyderabad Vol. 1, p. 148-58

کے کئی ساتھیوں کو قتل و زخمی کر کے فرار ہوا اور نیپال چلا گیا۔ انگریز حکام نے نیپال کو لکھا، جواب آیا کہ فضل علی یہاں نہیں ہے۔ ایک بار پھر فضل علی سے مقابلہ ہوا۔ وہ نیپال کی سرحد پر موجود تھا۔ رابرٹس کی کتاب "اکتالیس سال ہندوستان میں" میں ہے کہ اُسے گھیر کر مار ڈالا گیا لے کہا جاتا ہے کہ وہ قتل نہیں ہوا بلکہ پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ ایک اور شخص "آغا مرزا کا تذکرہ قیصر التوازیخ" میں ہے کہ "وہ لوگوں کو غیرت دلا کر براہِ گنہ کرتا تھا۔" اُس نے ایک انگریز کو قتل کیا، زخمی ہو کر روپوش ہو گیا، ڈسبونڈ نکالا گیا اور پھانسی پائی۔

عظیم اللہ۔ نانا صاحب اور مولانا احمد اللہ | انقلابی رہنما بغاوت سے قبل جو تیار کر رہے تھے اس کا پورا سراغ شاید

کبھی نہ لگ سکے گا لیکن کہیں کہیں ان سازشوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ ایک شخص نے میسور کے جوڈیشل مجسٹریٹ کے سامنے جو بیان دیا وہ جون ولیم کے نے اپنی کتاب، میں (جلد اول ص ۲۲۲/۵) نقل کیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ نانا صاحب نے کشمیر کے مہاراجہ گلاب سنگھ اور روس سے پیام رسانی کی تھی اور مدد چاہی تھی۔ روس کا جواب بھی موصول ہوا۔ ایسی شہادتیں اور بھی ملتی ہیں۔ عظیم اللہ خاں نے جو بغاوت کے منصوبے بنائے اُن پر کسی قدر روشنی ٹائمز کے نامہ نگار ولیم رسل کی ڈائری سے پڑتی ہے۔ اُسے ۱۸۵۴ء میں نانا صاحب کی طرف سے لندن بھیجا گیا اور واپسی میں رسل سے ملاقات ہوئی۔ عظیم اللہ نے فرانس، روس، ترکی وغیرہ کا دورہ کیا۔ ستاسا کے رانگو باپو جی بھی بغاوت کی اسکیم بنانے میں اس کے ساتھ شریک تھے۔ عظیم اللہ نے قسطنطنیہ کے عمر پاشا کو خطوط بھی لکھے اور مصر سے بھی رابطہ قائم کیا۔ لارڈ رابرٹس نے اپنی کتاب میں اُن خطوط کا ذکر کیا ہے جو انگریز افسروں کے، جن میں وہ بھی شامل تھا، ہاتھ لگے۔ اُن میں قسطنطنیہ کے عمر پاشا کے نام بھی دو خط

تھے جو عظیم اللہ نے اپنے قلم سے لکھے تھے لیکن بھیجے نہیں گئے۔ رابرٹس کا بیان ہے کہ نانا صاحب شاہ دہلی اور شاہ اودھ وغیرہ سے خفیہ طور پر بغاوت کے لیے سازش کر رہا تھا اس میں اب کوئی شبہ باقی نہیں۔ اے بعض بیانات میں نانا صاحب کی مختلف والیان ریاست کے ساتھ خط و کتابت کا ذکر بھی ملتا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رانی بیجا بائی نے جب وہ گوالیار سے ناسک لے جائی ہمار ہی تھی، سازشیں شروع کی تھیں۔ ۱۷۵۷ء کا تحریک ۱۷۵۷ء کے لیے پورے ملک کو تیار کرنے میں مولانا شاہ احمد اللہ کا نام سرفہرست آتا ہے۔ وہ ملک کے گوشے گوشے میں دورہ کر کے عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہے تھے۔ میلسین نے لکھا ہے کہ ”بے شک اس تمام سازش کا رہنما مولوی (احمد اللہ شاہ) تھا اور یہ سازش تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یقینی طور پر اگرہ جہاں اس مولوی نے کچھ عرصے قیام کیا تھا اور دہلی۔ میرٹھ۔ پٹنہ اور کلکتہ وغیرہ سازش کے مرکز تھے“ ۱۔ اگرہ میں مجلس علماء کے تحت جو کچھ ہوا وہ ”لسن گروی“ کے عنوان سے ہم اگرہ کی بغاوت کے حالات میں بیان کریں گے۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے جو خط و کتابت کی اس کا تذکرہ فیض آباد میں اُن کی گرفتاری کے وقت سرکاری کاغذات سے ملتا ہے جن میں لکھا ہے کہ جب مولوی کی تلاشی لی گئی تو متعدد خطوط برآمد ہوئے جن سے اس سازش پر پوری روشنی پڑتی تھی۔“ میلسین نے اپنی دوسری کتاب ’دی انڈین میوٹن‘ (۱۸۵۷ء) میں مولانا کو بغاوت کا دست و بازو بتایا اور چپایتوں کی تقسیم کا بانی انہیں کو قرار دیا ہے۔

1. ROBERTS : 41 years in India, 239

SAVARKAR : 73

2. Freedom Struggle U.P. Vol.1, p. 372-73

میلیسن نے ۱۸۵۷ء کی پوری تاریخ مرتب کی ہے لیکن بغاوت کے تیس سال بعد پوری چھان بین کے بعد یہ کتاب لکھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

" That this man (Maulvi) was the brain and the hand of the conspiracy there can, I think, be little doubt. During his travels he devised the scheme known as Chapati Scheme."

ترجمہ: میں سمجھتا ہوں کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہی شخص بغاوت کی سازش کا دماغ اور دست و بازو تھا۔ اپنے سفر کے دوران اسی نے وہ اسکیم تیار کی جو چپاتی اسکیم کہلاتی ہے، (ص ۱۸) مولانا احمد اللہ شاہؒ کو اعلیٰ صلاحیت کا مالک اور پختہ عزم و ہمت کا انسان قرار دیتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ :

"مولوی نے شمالی مغربی صوبوں کا دورہ کیا، اس کے دورے کا مقصد انگریزوں کے لیے راز ہی رہا۔ وہ کچھ عرصہ آگرے میں ٹھہرا، دہلی، میرٹھ پٹنہ اور کلکتہ گیا۔ اس نے اس دورے سے واپسی کے بعد باغیانہ اشتہار تمام اودھ میں جاری کیے۔۔۔۔۔ کلکتے میں قیام کے دوران غالباً مولوی نے وہاں کی ویسی سپاہ سے مسلسل رابطہ قائم کیے رکھا اور وہ طریقہ ڈھونڈ نکالا جس سے سپاہ کے فطری جذبات پر خصوصی اثر ڈالا جاسکے،" ۱
میلیسن کا یہ بھی بیان ہے کہ رانی جھانسی بغاوت سے پہلے مولاناؒ اور نانا صاحب سے رابطہ قائم کر چکی تھی اور ان لوگوں نے ایک مجلس عمل (ایگیزکیو کونسل) بھی قائم کی تھی جو فوجیوں اور عوام کو بیک وقت بغاوت پر آمادہ کرنے کا کام انجام دے رہی تھی اور

بغاوت کے لیے دن مقرر کیا گیا تھا لیکن حکومت کو بغاوت شروع ہونے تک یہ احساس نہ ہوسکا۔ اس کا کہنا ہے کہ ”انگریز یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہے کہ یہ ایک فوجی غدر نہیں تھا بلکہ ایک ہمگیر سازش تھی جس کی جڑیں دور تک پھیلائی جا چکی تھیں۔“

دلیسی فوج میں سازشیں | بغاوت کی سازش کرنے والوں نے دلیسی سپاہ میں بھی خفیہ تنظیم کا جال بچھا دیا تھا لیکن بعض انگریز افسر کوشش کے باوجود سراغ نہ پاسکے۔ ایک انگریز افسر جس نے فوج میں اپنے جاسوس چھوڑے، بغاوت کے بارے میں کہتا ہے:

”۱۸۵۷ء کے ابتدائی مہینوں میں میری خواہش تھی کہ جاسوسوں کے ذریعے معلومات کروں..... مگر میں نے دیکھا کہ کوئی بھی شخص نہ اس پر تیار تھا نہ اتنی ہمت رکھتا تھا کہ مجھے ذرا سی بھی معلومات فراہم کرے۔ یہاں تک کہ اس رجمنٹ نے بغاوت کر دی اور دیگر حالات اور واقعات نے مجھے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور کیا کہ بغاوت کی سازش فوری نہیں تھی اگرچہ ہر رجمنٹ میں صرف چند منتخب لوگوں کو ہی علم رہا ہوگا“ ۱

ایک اور انگریز افسر جو مئی ۱۸۵۷ء میں پشاور پہنچا، بتاتا ہے کہ یہاں نمبر ۶۴ این آئی کے ناکم کریم اللہ کے نام خطوط پکڑے گئے جو پٹنہ اور تھانیس کے مسلمانوں نے لکھے تھے اور جن میں ان کی ماؤں کی طرف سے پیغامات تھے کہ وہ یہ مقدس کام کریں۔ اگر شہید ہوئے تو ہزارے لیے خوشی اور فخر کا مقام ہوگا۔ ان خطوں سے ایک ہمہ گیر رابطے اور نامہ و پیام کا سراغ لگا جو نمبر ۶۴ این آئی کے دلیسی افسر سوات اور ستھانہ کے سرداروں سے عرصہ دراز سے کر رہے تھے ۸ مئی کو پشاور کی نمبر ۵۱۔ این آئی رجمنٹ نے ایک برہمن کے ہاتھ خط روانہ کیا جس میں بغاوت

کی ترغیب تھی۔ خط لے جانے والے برہمن سنیل مسر اور گوکل مسر تھے جنہیں پھانسی دی گئی۔ ۱۹ مئی کو اسٹنٹ کمشنر ویک فیلڈ نے پشاور میں ایک فقیر کو اپنے گھر کے پاس درخت کے نیچے بیٹھ دیکھا، گرفتار کر کے تلاشی لینے پر اس کے پاس ۴۶ روپے اور ایک فارسی خط برآمد ہوا جس کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا۔

”اہم بات یہ ہے کہ اس خط کو پاتے ہی عید کے دوسرے دن تمہیں یقیناً یہاں آجانا چاہیئے۔۔۔۔۔ یہ بہت آسان ہے۔ اپنے ساتھ چند پونڈ پھل لے آؤ۔ وقت آگیا ہے۔ ایسا موقعہ کبھی نہیں آئے گا۔“ ۱

فقیر نے اعتراف کیا کہ وہ یہاں اکثر اتار ہا ہے۔ لارڈ رابرٹس نے بھی پشاور کے ڈاک خانے سے پکڑے گئے خطوں کا ذکر کیا ہے جن سے پتہ لگا کہ تمام دیسی فوج بلکہ سرحدی عوام اور قبیلے بھی بغاوت پر آمادہ ہیں۔

”اس سازش کا جال حیرت انگیز طور پر بچھایا جا چکا تھا تاکہ ہماری حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔“ ۲

پنجاب کے چیف کمشنر ہنری لارنس کو جاسوسوں کے ذریعے پتہ لگا کہ تمام دیسی سپاہ پوری طرح بغاوت کی سازش میں شریک ہے۔ باغی سرداروں کا استقلال اور آپس کی وفاداری بھی سازشوں کا پردہ فاش نہ ہونے کا ایک سبب ہے۔ ایک اور انگریز مورخ نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ اُسے فوجی اور غیر فوجی قیدیوں کے بیانات سے بعض سازشوں کا اندازہ ہوا مثلاً یہ کہ گوالیار اور وسط ہند کے علاقوں میں چٹا صاحب نمبر ۲۷ رجمنٹ کے دیسی افسروں سے خفیہ ملاقاتیں کرتا رہا۔ چٹا صاحب کے پاس نانا کا ایک پیغامبر بھی آیا جو جنوبی ہند کا دورہ کر کے

۱ فریڈم اسٹریگل یوپی۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۵-۲۵۳

۲ فورٹی ون ایئر ان انڈیا ۳۶-۳۵

آرہا تھا اُس نے بتایا کہ وہ چالیس مختلف رجمنٹوں کا تعاون حاصل کر چکا ہے۔ یہی منصف سازش کی کیفیت پر لکھتا ہے:

”لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ کس حیرت انگیز طور پر یہ تمام سازش پھیلائی گئی، طے شدہ اسکیم کا پرچار کیا گیا۔ سازشی گروہ کس قدر ہوشیاری سے الگ الگ اور آپس کا رابطہ قائم رکھ کر کام کر رہے تھے۔ اپنے مقصد کے لیے کافی ہدایات فراہم کی جاتی تھیں۔ تمام کام نہایت وفاداری سے انجام پاتے تھے جو انہیں ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے تھے مثلاً چٹا صاحب وزیر کے مقدمے میں ویسی سپاہ کے ایک حوالدار نے، جو اس کا دوست تھا اور جس کے کواٹر میں وہ قید رہا، جب اُس سے کہا کہ تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے۔ کمشنر نے ایسے بہت سے لوگوں کو چھوڑ دیا ہے جنہوں نے ایسا کیا اور شاید تمہیں بھی معاف کر دے۔“ اُس نے جواب دیا ”اگر میں کچھ زبان پر لایا تو ایک ایسا شعلہ بھڑکے گا جس میں ملک جل اُٹھے گا لہذا میں خاموشی سے اپنی قسمت پر شاکر رہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔“

اور اس نے ایسا ہی کیا“ ۱

جے سی کرافٹ ولسن نے بھی سازش کا تھوڑا سا کھوج نکالا۔ اس کا بیان ہے کہ ”تمام واقعات اور معلومات کو انتہائی احتیاط سے جمع کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ۱۹۴۷ء بروز اتوار پوری بنگال آرمی میں بے یک وقت بغاوت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ہر رجمنٹ میں تین تین ممبروں کی کمیٹیاں بنی ہوئی تھیں جو اپنے فرض انجام دیتی تھیں۔ سپاہی مجموعی طور پر اس سازش کے پلان سے بے خبر تھے۔ میرے پاس یہ یقین کرنے کی وجہیں موجود

ہیں کہ ان کمیٹیوں کے ممبر جو سازشوں کے سرغنہ تھے، دہلی میں مارے گئے۔ مثلاً بھولا سنگھ پے
 مولدار (پانچویں کمپنی رجمنٹ ۱۹) یقیناً ان ممبروں میں سے ایک تھا۔ اور مجھے معلوم ہے کہ وہ دہلی
 میں کام آگیا“ ۱

میلین کا بیان سُنئے:

”سپاہیوں کے جذبات ابھارے جا چکے تھے اور یہ اُن لوگوں کا کام تھا
 جو اپنے سامنے ایک بڑا مقصد رکھتے تھے۔ ایک اہم سیاسی مقصد۔
 یعنی دیسی سپاہ کو غیر ملکی حکومت سے کاٹ کر الگ کر دینا“

میلین آگے چل کر کہتا ہے:

”مولوی (احمد شاہ) اور اس کے ساتھیوں کے پیغام بروں نے اپنا کام پوری
 طرح انجام دیا تھا۔ سپاہیوں کی رہائش گاہوں پر آدھی رات کی خفیہ کانفرنسیں
 نہ صرف بارک پور بلکہ تمام شمالی مغربی ہندوستان میں ہو رہی تھیں اور
 انھیں اچھی طرح باور کرایا جا رہا تھا کہ غیر ملکیوں نے اودھ کو ہضم کر لیا اور اب
 وہ اپنا باقی منصوبہ سپاہ کو عیسائی بنا کر پورا کریں گے“ ۲

بعض مورخ بتاتے ہیں کہ سازش میں علی نقی خاں کا ہاتھ بھی تھا جو واجد علی شاہ کے
 ساتھ کلکتہ میں مقیم تھا۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے ۱۸۵۷ء کے ابتدائی ایام میں جو دورے کیے اُن
 میں کلکتہ بھی شامل ہے اس لیے یہ اندازے بعید از قیاس نہیں کہے جاسکتے۔ چیف کمشنر اودھ
 کے سکریٹری جی گوپال کے ایک خط بنام جوڈیشل کمشنر اودھ مورخہ ۲۵ اگست ۱۸۵۷ء میں اودھ

1. WILSON (J.C): Narrative of Events pp.1-2

Freedom Struggle in UP vol. 1 pp. 403-404

2. MALLESON: Indian Mutiny pp. 52-53

کے تعلقہ داروں کی باغیانہ سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ ان میں راجہ کشن دت تعلقہ دار بہار کیج۔ بشن دت پانڈے (گوندلا) وغیرہ کا ذکر ہے جنہوں نے بغاوت پھیلائی۔ اے منگلوری مارٹن نے اپنی کتاب "انڈین ایمپائر" میں (ص ۱۱۸-۱۱۷) ان سازشوں کا ذکر کیا ہے جن کا سراغ ملا۔ وہ انھیں "مسلمانوں کی سازشیں" بتاتا ہے۔

مولوی۔ پنڈت اور فقیر | تحریک ۱۹۰۵ء کو ملک گیر پیمانے پر منظم کرنے میں علماء نے اہم ترین رول ادا کیا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں مولانا احمد اللہ شاہ کا نام ہے۔ ان کے علاوہ دیگر علماء جو ولی اللہی تحریک سے وابستہ تھے بے شمار ہیں اور ملک کے گوشے گوشے میں سرگرم رہے ہیں۔ فقیر سنیاسی اور پنڈت جو بھیس بدل کر ملک میں گھوم رہے تھے فوج کے سپاہیوں میں پُر اسرار طریقے سے کام کرتے رہے اس قسم کے واقعات انگریز افسروں کی رپورٹوں میں جگہ جگہ ملتے ہیں جن میں کچھ واقعات ابھی نظر سے گزرے۔ سورج گنڈ کے مقام پر اپریل ۱۹۰۵ء کے آخر میں ایک فقیر پایا گیا جسے دیسی فوج کے سپاہی اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ ایک شخص منگل سین کا بیان ہے کہ لاہور میں کوئی فقیر سورج گنڈ میں آیا۔ بگن ناتھ داس کی شہادت ہے کہ یہ ابودھیہ کا تھا۔ اسد اللہ جمع دار نے گواہی دی کہ اُس نے فروری ۱۹۰۵ء میں انبالہ میں ایک فقیر مع ہاتھی، رتھ اور گھوڑوں کے دیکھا تھا۔ میرٹھ میں بھی ایک فقیر، ہاتھی پر سوار گھومتا پایا گیا۔ دیسی سپاہ کے آدمیوں کا بار بار اس کے پاس جانا انگریز افسروں کو کھٹکا تو اُسے ہٹنے پر مجبور کیا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ نمبر ۲۰ این آئی کی لائن میں مقیم رہا۔ ۲۰ مقدمہ بہادر شاہ میں بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مندروں اور مسجدوں میں انگریزوں کو ہندوستان

1. Freedom Struggle in UP vol. 1 pp. 130-133

2. MILLIAM (F): Narrative of Events... Meerut p. 26

سے نکلنے کی دعائیں ہوتی تھیں۔ مائیں اپنے بچوں سے دعا کرتی تھیں کہ فرنگی بڑبڑا دے غارت ہو جائیں۔ فرانسیسی عورت ہورٹسٹ انگلیسی اپنی سرگزشت میں کہتی ہے:

”یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو مندروں میں دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانہ (مغلیہ) کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو۔ تمام ہندو مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ انگریزی حکومت تنو سال سے زیادہ نہ رہے گی“

تیرتھ استھانوں اور مذہبی میلوں میں بھی ان سنیاسی فیقروں نے عوام میں انقلابی جذبات بیدار کیے۔ دھارمک استھانوں پر مثلاً بنارس وغیرہ میں پنڈتوں کی طرف سے دعائیں کی گئیں۔^۱ جون ولیم کے کا خیال ہے کہ کلکتے میں علی نقی (وزیر شاہ اودھ) خفیہ کارروائیوں میں مصروف تھا اُس نے معتبر آدمی فیقروں کے بھیس میں سپاہیوں کے پاس بھیجے۔ فوج کے ہندوستانی افسروں کو جو غلط لکھے گئے اُن میں تمام ظلم و ستم اس طرح بیان کیا گیا کہ سپاہی پھوٹ پھوٹ کر روئے، گنگا جل اور قرآن پاک ہاتھ میں لے کر قسمیں کھائیں کہ انگریزوں کو مٹائیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ اگست ۱۸۵۷ء میں کلکتے سے ایک شخص گرفتار ہوا۔ جو نام بدل کر مقیم تھا۔ اس کا اصل نام سید حسین صوبے دار تھا۔ اس کے پاس سے برآمد شدہ کاغذات سے ثبوت مل گیا کہ وہ شاہ اودھ اور علی نقی سے رابطہ رکھتا تھا۔ اسی کے کاغذات سے ایک اور شخص مظفر حسین کا سراغ ملا جو چندر نگر میں مقیم تھا اور فرضی نام آغا مرزا تھا۔ بارک پور کے سپاہی مختلف رجمنٹوں سے خط و کتابت بھی کر رہے تھے۔ مورخ ولیم کے نے کچھ خط بطور مثال نقل کیے ہیں۔ ان میں صوبے دار مبارک خاں، سردار خاں اور رام شاہی لال وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس قسم کے بہت سے خط بعد میں ہاتھ لگے۔^۲ لکھنؤ کے ملٹری سکریٹری فلیچر ہنیر نے ۱۸۵۷ء میں اطلاع دی تھی کہ باغیانہ پمفلٹ

2. KAYE: Vol.1 p.29 SAVARKAR: p. 81

Freedom Struggle in UP vol.1 pp. 360-361

لکھنؤ اور گرد و نواح میں کافی تعداد میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ پمفلٹ 'رسالہ جہاد' کے عنوان سے تیار ہوئی
وغیرہ میں بھی پایا گیا، مولوی محمد اسماعیل نے تقریباً تیس سال پہلے لکھا، ۱۸۵۰ء میں ترجمہ کیا گیا اور
۱۸۵۵ء میں کانپور کے ایک پریس میں چھپا۔

پٹنہ بغاوت کی تحریک کا گڈھ بن چکا تھا۔ سید احمد شہید کے معتقد ہزاروں روپیہ اور آدمی
صوبہ سرحد کو بھیج رہے تھے۔ پٹنہ کا بظاہر معمولی کتب فروش پیر علی کانپور کے مسیح الزماں سے خط
و کتابت کر رہا تھا۔ پارلیمنٹری کاغذات (لندن) سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ بغاوت کے لیڈروں
کو روپیہ فراہم کیا جا رہا تھا کہ وہ شاہ دہلی کے لیے جنگ کریں۔ پیر علی کے گھر سے جو خط برآمد ہوئے
ان سے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ پیر علی نے جس دلیری کا مظاہرہ کیا اس کا اعتراف انگریز حکام
کی رپورٹوں میں حیرت سے کیا گیا ہے۔ ۲

آسام اور مدراس | مدراس کے عوام اپریل ۱۸۵۷ء میں ایک سرکس کی تیاری کر رہے
تھے جس میں گورنر اور دوسرے انگریز افسروں کو مدعو کیا جانا
اور بارود سے اڑا دیا جاتا۔ آسام میں دیسی فوج کے سپاہی، خصوصاً فرسٹ آسام لائٹ انفیٹری
کے آدمی جو رہٹ کے راجہ کنڈار پشور سنگھ سے رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے علاقے پر قبضہ کرنے
کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ انھیں دہلی سے ہدایات کا انتظار تھا۔ بغاوت کی اسکیم
درگا پو جا کے موقع پر بنائی گئی جس میں راجہ مذکور اور اس کا دیوان شریک تھے ۳

پُر اسرار چپاتیاں | ۱۸۵۷ء کے پہلے تین ماہ میں چپاتیاں تقسیم کی گئیں۔ جو اور
گیہوں کے آٹے کی یہ چپاتیاں اندازاً دو تولہ وزنی اور تقریباً

۱، ۲ فریڈم اسٹریگل یو پی جلد ۱، ص ۳۴۰، ۳۵۸

۵۳

انسانی ہمتی کے برابر تھیں، شمالی اور وسطی ہند کے تقریباً تمام گاؤں میں نہایت تیزی سے تقسیم ہو گئیں۔ جنوری ۱۷۵۷ء میں وسطی صوبوں میں پائی گئیں۔ اس لیے اندازہ یہ ہے کہ جنوبی یا وسطی علاقوں میں کہیں سے شروع ہوئیں۔ ساگر اور ترہلا کے کمشنروں کی رپورٹ کے بموجب جنوری میں یہاں کے زیادہ تر اضلاع میں تقسیم ہو چکی تھیں، بہار اور جھانسی کے علاقوں میں بھی پائی گئیں۔ مقدمہ بہادر شاہ کے بعض گواہوں نے بتایا ہے کہ اودھ یا لکھنؤ سے شروع ہوئیں۔ ۱۹ فروری ۱۷۵۷ء کو گوڑ گاؤں کے کلکٹر کی رپورٹ تھی کہ یہ وہاں کے گاؤں میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ میرٹھ کے حکام کی رپورٹ کے بموجب جنوری میں یہ چپائیاں ان علاقوں میں تقسیم ہو چکی تھیں۔ جب تک ان کی تقسیم روکنے کے لیے احکام جاری ہوئے اور دہلی کے مجسٹریٹ نے انہیں روکنے کی کوشش کی تب تک یہ پنجاب کے دیہات تک میں پہنچ چکی تھیں۔ پہاڑ گنج (دہلی) کے تھانے دار معین الدین نے بھی اپنی یادداشت 'خدا ننگ غدر' میں (جس کا انگریزی ترجمہ مکافات نے شائع کیا تھا) ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بھائی نے جو بدر پور کا تھانیدار تھا، اطلاع دی کہ یہاں چپائیاں اور بکرے کے گوشت کی بوٹیاں تقسیم کی جا رہی ہیں، وہ متھرا اور علی گڑھ بھی گیا، وہاں بھی چپائیاں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ان کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ گاؤں کا چوکیدار قریبی گاؤں کے چوکی دار کو چپاتی دے جاتا اور یہ ہدایت کرتا کہ اسی قسم کی پانچ (یا چھ) روٹیاں پکا کر اس پاس کے دیہات میں اسی ہدایت کے ساتھ تقسیم کر دے۔ اندازہ ہے کہ جنوری سے شروع مارچ ۱۷۵۷ء تک یہ چپائیاں تمام شمالی ہند، بابر پور سے انبالہ، دہلی سے ساگر ترہلا تک کے ضلعوں میں پھیل گئی تھیں۔ عوام میں اس واقعے سے خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ سپاہیوں میں بھی یہ روٹیاں تقسیم ہوئیں۔ چنانچہ فرانسیسی عورت ہوٹلرٹ انگلیسی کہتی ہے:

”جب یہ کلچہ دست بدست ایک سپاہی سے دوسرے سپاہی کو ملتا ہے تو اُس پر نظر کرنے سے ہر سپاہی کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے، غیظ و غضب کے آثار بشرے سے ہویدا ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ زبان سے

کچھ نہیں کہتے مگر دل ہی دل میں انگریزوں پر ہیچ و تاب کھاتے ہیں^۱۔

چپاتیوں کی گردش پہ شروع میں انگریز حکام نے توجہ نہ دی اور جب وہ اُن کی روک تھام پر متوجہ ہوئے تو وہ تمام ملک میں پھیل چکی تھیں۔ انگریز مؤرخوں نے اہمیت اس لیے نہ دی کہ وہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو چند سرکش سپاہیوں اور ناراض جاگیرداروں کی فتنہ پر بازی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چپاتیاں اُس خفیہ اور منظم گروہ کی ایجاد تھیں جو ملک میں خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا اور یہ ملک کے عوام کو ہوشیار کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ تھیوفلس مکاف اس نظریے کو تسلیم کرتا ہے:

”اغلب گمان یہ ہے کہ وہ مشترکہ اعلان تھا جو ہندو مسلمان سازش کنندگان کا مشترکہ نتیجہ تھا“^۲۔

یہ خیال اس بات سے بھی پختہ ہوتا ہے کہ بعض افسروں کو یاد تھا کہ پچاس سال پہلے بھی یہ چپاتیاں دیکھی گئیں اور اس کے فوراً بعد ویلور کی بغاوت ہوئی (۱۸۰۷ء) یہ پلاسی کی جنگ کو پچاسواں سال تھا۔ لہذا اب پھر ان چپاتیوں کی تقسیم جنگ پلاسی کو سو سال گزرنے پر یقیناً اس قومی شکست کا احساس اور یاد دلانے کے لیے تھی۔ لارڈ رابرٹس کا بیان ہے کہ پشاور میں فروری مارچ اپریل ۱۸۵۷ء میں چپاتیوں کی افواہیں سنی گئیں اور بتایا گیا کہ یہ عوام کو آنے والی بغاوت پر تیار کرنے کے لیے تھیں^۳۔

صحیح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ یہ چپاتیاں کہاں سے شروع ہوئیں۔ میلسن نے بغاوت ۱۸۵۷ء پر اپنی دوسری کتاب ’انڈین میوٹنی‘ (۱۸۹۱ء) میں تحقیق کے بعد بتایا ہے کہ مولانا احمد اللہ

۱ ایام غدر/۵۔ یعنی سرگزشت ہوٹل سٹ انگلیسی مترجم ظفر حسن عاصی

۲ غدر کی صبح و شام/۱۹ (مترجم حسن نظامی)

۳ فورٹی دن ایس ان انڈیا/۳۴

شاہ نے اپنے دوران سفر میں کہیں سے شروع کیں بعض کا انداز ہے کہ نانا صاحب کے دربار سے شروع ہوئیں جب کہ بعض اودھ یا پانی پت کرناں سے بتاتے ہیں۔ لیکن زیادہ قریب قیاس یہ ہے کہ وسطی یا جنوبی علاقوں میں کہیں سے شروع ہوئیں۔

ان چپاتیوں کا تصور غالباً پھین سے ہندوستان آیا کیوں کہ ۱۸۳۷ء میں وہاں منگولوں کا تختہ الٹنے کے لیے اسی طرح روٹیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ جس سے تمام پھین متحد ہو گیا اور منگولوں کا خاتمہ ہوا۔ پھین اور ہندوستان قریبی ملک تھے اور اکثر بار ہندوستانی سپاہی سرکاری حکم سے پھین بھاچکے تھے۔ لیکن یہ صرف قیاسات ہیں، قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا تاہم، یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ چپاتیاں ملک میں ایک پوشیدہ اور منظم انقلابی تنظیم کا کھلا ثبوت ہیں۔

کنول کا پھول تمام شہروں میں بنگالی سپاہ کی چھاونی میں کنول کا ایک پھول ایک سے دوسرے کے پاس پہنچایا گیا جسے ایک شخص لے کر گیا تھا۔ جب یہ پھول باری باری ہر سپاہی کے پاس پہنچ چکا تو واپس اسی شخص کے پاس آگیا اور وہ اسے لے کر دوسری رجمنٹ میں چلا گیا۔ بنگال آرمی کی کوئی چھاونی یا فوجی پڑاؤ ایسا نہ تھا جہاں یہ پھول نہ پہنچا ہو۔ سُرخ پھول کی اس گردش نے بھی جو بظاہر نہایت معمولی چیز تھی، تمام سپاہیوں کو ایک پُر اسرار پیام دیا اور ان کو ہوشیار کرتا چلا گیا۔

مندروں اور مسجدوں میں دعا سادر کر کا بیان ہے کہ خفیہ انقلابی تحریک سب سے زیادہ دہلی میں بڑ پکڑ رہی تھی اور مغل شہزادے اس کام میں مصروف تھے۔ مائیں اپنے بچوں سے دعا کراتی تھیں کہ فدرنگی غارت ہو جائیں۔ فرانسیسی عورت مسز انگلیسی نے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ ”یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو مندروں میں دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانہ (مغلیہ) کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو“

چکنے کارتوس۔ سلگتی آگ پر تیل

۱۸۵۴ء کے آخر میں نئے کارتوس فوج کے لیے ایجاد ہوئے اور ان کے استعمال کی ٹرییننگ ڈم ڈم۔

انبالہ اور سیالکوٹ وغیرہ کے فوجی مرکزوں میں دئی گئی۔ ۱۸۵۴ء کے ابتدائی ایام میں ہی یہ کارتوس رائج ہو گئے اور ڈم ڈم میں ان کی تیاری کا کارخانہ بھی قائم ہو گیا۔ ایک دن کارخانے کا ایک ملازم ایک برہمن سپاہی سے ملا اور پینے کو پانی مانگا۔ برہمن نے اس کی ذات پوچھی تو اُس نے کہا۔ ”ذات کیا پوچھتے ہو، کچھ دن بعد تمہاری ذات بھی نہ رہے گی کیونکہ اب نئے کارتوس کا ٹنا پڑیں گے جن میں گائے اور سور کی چربی استعمال ہو رہی ہے۔“ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور جنوری ۱۸۵۷ء میں ہی اس کے خلاف سپاہ کے جذبات ظاہر ہو گئے تھے۔

کارتوسوں کی حقیقت

۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو لیفٹیننٹ رائٹ نے اپنی رپورٹ میں ڈم ڈم کے میجر بون ٹین کو لکھا تھا:

”میں نے کل دیسی سپاہ کی پرڈ کرائی۔۔۔۔۔ دو تہائی آدمی آگے آئے

جن میں دیسی سپاہ کے تمام کمیشن افسر بھی تھے انھوں نے پورے احترام

کے ساتھ کارتوسوں پر اعتراض کیا کہ ان میں جو مکسچر استعمال کیا جا

رہا ہے وہ ان کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتا ہے۔ انھوں نے اس

چربی کی بجائے ایک دوسرا متبادل طریقہ بتایا“ ۱

کرنل کیٹھینگ کو خود کمانڈر انچیف نے لکھا تھا کہ

”مجھے سپاہ کے اعتراض پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی جب میں نے خود کارتوسوں

1. Parliamentary Papers vol.30 p.3 (No. 263)

SEN: pp. 41-43 see also Revolt in Haryana by K.C. Yadav pp. 40-43

پر چکنائی (جو دراصل چربی ہے) کی مقدار کا معائنہ کیا“ ۱

فورٹ ولیم آرڈیننس کے انسپکٹر جنرل نے ۲۹ جنوری کو لکھا:

”میں نے کارخانے میں اس چکنائی کے بارے میں تحقیقات کی یہ بالکل

وہی ہے جس کی کورٹ آف ڈائریکٹرز کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے

یعنی موم اور چربی کی چکنائی۔ اس قابل اعتراض چکنائی کے لیے کوئی

احتیاطی تدابیر نہیں کی گئیں“ ۲

انگریزی اخبارات انگلش مین، اور ٹائمز، کا کہنا تھا کہ ٹھیکیداروں نے یہ ستا میٹر میں مہیا کیا اور گلے

اور سور کی چربی سپلائی کر دی ورنہ گورنمنٹ کی طرف سے سب سے بڑے کی چربی کے لیے کہا گیا تھا لیکن

ایسی ہدایات، کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ ویسی سپاہ کی طرف سے یہ تجویز بھی رکھی گئی کہ ایک ہندو

اور ایک مسلمان ان کارتوں کی تیاری کے معائنے اور نگرانی کے لیے مقرر ہو مگر فوجی کارخانے کے

ذمہ داروں نے اسے منظور نہیں کیا اور سپاہ کے دل میں یہ بات اور زیادہ پختہ ہو گئی کہ کارخانے

کے ذمہ دار کوئی بات ان سے چھپانا چاہتے ہیں جو اتنی معمولی تجویز بھی ماننے کو تیار نہیں ۳

جولائی ۱۸۵۷ء میں جو سرکاری کاغذات، دستاویزیں اور بلیو بک (Blue Book)

ہاؤس آف کامنز لندن میں پیش کی گئیں ان سے بھی یہ حقیقت پوری طرح ثابت ہے اس کے

علاوہ آرڈیننس فیکٹری کے ایک آفیسر کرسی کی گواہی جو اس نے سالک رام سنگھ کے مقدمے

میں دی، چربی کے اجزاء کی تفصیلات اور وزن وغیرہ تک پر روشنی ڈالتی ہے ۴

1. KEITH YOUNG : Delhi 1857 p.2

2. Parliamentary Papers vol.30

3. SEN: pp. 42-43

4. CHAUDHURY: Civil Rebellion p.5

یہ حقیقت ۱۸۵۲ء سے حکومت کے علم میں تھی جب یہ کارتوس پہلی بار جنگ کریمیا میں استعمال ہوئے۔ جون ولیم کے نے اپنی مشہور کتاب میں یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اس چکنائی میں گائے کی چربی شامل تھی، بتایا ہے کہ دسمبر ۱۸۵۳ء میں کرنل ٹکرنے نے یہ بات بالکل صاف طور پر اپنی رپورٹ میں بیان کر دی تھی۔ (جلد اول ص ۸۱-۲۸۰) چربی کی سپلائی کے ٹھیکہ دار نے اپنے معاہدے میں بیان کیا تھا کہ کارتوس چربی سے چکنے کیے جائیں گے اور گائے کی چربی دو پنس فی پونڈ کے حساب سے خریدی جائے گی۔ جب بات کھلنے لگی تو حکومت نے فوراً احکام جاری کیے کہ آئندہ گائے اور سور کی چربی استعمال نہ کی جائے۔ انگریز مورخ جی ڈبلو فارسٹ نے جو سرکاری دستاویز میں شائع کی ہیں ان سے یہ ثابت ہے کہ دراصل گائے اور سور کی چربی ملا کر استعمال کی جاتی تھی۔ لارڈ رابرٹس کہتا ہے :

”مسٹر فارسٹ کی حالیہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ کارتوس چکنانے کے لیے جو کمپچر استعمال کیا گیا وہ واقعی قابل اعتراض اشیاء یعنی گائے اور سور کی چربی سے بنایا گیا تھا اور اس سے سپاہ کے جذبات کی حیرت انگیز طور پر توہین ہوتی تھی“ ۱

دیسی سپاہ کے حق بجانب شبہات بڑھتے رہے کیونکہ حکام ایمانداری سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس میں قابل اعتراض اشیاء شامل نہیں۔ مزید یہ کہ اسی زمانے میں آٹے میں ہڈیاں ملانے کی افواہیں بھی پھیلنے لگیں۔ گورکھار بھیمنٹ میں یہ کارتوس دیئے گئے۔ انگریز افسروں نے دھمکیاں دیں کہ دیسی سپاہ کو زبردستی استعمال پر مجبور کیا جائے گا۔ ایسا بھی ہوا کہ بعض مقامات پر سپاہ کے انکار پر پوری رجمینٹ کو سخت سزا دی گئی ۲

1. ROBERTS: 41 Years in India p. 241

2. SAVARKAR: p. 66

برہام پور کا واقعہ | رانی گنج اور بارک پور کے قریبی علاقوں میں سپاہ کی بے چینی منظر عام پر آچکی تھی لیکن زیادہ نمایاں طور پر مرشد آباد کے قریب

برہام پور میں سامنے آئی جہاں کرنل میچل کی سرکردگی میں نمبر ۲۴ این آئی کے دو دستے بارک پور سے اسپیشل ڈیوٹی پر بھیجے گئے۔ یہاں نمبر ۱۹ این آئی مقیم تھی ۲۴ رجمنٹ کے سپاہیوں کو پہلے ہی کارتوسوں کی معلومات تھی۔ اس رجمنٹ کے آنے پر نمبر ۱۹ این آئی کے سپاہ نے بھی کارتوں پر شبہ ظاہر کیا۔ ایک عرضی کلکتہ ڈویژن کے میجر جنرل کو بھیجی جس میں اپنے شبہات کا اظہار کیا لیکن میچل نے انھیں سخت لب و لہجے میں دھمکیاں دیں اور کہا کہ حکم عدولی پر چین اور برما بھیج دیئے جاؤ گے وہاں سب کے سب موت کے منہ میں ہونگے ۱۹ رجمنٹ نے پھر بھی صاف انکار کر دیا۔ انگریز افسران اس غیر متوقع انکار پر خاموش ہو گئے اور پوشیدہ طور پر سزا دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تجویز کیا گیا کہ رجمنٹ ۱۹ کے تمام سپاہیوں کو ہر خاست کر دیا جائے۔ ایک گورہ رجمنٹ زنگون سے اس کام کے لیے بلائی گئی اور چنپورہ میں ٹہرا دی گئی۔ ۲۷ مارچ کو رجمنٹ نمبر ۱۹ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۳۱ مارچ کو بارک پور پہنچنے پر ان کے ہتھیار پھین لے گئے اور برطرفی کا حکم ہوا۔ اس رجمنٹ نے کوئی باغیانہ انداز اختیار نہیں کیا اور اس کے باوجود خاموشی سے اطاعت کی کہ رجمنٹ ۲۴ کے پیغام بر اس کے پاس بغاوت کی ترغیب دینے آئے تھے۔ رجمنٹ ۱۹ کے سپاہی اپنے دوسرے ساتھیوں کی نظر میں بہادر اور ہیرو قرار پائے کہ انھوں نے استقلال سے سزا بھگتی۔

منگل پانڈے۔ بارک پور | اسی دوران ۲۹ مارچ کو بارک پور میں ایک اور واقعہ ہوا رجمنٹ ۲۴ کے ایک نوجوان سپاہی منگل پانڈے کے

دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ سپاہ میں بغاوت کے لیے سازشیں برابر ہو رہی تھیں چند

ہی دن قبل نمبر ۲۔ این آئی گرانڈیر کے دو سپاہیوں کو سازش کرنے پر ۱۴ سال قید سخت کی سزا ہو چکی تھی۔ جمع دار سالگ رام کا کورٹ مارشل اس جرم میں ہو چکا تھا کہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے نئے کارتوس کے بارے میں کہا تھا۔ ۲۹ مارچ ۱۸۵۷ء کو بعد دوپہر ۲ بجے رجمینٹ کے ایڈ جومینٹ جنرل بف نے سنا کہ اس کے ایک سپاہی نے سارجنٹ میجر پر گولی چلائی ہے۔ وہ فوراً موقع پر پہنچا جہاں منگل پانڈے کی سارجنٹ میجر کا خاتمہ کر چکی تھی اور منگل پانڈے اپنے ساتھیوں کو بغاوت کے لیے پکار رہا تھا۔ لیفٹیننٹ بف کے گھوڑے کے گولی لگی اور مع گھوڑے کے گرا۔ پانڈے اپنی بندوق بھر ہی رہا تھا کہ لیفٹیننٹ نے اٹھ کر پستول سے فائر کیا مگر نشانہ چوک گیا۔ منگل نے بھرتی سے تلوار کھینچ لی، لیفٹیننٹ نے بھی تلوار نکالی مگر منگل پانڈے نے زمین پر گر دیا قریب تھا کہ خاتمہ کر دے کہ ایک سپاہی نے بچا لیا۔ دوسرے سپاہی دور کھڑے دیکھتے رہے اور کسی نے انگریز افسر کو بچانے کی کوشش نہ کی۔ کچھ دیر بعد جب وہ جمع دار کے کہنے پر آگے بڑھے تو زخمی انگریز افسروں کو اپنی بندوقوں کے کندوں سے مارا، پکار کر کہا کہ منگل پانڈے کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ کرنل نے گرفتار کرنے کا حکم دیا مگر سپاہ نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد جنرل ہیرسی چند گوروں کے ساتھ آیا۔ منگل پانڈے خون آلود تلوار ہلا رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بغاوت کرنے کے لیے چلا کر کہہ رہا تھا جب سپاہی جنرل ہیرسی کے حکم سے بھی آگے نہ بڑھے تو وہ خود آگے بڑھا۔ منگل پانڈے نے اب بندوق کا رخ اپنی طرف کر کے فائر کر لیا اور خون میں لت پت ہو کر گرا۔ کچھ لوگوں نے جنرل ہیرسی کو یہ کہہ کر تسکین دی کہ منگل پانڈے تو پاگل تھا، نشے میں تھا مگر ہیرسی یہ اصلیت سمجھ چکا تھا کہ انگریزوں سے نفرت اور بغاوت کے جذبات بھرپور اثر کر چکے ہیں۔ میا سن نے لکھا ہے کہ چاروں طرف اس قسم کی افواہیں تھیں کہ منگل پانڈے کا عمل طے شدہ اسکیم کے تحت تھا مگر وقت سے پہلے ظہور میں آ گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رجمنٹ ۱۹ کے لیڈر جو بارکپور آ رہی تھی راستے میں ۲۴ کے پیغامبروں سے خفیہ طریقے سے ملے۔ ۱۷ رجمنٹ ۱۹ کو بارکپور پہنچنے پر ۳۱ مارچ کو برطرف کر دیا گیا اور یہ تقریباً ایک

ہزار آدمی جو زیادہ تر اودھ کے رہنے والے تھے، بغاوت کی سلگتی چنگاریاں بھڑکانے کے لیے اودھ کی سرزمین پر پھیل گئے جہاں انقلابی رہنما پہلے ہی فضا تیار کر چکے تھے۔ منگل پانڈے کو ہسپتال بھیج دیا گیا، مقدمہ قائم ہوا۔ زور ڈالا گیا کہ خفیہ انقلابی تنظیم کے راز اور سازش کرنے والوں کے نام بتا دے مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اسے پھانسی کا حکم ہوا اور ۸ اپریل ۱۸۵۷ء کو پھانسی دیدی گئی۔

منگل پانڈے کی پھانسی کے بعد اُس کے دوسرے ساتھیوں کو سزائیں دی گئیں۔ ۲۴ جمنٹ کے بہت سے سپاہی گرفتار ہوئے، جمع دار ایشری پانڈے کو جس نے منگل پانڈے کو گرفتار کرنے سے انکار کیا تھا، ۲۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو پھانسی ہوئی۔ اس نے نہایت استقلال کے ساتھ پھانسی کے وقت اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا کہ وہ اس کی موت سے سبق لیں۔ رجمنٹ ۱۹ اور ۲۴ کو پریڈ پر بلا کر برخواست کرنے کا حکم سنایا گیا۔ انھوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ حکم ہوا کہ وردی واپس کر دیں اور ٹوپیاں، جو وہ اپنے پاس سے خریدا کرتے تھے، رہنے دیں تو پُرپوش سپاہیوں نے نہ صرف یہ کہ وردیاں اتار کر پھینک دیں بلکہ تمام ٹوپیاں بھی حقارت سے ہوا میں اچھاں دی گئیں اور ان کو پاؤں سے روند ڈالا گیا۔ ان رجمنٹوں کے پاس جو خطوط برآمد ہوئے ان سے ثابت ہوا کہ وہ خفیہ پلان بنا چکے تھے۔

۱۔ منگل پانڈے (پیدائش ۱۹ دسمبر ۱۸۲۸ء) ولد جگن ناتھ ولد شیونرائن ساکن نلوا ضلع غازی پور ۱۸۵۷ء میں شادی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں ایک بیٹا کیرتی دت ہوا پھانسی کے بعد اُس خاندان کے لوگ رُپوش ہو گئے کیرتی دت کے دو بیٹے رجنی کانت اور سوربہ ہوئے۔ سوربہ کانت کے بیٹے نرائن اور نرائن کے رام ہوئے (دھرم گیک ۱۵ جنوری ۱۹۸۲ء)

انبالہ اور لکھنؤ

انبالہ میں بھی نئے کارتوسوں کی ٹریننگ کامرکز قائم کیا گیا تھا اور کمانڈر انچیف جنرل آئسن یہیں مقیم تھا یہاں دیسی سپاہ کے افسروں نے کارتوسوں پر بے پنی کا اظہار کیا اور کارتوس کلٹنے والوں کو عیسائی ہو جانے کے طعنے دیئے۔ مسٹر کے سی یادو نے اپنی حالیہ انگریزی تصنیف ”ہریانہ میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت“ میں تفصیل سے کارتوسوں کے واقعات سرکاری ریکارڈ کے حوالوں سے بیان کیے ہیں۔ پنجاب کی بغاوت پر پارلیمنٹری کاغذات میں ہے کہ سنیا سی اور فقیر سپاہ کے درمیان بغاوت پھیلا رہے تھے۔ علاوہ ازیں ایک انگریز افسر جو مسلمان ہو گیا تھا (عبداللہ بیگ) اور اس تمام حقیقت سے واقف تھا، انبالہ آیا اور کارتوسوں کی حقیقت بیان کی۔ سپاہ نے جب کیپٹن مارٹینو سے اپنا احتجاج بیان کیا تو اس نے اسٹنٹ ایڈجوٹینٹ جنرل کو رپورٹ دی جس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ”سپاہ کے شبہات بے بنیاد نہیں ہیں اور سپاہیوں نے جو خط مجھے دکھائے ان سے معلوم ہوا کہ ہمگیر سازش ہو چکی ہے۔“ اس کے باوجود دیسی افسروں کو سزائیں ملیں، حکم ہوا کہ کارتوس کاٹنا پڑیں گے۔ ۵ مارچ کو گورنر جنرل کا یہ حکم آچکا تھا کہ کارتوس کاٹنے کا طریقہ بدل دیا جائے لیکن مقامی افسروں نے اسے چھپائے رکھا اور سپاہ کی بے پنی بڑھتی چلی گئی۔

یکم مئی ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ کی سپاہ نے بھی کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ انھیں یقین ہو چکا تھا کہ انگریز افسران نہ صرف ان کی کوئی بات ہمدردی سے سننے کو تیار نہیں بلکہ انھیں زبردستی مجبور کیا جا رہا ہے۔

آگ کی وارداتیں

لاک کے مختلف حصوں میں آگ لگنے کی وارداتیں ہونے لگیں۔ انبالہ میں یہ وارداتیں ۲۶ مارچ ۱۸۵۷ء ہی سے شروع ہو گئی تھیں اور یکم مئی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۶ اپریل کو انبالہ میں ہسپتال اور گودام وغیرہ میں آگ لگی مگر باوجود کوشش مجرموں کا پتہ نہ لگ سکا۔ اپریل کے آخر تک دہلی، لکھنؤ، میرٹھ وغیرہ میں بھی آگ کی وارداتیں

ہونے لگیں۔ لکھنؤ میں صبح آٹھ بجے سپاہ کو پریڈ پر بلایا گیا، چاروں طرف مسلح گورہ فوج نے گھیر لیا، سامنے تو پناہ نصب ہوا، اور گولہ باری کے لیے مہتابیں روشن کی گئیں، زیادہ تر سپاہی جان بچانے کے لیے بھاگے تو ان کا پیچھا کیا گیا۔

سپاہیوں نے سرمئی کو ہی کار توں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ لکھنؤ کے اخبار "ٹلسم" نے یہ حالات مخصوص انداز میں بیان کیے ہیں اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یکم مئی سے پہلے ہی بغاوت کے آثار تھے۔ اور وہ ایک ڈاکٹر کی شرارت کا سبب تھا چنانچہ یکم مئی کے اخبار "ٹلسم" کے الفاظ یہ ہیں:

”ظاہر ڈاکٹر کی دوا نے یہ اثر دکھایا ہے بنگلہ بھی اُس کا جلا اس پر بھی کلیو ٹھنڈا نہ ہوا۔ ہنگامہ مچایا ہے ڈاکٹر نے عہد ہندو مسلمان کا ایمان بگاڑا تھا، دبے ہوئے فتنے کو اکھاڑا تھا“

یہ ڈاکٹر ویلس کا واقعہ ہے جو ملٹری سرجن تھا اور ایک فوجی ہسپتال میں دوا کی بوتل منہ سے لگالی تھی جس پر فوجیوں میں شدید ناراضگی پیدا ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر کا بنگلہ جلا دیا گیا، وہ بمشکل جان بچا پایا۔

واقعہ اپریل ۱۸۵۷ء کا ہے لیکن دراصل انگریزوں کے خلاف مشتعل جذبات کا آئینہ دار ہے۔ ایسے واقعات لکھنؤ کے علاوہ اودھ کے تمام علاقوں میں ہوئے۔ کانپور اور ملیح آباد میں شورش کے نمایاں آثار پیدا ہوئے اور ہنری لارنس نے فوجی دستے روانہ کیے لے

1. GUBBINS: Eighteen Fifty seven p. 179-184

FORREST: History of The Indian Mutiny vol.1 p. 175

”یہ فوجی شورشیں نہیں، قومی بغاوتیں بن چکی
 ہیں..... یہ عوامی جنگ ہے اور ہندوستان کے کسی
 بھی جنگ میں آج تک عوام کی اتنی کثیر تعداد نے حصہ
 نہیں لیا..... ہمیں یقین ہے کہ خواہ بغاوتیں دہری
 جائے یا نہ دہرائے جائے لیکن یہ ہندوستان ہمارے ہاتھ سے
 نکلے جانے کے پیش رو نقیب ہے“

ارنسٹ ہونس (انگلینڈ)

باب ۲

شعلے

بغاوت کا آغاز

دہلی، آگرہ، علی گڑھ اور میرٹھ ڈویژن

❖ اودھ

❖ کانپور

❖ روہیل کھنڈ

بغاوت کا آغاز

میرٹھ — دہلی

تخریب شدہ کی چنگاریوں کو شعلوں میں تبدیل کر دینے کا سہرا اگر میرٹھ کی دیسی سپاہ کے سر ہے تو اس نقصان کی ذمہ داری بھی اُن ہی پر عائد ہوتی ہے جو مقررہ تاریخ سے قبل بغاوت شروع ہو جانے سے پہنچا۔ موڑخوں کا اندازہ ہے کہ طے شدہ تاریخ ۳۱ مئی سے پہلے اچانک بغاوت شروع ہو جانے سے انقلابی راہ نماؤں کا پلان بکھر گیا اور انگریزوں کو اس کا فائدہ پہنچا۔

۲۳ اپریل سے میرٹھ میں بھی آگ لگنے کی وارداتیں شروع ہو گئی تھیں۔ اس دن کرنل کار میچل اسمتھ کے خیمے میں آگ لگی جو یہاں نمبر ۳ نیٹو کیولری (سوار فوج) کا کمانڈر تھا۔ ساتھ ہی ہسپتال بھی آگ کی نذر ہوا۔ کارتوسوں پر دیسی سپاہ میں بے چینی پیدا ہو چکی تھی اور ایک شخص برج موہن کو اس کے استعمال پر لعنت ملامت کی جا چکی تھی۔ برج موہن ایک نچلی ذات اور کردار کا شخص تھا لیکن اسمتھ کی خانگی خدمت کر کے اس کا اعتماد حاصل کر چکا تھا۔ اُس نے دیسی سپاہ کو طعنہ دیا تھا کہ انھیں بھی یہی کرنا پڑے گا۔ دیسی سوار فوج نے عہد کیا

کہ وہ نئے کار تو سوں کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔

انگریزوں کو گمان یہ بھی تھا کہ بارک پور اور بہرام پور میں زیادہ تر ہندو سپاہی تھے جو عام طور پر فضول مذہبی توہمات میں مبتلا تھے لیکن میرٹھ میں چونکہ مسلمان سپاہی کافی ہیں اس لئے وہ ان فضول و ہموں میں مبتلا نہیں ہوں گے اور کار تو س کا ٹٹا منظور کر لیں گے اس طرح دونوں فرقوں میں ایک خلیج بھی پیدا کی جاسکتی ہے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ۲۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو پریٹھوانی پر دوسرے انگریزوں نے اسمتھ کو آگاہ کیا کہ وہ پریٹھوانی کر دے، سپاہ کے بغاوت کر دینے کا انہیں ہے لیکن اسمتھ اپنی ضد پر قائم رہا اور دھمکی یا بغاوت کے خوف سے پریٹھوانی کر دے پر تیار نہ ہوا۔ ۲۲ اپریل کو دیسی سپاہ کے نوے افسر پریٹھوانی آئے جن میں پچاسی افسروں نے کار تو س کا ٹٹے سے انکار کیا مگر ان کے عاجزانہ انکار نے انگریز افسروں کو چراغ پا کر دیا، تحقیقاتی عدالت مقرر کی گئی۔ جس کا مشاہدہ یہ تھا کہ دیسی سوار فوج نے رائے عامہ کے ڈر سے ایسا کیا ہے۔ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ کمانڈر انچیف کے حکم سے ان کا کورٹ مارشل ہوا۔ اس فوجی عدالت میں نمائشی طور پر دیسی افسروں کو بھی مقرر کیا گیا تھا لیکن ان کے نگران افسر (سپرینٹنڈنگ افسر) کے طور پر ایک انگریز بٹھادیا گیا۔ فیصلہ وہی ہونا تھا جو انگریز افسر چاہتے تھے، یعنی دیسی سپاہ کے پچاسی لیٹیروں کو دس دس سال قید یا مشقت — ان ہندوستانی افسروں کی عمر بھر کی خدمات، ان کی ضعیفی، ان کا بہترین کردار و فاداریاں، اچھا ریکارڈ و غرض سب کچھ نظر انداز کر دیا گیا۔ صرف گیارہ آدمیوں کے ساتھ ان کے بوڑھے بچے کے پیش نظر سزا میں کسی قدر نرمی کر دی گئی۔ ایک انگریز ہیوگٹ، جو اس موقع پر موجود تھا، یہاں تک کہتا ہے کہ :

1. FORREST: History of the Indian Mutiny Vol.1 p.32

SEN: Eighteen Fifty Seven p.56

2. COUGH: Old Memories pp. 12-13

”بوڑھے سپاہیوں کو عمر قید اور جلا وطنی کی سزائیں تجویز کی گئیں۔ باقی کے لئے پندرہ، بیس اور کم سے کم دس سال قید“ ۱۔

سرکاری یادداشتوں اور کاغذات سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ سپاہیوں نے اپنے بے قصور سزا پانے پر دلائل پیش کرنے کی لاکھ کوششیں کی مگر کچھ نہ سنی گئی۔ ایک سپاہی قدرت علی نے تو برسر عدالت جنرل اسمتھ سے چند سوالات کیئے۔ جنرل ہیوٹ کا بیان ہے کہ ”نہ کار تو سوں کے معاملے میں غلطی تسلیم کی گئی، نہ افسوس کا اظہار کیا گیا اور نہ ہمدردی روارکھی گئی۔ میں نے بعض ایسے سپاہیوں کی سزا کم کر دی جنکی ملازمت کو ابھی پانچ سال بھی نہ ہوئے تھے“ ۲۔ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو صبح تمام بریگیڈ کو پریڈ کے میدان میں جمع کیا گیا تاکہ ان پچاسی مجرموں کا تماشا بنا کر سب کو دکھایا جائے۔ اس دوران میں روزانہ رات کو سرکاری دفاتروں اور فوجی عمارتوں میں آگ لگنے کی وارداتیں (۹ مئی تک) ہوتی رہیں۔ فوجیوں میں خفیہ مشورے بھی ہوئے۔ بعض شہر کے عوام بھی ان میں شریک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مشورے کالی پلٹن کے مندر اور شاہ پیر صاحب کے مقبرے میں ہوتے تھے۔

غرض یہ کہ ۹ مئی کو گورنر فوج اور توپ خانہ دسی سپاہ کو گہرے میں لے کر کھڑا کیا گیا۔ فیصلہ سنایا گیا، پچاسی ہندوستانی افسروں کی وردیاں پھاڑ دی گئیں، ہتھکڑیاں اور پیریا پہنا دی گئیں، فوجی نشانات اور ہتھیار چھین لئے گئے اور خفارت سے جیل بھیج دیا گیا۔ انگریز مورخ مارش مین کا کہنا ہے کہ ”ان میں سے بعض تو تمام فوج کی ناک تھے اور کئی کئی معرکوں میں برٹش سلطنت کی خدمات انجام دے چکے تھے۔ بوڑھے سپاہیوں نے رور و کر جنرل سے رحم کی درخواست کی کہ اس ذلت سے معافی دی جائے۔ اب سپاہیوں کے دلوں میں اپنی

1. COUGH (Hugh): Old Memories. p17

2. Further Papers quoted by Sen p. 57

ذات بگڑنے کا ہی وسوسہ نہیں رہا تھا بلکہ ساتھ ہی غصے کی آگ بھی یہ دیکھ کر بھڑک اٹھی تھی کہ اُن کے بیڑے والوں کو بد معاشوں کی طرح جیل بھیج دیا گیا۔ ہندوستانی سپاہی چپ چاپ یہ تماشا دیکھتے اور بیچ و تاب کھاتے رہے۔ گورہ فوج کی سنگینیں گھیرے ہوئے تھیں اور توپ خانہ سامنے! مگر جب وہ اپنے گھروں پر پہنچے، یا تفریح کے لئے صدر بازار میں نکلے تو عورتوں کا جذبہ غیرت ابل پڑا۔ انھوں نے کہا:

”تم مرد ہو؟۔ تم سے تو ہم عورتیں اچھی۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ تمہارے سامنے تمہارے

افسران کے ہتھکڑیاں پڑیں اور تم کھڑے دیکھا کئے؟ تم سے کچھ نہ ہو سکا۔!!۔ لوبہ

چوڑیاں پہن لو اور ہتھیار ہمیں دو، ہم افسران کو چھڑائیں گے“ ۱۷

مشہور ہے کہ صدر بازار کی طوائفوں نے بھی سپاہیوں کو غیرت دلائی اور کہا کہ ”تم مرد نہیں ہو۔ اگر تم مرد ہوتے تو انگریزوں سے جنگ کرتے۔ تمہارے ساتھی جیل میں ہیں اور تم مکھیاں مارنے پھر رہے ہو۔ لعنت ہے تمہاری زندگی پر“ ۱۸

تمام رات سپاہ اور شہر کے لوگوں میں مشورے ہوئے اور فوراً **اچانک اور قبل از وقت** بناوت کا پروگرام بنالیا گیا۔ رجمنٹ ۲ کا اصرار تھا کہ انگریزوں کا قتل عام ہو مگر باقی سپاہی اس کے حق میں نہ تھے۔ رات تو اہنی بچٹوں میں بیت گئی مگر صبح انگریزوں کی موت کا پیغام لے کر آ رہی تھی اور وقت کی کہانی اب اُن کے خون کی سُرخ سے لکھی جانے والی تھی۔

بعض انگریز افسروں کو ۹ مئی کی شام کو ہی یہ خبریں ملیں کہ اگلے دن بناوت کا ارکان

۱۷ مارش مین: تاریخ ہند، مترجم ہاشمی فرید آبادی ۲۹۵

۱۸ ظہیر دہلوی: داستان غدر

۱۹ رُوحانی کبیتی: باغی میرٹھ ۲۵۱ د ساورکر ۱۱۱۔ بحوالہ لسن رپورٹ

لیکن انھوں نے تمسخر اور تحقارت سے عسنا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ میرٹھ ہی وہ مقام ہے جہاں سب سے زیادہ گورہ فوج اور ان کی حفاظت کے کافی انتظامات موجود تھے۔ اُدھر سپاہیوں کو یہ افواہیں سننے کو ملیں کہ باقی سپاہیوں کے لیے دو ہزار ہتھکڑیاں تیار ہیں اور ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو چپاسی افسروں کا ہوا۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کے سورج نے بھی اپنا سفر تمام کیا، انگریز اطمینان سے اتوار منارہے تھے، شام کو گرجوں کی گھنٹیاں بھیں، تمام انگریز وہاں جمع ہو گئے۔ اگر ہندوستانی عوام اور سپاہی اس وقت گرجے پر حملہ آور ہوتے تو انگریز افسران کو بیک وقت آسانی سے ختم کر سکتے تھے لیکن وہاں حملہ نہ کر کے جیل خانے کی طرف بڑھنا ان کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔ پھر یہ کہ جیل کے افسران سے بھی کوئی مار پیٹ انھوں نے نہیں کی۔ ۱۱

۱۰ مئی کی شام کے پانچ بجے اچانک بغاوت شروع ہو گئی نمبر ۳ سوار فوج کے سپاہی (تقریباً ۱۰۰) اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر پرانے جیل خانے پہنچے اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا، ان کے ساتھ ہی تمام قیدی (چودہ سو) رہا ہو گئے۔ پیدل فوج نمبر ۲ این آئی نے بھی پریڈ گراؤنڈ میں فوراً بغاوت شروع کر دی، نمبر ۱۱ این آئی نے ان کا ساتھ دیا۔ شہر اور صدر کے عوام ان کے ساتھ شامل ہو گئے رات ہوتے ہوتے یعنی تین چار گھنٹے کے اندر قریبی دیہات کے عوام شہر میں انگریزوں کا قتل عام کرنے کے لیے داخل ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب سوار فوج کے سپاہی اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر واپس چھاؤنی میں آئے تو وہ گھوڑوں سے نہ اترے بلکہ اپنے ساتھیوں کو بغاوت کی دعوت دعوت دی جس پر نمبر ۱۱ اور غاڑھنٹس مسلح ہو کر ان سے آملیں دوسری روایت یہ ہے کہ نمبر ۲ رجمنٹ نے بغاوت کی ابتدا کی اور دوسروں کو شرکت کی دعوت دی۔ نمبر ۱۱ رجمنٹ کے سپاہی کرنل فینس کے پاس گئے اور اسلحہ طلب کیے۔ اس نے اسلحہ نہ دیئے بلکہ پریڈ گراؤنڈ پر بلا کر ان کو دھمکیاں

۱۱ حسن نظامی: دہلی کی جانکنی ۲۰

۱۲ پرانا جیل خانہ میرٹھ کی موجودہ قیصر گنج منڈی میں تھا

دینا شروع کر دیں جس پر ایک سپاہی کی گولی نے فٹنس کو خاک میں ملا دیا۔ کرنل اسمتھ ادھر
 ادھر بھاگا پھرا، پہلے کمشنر کے پاس پھر بریگیڈیر کے اور پھر جنرل کمانڈنگ کے پاس۔ دوسرے
 انگریز افسران میں میجر ٹومب، ہیوگف، جونس اور آرتھ ڈیل و سن بریگیڈیر وغیرہ تھے جنہوں
 نے جان بچالی اور بعد میں دہلی کی جنگوں میں حصہ لیا۔ بعد میں جو انگریزوں کے لوٹ مار اور
 قتل و غارت کا بازار گرم ہوا اس میں سپاہیوں نے نمایاں حصہ نہیں لیا اور یہ کام انگریزی خون
 کے پیاسے دیہاتی اور شہری عوام نے انجام دیا۔ ایک ہندوستانی سپاہی نے بازار میں گھومتے
 ہوئے انگریز سپاہیوں سے بھاگ جلنے کے لئے کہا۔ تین ہندوستانی سپاہی جنرل گف کو سوا
 فوج کی چھاؤنی میں حفاظت سے پہنچانے گئے لیکن ساتھ ہی، جب گف نے انھیں اپنے
 ساتھ ٹھہرنے کے لئے بے حد اصرار کیا تو آخری سلام کرتے ہوئے رخصت ہو گئے، انھوں نے
 صاف کہا کہ اب اُن کی ڈیوٹی اپنے ساتھیوں میں ہے چاہے مریں یا جئیں، وہیں واپس
 جائیں گے۔ یہ انگریز جنرل ہیوگف، جس نے اپنی یادداشت کتابی صورت میں ”پرائی یادیں“
 (Old Memories) کے عنوان سے لکھی، اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا

ہے (ص ۳۸ - ۳۹) :

”اس کے بعد میں نے اپنے دوست ہندوستانی افسر کو کہیں نہیں پایا۔ میں
 اس کا نام جانتا ہوں، اودھ کے ایک ضلع میں اس کا گھر بھی ڈھونڈ نکالا مگر
 اس کا کہیں پتہ نشان نہ ملا۔ میں یہی نتیجہ نکال سکتا ہوں کہ وہ دہلی میں باغیوں
 کے ساتھ رہا اور وہیں اس کی موت ہوئی۔“

چشم دید بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نمبر ۳۷ سوار فوج کے سپاہی جب
 جیل کی طرف گئے تو نمبر ۲۰ اور ۲۱ این آئی کی سپاہ پر پڑ گراؤ لڈ پر

”مار و فرنگی کو!“

نکل آئی۔ اُن کا کمانڈر جنرل نفیس پھرتی سے سامنے آیا اور انھیں سمجھانا شروع کیا لیکن اسی دوران میں نمبر ۳ کا ایک سوار آیا اور اعلان کیا کہ ”گورہ فوج اِدھر آرہی ہے“ یہ سن کر انتہائی پھیل گیا اور ایک جوان نے نفیس پر گولی چلا دی۔ اندازہ یہ ہے کہ نمبر ۳ رجمنٹ کے سپاہی نے گولی چلائی۔ باقی نے اپنے افسروں کو نہیں مارا۔ گفت کا بیان ہے کہ ”ہمارے ایک بھی افسر کی جان ہمارے اپنے سپاہیوں نے نہیں لی“۔ وزیر علی خاں (ڈپٹی کلکٹر) نے اپنے بیان میں بتایا کہ اگرچہ شہر میں پوری رات لوٹ مار ہوتی رہی لیکن عام شہرت صدر اور شہر میں یہ تھی کہ سپاہیوں نے اُس میں قطعی حصہ نہیں لیا، انھوں نے صرف انگریزوں کے بنگلوں میں آگ لگائی اور انھیں قتل کیا۔ اسی بھی مثالیں موجود ہیں کہ سپاہیوں نے لوٹ مار کرنے والوں کو بھگایا اور مطلوبوں کی جان بچائی۔ ہر طرف سے اس ہنگامے میں ایک ہی آواز آتی تھی ”مارو فرنگی کو“۔ شہری اور دیہاتی عوام اپنے لوٹے پھوٹے ہتھیار لے کر ہزاروں کی تعداد میں نکل آئے تھے، بقول ہیوگف :

”شہروں اور دیہاتوں کے بھٹوں سے بے شمار ہندو اور مسلمان نکل کر آ گئے

اور انگریزوں کے ساتھ درندوں کا سا کام کر رہے تھے“۔

باغی سپاہی اور شہر کے عوام جوش و غصے سے پاگل ہو چکے تھے۔ صرف ایک ہی آواز تھی جو اُن کے کھولتے ہوئے خون کی تریجانی کر رہی تھی ”مارو فرنگی کو“۔ دہلی اور میرٹھ کے درمیان ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے گئے، ریلوے لائنوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سپاہ اور عوام کے یہ اُبلتے جذبات، یہ جوش، یہ دیوانگی کیا صرف نئے کار توسوں کی خاطر تھی ؟

ایک روایت یہ ہے کہ ۱۰ مئی کی شام کو ساڑھے پانچ بجے جب انگریز میگزین پر ہجوم | افسروں کو گڑبڑ کی خبر ملی تو فوراً اچھاؤنی میں آئے یہاں سب سے خاموش تھے مگر بعض نے اُن سے کہا کہ ”ہمیں معلوم ہوا ہے کہ گورہ فوج ہم سے ہتھیار لینے

آ رہی ہے اور نمبر رجمنٹ کے میگزین پر قبضہ کرے گی“ افسران نے انھیں اطمینان دلانا شروع کیا۔ جب یہ انگریز افسر میگزین کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ شہر و صدر کے عوام کا بڑا ہجوم وہاں جمع ہے کیپٹن بلیئر نے کمپنی گرانڈیل کو حکم دیا کہ لاٹھیوں سے منتشر کر دے مگر کمپنی نے تعمیل نہ کی۔ چند منٹ بعد انھوں نے دیکھا کہ سپاہی اپنی بندوقیں لیے بھاگے جا رہے ہیں وہ انھیں چھاؤنی میں واپس آنے کی ہدایت کر رہی رہے تھے کہ رسالہ نمبر کا ایک سوار دوڑتا ہوا چھاؤنی میں گیا اور پکار کر اعلان کیا کہ ”دیکھو انگریز لوگ آ رہے ہیں اگر سپاہ گری کا کچھ پاس ہے تو آؤ اور جو کچھ کرنا ہے ایک بار کر لو“ شہری عوام نے اس کی پرزور تائید کی، سپاہی اپنی بارکوں سے نکل آئے اور یہاں کرنل فینس گولی کا نشانہ بنا۔ اس کے بعد کیپٹن میکڈانلڈ اور ٹریگر (مہتمم مدراس) کو بھی قتل کیا گیا۔ ۱۷

موقعے سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار کرنے والوں نے کسرنہ چھوڑی، جن میں زیادہ تر قریبی گاؤں کے گجروں کے علاوہ قید سے چھوٹے ہوئے بد معاش اور شہر کے بدتماش لوگ شامل تھے۔ شہر کی پولس اُن کے ہمراہ ہو گئی۔ گٹھروں نے اپنے پرائے کی تمیز رائی رکھی اور بہت سے ہندوستانی بھی اُن کی دست درازیوں کا شکار ہوئے۔ انگریز مقتولوں میں سب سے زیادہ دردناک قتل مسنر چمبرز کا ہوا جو حاملہ تھی بعض افسروں کو مار کر قتل کر دیئے گئے بعض انگریز مثلاً میکنیزی کیپٹن کریگی وغیرہ اپنی اپنی دسی سپاہ کی چھاؤنیوں میں پہنچے تو سپاہ نے اگرچہ اُن کی جان نہیں لی مگر اُن سے صاف الفاظ میں چلا کر کہا:

”یہاں سے بھاگ جاؤ۔ کمپنی کا راج ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔“ ۱۸

۱۷۔ دوحانی کیٹی (میرٹھ): باغی میرٹھ / ۲۳

2. McKENZIE: Mutiny Memories pp. 12-13

SEN: pp.61-63

شریفانہ برتاؤ | دس مئی کی رات میں انگریزوں کا ہولناک قتل عام ہوا، ان کی عورتیں رات کی تاریکی میں ادھر ادھر بھاگیں۔ کچھ عورتوں اور بچوں نے توپ خانے میں پناہ لی جہاں ان کی حفاظت کا انتظام تھا۔ رات میں یہاں بھی حملہ کی ناکام کوشش کی گئی۔ لیکن ساتھ ہی ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ انقلابی عوام نے عورتوں کو بچانے کی کوشش کی۔ انگریزوں نے خود اپنے بیٹا میں بتایا ہے کہ اگرچہ زبردست تباہی و بربادی کی گئی مگر عورتوں اور بچوں کو سپاہیوں نے ہاتھ نہیں لگایا۔ کمشنر کے جمعہ دار گلاب خاں نے گرتھڈ کے گھر والوں کو جلتی آگ سے نکالا۔ چوکیا رنجتا ورنے مسٹر میکڈانلڈ کو بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالی مگر کامیاب نہ ہوا لیکن اس کے بچوں کو حفاطت کی جگہ میں پہنچا دیا مسٹر کورٹینی کی جان نمبر سوار فوج کے سپاہیوں نے بچائی۔ صغریٰ کے بچے میں رہنے والے کرایہ دار عیسائیوں پر حملہ ہوا مگر اس نے جان پر کھیل کر ان کی حفاظت کی۔ انگریزوں کے چشم دید بیانات میں کہا گیا ہے کہ اگر مقامی ہندوستانیوں نے اس طرح سے سیکڑوں کی جانیں نہ بچالی ہوتیں تو تباہی اور قتل و غارت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہتا۔ میلیسن نے بھی تباہی بیان کرتے ہوئے شریفانہ برتاؤ کی چند مثالیں دی ہیں۔

میرٹھ کی عوامی بغاوت | مشہور مورخ ایس۔ بی۔ چودھری کا اندازہ ہے کہ : ”میرٹھ کے عوام نے بغاوت میں پورے ملک

کے مقابلے میں زیادہ نمایاں حصہ لیا“ ۱

کمشنر میرٹھ فلیٹ وڈویم اپنی رپورٹ میں کہتا ہے :

”عوام عیسائیوں کو برباد کرنے پر تلمے ہوئے تھے اور اس قدر ان کے خون کے

1. Annals of Indian Rebellion pp. 105-107
SEN: p. 64

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion 1857 p. 64

پیاسے تھے کہ سوائے قتل کے کسی طرف راغب نہ تھے۔“

بعض رپورٹوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقتول انگریز افسروں کے جسم کو بھی بے عزتی اور پامالی کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا گیا۔ پرگنہ بڑوت کے بارے میں لکھا ہے :

”پوری آبادی بغاوت پر کھڑی ہو گئی تھی۔ دیہاتیوں کو جمع کرنے کے لیے چاروں طرف ڈھول بجائے گئے اور ہجوم بڑھتے چلے آتے تھے“ ۱۔

آس پاس کے دیہاتوں میں مثلاً سردھنہ، بنادر وغیرہ میں تحصیل پر حملے اور جیل توڑنے کے واقعات ہوئے۔ میرٹھ کا کوتوال شبن سنگھ انتقالیوں کے ہمراہ رہا اور ریواڑی کے تھانہ سے مل گیا۔ باغپت اور بڑوت میں جاٹ آبادی شاہ مل سنگھ کی راہ نمائی میں بغاوت میں شریک تھی۔ پریچت گڑھ، اکل پور اور بھروڑ میں زبردست عوامی بغاوت تھی۔ گرٹھی نامی گاؤں بغاوت کا خاص مرکز تھا جس کی تمام مرد آبادی کو بعد میں انتقام لینے کے لیے قتل کیا گیا۔ ان علاقوں کے لیڈر زریٹ سنگھ، ناظم خاں اور کرم سنگھ وغیرہ تھے۔ مغربی اور جنوبی سمت کے گاؤں میں عوام نے اعلانِ بہادر شاہ کی حمایت کا اعلان کیا اور ایک بار جب انگریزی فوج بسودھ نامی گاؤں سے گذری تو عوام کے مسلح ہجوم نے اس پر فائر کئے۔ ۲۔ گھاٹ پانچلی کے جو گجروں کا گاؤں تھا، تمام بالغوں (مردوں) کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ ۳۔

میلیسن نے پوری تحقیق کے بعد اپنی کتاب میں میرٹھ کے بارے میں لکھا ہے کہ اگرچہ بغاوت کے وقت مولوی (احمد اللہ شاہؒ) یا آس کے ساتھ غالباً موجود نہیں تھے مگر انھوں نے فوج کی تمام جنگوں

1. CHAUDHURI: p. 64

2. CHAUDHURI: p. 65

۳۔ روحانی کیٹی: باغی میرٹھ/ ۳۰

میں کیٹیاں بنادی تھیں جو اپنا کام کر رہی تھیں۔ انہی کے آدمیوں نے آٹے میں ہڈیاں پیس کر ملائے جانے کی افواہ پھیلائی اور نئے کارٹوسوں کے بارے میں معلومات دہی سپاہ کو فراہم کی۔ واضح رہے کہ فوج میں کیٹیاں بنانے کی تصدیق جے سی ولسن کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور انگریز انسپرار برٹ ہنری ویلیس ڈنلپ جس نے اپنے چشم دید مشاہدات کتابی صورت میں بیان کئے اور میرٹھ کے قرب و جوار کے حالات لکھے ہیں، اعتراف کرتا ہے کہ بغاوت کے لئے سازش پہلے سے موجود تھی۔ اسی کتاب میں وہ ٹکینہ ضلع بجنور کے تحصیل دار نواب احمد اللہ خاں کے یہ الفاظ بھی نقل کرتا ہے جو انھوں نے یکم مئی ۱۸۵۷ء کو ایک انگریز سے کہے (ص ۱۵۴):

”اس بار ہم کامیاب ہوں گے کیونکہ یہ کام اب لائق ہاتھوں میں ہے۔“ یہی انگریز ایک جگہ یہ بھی بتاتا ہے کہ شاہ دہلی کے دفتر سے جو خطوط برآمد ہوئے ان میں متعدد خط باغیانہ سازش اور اسکیم پر روشنی ڈالتے تھے جو میرٹھ پر حملے کے لئے تھیں۔ یہ خط ولسن کے دہلی رسالے کے انسٹرکٹور خاں نے لکھے تھے (ص ۷۰)۔

میرٹھ کے عوام تو یہاں انگریزوں کے خون سے اپنی سو سالہ پیاس دہلی چلو! بجھاتے رہے اور باغی فوج پر وگرام کے مطابق رات ہی میں دہلی کی طرف مارچ کرنے لگی۔ مختلف راستوں سے ان کی مختلف پیدل اور سوار ٹولیاں یکے بعد دیگرے روانہ ہونے لگیں۔ انگریزوں کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں گئے کیونکہ اب سپاہی میرٹھ میں کہیں نظر نہ آتے تھے اور یہ بات انگریزوں کی پریشانی اور حیرانی میں اور

1. MALLESON: Indian Mutiny of 1857 p 66
Khaki Risala p. 52-54

2. DUNLOP (R.H.W): Services and Adventures with

بھی اضافہ کر رہی تھی۔ آٹھ نو گھنٹے بعد انھیں یہ پتہ چل سکا کہ سپاہی دہلی گئے ہیں۔ اب پیچھا کرنا بیکار تھا بلکہ اب دہلی کو اطلاع بھی نہ دی جاسکتی تھی کہ اُن پر کیا قیامت نازل ہونے والی ہے۔ انقلابی سپاہ آہستہ آہستہ دہلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ واقعات کا ربط برقرار رکھنے کے لیے پہلے ہم دہلی پر نظر ڈالیں گے اور میرٹھ کے قرب و جوار کے علاقوں کا حال بعد میں بیان کریں گے۔

۱۰ میرٹھ میں ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو رڑکی سے سفر مینا کی چھ کمپنیاں آئیں جن کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ دو کمپنیوں نے انکار کیا اور اپنے افسر کو گولی سے مار دیا۔ ان کا پیچھا کر کے پچاس سپاہی مار ڈالے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔ شہر میں پھانسیوں کا بازار گرم ہوا تو خونی پل، خیرنگر گیٹ کے چوراہے پر پھانسیاں لگائی گئیں۔ گھنٹہ گھر کے سامنے بھینسا مندر کے قریب درختوں پر، منو خاں کے چوک وغیرہ میں دن رات پھانسیاں دی گئیں۔

دہلی

مغل شہنشاہوں کا آخری بے دست و پا وارث بہادر شاہ ظفر اپنے اجداد کی قیام گاہ لال قلعے میں رہتا تھا اور آبائی عظمت کی یادگار کے طور پر بادشاہ غازی کا لقب اس کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا لیکن وہ غریب عملی اور فطری اعتبار سے نہ بادشاہ تھا نہ غازی۔ وہ اگر کچھ تھا تو بڑھا پے میں اپنی جوان چہیتی بیگم زینت محل کا ایک عاشق زار شوہر، ایک شاعر اور ہر طرح سے انگریز حاکموں کا ایسا مجبور محکوم جس کو لال قلعے سے نکلنے کا بھی اعلان آخر کار سنایا جا چکا تھا۔ اے

اے لیکن اس کے باوجود مغل سلطنت کے خاتمے کے بعد بھی ہندوستانی ریاستوں میں رائج سکوں پر مغل بادشاہ کا نام بدستور رہا مثلاً ہلکے کے شاہی سکوں پر شاہ عالم ثانی کا نام ٹوکوجی راؤ ثانی (۱۸۴۶-۸۶) کے عہد تک موجود تھا۔ اسی طرح گوالیار کے سکے پر اکبر شاہ ثانی کا نام ۱۸۵۶ء تک تھا۔ (سین/۶۷)

تحریک ۱۸۵۷ء کے لئے جو خفیہ تیاریاں ہو رہی تھیں، دہلی یقیناً اس کا مرکز رہا ہو گا چنانچہ اپریل ۱۸۵۷ء میں نانا صاحب، عظیم الشان اور مولانا احمد اللہ شاہ کے دورے کی تصدیق تو تاریخ کے صفحات پیش کرتے ہیں لیکن دوسرے انقلابی راہنماؤں کی سرگرمیاں، جو اگرچہ برابر جاری رہی ہوں گی، ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ میرٹھ کی اچانک بغاوت کی دہلی میں کوئی اطلاع نہیں تھی لیکن اندازہ ہے کہ میرٹھ کے فوجی نامہ بردس مئی کو ہونے والی بغاوت اور فوجیوں کے پہنچنے کی اطلاع دے چکے تھے۔ مسٹر ہیریٹ اور جج ایڈوکیٹ جنرل نے دستاویزوں کا معائنہ کرنے کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ بہادر شاہ نہ سہی مگر قلعے کے بعض منتخب ذمہ داروں کو اس تمام سازش کا علم تھا بغاوت سپاہ تک محدود نہیں تھی اور صرف سپاہ نے شروع نہیں کی بلکہ تمام دہلی شہر اور قلعے میں اس کے اثرات تھے (مقدمہ بہادر شاہ)۔

مسٹر ایس بی چودھری کا خیال ہے کہ واقعات یکے بعد دیگرے جس تیزی سے عمل میں آئے ان کا تصور اور تشریح دہلی اور میرٹھ کے درمیان اس پوشیدہ رابطے کے بغیر ممکن نہیں سا اور کر کا کہنا ہے کہ میرٹھ کی سپاہ کے پہنچنے سے کچھ ہی پہلے دہلی میں یہ خبر آچکی تھی۔ مقدمہ بہادر شاہ کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اطلاع اس سے بھی پہلے ملی تھی کہ اگر کارٹوسوں پر ہنگامہ ہوا تو میرٹھ کے سپاہی دہلی کی فوج سے آملیں گے اور یہ سازش ایک ہندوستانی افسر کے ذریعے عمل میں آنا تھی (جاٹ مل کا بیان)۔ اپریل ۱۸۵۷ء کے شروع میں جامع مسجد کے دروازے پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا جس پر ڈھال اور تلوار بنی ہوئی تھی اس میں مسلمانوں سے جہاد کی اپیل کی گئی تھی۔ مکند لال نے مقدمہ بہادر شاہ میں بیان دیا کہ بغاوت سے تقریباً بیس دن قبل یہ اطلاع آئی تھی کہ میرٹھ میں بغاوت ہونے والی ہے۔ مقدمہ بہادر شاہ

میں حکیم احسن اللہ نے اپنے بیان میں دیسی سپاہ کی ہمہ گیر سازش کا ذکر کیا ہے اور بہا شاہ کو اس سے باخبر بتایا ہے۔

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کا سورج بلند ہونے بھی نہ پایا تھا
انقلابی سپاہی دہلی میں | کہ میرٹھ کے انقلابی سپاہیوں کی ایک ٹوٹی کا
 عکس جمنا میں نظر آنے لگا۔ ”جمنا جی کی جے“ کا منعرہ لگا کر انھوں نے پل
 پار کیا، یہاں کے انگریز انچارج کو قتل کیا اور قلعے کی فصیل کے نیچے آگئے۔ شہر پنہا
 کے دربانوں نے بخوشی دروازے کھول دیئے اور ان کی ہمراہی کا اعلان کیا۔ جیسے
 کہ وہ اس کے انتظار میں ہی تھے۔ انگریز جہاں کہیں دروازوں پر تھے، موت کے
 گھاٹ اتر گئے اور باغی سپاہ کے گروہ راج گھاٹ دروازے، کشمیری دروازے،
 اور دہلی دروازے سے ”دین دین“ کے منعرے لگاتے ہوئے داخل ہو گئے۔ شہر کے
 ہندو مسلم عوام نے ان کی خاطر مدارات کی، قلعہ سلیم گڑھ پر جو توپچی فٹیلے جلائے بیٹھے
 تھے انھوں نے فٹیلے پھینک دیئے اور ہتھیار لے کر ساتھ ہو گئے۔

دہلی میں ۱۱ مئی کی صبح کو معمول کے مطابق سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ گرمیوں
 میں چونکہ اسکول کالج صبح کھلتے تھے اس لئے دہلی کالج کا پروفیسر رام چندر جس نے
 عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، کالج جا چکا تھا۔ نواب جھجر کا کارندہ کاشی پرشاد
 حسب معمول صبح کو گھوڑے کی سواری پر نکلا، جیون لال اپنا روزنامہ (ڈائری) لیکر
 کیپٹن ڈوگلکس سے ملنے گیا اور پھر کچہری چلا گیا۔ پہاڑ گنج کا تھانہ دار معین الدین بھی
 کلکٹری عدالت میں ایک مقدمے کے سلسلے میں پہنچا ہوا تھا۔ دہلی کا کمشنر سائمن فریزر
 ابھی بستر سے نہ اٹھا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ رات سے شراب کے نشے میں مست پڑا تھا

انقلابی سپاہی لال قلعے کے سامنے | انقلابی سوار سپاہی جو سب سے پہلے
 دہلی پہنچے تھے، لال قلعے کے جھروکے

کے نیچے آئے، یہ تقریباً تیس چالیس تھے، بعض کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں، بعض کے پستول اور کارتوس۔ ان کے ہمراہ کچھ سائیس بھی تھے جن کے سروں پر گٹھریاں تھیں۔ اکثر وردی میں تھے اور بعض بغیر وردی کے۔ انھوں نے باقاعدہ بادشاہ کو سلامی دی شور مچانا شروع کیا:

”دہائی ہے بادشاہ سلامت کی۔ ہم دھرم کی جنگ میں مدد کے طلب گار ہیں۔“

یہاں روایتیں مختلف بیان کی جاتی ہیں۔ ظہیر دہلوی کے بیان کے بموجب حکیم احسن اللہ نے تسبیح خانے میں آکر سواروں سے بات چیت شروع کی۔ چند سوار زیر جھروکہ آکر کھڑے ہو گئے، گھوڑوں سے اترے اور بادشاہ کو مخاطب کیا:

”حضور آپ دین دنیا کے بادشاہ ہیں تمام ملک آپ کا فرماں بردار ہے۔۔۔۔۔“

انھوں نے اپنی خدمات، انگریزوں کی دغا بازیاں، میرٹھ کے حالات اور کارتوسوں کا واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ کے جو الفاظ اس کے جواب میں ظہیر دہلوی نے نقل کئے ہیں وہ یہاں کی گفتگو معلوم نہیں ہوئی کیونکہ جھروکہ میں بہادر شاہ نہیں آئے۔ بلکہ ڈوگلز نے بات کی۔ بادشاہ کی بات چیت دیوان خاص میں انقلابی سپاہ سے بعد میں ہوئی ہوگی۔ یعنی:

”سنو بھائی! مجھے بادشاہ کون کہتا ہے۔ میں تو فقیر ہوں، ایک تکیہ بنائے اپنی اولاد کو لیے بیٹھا ہوں، بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی، سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی۔۔۔۔۔ میرے پاس خزانہ نہیں کہ تم کو تنخواہ دوں، فوج نہیں کہ تمھاری مدد کر سکوں، ملک نہیں کہ تمھیں کے لئے نوکر رکھوں۔ ہاں یہ کر سکتا ہوں کہ انگریزوں سے تمھاری صلح

کرا دواں“

حکیم احسن اللہ نے اپنی یادداشت میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ انقلابی سپاہ کے شہر میں داخل ہو جانے کے بعد پچاس باغی سپاہی اور بڑی تعداد میں سوار فوج کے لوگ اچانک دیوان خاص میں آئے اور کہا کہ ”ہم دین کے لئے جنگ کرنے آئے ہیں اور بادشاہ کو سلام کرنا چاہتے ہیں“ چھاؤنی سے ایک رجمنٹ آئی، اس نے بھی یہی کہا۔ بادشاہ باہر آئے اور یہ گفتگو کی۔ بہر حال، جھروکا پراس درمیان میں قلعے کا کپتان ڈوگلکس یا کمشنر فریزر آئے اور باغی سپاہ سے کہا: ”کیا یہی تمہاری نمک خواری ہے کہ ہم نے تمہیں پرورش کیا اور آج تم ہمارے مقابلے کو تیار ہو“

باغیوں نے جواب دیا — ”کوئی شک نہیں، ہم کو سرکار نے پالا اور پرورش کیا مگر ہم نے آج تک نمک حرامی نہیں کی، جہاں سرکار نے جھونک دیا ہم آگ اور پانی میں آنکھیں بند کر کے کود پڑے، کابل پر ہم گئے، لاہور ہم نے فتح کیا، کلکتے سے کابل تک ہم نے جانیں دیں۔ اب جبکہ سرکار کا قبضہ ہو گیا تو ہمارے دین کے درپے ہوئی ہے۔ ہم کو مرجانا قبول ہے مگر بے دین ہونا نہیں“ — فریزر نے قسمیں کھا کر یقین دلانا چاہا کہ ہم انصاف کریں گے مگر جواب ملا:

”غریب پرور۔! ہم کو سرکار کے قول پر بھروسہ نہیں جس نے اکثر جگہ

۱۔ احسن اللہ کی یہ یادداشت اصلی حالت میں دستیاب نہیں، اس کا ترجمہ جو ایک انگریز افسر نے کیا، انڈیا آفس کی لائبریری لندن میں مورخ جون کے فائلوں میں ہے اور پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے رسالے (جنوری ۱۹۵۷ء جلد ۱ حصہ اول) میں ’میموریز آف حکیم احسن اللہ‘ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

دھوکا دے کر ملک گیری کی ہے۔ آج ہم اطاعت کریں گے اور کل ہم کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ ہم کو بھنگی کے ہاتھ پھانسی پلے سے تلوار سے مرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔“

یہی تکرار تھی کہ ایک بپھرے ہوئے سپاہی نے فریزر پر گولی چلا دی مگر وہ تیج خانے کے ستون پر لگی اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گرا جو آج بھی اسی طرح موجود ہے۔ فریزر خوف زدہ ہو کر قلعے کے اندر بھاگ گیا اور باغی سوار راج گھاٹ دروازے سے شہر میں داخل ہوئے۔ ۱۷

مقدمہ بہادر شاہ میں بیانات اور دیگر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ فریزر نہیں بلکہ کپتان ڈوگلز باغیوں سے گفتگو کرنے آیا اور اُسے بہادر شاہ نے بلوایا تھا مگر باغی سپاہ کے قریب جانے سے منع کیا تو اُس نے اوپر ہی سے بات کی۔ یہ سواروں کا پہلا دستہ تھا۔ ساورکر کا کہنا ہے کہ تقریباً دو ہزار سپاہی سوار و پیدل میرٹھ سے آئے اور بہادر شاہ سے رہنمائی کی درخواست کی۔ جب بہادر شاہ نے خزانہ اور فوج نہ ہونے کا عذر کیا تو انھوں نے کہا کہ ”ہم تمام انگریزی خزانے لوٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دیں گے“ جب بادشاہ نے رہنمائی قبول کی تو مسرت انگیز شور سنائی دیا۔ احسن اللہ کی یادداشت میں ہے کہ بادشاہ خاموشی سے اندر چلے گئے، شام ہوتے ہوتے اور بھی باغی سپاہ جمع ہو گئی جو دیوان عام، سلیم گڑھ، منقار خانے وغیرہ میں مقیم ہوئے۔ مورخ چارلس بال نے بھی اپنی کتاب میں (جلد اول۔ ص ۱۴۳) بادشاہ اور سپاہ کی گفتگو نقل کی ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ بادشاہ دیوان

خاص میں تخت پر بیٹھے، سپاہی اُن کے آگے سے سر جھکا کر گزرتے اور وہ اُن کے سر پر ہاتھ رکھ دینے شہر کے دروازوں سے جو باغی داخل ہوئے اُنھوں نے دریائے گنج میں انگریزوں کے مکانات کو لوٹنا اور آگ لگانا شروع کر دیا تھا۔ ”(راج گھاٹ) دروازے کی سڑک جو کھائی چوبکی دریائے گنج کی چوڑائی میں سنہری مسجد کے سامنے جا کر تمام ہوتی ہے وہاں سنہری مسجد کے نیچے چوراہا ہے۔ ایک سڑک تو لال قلعے کے نیچے ہوتی ہوئی لال ڈکی کو جاتی ہے اور ایک راستہ خاص بازار کو جاتا ہے اور یہیں سے قلعے کا میدان شروع ہے اور جنوب کے جانب میں دو سڑکیں برابر دہلی دروازے کو جاتی ہیں، نہر حائل ہے اور ایک سڑک کہ جو گوشہ جنوب و مشرق میں دریائے گنج کو جاتی ہے اس میں اول ہی سڑک کے کنارے پادری کا بنگلہ ہے۔ یہ پادری صاحب اول تو ہندو تھے پھر عیسائی ہو گئے، اول انہی پر چوٹ ہوئی۔ اس کو قتل کیا گیا اور کشت خون یہیں سے شروع ہوا۔ اس کے بعد قریبی ہسپتال میں چمن لال کو قتل کیا اور ہسپتال میں توڑ پھوڑ کی۔ ۱۷

دہلی کے حالات اور ماحول کو ذہن میں رکھ کر آگے بڑھنا مناسب | **لال قلعہ بہادر شاہ اور زینت محل** معلوم ہوتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ بغاوت ۱۸۵۷ء کا حال یہاں چھوڑ کر ان حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

دہلی اور لال قلعے کی زندگی پریوں تو صد ہا کتابیں اور مآخذ ہیں لیکن ہم عصر اور

۱۷ ظہیر دہلوی : داستانِ غدر / ۵۶ - یہ عیسائی چمن لال اپنے دو اخانے کے سامنے کھڑا تھا۔ خاص بازار اب نہیں ہے، موجودہ سبھاش پارک (ایڈورڈ پارک) کے مقام پر تھا۔

مستند تاریخی یادداشتوں میں نیشنل آرکائیوز کے فارن پولیٹیکل ریکارڈ کے علاوہ اس فائل میں تقریباً آٹھ سو صفحات کی جلیس ایٹلی جینس (Palace Intelligence) کے نام سے ہے یہ محکمہ لال قلعے میں انگریزوں نے سیاسی مقصد سے جاسوسی اور خبریں حاصل کرنے کے لئے قائم کیا تھا، ۱۸۵۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کاریکارڈ ہے اور اس دور کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالتا ہے۔ فارسی روزنامہ 'خلاصہ اخبار' (قلمی) یا کورٹ ڈائری بھی بہادر شاہ اور لال قلعے کی رپورٹ (۱۸۵۷-۱۸۵۹ء) ہے۔ اخبار دربار ابوالمنظر سراج الدین بہادر شاہ (قلمی) بہادر شاہ کی تخت نشینی کے ابتدائی ایام کار و زنا میں ہے۔ اس کے علاوہ 'پنجاب گورنمنٹ ریکارڈ' میں بھی کافی مواد یعنی دہلی کے انگریز ایجنٹ کی رپورٹ ہے جو مطبوعہ شکل میں ہے۔ دہلی سے نکلنے والے اخبارات (اردو فارسی) بھی اس دور کی تصویر سامنے لاتے ہیں چنی لال، جیون لال اور معین الدین کے روزنامے جنہیں مٹکاف نے انگریزی میں ترجمہ کر کے (Two Native Narratives)

شایع کیا اور جن کا ترجمہ حسن نظامی نے 'غدر کی صبح شام' کے عنوان سے چھاپا۔ ۱۷ عبدالمطیف کا قلمی روزنامہ (مرتبہ خلیق احمد نظامی) بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک انگریز فوجی انسپکٹنگ نے کتاب (Delhi — 1857) لکھی جو محاصرہ دہلی کے زمانے میں پہاڑی پر مقیم تھا۔ میجر ہنسن کی کتاب (Twelve Years of a Soldier) اور گرتھریڈ کے خطوط ہم عصر مآخذ ہیں۔ ظہیر دہلوی کی 'داستان غدر' چشم دید حالات پر مشتمل ہے۔ سر سید کی کتاب 'آثار الصنادید' اور بعد میں بشیر الدین

۱۷ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے حال ہی میں یہ اصل روزنامہ حاصل کر کے 'غدر' کے عنوان سے مرتب کیا ہے جسے 'دہلی یونیورسٹی' شعبہ اُردو کی طرف سے شائع کیا گیا۔

’کی“ واقعات دارالحکومت“، دہلی کے حالات، عمارتوں اور اس دور کے مشاہیر کا تفصیلی حال بیان کرتی ہیں۔ آثار الصنادید ۱۸۵۷ء سے تقریباً دس سال پہلے کی ہے اور واقعات دارالحکومت ۱۹۱۹ء کی۔ ان کے علاوہ (G.DOGG) (جی۔ ڈاگ) کی کتا (Revolt in India) (ہندوستان کی بغاوت) بٹلر کی کتاب

’ویدوں کی سرزمین‘ (Land of Vedas) جو ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی۔ سی۔ ایف انڈریوز نے ذکا اللہ دہلوی کی سوانح ۱۹۲۹ء میں مرتب کی جس میں اس دور کی عام زندگی اور حالات سے غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے پردہ اٹھایا گیا، جیمس لینر کی کتاب ’لال قلعہ‘ (The Red Fort) ۱۹۵۶ء میں لندن سے شائع

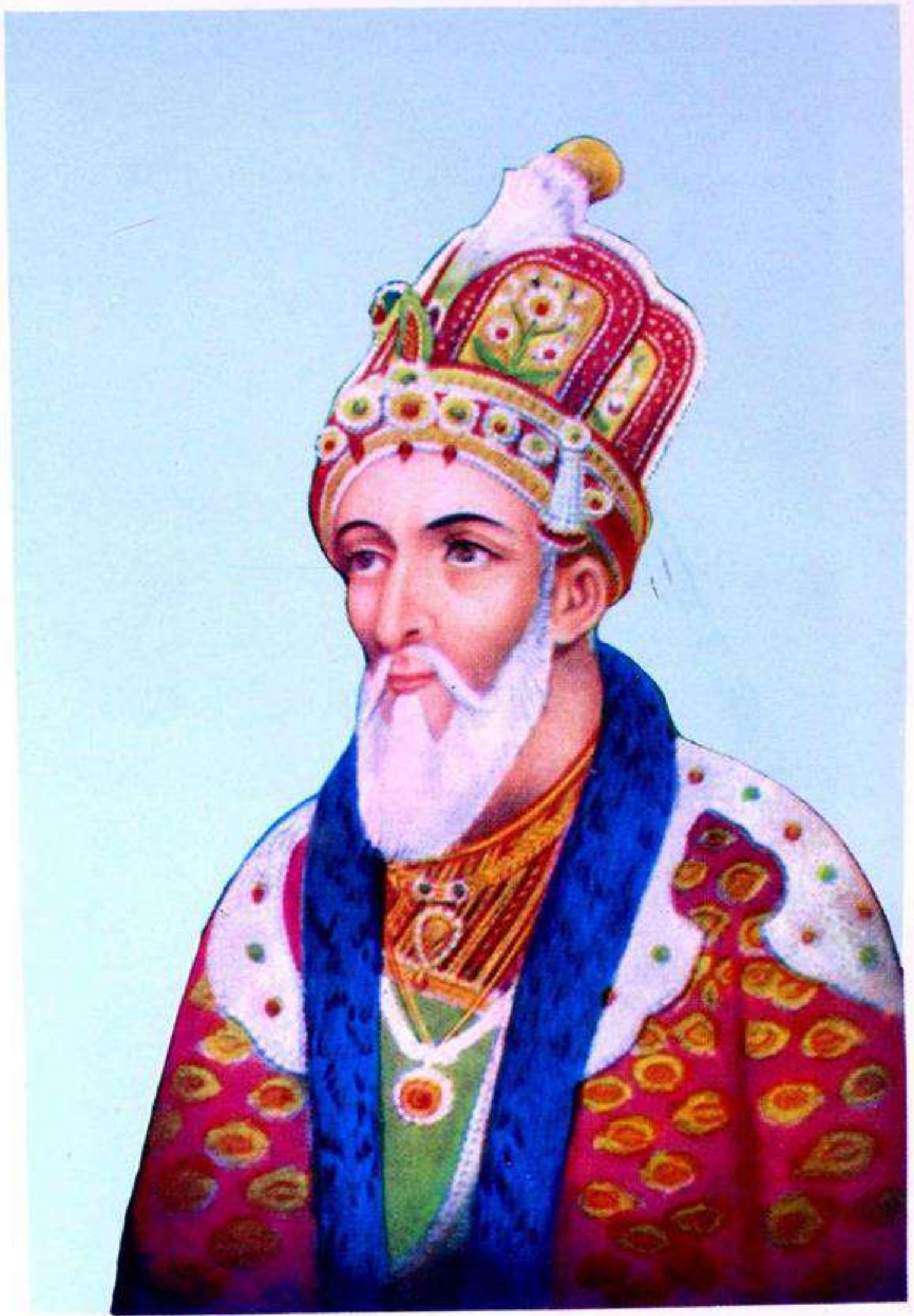
ہوئی۔ دہلی سے نکلنے والے اخباروں میں ’سراج الاخبار‘ (فارسی) بہادر شاہ کا سرکاری اخبار تھا جو اس دور کے ایک روزنامے کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں دورانِ بغاوت کی بھی اہم معلومات محفوظ ہیں۔ پرسیول اسپیر کی حالیہ کتاب (Twilight of the

Mughals) میں بھی اس موضوع پر تحقیقات کا حق ادا کیا گیا ہے۔ آخری مغل بادشاہوں کے دور پر مرزا احمد اختر خلیف دارالبحث ولی عہد بہادر شاہ کی کتاب ’سوانح دہلی‘ بھی بعض نئی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

بہادر شاہ ظفر (سراج الدین) اکبر شاہ ثانی کی راجپوت بیگم لال بانی کے بطن سے ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوا۔ جیسا کہ دستور تھا، زمانہ شہزادگی میں سپہ گری، سپہ شناسی، سواری، تیراندازی وغیرہ کے فنون میں مہارت حاصل کی لیکن طبیعت شعر و شاعری کی طرف مائل اور آرام پسند تھی۔ اکبر شاہ کے زمانے ہی میں کمپنی پورا اقتدار حاصل کر چکی تھی۔ اکبر شاہ نے اپنے بیٹے مرزا جہانگیر کو ولی عہد بنانا چاہا لیکن وہ انگریز دشمنی میں مشہور تھا اور ریڈنٹ پر گولی چلائی تھی جس کی وجہ سے الہ آباد بھیج دیا گیا۔ پھر اکبر شاہ نے مرزا نیلی کو ولی عہد بنانا چاہا مگر کمپنی نے ایک نہ چلنے دی

اور انگریز بہادر شاہ کی ولی عہدی پر رضا مند ہوئے جو اُن کے نزدیک مناسب ترین معلوم ہوتا تھا۔ تخت نشینی (۱۸۵۷ء) کے وقت اُس کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔ اُس کا تمام دن شعر کہنے میں بسر ہوتا اور روشنِ آرا باغ میں یہ شغل رہتا تھا یہاں تک کہ تخت نشینی کے بعد بھی اُردو اور پنجابی کے پانچ دیوان مرتب کئے۔ وہ تصوف اور فلسفے کی طرف مائل، صلح کل، مسکین مزاج انسان تھا، چشتیہ سلسلے کے بزرگ حضرت شیخ فخر الدین سے ابتدائی عمر سے ہی بیعت تھا۔ کچھ تو اپنی فطرت کے اعتبار سے انگریزوں کے حسب منشا تھا ہی، اور کچھ یہ کہ اُسے انتظامی قابلیت دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا گیا چنانچہ پرسیول اسپر کو بھی اعتراف ہے کہ ”ہمیں اب یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس نے عملی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کر لی تھیں یا نہیں کیونکہ شروع ہی میں ایسے تمام مواقع اس کے لئے ممنوع کر دیئے گئے اور بغاوت بہت بعد از وقت واقع ہوئی ورنہ شاید وہ اپنے وقت کا ایک اچھا آئینی حکمران ہوتا۔“ وہ مذہبی رجحان رکھتا تھا لیکن تعصب اور تنگ نظری قطعی اس کے مزاج میں نہ تھی، ہندو مسلمانوں کے تہواروں میں یکساں طور پر شرکت کرتا اور شاہی پیمانے پر مناتا تھا۔ اس قسم کے متعدد واقعات اور حوالے ہیں جو طوالت کے خوف سے منظر انداز کرنا پڑ رہے ہیں تفصیلات کے لئے اس سلسلے کے مآخذ اور کتابیں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا، دیکھی جاسکتی ہیں۔ بہادر شاہ کے کردار اور عمل کی اسی پرکشش آفتاب نے اُسے عوام میں بلا امتیاز انتہائی ہر دل عزیز و بخشی تھی جس کا گواہ سی ایف انڈریو

1.,2. MEHDI HASAN: Bahadur Shah and War of 1857 pp. 44-57



آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر
اے ظفر اب ہے تجھی تک اہتمام سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت

بھی ہے جو بڑی حیرت سے اپنی انگریزی کتاب 'ذکا اللہ دہلوی' میں بار بار کھلے الفاظ میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ :

”تاہم قدرت کے اس تمام انقلاب میں، خواہ وہ مراٹھوں کے ماتحت ہوا خواہ انگریزوں کے، دہلی کے لوگ — ہندو اور مسلمان یکساں طور پر — عقیدت مندانہ وفاداری کے ساتھ مغل شہنشاہوں سے چمٹے رہے اس بارے میں جو جو بھی شہادت مجھے ملی وہ بالکل قطعی تھی۔ انھیں بہادر شاہ کے ساتھ جو محبت تھی اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی..... ان بادشاہوں کی سب سے بڑی خوبی ان کی رواداری کی شریفانہ روایت تھی جسے وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ برتتے تھے... ... نسل و مذہب کی بنا پر بہت کم امتیاز روارکھا جاتا تھا... دہلی کے قدیم باشندوں میں جو لوگ ہندو تھے جب میں ان کے پاس اطلاع حاصل کرنے گیا، انھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ آخری مغل بادشاہوں کا برتاؤ ان کے فرقے کے ساتھ بہت اچھا تھا اور اس سلسلے میں انھیں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی مابعد کے ایام کی یہ تمام آسودہ خاطری صدیوں کی کوششوں کا نتیجہ تھی اور مغل شہنشاہ، اگرچہ دوسرے امور میں ان کے خلاف بہت کہا جاسکتا ہے بجا طور پر اس نیک نامی کے حق دار ہیں..... نیز ان مغل بادشاہوں نے شاہی دربار کے مسلمان اُمرار پر بھی اچھی طرح ذہن نشین کر دیا تھا کہ وہ ہندوؤں کے جذبات و احساسات کا اُہنی کی طرح خیال رکھیں! اگرچہ جاہل اور اُن پڑھ عوام میں مذہب کی کسی توہین کے سلسلے میں کبھی کبھی تنازعات ہو جاتے تھے تاہم یہ تنازعات سوسائٹی کے اُس مخصوص

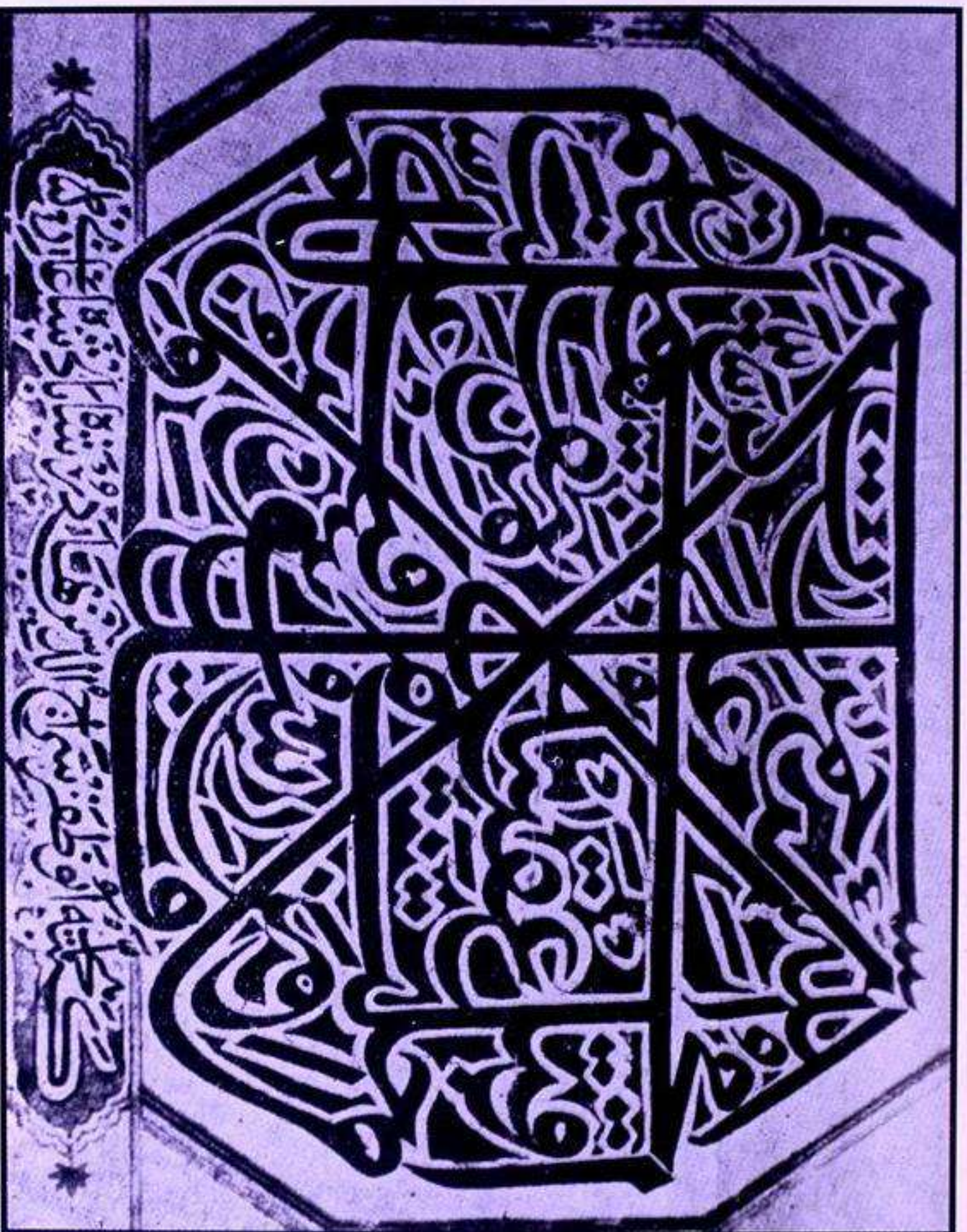
طبقے سے کبھی آگے نہیں بڑھتے تھے اور جو دشمنی اس طرح پیدا ہو جاتی وہ آسانی کے ساتھ دبا دی جاتی تھی۔۔۔۔۔ یہ بات عام تھی کہ دونوں قوتوں کے لوگ ایک دوسرے کے مندرجہ ذیل تہواروں میں شرکت کیا کرتے تھے۔۔۔۔۔ وہ (عوام) اس بات پر خاص طور پر خوش تھے کہ ابھی تک نام نہاد حکومت کی باگ منغل شہنشاہوں کے ہاتھ میں رہنے دی گئی ہے“
(۱۸۵۷ء سے قبل) ۱

پرسیوال اسپیر نے نتیجہ نکالا ہے کہ وہ آخری منغل بادشاہوں میں سب سے بہتر بادشاہ تھا، اس کے خلاف ایک طرف انگریزوں سے ساز باز کے الزامات ہیں تو دوسری طرف بغاوت اور سازش میں شرکت کے اور یہ دونوں طرح کے الزامات ایک دوسرے کی تردید ہیں۔ اُس نے کسی آئینی اور جائز حکومت کے خلاف بغاوت نہیں کی، کوئی عہد شکنی نہیں کی، دغا نہیں کی، اُس نے صرف اپنے آئینی اور جائز حق کا استعمال کیا جو ہندوستان کے عوام اُس کی گیارہ پشتوں کے آباؤ اجداد کو دیتے چلے آ رہے تھے۔ ۲ تمام ہم عصر مستند ذرائع کے علاوہ سر جان لارنس کی مرتب کردہ کاغذات کی فہرست ”لسٹ آف میونٹی پلیپر“ سے ثابت ہے کہ بہادر شاہ نے بغاوت کے زمانے میں حکومت کا انتظام سنبھالنے میں اپنی صلاحیت کا پورا ثبوت دیا، اخراجات کے لئے قرض، فوجی انتظامات، بیرونی طاقتوں اور ہمسایہ ریاستوں سے رابطہ، امن و

۱ اینڈریوز: ذکار اللہ دہلوی، مترجم ضیاء الدین برنی (۱۹۵۲ء)

ص ۳۳، ۳۹، ۴۴، ۵۶ و ۵۷

۵۲



محمد ابو ظفر بہادر شاہ کے ہاتھ کا طغریٰ

تنظیم کے لئے کوششیں، سپاہ سے مہربانی کا برتاؤ، عوام کی شکایات بذات خود سن کر ازالہ، مجرم مغل شہزادوں کو سزا دینے کا اعلان وغیرہ۔ یہ تمام واقعات وہ ہیں جن کی تصدیق جیون لال، معین الدین اور عبداللطیف کے روزناموں سے بھی ہوتی ہے۔

بیگم زینت محل سے بہادر شاہ نے ۱۸۳۳ء میں شادی کی جب بہادر شاہ کی عمر پچاس سال سے اوپر تھی اور زینت محل کی سولہ سال تھی۔ وہ نواب احمد علی خاں کی لڑکی تھی جو بہادر شاہ کے دربار کا خاص رکن اور دہلی کے ممتاز لوگوں میں شمار تھا۔ زینت محل کے دادا کا نام 'احسن الاخبار' (۲۵ ستمبر ۱۸۳۶ء) میں نوازش علی خاں بتایا گیا ہے لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے عباس علی خاں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ احمد شاہ درانی کے خاندان سے تھی۔ بٹلر کا کہنا ہے کہ وہ بھٹینز کے جاگیردار کی لڑکی تھی جو دہلی کے شمال مغرب میں ایک سو اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ بہت جلد بہادر شاہ کے دل و دماغ پر قابو پا گئی۔ اسی کے بطن سے شہزادہ جواں جنت پیدا ہوا جو ۱۸۵۵ء میں گیارہ بارہ سال کی عمر کا بیان کیا گیا ہے۔ ۲۹-۲۸ ستمبر ۱۸۳۷ء کو بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو وہ ساٹھ باسٹھ کے لگ بھگ عمر کا تھا۔ اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے سابق سوداگر اور موجودہ حاکم معاملات پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے بلکہ اب بادشاہ کے ذاتی معاملوں میں بھی دخل انداز تھے اور اسے اپنے خاص مصاحبوں کے علاوہ کسی کو خطابات دینے کی اجازت بھی نہ رہی تھی۔ لارڈ

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ مرتبہ خلیق احمد نظامی۔ احمد علی خاں کو شکست دہلی کے بعد جیل میں ڈال دیا گیا اور وہیں انتقال ہوا (تفصیلات کے لئے: رسالہ 'آجکل' دہلی جنوری ۱۹۶۳ء بیگم زینت محل، از خورشید رضوی)

اگ لینڈ (گورنر جنرل) نے بادشاہ کی نذر کی رسم بند کر دی۔ بہادر شاہ نے اس پر احتجاج کیا جو حسب معمول بیکار رہا۔ بادشاہ کے لئے تخت نشینی اور دربار وغیرہ کی رسمیں بند کر دی گئیں۔ صرب ہی نہیں، دیوان خاص میں جو چاندی کا تخت رکھا ہوا تھا اسے ہٹا کر کہیں تالے میں بند کر دیا گیا اور ۱۸۵۷ء میں دیوان عام میں پا بندی عائد کر دی گئی۔ قلعے کے اوپر بھی حکمرانی بہادر شاہ کی نہیں بلکہ انگریز حاکم کی تھی جو قلعہ دار، کپتان قلعہ یا صاحب کلاں، بہادر، کہلاتا تھا جو نہ صرف قلعے کی سرگرمیوں بلکہ بادشاہ کی ہر حرکت پر نظر رکھتا اور رزبٹنٹ کو اطلاع دیتا تھا۔ ایک چشم دید مبصر یعنی اخبار طائر لندن کا نامہ نگار ولیم رسل اپنی ڈائری میں کس مسرت سے کہتا ہے :

”بادشاہ کے لئے چند حقیر مستم کی مراعات باقی چھوڑ دی گئی تھیں جو اس سابقہ اقتدار کا ایک مذاق تھیں جس کی وہ نمائندگی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بھی اس کے جانشینوں سے لے لی جائیں گی اور انھیں قلعے سے بھی نکال کر کہیں اور بسا دیا جائے گا۔ ہم نے اس کے خاندان کے لئے ملازمت کے دروازے بند کر دیئے۔ ہم نے انھیں قلعے میں حقارت آمیز، پسماندہ اور مقررہ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا“ ۱

لال قلعے میں بہادر شاہ اور اس کے خاندان کے علاوہ سابق بادشاہوں کے خاندان کے لوگ بھی مقیم

لال قلعے کے دن رات

1. MEHDI HASAN: Bbahadur Shah p. 90-92

2. RUSSEL: My Diary in India. Vol.2 p. 51

تھے۔ جو 'سلاطین' کہلاتے تھے۔ بہادر شاہ بغاوت سے چار پانچ سال قبل ۷۶ سال پورے کرچکا تھا اس کے باوجود کافی متحرک اور طاقت ور تھا۔ وہ ہر روز سیر و شکار کے لیے نکلتا تھا۔ اس کے اخراجات کافی وسیع تھے اور انگریزوں کی مقرر کردہ پنشن کفالت نہ کرتی تھی۔ زینت محل اس کے مزاج پر اتنی حاوی تھی کہ ۱۸۵۳ء میں اس نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کے ذریعے تمام افسروں کو کاغذات زینت محل کی وسعت سے بھینچنے کا حکم دیا گیا۔ تاج محل بیگم اور شرافت محل بھی اس کی بیویاں تھیں اس کے متعدد بیٹے اور بیٹیاں تھیں ایک بیان میں پنڈرہ بیٹے اور اکتیس بیٹیاں بتائی گئی ہیں۔ دہلی کے انگریز ایجنٹ کی رپورٹ میں بارہ بیٹے دیئے گئے ہیں جو ولی عہد مرزا محزو کی موت کے وقت زندہ تھے یعنی :

- ۱۔ مرزا قویش شکوہ۔ ۲۔ ابوالحسن۔ ۳۔ ظہیر الدین عرف مرزا نعل شرافت محل کے بطن سے ۴۔ سہراب ہندی۔ ۵۔ ابوالنصر۔ ۶۔ الخ طاہر۔ ۷۔ خضر سلطان (رحیم بخش بانی کے بطن سے)۔ ۸۔ جوان نخت۔ ۹۔ بختاور شاہ۔ ۱۰۔ کوچک سلطان۔ ۱۱۔ شاہ عباس مرزا۔ ۱۲۔ محمد شیر شاہ۔

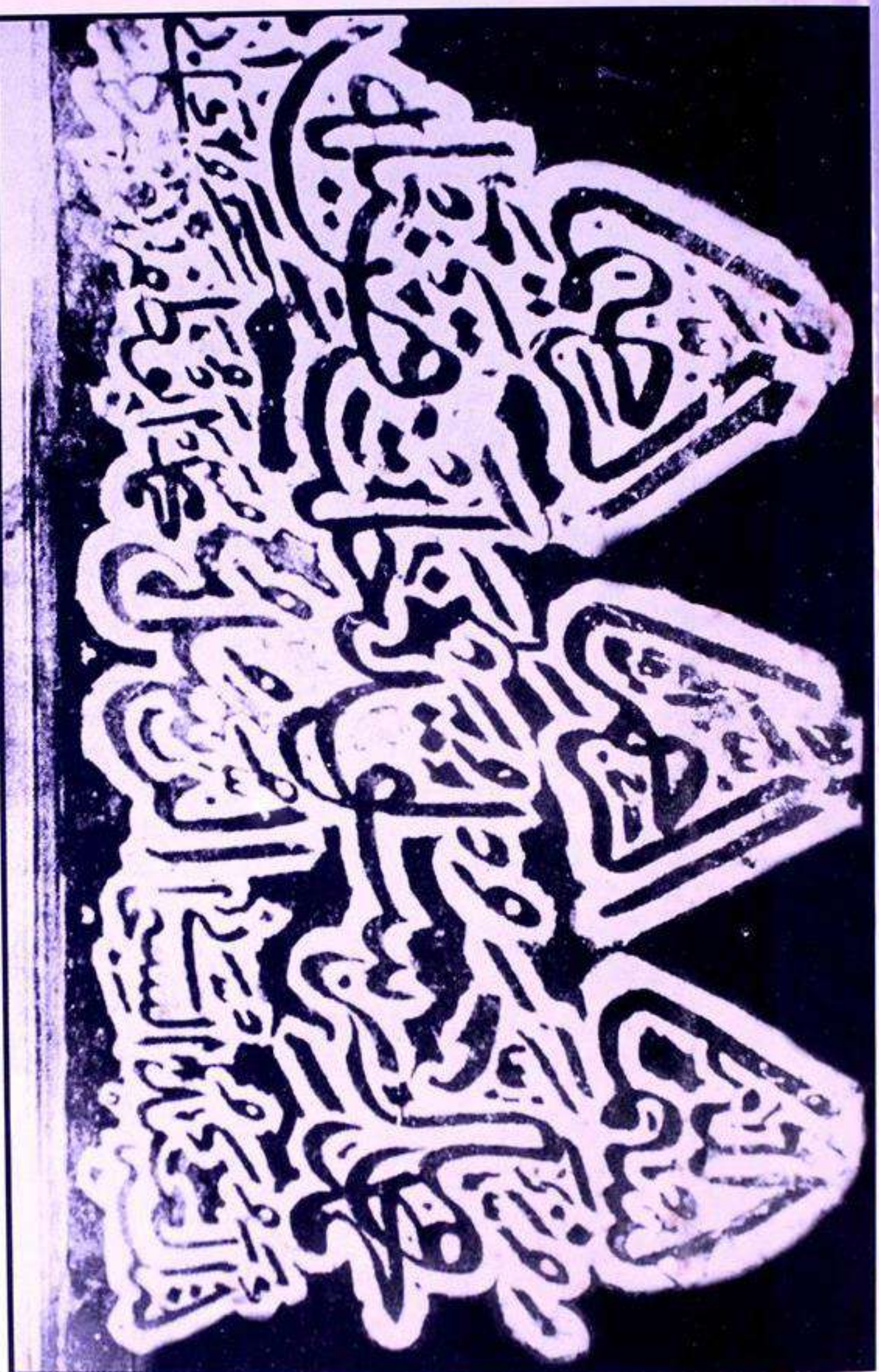
ان کے علاوہ ایک دوسری رپورٹ میں یہ نام اور ہیں :

- ۱۔ دارا بخت میراں شاہ (پہلا ولی عہد)۔ ۲۔ کیو مرث۔ ۳۔ فتح الملک بہادر۔ ۴۔ فرخندہ شاہ۔ ۵۔ محمدی بہادر۔

جوان نخت سب سے چھتیا بیٹا تھا جو زینت محل کے بطن سے نکلا۔ اس کی شادی نواب ولی داد خاں کی لڑکی سے (مارچ اپریل ۱۸۵۲ء) ہوئی تھی۔ حکیم احسن اللہ وزیر اعظم

۱۔ تاج محل بیگم کا مکان مالی واڑے (کڑہ خوشحال رائے) میں تھا، بعد میں لالہ رام کشن نے خریدا۔

اور شاہی طبیب کی حیثیت رکھتا تھا، محبوب علی خاں خواجہ سراناظر (منتظم اعلیٰ یا مختار) کے عہدے پر تھا۔ ان کے علاوہ متعدد عہدے دار اور ملازم قلعے میں تھے۔ میر فتح علی دروغہ کہاران، حمید خاں رام پوری جمع دار خاص برادران، ظہیر دہلوی دروغہ فوریگی، رتن چند دروغہ شاہی باغات، شیدی فہر جمع دار حبشی رسالہ، محمد بخش دربان دیوان خاص وغیرہ تھے۔ امیر سنگھ جٹا کے پل کا دروغہ تھا۔ ڈوگلز قلعے کے محافظ دستے کا کمانڈر، یا قلعہ دار، تھا۔ سائمن فریزر دہلی کا کمشنر (بعد میں سائڈرس ہوا) اور بچپن کلکٹر تھا۔ ان کے علاوہ کوٹوال قلعہ، مفتی، قاضی، مختار، متصدی، میٹرنرک، دربان نقار خانہ، شقہ نگار، چوبدار وغیرہ تھے۔ مقدمات کوٹوالی کی وساطت سے بادشاہ کو بھیجے جاتے اور مفتی اور قاضی ان کے طے کرنے میں مدد کرتے تھے۔ مغل بادشاہ ہندو مسلمان تہوار مناتے اور ان میں شرکت کرتے مسلمان تہواروں میں عیدین، محرم، بار اوفات، آخری چہار شنبہ خاص طور پر منائے جاتے، خصوصی تہواروں میں نوروز، پنکھا میلہ، بسنت، بادشاہ کا یوم پیدائش وغیرہ۔ اسی طرح ہندو تہواروں میں سلونا کے موقع پر بادشاہ کے راکھی باندھی جاتی (ایک بار بہادر شاہ کے راجہ بھولانا تھا نے باندھی تھی) دسہرے پر ہندو معززین کو خلعت اور اعزاز دیئے جاتے۔ دیوالی پر بادشاہ کو سات ناحبوں میں تو لاجاتا، ہولی پر بادشاہ سات کنوؤں کے پانی سے غسل کرتا تھا۔ بہادر شاہ نہایت وسیع النظر اور کشادہ دل تھا۔ وہ ہندو مسلمانوں کو یکساں طور پر عزیز رکھتا اور دونوں مذاہبوں



محمد ابو ظفر بہادر شاہ کے ہاتھ کا طغریٰ

کے معززین اس کے دربار میں تھے جن سے یکساں شفقت اور خلوص کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ مذہباً صوفیانہ عقیدے رکھتا تھا اور مزارات پر حاضری دیتا تھا۔ قلعے میں سابقہ بادشاہوں کے شہزادے 'سلاطین' کہلاتے تھے۔ ان میں بعض حصول علم کے شوقین تھے، بعض شاعر تھے لیکن زیادہ تر شہزادے فضولیات میں اپنا وقت گناتے تھے کیونکہ ان کی آمدنی کا واحد ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جاری کردہ پنشن تھی جس نے انہیں تسست اور کاہل بنا دیا تھا۔ قلعے میں ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا۔ ۱

ولی عہدی کے لیے بہادر شاہ کے بیٹوں میں جو رسہ کشی ہوئی اُس پر مختصر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ انگریزوں کو بھی یہ انتظار تھا کہ بہادر شاہ کا خاتمہ ہو تو وہ آخری وار کریں چنانچہ جولائی ۱۸۵۳ء میں جب وہ بیمار ہوا تو انگریز حکام نے اس کی موت کے لئے ہدایات جاری کر دیں، دروازوں پر پہرہ لگا دیا گیا، دریا گنج پولس چوکی پر فوج تیار رکھی گئی۔ اُدھر نام زد ولی عہد مرزا فخر و صاحب مضحکہ خیز حد تک ماہی بے آب تھے کہ بادشاہ کے مرنے پر مجھے کتنی دیر انتظار کرنا ہوگا، جانشینی کا اعلان کب کیا جائے گا اور کیا کیا شرطیں لگائی جائیں گی۔ جو بغیر سنے انہیں منظور تھیں۔ مرزا فخر و۔ جو بہادر شاہ کا تیسرا بیٹا تھا، الہی بخش کا داماد تھا۔ ۱۸۵۶ء میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس سے پہلے ولی عہد ۱۸۴۹ء میں دنیا سے سدھار چکے تھے۔ افواہ تھی کہ مرزا فخر و کو زہر دیا گیا ہے۔

انقلابی سپاہ کا دہلی میں داخلہ | میرٹھ کے انقلابی سپاہی جب اڑیسہ

کو جہنا کا پل پار کر کے لال قلعے کے نیچے زیر جھرو کہ کھڑے ہوئے تو احسن اللہ وغیرہ کے بیا کے مطابق کپتان ڈوگلس نے اُن سے بات کی۔ شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ حکومت دروازہ اور نگم بود دروازہ پر مسلح فوجی پہرہ رکھا، اس جگہ بڑج پر توپ چڑھی ہوئی تھی پھر آخر کیونکر یہ سپاہی شہر میں داخل ہوئے؟ اس کا جواب ظہیر دہلوی بھی دینے سے قاصر ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ لوگ راج گھاٹ دروازے سے داخل ہوئے یہ واقعات ہماری نظر سے گزر چکے ہیں۔ لیکن میلیسن نے میرٹھ کی سپاہ کے دہلی پہنچنے پر جو کچھ لکھا ہے وہ بے بنیاد نہیں بلکہ قابل غور ہے کہ میرٹھ میں فوجی افسروں کی سزایابی نے دسی سپاہ کو اس قدر بے قابو کر دیا کہ وہ بغاوت کی طے شدہ تاریخ کا انتظار بھی نہ کر سکے۔ وہ سمجھے تھے کہ انگریز بے خبر ہیں اور میرٹھ کی اچانک بغاوت کامیاب بنائی جاسکے گی۔۔۔۔۔ مگر وہ یہ حقیقت بھول گئے کہ خود اپنے دماغوں اور ہاتھوں سے کام کرنے میں وہ اُس متفقہ فیصلے کو روندے ڈال رہے ہیں جو اُن کے لیڈروں کی کمیٹیوں نے اُن کے لئے کیا اور بغاوت کی ملک گیر کامیابی کا پلان بنایا تھا۔ اگر تمام ہندوستان میں یکایک یہ بغاوت ایک ہی وقت میں برپا ہوتی تو مقابلہ ناممکن بن سکتا تھا مگر منتشر حالت میں اور الگ الگ وقت میں برپا ہونے سے اس کی آدھی طاقت ختم ہو گئی۔ اس طرح قبل از وقت بغاوت آخر کار انگریزوں کے لئے جس قدر نفع بخش ثابت ہوئی اسی قدر وہ اصل مقصد کو نقصان پہنچا گئی۔۔۔۔۔ دہلی کی چہار دیواری میں آکر تو انھوں نے انگریزوں کے لئے آسانی مہیا کر دی اور چوہے دان میں چوہے کی طرح پھنس گئے۔ فوجی اعتبار سے بھی وہ ناقص پوزیشن میں تھے۔ ۷

ڈوگلز نے باغی سپاہ سے بات کرنے کے بعد کلکتہ
 دروازے کا رخ کیا، فریزر بھی ہمراہ تھا یہ دونوں

فریزر اور ڈوگلز کا قتل

تو اُدھر روانہ ہوئے اور انقلابی سپاہ نے راج گھاٹ دروازے سے شہر میں داخل ہو کر
 دریائے گنگا میں انگریزوں کا قتل شروع کر دیا۔ پادری جیمز لال اےسیائی کو قتل کر کے آگے
 بڑھے۔ اب شہر کے عوام کا بھی ایک بڑا گروہ ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ انقلابی
 سپاہ کے چند سوار لال قلعے کے لاہوری دروازے پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر جب یہ معلوم
 ہوا کہ ڈوگلز اور فریزر کلکتہ دروازے پر ہیں تو پانچ سوار اسی طرف روانہ ہوئے باقی سوار
 ”زیر دیوار قلعہ لب خندق لال ڈوگی کی سڑک پر کھڑے رہے۔“ پانچ سوار جو پیچھے کی طرف سے
 اچانک کلکتہ دروازہ پر پہنچے تو وہاں کے پہرے دار انھیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور نغمہ بودہ
 دروازے کی طرف فرار ہو گئے۔ ان سواروں نے رزیدنٹ کی بجگی کو گھیر لیا۔ رزیدنٹ اپنی
 بجگی تیز بھگاتا ہوا قلعے کی طرف چلا۔ ایک سوار نے تلوار سے وار کیا رزیدنٹ نے پستول سے
 اس کا خاتمہ کر دیا لیکن اس پر باقی چار سوار اور بھی غضبناک ہو گئے رزیدنٹ بجگی سے کود کر قلعے
 کے اندر بھاگا اور کھڑکی میں تالا لگا دیا تاکہ باغی سوار اندر نہ آ سکیں ڈوگلز بھی ہمراہ تھا وہ
 اپنے مکان پر (قلعے کے دروازے کی اوپری منزل) پہنچا، فریزر ابھی راہ میں تھا کہ انقلابی
 سپاہ نے پہرہ داروں سے جو آہنی کے حامی تھے، دروازہ کھلو کر فریزر کو اور پھر اوپر چڑھ کر
 ڈوگلز کو مع پورے کنبے کے تہہ تیغ کر دیا۔

ظہیر دہلوی نے ارسی کا چشم دید حال بیان کیا ہے۔
 وہ لکھتے ہیں:

انقلابی سپاہ لال قلعے میں

”جس وقت چھوٹے دریے کے پھاٹک سے باہر نکلا ہوں تو دیکھا کہ تین چار

سوار کرتے پہننے اور دھوتیاں باندھے ہوئے، سر سے ایک چھوٹا سا انگوچھا لپٹا ہوا فقط ایک کترج ڈاب میں اور وہ پیل کے درخت کے سایے میں نہر کی دیوار سے لگے کھڑے ہیں اور ہندو لوگ ان کی سربراہی کر رہے ہیں کوئی پوریاں لے آیا ہے کوئی مٹھالی کا دونا لیے آتا ہے کوئی لوٹا پتیل کا پانی سے بھر کر لادیتا ہے..... میں سیدھا کو توالی ہوتا ہوا خونی دروازے کے آگے پہنچا تو دیکھا کہ انہوہ کثیرہ معاشان کا ہے اور صرافوں کی دکانیں لٹ رہی ہیں.....“ لے

قلعے کے دیوان خاص میں احسن اللہ اور محبوب علی خاں وغیرہ بیٹھے مقتول انگریز افسروں کے کفن تیار کرنے میں لگے تھے کہ تقریباً تیس انقلابی سوار دیوان خاص کے دالان کے نیچے آئے اور گھوڑوں سے اتر کر اندر آگئے۔ بقول ظہیر دہلوی ”سب کی ایک وضع تھی گلے میں لٹھے کے کتے پاؤں میں ڈھیلے لٹھے کے غرارے دارپانجامے سر پر چھوٹا سا انگوچھا لپٹا ہوا چندیا کھلی ہوئی“ انھوں نے احسن اللہ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ ”یہ کیا سامان ہے“ اُس نے جواب دیا ”آپ صاحبوں نے جو اعمال کیئے ہیں اُس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں آپ نے آگ لگائی ہے ہم بھجارہے ہیں“ (سبحان اللہ! کیا جواب تھا۔ کونسی آگ یہ حضرت! بھجارہے تھے؟) — انقلابی سواروں نے غضبناک ہو کر کہا:

”ارے تم لوگ سب بے ایمان کرستان ہو۔ ہم سب عیسائی بے دین کرشتین ہو.....“

غرض یہ کہ ان سواروں نے رسد طلب کی تو احسن اللہ نے گھوڑوں کے صطبل سے چنے دلوادیئے۔ اس کے بعد کچھ اور سوار آگئے انھیں بھی اسی طرح ٹالا گیا یہ سوار قلعے کے مہتاب

باغ میں مقیم ہو گئے۔ دن کے گیارہ بجے تک میرٹھ کی پیدل سپاہ بھی شہر میں داخل ہو گئی۔ شاہی ملازمین بات کر کے انھوں نے شہر میں منادی کرادی، اپنے سپاہی پہرے پر بٹھا دیئے اور دکانیں کھلوا دیں۔

بنک پر حملہ اور لوٹ | دو پہر تقریباً دو بجے کے قریب سرکاری بنک لوٹا گیا جو شمر بیگم کی کوٹھی میں تھا۔ بنک کا مینجر بر سفرڈ اور

اس کے بیوی بچے یہاں قتل ہوئے اور تمام روپیہ (چوگڑہ لاکھ) باغیوں نے لوٹ لیا دو گھنٹے یہ ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد دہلی گزٹ کے پریس میں توڑ پھوڑ ہوئی۔

اگرے کو پیغام | اُدھر تو انقلابی سپاہی اور عوام اس توڑ پھوڑ میں لگے تھے جس کا مزید تذکرہ ابھی اور ہماری نظر سے گزرے گا، اُدھر

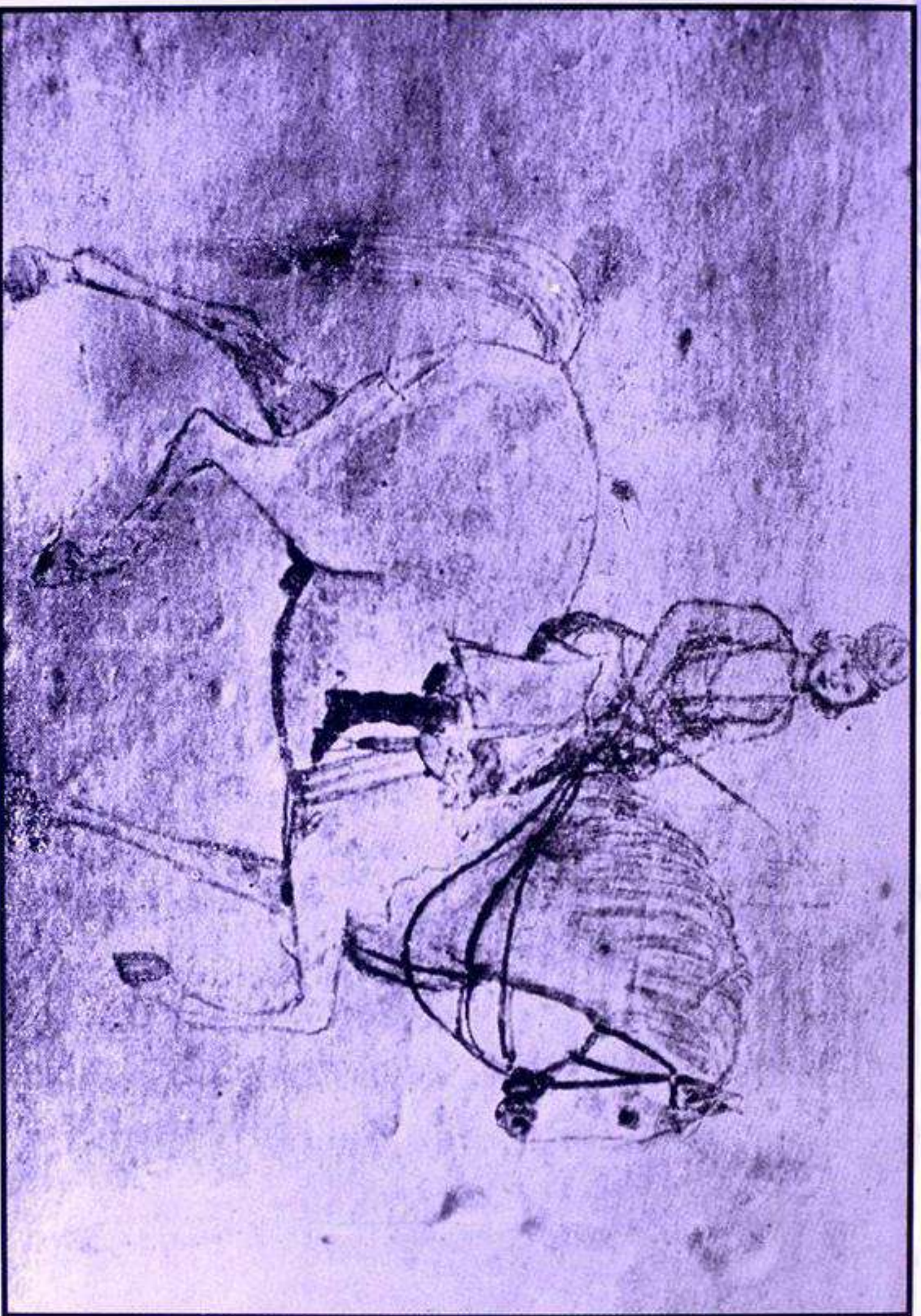
لال قلعے میں فریئر اور دو گلس کے قتل کے بعد تقریباً گیارہ بجے کے قریب قلعہ کے پہرہ دار سپاہی اور ان کے ساتھ انقلابی فوج کے سوار دیوان خاص کے صحن میں داخل ہوئے اور کہا کہ ”ہم دین کے لیے جنگ کرنے کھڑے ہوئے ہیں اور بادشاہ کو سلام کرنا چاہتے ہیں“ چھاؤنی سے ایک رجمنٹ آئی اس نے بھی یہی کہا۔ بہادر شاہ باہر آیا تو سپاہ نے اپنی بات دہرائی۔ بادشاہ نے کہا کہ ”میرے پاس

۱۔ یہ کوٹھی چاندنی چوک کے شمال میں تھی اس میں دلی لندن بنک تھا جہاں انگریزوں کا خزانہ محفوظ تھا اور اس کے سامنے کا بازار اردو بازار کہلاتا تھا جو چاندنی چوک کا ایک حصہ تھا اس کو کوٹھی کے سامنے خونی دروازہ در یہ کلاں کے سرے پر تھا۔ یہ نادر شاہ کے قتل عام کے زمانے سے خونی دروازہ مشہور تھا۔ شمر بیگم ضلع میرٹھ کی ایک مسلمان عورت تھی جس نے ایک سیاح (شمر و) سے شادی کر لی تھی یہ لوگ سرحد میں رہنے لگے تھے بیگم نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں مر گئی۔

فوج نہیں، خزانہ نہیں، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں“ (ظہیر دہلوی نے جو بادشاہ کی گفتگو نقل کی ہے وہ غالباً اسی موقعے کی ہے)۔ انقلابی سرداروں نے جواب دیا کہ ”آپ ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں ہم ہر چیز مہیا کر دیں گے“۔ بادشاہ ایک سی پر بیٹھے اور انقلابی سرداروں نے سامنے آکر سر جھکایا بہادر شاہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا جس پر تمام سپاہ میں مسرت انگیز شور سنائی دیا۔ احسن اللہ اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ شام کو میں بادشاہ کے پاس گیا اور کہا کہ گورنر آگرہ (مسٹر کولون) کو ان واقعات کی خبر دینا چاہئے بادشاہ نے شفقہ لکھوایا اور ایک سوار کے ہمراہ روانہ کر دیا لیکن خواجہ سرانے دوسرے کو دے دیا اور اس نے انقلابی سرداروں (گلاب شاہ وغیرہ) کو یہ خبر پہنچادی انقلابی سرداروں نے یہ سن کر کہا کہ حکیم احسن اللہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے پہلے اس سے نمٹنا چاہیئے۔ چنانچہ شہزادوں اور گلاب شاہ وغیرہ کی آپس میں صلاح ہوئی کہ حکیم اب اس طرح کی حرکت نہ کر سکے۔ غالباً یہ پہلا موقع تھا جب انقلابیوں کو حکیم کی دغا بازی کا مع ثبوت کے انکشاف ہوا اور وہ اس کے دشمن ہو گئے۔

یہ پیغام آگرے میں کولون کو پہنچا لیکن اس نے بجائے جواب دینے کے اس کو ایک چیلنج یا الٹی میٹم قرار دیا اور کہا کہ وہ خود بادشاہ بن بیٹھا اور اب ہمیں لکھ بھجوا ہے“ ساتھ ہی اس نے راجستھان وغیرہ کے حکمرانوں کو بادشاہ کا یہ خط روانہ کیا تاکہ وہ لوگ بہادر شاہ کو بادشاہ بننا دیکھ کر انگریزوں کے حامی ہو جائیں۔ دہلی میں

یادداشت احسن اللہ خاں (میموائر زاف حکیم احسن اللہ) جنرل آف پاکستان ہٹاریکل سوسائٹی (جنوری ۱۹۵۷ء جلد ۶- پارٹ ۱۰)۔ حالانکہ اسی یادداشت میں یہ بھی لکھا ہے کہ باغیوں نے پھر کچھ کاغذات پکڑے جن سے حکیم کی غداری ثابت ہوتی تھی۔



مغل شہزادہ مرزا جواں بخت



شہزادہ مرزا مغل

باغی سوار اور پیدل فوج کے افسروں نے احسن اللہ سے کہا کہ تم اور محبوب علی دونوں انگریزوں سے ملے ہوئے ہو لہذا ہمارا ایک آدمی دفتر میں رہے گا تاکہ ہمیں معلوم رہے کہ تم کیا لکھو رہے ہو۔ ان دونوں نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائیں کہ ہم کچھ نہیں لکھیں گے۔ ۱۷

شہزادوں کی کمان | مغل شہزادے ہرگز اس قابل نہ تھے کہ انقلابی فوج کی کمان کر سکیں اس کے جو نتائج نکلے وہ تو آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گے لیکن شہزادے اپنی اس عزت افزائی کے لئے بے چین تھے چنانچہ وہ بہادر شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ فوجیں ان کی کمان میں رہنے کو تیار ہیں انقلابی افسران نے بھی آمادگی ظاہر کی۔ بہادر شاہ بظاہر رضامند ہو گیا۔ اگلی صبح شہزادے پھر آئے اور اپنی تقرری کے پروانے مانگے بہادر شاہ نے کہا کہ ”تم یہ کام نہیں جانتے تم بطور افسران کیا کرو گے؟“ اس کے بعد انقلابی فوج کے افسران نے آکر شہزادوں کی کمانداری کی خواہش ظاہر کی۔ بہادر شاہ نے کچھ خاموش رہ کر کہا کہ ”مرزا مغل کمانڈر انچیف کا عہدہ چاہتے ہیں۔ کیا تم تیار ہو؟“ سب نے کہا۔ ”ہم تیار ہیں“ شہزادوں نے بادشاہ سے سوار ہو کر شہر میں نکلنے کی درخواست کی اور معین الدین خاں بن قدرت اللہ بیگ کو کوٹوال بنانے کو کہا جو منظور کیا گیا۔ شام کو

۱۷ یادداشت احسن اللہ خاں (میموئرز آف حکیم احسن اللہ) جنرل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (جنوری ۱۹۵۸ء جلد ۶۔ پارٹ ۱)۔ حالانکہ اسی یادداشت میں یہ بھی لکھا ہے

کہ باغیوں نے پھر کچھ کاغذات پکڑے جن سے حکیم کی غداری ثابت ہوتی تھی۔ ص ۱۰/

۱۸ کچھ دن بعد معین الدین کی جگہ قاضی فیض اللہ کا تقرر ہوا (۲۸ مئی) جنہوں نے چند دن بعد استعفیٰ دیدیا اور مبارک شاہ خاں کو کوٹوال ہوا۔ محبوب علی خاں کے انتقال پر احمد قلی خاں کی

جگہ مقرر ہوئے۔ (۲۳ جون ۱۸۵۷ء)

وحید الدین خاں نے شہزادوں کو خلعت دیئے جانے کی درخواست کی اور کہا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو باغی فوج آپ سے برابر تاؤ کرے گی چنانچہ ان شہزادوں کو خلعت عطا کرنے کا اعلان کیا گیا :

۱۔ مرزا مغل۔ ۲۔ خضر سلطان۔ ۳۔ مرزا ابوبکر (بن فتح الملک بن بہادر شاہ)۔

۴۔ سہراب ہندی۔ ۵۔ بختاورشاہ۔ ۶۔ مرزا عبداللہ (بن مرزا شاہ رخ)۔

یہ خلعت دیئے جانے پر بیگم زینت محل کو ناگواری ہوئی کہ جواں بخت کو عہدہ نہیں دیا گیا۔ بہادر شاہ نے کہا کہ وہ وزیر ہوگا اور فوج کے معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ احسن اللہ کی یادداشت کے الفاظ میں :

”چنانچہ اسی وقت حضور سے حکم ہوا کہ ایک خلعت واسطے مرزا جواں بخت کے بنائیں کہ وزارت کے اور خاص سرکار شاہی کے کام سے دور رہیں گے اور کچھ فوج سے نہیں اُن کا.....“

احسن اللہ کی یادداشت میں ہے کہ عہدے اس طرح تقسیم ہوئے کہ مرزا مغل کمانڈر انچیف۔ مرزا خضر سلطان کمانڈر آف مارپٹ نمبر ۴۔ مرزا عبداللہ کمانڈنٹ رجمنٹ ۲۰ (بیلی)۔ سہراب ہندی کمانڈنٹ رجمنٹ ۱۱۔ بختاورشاہ کمانڈنٹ رجمنٹ ۷۔ ابوبکر مرزا کمانڈنٹ کیوری (سوار فوج)۔ بعض جگہ مرزا سید وکانام بھی فوجی عہدہ داران میں آتا ہے۔ ان شہزادوں نے میدان جنگ کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔

دہلی چھاؤنی | میرٹھ کی بغاوت کا حال جب دہلی چھاؤنی کے انگریز افسروں کو معلوم ہوا تو انھوں نے فوج کو جمع کر کے وفاداری پر لکچر دینا شروع کئے کرنل رپلے نے نصیحتیں کیں تو رجمنٹ ۵ کے سپاہیوں نے کہا — ”ہمیں میرٹھ کے سپاہیوں کے سامنے کر دیکھئے ہم اُن سے سمجھ لیں گے“ — ”شاباش“! کرنل خوشی سے چلایا اور رجمنٹ کو مارچ کا حکم دیا مگر جب انھوں نے میرٹھ کے انقلابیوں کو قلعے کی طرف جاتے

دیکھا تو باہم سلوٹ کیا اور اُن سے مل گئے، دونوں نے بہادر شاہ کے حق میں نعرے بلند کئے۔ کرنل رپلے گھبراہٹ میں پھر چلایا مگر ایک سنسناتی ہوئی گولی نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ یہ سپاہی کشمیری دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور دہلی پوری طرح آزاد ہو گیا۔ حکومتوں میں تبدیلی اور انقلاب کے ساتھ بد نظمی اور انتشار بھی ضرور پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی غنڈوں نے

بہادر شاہ کی سواری

موقع غنیمت سمجھ کر عام لوٹ مار شروع کر دی بقول ظہیر دہلوی ”شہر کی یہ کیفیت تھی کہ بد معاش شہر کے پوربیوں کو ہمراہ لئے ہوئے بھلے مانسوں کے گھر لٹوا رہے تھے اور جس کو مال دار دیکھا اس کے گھر پر پوربیوں کو لے جا کر کھڑا کر دیا کہ ”یہاں میم چھپی ہوئی ہے“ لوگوں نے بہادر شاہ سے فریاد کی اور ۱۲ مئی کو شاہی اعلان جاری کیا گیا، عہدہ داروں کو قیام امن پر مامور کیا گیا اور اسی دوان بادشاہ نے ہاتھی پر سوار ہو کر جلوس کے ساتھ گشت کیا، بادشاہ کی سواری کے آگے انقلابی سپاہی ”بہادر شاہ کی جے“ — ”دین دنیا کے گٹیاں کی جے“ — کے نعرے لگاتے چل رہے تھے اور پیچھے ترک سوار ”اللہ اکبر“ کے نعروں سے فضا میں گونج پیدا کر رہے تھے۔ اس طرح بہت سنی کانیں کھل گئیں، باغیوں نے امن کے لئے کوشش کی اور پہرے بٹھا دیئے۔ کہیں کہیں بد نظمی جاری رہی لیکن انقلابی فوجی عام لوٹ مار میں حصہ نہیں لے رہے تھے، یہ کام شہر کے بد معاش کر رہے تھے۔ لے

۱۱ مئی کو دوپہر بعد میگزین پر انقلابی سپاہ اور عوام نے حملہ کیا پہلے

میگزین پر حملہ

میگزین کے انگریز امنروں کو پیغام بھیجا گیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں جب اُدھر سے انکار ہوا تو انقلابیوں نے سیڑھیاں لا کر دیواروں پر چڑھنا شروع کیا۔

مخاربتہ عظیم میں ہے کہ میگزین کا تمام ہندوستانی عملہ اور خصوصاً دربان رحیم بخش درپردہ
انتقلا بیوں کا حامی تھا اور باہر کے انتقلا بیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ میگزین کے
انگریزوں نے جب بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو پورا میگزین بارود سے اڑا دیا۔ ظہیر
دہلوی نے یہ حالات اس طرح بیان کیے ہیں:

”کچھ لوگ دریا کی جانب دیوارِ فصیل پر کھڑے ہوئے تھے اور تین جانب
خلافت کا مجمع تھا اور تہہ خانہ کار تو سوں کا زیر دیوار شہر پناہ تھا جب وہ تہہ خانہ
اڑا ہے تو پچاس گز دیوار شہر پناہ کی اڑ گئی جس قدر آدمی ڈنڈی پر تھے وہ اڑ
گئے۔۔۔۔۔ وہ عورتیں اور بچے جو اور کمروں میں چھپے ہوئے تھے اور پانچ چار
بوڑھے جو ان جونچ گئے مگر وہ بھی زخمی ہو گئے تھے اُن کو پور بیوں نے گرفتار کر لیا“

اس حادثے پر نہایت خوفناک دھماکہ ہوا اور تمام شہر ہل گیا۔ اس وقت قلعے میں حکیم احسن اللہ
اور اس کے ہمراہی ”خانسامانی کے دالان میں بیٹھے ہوئے“ ”یابد مع العجائب بالخیر“ کی تسبیح
پڑھ رہے تھے۔! ظہیر دہلوی کا بیان ہے کہ:

”مغرب کی جانب جو نگاہ کی تو دیکھا کہ تنق گرد و غبار اور دھوئیں کا زمین سے لگا کر
آسمان تک بندھا ہوا ہے اور لاشیں آدمیوں کی زاغ و زغن کی طرح منڈلا رہی ہیں“
(تقریباً پانچ بجے شام)

الغرض یہاں سے بچے بچے انگریزوں کو گرفتار کر کے انتقلا بی سپاہی لال قلعے میں دیوان خاص کے
صحن میں لائے۔ یہ اندازاً پچاس ساٹھ عورتیں اور بچے جن میں چار پانچ مرد تھے۔ ان کو تسبیح خانے

۱۔ داستانِ غدر/،، میگزین کے عملے کے نو انگریز افسروں میں تین تو ختم ہو گئے۔ ان کا لیڈر
یعنٹ ولوبی (Lt. G. Willoughby) مع پانچ آدمیوں کے بھاگنے میں کامیاب
ہوا مگر میرٹھ کے راستے میں ایک گاؤں کے مجمع نے اس کا کام تمام کر دیا۔

کی سیڑھیوں پر بٹھا دیا گیا اور کھڑا نکلیں دیوان خاص میں بھیج دیا گیا۔

داراشکوہ (ابن شاہجہاں) کے محل کی جگہ یہ اسلحہ خانہ
یا میگزین تھا۔ یہاں کئی تہہ خانے پرانے زمانے کے تھے۔

پچھلے کی دیوار اور شہر کی فصیل تھوڑے فاصلے پر تھی۔ اس میں گولا بارود کا بہت بڑا ذخیرہ اور یہ شمالی
ہند میں سب سے بڑا گودام تھا لیکن جب چارلس نیپیر کمانڈر انچیف ہوا تو اس نے یہاں اتنا
بڑا بارود کا ذخیرہ بنائے رکھنے کی مخالفت کی جس کی وجہ سے کچھ بارود اور کار تو اس ایک دوسرے
میگزین کو منتقل کر دیے گئے پھر بھی کافی مقدار میں بارود اور کچھ توپیں وغیرہ تھیں یہی توپیں انقلابی سپاہ
کے ہاتھ لگیں۔ اب جہاں بڑا ڈاک خانہ (جی۔ پی۔ او) ہے، یہ میگزین تھا جس کو نو انگریزوں نے
جان پر کھیل کر بچائے رکھا۔ میگزین کا انچارج یفٹنٹ جارج ڈوبری ویلونی

(Lt. G. Willoughby) تھا۔ اب اس میگزین کا صدر دروازہ اور ایک دوسرا دروازہ

موجود ہے۔ صدر دروازے پر خط انگریزی کتبہ لگا ہوا ہے جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ نو انگریزوں
نے باغیوں کے جم غفیر کے مقابلے میں چار گھنٹے سے زیادہ سنبھالے رکھا لیکن جب باغی سیڑھیوں
لگا کر چڑھنے لگے اور کوئی امید نہ رہی تو اسے پھونک دیا۔ اس میگزین کے قریب ہی تار گھر تھا۔
بعد میں اس تار گھر کی یاد میں اس کے سامنے ایک ستون بنایا گیا تھا جو اب بھی موجود ہے۔
اسی تار گھر سے ۱۸۵۷ء کو بغاوت کی خبر انبالے بھیجی گئی اور پنجاب میں انگریزوں نے دہلی
پر حملے کے انتظامات اور اپنی حفاظت کا سامان کیا گیا بقول رابرٹ منٹگمری ”تار برقی نے
ہندوستان کو بچا لیا“ اس تار کا ترجمہ یہ ہے :

”مورخہ ۱۸۵۷ء۔ ہم کو آفس چھوڑنا ضروری ہے۔ میرٹھ کے سپاہی سارے
بٹگے جلا رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ مسٹر سیٹھا ڈمر گئے کیونکہ آج صبح باہر گئے تھے اور

واپس نہیں آئے۔ ہم نے سنا کہ نو یورپین قتل کر دیئے گئے۔ اچھا رخصت“

انبائے سے اس تار کی نقل میجر جنرل برنارڈ کو، پھر سرینہری لارنس چیف کمشنر کو اور جنرل لسن کمانڈر انچیف اور تمام فوجی اسٹیشنوں کو بھیجی گئی

اس دوران میں پیدل سپاہ کے دستے برابر دہلی میں داخل ہوتے رہے شہر میں دو آدمی سبز لباس پہنے، اونٹوں پر سوار پکارتے پھرتے تھے کہ:

”اے لوگو! مذہب کا ڈنکا بج گیا ہے“

کسی کو پتہ نہیں وہ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ شہر کے کچھ لوگوں نے اُن کو فرشتہ قرار دیا۔ ۱

دہلی چھاؤنی کی دیسی سپاہ بھی بغاوت پر کمر بستہ ہو چکی تھی جس کے انگریز افسر انبائے روانہ ہوئے، بہت سے راہ میں پانی پت اور کرنال میں مارے گئے اور صرف تین انگریز انبائے تک پہنچے۔ چھاؤنی کی باغی سپاہ نے کشمیری دو وازے کے انگریزوں کو قتل کیا اور قلعے میں آگئی۔ ۲

دہلی میں انتظام | بغاوت کے ہنگامے میں ہر بند و بست اور انتظام متہم و بالابو گیا لیکن انگریزوں کے خاتمے کے بعد انتظامات درست کرنے کے لیے اقدام کیا گیا۔ دہلی اردو اخبار کے فائلوں سے یہ حالات کسی حد تک روشنی میں آتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا اخبار یہ خبریں اس طرح دیتا ہے:

”حضور اقدس، ارتازخ (غالباً رمضان) برائے تشفی اپنی رعایا کے سوار

۱۔ غدر کی صبح شام / ۶۱

۲۔ ’دہلی اردو اخبار‘، ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء، ۲۱ رمضان ۱۲۷۳ھ۔ اس اخبار میں شہر کا مفصل چشم دید حال بیان کیا گیا ہے، نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہے۔

ہوئے۔ ۸۔ ارتازنخ صدر اعلیٰ مفتی صدرالین خاں بہادر اور مولوی عباس علی صاحب و جناب کرم علی خاں صاحب منصف برائے انتظام عدالت فوجداری و دیوانی مقرر ہوئے۔ ۲۰۔ ارتازنخ رئیس جے پور و بیکانیر و رئیس الور و دیگر رئیسان ذیشان کے نام شفق طلب جاری ہوئے۔“

شہر میں موقع دیکھ کر جو لوٹ مار غنڈوں نے شروع کی، یہ اخبار اپنی ۲۲ مئی ۱۷۵۷ء کی اشاعت میں اس کا نقشہ کھینچتا ہے :

”شہر بہت لٹتا ہے بہت لوگوں نے یہ افعال اختیار کئے ہیں کہ تلنگوں کی صورت، بنا کے شہر کو لوٹنا اختیار کیا۔ اس طرح سے کہ بندر و قیس وغیرہ اسباب و آلات میگزین اور کوٹھیبوں سے انگریزوں کے لوٹ اپنے تئیں تلنگوں کے بھیس میں ظاہر کر کے لوٹنا شروع کیا۔ چنانچہ پانچ آدمی کل گرفتار ہوئے انجام کو ظاہر ہوا کہ کوئی تو کہا رہے مسمن صاحب کا اور ایک اہیر اور ایک چارہے جوئی چھاؤنی میں بناتا تھا اور دو اور چارہے..... جب جھوٹ اور فریب ظاہر ہوا تو صوبے دار اور سپاہیوں نے خوب جوتے مارے اور اب قید ہیں۔ ایک عرضی حضور میں گذری کہ سپاہی شکلیں شہر کی رعیت کو لوٹتے ہیں حضور سے کو تو ال شہر کو حکم ہوا کہ گرفتاری عمل میں آوے اور افسروں کو بہت فہمائش ہوئی“

ان اقتباسات سے جہاں ایک طرف شہر کی حالت کا نقشہ سامنے آتا ہے، انتظامات کی ہلکی سی جھلک ملتی ہے وہاں دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ باغی سپاہ نے شہر کی لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا بلکہ غنڈوں نے اُن کا بھیس بنا کر یہ کام کئے اور انقلابی فوجیوں نے اُن کی جوتوں سے تواضع کی۔

انگریزوں کا قتل | بہادر شاہ کی اپیل پر ۱۷۹۹ انگریزوں کو قلعے میں نظر بند کر دیا گیا تھا مگر باغیوں کو برابر غداری اور جاسوسی کی خبریں ملتی تھیں اور یہ

حقیقت اب اُن سے پوشیدہ نہ رہ گئی تھی کہ حکیم احسن اللہ اور محبوب علی انگریزوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ اُنھیں یہ بھی پتہ چلا کہ ان انگریز قیدیوں کی مدد سے مسٹر کھٹ کے انگریزوں سے نامہ و پیام کیا جا رہا ہے۔ یہ خبریں سن کر اُن کا مشتعل ہو جانا یقینی تھا۔ احسن اللہ کی یادداشت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انقلابی سرداروں نے کچھ کاغذات پکڑے جن سے حکیم احسن اللہ کی غداری ثابت ہوتی تھی اس پر وہ سخت برہم ہوئے۔ ۱۔ ان حالات نے انقلابیوں کو اس قدر غضبناک کر دیا کہ اُنھوں نے بادشاہ کے منع کرنے کے باوجود تمام انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، کاٹ کر کھینک دیا۔ بعض جگہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ احسن اللہ نے ان انگریزوں کو بچانے کے لیے قرآن مجید اور حدیث کے حوالے دیے لیکن ظہیر دہلوی نے ”داستانِ غدر“ میں جو تفصیل دی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسن اللہ گھر سے ہی نہ نکلا۔ ۲۔

راجہ شن گڑھ کی کوٹھی میں جو انگریز مقیم تھے اُنھیں بھی باہر لایا گیا (تقریباً تیس) بہادر شاہ کے ولی عہد نے یہ کہہ کر بچا نا چاہا کہ ان کو ہمیں دید و ہم حراست میں رکھیں گے مگر انقلابیوں نے ان کا کام تمام کرنا ہی بہتر سمجھا۔ جوائنٹ مجسٹریٹ تھیوفلس مشکاف جان بچا کر بھاگ نکلا جو انگریز اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے وہ کرنال کی طرف بھاگے مگر ان کو انتہائی مصیبت کا سامنا ہوا۔ ایک انگریز کا بیان ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ہمراہ بھاگا جاتا تھا کہ عوام نے گھیر کر لوٹ لیا۔ اس انگریز نے اپنا سرزمین پر رکھ دیا۔ ایک شخص نے اس کے سر پر پاؤں رکھا، قریب تھا کہ سرتن سے جدا ہو کہ انگریز نے کہا ”میں اپنا سر اس نیت سے قربان کرتا ہوں کہ تم میرا سر لینے کے بعد عورتوں کی بے عزتی نہ کرنا“ یہ سن کر لوگوں نے اسے چھوڑ

دیا۔ ایک انگریز کا بیان ہے کہ لوگ اسے کھینچ کر ایک گاؤں میں لے گئے اور اس سے کہا کہ ”تم فرنگیوں نے چاہا تھا کہ ہم لوگوں کو عیسائی بنادو؟“ انھوں نے اُس کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیئے۔ ایک نے کہا ”کریم بخش جاؤ اپنی تلوار لے آؤ ہم اس کا سر کاٹیں گے“ کچھ انگریز جو کرنال روانہ ہوئے بیان کرتے ہیں کہ بعض جگہ لوگ مہربانی کرتے مگر اکثر جگہ طعنے اور نامہربانیاں ہوتیں۔ حتیٰ کہ کوئی سائے میں بھی نہ بیٹھنے دیتا، پانی بھی میسر نہ آتا۔ جب یہ لوگ بال گڑھ پہنچے تو رانی منگلا دیوی نے ان کی خاطر مدارات کی مگر رعایا نے دھمکی دی کہ اگر ان کو رخصت نہ کیا گیا تو ہم تمہارا موضع لوٹ لیں گے مجبوراً یہ لوگ وہاں سے نکالے گئے۔ یورپین خاتون انگلیسی اپنی سرگزشت میں کہتی ہے:

”ایک وقت وہ تھا کہ شہر میں جو انگریز گزرتا تھا عزت کی نگاہیں اس کے خیر مقدم کو اٹھتی تھیں، ایک وقت یہ ہے کہ ہر ذلیل سے ذلیل ہندوستانی ہماری توہین و تحقیر پر آمادہ ہے جس کی طرف دیکھو آنکھوں سے خون گرا رہا ہے، غصے سے دانت پلپتا ہے گوزبان سے نہ کہیں مگر ان کی زبان حال کہہ رہی ہے کہ یہ مملکت ہندوستانی ہے جو بطور وراثت ہم کو ہمارے اجداد سے پہنچی ہے۔ تم دوسرے ملک کے رہنے والے کس حق سے ہمارے اوپر حکومت کر رہے ہو؟ کس دلیل سے حاکم بن کر ہمارے اموال و املاک پر قابض و متصرف ہو؟“ ۱

انقلابی فوجوں کی آمد | مختلف جگہوں سے فوجیں بغاوت کر کے دہلی میں

۱ کنہیا لال: محاربتہ عظیم / ۹۸-۸۶

۲ ظفر حسن عاصمی (مترجم): ایام غدر

داخل ہونے لگیں وہ لوگ اپنے ہمراہ خزانے لائے اور شاہی خزانے میں داخل کر دیے۔ چنانچہ علی گڑھ، آگرہ، متھرا، مین پوری اور نصیر آباد وغیرہ سے اسی طرح فوجیں ہٹی گئیں۔ بہ عمل نہ صرف انقلابی فوجیوں کے کردار اور ایمان داری کو واضح کرتا ہے بلکہ اس تمام نقل و حرکت اور عمل کے پس منظر میں ایک سوچی سمجھی اسکیم کا پتہ بھی دے رہا ہے جس کا تمام ملک میں جال نہایت ہوشیاری سے پھیلا دیا گیا ہو گا۔ مورخ میلین غلط نہیں کہتا کہ :

”اس ہمہ گیر سازش کے خفیہ ایجنٹوں نے جو فیض آبادی مولوی (احمد اللہ) اور اُس کے ساتھیوں نے پھیلائی تھی، اس موقع پر اپنا کام اس قدر ہوشیاری سے کیا تھا کہ خصوصی طور پر شمالی مغربی صوبوں کے فوجیوں اور عوام کے جذبات کو اُس دیوانگی کی حد تک پہنچا دیا تھا جس کی صلاحیت صرف مشرق کے باشندے ہی اپنے اندر رکھتے ہیں“ ۱۔

بلد گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ انقلابیوں کے حامی تھے ۲۵ مئی کو راجہ کی طرف سے ایک سوا آیا جس نے اطلاع دی کہ مہاراجہ نے انگریزی فوج دیکھی ہے جو دہلی کی طرف آرہی ہے مگر بعد میں یہ خبر غلط نکلی۔ راجہ نے پاول تک انگریزوں کو نکال دیا تھا۔ ججہ کی باغی فوج بھی خزانہ لے کر دہلی آگئی۔ لیکن اس کے پہلو بہ پہلو غداروں کی سرگرمیاں بھی جاری تھیں ۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کو کسی نے اسلام گڑھ کی توپوں کو کنکروں اور پتھروں سے بھر دیا۔ باغیوں نے حکیم حسن اللہ اور محبوب علی پر شبہ کیا اور تلواریں نکال لیں مگر بہادر شاہ کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ۲۷ مئی کو پھر مددگاروں کی بعض توپوں میں میخیں کھونک دی گئیں

اور باقی میں کنکر پتھر بھر دیئے گئے جس کی وجہ سے انقلابیوں میں بے حد غصہ اور جوش پھیل گیا۔ دہلی کا ایک سیٹھ لچھمن داس روزانہ انقلابی سپاہیوں کی دعوت کرتا تھا۔

دہلی کے تارکھر سے انبالے کو بغاوت کی اطلاع بذریعہ تار دیدی گئی تھی جہاں سے اس تار کی نقلیں شملہ کو روانہ کر دی

انگریزوں کی تیاریاں

گیٹس کیونکہ کمانڈر انچیف آئسن ہیٹن میں مقیم تھا۔ وہ ۱۴ مئی کو وہاں سے آیا اور تیاریاں شروع کیں مگر فوج بگڑی ہوئی تھی اور عوام انگریز کے خون کے پیاسے۔ لہذا ایسے آڑے وقت میں پنجاب کے والیان ریاست کام آئے۔ یہ پٹیالہ، نابھہ اور جیندہ وغیرہ کے راجہ تھے انھوں نے انقلابیوں کے پیغام بروں کو قتل کرایا، انگریزوں کی امداد کے لئے روپیہ بہایا، فوجیں مہیا کیں، راستوں کی حفاظت کی، انگریزوں کے ساتھ ہو کر دہلی پر حملہ کیا اور جب پنجاب میں بغاوت کا علم بلند ہوا تو نہایت سفاکی سے باغیوں کا قتل عام کیا جو انبالے سے جو باغی فوجیں دہلی آ رہی تھیں ان پر پٹیالہ کی ”وفادار“ فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ آخر کار، ۲ مئی کو انگریزی فوجیں تیار ہو کر انبالے سے چلیں اور دوسرے مقامات کی انگریزی فوجیں جمع ہو کر باغیت پر ملنے کے احکامات کمانڈر انچیف نے جاری کئے۔ لیکن اسی دوران میں ۲۷ مئی کمانڈر انچیف کو کالرے نے جان بحق کر دیا اور برنارڈ اس کی جگہ مقرر ہوا۔ اب یہ لشکر دہلی کی طرف بڑھنے لگا مگر اس طرح کہ انبالہ اور دہلی کے درمیان ہزاروں گاؤں کے وہ تمام لوگ جو آسانی سے ہاتھ لگے، قطاروں میں کھڑے کیئے گئے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان کو صرف پھانسیاں نہیں دی گئیں بلکہ سر کے بال پکڑ کر اٹھایا گیا اور سنگینیں چبھو کر ہلاک کیا گیا، نیز مل برچھوں اور سنگینوں کی مدد سے ہندوؤں کے مندر میں گارے کا گوشت ٹھونسنا گیا۔

دہلی میں فوجی اور ملکی انتظام کے لیے ایک کورٹ بنایا گیا، اس کا

انتظامیہ کورٹ

دستور العمل دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کورٹ موجودہ زمانے کے جمہوری انداز پر ترتیب دیا گیا تھا چنانچہ دستور العمل کی دفعہ ۲ اس طرح تھی :

”اس جلسے میں دس آدمی مقرر کیے جائیں اس تفصیل سے کہ چھ جنگی اور چار ملکی۔ دو شخص پلٹن پیادگان اور دو شخص رسالہ ہائے سواران سے اور دو شخص سررشتہ توپ خانہ سے۔۔۔۔۔ اُن دس شخصوں میں سے ایک شخص باتفاق غلبہ آراء سے پریسی ڈنٹ یعنی صدر جلسہ اور ایک شخص ویس پریسی ڈنٹ یعنی نائب صدر جلسہ مقرر ہوا اور رائے صدر جلسہ کی برابر دورائے کے قرار پاوے اور ہر ایک سررشتہ میں بقدر ضرورت سکتے مقرر کیے جائیں۔۔۔۔۔“ ۱۔

یہ کورٹ کمانڈر انچیف کے تحت کام کرتا تھا جس کی منظوری کے بغیر کورٹ کا کوئی فیصلہ لاگو نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کورٹ کے جس فیصلے کو کمانڈر انچیف منظوری نہ دے وہ دوبارہ غور کرنے کے لیے کورٹ کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اگر کورٹ اپنے فیصلے پر بضد رہے تو وہ بادشاہ کی منظوری کے لیے بھیجا جائے گا لیکن حالات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کورٹ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ اس کے قواعد پر عمل ہوا کیونکہ شہر کی بد نظمی پر پوری طرح قابو نہیں پایا جاسکا۔ اس کے علاوہ انگریزوں کے وفادار خفیہ طریقوں سے اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ انقلابیوں کو بیگم زینت محل پر بھی انگریزوں کی وفاداری کا شبہ تھا جو بے بنیاد نہیں تھا۔ بادشاہ کی طرف سے قریبی علاقوں کے جاگیرداروں سے رسد مہیا کرنے کی اپیل کی گئی اور اکثر تعلقہ داروں نے مہیا بھی کی لیکن فوجوں کی تنخواہوں کے لیے روپیہ بھی درکار تھا جو ساہوکاروں سے وصول کیا گیا۔ مئی کے آخر میں صوبہ حال کسی حد تک سدھ گئی کیونکہ روہتک کے انقلابی فوجی ایک لاکھ پچتر ہزار روپیہ

عبدالحق بن محمد بن عبدالحق بن عبدالحق

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 "معدنہ راہ سکھانے کے لیے جو کچھ لکھا ہے وہ سب علم ہے اور یہ علم ہے جو
 وہی ہے جو سکھانے کے لیے لکھا ہے اور یہ علم ہے جو سکھانے کے لیے لکھا ہے
 جو سکھانے کے لیے لکھا ہے اور یہ علم ہے جو سکھانے کے لیے لکھا ہے"

اس کے لئے ہیں جب تک کہ زہر نہ ہو اور جو کہ اس کی طرف سے ہے
 مرنے والے کو دیکھو اور اس کے لئے کہ اس کی طرف سے ہے
 اور کوئی سے کوئی خاص نہیں ہے اور اس کی طرف سے ہے

سے قوم اور ملک میں مگر یہ جانو
 کہ وقت بقیہ کا کوئی وقت کو اس کے لئے ہے اور اس کے لئے ہے

و یا جانو

لے کر آئے لیکن کچھ ہی دن بعد پھر وہی حال ہوا اور مہاجنوں سے وصول کیا گیا جس کی وجہ سے تاجر طبقہ باغی فوج سے بدظن ہوتا گیا۔ باغی صفوں میں کوئی بھی باصلاحیت لیڈر موجود نہیں تھا ورنہ میرٹھ کی بغاوت کے بعد انگریزوں کی تباہ حالی سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا مگر مئی کا پورا مہینہ گزر کر جون آیا تو باغی سپاہ آپس کے اختلافات میں الجھ کر رہا سہا منظم و ضبط بھی کھونے لگی۔

ہنڈن ندی پر مقابلہ | کمانڈر انچیف برنارڈ کی سرکردگی میں انبالے سے او
برلیگٹیر وٹسن کے ماتحت میرٹھ سے انگریزی فوجیں
یکجا ہو کر ۳۰ مئی کو غازی الدین نگر (غازی آباد) کے قریب آگئیں۔ ادھر سے انقلابی
فوجوں نے بڑھ کر ان کی پیش قدمی کو روکا اور ہنڈن ندی کے کنارے یہ تصادم ہوا
باغی فوج کی کمان ایک نو عمر شہزادہ مرزا ابوبکر کر رہا تھا جس نے گولہ باری تو کیا، کبھی
بندوق کی آواز یا تلوار کی جھنکار بھی نہ سنی ہوگی۔ یہاں شہزادے صاحب ندی کے
پل کے پاس ایک مکان کی چھت سے جنگ کا ”معائنہ“ کر رہے تھے۔ اس جنگ کا
حال ظہیر دہلوی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ جنگ دوپہر بارہ بجے شروع ہوئی۔
ایک سوار کا بیان تھا کہ ”ہماری فتح ہوگئی، گورے مقابلے سے بھاگ گئے۔... ہنڈن
ندی کے اس پار ہم تھے اور اُس پار وہ تھے۔ جابین سے توپیں چلتی رہیں ہمارے
توپ خانے نے بڑا کام دیا آدمی آدمی کے پیچھے گولہ لگا دیا دوسرے یہ بات بھی ہوئی کہ
گورے دھوپ کی تیزی اور حرارت آفتاب کی تاب نہ لاسکے۔۔۔۔۔ لیکن اپنی توپیں
وغیرہ سب سامان اپنے ساتھ لے گئے“۔ اس جنگ کے دوران جب باغی فوج
کے ایک حصے میں کچھ سپاہی کی شکل پیدا ہوئی تو ایک بہادر سپاہی نے اپنے میگزین میں

اگ لگا دی جس سے ہول ناک دھماکہ ہوا، انگریز کیپٹن انڈریوز اور اس کے سیکڑوں ساتھی لُغز اجل ہو گئے، ساتھ ہی یہ بہادر سپاہی بھی کام آگیا۔ مشہور مورخ جان کے اس کی دلیری پر حیران ہو کر لکھتا ہے :

”اس سے پتہ چلتا ہے کہ باغیوں میں ایسے دلیر اور باہمت لوگ تھے جو قومی مفاد کے لئے جان دینے کو تیار تھے“

گر تھپیڈ نے اپنے ایک خط میں اس انقلابی سپاہی کا نام دیوی سنگھ لکھا ہے جس نے فار کر کے میگزین اڑایا اور اس کے بعد خود دم سادھ کر اس طرح پڑ گیا جیسے وہ مر گیا ہے۔ گر تھپیڈ کا بیان ہے کہ ایک انگریز کیپٹن نے ٹھوکر مار کر اٹھایا اور زندہ پا کر کئی سنگینیں اس کے سینہ میں پیوست کر دی گئیں۔ اے میلین کو بھی اقرار ہے کہ باغی بہادری سے جم کر جنگ کرتے رہے مگر جب انگریزی فوج کے ایک حصے نے ان کے بائیں بازو پر بھی حملہ شروع کیا تو وہ ایک گاؤں کی چہار دیواری میں چلے گئے۔ آخر یہاں سے بھی نکل کر دہلی کی طرف واپس گئے اور اگلے دن پھر مقابل آئے تو ہندوؤں کے داہنے کنارے ایک پہاڑی پر مورچہ بنایا اور تقریباً دو گھنٹے دونوں طرف سے گولہ باری ہوتی رہی۔ آخر کار انگریز جنرل نے مخالف توپ خانے کا زور کم ہوتا دیکھ کر عام حملے کا حکم دیا لیکن باغی سپاہی اس سے پہلے ہی گولیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے واپس دہلی کی طرف مارچ کر گئے۔ اور اس طرح انگریز، جو گرمی کی شدت سے ادھ مرے ہو چکے تھے، یہ جنگ ہار کر بھی جیت گئے۔ یہاں ایک نظارہ اور بھی قابل دید ہے۔ شہزادے صاحب جو باغی فوج کے سردار تھے، ایک مکان کی چھت پر شریف فرما تھے، اتفاقاً ایک گولہ اُن کے قریب آکر پھٹا اور فضا گرد آلود ہو گئی۔ آپ جھٹ چھت پر سے کودے اور محافظ دستے کے ساتھ

پیچھے کی طرف چلے گئے۔ اس حرکت کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ فوج کے پیر اکھڑ گئے مگر ان بھگپوروں سے قدرت نے بھی انتقام لیا یعنی پل پار کرتے وقت لڑک گیا لہذا متعدد آدمی جمنہ کی آغوش میں سو گئے ۱۷

۱۸ جون ۱۷۵۷ء کو انگریزی فوجیں متحہ ہو کر علی پور سے دہلی کی طرف بڑھیں انقلابی فوج نے دہلی سے شمالی سمت پانچ میل دور بادی پر مقابلہ کیا۔ انگریزی جاسوس تمام اطلاع پہنچا چکے تھے اور انقلابیوں کی ہر نقل و حرکت اور توپوں کی پوزیشن معلوم ہو چکی تھی۔ اُن کے پاس اعلیٰ درجہ کی توپیں اور سامان جنگ تھا، وہ تعداد میں انگریزی فوج سے کہیں زیادہ تھے۔ یہ انداز کرنے کے بعد برنارڈ نے اُن کی توپوں پر نمائشی حملے کا حکم دیا۔ انقلابی دلیری سے اپنی توپوں کے گرد جنگ کرنے لگے ان کی پوری طاقت ادھر لگا کر انگریزی لشکر بائیں طرف سے حملہ آور ہوا، ساتھ ہی ہوپ گرانٹ نے اپنی سوار فوج اور توپ خانہ لے کر پیچھے سے حملہ شروع کر دیا یہ عمل اس قدر فیصلہ کن تھا کہ انقلابیوں کا اگلا حصہ فوراً بکھر گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔ یہاں بھی ایک چھبیلہ مغل شہزادہ اُن کی کمان کر رہا تھا۔ وہ اس بُری طرح شکست کھا کر ہٹے کہ چھبیلے بہترین توپیں اور سامان جنگ وغیرہ چھوڑ گئے۔ اب وہ دہلی کی چہار دیواری میں بند اور انگریز یہ آسانی شہر کے سامنے پہاڑی پر قابض ہو گئے انھوں نے اپنی فوجی پوزیشن

۱۹ حسن نظامی : غدر کی صبح شام / ۷۷

۲۰ یہ مقام بندیل کی سرائے یا سرائے جھڑو کہلاتا ہے۔ یہاں اُن دنوں ایک قلعہ نما چہار دیواری تھی جو آج بھی شکستہ حالت میں موجود ہے گاؤں کے شمال میں دو ٹیلے اور ایک پرانی عمارت ہے اس ٹیلے پر انقلابیوں نے توپیں لگائی تھیں، مغرب میں ریلوے لائن ہے۔ اسی جگہ شمالاً باغ ہے جہاں سے یہ منظر دکھائی دیتا ہے۔

مضبوط کر کے شہر کو نشانہ بنایا کیونکہ یہ جنگی لحاظ سے بہترین مقام تھا جہاں سے شہر دہلی پر حملہ کیا جاسکتا تھا اور پیچھے سے حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا جہاں سے رسد پہنچ رہی تھی۔ برنارڈ جاننا تھا کہ دہلی کی قسمت کا فیصلہ پورے ہندوستان کا فیصلہ ہوگا۔ ادھر انقلابیوں میں بہادری اور جرات کی کمی نہ تھی البتہ فوجی رہنمائی اور جنگی مہارت انھیں میسر نہ تھی۔ اُن کے راہ نما فوجی کمانڈر نہیں بلکہ عیاش شہزادے تھے !

پہاڑی (ریج) کے داہنی سمت سبزی منڈی کی طرف میجر ریڈ اپنی سیمور گورکھا فوج کے ساتھ مقیم ہوا (ہندو راؤ ہاس پر) بائیں طرف فلیگ اسٹاف ٹاور ایک بہترین مشاہدہ گاہ اور پکٹ کا کام دینے لگا۔ اس کی قریب کی مسجد اور ہندو راؤ ہاس کی آبزر ویٹری کو پکٹ پوسٹ بنادیا گیا۔ فلیگ اسٹاف ٹاور (باؤٹ) سے جمنائی سمت میں ٹکاف ہاؤس تھا اور قریب ہی لڈلو کیسل ایجو انقلابیوں کے لئے مددگار ہو سکتے تھے اور یہاں سے وہ انگریزوں کی پوزیشن پر دباؤ ڈال سکتے تھے مگر انھوں نے ان کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اُن کا خاص نشانہ ہندو راؤ ہاس تھا جہاں ۹ رجوں کو بھرپور حملہ کیا لیکن اُسی دن انگریزی کیمپ میں ہوتی مردان سے تازہ فوج آگئی تھی جس نے حملے کو پسا کیا۔ اگلے دن انقلابیوں نے پیچھے کی طرف سے حملہ کیا اور انگریزوں کا ٹکاف ہاؤس تک قبضہ ہو گیا جو جمنائے کنارے ہے۔ باغی فوجیں روزانہ پہاڑی کی انگریزی فوج سے مقابلے کرتی رہیں۔ ۵ رجوں کو انھوں نے ٹکاف ہاؤس پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی اور دو دن بعد پھر ایک زبردست تصادم ہوا۔

انگریزی چال کا مہیا باب | باغی افواج میں ہمت اور دلیری تھی مگر دوسری طرف جنگی چالیں اور فریب تھا جس کے آگے بہادری ہر جگہ مات کھا گئی

۱۔ لڈلو کیسل میں دہلی کا کمشنر سائمن فریزر رہتا تھا جو ۱۸۵۷ء کو مارا گیا۔ ٹکاف ہاؤس جو انٹ مجسٹریٹ تھیو فلیس ٹکاف کی قیام گاہ تھی جو اُس کے باپ تاس ٹکاف نے ۱۸۴۴ء میں تعمیر کیا تھا۔

چنانچہ ایک ایسی ہی جنگ کا حال، جو سبزی منڈی سے آگے کے علاقے یعنی باغ محلدار خاں کے ترپولہ (موجودہ پرتاپ باغ) کے قریب ہوئی، ظہیر دہلوی نے 'داستانِ غدر' میں بیان کیا ہے کہ ایک دن دو سو اربیلی وردی اور نیلی جھنڈیاں لیے ہوئے لال قلعے کے چھتے میں انھیں ملے جنھوں نے بتایا کہ انگریزوں کی فوج علی پور میں ہے اور ہم منظر بچا کر چلے آئے ہیں، اپنے بھائی بندوں یعنی انقلابی فوجیوں کو اطلاع دینے آئے ہیں کہ حملے کے وقت ہم تم میں آملیں گے ذرا اس بات کا خیال رکھنا۔ اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ فوج کے افسر کس طرف ہیں۔ چنانچہ انھیں بتایا گیا کہ "تم چھتے سے نکل کر بائیں ہاتھ کی جانب ترپولہ سے اور نہر سے ادھر سے چلے جاؤ۔ اور آخر کو قلعے کا دروازہ آئے گا اور پرنائپل جھنکا، افس کے اوپر سے گذر کر سلیم گڑھ کا دروازہ آئے گا اس دروازے کے اندر چلے جانا وہ سب افسر تم کو موجود پائیں گے" یہ دونوں سوار انقلابی افسروں سے بات کر کے اور تمام جائزہ لے کر چلے گئے۔ اگلے دن صبح تین چار بجے کے قریب علی پور کے نزدیک جنگ کی تیاری کے بعد توپیں چلنا شروع ہوئیں۔ انگریزی فوج کا سخت نقصان ہو رہا تھا کہ اسی دوران میں ایک دستہ جو نیلی وردیوں میں تھا اور نیلی جھنڈیاں لیے ہوئے تھا انقلابیوں کی توپوں پر حملہ آور ہوا یہ دھوکا کھا گئے اور خیال کیا کہ یہ وہی دستہ ہے جس کے سوار شام کو آئے تھے اس لئے ان پر فیر نہیں کیا لیکن یہ گوروں کا دستہ تھا۔ جب قریب معلوم ہوا اور فیر کرنا چاہا تو وہ لوگ بہت قریب آچکے تھے، دست با دست جنگ کے بعد توپیں انگریزوں نے چھین لیں اور ان کا رخ باغی فوج کی طرف کر کے گولہ باری شروع کر دی۔ پیادہ فوج میں بھی سخت مقابلہ ہوا مگر توپیں چھین جانے سے انقلابی فوجوں کو سخت نقصان ہوا وہ دھوکا کھا کر پیچھے ہٹنے لگیں اور بدحواس ہو گئیں۔ بھاگنے والوں میں سب سے آگے ان فوجوں کے کمانڈر مرزا خضر سلطان تھے۔

اس جنگ کا ایک چشم دید بیان ظہیر دہلوی کی زبان سے سُنئیے، وہ کہتے ہیں کہ جب گوروں نے

انقلابی سپاہیوں کی جگر داری

توپوں پر قبضہ کیا تو بھی باغیوں نے ہمت نہ ہاری اور دست بدست جنگ کرتے رہے :
 ”غرض کہ کتنی دیر تک یہ ہنگامہ جدال و قتال گرم رہا کیونکہ بندر و قوں کی باڑوں
 کی صدا متصل دو گھنٹے کے قریب تک آتی رہی اور بعد اس کے مختلف فٹ فیر کے
 طور پر آوازیں آنے لگیں آٹھ بجے کا عمل ہو گیا تھا، میں قلعہ اپنی نوکری پر جاتا تھا
 جب جوہری بازار کے پھاٹک سے سڑک پر آیا ہوں تو میں نے دیکھا کہ زخمی بکثرت
 شہر میں آرہے ہیں اور ایک ایک زخمی کے ہمراہ تین تین چار پور بیے لپٹے ہوئے
 اور اسے لیے چلے آرہے ہیں۔ سڑک پر خون گرتا چلا جاتا ہے اور تمام سڑک گلزنگ
 ہو رہی ہے اور خون کی افشاں ہوتی چلی آتی ہے جیسے ہونی میں زمین پر رنگ گرتا
 ہے۔ دو سواری میری برابر سے نکلے میں نے دیکھا کہ اُن کے سینوں پر گولیاں لگی ہوئی
 ہیں اور چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور پشت پر بہمباتے کھلے ہوئے تھے اور کچے
 اور پھپھڑے کے ٹکڑے اور خون کے لختے پرچے پڑے تھے۔ دائیں ہاتھوں میں
 ان کے تپنے اور بائیں ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں تھیں اور کسی طرح کا کرب
 اور بدحواسی اُن کے بشرے سے ظاہر نہیں تھی اچھی خاصی طرح اُن کے ہوش
 وحواس قائم تھے اور آپس میں باتیں کرتے چلے آتے تھے مجھے آج تک اس امر
 کا تعجب ہے کہ اتنی دیر تک وہ زندہ سلامت کیونکر رہے اور پانچ کوس تک
 زندہ کیونکر چلے آئے۔۔۔۔ ایک زخمی کو دیکھا اُس کا ہاتھ کہنی پر سے اڑ گیا
 تھا اور کٹے ہوئے بازو سے خون گرتا چلا آتا تھا اور اپنے پاؤں سے چلا آتا تھا
 اور دو ایک پور بیے اس سے کہتے ہوئے آتے تھے کہ بھین ہم تم کو ہاتھوں پر اٹھا
 ڈیرے پہنچا دیں تو وہ کہتا تھا کہ نہیں میرے پاس نہ آؤ۔ غرض کہ اس طرح
 زخمی سوار پیدل ملے۔“

انقلابی فوجوں کے ایک افسر نے اس لڑائی کا حال یہ سنایا کہ توپوں پر قبضہ ہونے کے بعد فوج پیچھے ہٹنے لگی اسی دوران میں لکھنؤ کا رسالہ مدد کو پہنچا اور کہا تم میرا ان چھوڑ دو ہمیں ان پر دھاوا کرنے دو چنانچہ وہ رسالہ گوروں پر حملہ آور ہوا اور اس قدر سخت جنگ ہوئی کہ ان میں سے صرف تھوڑے سے سوار بچ کر آئے۔ انقلابیوں نے اب بھی ہمت نہیں ہاری پیچھے ہٹ کر محلہ ارخاں کے باغ کے قریب ترپولہ کے تینوں دروں کے اندر گھوڑ چڑھتی توپیں لگا دیں اور گولہ باری شروع کی۔ باقی ماندہ فوج ترپولہ کے اندر کی سڑک کے دونوں طرف باغوں کی چہار دیواری کے پیچھے چھپ گئی۔ جب تینوں توپیں بیکار ہو گئیں تو انگریزی فوج نے پیچھا کرنا شروع کر دیا ادھر انقلابی فوجیں گھات لگائے بیٹھی ہی تھیں چنانچہ:

”جب باغیوں نے دیکھا کہ فوج انگریزی داخل سڑک دو باغیہ ہو گئی اور بیچ میں آگئی، یکبارگی باغات کی دیوار کے پیچھے سے کھڑے ہو کر دونوں طرف سے باریں جھونک دیں۔ اس وقت اس فوج کا یہ حال ہوا جیسے کبوتروں میں چھڑ مار دیا۔ بہت آدمی ضائع ہوئے اور باغیوں کا متعاقب چھوڑ کر اولے چھاؤنی کہنے کی طرف روانہ ہو گئے اور فوج باغی یہ سمجھ کر کہ جان بچی لا کھوں پائے شہر میں داخل ہوئی اور شہر میں گھس کر دروازے بند کر لئے۔“ اے

انقلابیوں نے اس کو اپنی فتح خیال کیا، طرہ یہ کہ پہاڑی کے مورچے والوں نے جب اس فوج کو آتے دیکھا تو وہ بھی پہاڑی پر ڈانڈا ڈیرہ چھوڑ کر شہر میں آ گئے۔ ان لوگوں نے توپیں میگنیز اور خیمے ڈیرے وہیں چھوڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے پہاڑی کا مورچہ خالی دیکھ کر بنے بنائے مورچوں پر قبضہ جمایا۔ قدرت نے انقلابیوں کو یہ بہترین موقع دیا تھا

۱۷۷۵ء داستان غدر/ ۹۵-۹۴۔ اس جنگ کی تاریخ ظہیر دہلوی نے نہیں دی غالباً جون کے تیسرے ہفتے میں ہوئی۔

کہ وہ بھاگتے ہوئے انگریزوں کا پیچھا کر سکتے تھے اور بہ آسانی انھیں جہاں تک چاہتے بھگا دیتے مگر اس سے نہ صرف انھوں نے نائدہ نہ اٹھایا بلکہ پہاڑی کا مورچہ بھی دشمن کو گویا مفت پیش کر دیا اور شہر میں بند ہو کر بڑی بڑی توپیں شہر کے برجوں پر چڑھا دیں۔ انگریز علی پور پر قابض ہو گئے بلکہ آگے کے تمام مقامات پر ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اگلے دن پھر ایک تصادم ہوا مگر کل کی جنگ سے انقلابی فوجوں میں بددلی پھیل چکی تھی۔ پھر بھی مرزا مغل نے اعلان کیا کہ فوج ہر وقت تیار رہے، میں اپنے مقام پر مضبوطی سے قائم ہوں مجھے شکست کا کوئی اندیشہ نہیں۔

بادلی اور علی پور کے عوام | دہلی کے دیہاتی عوام نے بھی انگریزوں کے خلاف جنگوں میں شرکت کی چنانچہ علی پور کے عوام نے دہلی کی طرف آتی ہوئی انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ اسی طرح سے بادلی کے عوام نے بھی منظم ہو کر مقابلہ کیا ان کے علاوہ اسی نواح میں خام پور۔ حمید پور۔ سرائے اور بجال گڑھ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اے

انقلابیوں کی جنگیں | بادلی کی جنگ کے بعد سے روزانہ انقلابی فوجیں شہر سے باہر آکر انگریزوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ چنانچہ ارجون کو جنرل صمد خاں کی سرکردگی میں حملہ آور ہوئیں۔ صمد خاں نواب جھجر کے خسر تھے، انھوں نے انگریزوں کے طریقہ جنگ سے کام لینا چاہا یعنی انگریزوں سے کہلا بھیجا کہ مجھے نواب جھجر نے آپ کی مدد

اے دہلی کی شکست کے بعد ان گاؤں کے عوام کو گھیر گھیر کر گولی اور پھانسی کا نشانہ بنایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض کو کو لہو میں پیسا گیا۔ پھانسی پانے والوں میں سنہس رام اور تلسی رام وغیرہ تھے۔ بادلی میں سرائے کے اندر بہت سے سپاہی کام آئے۔ یہ مقام آزاد پور سے ایک میل آگے ہے جہاں علی پور روڈ بڑی سڑک سے ملتی ہے۔

کے لئے بھیجا ہے مگر یہ ترکیب کار گر نہ ہوئی تو براہ راست حملہ کیا۔ شام کو فوجیں شہر میں آگئیں اور کشمیری دروازے کے مورچے سے گولہ باری جاری رہی۔ مقتول انگریزوں کے سرکاٹ کر ان کا شہر میں گشت کرایا گیا۔ انگریزوں نے بھی کشمیری دروازے پر گولہ باری شروع کر دی تھی مگر ادھر سے ماہر توپچی کالے خاں نے اس قدر شدت سے گولہ باری کی کہ انگریزی توپوں کے منہ بند کر دیئے تمام شہر میں اس کی جرأت و بہادری کے چرچے ہو گئے۔ انگریزی توپ خانے فریزر کی کوٹھی اور فتح گڑھ پر تھے اور انتقالیہوں کے سلیم گڑھ کشمیری دروازے اور کابلی دروازے پر۔ باغی فوجوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ پہلے دیوان عام دلال قلعہ میں بارود تیار کی جاتی تھی مگر پھر اس کو شمر و سیم کی حویلی (محلہ چوڑی والاں) میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۲ جون کو باغیوں نے ٹسکاف ہاؤس اور سبزی منڈی کی طرف سے حملہ کیا۔ ۱۳ جون کو ہندو راؤ ہاؤس کی طرف حملہ آور ہوئے۔ اور ۱۵ جون کو پھر حملہ کیا۔ ۱۶ جون کو عید گاہ پر مورچہ بنانا شروع کیا جو انگریزوں کے لئے کافی خطرناک ثابت ہوتا۔ یہ دیکھ کر انگریزی فوجیں ان کے مقابل آئیں تاکہ یہ مورچہ بنانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ ایک گھمسان کی جنگ دست بدست ہوئی اور جب تک ایک ایک انتقالی سپاہی کام نہ آگیا عید گاہ پر قبضہ نہ ہونے دیا۔

پنج اور نصیر آباد کی فوجیں | ۱۸ جون کو پنج اور نصیر آباد اور مرار کی باغی فوجیں دہلی پہنچیں جو جنرل سدھاری سنگھ اور غوث محمد خاں کی

کمان میں تھیں پنج کی باغی فوج کا ایک سردار بھاگرت مصر بھی تھا۔ یہ فوجیں آگرہ ہوتی ہوئی دہلی پہنچیں جہاں سے کوٹہ کنٹینٹ بھی ان کے ہمراہ ہو گئی۔ اچنیرہ پر انھیں الور سے آتی ہوئی فوج ملی جنھیں راجہ بینی سنگھ نے کولون (انگریز گورنر آگرہ) کی درخواست پر مدد کے لیے بھیجا تھا۔ اس فوج کو باغی فوج نے شکست دی۔ بعد میں کچھ لوگ باغی فوج میں شامل ہو گئے اور باقی قیدی بنا کر دہلی لائے گئے۔ ان قیدیوں میں چیماجی بھی تھا جو الور کی فوج کا سردار تھا۔ ان متحدہ فوجوں نے دہلی آکر انگریزوں پر پے در پے حملے کیے اور بھاگت

مصر نے ایسی بہادری دکھلائی کہ اس کو پاتنج رجمنٹوں پر بریگیڈیئر جنرل بنایا گیا۔ ۱۹/۲۰ء جون کو نصیر آباد کی فوجیں حملے کے لئے نکلیں اور انگریزی فوج پر پیچھے سے (سبزی منڈی) حملہ آور ہوئیں۔ اُن کا حملہ بے پناہ مخفا آنکھوں نے انگریزوں کی کئی توپیں چھین لیں اور بعض اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ پنجابی ریاستوں کی فوجوں نے بار بار اُن پر حملہ کیا مگر بُری طرح پسپا ہونا پڑا۔ رات ہو گئی مگر گھمسان کی جنگ جاری تھی، انگریزوں کو سخت نقصان اٹھنا پڑا، وہ سوائے توپیں بچانے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ رابرٹ کا بیان ہے کہ ”باغیوں نے ہمیں بری طرح پسپا کر دیا تھا“۔ انقلابیوں کے پاس بارود وغیرہ ختم ہو گیا، آنکھوں نے میگنیزین اور سامان جنگ لینے کے لیے شہر کو آدمی بھیجے مگر پہرے والوں نے روک لیا مجبوراً یہ فتح مند فوج اگلے دن شہر میں واپس آگئی اور انگریزوں نے اُن اہم مقامات کو مدافعت سے خالی پا کر پھر قبضہ کر لیا جو ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس جنگ میں ہوپ گرانٹ بری طرح زخمی ہوا اور ایک ہندوستانی ”وفادار نے اس کی جان بچائی۔ انقلابی فوجوں نے اپنی اس فتح کی اہمیت کو محسوس نہ کیا کہ آنکھوں نے دشمن کو کس حال میں پہنچا دیا ہے۔ اگر وہ اس مقام کو نہ چھوڑتے تو پنجاب سے انگریزوں کا رابطہ ٹوٹ جاتا اور وہ پہاڑی پر محصور ہو کر رہ جاتے مگر رات میں انقلابیوں کے واپس آجانے سے انگریز پھر اپنی پوزیشن درست کر کے سنبھلنے کے قابل ہو گئے۔

دو دن کے بعد انقلابی فوجیں پھر دشمن کو للکارنے کے لیے نکلیں۔ یہ ۲۳ء جون تھی جو ملک کی تاریخ میں یادگار ہے۔

جنگِ پلاسی کی یاد

۳۰ اگست کو نجف گڑھ پر شکست کے بعد پانچ بریگیڈ منتشر ہو گیا۔ دہلی کی شکست کے بعد باقی ماندہ سپاہی لکھنؤ چلے گئے اور کچھ خان بہادر خاں کی فوج میں شامل ہوئے۔

(جو الاسہائے : لائل راجپوتانہ - ۲۰۷)

چنانچہ پوری تیاری کے ساتھ وہ یہ تہیہ کر کے رکھنے لگا کہ ”آج پلاسی کی جنگ کا بدلہ لیں گے۔“
 سورج کی ہر کرن اور ہوا کا ہر جھونکا آج پلاسی اور سراج الدولہ کی یاد دل رہا تھا۔ جیسے ہی
 سورج بلند ہوا، انقلابی فوجیں لاہوری گیٹ سے باہر آنا شروع ہو گئیں۔ انگریز بھی آج کے
 لیے تیاریاں کر رہے تھے اُن کا ضمیر بکا کر کہہ رہا تھا کہ آج میدان پلاسی کی تاریخی دغا بازیوں
 کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ آج فرزندِ ان وطن اپنی قومی شکست و تذلیل کا بدلہ لیں گے
 اور آج کلانیوں کے سیاہ کرتوتوں کا حساب چکانا پڑے گا۔ جوتشیوں نے پیش گوئی کی تھی کہ
 سو سال بعد انگریزی راج کا خاتمہ ہو جائے گا اور پلاسی کی جنگ سے جو داغ و ظن کے دامن
 پر لگا تھا، آج اس کے مٹانے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ قومی جذبات کی بیداری اور دیش بھگتی کی
 لگن ہی تو تھی کہ اُس وقت سے تین سو سال پہلے سیکڑوں میل دور بنگال کی سرزمین کی یاد دہلی میں
 انقلابی سودائیوں کو ترپا رہی تھی۔ جس کا اعتراف تمام انگریز مورخ کر رہے ہیں۔

انگریزوں کو پنجاب سے مدد پہنچ چکی تھی، اُنھوں نے اپنے پیچھے کے تمام پل توڑ دیئے۔
 آج بھی سبزی منڈی سے اُن پر حملہ ہوا۔ برطانوی انفنٹری نے حملہ رو کنا چاہا مگر بار بار
 دھکیل دی گئی۔ شہر کی فسیل سے توپ خانہ آگ اُگل رہا تھا۔ دوپہر بار بجے تک گھمسان
 کی جنگ ہوتی رہی۔ میجر ریڈ، جس کا ہیڈ کوارٹر ہندورا واہاؤس پر تھا (موجودہ ہندوراؤ
 ہسپتال)، محاصرہ دہلی کی یادداشت میں کہتا ہے :

”بارانجے باغیوں نے پوری قوت اور ہمت سے حملہ کیا۔ کوئی بھی ان کی دہانہ
 جنگ سے بازی نہ لے جاسکتا تھا۔ اُنھوں نے انگریزی دستوں پر اور میری
 پوزیشن پر بار بار حملے کیے۔ ایک مرتبہ تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے پسپا
 ہو جانا چاہیے۔ شہر کی توپوں سے اور اُن بھاری توپوں سے جو وہ اپنے
 ساتھ لائے تھے زبردست خوفناک آگ برس رہی تھی اور میری پوزیشن کو
 پوری طرح تہہ و بالا کر دیا تھا“ لے

جب انگریزوں کی تمام امیدیں ٹوٹنے لگیں تو پنجاب کی تازہ دم فوجوں کو میدان میں لایا گیا۔ انقلابی فوجیں دن بھر کی جنگ سے تھکی ہوئی تھیں، اُن کو اب مسلح اور تازہ دم فوج سے سامنا تھا مگر وہ برابر اُسی ہمت اور دلیری سے جنگ کرتے رہے اور کسی فتح و شکست کے بغیر یہ دن تمام ہو گیا۔

۲۴ جون کو انگریزی کیمپ میں نیوولن چیمبرلین
(Neville Chamberlain)

انگریزی کیمپ میں فوجوں کی آمد

پنجاب سے دہلی پہنچا جسے پنجابی فوجوں کی کمان دی گئی اور بعد میں ایڈ جوائنٹ جنرل بنایا گیا کرنل چیسٹر کی موت سے یہ عہدہ خالی تھا۔ چیمبرلین کے ساتھ ہی ایک انجینئر الگر نڈر ٹیلر بھی جس نے بعد میں دہلی پر حملے کا پلان مکمل کیا۔ بیرڈ اسٹمھ کو روڑ کی سے طلب کیا گیا۔ پنجاب سے برابر فوجیں پہنچ رہی تھیں اور اب کل ملا کر چھ ہزار چھ سو آدمی ہو گئے تھے۔ حملے کے لئے ۳ جولائی مقرر کی گئی لیکن جاسوسوں نے خبر دی کہ اس دن باغی پوری طاقت سے حملے کا پلان بنا رہے ہیں اس لیے یہ دن ملتوی کر دیا گیا کیونکہ انگریز اچانک حملہ کر کے دہلی فتح کر لینے کا خواب دیکھ رہے تھے جو اس طرح شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔ لارڈ کیننگ نے مدراس، رنگون اور ممبئی سے تازہ فوجیں طلب کر لی تھیں۔

۲ جولائی کو صوبے دار جنرل بخت خاں اپنے چودہ ہزار لشکر اور
خزانے کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ لارڈ رابرٹ کا کہنا ہے کہ

جنرل بخت خاں

1.,2. SEN: Eighteen Fifty Seven pp. 82,83

SAVARKAR: p. 294

FORREST: History of the Indian Mutiny Vol.1 p. 94

”روہیلکھنڈ کی فوجوں نے کشتیوں کا پل پار کر کے کلکتہ دروازے سے شہر میں داخل ہونا شروع کیا ہم لوگ پہاڑی سے صاف دیکھ رہے تھے کہ ہزاروں سپاہی پورے قواعد اور تنظیم کے ساتھ فوجی بینڈ بجاتے اور جھنڈے لہراتے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔“ بہادر شاہ نے مرشد قلی خاں رزیت محل کا باپ کو استقبال کے لئے شاہدرے بھیجا۔ بخت خاں کی آمد سے انگریزی کمپ میں کھلبلی پڑ گئی۔ وہ اس کی بہادرانہ زندگی اور کردار سے واقف تھے۔ وہ چالیس سال سوار فوج کی رہبری کر چکا تھا۔ اور پہلی جنگ افغانستان میں شریک تھا۔ وہ اُس وقت عمر کی اُس منزل میں تھا کہ اسے گھوڑے پر چڑھنا بھی دشوار تھا۔ جیون لال نے اپنے روزنامے میں لکھا ہے کہ وہ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے آبا و اجداد اسی شاہی نسل سے تھے جس سے شاہ دہلی کا تعلق تھا۔ بعض جگہ اسے سلطان پور کا باشندہ اور اودھ کے شاہی خاندان کا رشتہ دار بیان کیا گیا ہے۔ ایک انگریز کیپٹن ویڈی (WEDDY) نے اس کو عظیم الشان شخصیت کا مالک بیان کیا ہے۔ بعض انگریز اس کو ایک ’بھاری بھر کم‘ فارسی داں، انگریزی سوسائٹی کا دلدادہ، بے حد ہوشیار، سمجھدار اور بلند کردار کا شخص بتاتے ہیں۔ بخت خاں کے ہمراہ نانا صاحب کے بھائی بالا صاحب بھی دہلی آئے اور مجاہدین کی ایک جماعت بھی تھی جس کی رہنمائی مولانا سرفراز علی کر رہے تھے جنہیں ’امیر المجاہدین‘

1. SAVARKAR: p. 296

۱۵

۵۔ سین/۸۴۔ بخت خاں کے بارے میں مزید حالات روہیلکھنڈ اور اودھ کے باب میں بیان کیے جا رہے ہیں۔ ظہیر دہلوی نے اپنی کتاب (ص - ۱۱۰۲) میں بخت خاں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ان بیانات کے پیش نظر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے اپنی انگریزی کتاب (بہادر شاہ...) میں لکھا ہے کہ بخت خاں کے ساتھ جو مجاہدین تھے وہ رام پور، مراد آباد، رجب پور، اور امر دہر وغیرہ سے ہمراہ آئے تھے (بحوالہ اخبار الصنادید مولفہ نجم الغنی جلد دوم ص ۳۶)

کہا جاتا تھا۔ بہادر شاہ نے بخت خاں کو انقلابی فوجوں کی کمان سپرد کر دی، لارڈ گوئرنر کا خطا دیا۔ بخت خاں نے شہر کا انتظام درست کیا، کوتوال کو حکم بھیجا کہ اگر شہر میں بد نظمی ہوئی تو تمہاری خیریت نہیں۔ نمک اور شکر سے ٹیکس ہٹایا، عوام کو مسلح کیا اور دوسری اصلاحات جاری کی گئیں۔ مگر عیش پرست مغل شہزادے اُن سے حسد کرنے لگے۔ اب تک مرزا مغل سب کچھ تھے اب بخت خاں کے آگے کچھ نہ رہے۔ چنانچہ فوجوں کو بخت خاں کے خلاف بھڑکایا گیا، بہادر شاہ کے پاس شکایتیں بھیجیں، انگریزوں سے ساز باز کا الزام لگایا۔ ان حالات میں بخت خاں کا دل برداشتہ ہو جانا یقینی تھا۔ اس نے بہادر شاہ سے شکایت کی۔ شاہ نے جواب دیا کہ ”مجھے تمہاری وفاداری پر پورا بھروسہ ہے افسوس ہے کہ لوگ تمہاری دل آزاری کرتے ہیں“ چنانچہ بعد میں بخت خاں نے تنگ آکر صرف بریلی کی فوج کو اپنی کمان میں رکھا علاوہ ازیں مان سنگھ کے جمع کردہ پانچ ہزار مسلح سپاہی بھی اسی کی کمان میں دیئے گئے۔ بخت خاں نے اپنی تمام فوج کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی تھی اور اس کے ہمراہ چار لاکھ روپیہ بھی تھا۔ اس طرح اس فوج نے بادشاہ پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا بلکہ آسانیاں مہیا کر دی تھیں۔ بخت خاں نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر شہر میں انگریزی جاسوسوں کو بھی پکڑا، انگریزی کیمپ کو خوراک بھیجنے والوں کو گرفتار کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ کی طرف سے بھیجی گئی رسد جو بیس گاڑیوں میں تھی، روک لی گئی۔ جینون لال کو جاسوسی اور غداری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بخت خاں کی فوجیں شہر سے باہر دہلی دروازے اور اجمیری دروازہ کے باہر میدان (موجودہ رام لیل میدان) میں پریڈ کرتی تھیں۔ اس نے اپنے میں انگریزی کیمپ کے بہت سے ہندوستانی اور متعدد سکھ شاہی فوج میں شامل ہو گئے

جنرل بخت خاں کی آمد سے پہلے معین الدین ولد قدرت اللہ بیگ کو تو ال تھا لیکن عوام کی شکایات پر اسے برخاست کر کے ۲۸ مئی کو قاضی فیض اللہ مقرر ہوا جس نے کچھ دن بعد استعفا دے دیا اور مبارک شاہ کو تو ال بنایا گیا۔ متحصر اسے باغی فوج خزانہ لے کر آئی ان کے ہمراہ سعید الدین کے مجاہدین بھی تھے۔ شہزادہ محمد عظیم لکھیا پلٹن اور ہانسی رسالہ لیکر آئے ان کے ہمراہ بھی کچھ مجاہدین تھے، روپیہ بھی ہمراہ لائے۔ محبوب علی کا ۲۳ جون کو انتقال ہوا اور خانم بازار میں مزار حضرت شاہ کلیم اللہ کے احاطے میں دفن ہوا۔ اسی جگہ احمد علی خاں کا مقرر کیا گیا۔ بخت خاں نے دہلی کے قریب پہنچ کر عریضہ بھیجا کہ وہ فوجی دستے لے کر دہلی میں داخلے کی اجازت چاہتا ہے۔ حسن اللہ کی یادداشت میں بیان کیا گیا ہے کہ پل ٹوٹا ہوا تھا، پیدل فوج پار نہیں ہو سکی اس لیے اس کو درست کرایا گیا تب تمام فوج آئی اگلے دن بخت خاں دربار میں آیا وہ اپنے رسالداروں، افسروں اور جہادیوں کے ساتھ تھا۔ بادشاہ کے سامنے آکر سادے طریقے سے سلام کیا اور اپنی تلوار نکال کر بادشاہ کو پیش کی۔ بادشاہ حیران ہوئے مگر اس کے ساتھیوں کی بہادری کی تعریف کی۔ رسالدار محمد شفیع اور مولوی امداد علی نے کہا کہ بادشاہ اس کو تلوار اور بکلر (Buckler) عنایت کریں۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا مگر بخت خاں نے قاعدے کے مطابق نذر پیش نہیں کی، اس نے کہا:

”میں نے سنا ہے کہ آپ نے شہزادوں کو فوج کے عہدے دیئے ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہے، مجھے اختیار دیجئے میں سب انتظام ٹھیک کر دوں گا۔ یہ لوگ انگریزی فوج وغیرہ کے قاعدے کیا جان سکتے ہیں۔“

مولانا سرفراز علی اور مولانا عبدالغفور کی طرف سے شہر میں اعلان جاری ہوا۔ یہ دونوں

بخت خاں کے ہمراہ تھے۔ بخت خاں نے اعلان کیا کہ شہر کے تمام لوگ مسلح ہو کر باہر نکلیں ”مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین ہیں اور شہر کے مسلمانوں سے جہاد کے لیے ان کے ہمراہ شریک ہونے کی اپیل کی گئی ہے، بادشاہ احسن اللہ اور صدر الدین وغیرہ سے کہیں کہ وہ بھی مولوی صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں“ (بخت خاں کو شاید ابھی احسن اللہ کا احوال معلوم نہیں تھا)۔ اسی دوران میں غوث محمد خاں اور سردھاری سنگھ پنچ بریگیڈیر لے کر آرہے تھے۔ غوث خاں نے عریضہ بھیجا کہ بخت خاں نے اس کو علی پور پر حملہ کرنے کے لیے لکھا ہے لیکن وہ پہلے اپنے آپ کو بادشاہ کے روبرو پیش کرے گا۔ غوث خاں جو پنچ کی باغی فوج کا سردار تھا، دونوں ہاتھوں سے محروم تھا۔ اس کے ہاتھ جنگ میں توپ کے گولے سے اڑ گئے تھے۔ مولوی لیاقت علی بھی بخت خاں کے ہمراہ بادشاہ سے ملے۔

بخت خاں کو آئے ہوئے چند ہی دن گزرے تھے کہ اس کے خلاف عرضداشتیں

شہزادے صاحب کی خرمستیاں

شروع ہو گئیں اور ۵ جولائی کو طالع یار خاں نے اُسے ’گورنر‘ کا خطاب عطا کیے جانے کے خلاف عریضہ پیش کیا۔ اُدھر مغل شہزادوں کی خرمستیاں قابل دید تھیں۔ ۶ جولائی کو مرزا ابوبکر نے اپنے سوار فوجیوں کے ہمراہ تراہا بہرام خاں کے ایک حصے پر حملہ کیا، وہ نشے کی حالت میں تھا۔ اُس نے منشی اکرام الدین اور فرخندہ زمانی بیگم کے گھر لوٹ لیے۔ وہ اہلیت بھی انہی کارناموں کی رکھتے تھے۔ بادشاہ بہت ناراض ہوئے، بخت خاں کو پروانہ جاری کیا کہ ابوبکر کو قید کر کے لائیں، معلوم ہوا کہ وہ مرزا مغل کے گھر میں ہے لہذا خضر سلطان کو حکم ہوا کہ گرفتار کریں اور سوار فوج کی کمانڈری سے برخاست

۱ یادداشت حکیم احسن اللہ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا۔

۲ طالع یار خاں کو احسن اللہ نے باغی فوج کا ایک افسر بتایا ہے۔

کر دیں۔ اسی طرح کی حرکتیں دو ستر ہزاروں سے بھی سرزد ہوتی رہیں۔ جھل کشور اور شیو پڑشا نے شکایت کی کہ شہزادوں نے ان کو لوٹنے اور گرفتار کرنے کی دھمکی دی۔ بعض باغی افواج کے سپاہیوں نے بھی شہر کے عوام کو تنگ کیا۔ کاشی پرشاد کا بیان ہے کہ بادشاہ نے شہزادوں کو سختی سے قابو میں کیا۔ ڈاکٹر سین نے اپنی انگریزی کتاب (اکٹھارہ سو ستاون) میں لکھا ہے کہ بادشاہ کی ناراضگی اور سخت تادیبی کارروائیوں کے باوجود ان آوارہ شہزادوں پر کوئی اثر نہیں ہوا البتہ بہادر شاہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

”بہادر شاہ نے دیانت داری کے ساتھ عوام کے لیے اپنا فرض نبھانے کی پوری کوشش کی۔ کمزوری اور ناتوانی کے باوجود اپنی ذمہ داریوں سے کبھی دامن نہیں بچایا۔ اس نے، ۲ جون کو مرزا مغل کے نام ایک سخت تہدید آمیز خط لکھا“۔

عوام میں خوف و ہراس تھا، انگریزی وفاداروں کی کارروائیاں اور بھی ہراساں کر رہی تھیں یہاں تک کہ مشہور توپچی قلی خاں کو بھی انگریزوں سے ساز باز کا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا جس نے اُس زمانے میں گولہ باری سے ناموری حاصل کی تھی۔ انگریزوں کے مقابلے میں فیصلہ کن کامیابی نہ ہونے سے صورت حال اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ قلعے میں بھی انقلابیوں کے خلاف کارروائیاں برابر جاری تھیں۔

انگریزوں کو شکستیں | بخت خاں نے اپنی اسکیموں کو بروئے کار لانا شروع کیا، ۴ جولائی کو پچھلے سے حملے

کیے، انگریزی فوج کی سرکٹنے کے لیے دستے روانہ کیے۔ ۹ جولائی کو انقلابیوں کے ایک

۱۰ یادداشت حکیم احسن اللہ۔ سین/۸۵

۱۱ سین/۸۴ بحوالہ مشکاف اور میور

سوار دستے نے انگریزی توپخانے کے پکٹ پردھاوا کیا، سنگین بردار شکر کو شکست دی اور اور توپخانے کے ہندوستانی سپاہیوں کو لٹکار کر کہا کہ وہ توپیں لے کر شاہی فوج کی طرف آئیں۔ اسی وقت سبزی منڈی کی طرف بھی زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ کئی انگریز افسر کام آگئے ایک افسر کو انقلابی سپاہی نے گھوڑے سے گرا کر مار ڈالا اور اس کے سینے پر کھڑا ہو گیا۔ دور سے جب ایک انگریز افسر نے گولی ماری تو دوسرا سپاہی جھپٹا، تینوں کا مقابلہ کیا جن میں ایک کو قتل اور دوسرے کو زخمی کر دیا۔ انگریزوں کو ان مقابلوں میں سخت نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کا انتقام تہذیب کے علم برداروں نے اُن ہندوستانی سپاہیوں اور نوکروں سے لیا جو انگریزوں کی خدمت کر رہے تھے چنانچہ گوروں نے بے شمار ایسے کالوں کو کاٹ کر پھینک دیا جن کا کوئی قصور نہ تھا مشہور مورخ جان کے اور رائٹن نے اس واقعے کا ذکر اور اعتراف کیا ہے۔

جنرل بخت خاں نے ایک حملے میں تیس ہزاری کا مقام انگریزوں سے چھین لیا۔ بہت سے افسر اور گورے ہلاک ہوئے سامان جنگ ہاتھ آیا۔ ۱۲ جولائی کو آگرے میں انگریزوں کی شکست کی خبر سنکر بخت خاں نے شہر میں اعلان کرایا اور اکتیس^۳ توپیں اس وقت اس خوشی میں داغی گئیں۔ اس کے بعد ۲ کو نصیر آباد، جھانسی وغیرہ کی باغی فوجوں نے دشمن پر حملے کیے۔

۱۴ جولائی کے شدید حملے کے دوران انقلابیوں نے ہندو راؤ ہاؤس اور سبزی منڈی

۱۵

1. KAYE & MALLESON: Vol.II p. 581

ROTTON: Chaplain's Narrative of the Siege of Delhi p. 134

SEN (S.N): p. 89

پرپوری قوت سے حملہ کیا، شہر کی فصیل سے توپ خانہ آگ برساتا رہا اور جنگ تمام دن جاری رہی اسی جنگ میں چیمبرلین زخمی ہوا۔ اس موقع پر تمیسرے کمانڈر انچیف ریڈ نے استعفیٰ دیا اور اس کی جگہ آرچڈیل ولسن (Archdale Wilson) مقرر ہوا۔ تمام ذرائع برباد ہوتے نظر آ رہے تھے اور انگریزی کمپ میں محاصرہ اٹھالینے کی تجویز پر بحث ہو رہی تھی۔ ۱۸ جولائی کو انقلابیوں نے پھر حملہ کیا اور دن بھر جنگ جاری رہی۔

دہلی کی جاں باز عورت | مغل شہزادوں کی بد معاشیوں، جاسوسوں کی پوشیدہ کارگزاریوں اور انقلابی صفوں میں انتشار کے ساتھ

ہی جواں مردوں کی لاج ایک عورت نے رکھ لی جو ہر روز مردانہ لباس پہن کر اور سبز صاف باندھ کر گھوڑے پر سوار ہوتی، شہر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرتی اور مردانہ وار جنگ میں ان کی رہنمائی کرتی ہوئی انگریزی فوج پر حملہ آور ہوتی تھی۔ اس کا وار بے پناہ ہوتا تھا، وہ دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی ڈال دیتی تھی۔ اگر اُس کے ساتھ بھاگ جاتے تو یہ دلیر اور جنگجو بڑھیا تنہا جنگ کرتی اور پھر زندہ واپس آ جاتی تھی۔ ”بعض لوگ حشمت دید قصہ کہتے ہیں کہ اس عورت میں غضب کی دلیری تھی، اس کو موت کا کچھ بھی خوف نہ تھا، وہ گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بہادر سپاہیوں کی طرح آگے بڑھتی چلی جاتی۔ کبھی اس کو پیل دیکھا جاتا کبھی گھوڑے پر، وہ تادار اور بندوق چلانے میں ماہر تھی۔ اس کی جرات و بہت دیکھ کر شہر کے عوام میں بڑا جوش پیدا ہو جاتا تھا۔“ واپس آ کر وہ کہاں جاتی تھی؟ وہ کون تھی؟ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ آخر ایک دن (۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء) وہ جنگ کرتی ہوئی انگریزی مورچہ کے قریب جا پہنچی مگر زخمی ہو کر گھوڑے سے گری اور گرفتار کر کے انباے بھیج دی گئی۔ اس مجاہد خاتون کی بہادری کوئی من گھڑت افسانہ نہیں ہے چنانچہ گرتھ ریڈ اپنے ایک خط (۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء)

میں اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سبز صاف باندھے ہوئے تھی۔ قابل غور امر یہ ہے کہ گرتھید نے اس کو ہندوستان کی ”جون آف آرک“ (جنگ آزادی کی مجاہد) کہہ کر بتایا ہے کہ ”وہ نہایت بہادری سے جنگ کر رہی تھی، ہمارے دو تین آدمیوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے نشانہ بنایا، وہ سوار فوج کے حملے کی کمان کر رہی تھی، وہ ایک جہاد ن ہے۔ ظہیر دہلوی نے بھی اس خاتون کا ذکر کیا ہے :

”ایسے ہی ایک بڑھیا عورت تھی کہ وہ سر کو منڈا سا باندھ کر اور کمر کو دوپٹہ کس کر سب سے آگے ہو جاتی تھی اور لوگوں کو ترغیب دلاتی تھی چلو بیٹا جہاد پر چلو۔ نہ معلوم وہ کتنی کون تھی۔ روز بازار میں کھڑے ہو کر لوگوں کو لگا کر لے جاتی اور آپ سب سے آگے ہوتی تھی اور پھر وہ پنج کر زندہ سلامت آ جاتی تھی اور صد ہا آدمیوں کا خون کراتی تھی۔“ ۱

ہڈسن نے اس کے متعلق اپنے ایک خط (۲۹ جولائی) میں ڈپٹی کمشنر انبالہ کو لکھا :

”میں تمہارے پاس ایک مسلمان بڑھیا کو روانہ کر رہا ہوں۔ یہ عجیب قسم کی عورت ہے۔ اس کا کام یہ تھا کہ سبز لباس پہن کر شہر کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتی تھی اور خود ہتھیار باندھ کر ان کی کمان کرتی ہوئی ہمارے مورچے پر حملہ کرتی تھی۔ جن سپاہیوں کا اس سے سابقہ پڑا وہ کہتے ہیں کہ اس نے بارہا مردانہ وار حملے کیے اور مستعدی سے ہتھیار چلائے اس میں پانچ مردوں کی برابر طاقت ہے جس روز گرفتار ہوئی اس دن گھوڑے پر سوار تھی اور شہر کے باغیوں کو فوجی ترتیب سے لڑا رہی تھی..... یہ بہت ہی اندیشہ ناک عورت ہے“

غرض یہ کہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو وہ انبالے روانہ کی گئی۔ اس کا وہاں کیا انجام ہوا، ابھی تک ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے لیکن اگر تاریخ کے صفحات اس جواں فرد عورت کے تذکروں سے نہائی ہوتے تو دہلی کی خونی داستان آپس کے انتشار و افراق، سازش، حسد اور شہزادوں کے 'کارناموں' سے دب کر رہ جاتی مگر اس ایک عورت نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام ملک کے آزادی پسندوں کی آبرورکھ لی اور دشمن سے بے ساختہ "جون آف آرک" کا خطاب لے کر ۱۸۵۷ء کی جدوجہد پر "آزادی کی قومی جنگ" کا تابناک اشارہ کر گئی۔

انگریزوں کے جو جاسوس پورے شہر جاسوسوں کی خفیہ کارروائیاں | اور لال قلعہ میں موجود تھے، ہر ہر بات کی خبر انگریزی کمپ کو لکھ کر روانہ کرتے تھے۔ اسی خبر نامے کا ذکر کیتھ ینگ نے بار بار اپنی کتاب میں کیا ہے اور ایک خط کا تو فوٹو بھی دیا ہے۔ جس میں یہ تازہ خبریں ملتی ہیں۔ اخیر اگست ۱۸۵۷ء کا خبر نامہ ملاحظہ ہو:

"کل شام تک لچھ پلٹن دو رجمنٹ ۱۲ توپ بخت خاں جرنیل بریلی لے کر براستہ نجف گڑھ روانہ علی پور ہوا اور آج جرنیل پیچ اسی قدر جمعیت ہمراہ لے کر روانہ ہوا اب شہر میں جمعیت کل تخمیناً چار ہزار سوار سپہ سالار جمع رجمنٹ نصیر آباد باقی ہے اہل شہر ہرگز بمقابلہ سرکار نہیں آویں گے۔ جہادی بھی ہمراہ گئے ہیں مفسدان سوئی پت یہاں آئے تھے وہ بھی ہمراہ گئے ہیں..... اگر ایسے وقت میں سرکار ہلہ کر دے تو مناسب ہے۔ جس وقت کہ سرکار داخل شہر ہوئی ایک مقابلہ سرکار نے پڑے گا اور سب مفسد بھاگ جائیں گے اور یہ فساد جی بھی تک ہے جب تک دہلی فتح نہیں ہوتی اور یہ دونوں جرنیل جملہ..... اور اسباب ہمراہ لے گئے ہیں اس نیت سے کہ اگر علی پور شکست کھائی تو پھر واپس یہاں نہ آئے جس کا جہاں جی چاہے چلا جائے..... اب بھی اگر کوئی تحریر مرزا الہی بخش اور زینت محل

بیگم صاحبہ کے نام آجاوے تو اہل قلعہ سے مدد ملنا بموجب اس کے ممکن ہے۔ نقطہ

شمر بیگم کی جوتی میں میگزین کا پھٹنا بھی اسی قسم کی کارروائیوں کا ایک حصہ تھا جو احسن اللہ اور زینت محل وغیرہ کی سرکردگی میں انجام دی جا رہی تھیں۔ انگریزی کمپ میں ہڈسن اس جاسوسی محکمے کا انچارج تھا اور اس کے ماتحت کانار جب علی نہ صرف جاسوسی کے کارنامے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انجام دے تھا بلکہ انتظامی صفوں میں بدظمی اور انتشار پھیلانے کا کام بھی کر رہا تھا۔

انگریزوں کے ان وفاداروں کا یہ بھی پلان تھا کہ کسی طرح ہندو مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کر دیے جائیں اور اس کا سب سے بہتر طریقہ عید پر گائے کی قربانی کا جھگڑا کھڑا کرنا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بہادر شاہ نے بقر عید کے موقع پر قربانی کاؤ کو ممنوع قرار دیا تو سب سے پہلے حکیم احسن اللہ نے اختلاف ظاہر کیا۔ اس پلان کا راز کیتھینگ کے خط سے پوری طرح فاش ہو جاتا ہے جو انہی صفحات پر ہماری نظر سے گذرے گا۔ علاوہ ازیں گرتھیہ اپنے ایک خط مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء میں گوالیار کی فوج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”مجھے تعجب نہ ہو گا کہ اگر وہاں ہندو راج قائم کرنے کی کوشش ہو.....

میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ہو کیونکہ یہ چیز ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دور

۱۔ جاسوسوں کی پوری ایک ٹولی یہ کام کر رہی تھی اور انگریزوں کے ہاتھ گویا خبریں فروخت کی جاتی تھیں۔ یہ خبریں بڑی محنت اور خفیہ طریقوں سے پہنچائی جاتی تھیں اور روپیہ حاصل کیا جاتا۔ جاسوسیوں میں تراب علی۔ گوری شنکر۔ فتح محمد۔ کلو۔ موہن وغیرہ تھے۔

کردے گی اور اُن (باغیوں) کو نکالنے میں بڑی مدد ملے گی“ ۱

اسی دوران میں ایک شخص محمد سعید نے نہ جانے کن اُستادوں کے اشارے پر ہندوؤں کے خلاف اعلان جنگ کرنا چاہا (۲۰ مئی ۱۷۵۷ء) تو بہادر شاہ نے اسے بلا کر پوچھا اور یہ بتانے پر کہ وہ ہندوؤں کے خلاف جھنڈا اٹھا رہا ہے بہادر شاہ نے جواب دیا کہ ”میرے نزدیک ہندو اور مسلمان ایک ہیں“۔ غرض یہ کہ اس طرح کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔

جنرل بخت خاں نے نجف گڑھ جا کر پڑاؤ ڈالا، پھر سدھاری سنگھ اور غوث خاں بھی اپنی فوجیں لے گئے مگر اُس دن سخت بارش

سے توپیں اور میگزینیں بیکار ہو گئیں۔ انگریزی فوج نے گولہ باری کی، اُدھر سے بھی جواب دیا گیا اور اگلے دن یہ باغی فوجیں واپس آ گئیں۔ بخت خاں نے انگریزوں پر فیصلہ کن حملے کا پلان بنایا ۲۲ جولائی کو بہادر شاہ سے مشورہ کیا اور تمام جنگی سامان اور مقامات کا معائنہ کیا۔ فوجوں کو جب اُن کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا کہ وہ انگریزوں سے آخر دم تک جنگ کرنے کا عہد کریں اور جو کمزور دل ہوں وہ اپنے اپنے گھر چلے جائیں تو فوج کے ایک ایک فرد کا متفقہ جواب تھا کہ:

”خواہ کچھ ہی ہو، ہم آخر دم تک انگریزوں سے جنگ کریں گے“

بہادر شاہ نے بخت خاں کے مشورے سے کوئوال کو حکم بھیج دیا کہ بقرعید کے موقع پر (یکم اگست ۱۷۵۷ء) پر جو شخص گلے ذبح

کرے گا اُس کو توپ سے اڑا دیا جائے گا۔ بخت خاں کی طرف سے کوئوال کے نام ۲۸ جولائی کو حکم بھیجا گیا کہ گلے ذبح کرنے والے کو موت کی سزا کا اعلان کر دیا جائے۔ کوئوال نے چاندنی چوک

۱. GREATHED: Letters Written During the Mutiny p.88 ۱

کے تھانے دار کو عام اعلان کے لیے ہدایات دیں کہ کوئی مسلمان جو گائے، بیل یا بھینس کی قربانی کرے گا، موت کی سزا پائے گا۔ اس کے بعد ۲۹ جولائی کو بادشاہ کی طرف سے کوئوال کو ہدایت کی گئی کہ ذی الحجہ کی ۱۳ سے ۱۴ تاریخ تک گائے کا کوئی بیوپاری شہر میں داخل نہ ہونے پائے اور تمام شہر کے مسلمانوں کی گائیں عارضی طور پر لے لی جائیں جو تہوار کے دوران میں کوئوالی میں رکھی جائیں مگر شہر کے کوئوال سید مبارک شاہ (رام پوری) نے جواب میں لکھا کہ کوئوالی میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ شہر کی تمام گائیں سما سکیں اور اسی عرضی میں یہ تجویز پیش کہ تمام تھانے داروں کو ہدایت کر دی جائے کہ شہر کے مسلمانوں سے گائے ذبح نہ کرنے کا تحریری عہدہ لیں۔ ۲۹ جولائی کو کمانڈر انچیف نے کوئوال کو لکھا کہ تمام قصائیوں کے پاس جتنی کھالیں اور چربی وغیرہ موجود ہیں اس کی فہرست روانہ کی جائے۔ بہادر شاہ نے خود بقر عید کے دن عید گاہ پر بھڑکی قربانی کر کے مثال قائم کی۔

کہا جاتا ہے کہ حکیم احسن اللہ نے ان احکامات پر احتجاج کیا اور کہا کہ وہ علماء سے فتویٰ لیں گے مگر بہادر شاہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ بعض ناواقف احسن اللہ کی حمایت کرتے ہوئے بہادر شاہ اور بخت خاں پر اعتراض کریں گے کہ ذبح گاو پر موت کی سزا کہاں تک حق بجانب ہے؟ اور قدرتی طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا بھی ہوتا ہے مگر شاید وہ لوگ حیرت سے سنیں گے کہ انگریز اور ان کے وفادار بقر عید کے موقع سے فائدہ اٹھا کر شہر میں فرقہ وارانہ فساد کرنے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے اور انھیں یقین تھا کہ اس موقع پر تفرقہ ڈال کر ضرور دہلی فتح کر لیں گے یہی وجہ ہے کہ احسن اللہ اس کی مخالفت کرتا نظر آ رہا تھا انتظامی کی سختی اور عجلت کے

۱۔ یہ تمام دستاویزیں اور کاغذات نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے کمانڈر انچیف کے فرمان میری نطسے بھی گزرے ہیں نیز ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر سین کی انگریزی کتاب میں (صفحہ ۹۳) یہ تذکرہ ملتا ہے۔

اندازہ ہو رہا ہے کہ بہادر شاہ اور نجات خاں نے انگریزوں کی یہ سازشیں بھانپ لی تھیں۔ ان کی مایوسی کی عکاسی کرنے اور سازشوں سے پردہ اٹھانے کے لیے کیتھ یونگ کا یہ خط کافی ہے جو اُس نے ۲ اگست ۱۸۵۷ء کو اپنی بیوی کے نام لکھا:

”بہ ظاہر کل شہر میں زبردست فساد کے لیے ہماری امیدیں پوری نہیں ہو سکیں کم از کم شہر کی خبروں کے متعلق موصول شدہ واحد اطلاع نلے میں اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ بادشاہ نے نہ صرف گائے بلکہ بکری تک کی قربانی کی شہر میں ممانعت کر دی ہے اور اس پر اگر عمل کیا گیا تو یہ یقیناً ہندوؤں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ لوگ آپس میں لڑتے ہمارے خلاف متحدہ اور بھرپور حملہ کرنے کے لیے ایک ہو گئے ہیں تاکہ ہمیں برباد کر دیں اور صفحہ زمین سے ہمارا نام و نشان بھی مٹا ڈالیں۔ جب کہ ایسے انتظامات کیے گئے تھے کہ بادشاہ شام کی نماز ہمارے کیمپ میں ادا کرے“ لے

عید کے دن جنگ | بقر عید (یکم اگست) کے دن دو پہر بعد از منقلا بیوں نے زبردست حملہ کیا۔ جنگ رات بھر بلکہ اگلے دو پہر تک جاری رہی بار بار حملے کیے گئے، بار بار انگریزی توپخانے کی گولہ باری سے دھکیل دیئے گئے اور بار بار گولیوں کی بوچھاڑ سے بے پرواہ ہو کر جمع ہوتے اور پھر حمد آور ہوتے رہے۔ رابرٹ کا بیان ہے کہ:

”اس خاص موقعے (بقر عید) پر ہندوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی ملتوی کر دی گئی اور فرنیگوں کو ختم کرنے کے لیے ہندو مسلمانوں کی زبردست متحدہ کوششیں ہو رہی

1. KEITH YOUNG: Delhi 1857 p. 171

2. SEN: p. 93 ROBERT: Forty one years in India p. 110

تھی۔ پہلی اگست کی صبح کو مسجدیں اور مندر پر ہجوم تھے اور تمام لوگ اس زبردست جدوجہد کی کامیابی کے لیے دعائیں کر رہے تھے شام کو ہزاروں کی تعداد میں باغی جوش اور تعصب سے پاگل ہو کر شہر کے دروازوں سے جہاد کے نعرے لگاتے ہوئے نکلے اور آگے بڑھ کر ہمارے دفاع پر حملہ آور ہوئے۔“ ۱۷

ڈاکٹر سین نے اس دن کی بہادری پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے صحیح اندازہ لگایا ہے کہ ”گو ان کی جرأت و ہمت بید قابل داد تھی مگر ہمت کے ساتھ فوجی حکمت عملی کا فقدان تھا جس کے بغیر پہاڑ کی منظم اور مورچہ بند فوج کے مقابلے میں کامیابی ممکن نہ تھی انھوں نے دوماہ تک دشمن کو پہاڑی سے بھگانے کی کوشش کی ان کے حملے زیادہ تر داہنی طرف سے ہوئے۔ صرف کبھی کبھی وہ پیچھے یا بائیں سے حملہ آور ہوئے لیکن کبھی انھوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ پورے کیمپ کو گھیرے میں لے کر چاروں طرف سے بہ یک وقت حملہ کریں۔ کوئی سوچی سمجھی اسکیم اور ماہر دماغ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ تعداد میں زیادہ ہونا ایسے موقعوں پر مفید ہونے کے بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے کیونکہ قواعد الٰہی فوج کے ساتھ غیر تربیت یافتہ عوام کی ہمراہی سے کامیابی کی بجائے انتشار پیدا ہو جاتا ہے“ مسلسل ناکامیوں نے اب انقلابی فوجیوں کے جذبات کو براہیگختہ اور انھیں دل برداشتہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی ناکامی کا بڑا سبب احسن اللہ، زینت محل، الٰہی بخش اور اسی طرح کے اہم اشخاص کو قرار دیتے تھے اور یہ اندازہ بہت کچھ حقیقت پر مبنی بھی تھا۔ ۱۸ اگست کو ان کا بارود کا کارخانہ (چوڑی والاں) اڑا دیا گیا اور یہ واقعہ اس وقت ہوا جب احسن اللہ کا رخانے میں جا کر واپس آیا چنانچہ اسی پر اس سازش کا شبہ کیا گیا اور ایک انگریز کمیٹہ بینک یہ اشارہ بھی کر گیا کہ یہ شبہ

بے بنیاد نہیں تھا۔ ۱۷

باغیوں نے زینت محل پر بھی انگریزوں سے ساز باز کا الزام لگایا چنانچہ اس کی طرف سے بادشاہ سے شکایت کی گئی کہ اس کے گھر پر پہرہ لگا دیا گیا ہے۔ زینت محل کو لے دے کراگر کوئی تمنا تھی تو بس یہ کہ جواں بخت کو بہادر شاہ کا ولی عہد مان لیا جائے۔ نامزد ولی عہد شہزادوں کا یکے بعد دیگرے موت سے ہم کنار ہو جانا یا کر دیا جانا اس کے لیے میدان صاف ہونا تھا اور تمام دیگر شہزادوں نے 'مرزا قیاش کے علاوہ' جواں بخت کی ولی عہدی پر دستخط کر دیئے تھے مگر بغاوت نے بیگم کے تمام ارمانوں پر پانی پھیر دیا کیونکہ اگر باغی کامیاب ہوتے تو مرزا مغل ان کے سربراہ ہوتے نہ کہ جواں بخت۔

ادھر الہی بخش اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف اور احسن اللہ اس کا مددگار تھا۔ جب علی جوہر دکن کی طرف سے شہر میں جاسوسی اور انتشار پھیلانے کا کام انجام دے رہا تھا، میگزین پھٹنے کے بعد (۱۸ اگست) جب باغیوں نے جاسوسوں کی سخت طریقے سے گرفت شروع کی تو بھاگ گیا۔ ان لوگوں کی طرف سے انگریزوں کو یہ شرائط پیش کی گئیں کہ وہ بادشاہ کو پہلی سی مراعات برقرار رکھیں، جواں بخت کو ولی عہد مان لیں تو کشتیوں کا پل اڑا کر سوار فوج پر قابو پالیا جائے گا اور انگریزوں کو شہر میں داخل کر دیا جائے گا لیکن انگریزوں کو چونکہ اب اپنی فتح کا یقین تھا اور یہ پیش کش حالات کی ابتری کی طرف اشارہ کر رہی تھی اس لیے ان شرائط کو رد کر دیا گیا یہاں تک کہ گورنر جنرل کو ۲۰ اگست کے لگ بھگ جب ان شرائط کی اطلاع پہنچی تو اس نے ایک خط میں بہادر شاہ کو پہلی سی وقعت اور مراعات منظور کرنے سے صاف انکار

1. K. YOUNG: Delhi 1857 p. 186

2. MUIR (W): Records of Intelligence Deptt. Vol. II p. 145.

SEN: p. 96

کر دیا۔ اسی طرح شہزادوں کے خطہ ط جو گرتھیلڈ کو وصول ہوئے، ردی کی ٹوکی میں ڈال دیے گئے۔ یہاں سے مایوس ہو کر شہزادوں نے بریگیڈیروں سے بعض شرائط پر معاملہ کرنا چاہا مگر مایوس ہونا پڑا۔ یہ خفیہ کارروائیاں صرف چند مخصوص لوگوں کے علم میں تھیں جن سے بے خبر انقلابی عوام اور فوجیں اب بھی دشمنانِ وطن سے جنگ آزما ہونے کو تیار تھیں۔

انگریزی کیمپ میں مزید فوج | اُدھر جون نکلسن کی سربراہی میں پنجاب سے مزید فوج انگریزی کیمپ میں پہنچی (۱۴ اگست)۔ نکلسن ایک

پینتیس سالہ کنوارا جوان تھا۔ وہ ہندوستانیوں کے لیے دشمنی کے جذبات سے بھرپور دل رکھتا تھا۔ وہ اس سے پہلے پھلور اور سیالکوٹ میں دسی فوجوں سے ہتھیار لے کر اور بنناوت کچل کر اپنے کو اہل ثابت کر چکا تھا۔ اس لیے بریگیڈیئر جنرل بنایا گیا۔ اس کے ہمراہ دو ہزار چار سو پیادہ، چھ توپیں اور کچھ سوار فوج تھی جن کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ انبالہ سے یہاں آیا۔ نکلسن دہلی پر حملہ کرنے کے لیے بے قرار تھا مگر ولسن کو جاسوسوں کی اطلاعات سے معلوم ہوا تھا کہ دہلی میں اب باغی افواج چالیس ہزار ہے۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا اور جب شہر کے عوام بھی انگریزوں کے خون کے پیاسے ہیں تو ان سے شہر کی سڑکوں پر کیسے مقابلہ کیا جائے گا۔ ولسن کا یہ اندازہ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں تھا۔ میجر ریڈ کا بیان ہے کہ کوئی دن مشکل سے ایسا گذرتا تھا کہ جب باغی فوجیں ہمارے اوپر حملہ نہ کرتی ہوں۔

نصف گڑھ کی جنگ | اسی زمانے میں (۲۳-۲۶ اگست ۱۹۵۷ء) بہادر شاہ کی طرف سے تمام زمینداروں، سپاہیوں، کسانوں، دستکاروں، پنڈتوں، فقیروں، عاملوں، اور تاجروں کے لیے ایک فرمان جاری ہوا جس میں ان سب دشمنان

1. MUIR (W): Records of Intelligence Deptt. Vol. II p. 145

وطن کے خلاف جنگ کی اپیل کی گئی تھی۔ انگریزی اخبار 'فرینڈ آف انڈیا' نے اس فرمان کو شائع کر کے اس کو بغاوت کی تاریخ کا سب سے زیادہ انمول اقدام قرار دیا۔ ۱۷

۲۴ اگست کو باغی فوج نے پھر ایک بڑا حملہ کیا اور پنجاب سے انگریزوں کا رسل و رسائل اور رسد کاٹنا چاہا۔ لیکن انگریزوں کو ان کے ہر فیصلے کی فوراً خبر ہو جاتی تھی چنانچہ نکلسن نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور نجف گڑھ کی نہر پر تصادم ہوا۔ باغی فوجیں تقریباً تین ہزار گز کے رقبہ میں تھیں بائیں طرف نہر کے پل کے پاس وہ ایک گاؤں پر قابض تھیں اور دائیں طرف ایک چٹان اور سرائے پر۔ نکلسن نے چٹان اور سرائے پر حملہ کیا اور توپوں کی گولہ باری میں پیادہ فوج کو بڑھایا۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ باغی فوجیں پیچھے کی طرف ایک گاؤں میں چلی گئیں اور پھر شہر کی طرف واپس ہو گئیں۔ انگریزی فوجیں نانگلوٹی گاؤں سے ہو کر نجف گڑھ پہنچی تھیں۔ ظہیر دہلوی نے نجف گڑھ کی لڑائی کا حال بیان کیا ہے لیکن تاریخ نہیں دی ہے، اندازہ ہے کہ وہ اسی جنگ کا بیان ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہاڑی کے عقب سے رسد بند کر دینے کی صلاح ہوئی اور بخت خاں اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ دوسرے روز سدھاری سنگھ اور غوث خاں اپنا کپو لے کر گئے لیکن اس دن شدید بارش ہوئی چنانچہ :

”تمام جنگل میں پانی ہی پانی ہو گیا اور ایک خرابی اور ہوئی کہ جس موقع پر سدھاری سنگھ کا کپو کا ڈیرا تھا وہاں نشیب تھا اور جھیل تھی نجف گڑھ کی مشہور ہے۔ جہاں ندی کا پانی سب اس میں آتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوئی کہ توپیں بھی پانی میں غرق اور آدمیوں کی بھی کمر پانی چڑھ گیا اور میگزین کی

۱۷ فرینڈ آف انڈیا۔ ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء بحوالہ مہدی حسن۔ یہ فرمان آخری صفحات پر بطور ضمیمہ شامل ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر مہدی حسن کی انگریزی کتاب ”بہادر شاہ

پٹیاں سب دلدل میں کھنس گئیں۔ اُدھر انگریزی فوج نے آکر گولہ اور گراںکے میخ
برسانا شروع کیا اور سپیا بارود کا نہر میں بہا کر نہر کا پُل اُڑا دیا جس سے راستہ
بند ہو گیا اُدھر سے بخت خاں کی فوج نے انگریزی فوج پر گولہ باری شروع کر دی
دونوں طرف کی مار سہاری سنگھ اور غوث خاں کے کپیو پر ہونے لگی اب جائیں
تو کہاں جائیں پنج میں نہر حائل ہے۔۔۔ غرض کہ تمام ڈیرہ خیمہ میگنیزین توپیں
وغیرہ سب کی سب وہیں رہیں اور ہزار ہا جانیں تلف ہوئیں تھوڑی سی فوج
بچ بچا کر صبح کو دہلی پہنچی“ لے

خزانہ خالی تھا، میگنیزین اُڑ جانے سے سامان جنگ کی بھی
قلت ہو گئی، فوجوں میں انتشار پھوٹ اور بندظمی بڑھ گئی
انقلابیوں کو مایوسی
جنرل بخت خاں اور سہاری سنگھ برابر انگریزی فوجوں پر حملے کرتے رہے فوج کی نتخواہ کے لیے
مشورہ ہوا جس میں مرزا مغل کے علاوہ مرزا خضر سلطان، راجہ دیوی سنگھ، سالک رام۔ رام جی
داس اور رائے گنجارام وغیرہ شامل تھے۔ باہمی مشورے کے بعد ڈیرہ لاکھ روپیہ جمع کرنے کا
عہد کیا گیا کیونکہ فوج کو نتخواہ نہ ملنے پر شہر میں اور زیادہ ابتری پھیلنے کا خطرہ تھا۔ دشمن سے
برابر تصادم ہوتے رہے، دن بھر لڑائی ہوتی مگر اب پالسنہ باغیوں کے حق میں نہیں گرتا تھا
مغل شہزادے اب بھی اپنی خرمستیوں سے باز نہ آئے، وہ مہاجنوں اور دوسرے لوگوں سے
فوج کے نام پر لاکھوں روپیہ جمع کرتے اور خود ہضم کر جاتے لہذا مہاجنوں کو حکم ہوا کہ وہ جنرل
بخت خاں سے گفتگو کریں اور شہزادوں سے واسطہ نہ رکھیں۔ کچھ لوگوں نے مزید روپیہ دینے

۱۔ داستان غدر/۱۰۴۔ بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غوث خاں اس جنگ میں نہیں تھا وہ
اس شکست کی خبر سنکر ایک سکھ رجمنٹ اور کچھ سوار فوج لے کر چلا لیکن راہ میں شیکست خوردہ فوج
واپس آتی ہوئی ملی بیچ بریگیڈ اس جنگ میں بالکل تباہ ہو گیا۔ یہ جنگ نانگلوئی کے قریب ہوئی۔

سے انکار کر دیا۔ رام جی داس دوبار بڑی رمتیں دے چکا تھا، بہادر شاہ خود بھی مختلف مورچوں پر جا کر گولا باری کا معائنہ کرتے رہے مگر فوج میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بڑی بے اطمینانی تھی سب سے زیادہ بد نصیبی یہ تھی کہ باغی فوج کے افسران، منغل شہزادے، کمانڈر انچیف، بخت خاں، انتظامیہ کورٹ سب کے سب روپیہ جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر جمع کر رہے تھے چنانچہ ایک ایک شخص سے کئی کئی بار چندہ لیا گیا۔ جیون لال سے ڈھائی ہزار مانگا گیا، اس کا گھر لوٹ لیا گیا مفتی صدر الدین سے دو لاکھ کا مطالبہ ہوا اور آخر کار ۳۱ اگست بعد از خرابی بسا یہ اعلان کیا گیا کہ جنگ کے لیے چندہ جمع کرنے کا اختیار صرف انتظامیہ کورٹ کو ہوگا۔ بہادر شاہ نے کچھ زیورات اپنے حرم سے لا کر ان کے حوالے کرنا چاہے لیکن فوجی افسران نے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا:

”ہم شاہی زیورات کو ہاتھ نہیں لگائیں گے لیکن ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ آپ ہمیں قائم و برقرار رکھنے کے لیے اپنے جان و مال دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔“

زرد کوٹھی کا مورچہ | انہی دنوں کشمیری دروازے کے باہر نصف میل دور انقلا بیوں نے زرد کوٹھی میں مورچہ لگایا اور گولا باری کی جس سے انگریزوں کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔ نصیر آباد والی فوج اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ جب رات کو ڈیوٹی بدلی تو نصیر آباد کے سپاہیوں نے پہرے داروں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ انھوں نے جل کر جواب دیا۔ ”بھئی تم سپاہی ہو، ہم سپاہی نہیں؟“ مگر رات ہوئی تو مزے سے پڑ کر سو گئے اُدھر مخبروں نے انگریزوں کو خبر دی چنانچہ گولے اوگور کھینچے پاؤں پہاڑی پڑا تھے اور دبے پاؤں آکر پہلے تو ان سونے والوں کے ہتھیار اٹھالیے پھر توپوں پر قبضہ کر کے ان کو بیدار کیا اور بری طرح مارنا شروع کیا۔ یہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ نصیر آباد کی فوج جو پہرہ بدل کر آئی تھی وہ شہر میں داخل نہ ہوئی تھی کہ رات کو دروازہ کھلوانا مناسب نہیں،

وہ کشمیری دروازے کے باہر تصل کی پٹری پر لیٹ گئے تھے۔ اب جو یہ بھاگ بھاگ کر پہنچے تو انھوں نے لعنت ملامت کی اور کہا کہ تم ہمارے پیچھے آ جاؤ اور بندہ وقیں بھر کر خاموش لیٹ گئے۔ انگریزی فوج یہ سمجھ کر پیچھا کرتی ہوئی آ پہنچی کہ اس وقت دروازہ کھلنے پر شہر میں داخل ہو جائے۔ جب بندہ وقوں کی زد پر آ پہنچے تو یکبارگی نصیر آباد کے سپاہیوں نے ہار ماری کشمیری دروازے کے گولندازوں نے یہ آواز سنکر اوپر سے گرا ب مارا، اُدھر سیاہ بُرج والوں نے توپیں بھر کر اندھا دھند گرا ب برسلائے شروع کیے ”اس وقت یہ نوبت ہو گئی کہ خدادے اور بندہ لے۔ متعاقب کنندگان کو جان بچانی مشکل ہو گئی وہی مثل ہوئی اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ لاش پر لاش پڑ گئی کشتوں کے پتے لگ گئے۔ بھاگے اُلٹے پاؤں اور جا کر مورچہ لیا۔“ اور زرد کوکھی کے مورچے سے شہر پر گولے برسانا شروع کر دیئے۔ رات بھر یہ ہنگامہ رہا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کا ایک بڑا افسر مارا گیا جس کی لاش دونوں مورچوں کے درمیان پڑی تھی اور دونوں طرف سے اُسے حاصل کرنے کے لیے بندہ وقیں اور توپیں چلتی رہیں وہ لاش عین کشمیری دروازے کے سامنے تھوڑے فاصلے پر پڑی تھی۔ غرض ڈیڑھ دن جنگ جاری رہی آخر رات کے وقت ایک باغی سپاہی نے زمین پر رینگ کر اپنی پگڑھی سے لاش کو کھینچ لیا اور ہتھیار وغیرہ اتار کر لاش اسی طرح چھوڑ دی لے

عوامی جنگ

دہلی میں شہر و دیہات کے عوام نے تحریک ۱۸۵۷ء میں جو نمایاں حصہ لیا اس کی کوئی تفصیل اب موجود نہیں لیکن کہیں کہیں یہ جھلک پھر بھی نظر آ جاتی ہے۔ انگریزی جاسوس گوری شنکر۔ رجب علی۔ تراب علی۔ جیون لال وغیرہ جو ’خبر نامے‘ انگریزی کیمپ کو بھیجتے رہے ہیں اُن میں یہ حقیقت بھی کسی حد تک دیکھی جاسکتی ہے جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے اصل دستاویزوں سے

تحقیق کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ :

”ظاہر ہے کہ دہلی کی جنگ اب عوامی جنگ کی صورت میں نمایاں ہو چکی تھی۔ دہلی شہر اور دیہات کے عوام شاہی یا قومی فوجوں کی پوری مدد کر رہے تھے اور وہ اسے آزادی کی فوج کے روپ میں دیکھتے تھے“ اے

جاسوسوں کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”نانگلی (نانگلوئی) کے عوام نے نہ صرف باغیوں کی پوری مدد کی بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں حصہ لیا۔ منغل شہزادوں کے علاوہ امرا میں امین الدین خاں، تاج الدین خاں مع اپنے لشکروں کے شریک تھے۔ ایک شہزادہ غلام مصطفیٰ (؟) زخمی بھی ہوا۔ شہزادہ عظیم بیگ ہالنسی سے واپس آ کر بادشاہ کے ذاتی لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ ایک دیہات کے تقریباً بیس ہزار آدمی جمع ہوئے اور یہ اعلان کیا کہ انھوں نے بیچ بریگیڈ کی بارہ توپیں دوبارہ انگریزوں سے چھین لیں۔ مولانا فضل حق جب سے الور سے یہاں آئے تھے، برابر فوج اور شہر میں عوام کو انگریزوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ کرتے رہے۔ نجف گڑھ کے زمینداروں نے بخت خاں کو پوری طرح مدد دینے کا وعدہ کیا پانی پت اور سونی پت کے کچھ زمیندار بھی ان کے حامی تھے۔ بہادر علی خاں (بہادر گڑھ) نے جو اپنے علاقے کو بغاوت کے لیے منظم کر رہے تھے، پیغام بھیجا کہ تمام علاقہ بخت خاں کے ساتھ ہے۔ کچھ سکھوں کو یہ ہدایت دے کر پنجاب بھیجا گیا کہ وہ وہاں باغیانہ جذبات پیدا کریں۔ روہتک کے ایک گاؤں ساہنی میں رسالدار خاں نے زنگاروں کی ایک فوج منظم کی۔ ضلع ہریانہ کے گاؤں تو شم (Tosham) میں بھی ایک باغی لشکر تیار کیا گیا۔ یہاں تک کہ پشن یافتہ لوگوں کو بھی شامل کیا گیا جہاں ان کے بیان کے مطابق کئی ہزار زمیندار بغاوت کے لیے تیار تھے۔ نانگلی کے زمینداروں نے آکر بہادر شاہ سے شکایت کی کہ انھیں شاہی فوجوں کی ادا

کرنے کی سزا دی گئی اور اُن کے گاؤں لوٹ لیے گئے ہیں تیہج فوج کے بریگیڈیر جنرل ہیرا سنگھ بہادر شاہ کے دربار میں آئے۔ شاہ نے اُن سے کہا کہ تیہج بریگیڈ کو دوبارہ منظم کریں، انھیں توپیں مہیا کرنے کا وعدہ کیا اور دو ہزار روپیہ سامان کی فراہمی کے لیے عطا کیا۔ دادری کے راؤ نے انقلابیوں کی پوری حمایت کی۔ اس نے بادشاہ کو نذر پیش کی، جھنڈا اور منقارہ رکھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے کہا کہ وہ میرٹھ سے انگریزوں کو کمک نہیں جانے دے گا اور لوٹ لوٹ کر پریشان کر دے گا۔

متعلقہ داروں کی شرکت | بہادر شاہ کی طرف سے قریبی علاقوں کے تعلقہ داروں کو امداد کیلئے اپیل کی گئی اور پروانہ جاری ہوا جس کے جواب میں آس پاس کے متعدد متعلقہ داروں نے ہر طرح امداد کی۔ ان میں یواری کے راؤ تلارام۔ دادری کے بہادر جنگ خاں۔ مالا گڑھ کے ولی داد خاں۔ جھجر کے نواب عبدالرحمن۔ پٹودی کے اکبر علی خاں۔ فرخ نگر کے احمد علی خاں۔ دوجانہ کے حسن علی خاں۔ بلبھ گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ وغیرہ تھے بلبھ گڑھ کا راجہ ناہر سنگھ انقلابیوں سے تعاون کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ ایک انگریز کمیٹیہ ننگ نے تو اپنے خطوں میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اسی طرح راؤ تلارام نے چالیس ہزار روپیہ

۱۔ دہلی نیوز ————— (Delhi News) ————— سے ماخوذ بحوالہ مہدی حسن

۲۶۱-۲۵۸

۲۔ یادداشت حسن اللہ۔ بادی اور علی پور کے عوام کا حال پہلے گزر چکا ہے۔

۳۔ ناہر سنگھ کو بعد میں پھانسی دی گئی۔

4. YOUNG (K): Delhi 1857 p. 262

CHAUDHURI: p. 68

بھیجا اور فوج بھی منظم کی۔ مرزا حیدر اودھ اور دہلی کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھا۔ سوات
 (سرحد) کے اخوند کے سردار کی طرف سے بھی ایک وفد آیا۔ علی گڑھ کے متعلقہ دارا مراد بہاؤ
 خان بہادر خاں (بریلی)۔ مرزا عباس بیگ، ایجنٹ دربار لکھنؤ۔ بہادر گڑھ کے بہادر خاں وغیرہ
 کی طرف سے پیغامات آئے۔ پورے ملک کے مختلف علاقوں سے باغی فوجوں کے خطوط موصول
 ہوئے جن میں بادشاہ کی وفاداری کا عہد تھا اور دہلی آکر دشمنوں سے جنگ کرنے کا قصد۔
 روہتنگ۔ حصار۔ کرناٹ۔ سرسہ۔ بجنور۔ بریلی۔ متھرا۔ مین پوری۔ ریواڑی وغیرہ کے عوام کی
 طرف سے جو عرضداشتیں آئیں ان کا تو کچھ شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ میرٹھ کے ہندو متعلقہ
 داروں کے گاؤں سے عوام کے بھی بے شمار پیغامات آئے۔ جن میں بادشاہ کی طرف سے جنگ
 کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ مختلف مقامات کی باغی فوجوں کے علاوہ مجاہدین کے گروہ آئے
 ایس بی چودھری لکھتے ہیں:

بہادر شاہ کا کردار

”جیسے ہی بغاوت نے ہمہ گیر صورت اختیار کی، بہادر
 شاہ نے اپنے آپ کو اس کی سربراہی کے لیے اہل ثابت کیا۔ اس نے سپاہ سے
 باز پرس کی ان کو انگریزوں کو نکالنے کے لیے کوتاہی پر ملامت کی اور انگریزوں کو
 رسد دینے والوں کو سخت برا بھلا کہا، اس نے روزانہ دیوان خاص میں آنا شروع
 کر دیا۔ تمام معاملات میں بذات خود حصہ لے کر پوری طاقت اور صلاحیت کا
 مظاہرہ کیا۔ دوران بغاوت کے اعلانات اور فرمان جو اس کے نام سے جاری ہوئے
 اس بات کا پورا ثبوت ہیں کہ وہ انگریزوں کے خلاف اس مقدس جنگ کا اصل

۱۔ راؤ تلارام کے مزید حالات ریواڑی کے سلسلے میں اور آخری دور کے باب میں ملیں گے۔

سرچشمہ تھا“ ۱

بہادر شاہ کے اس کردار کے برخلاف دلائل اس کا دوسرا رخ بھی سامنے لاتے ہیں۔ کیتھینگ نے اپنے خطوں کے مجموعے میں یہ ذکر کیا ہے چنانچہ ۳ جولائی ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں اس نے لکھا ہے کہ ”آج شہر سے جو خبریں ملی ہیں ان میں کہا گیا ہے کہ ”بادشاہ ہم سے صلح کی شرطیں طے کرنے کے لیے بے چین ہے“ اسی طرح ۱۴ اگست کے خط میں:

”میں نے ابھی شہر کا خبرنامہ دیکھا جس میں کہا گیا ہے کہ بادشاہ چاہتا ہے کہ سپاہی انگریزوں سے صلح کر لیں لیکن انھوں نے جواب دیا کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے وہ یا تو فتح کریں گے یا مرجائیں گے۔ بادشاہ نے خود انگریزی کیمپ میں جانے کا ارادہ کیا مگر سپاہیوں نے ایسا نہیں کرنے دیا، ۲

اس طرح کے واقعات کی تصدیق ظہیر دہلوی کے بیان سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک موقع پر جب کسی پوریہ نے بادشاہ سے گستاخی کی، وہ کہتے ہیں:

”... اور بادشاہ نے خفا ہو کر منغلات گالیاں دینی شروع کیں اور حکم دیا کہ محل کی سواریاں کراؤ اور خواجہ صاحب کو چلے چلو۔ قلعے کو چھوڑ دو اور خود سوار ہو کر جانی کے دروازے تک پہنچ گئے تھے کہ اتنے میں سب افسر جمع ہو کر دوڑ آئے اور بادشاہ کی سواری روک لی“ ۳

1. CHAUDHURI: Civil Rebellion 1857 p.70

2. YOUNG: Delhi 1857 pp. 104-203

۳ داستانِ غدر/ ۱۰۲۔ ظہیر دہلوی نے اس بد تمیز پوربیے کو بخت خاں کہا ہے مگر تاریخی حالات اور واقعات سے بخت خاں کا جو کردار نظر آتا ہے اسکی روشنی میں یہ بالکل غلط ہے یہاں یا تو ظہیر دہلوی سے کوئی فروگزاشت ہوئی ہے یا کسی اشارے پر بخت خاں کی تصویر مسخ کرنے کے لیے یہ کام کرایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں نہ صرف معین الدین وغیرہ کے روزناموں سے بلکہ عبداللطیف کے روزنامے سے بھی ہاشا کا کردار مشتبہ نظر آنے لگتا ہے۔ ۱۲ جون ۱۹۵۷ء کو وہ لکھتا ہے۔

”پس بادشاہ نے مسرت کے ساتھ آج مجلس شوریٰ منعقد کی.... بات جو ریکٹ آئی وہ یہ تھی کہ اس طرف سے دل ہٹانا اور انگریزوں کی طرف جانا مناسب ہے سب نے عرض کی کہ یقیناً اب ان تباہ کاریوں کے ساتھ اس مقام پر رہنا اپنے تئیں خطرے میں ڈالنا ہے... فرمایا کہ انگریزوں سے دوستی کی کیا شکل نکالی جا... پس نواب گورنر جنرل بہادر اور نواب لفٹیننٹ بہادر کو خط ارسال کیا گیا“

پھر ۲۴ جون کو:

چونکہ بادشاہ نے نواب گورنر جنرل بہادر اور نواب لفٹیننٹ بہادر کو خط لکھا تھا آج قاصد جواب لے کر آیا اس سے دل کو قدرے سکون ہوا، دوبارہ بادشاہ نے محل آراستہ کرائی، فلم اٹھایا، خط لکھا اور ارسال کر دیا....“ لے

حکیم احسن اللہ، جو بہادر شاہ کا دامنا ہوتا رہا ہے یا جسے وزیر اعظم کہنا چاہیے ان کارروائیوں میں پیش پیش تھا چنانچہ کسی بار باغیوں نے اسے قتل کر ڈالنا چاہا مگر بادشاہ کی مداخلت سے وہ ہر بار بچ گیا۔ بغاوت کے پہلے دن سے لے کر آخر تک اس کے کردار پر ایسے صد ہادھتے نظر آتے ہیں اور جو نظر نہیں آسکے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ان وطن دشمن کارروائیوں میں احسن اللہ کے علاوہ بہادر شاہ کی چہیتی بیگم زینت محل بھی پوری طرح شریک نظر آتی ہے جس کو اس ہنگامے میں بھی یہ فکر دامن گیر تھی کہ کسی طرح انگریزوں سے اپنے بیٹے جواں بخت کی ولی عہدی کا اقرار کرائے۔ چنانچہ دوران بغاوت میں ہر طرح نظر ڈالنے پر بھی

لے خلیق احمد نظامی (مرتب): روزنامہ عبداللطیف / ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲ - ڈاکٹر سین نے بعض اہم

کاغذات سے اس کی تصدیق کی ہے ص ۹۵

زینت محل کی کوئی سرگرمی ایسی نظر نہیں آتی جو اس نے باغیوں کی حمایت میں اختیار کی ہو۔
 ہاں اس کے بارے میں اگر کچھ تاریخ کے صفحات پیش کرتے ہیں تو وہ انگریزوں سے ساز باز
 اور خفیہ پیام رسانی کے تذکرے ہیں جنہیں جگہ جگہ دیکھ لیجئے اور بغاوت کے پہلے ہی دن سے
 یہ سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس بی چودھری نے اپنی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ :
 ”یہ بات بغیر کسی شک و شبہ کے کہی جاسکتی ہے کہ احسن اللہ نے انگریزوں سے پیام
 رسانی کی، باغیوں کی فوجی کارروائیوں کو اندر ہی اندر ملیا میٹ کرنے کی کوشش
 کی، انگریزوں کو پہنچانے کے لیے زینت محل اور صدر علی خاں کے تعاون سے رسد
 کے ذخیرے جمع کیے“ ۱۷

اور بغاوت کے پہلے ہی دن جب انقلابیوں کا پہلا گروہ قلعے میں آکر خوراک اور رسد وغیرہ
 کا طالب ہوا تو انھیں احسن اللہ نے، جس کے ہاتھ میں بہت کچھ تھا، کیا دیا۔ بادشاہ
 کے اصطل سے گھوڑوں کے چنے۔ ۱۸

کئی بار حکیم احسن اللہ کی یہ کارروائیاں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں۔ سب سے پہلے ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء
 کو انقلابی سرداروں نے دہلی دروازے سے اس کا ہر شدہ خط پکڑا جو قیدی انگریزوں کی مدد
 سے لکھا گیا اور اس میں انگریزوں کو مدد کا یقین دلایا گیا تھا۔ اسی خط سے برا فروختہ ہو کر انھوں
 نے انگریز قیدیوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا اور نہ انقلابیوں کا سر نہیں پھرا تھا کہ جن انگریزوں

۱۷ خورشید رضوی: بیگم زینت محل، رسالہ ”آجکل“ دہلی مورخہ جنوری ۱۹۶۳ء (مضمون)

۱۸ CHAUDHURI: pp. 67-68

۱۹ ظہیر دہلوی: داستانِ غدر/ ۶۸

کی جان بادشاہ کے کہنے سے بچالی گئی تھی اُنھیں بغاوت سے پانچ دن بعد نکال کر قتل کر دیتے۔ بعض مغل شہزادے بھی، جن کے نام ظاہر نہیں ہوتے، انگریزوں سے ساز باز میں شریک تھے۔ گرتھیڈ اپنے ایک خط (۱۹-۲۳ اگست) میں کہتا ہے:

”میرے پاس شہزادوں کے خطوط آنا شروع ہو گئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ وہ مکمل طور پر ہمارے حامی رہے ہیں اور صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ آج ایک سفیر زینت محل کی طرف سے آیا جو کہ بادشاہ کی چہیتی سگم اور بڑی اہم سیاسی شخصیت ہے اُس نے شرائط اور معاہدے کے لیے بادشاہ پر اپنا اثر استعمال کرنے کی پیشکش تھی“ لہ

چنی لال کی ڈائری میں ہے کہ باغیوں نے ۱۶ مئی کو ایک خط پکڑا جو انگریزوں کو جابجا ہاتھ اور اس میں جواں بخت کو ولی عہد مان لینے کی شرط پر امراء کا یقین دلایا گیا تھا۔

جیسے جیسے دن گزرتے جاتے،
شہر کے عوام میں ہراس اور

انقلابی حکومت کے خلاف کارروائیاں

بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا اور اس کا سبب نہ صرف انگریزوں کے وفاداروں کی کارروائیاں تھیں بلکہ انگریزوں کو ابھی تک کوئی فیصلہ کن شکست نہ ہو سکی تھی، نہ اُنھیں راج سے ہٹایا جاسکا تھا اور یہ صورت حال عوام و خواص کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی کہ جو باغی فوجیں اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی انگریزوں کو اکھاڑ نہ سکیں وہ اب کیا کر سکیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نہ ایک دن انگریز دہلی کو فتح کر لیں اور اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ یہی سبب ہے کہ بعض افراد نے انگریزوں سے خفیہ نامہ و پیام شروع کر دیئے تھے جن میں راولپنڈی، راجہ بلبھ گڑھ، عبدالرحمن خاں والی، جھنجر وغیرہ کے نام کیتھ نینگ نے اپنے خطوط کے مجموعے میں لکھے ہیں کہ ان

لوگوں کے پیغامات موصول ہوئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ انقلابیوں کے حامی نہ تھے یا ڈبل رول ادا کر رہے تھے بلکہ حالات کے پیش نظر یہ پیش بندی کرنا چاہتے تھے مگر انگریز اور ان کے حواری اتنے احمق نہ تھے جو یہ بات نہ سمجھ سکتے۔ ۱۷

مختلف مقامات سے اب بھی انقلابی فوجیں، رضا کار اور مجاہدین دہلی آرہے تھے بعض جگہوں سے عرضداشتیں بھی موصول ہوتی تھیں مگر اب حالات دگرگوں ہو رہے تھے۔ خزانے میں روپیہ نہ تھا۔ انگریزوں کے سیکرٹوں جاسوس شہر اور قلعے کے اندر اپنا کام کر رہے تھے جن کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ انگریزوں نے کچھ پٹھان اس غرض سے بھرتی کیے کہ وہ شہر میں داخل ہو کر انقلابیوں سے جنگ کریں اور اس طرح بہ آسانی دہلی پر قبضہ ہو جائے۔ حکیم حسن اللہ نے طے شدہ پلان کے مطابق یہ خبر اڑائی کہ یہ لوگ جہادی ہیں مگر انقلابی افسران پر یہ راز بھی کھل گیا اور اسکیم کامیاب نہ ہو سکی۔ انقلابی افسران حسن اللہ کو اس غداری کی سزا دینے کے لیے اُس کے گھر پہنچے مگر وہ غائب ہو گیا۔ انگریزوں نے ایک اور وار کیا یعنی ہڈسن نے اپنے چند مجبوروں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ انقلابیوں کا بارود کا کارخانہ اڑا دیں تو ایک ہزار روپیہ روپیہ انعام ملے گا چنانچہ، رگست ۱۹۴۷ء کو شرمونگیم کی حویلی میں (چوڑی والاں) یہ کارخانہ اڑا دیا گیا اور انگریزوں کو یہ تحفہ مفت ہاتھ آیا کیونکہ اُس کو اڑانے والے جاسوس نے قدرت کے ہاتھوں موت کا انعام پایا، وہ خود بھی اسی میں بھسم ہو گیا۔ ۱۸

باغیوں نے کارخانہ اڑانے کا شبہ حسن اللہ پر کیا۔ ظہیر دہلوی نے لکھا ہے کہ اُس دن حکیم جی گھر پر نہ تھے۔ ورنہ ضرور مارے جاتے۔ انقلابیوں کا شبہ یقین کی حد تک تھا لہذا اب وہ

۱۷ چنانچہ جھڑکے نواب اور ناہر سنگھ (راجہ بلب گڑھ) کو پھانسی ہوئی۔ راتوں رات آخر تک جنگ کرتے رہے اور پھر افغانستان چلے گئے۔

۱۸ حسن نظامی: غدر کی صبح و شام/۸۴

لہذا اب وہ احسن اللہ کے قتل کرنے پر تمل گئے۔ بہادر شاہ نے پھر اس وفادار کی حمایت کی اور اسے قلعہ کے تہہ خانے میں چھپا دیا مگر انقلابی کسی طرح نہ مانے، جان بخشی کا وعدہ کر کے گرفتار کیا اور قید کر دیا۔ صرف اتنا کیا کہ اس کا گھر لوٹ کر سامان عام مجمع کے سامنے جلادیا حالانکہ انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے کہیں زیادہ اس کا قتل مفید ہوتا۔ شہر میں خوف و ہراس تھا۔ باغیوں نے متعدد جاسوس گرفتار کیے، مرزا الہی بخش برابر ان جاسوسوں کی حمایت و امداد کرتا رہا اور بہتوں کو تہہ تیغ ہونے سے کسی نہ کسی طرح بچا لیا۔ ان میں سے چند کے نام جان لارنس نے گرتھڈ کے نام ایک خط میں لکھے تھے تاکہ وقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ان میں محبوب علی خاں، حسن علی خاں، امین الدین خاں، الہی بخش، رام جی داس گڑوالا، متھرا داس، سالک رام وغیرہ تھے۔ رجب علی شہر میں اگست تک موجود تھا اور جاسوسی کے جال پھیلا رہا تھا۔

۲۸ اگست کی رات کو انگریزوں نے کشن گنج والے مورچے پر حملہ کیا۔ تمام فوج کو **مایوسی** ہو شیار کر دیا گیا تھا کیونکہ عام حملے کا خطرہ تھا۔ ۲۹ اگست کو انگریزی توپوں نے تمام دن شہر پر گولہ باری کی۔ خبر ملی کہ انگریز باوٹے پر نئے مورچے بنا رہے ہیں جن سے تمام شہر کو تباہ کیا جاسکے گا۔ بہادر شاہ نے جنگی کونسل کا جلسہ طلب کیا، صورت حال پر غور کیا گیا مگر حالات بد سے بدتر ہو چلے تھے۔ سپاہی اناج کی کمی سے تنگ تھے مزید بارود بلکہ گندھک تک دستیاب نہ ہوتی تھی۔ تاجروں نے کہہ دیا کہ نہ ہمارے پاس گندھک ہے نہ اس کیلئے

۱۔ خط مورخہ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء بحوالہ سین / ۹۴ - حکیم احسن اللہ کے گھر پر کچھ کاغذات برآمد ہوئے جو اس کی غداری ثابت کرتے تھے۔ باغی فوجوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کی ننھا روک کر مصیبت میں مبتلا کرنے والا بھی صرف یہی شخص ہے اور یہ بات انھوں نے دیوان خاص میں برملا کہی (مہدی حسن / ۲۶۵)

روپیہ۔ مہاجنوں سے شہزادے تقریباً چار لاکھ روپیہ وصول کر چکے تھے، اب ان میں اس سے زیادہ سکت نہ تھی۔ فوجی افسروں اور شہزادوں میں ٹکرا بڑھ گئی۔ چاندنی چوک کے تھانیدار سید نظر علی کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ٹاٹ کی بوریاں، نیچے بنلے والے اور بیل بھنسیں تک مہیا نہ ہو سکتی تھیں۔ بہادر شاہ نے کہا کہ وہ اپنا سامان بیچ کر فوج کی تنخواہ ادا کریں گے بخت خاں کو اپنے کچھ ہاتھی اور گھوڑے فروخت کرنا پڑے۔ فوج کا ماہوار خرچ پانچ لاکھ تہتر ہزار تھا۔ ان حالات میں بھی انقلابیوں کی ہمتیں پست نہ تھیں چنانچہ انگریز ۳ ستمبر کو پل اڑانے کا ارادہ کر رہے تھے مگر دو ہزار سپاہیوں نے پسپا کر دیا۔ کابلی دروازے کے سامنے مورچہ بنایا تو ادھر سے شدید گولہ باری نے پرچے اڑا دیئے۔ دوسری طرف انگریزی کیمپ میں رسد کی گاڑیاں اور سامان بحفاظت ۳ ستمبر کو پہنچ گیا جسے روکنے کے لیے انقلابیوں کی ساری تدابیر آپس کے حسد و رقابت کے ہاتھوں ناکام ہو گئیں۔ اب دشمنان وطن نے دہلی پر حملہ کرنے کے پلان بنانا شروع کر دیئے۔ بخت خاں نے بہادر شاہ سے آکر کہا:

”میں کتنے دن پہلے سے یہ کہہ رہا تھا کہ انگریزوں کی رسد گاڑیاں پانی پت پر ٹوکنے

کے لیے فوج بکھی جائے لیکن کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ آخر کار یہ رسد کی گاڑیاں انھیں

پہنچ گئیں اور اب ہم سخت مصیبت اور خطرے سے دوچار ہیں۔“ ۱۰۳

۵، ۶ ستمبر کو بہادر شاہ نے خود مورچوں پر توپوں وغیرہ کا معائنہ کیا، فوجوں کی پریڈ ہوئی، انھیں عہد کرایا گیا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر ڈٹا رہے، یہاں تک کہ ختم ہو جائے شہر میں اعلان کرایا گیا کہ ہر شخص خواہ وہ شاہی ملازمت میں ہو یا نہ ہو، ہندو ہو یا مسلمان، انگریزوں سے

۱۰ خطوط نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہیں۔ بحوالہ سین / ۱۰۳

۱۱ حسن نظامی: غدر کی صبح شام / ۲۲۲

۱۲ دہلی نیوز بحوالہ مہدی حسن / ۲۰۰

جنگ کرنے کے لیے نکلے جو شخص اپنے سرِ ض سے کوتاہی کرے گا اُسے شاہی حکومت کا دشمن تصور کیا جائے گا۔ یہ اعلان تمام شہر میں منقیب نے ڈھول بجا کر بادشاہ اور مرزا مغل کی نظر سے کیا۔ چنانچہ اگلے دن کی خبریں یہ تھیں کہ بریلی اور نصیر آباد بریگیڈ کے علاوہ تمام مقامات کی فوجیں اُس دن جنگ کے لیے نکلیں اور پوری پامردی سے جنگ کی۔ ہندو مسلمانوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ وہ جنگ سے منہ نہیں موڑیں گے اور دہلی کے درود یوار نے وہ خونی منظر دیکھا جو آج تک کہیں نظر نہ آیا تھا۔ دشمن نے اب پلان کے مطابق حملہ شروع کر دیا تھا اور رات توپوں اور بندوقوں کی آوازیں زمین و آسمان ہلائے ڈالتی تھیں۔ انقلابی عوام اور سپاہی اپنا عہد پورا کر رہے تھے اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگے جاتے تھے۔

”دلی کے نہ تھے کوڑے، اور اقی مصور تھے“

پنجاب اور دیگر مقامات کے رجوارے تو پہلے ہی انگریز کے حامی تھے، اب تو یہ بات صاف نظر آنے لگی تھی کہ انقلابی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں گے۔ بہادر شاہ نے ۴ ستمبر کو جے پور۔ جودھ پور۔ الور۔ بیکانیر وغیرہ کے راجوں کو دستخطی چٹھیاں بکھجیں، جن میں لکھا تھا کہ ”میری دلی خواہش ہے کہ فرنگی جس طرح بھی ہو، ہندوستان سے نکال دیئے جائیں لیکن یہ جنگ اُس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب ایک قابل شخص جو اس کا تمام بار اپنے کاندھوں پر لے کر منتشر قوتوں کو منظم کر سکے اور اس بغاوت کی رہنمائی کے لیے آگے بڑھے۔ میں ذاتی طور پر حکومت کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ اگر تم ایسی راجگان اپنی تلواریں دشمن کے خلاف بے نیام کرنے کو تیار ہو تو میں اُن کے حق میں شہنشاہی سے مستعفی ہو جاؤں گا جو اس کام کے لیے منتخب ہوں گے۔“ مگر ان رجواروں

کو ملک کی غلامی کا احساس نہ تھا۔ ستم تو یہ ہے کہ وہ غیر جانب دار بھی نہ تھے بلکہ انگریزوں کے
 روپے اور فوج کی بارش کر رہے تھے چنانچہ دھول پور کے راجہ نے پندرہ سو پیدل، کچھ سوار
 اور چھ توپیں، بیکانیر نے تین ہزار راج پوت، نالی گڈھ کے راجہ نے ایک ہزار گورکھے روانہ
 کیے۔ جموں کا راجہ بھی فوج بھیج رہا تھا۔ غرض ۱۶ ستمبر کو تمام نئی، تازہ دم اور مسلح فوجیں انگریزی
 کیمپ میں آگئیں اور انھوں نے مورچہ بندی شروع کر دی۔ ادھر انقلابی کیمپ میں کوئی
 اب افسر موجود نہ تھا جو تمام فوجوں کو یکجا کر سکے۔ افراتفری اور انار کی کا عالم تھا۔ فوجی اخراجات
 کے لیے آٹھ لاکھ روپے کی ضرورت تھی مگر آٹھ روپے بھی جمع نہ ہو سکتے تھے۔

حملہ شروع ہو گیا | رسد کی گاڑیاں وغیرہ پہنچنے کے بعد انگریز انجینیئروں نے اپنا کام شروع
 کر دیا۔ ایک کھائی کھودی گئی اور دائینی طرف ایک بیڑی تعمیر کی
 گئی جس نے کابلی اور لاہوری دروازے کی طرف انھیں حملے سے محفوظ کیا اور باغیوں کی توجہ
 ادھر کر دی۔ جون سے اگست تک سب سے زیادہ دباؤ اسی طرف (ہندراؤ ہاؤس اور
 سبزی منڈی) رہا تھا اور اگر باغی فوجیں یہاں کامیاب ہو جاتیں تو تمام انگریزی کیمپ
 کو تباہ کر سکتی تھیں۔ اب انقلابیوں نے اپنی توجہ یہ سوچ کر ادھر لگا دی کہ شہر پر حملہ اسی
 سمت سے ہوگا لیکن وہ بائیں طرف یعنی لڈلو کیسل اور قدسیہ باغ کی طرف سے ہونا تھا۔
 انگریزوں نے پہلے کشمیری دروازے، موری دروازے اور واٹر پیسجین (آبی مورچہ) کو نشانہ
 بنانے کا پلان بنایا تھا جسے انقلابیوں نے دھوکا کھا کر غیر محفوظ اور خطرناک کر دیا تھا۔ چنانچہ
 دشمن نے لڈلو کیسل کے مورچے پر بہ آسانی قبضہ کر لیا جسے انقلابیوں نے مسمار بھی نہ کیا تھا
 اور یہ انگریزوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا، انھوں نے تین نئی بیڑیاں لڈلو کیسل کے سامنے
 پرانے کسٹم ہاؤس (آبی مورچے پر) اور قدسیہ باغ میں بنالیں۔ ان مورچہ بندیوں پر انگریزی
 کیمپ کے ہندوستانی مزدور کام کر رہے تھے جن میں بہتوں نے اپنی جانیں بھی گنوا دیں مگر
 پھر بھی روتے رہے اور کام کرتے رہے آخر چار راتوں میں تین بیڑیاں مکمل کر دیں۔ افسوس کہ

انگریز تو اپنی قیمتی جانیں قومی مقصد کی خاطر، مستحسلی پر رکھے ہوئے تھے لیکن ان بے چارے ہندوستانیوں نے چند ٹکوں کی خاطر مفت میں اپنی جانیں دیں۔

۱۱ ستمبر کی صبح کو نئے تعمیر شدہ مورچوں سے گولہ باری شروع ہو گئی اور ۱۳ تک شہر نیا کی دیواروں میں شکاف پڑ گئے۔ انجینئروں نے رات میں شکافوں کا معائنہ کر کے بتایا کہ ان کے ذریعے شہر میں بہ آسانی داخلہ ممکن ہے۔ فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا جن میں ایک کو نکلسن کی رہبری میں کشمیری دروازے کے شکاف سے اندر کی طرف بڑھنا تھا دوسرے کو بریگیڈیر جونسن کے ماتحت آبی مورچے کے شکاف سے، تیسرے کو کرنل کمپبل کی سرکردگی میں کشمیری دروازے کو بارود سے اڑا کر شہر میں داخل ہونا تھا جس کی میجر ریڈر ہنمانی کر رہا تھا۔ ان کے علاوہ ایک محفوظ دستہ بریگیڈیر لونگ فیلڈ کی کمان میں رکھا گیا لیکن صبح ہوئی تو حملہ ملتوی کرنا پڑا کیونکہ اندر سے شکافوں کی راتوں رات مرمت کر لی گئی اگرچہ صرف ریت کی بوریوں سے۔ نئے مورچوں سے پھر گولہ باری کی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ ریت کی بوریاں کب تک ٹھہر سکتی تھیں۔

انقلابیوں کی جاں بازی | انقلابی صفوں میں ہمت اور جرأت کی کمی نہ پہلے تھی اور نہ اب۔ مختلف مقامات کے مجاہدین اگرچہ جذبہ شہادت سے سرشار تھے مگر فوجی تربیت سے بیگانہ۔ وہ جوش و خروش کے اُبلتے جذبات سے دیوانہ ہو کر بقول ڈاکٹر حسین، صرف اپنے سر کے چاروں طرف اندھا دھند تلواریں گھمانا جانتے تھے۔ اُن کے بدن پر ثابت کپڑے بھی نہ تھے، وہ بھوکے مرتے تھے مگر دین اور وطن کا جذبہ انھیں بار بار میدان جہاد میں لا کر کھڑا کر دیتا تھا۔

ایک رات انگریزوں نے سیاہ بروج کے مقابل لکڑی کی ٹال میں آگ لگا دی۔ بروج والے کچھ نہ سمجھ سکے، دشمن نے اس کے دھوئیں میں مورچہ بنا کر قلعہ شکن توپیں لگا دیں اور گولہ باری شروع کر دی (۸ ستمبر)۔ قدسیہ باغ اور لٹو کیسل ایک دن قبل ہی اُن کے

قبضے میں آچکے تھے اور سٹم کو کٹھی پر بھی مورچہ بن چکا تھا۔ رات دن گولے برس رہے تھے لیکن ادھر سے انقلابی پوری شدت سے جواب دے رہے تھے۔ انھوں نے ہرانگریزی توپ کے مقابل توپ لگادی تھی۔ آخر کار ۱۲ ستمبر کو سیاہ بڑج کا مورچہ ٹوٹ گیا، انگریزی فوج نے کابلی دروازے پر بھی توپیں لگادیں۔ ۱۲ ستمبر کو اعلان کیا گیا کہ آج بہادر شاہ خود حملے کی کمان کریں گے۔ یہ سن کر تقریباً دس ہزار آدمی کشمیری دروازے کے قریب جمع ہو گئے اور آدھی رات تک انتظار کے بعد منتشر ہوئے کیونکہ تمام لوگوں کو حملے کی دعوت دی گئی تھی۔ احسن اللہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ خضر سلطان نے بخت خاں کے حکم سے اعلان جاری کیا کہ آج بادشاہ حملے کے لیے نکلیں گے یہ سنکر بہت لوگ قلعے کے گرد جمع ہو گئے اور جو ہتھیار ملا وہ لے کر آئے مگر بادشاہ یا شہزادہ کوئی نہ نکلا اور لوگ ساری رات انتظار کر کے صبح واپس گئے۔ اگلے دن (۱۲ ستمبر) مولوی سرفراز علی اور مولوی عبدالغفور بادشاہ کے پاس بارانجے کے بعد آئے اور کہا کہ وہ سوا ہو کر نکلیں اور فوج کی قیادت کریں ورنہ سپاہ میں اضطراب پیدا ہوگا کہ آخر کیوں بادشاہی ملازمین پہاڑی پر حملہ کرنے نہیں جاتے جبکہ انھیں حکم دیا گیا ہے، وہ کبھی لاہوری دروازے سے آگے نہیں گئے؟ آخر کار کافی دیر بات چیت کے بعد بہادر شاہ کی سواری باہر آئی۔ کچھ فوجی افسران قلعے کے دہلی دروازے سے باہر آئے اور لال ڈگی پر ٹھہر گئے، میں بھی وہاں گیا، عوام نے بادشاہ سے کہا کہ وہ بڑھ کر میگزین کے آگے توپیں نصب کرائیں۔ اس موقع پر میں (احسن اللہ) بادشاہ کی سواری روک لی، جو بڑھنے ہی کو تھی اور کہا کہ ”مخدا کے لیے نہ جلیے، گولے یہاں تک آکر پھٹ رہے ہیں یہ لوگ آپ کو بے عزت کرنا چاہتے ہیں...“ آخر بہت کچھ بحث و مباحثے کے بعد شام کے چار بجے بادشاہ کی سواری قلعے میں واپس ہو گئی۔ تو یہ حضرت تھے، بادشاہ کی سواری روکنے والے!۔ یہاں بھی اپنی ”کارگذاری“ سے باز نہ رہے۔

اگلے دن محمد خاں آیا اور کہا کہ ”یہ جھوٹ ہے کہ انگریز شہر میں داخل ہو گئے اور دروازوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ حملے کے دن تنو آدمی داخل ہوئے تھے جن میں سے اکثر مارے گئے باقی ماندہ کو فوج جلد ختم کر دے گی لیکن بارود کی بیکد کی ہے....“ خزانے میں صرف دو ہزار روپیہ باقی تھا، بخت خاں نے کہا ”بہتر ہے کہ بریلی، رام پور اور لکھنؤ کے والیان نے جو نذرانے دیئے ہیں وہ خرچ کیے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے بعد قادر بخش آیا اور بادشاہ کو مبارک باد دی کہ باغی افواج کے ایک دستے نے جہادیوں کی مدد سے انگریزوں کو مورچے سے دھکیل دیا ہے، دو سکر سپاہیوں نے تصدیق کی ہے۔

برہمن کی پرارتھنا | حسن اللہ نے لکھا ہے کہ ایک برہمن نے خواہش ظاہر کی کہ اُسے تین دن کے لیے ایک جگہ بند کر دیا جائے اور سامان مہیا کیا جائے، وہ ہون کرے گا تاکہ بادشاہ کی فتح ہو۔ بادشاہ نے قادر بخش کو حکم دیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

انگریزی فوج کا داخلہ | نکلسن کی رہنمائی میں انگریزی فوج کا پہلا دستہ ۱۴ ستمبر کو موری دروازے کے مورچے پر قابض ہوا اور آگے بڑھ کر کابلی دروازے تک پہنچ گیا۔ اب وہ برن سچن کی طرف بڑھنا چاہتا تھا مگر آگے بڑھنا ممکن نہ ہو سکا انقلابی سپاہ ایک ایک انچ پر سخت مقابلہ کر رہی تھی، انگریزی دستے کو ان کی فائرنگ سے زبردست نقصان پہنچا۔ افسروں نے ہر چیز بہت چلا کر بہت بند بھائی مگر کچھ پیش نہ گئی۔ بار بار وہ آگے بڑھتے اور بار بار دھکیل دیے جاتے۔ میجر جیکب زخمی ہو گیا۔ فوراً ہی نکلسن یہاں پہنچا اور فوج کو اپنے پیچھے آنے کے لیے پکارتا ہوا بڑھا ہی تھا کہ ایک گولی نے اسے بھی گرا دیا۔ جانی نقصان اتنا زیادہ تھا کہ یہ دستہ کابلی دروازے کی طرف سپاہ ہو گیا۔ شہر کا ہر مکان ایک مورچہ تھا، ہر کوچہ گڑھی بن گیا تھا، انقلابی فوجیں اور عوام خون کے دریا بہا رہے تھے، چاروں طرف درود یوار سے مسلسل گولیاں برس رہی تھیں۔ نکلسن زخمی ہو کر گرا تو انقلابی سپاہیوں نے لات مار کر

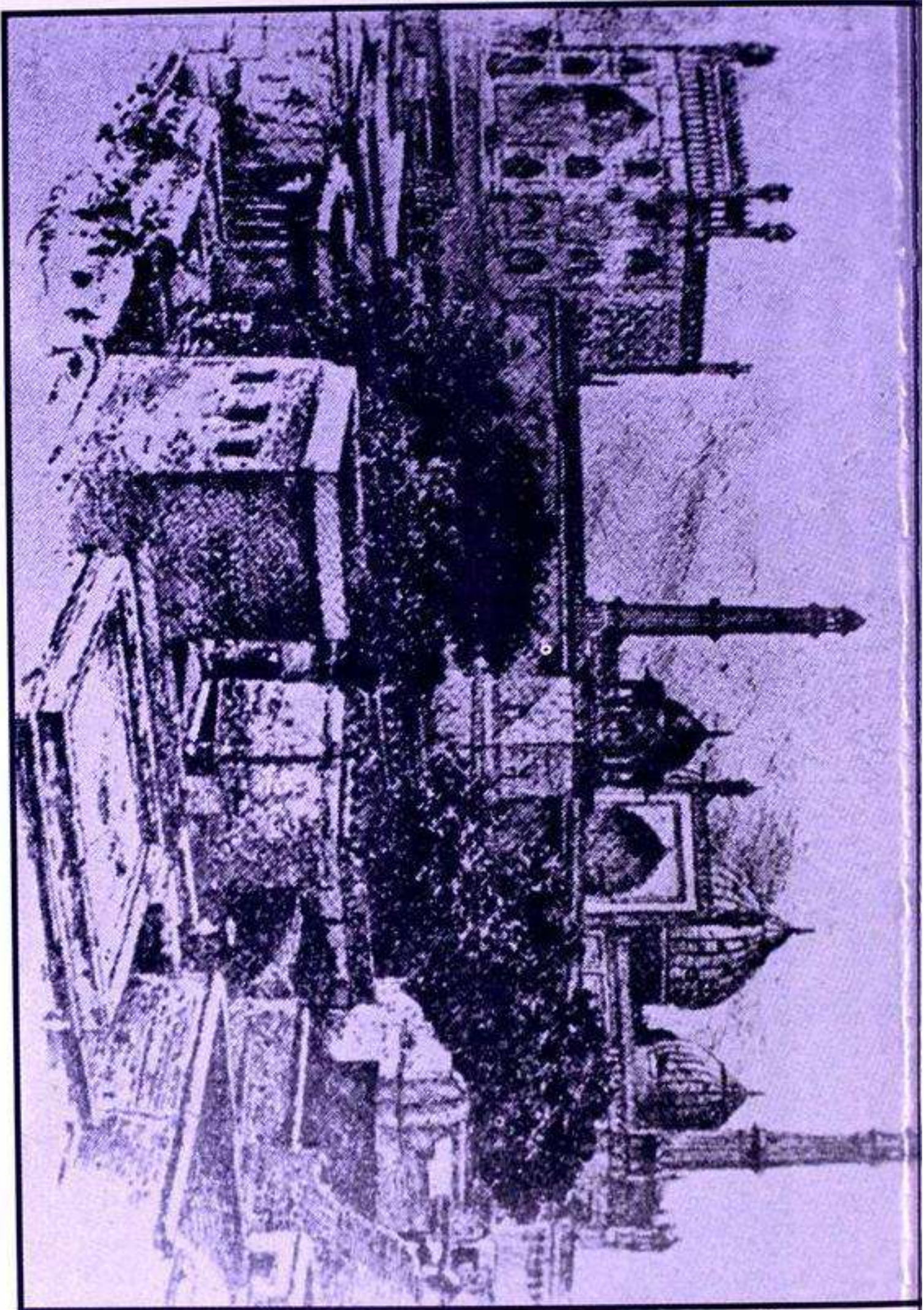
زمین پر گرہ ٹھکا دیا۔ یہ خوفناک گلی ہرائنچ پر ایک انگریز کی بھینٹ لے رہی تھی۔ دوسری طرف آبی مورچے پر بھی دست بدست جنگ ہو رہی تھی

گنجن گنج میں جو دستہ داخل ہوا اس کو دوکانوں میں شراب کے ذخیرے مل گئے۔ وہ پی پی کر مست ہو گیا اور انقلابیوں نے ان ستانوں کی اچھی طرح ٹھکانی کر دی۔ بعض بیانا یہ ہیں کہ شراب کے ذخیرے انقلابیوں نے اسی مقصد کے لیے یہاں جمع کر دیے تھے کہ انگریزی فوج کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ انگریزی دستہ یہاں سے پٹ کر بھاگا اور بارہ ہندو راؤ کی طرف چلا گیا۔ دوسرا دستہ جونس کی رہنمائی میں آبی مورچے کے شگاف سے بڑھ رہا تھا، اُسے بھی بڑھنا دشوار تھا۔ تیسرے دستے نے کمپبل کی رہبری میں البتہ کشمیری گیٹ کو بارود سے اڑا کر راہ بنالی اور شہر کے اندر جامع مسجد تک جا پہنچا۔ چوتھا دستہ ریڈ کی کمان میں سبزی منڈی پہاڑی پور اور گنجن کی طرف بڑھا۔

جامع مسجد کی تشریفانی | جامع مسجد پہنچ کر اس دستے نے کمک کا انتظار کیا مگر مسجد میں ٹھہرے ہوئے مجاہدین کو جب یہ معلوم ہوا کہ فوج آرہی ہے تو ایک شخص نے مکبر پر چڑھ کر لکارا:

”تمہارے امتحان کا وقت آگیا... تم میں کون ہے جو اپنی جان نچھاور کرنا چاہتا ہے؟۔ دشمن سامنے کھڑا ہے جس کو مرنا ہے وہ میرے ساتھ شمالی دروازے کی طرف

۱۔ نکلن کابلی دروازے کے قریب ایک تنگ گلی میں تھا جولاہوری دروازے کی طرف جاتی ہے۔ دوبارہ پسپا ہونے کے بعد نکلن نے خود حملہ کیا اور گولی لگی۔ یہ دروازے اب موجود نہیں ہیں کابلی دروازہ موری گیٹ سے ذرا آگے بڑھ کر تھا۔ نکلن ۲۳ ستمبر کو زخموں کی تاب نہ لا کر چل ب۔ قدسیہ باغ کے محاذ میں آبی مورچہ تھا یہی دراصل بدروبز کہلاتا ہے جسے بعض جگہ ’موزیا پھن‘ بھی لکھا گیا ہے۔ (واقعات دارالحکومت ۲۰۲۰-۲۰۲۱)



میں بازار یا خاتم بازار ۱۸۷۰ء میں سمار ہونے سے قبل

آئے اور جسے جان پیاری ہو وہ جنوبی دروازے سے چلا جائے کہ اُدھر دشمن نہیں ہے۔“

اللہ اکبر کے نعروں نے بام و در لرزادیئے، مجاہدین تلواریں کھینچ کر تیار ہو گئے۔ ایک بھی جنوبی دروازے کی طرف نہیں گیا۔ جیسے ہی وہ شمالی دروازے سے نکلے انگریزی فوج نے گولیوں کی بارش ماری، تقریباً دو سو شہید ہو کر گر پڑے مگر انگریزی فوج کو دوسری بار گراب مارنے کی مہلت نہ ملی اور یہ لوگ جن کے پاس صرف تلواریں تھیں، اُن کے سر پر جا پہنچے۔ دست بستہ جنگ ہوئی اور دشمن کی فوج اس مجاہدانہ جذبے کی تاب نہ لا کر بھاگنے لگی۔ شہر کے لوگ جو ہاتھ آیا، حتیٰ کہ پلنگ کی پٹیاں تک لے کر نکل پڑے۔ ان مجاہدوں نے انگریزی فوج کا پیچھا نہ چھوڑا اور کشمیری دروازے کے گرجا (سینٹ جیمس) تک بھگا دیا۔ ظہیر دہلوی اس موقع کے چشم دید حالات میں بتاتے ہیں کہ:

”میں وہاں سے چاوڑی کے بازار میں جا پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ہزاروں آدمی لٹھی پٹونگا۔ تلوار۔ گنڈاسا وغیرہ لیے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں۔ غرض کہ جامع مسجد کے نیچے ہو کر گلیوں میں پہنچا تو وہاں عجیب تماشا منظر آیا لاشوں کا ایک ایسا انبار تھا جیسے لکڑیوں کا مال لگی ہوئی ہے۔۔۔“

اس جنگ کا واقعہ تلے کے بعد وہ کہتے ہیں:

”ایک غل شور برپا ہوا اور بلوہ ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے لکڑیاں۔ پلنگ کی پٹیاں اور تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔ اُس بزن میں سے کچھ آدمی مارے گئے جن کی یہ لاشیں موجود ہیں اور بانی بھاگ کر اپنے لشکر چلے گئے۔۔۔ میں نے جامع مسجد سے لگا کر کوٹوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں۔۔۔ اور ایک ٹین کی تھیلی گراب کی کوٹوالی کے حوض کے آگے پڑی دیکھی وہاں سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے دریے کے کچاٹک پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ پیل کے

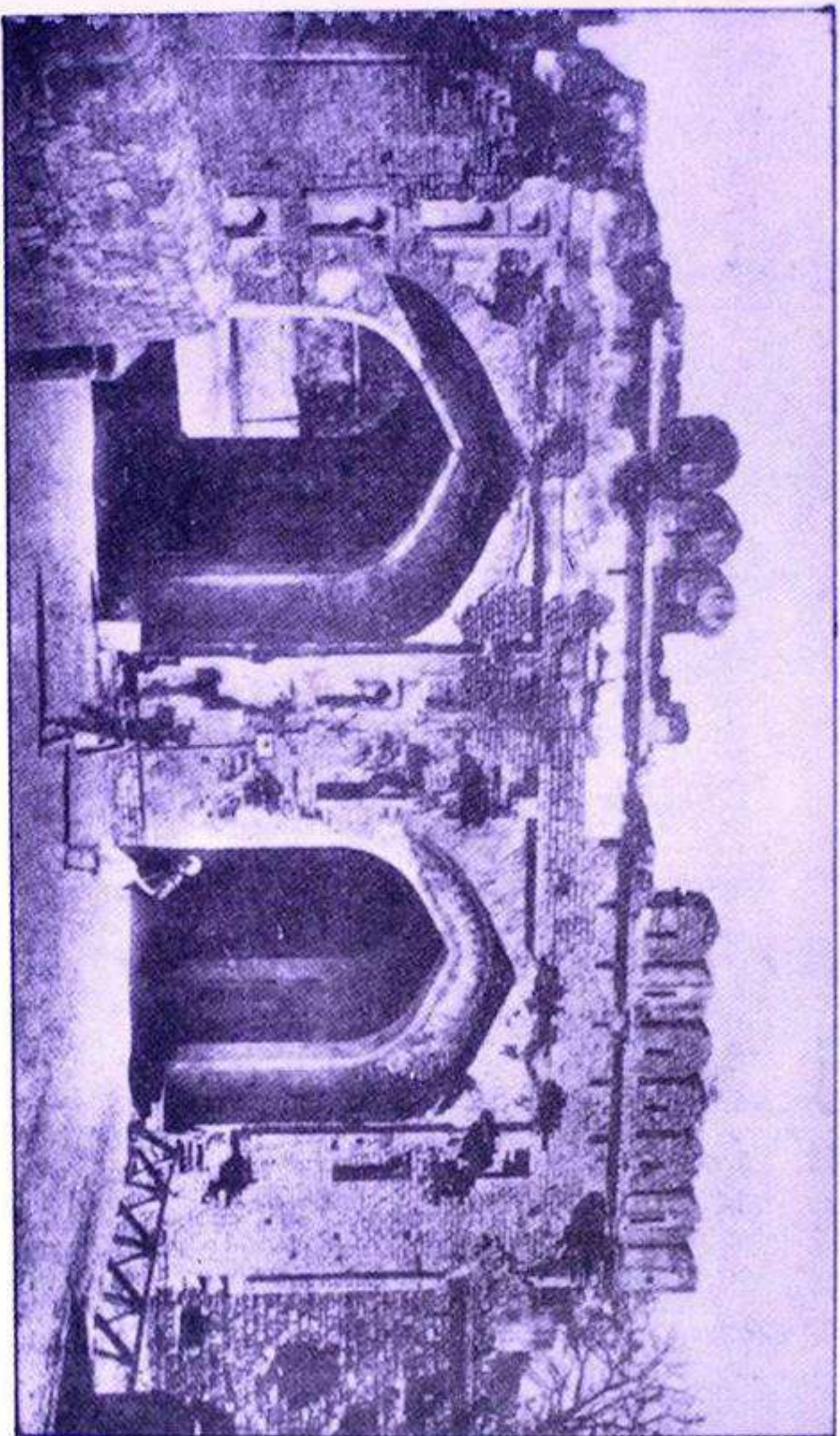
آئے اور جسے جان پیاری ہو وہ جنوبی دروازے سے چلا جائے کہ اُدھر دشمن نہیں ہے۔“

اللہ اکبر کے نعروں نے بام و در لہر اڑائیے، مجاہدین تلواریں کھینچ کر تیار ہو گئے۔ ایک بھی جنوبی دروازے کی طرف نہیں گیا۔ جیسے ہی وہ شمالی دروازے سے نکلے انگریزی فوج نے گولیوں کی بارش ماری، تقریباً دو سو شہید ہو کر گر پڑے مگر انگریزی فوج کو دوسری بار گرا ب مارنے کی مہلت نہ ملی اور یہ لوگ جن کے پاس صرف تلواریں تھیں، اُن کے سر پر جا پہنچے۔ دست بدست جنگ ہوئی اور دشمن کی فوج اس مجاہدانہ جذبے کی تاب نہ لا کر بھاگنے لگی۔ شہر کے لوگ جو ہاتھ آیا، حتیٰ کہ پلنگ کی پٹیاں تک لے کر نکل پڑے۔ ان مجاہدوں نے انگریزی فوج کا پیچھا نہ چھوڑا اور کشمیری دروازے کے گرجا (سینٹ جیمس) تک بھاگ دیا۔ ظہیر دہلوی اس موقع کے چشم دید حالات میں بتاتے ہیں کہ:

”میں وہاں سے چاوڑی کے بازار میں جا پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ہزاروں آدمی لڑھی پٹونگا۔ تلوار۔ گنڈاسا وغیرہ لیے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں۔ غرض کہ جامع مسجد کے نیچے ہو کر گلیوں میں پہنچا تو وہاں عجیب تماشا منظر آیا لاشوں کا ایک ایسا انبار تھا جیسے لکڑیوں کا مال لگی ہوئی ہے۔۔۔“

اس جنگ کا واقعہ تلے کے بعد وہ کہتے ہیں:

”ایک غل شور برپا ہوا اور بلوہ ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے لکڑیاں۔ پلنگ کی پٹیاں اور تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔ اُس بزن میں سے کچھ آدمی مار گئے جن کی یہ لاشیں موجود ہیں اور بانی بھاگ کر اپنے لشکر چلے گئے۔۔۔ میں نے جامع مسجد سے لگا کر کوٹوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں۔۔۔ اور ایک ٹین کی تھیلی گرا ب کی کوٹوالی کے حوض کے آگے پڑی دیکھی وہاں سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے دریے کے کپھانک پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ پیل کے



کشمیری دروازہ دہلی

بندوق کا ندھے پر رکھے ہوئے، ہمت اور استقلال سے اپنی جگہ ڈٹا ہوا گویا
موت کے لیے تیار۔ قلعے میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑا گیا اور کسی نے رحم و کرم کی
درخواست بھی نہیں کی۔^۱

دہلی کے عوام نے ایک بار پھر
اپنے گلی کوچوں کو خون سے

”دلی کے نہ تھے کوچے، اوراقِ مصوّر تھے“

لالہ زار بنایا۔ جامع مسجد سے چاندنی چوک اور کوتوالی کے علاوہ جس کا نظارہ ابھی بیان ہوا،
بیگم باغ (کمپنی باغ)، موجودہ ریلوے اسٹیشن کے سامنے اور چاندنی چوک کے درمیان کی گلی میں
اور کلکتہ دروازے پر خوں ریز معرکے ہو رہے تھے۔ ۴ اکتوبر سے لے کر ۲۰ ستمبر تک، چھ دن تک
شہر کے گلی کوچوں میں خون کے فوارے چلتے رہے جن کے پورے حالات بیان کرنے کے لیے
ایک علیحدہ کتاب اور پتھر کا جگر درکار ہے۔ فارسٹ نے لکھا ہے کہ حملے کے پہلے دن صرف
شہر کی چار دیواری کا ایک حصہ ہمارے قبضے میں آیا... اور یہ تھوڑا سا بھی بہت بھاری
قیمت دے کر یعنی گیارہ سو آدمی اور ٹینسٹھ افسرہ میں سے دو کی نسبت سے ہلاک و زخمی
ہو گئے۔ کشمیری دروازے کو بارود سے اڑا دینے والا لفٹیننٹ سیلگڈ (Salkeld)
اپنے اس کارنامے کے بعد فوراً ہی انقلابیوں کے ہاتھوں زخمی ہوا مگر وہ اپنا کام کر چکا تھا۔
یہاں سے انگریزی فوج نے داخل ہو کر قریبی عمارتوں پر قبضہ کیا اور موری دروازے کی طرف

1. SEN: p. 108

KAYE: History of the Sepoy War vol. . III p. 633

2. FORREST (G.W): History of the Indian Mutiny

vol. I pp. 146, 147

دیوار کی اوٹ میں بڑھے جہاں انھیں خوفناک مقابلے سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے قبضے میں قلعہ
آبی مورچے (نزد کشمیری گیٹ) سے لے کر کابلی دروازے تک کی دیوار تھی۔ کیونکہ لاہوری
گیٹ سے داخل ہونے والے دستے کے انقلابیوں نے کشن گنج میں پرچے اڑا دیئے تھے۔
انگریزی فوجوں نے اب جن عمارتوں پر قبضہ کیا وہاں توپیں نصب کر کے قلعے اور جامع مسجد
وغیرہ پر مسلسل گولہ باری شروع کر دی۔ ۶ اکتوبر کو میگزین اور کشن گنج تک بڑھ گئے اور اگلے
دو دن میں قدم قدم پر سخت خوں ریز جنگ کے درمیان کابلی دروازہ - برن پھین وغیرہ پر
قابض ہو سکے۔ کشمیری دروازہ سے داخلے کا حال میلسین نے یہ لکھا ہے کہ ۳ اکتوبر کو جب
آبی مورچہ میں، جو کشمیری دروازے سے متصل تھا، شگاف پڑ گئے تو انگریز رات کو چپکے
چپکے شہر پناہ کی دیوار کے نیچے کھائی میں اتر کر شگاف تک پہنچے اور یہ رپورٹ دی کہ شگاف
قابل عمل ہیں ہر چند کہ مورچوں کی دیواروں سے اُن پر فائرنگ ہوئی لیکن وہ بچکر نکل آئے۔
اگلے دن صبح کو انجینیئروں کے ہمراہ انگریزی فوج کشمیری دروازے پر بڑھی۔ وہ لکھتا ہے کہ
چونکہ باغیوں کو ادھر سے حملے کا اندازہ نہ تھا اس لیے ان کے حواس جاتے رہے پھر بھی انھوں
نے مسل فائرنگ کی لیکن انجینیئر ہوم اور سیلڈ (Salkeld) مع ہمراہیوں
کے بارود کے تھیلے لیکر کھائی کے پار اتر گئے جس پر ایک جنگلے دار پل بنا ہوا تھا۔ انھوں نے اُسے
کھلا پایا، باغیوں نے حیرت زدہ ہو کر کچھ دیر کے لیے فائرنگ روک دی۔ یہ اچھا موقع پا کر
انجینیئروں نے بارود کے تھیلے دروازے میں رکھ دیئے لیکن اتنے ہی میں باغیوں کو پھر ہوش
آیا اور فائرنگ شروع کر دی۔ ہوم تو کھائی میں کود پڑا لیکن سیلڈ کو اتنا موقع نہ ملا اور زخمی
ہو کر گرا۔ اُس نے بارود کا قبیلہ برگیس (Burgess) کے ہاتھوں میں دیدیا
تاکہ وہ آگ لگا دے لیکن برگیس بھی گولی سے مارا گیانرب کار میچل (Carmichael)
یہ کام انجام دیتے ہوئے زخمی ہو گیا۔ اسمتھ (Smith) یہ دیکھ کر جھپٹا لیکن قبیلے
میں آگ لگ چکی تھی لہذا وہ کھائی میں کود پڑا۔ ہوم نے فوراً آگے بڑھنے کے لیے بگل بجنے کا

اشارہ کیا۔ تین بار بگل بجایا گیا لیکن شور و غل میں سنائی نہ دیا تو کمانڈر کمپیل نے دھماکا دیکھ کر خود ہی آگے بڑھنے کا حکم دیدیا۔ یہی دستہ بڑھ کر جامع مسجد کے سامنے پہنچا اور وہاں سے سپاہ ہو کر بیگم باغ کی طرف آگیا۔ میجر ریڈ کے دستے پر سبزی منڈی میں اس قدر زبردست حملہ ہوا کہ وہ سپاہ ہونے کو تھا مگر ہو پ گرانٹ مرد کو آگیا اور ریڈ زخمی ہو کر کھائی میں گرا۔ اُدھر عید گاہ پر بڑھتا ہوا دستہ سپاہ ہوا۔ میلیسن نے اتنا ہی لکھا ہے کہ یہ دستہ ناکام ہوا، عید گاہ پر حملے میں نہ صرف سپاہی ہوئی بلکہ چار توپیں بھی ہاتھ سے گئیں۔ اس ناکامی نے باقی دستوں کا کام بھی مشکل بنا دیا۔ نکلسن کو بڑھنا ناممکن ہو گیا، وہ اور جبیکب زخمی ہو کر گرے، ان کے علاوہ آٹھ فوجی افسر بھی کام آچکے تھے۔ لہذا وہ کابلی گیٹ سے سپاہ ہوئے۔ جہاں جونسن نے دونوں دستوں کی کمان سنبھال لی۔ برن مورچے سے انقلابی توپیں اس قدر آگ برسا رہی تھیں کہ ۵۰۰ گز دور بڑھتی ہوئی سوار فوج میں زبردست کھلبلی اور انتشار پیدا ہو گیا اور مجبوراً لوٹنے کی طرف سپاہ ہوئی۔

انقلابی فوجوں میں اختلاف

دہلی پرائیمریزوں کے عام حملے کے درمیان انقلابی فوجوں میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ

دہلی کو چھوڑ دیا جائے یا نہیں۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ یہاں سے ہٹ کر کسی مناسب مقام پر جنگ کی جائے جب کہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ :

”چاہے ہم میں سے ایک ایک ختم ہو جائے مگر ہم دہلی نہیں دیں گے“

دوسری طرف انگریزی کمپ میں بھی محاصرہ اٹھالینے کی تجویزیں تھیں کیونکہ ان کا نقصان

۱۔ چھ انگریزوں میں سے، جو اس کام میں مصروف تھے دو یعنی برگیس اور کاسپیل مارے گئے تیسرا سیلڈ چند دن بعد مرا۔ ہوم اسی ماہ ستمبر میں مالاگڈھ کے حملے میں کام آیا۔

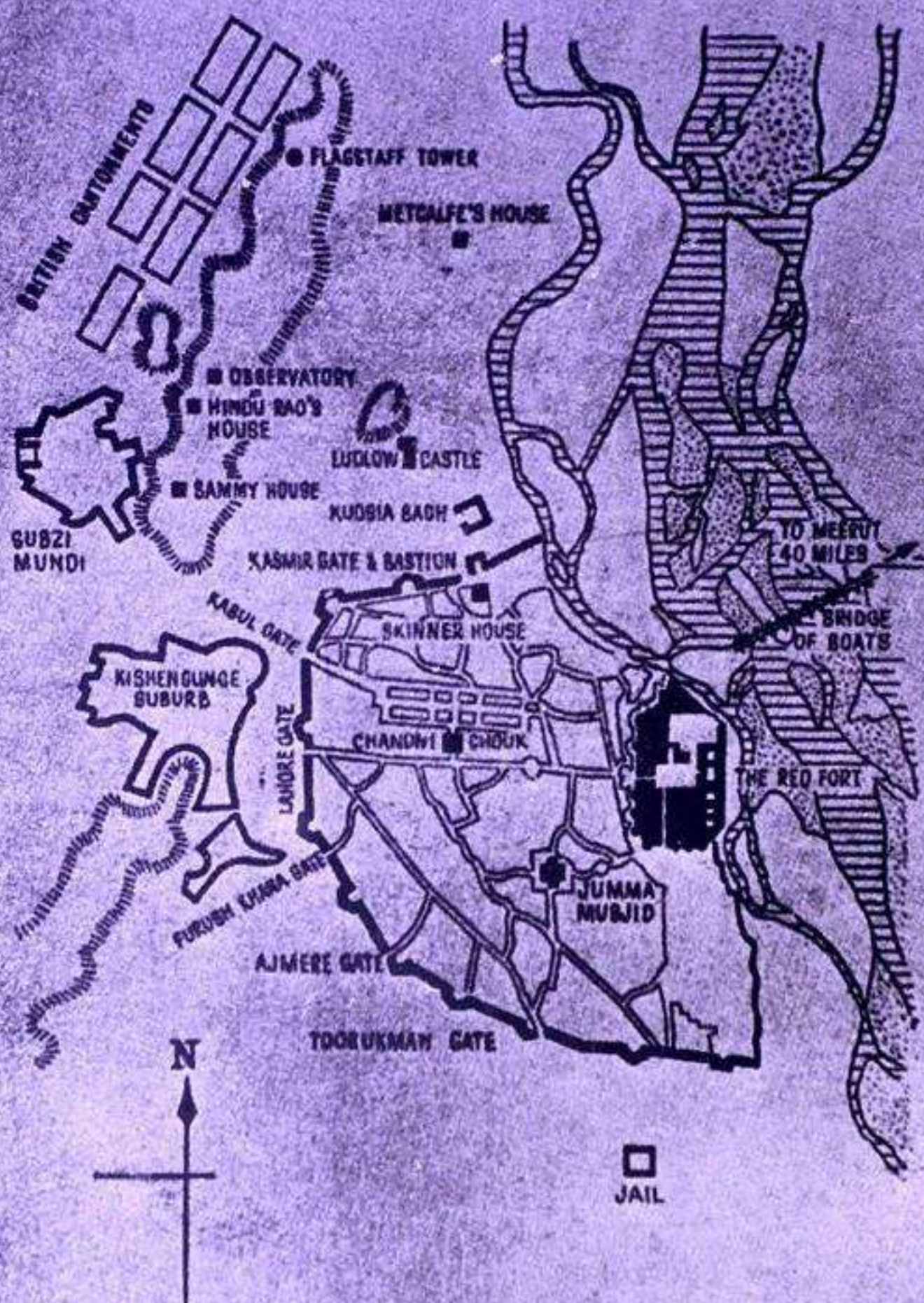
ناقابل برداشت نظر آ رہا تھا۔ انگریزوں نے متفقہ طور پر جے رہنے کا فیصلہ کیا اور انقلابی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے۔ ان میں بہت دہلی سے چلے گئے اور باقی نے وہیں ختم ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انگریزوں نے پہلے دن ہی مقابلے میں جنگ مشکل دیکھ کر رات کو اچانک حملہ کیا اور بیکانیر سوتے ہوؤں کو گھروں میں گھس کر ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ یہ مردانہ وار مقابلہ نہ تھا، بزدلانہ کام تھا چنانچہ ہر شخص بدحواس ہو گیا۔ پھر بھی انقلابیوں نے ایک ایک ایچ پرڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک دو دن نہیں — ۱۲ ستمبر سے ۲۴ ستمبر تک مسلسل — اس جگرداری اور پامردی کا جواب دنیا کی تاریخ کے صفحات دینے سے قاصر رہیں گے کہ محلات یا مسجدوں میں جب انگریز فوجی داخل ہوئے تو سنتری پہرے دار خاموش اپنی جگہ بند وقیفیں سمبھالے کھڑے رہے اور ان کے قریب آنے پر اپنی بندوق سے آخری فائر کیا جس کے بعد وہ جانتے تھے کہ ان کے لیے موت ہے مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلے اور مسکرا کر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ہر کوچہ و بازار میدان جنگ کا سمان بیش کرنے لگا۔ دہلی کے درو دیوار انقلابیوں کے خون سے لالہ زار ہو گئے۔ آخر کار تمام انقلابی فوجیں دروازوں سے باہر ہو گئیں، ۱۲ ستمبر تک شہر پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔ شہر کے ہزار ہا عوام اجیری اور دہلی دروازے سے باہر نکلے اور جہاں پناہ پاسکتے تھے چلے گئے۔

جنرل بخت خاں بہادر شاہ کے سامنے | ۱۹ ستمبر کی رات کو جنرل بخت خاں بہادر شاہ کے پاس آئے

اور کہا:

”اگرچہ انگریزوں نے دہلی کو لے لیا ہے لیکن اس سے ہمارا کچھ زیادہ نقصان

۱۰



Map of Delhi in 1857

۱۸۵۷ء میں دہلی کا نقشہ

نہیں ہوا۔ تمام ملک ہمارے ساتھ ہے۔ ہر شخص کی نظر آپ کی ذات پر لگی ہوئی ہے۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں میں پہاڑوں میں بیٹھ کر ایسی مورچہ بندی کروں گا کہ انگریزوں کا فرشتہ بھی نہ آسکے گا۔ دہلی پایہ تخت ہے، فوجی قلعہ نہیں ہے لڑائیوں کے لیے ایسے مقامات مناسب نہیں ہوتے۔ چند مہینے جو ہم نے مقابلہ کیا یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں۔ ہمارا شہر نشیب میں تھا اور انگریز پہاڑی پر۔ کوئی نا تجربہ کار فوج بھی پہاڑی پر ہوتی تو فتح دشوار نہ تھی۔ پھر سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ حضور کے صاحبزادے مرزا مغل کمانڈر آف بنادیئے گئے وہ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر وہ میرے کاموں میں رخنہ نہ ڈالتے اور میرے منصوبوں میں حارج نہ ہوتے تو یقیناً اسی خود سرفوج سے دشمن کو شکست دیتا۔۔۔ ہم کو آپس کے بگاڑ اور ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرنے کے سبب وہ قوتیں جو دشمن کے مقابلہ میں صرف ہوتیں خانگی جھگڑوں میں بیکار ضائع کرنا پڑیں۔ مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔۔۔ تمام ہندوستانی ریاستیں چپ چاپ بیٹھی ہیں جس وقت ہمارا پلہ ذرا بھی ہوگا وہ ہماری مدد کے لیے اٹھ کھڑی ہوں گی۔۔۔۔۔ آپ یقین کیجئے کہ اگر آپ محفوظ مقامات سے انگریزوں کا مقابلہ کریں گے تو تمام ملک ساتھ دے گا۔ آدمی، رسد، ہتھیار اور روپیہ ہم کو اس افراط سے مل سکتے ہیں کہ انگریز اپنے ملک کے بچے کو ہم پر چڑھا لائیں تب بھی ہم صدیوں تک ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ جہاں پناہ کے سامنے یہ عرض کرنا سونچ کو چراغ دکھانا ہے کہ حضور کے باپ دادا نے اس سے بڑھ بڑھ کر شکستوں اور ناکامیوں کا مقابلہ کیا ہے“ لے

بہادر شاہ اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ اور اگلے دن بخت خاں سے ہمایوں کے مقبرے میں ملنے کو کہا۔ مگر الہی بخش کے سپرانگریزوں کی طرف سے یہ کام تھا کہ وہ بہادر شاہ کو انقلابی فوج کے ساتھ نہ جانے دے۔ وہ منشی رجب علی کے ذریعے تمام خبریں پہنچا رہا تھا۔ چنانچہ بخت خاں کے جاتے ہی بہادر شاہ کے پاس آیا، نہایت چکنی چپڑی باتیں کیں، بڑھاپے کا احساس دلایا، برسات کے دل آزار موسم کی دہائی دی، چھوٹے چھوٹے شہزادوں اور بیگمات کی تکلیفوں کا نقشہ کھینچا، انگریزوں سے معاملات کی صفائی کرانے کی ذمہ داری لی، شاہی خاندان کو محفوظ رکھنے کا یقین دلایا اور کہا:

”مجھ کو ذرا بھی یقین نہیں کہ باغی کسی جگہ جم کر مقابلہ کر سکیں گے۔ بخت خاں نے جو کچھ کہا اس کو تو میں مانتا ہوں بے شک ہندوستان کی ریاستیں اور عوام دل سے آپ کے ساتھ ہیں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ باغی فوج آپ کے یا بخت خاں کے قابو میں رہ سکے گی۔“

بہادر شاہ یہ باتیں سن کر خاموش ہو گئے، کوئی فیصلہ شاید نہ کر سکے تو ایک خواجہ سرانے کہا:

”حضور! صاحب عالم (الہی بخش) تو انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ آپ بخت خاں کی گزارش پر توجہ فرمائیے۔ مرنا اور تکلیف اٹھانا تو زندگی کے ساتھ ہے۔“

بہادر شاہ اپنے متعلقین کے ہمراہ ہمایوں کے مقبرے میں چلے گئے۔ پہلے درگاہِ نظام الدین گئے۔ وہ اس دن تین وقت کے فاقے سے تھے۔ اُف یہ زار و نزار بوڑھا درگاہِ سحر نظام الدین میں مزار کے تکیے سے لگا بیٹھا ہے، سفید ڈاڑھی پر گرد و غبار ہے، چہرہ اُترا ہوا ہے۔ درگاہ کے متولی سے مانگ کر بیسنی روٹی اور سرکہ کی چٹنی کھا رہا ہے!

الہی بخش نے ہر ہر بات کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ حکم ملا کہ ۲۴ گھنٹے بادشاہ کو روکے رکھے۔ بخت خاں پھر بہادر شاہ سے آکر ملے۔ بہت دیر تک بحث و تکرار رہی۔ بہادر شاہ

جانا چاہتا تھا مگر الہی بخش روک رہا تھا۔ اس نے کوئی حربہ کارگر نہ دیکھا تو بخت خاں سے تلخ انداز میں کہا:

”لارڈ گورنر صاحب! کل آپ نے فرمایا تھا کہ میں حضور کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھوں گا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جہاں پناہ کی آڑ میں آپ خود حکومت کرنا چاہتے ہیں... آپ مغلوں سے صدیوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں... میں جانتا ہوں آپ پٹھان ہیں اور پٹھان سیکڑوں برس تک کینے کو نہیں بھولتے۔“

یہ بے ہودہ گفتگو سن کر بخت خاں نے اپنی تلوار پر ہاتھ ڈالا اور قریب تھا کہ انگریزوں کا یہ کاسہ لیس اپنا سر کھو بیٹے کہ بادشاہ نے روک کر کہا:

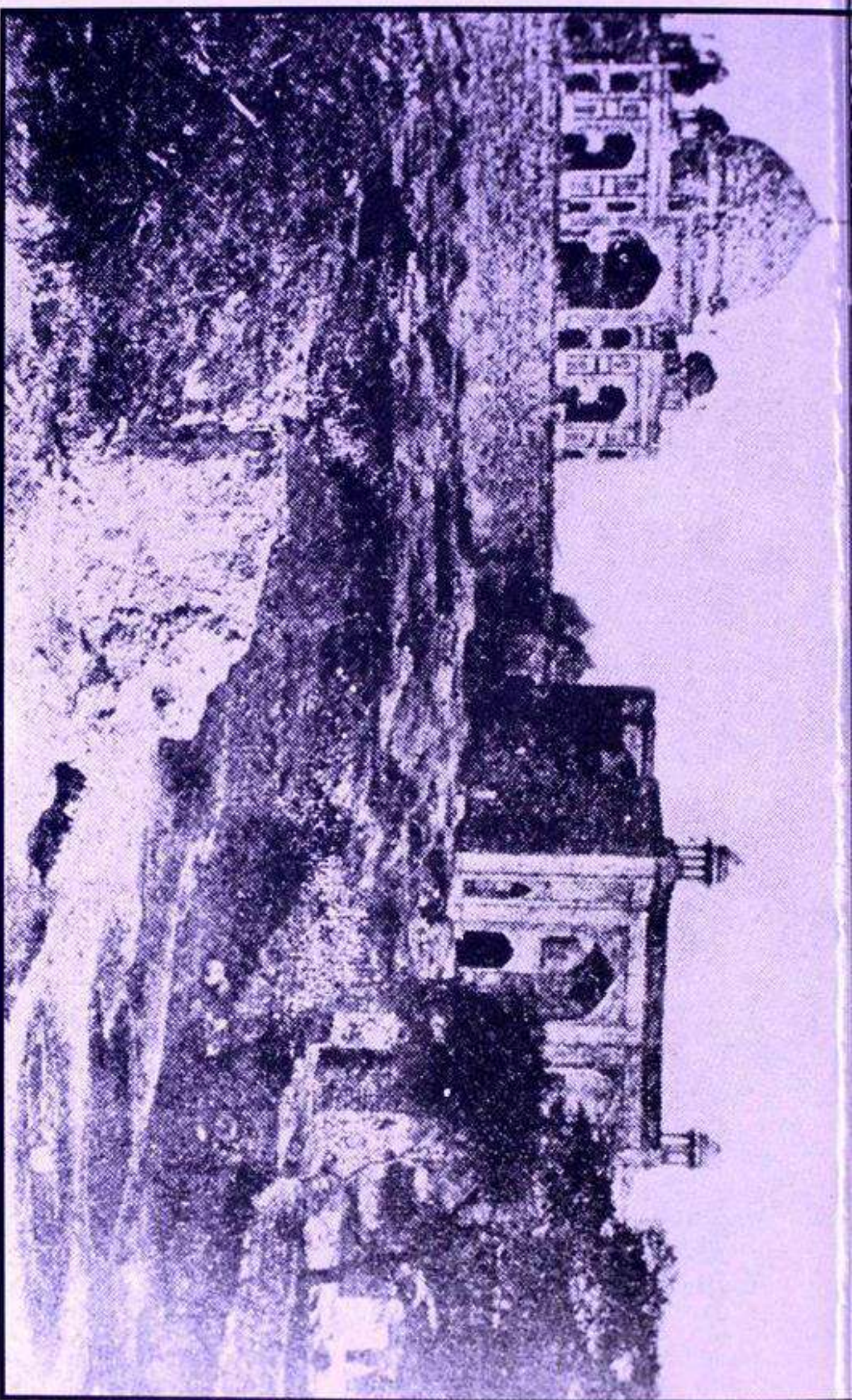
”بہادر۔ مجھے تیری ہر بات کا یقین ہے اور میں تیری ہر رائے کو دل سے پسند کرتا ہوں مگر جسم کی قوت نے جواب دے دیا ہے اس لئے اپنا معاملہ مقتدر کے حوالے کرنا ہوں، مجھ کو میسر حال پر چھوڑ دو، بسم اللہ کرو، یہاں سے جاؤ اور کچھ کر کے دکھاؤ۔ میں نہیں، میرے خاندان میں سے نہیں، نہ سہی، تم یا کوئی اور ہندوستان کی لاج رکھے، ہمارا فکر نہ کرو، اپنے فرض کو انجام دو۔“

میلین کا اندازہ غلط نہیں ہے کہ بابر کی نسل کا یہ آخری تخت نشین اگر جوان ہوتا تو وہی کرتاجو بخت خاں چاہتا تھا مگر وہ بوڑھا اور کمزور تھا اس لئے مجبور رہا۔ احسن اللہ نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ کے قلعے سے چلے جانے کے بعد وہ خود بھی ہفتے کے دن شام کو وہاں سے روانہ ہوا تو عوام نے اسے بُرا بھلا کہا، گالیوں سے نوازا۔

بخت خاں مایوس ہو کر چلے گئے تو الہی بخش نے ہڈسن کو اطلاع دیدی اور وہ گرفتار کرنے کے لئے آپہنچا۔

بہادر شاہ کی گرفتاری

بہادر شاہ نے الہی بخش کو گھور کر دیکھا۔ ”تم نے مجھ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روکا، اگر انگریزوں کو مجھ سے کچھ سروکار نہیں تھا، جیسا کہ تم نے کہا، تو وہ گرفتار



۱۸۵۷ء میں ہمایوں کے مقبرہ کا منظر جہاں سے بہادر شاہ ظفر اور ان کے
 شہزادوں کو حراست میں لیا گیا۔

بہادر شاہ کو فوراً گولی مار دی جائے۔ لے

مغل شہزادے

بہادر شاہ کی گرفتاری کے بعد الہی بخش اور رجب علی کا ایک کارنامہ ختم ہوا تو اب یہ دونوں ہڈسن کے ہمراہ شہزادوں کی گرفتاری کے لئے آئے۔ شہزادوں نے بھی جان کی امان چاہی مگر ہڈسن نے کہا کہ ”انھیں غیر مشروط طور پر آجانا چاہیئے“۔ شہزادے اس پر کچھ برہم ہوئے، اُن کے رفیقوں نے بھی یہی صلاح دی کہ ”تموری نسل کے لوگ اس طرح مجبور ہو کر قید نہیں ہوا کرتے، تلوار اٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں، پھر یا قسمت یا نصیب کا معاملہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ہم کو بھی دلیرانہ کام کرنا کرنا چاہیئے۔ ہڈسن اور اس کے ہمراہ تلوسواروں کو ہم تھوڑی دیر میں شکست دے سکتے ہیں۔ مرزا ہی ہے تو بہادری کی موت کیوں نہ مرے“۔۔۔۔۔ مگر الہی بخش پھر سمجھانے بیٹھ گیا اور شہزادوں کو مقابلے سے باز رکھا۔ ہڈسن اُن سب کو لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں خونی دروازے اور پُرانے جیل خانے کے پاس (دہلی دروازے کے سامنے) رکھوں میں سے اتارا، ان کے کپڑے اُتروائے اور اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ یہ شہزادے مرزا مغل۔ مرزا ابوبکر مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ وغیرہ تھے۔ صرف یہی نہیں دنیا کے تمام سفاکوں اور ظالموں کو شرم سے گردن ٹھکالینا چاہیئے کہ اس گرگِ دہن آلود نے شہزادوں کا خون پیالے۔ اُن کے سرخوان میں رکھ کر بہادر شاہ کے سامنے بکھجے گئے کہ ”یہ ہے آپ کی وہ نذر جو بند ہو گئی تھی“۔

۵۲ حسن نظامی: دہلی کی جانکئی/۵۲۔ ظہیر دہلوی نے ان شہزادوں کی تعداد تیس بیان کی جن میں بہادر شاہ کے بیٹے، پوتے، نواسے اور داماد وغیرہ تھے۔ (ص ۱۲۴)

یہ لوگ ۲۱ ستمبر کو قتل کیے گئے۔

بہادر شاہ نے انھیں دیکھ کر کرب و اضطراب میں مٹھ پھیر لیا اور کہا۔

”الحمد للہ — ! تیمور کی اولاد اسی طرح سُرخ رُو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی ہے۔“
شہزادوں کی لاشیں کو توالی پر اور ان کے سرخونی دروازے پر لٹکا دیئے گئے، بعد میں
دریا میں پھینک دیئے گئے۔

بہادر شاہ کو زینت محل کے مکان (لال کنواں) میں قید کیا گیا۔
بہادر شاہ قید میں | اس دوران میں اس کے ساتھ جو برتاؤ ہوا، ایک نظر اس پر بھی
ڈال کر آگے بڑھیں۔

ہڈسن جب بہادر شاہ کو گرفتار کر کے شہر کے لاہوری دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک
آفیسر نے یہ معلوم کر کے کہ پالکی میں شاہ دہلی گرفتار ہو کر آیا ہے ہڈسن کو مبارک باد اور سیلوٹ
دینا چاہا لیکن ہڈسن نے ایسا نہیں کرنے دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہادر شاہ یہ احترام اپنے لیے
سمجھ لے۔ اس کے بعد وہ لوگ ویران چاندنی چوک سے گزرے۔ اول تو انگریزوں کو اس پر
اعتراض تھا کہ بہادر شاہ کے گولی کیوں نہیں ماری گئی پھر یہ خبریں اُن میں بے چینی پھیلانے
لگیں کہ قید میں اس کے ساتھ ’اچھا برتاؤ‘ ہو رہا ہے اور اسے قلعے میں کیوں رکھا گیا ہے مگر
ایسا نہیں تھا۔ انگریز مصنف جی ڈاگ خود تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”میں مسٹر سائڈرس اور ان کی بیوی کے ہمراہ اس بد قسمت اور مجرم با معاش کو
دیکھنے گیا۔ ہم سیڑھیوں پر چڑھے اور ایک چھوٹا سا دروازہ ایک کمرے میں کھٹا
جس کو درمیان میں ایک چٹائی کھڑی کر کے تقسیم کر دیا گیا تھا جس کے پیچھے ایک
عورت کوئی بدبو دار چیز پکائی تھی۔ ایک حصے میں پلنگ تھا جس پر ایک سفید
داڑھی کا آدمی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ کمرے میں کوئی دوسرا فرنیچر نہیں تھا اور مجھے یہ

کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میرے دل میں نفرت کے جذبات کے ساتھ ہی کچھ رسم کا جذبہ بھی ابھر آیا..... وہ ایک ایسے اندھیرے کمرے میں قید پڑا تھا جسکو شاید اس کا ادنیٰ ملازم بھی پسند نہ کرتا۔ جب جوان سخت نے میرا اور مسٹر سانڈرس کا نام اس کے سامنے لیا تو اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا، وہ کچھ بڑبڑایا، جو سمجھ میں نہ آ سکا..... معلوم ہوا کہ سیکم بھی ہم سے ملنا چاہتی ہے چنانچہ ایک نسبتاً اندھیرے چھوٹے اور گندے کمرے میں گئے جہاں آٹھ دس عورتیں، پلنگ کے گرد بیٹھی تھیں اور پلنگ پر ایک کالی، موٹی اور سیانی عورت تھی جس کی طرف میری توجہ دلائی گئی..... اس عورت (زینت محل) نے مجھے یہ اعزاز دینا چاہا کہ میں اس کی چار پائی پر بیٹھ جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ بہت گندی تھی مسٹر سانڈرس میرے انکار پر ہنسے اور بولے کہ چھ مہینے پہلے ایسا کرنا تمہاری جان سے بھی زیادہ قیمتی عزت بخش تھا، بے شک ایسا ہی تھا“ لے

ابھی یہ داستان ختم نہیں ہوئی، ایک انگریز جیمس لینر کی زبان سے اور سن لیجئے کہ : ”بہادر شاہ (قیام میں) ہمیشہ ایک عام سی چار پائی پر پالتی مارے بیٹھا رہتا اور آگے پیچھے ہلتا رہتا تھا گویا وہ قرآن کی آیتیں آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہے۔ سیکم اسے یورپینوں سے بولنے سے روکتی تھی اور اگر کوئی سوال کرتا تو وہ خود جواب دیتی تھی۔ بوڑھے بادشاہ کو ڈو آنے روز خوراک وغیرہ کے لیے دیے جاتے تھے کمشنر سانڈرس نے دیکھا کہ آفیسر اور سپاہی اس کے ساتھ نہایت ہی تحقیر آمیز برتاؤ کرتے اور فخر یہ کہتے کہ ہم نے بادشاہ کو کھڑے ہونے پر مجبور کیا کہ ہمیں سلام کرے بعض نے اس کی داڑھی پکڑ کر پیچھی تاکہ دیکھیں وہ کیا کرتا ہے مگر

اس نے کچھ نہ کیا۔ بیگم اور شہزادیاں اس کے ساتھ پردے میں تھیں مگر انگریز

سپاہی نے جھک جب چاہتے وہاں گھس جاتے۔“ لے

ریو ولیم ٹیلر اپنی کتاب ’لینڈ آف ویدا‘ (Land of Vedas)

میں لکھتا ہے:

”تاہم اس حالت میں ناممکن تھا کہ اُسے دیکھنے پر دل میں رحم کے جذبات پیدا

نہ ہو جائیں“ (۴۲۳)

آہ۔! بہادر شاہ نے اپنے لیے جس برتاؤ اور بے عزتی کو سخت خاں کے ساتھ نہ جا کر خود ہی منتخب کر لیا، اُس سے تو بہتر تھا کہ اُسے گولی سے اڑا دیا جاتا اور آنے والی نسلیں شرم و افسوس کے آنسو نہ بہاتیں۔ وہ اگر ۱۲ ستمبر کو حملے کی کمان کرنے کے لیے نکل کر احسن اللہ کے کہنے سے واپس نہ لوٹتا تو تاریخ کے صفحات چاہے وہی سامنے لاتے جو ہونا تھا مگر اُس کا نام رانی جھانسی۔ بیگم حضرت محل۔ نانا صاحب۔ ٹیپو سلطان جیسے بہادروں کی فہرست سے خارج نہ ہوتا اور آئندہ نسلیں ہمیشہ اس کا نام لے کر سر بلند رکھتیں۔

بہادر شاہ کا مقدمہ اور انجام
ہمایوں کے مقبرے سے قید کر کے جب بہادر شاہ کو قلعے میں لایا گیا تو انگریز سپاہیوں نے اُسے گالیاں دیں اور خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ اُنھوں نے لال قلعے کے لاہوری دروازے پر ایک خاکہ بنایا جس میں اُسے پھانسی پر لٹکا ہوا دکھایا گیا تھا۔ اُسے اُن کے درمیان کھڑا کیا گیا تو ایک سپاہی نے اُسے دانت دکھا کر چڑایا اور ران پر ہاتھ مارا۔ اس گستاخی کو ایک حبشی غلام برداشت نہ کر سکا اور اس بدتمیز انگریز کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اس حبشی غلام کو فوراً ہی انگریز سپاہیوں نے مار ڈالا۔

بہادر شاہ کی یہ توہین اور ذلت آمیز برتاؤ دراصل انگریزوں کے نزدیک ہندوستان کی تذلیل تھی اور اسے واقعی تمام ملک اور انقلابی عوام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جس کا ایک سرسری اندازہ ہم کر چکے ہیں۔ واقعات کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا تھا کہ دہلی اور بہادر شاہ کے باقی حالات کسی آئندہ باب میں بیان ہوں لیکن اس اہمیت کے پیش نظر ہم بہادر شاہ اور غل خانہ کے افسردہ حال یہیں بیان کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جنوری ۱۸۵۸ء میں بہادر شاہ پر ایک ماسٹری کمیشن کے تحت لال قلعے کے دیوان خاص میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس پر چار الزام تھے یعنی پہلا یہ کہ سپاہ کو بغاوت کے لیے اُبھارنا۔ دوسرا یہ کہ اپنے بیٹوں، دہلی اور شمالی ہند کے عوام کو انگریزی حکومت کے خلاف جنگ اور بغاوت پر آمادہ کرنا تیسرا یہ کہ اپنے آپ کو شہنشاہ کہلانا۔ چوتھے یہ کہ قلعے کے ۱۲۹ انگریزوں کے قتل کا باعث ہونا۔ مقدمہ ۴۲ دن جاری رہا اور اسے چاروں الزامات کا ”مجسم“ گواہ کیا۔ اس مقدمے میں بھی بہادر شاہ کا بیان ”بہادری“ یا ”شاہی“ کا کوئی مظاہرہ نہیں کرتا۔ اُس نے تمام الزامات سے انکار کیا، اپنے کو بے بس بتایا اور باغیوں کو بے قابو۔ غرض یہ کہ اُسے جلا وطنی کی سزا سنائی گئی، اکتوبر ۱۸۵۸ء کو رنگون روانہ کر دیا گیا۔ اُس کے ہمراہ جو لوگ روانہ ہوئے اُن میں جوان تخت۔ شاہ عباس مرزا (دونوں بہادر شاہ کے بیٹے)۔ زینت محل۔ زمانی بیگم (جوان تخت کی بیوی)۔ رفیعہ سلطان بیگم (جوان تخت کی سالی)۔ ممتاز دہن (جوان تخت کی ساس) تاج محل بیگم (بہادر شاہ کی بیوی) ان کے علاوہ چار کنیزیں، پانچ خدمت گار، گیارہ دیگر خواصیں اور اسیلیں وغیرہ تھیں۔ الہ آباد کے راستے سے گئے جہاں ۱۲ نومبر کو پہنچے۔ خودہ افراد نے دہلی واپس جانے کی خواہش ظاہر کی جن میں تاج محل بیگم۔ ممتاز دہن وغیرہ بھی تھیں۔ الہ آباد سے یہ قافلہ مرزا پور پہنچا اب یہ کل گیارہ افراد باقی رہ گئے تھے۔ بلبسہ۔ دینا پور منگیر بلیا۔ کھلنا وغیرہ ہو کر ۴ دسمبر کو ڈاکٹر ہاربر اور ۹ دسمبر ۱۸۵۸ء کو رنگون پہنچے۔

رنگون میں زندگی کے آخری دن اس بوڑھے مظلوم نے کس طرح گزارے، پہلے تو خود

اُسی کی زبانی سُنیے :

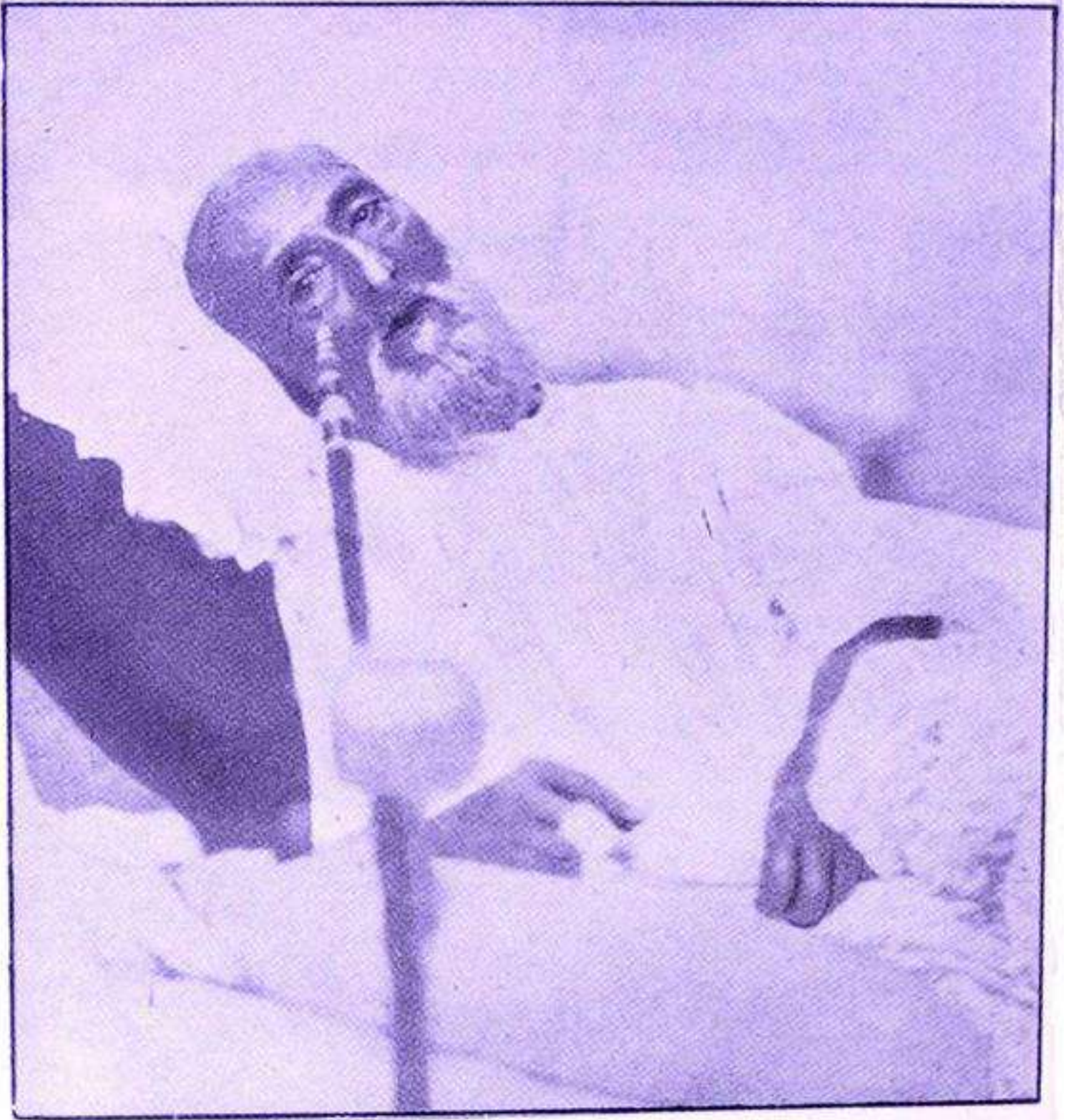
شمع جلتی ہے پر اس طرح کہاں جلتی ہے
ہڈی ہڈی مری اے سونہ نہاں جلتی ہے

(Captain H.N. Davies)

اور پھر ان قیدیوں کے انچارج کیپٹن ڈیوس

کے خط (۳ اگست ۱۹۵۹ء) سے یہ حالات سامنے آتے ہیں کہ ان قیدیوں کو ایک معمولی سے مکان میں جو کہ مین گارڈ کے قریب تھا، رکھا گیا۔ یہ تنویر مربع گز کے رقبہ میں لکڑی کا بنا ہوا مکان تھا جو زمین کی سطح سے بلند تھا۔ اس میں چار کمرے تھے۔ ان ۱۱۶ افراد کے کھانے پینے پر گیارہ روپے روزانہ خرچ آتا تھا، ہر اتوار کو انھیں ایک روپیہ ملتا تھا اور ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو دو روپے فی کس۔ قلم کاغذ وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ پبلک کو ان سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ بہادر شاہ تمام دنیا سے بے پرواہ لیکن بے چینی اور کرب کے عالم میں اپنے دن گزارتا تھا۔ زینت محل جو ادھیڑ عمر کی تھی، اچھی صحت رکھتی تھی، انگریز افسران سے بار بار اپنے اُس کارنامے کا ذکر کرتی تھی کہ اُس نے بغاوت شروع ہوتے پر شمال مغربی صوبہ کے گورنر مسٹر کولون کو آگرے اطلاع کی تھی۔ — احسن اللہ یہ سہرا اپنے سر باندھتا ہے۔

زینت محل کو اپنے زیورات وغیرہ ہاتھ سے جانے کا بہت غم تھا جو بیس لاکھ کی لاگت کے تھے اور سائنڈرس نے اُس سے چھین لیے تھے۔ اُسے اپنے خزانے کا بھی غم کھائے جاتا تھا جس کے کھوجانے میں وہ احسن اللہ کا ہاتھ بتاتی تھی۔ گویا آپس میں کبھی یہ چھینا جھپٹی ہوئی ہے جو احسن اللہ کے دامن پر ایک دُراغ ہے اور اس کے کردار کی جھلک نظر آتی ہے۔ جو ال بخت اور مرزا عباس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دونوں اچھے جوان تھے مگر کم پڑھے لکھے تھے یہاں تک کہ اپنے ملک کے بارے میں کبھی بہت کم معلومات تھی لہ



بہادر شاہ ظفر کی آخری گھڑیاں، رنگون
شمع جلتی ہے پر اس طرح کہاں جلتی ہے
ہڈی ہڈی میری اے سوز نہاں جلتی ہے

آخر کار رنگون کے اس چھوٹے سے مکان میں، نومبر ۱۸۶۲ء بروز جمعہ نو اسی سال کی عمر میں بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور اسی دن دفن کر دیا گیا۔ ۱۸۸۶ء میں زینت محل نے بھی دنیا سے کوچ کیا اور اپنے شوہر کے پہلو میں مدفون ہوئی۔ دونوں قبریں کچی اور شکستہ تھیں، بیری کا درخت سایہ کر رہا تھا۔ وہ چونکہ گھوڑ دوڑ کا میدان بنا دیا گیا تھا اس لیے یہ قبریں بھی پامال ہو گئیں اور اس طرح مظلوم ظفر کی یہ پشین گوئی پوری ہوئی:

پس مرگ قبر پر اے ظفر کوئی فاتح بھی کہاں پڑھے
وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشان اُسے ٹھو کروں سے اُڑا دیا

بعض جگہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب پنتیس آدمی تھے۔ جوان نخت کے ایک بچہ جمشید نخت تھا اور ایک رنگون جا کر پیدا ہوا۔ جہاں ان لوگوں کو رکھا گیا تھا۔ وہیں اب بہادر شاہ کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۳ء میں کچھ ہندوستانی وہاں پہنچے اور انھوں نے فاتحہ پڑھنے کے لیے قبر کا کھوج نکالا۔ اسی زمانے میں ایک اپیل بھی جاری کی گئی تاکہ ایک مقبرہ بنوایا جائے مگر حکومت نے اجازت نہیں دی۔ ۱۹۳۴ء میں یا اس سے کچھ قبل موجودہ مقبرہ بنوایا گیا۔ جوان نخت کو مولین (برما) بھیج دیا گیا۔ وہیں اس کا انتقال ہوا (۱۸۸۲ء) قبر کا کچھ پتہ نہیں۔ جمشید نخت نے انگریزی میں تعلیم حاصل کی تھی، رنگون سنٹرل جیل کے سٹا ایک بنگلے میں رہتے تھے انھوں نے رنگون میں بھی شادی کی اور غالباً ایک لڑکا سکندر نخت پیدا ہوا جو آج کل موجود ہے۔ جمشید نخت کا ۱۹۲۱ء میں انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے چاہا کہ بہادر شاہ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے مگر حکومت نے اس کی اجازت نہ دی کیونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جوان نخت کے بارے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بہادر شاہ کے قید ہونے کے بعد اس نے انگریز فلسفوں کو باغیوں کی اسکیموں اور دہلی کے امرا کے سازش میں شریک ہونے کی گرائی معلومات فراہم کیں جس سے اشارہ ملتا ہے کہ دہلی میں بڑے پیمانہ پر بغاوت کی خفیہ سازش ہوئی۔

اس زمانے میں تحریکِ خلافت اور کانگریس کا زور تھا اور ۱۸۵۷ء کا بھوت، انگریزی دماغوں کو پھر پریشان کر رہا تھا لہذا تابنوسے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ رونقِ زمانی نے ۳ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال کیا لے

بہادر شاہ نے اپنی زندگی کا احوال ایک شعر میں بیان کر دیا ہے :

دنیا میں بلا سے اگر آرام نہ پایا
ہم نے یہی پایا کہ بُرا نام نہ پایا

بغاوت کے بعد جن لوگوں کو پھانسی
دی گئی اُن کا شمار ممکن نہیں۔ چاندنی

انقلابی عوام، شہزادے اور سلاطین

چوک میں کوتوالی کے سامنے پھانسیاں نصب تھیں، انگریز حکام گریسیوں پر بیٹھ کر یہ تماشا دیکھتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ مغل خاندان کے بھی بے شمار افراد کو پھانسیاں دی گئیں جن میں بہت سے بغاوت میں شریک بھی نہیں تھے۔ غرض یہ کہ جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے "کاسماں تھا۔ بعض مغل شہزادوں کے نام جنہیں سزا ہوئی کاغذات میں ملتے ہیں مثلاً: مرزا نادر بخت ولد اقا بخت۔ مولانا بخش ولد رحیم بخش۔ کریم بخش ولد ماہو مرزا۔ ابو عباس ولد مرزا مظفر۔ محمد شکوہ ولد عباس شکوہ۔ حسین بخش ولد قادر بخش۔ عابد الدین عباس عرف منجھلے ولد ظہور الدین بشیر الدین ولد قادر بخش معین الدین

۱ سالنامہ "دورِ جدید" رنگون ۱۹۵۶ء۔ بہادر شاہ کا موجودہ کپڑا اور قبر پبلک چندے سے بنوائی گئی۔ ۱۹۳۸ء میں ایک وکیل کی تجویز پر میونسپلٹی نے اس سرک کو ظفر شاہ روڈ کے نام سے موسوم کر دیا۔ رونقِ زمانی جوانِ سخت کی بیٹی تھی۔

۲ سابق بادشاہوں کی اولاد سلاطین، کہلاتے تھے اور بہادر شاہ کی اولاد "شہزادہ"،



بیگم زینت : محل رنگون میں آخری ایام زندگی

ولد اللہ بخش۔ قادر بخش ولد مرزا مکھو۔ قطب الدین ولد قادر بخش۔ نور الدین ولد مرزا ابوبکر محمد بخش۔
 ولد مرزا میڈھو۔ عنایت حسین ولد قادر بخش۔ محمد بخش ولد ایزد بخش۔ غلام محمدی ولد کریم بخش۔
 غلام عباس ولد آغا جان۔ کبیر الدین ولد قطب الدین۔ مرزا بہادر ولد مرزا بلند۔ والا شکوہ مرزا
 بلندی۔ ننھے ولد کریم الدین۔ مبارک ولد مرزا منجھلے۔ مرزا بلندی ولد مرزا مکرم۔ کالے ولد مرزا آغا جان
 یہ سب سلاطین تھے۔ ہارسن نے جن شہزادوں کو قتل کیا ان کی تعداد بعض جگہ تیس کے قریب
 بتائی گئی ہے۔ ان میں چند نام جو سامنے آتے ہیں وہ اپنی جگہ پر بیان ہو چکے ہیں۔ کچھ نام اور بھی
 ہیں جنہیں مختلف سرائیں دی گئیں لیکن وہ یا تو گرفتاری کے وقت یا سزا کا اعلان سنکر جان بحق
 ہو گئے۔ ان میں حسین بخش ولد مرزا سنگی۔ بہادر ولد مہمن۔ کامران ولد مرزا بابر۔ بابر شکوہ ولد
 حسین بخش۔ الہی بخش ولد شجاع الدین۔ عثمان ولد غلام فخر الدین۔ حسین بخش ولد علی بخش۔
 الہ بخش ولد خدا بخش۔ قادر بخش ولد مرزا جان۔ غلام نعیم الدین ولد قادر بخش۔ احمد جان ولد
 خرم بخش۔ ریاض الدین تھے۔ مرزا نادر شاہ کو بغاوت میں عملی حصہ لینے کے جرم میں
 لونی گاؤں سے گرفتار کیا گیا۔ یہ بہادر شاہ کا پوتا تھا۔ تیرہ سلاطین مولین (برما) اور کراچی
 بھیجے گئے۔ ان میں ناظم شاہ ولداکبر شاہ۔ خدا بخش ولد حیدر شکوہ۔ فرخ شاہ ولد مرزا کوثر
 امام بخش ولد علی بخش۔ تراب شاہ ولد روشن الدین۔ ضیاء الدین ولد شکور الدین۔ مصلح الدین
 ولد حسین بخش کو مولین اور مرزا بابر ولد ماہ رخ۔ نظام الدین ولد بابر۔ خدا بخش ولد بابر۔ مرزا
 چھوٹے ولد بختاورد بخش۔ احمد شکوہ ولد محمد شکوہ۔ اصغر ولد شاہ رخ کو کراچی بھیجا گیا۔

یہ شہزادے اور سلاطین لال قلعے میں مقیم تھے اور فضول تفریحوں، کھیلوں اور
 بازیوں میں وقت گزارتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے جو وظیفہ بہادر شاہ کو ملتا تھا وہ
 ان میں بٹ بٹا کر پانچ دس روپے فی کس پڑتا تھا، یہی ان کی گذر اوقات کا ذریعہ تھا جس
 نے انہیں کاہل مزاج اور ناکارہ بنادیا تھا۔

شہر دہلی کے معزز لوگوں میں جو نام کہیں کہیں سامنے آتے ہیں ان سے بغاوت کی ہمہ گیری

کا ہلکا سا نقشہ نظر آتا ہے، چند قابل ذکر افراد یہ ہیں :

مرزا احمد بیگ ولد محمد حاجی : کلیہ خانے کا دروغہ۔ مرزا مغل کے مشیر خاص۔ شکست دہلی کے بعد الوداعی مگر گرفتار ہوئے اور گورگاؤں میں پھانسی دی گئی۔

قدرت اللہ بیگ ولد مرزا ظفر یاب عرف مینڈھو۔ لکھنؤ سے بہادر شاہ کو برجیس قدر کی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ ۲۹ اگست ۱۸۵۷ء کو ایک ہزار سپاہ اور خزانہ لے کر دہلی آئے۔

مولانا شاہ احمد سعید مجددی ولد شاہ ابوسعید۔ سجادہ نشین خانقاہ شاہ غلام علیؒ جامع مسجد میں جہاں کا قبضہ بلند کیا۔ جہاں کے فتوے پر دستخط کیے۔ بغاوت کے بعد حجاز چلے گئے ۱۲۷۷ھ میں وفات پائی۔

احمد علی کارندہ راجہ ناہر سنگھ۔ بہادر شاہ کے دفتر سے عرض داشتیں اور دیگر کاغذات برآمد ہوئے۔ نواب احمد علی خاں۔ فرخ نگر کے حکمران، بلوچ، بہادر شاہ کا ساتھ دیا۔ پھانسی پائی۔ احمد قلی خاں بن عباس قلی خاں۔ زینت محل کے باپ۔ دربار کے خاص رکن شکست دہلی کے بعد فرار ہوئے مگر گرفتار اور قید ہوئے جہاں وفات پائی۔ مکان ضبط ہوا۔

اکبر علی جھجھر کے مشہور ماہر جنگ، پچاس سواروں کے ہمراہ دہلی آئے۔ امید سنگھ۔ دہلی کے معزز فرد۔ دربار شاہی سے وابستہ تھے۔

بہادر جنگ خاں۔ نواب بہادر گڑھ۔ بغاوت میں حصہ لیا۔ گرفتار اور ریاست ضبط۔ لاہور بھیج دیئے گئے۔

راجہ بھولانا تھ۔ بہادر شاہ کے درباری۔ خلعت عطا ہوا۔

حکیم عبدالحق۔ بہادر شاہ کے درباری تھے۔ پھانسی ہوئی۔

نواب عبدالرحمن خاں۔ جھجھر کے نواب۔ بغاوت میں حصہ لیا۔ گرفتار ہو کر پھانسی ہوئی۔

عظیم علی (رسالدار)۔ روپیہ فراہم کرنے کے لئے جھجھر بھیجے گئے۔ نواب کے ملازم تھے۔

غلام محمدا الدین بن علی بخش۔ کوٹ قاسم کے تحصیلدار، ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کو گرفتار۔ دہلی کو توالی

میں قید اور ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو رہا ہوئے۔

قاضی فیض اللہ خاں کشمیری، پہلے سررشتہ دار تھے ۱۹۵۸ء میں دہلی کے کو توال ہوئے پھانسی پائی۔ دریا گنج میں حمید منزل انہی کا مکان تھا۔

میر حیدر حسین - توپ خانے کے دروغ تھے۔ بغاوت میں عملی حصہ لیا۔ ۸ جولائی کو سامان جنگ کم ہونے کی اطلاع دی۔ خانم بازار کے باشندوں نے یہ کام اپنے ذمے لیا اور نئے آلات جنگ بالکل انگریزی طرز کے بنادیئے عبداللہ الحق کوڑ گاؤں کے تحصیلدار تھے۔

تفضل حسین سوئی پت کے تحصیلدار۔

نواب سید ضیف الدین حیدر - بہادر شاہ کے درباری مشوروں میں شریک رہے۔ میر محمد حسین پہلے الور میں ملازم تھے۔ بغاوت کے دوران بخت خاں سے ملتے رہے اور قلعے میں آمد و رفت رہی۔ پھانسی ہوئی۔ عالی شان حویلی کلاں محل میں تھی۔ میجر جنرل حسین کے پوتے تھے۔

بختاور شاہ شاہی خاندان کے فرد۔ پھانسی ہوئی۔

میاں محمد امین محلہ بھوجا پہاڑی برائے مکان میں گوروں پر گولی چلائی سنگینوں سے ہلاک کیے گئے مگر اپنے قاتل کو بھی قتل کر دیا۔

غلام نظام الدین - شاہ کالے صاحب کے بڑے فرزند اور سجادہ نشین۔ بغاوت کے الزام میں جائداد ضبط۔ حیدر آباد چلے گئے پھر دہلی واپس آئے۔ ۱۹۹۲ء میں وفات پائی، مہرولی میں دفن ہوئے۔

منیر الدین (مرزا) - تھانے دار پہاڑ گنج۔ بغاوت کے دوران بہادر شاہ نے شہر میں امن قائم کرنے کا کام سپرد کیا۔

نواب محی الدین - مجاہدین کو دو ہزار روپیہ دیا۔

محمد شریف - نام و مصوّر۔ تمام مکان اور اسباب خیرات کر کے مجاہدین میں مل ہوئے۔ کام آئے۔

نامعلوم اپنے گھردلوں کو قتل کر کے جہاد کے لیے نکل گیا۔
مولوی امام علی زینت محل کے استاد۔ بغاوت سے کچھ پہلے مولوی عنایت علی سے بیعت کی جو تحریک ولی اللہی کے رہنما تھے۔ تیلی وارے میں رہتے تھے

گینڈا مل : متصدی لال قلعہ

ہیرا لال : وکیل بہادر شاہ

کنور گوپال سنگھ - ولد سالگ رام مہاجن - کنور کا خطاب پایا۔ بہادر شاہ نے شادی میں خلعت دیا۔ دربار سے خاص تعلق تھا۔

مدن گوپال سابق پیشکار مرزا شاہ رخ۔ عہدہ دیوانی پر فائز ہوئے۔

غلام معین رسالدار : لونگ سے تقریباً پانچ سو مجاہدین کے ساتھ آیا۔ پندرہ سو مجاہدین اور جمع کر کے منظم کیے۔ انگریزوں پر حملے کیے۔

مولوی میر محبوب علی - بغاوت کو جہاد کہنے کی مخالفت کی تھی۔ اس پر انگریزوں نے گیارہ گاؤں انعام دینا چاہا تو یہ پروانہ پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا ”کیا یہ میں تمہارے لیے کیا تھا؟“۔ میسرز دیک مسئلہ یونہی تھا اس لیے لوگوں کو منع کرتا تھا۔“

مکند لال : بہادر شاہ کا پرائیویٹ سکرٹری، اندرونی تمام راز اسے معلوم تھے مقدمہ بہادر شاہ کے دوران اپنے بیان میں بتایا کہ میسرز ٹھک کی بغاوت سے بیس دن پہلے یہ اطلاع دہلی میں آگئی تھی۔

قادر داد خاں : ساکن کابل۔ فریئر کو قتل کیا۔ بغاوت میں شامل ہوا۔

شاہ حسن عسکری : بہادر شاہ کے پاس آمدورفت تھی۔ شاہ ایران سے رابطہ قائم کیا

اور شیدی قبر کے ذریعے سے بہادر شاہ کا خط ایران بھجوایا۔ پھانسی ہوئی۔

حیدر شکوہ اور مرزا مراد۔ دونوں مرزا خان بخش ولد سلیمان شکوہ کے بیٹے۔ بغاوت سے چند سال پہلے لکھنؤ سے آئے اور شاہ حسن عسکری کے ہمراہ بہادر شاہ سے مل کر شاہ ایران کو خط لکھوایا جو شیدی قبر کے ذریعے بھجوایا گیا۔ پھر لکھنؤ واپس گئے اور اپنے بھائی مرزا نجف کو مرزا بلاتی ولد شرف الدین ولد مرزا آغا جان کے ہمراہ ایران بھیجا۔ رابطہ قائم کیا۔ اور بہادر شاہ کو یہ اطلاع بھیجی۔

مرزا علی اور حمید خاں جمع دار۔ دونوں کے ذریعے بغاوت سے تین سال پہلے پیادہ انگریز فوج کے کچھ لوگ بہادر شاہ سے بیعت ہوئے۔ انگریز ریزیڈنٹ نے یہ خبر پا کر پابندی لگائی۔ ”محاربہ عظیم“ مولفہ کنہیا لالی میں دہلی کے حالات بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

شہر میں یہ حال تھا کہ بام ہاؤس پر چھپاؤ دیوار ہائے مکانات سے اس فوج پر گولیاں برستی تھیں۔۔۔۔۔ اور باغیوں کی آہنی توپ بہت نقصان کرتی تھی اور علولہ ہائے نبادیق ہر چار طرف کوچہ و بازار میں علی الاتصال پڑتے تھے۔۔۔ ہر مکان بمنزلہ ایک کوٹ کے تھا اور ہر گھر ایک گڈھی بنا ہوا تھا اور باغی ہر قدم پر انگریزی فوج کو مارتے تھے۔“ (ص ۳۸۰ - ۳۸۱)

لارڈ کیننگ (گورنر جنرل) نے ہندوستانی اخباروں کے بارے میں کہا تھا:

”اس بات کو لوگ نہ تو جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں کہ گزشتہ چند ہفتوں میں ایسی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حاکمیت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ کام بڑی مستعدی چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا۔“ (۱۳ جون ۱۸۵۷ء)

گورنر جنرل کا یہ قول ملک کے عوام میں اُس انقلابی رنگ و روپ کا عکس دکھا رہا ہے جو تحریک ۱۸۵۷ء کے دوران نظر آیا اگر صرف دہلی کے اخبارات پر نظر ڈالیں تو انقلابی جذبات کا یہ دریا موجزن دکھائی دے گا۔ دہلی سے بغاوت کے دوران میں چند اخبارات خاص طور پر نمایاں تھے مثلاً ”دہلی اردو اخبار“، ”صادق الاخبار“، ”سراج الاخبار (فارسی)“ وغیرہ۔ دہلی اردو اخبار جولائی ۱۸۵۷ء میں ’اخبار النظم‘ کے نام سے نکلا۔ سراج الاخبار فارسی میں تھا اور بہادر شاہ کے روزنامے کی حیثیت رکھتا تھا۔ صادق الاخبار مورخہ ۱۹ مارچ ۱۸۵۷ء میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ:

”ایک اشتہار نام نہاد شاہ ایران دہلی میں گذرگا ہوں پر آویزاں کیا گیا ہے ہمارے ایک دوست اس اشتہار کو کہ پشت جامع مسجد پر آویزاں تھا نقل کر لائے تھے اکثر لوگوں نے اس کو دیکھا خلاصہ مضمون اس کا یہ ہے کہ اہل اسلام کو نصاریٰ (انگریز) کی مدد و معاونت سے پرہیز کرنا واجب ہے۔۔۔۔۔ آگے محمد صدیق خاں نامی کوئی شخص کہ اس اشتہار کا مشہر ہے لکھتا ہے کہ چھٹی مارچ تک نو سو سپاہی ایرانی مع اسران کلاں داخل ہند ہو چکے ہیں اور پانچ سو خاص دہلی میں بہ تبدیل صورت و لباس وارد ہیں۔ خصوص بندہ محمد صدیق خاں چونکہ چارچ کو داخل ہوا اور اس نے تمام اشتہارات جاری کیے۔“

۱۰ یہ دہلی کا پہلا اخبار تھا ۳۶-۱۸۳۷ء میں جاری ہوا، ایڈیٹر محمد باقر ولد مولانا محمد اکبر تھے۔ پہلے دہلی اخبار، اور بعد میں ”دہلی اردو اخبار“ کے نام سے نکلتا رہا۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں اس کا نام ”اخبار النظم“ ہو گیا۔

۱۱ اس نام کے دو اخبار دہلی سے شائع ہوتے تھے۔ ایک کے ایڈیٹر شیخ امداد حسین تھے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی بند ہو گیا۔ دوسرا جس کے ایڈیٹر جمال الدین (یا جمیل الدین) تھے، جاری رہا۔

اسی اخبار کی اشاعت مورخہ ۳۱ اگست ۱۸۵۷ء میں خبر 'اندور' کے عنوان سے لکھا....
 واضح ہوتا ہے کہ اندور میں محمد سعادت خاں رسالہ 'خلف بخشی' حفیظ نے چائیں
 تن نصاریٰ کو تحت سیف جہاد کھینچا اور چھاؤنی بانسری کی ٹوٹ لی اور کھونک
 دی اور تمام خزانہ و التواپ قبض و تصرف میں کر کر معہ جمعیت بارہ ہزار سپاہ کہ
 اونہیں سی دو ہزار سوار اور آٹھ پلٹنیں باقی مجاہدین ہیں بارے وہ شریک ہونے
 دین کی بالاتفاق فوج حیدر آباد راہی دہلی ہونگے۔ خدا کرے کہ جلد روہیلہ
 شجاعان اندر سی آملیں تاکہ سب لشکر ملکر یہاں آئے اور ہمارے شاہ کی
 سپاہ کو کامل تقویت ہو۔“

”اردو اخبار“ کا اقتباس (مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء حجم ۱۹ نمبر ۲۱):

”..... بعض آدمی از روئے قسم کہتے ہیں کہ جس دن پہلے ترک سوار یہاں آئے
 تو آگے آگے ساندھنیاں بھی دیکھی گئیں جن پر سبز پوش سوار تھے پھر دفعۃً وہ
 نظر سے غائب تھیں صرف ترک سوار قاتل کرتے تھے بلکہ جو شخص انگریز کو پاتا تھا
 کھیرے لگڑی کے طرح کاٹ ڈالتا تھا اور بری طرح سے ٹانگ کھٹکے پھینک
 دیتا تھا۔“

اسی اردو اخبار کا ایک اور اقتباس (۲۱ جون ۱۸۵۷ء) بعنوان ”فرصت کو غنیمت سمجھنا
 چاہیے“:

”... عہدہ ہائے جلیل القدر کہ جن میں زیادہ کی انتہا نہ تھی کم سی کم صد ہار پیسہ
 مہینا ہوتا تھا سب آپس میں اپنی ہم رنگوں کو دیتی تھی بموجب مثل مشہور
 اندھا بانٹے ریوڑیاں اور پیر پیر اپنوں کو دے۔ خیرج اذ نکا بھی ظاہر ہے کہ
 بہت بند و بست و تنگ چشمی و خشک مزاجی سے صرف کرتے تھے باقی ہزار ہا
 و لکھارو پیسہ بچاتے اور اپنی ولایت کو لے جاتے تھے غرض اذ نکار و پیسہ کی طرح

ہمارے ہندوستان میں نہیں پھیلتا تھا اور انکی زر و مال سے ہم لوگوں کو کچھ فیض نہ تھا اور اہل ہند جو نوکر ہوتے تھے تو سیکڑوں آدمیوں میں چند آدمیوں کی نوبت سیکڑوں پر پہنچتی تھی اب

اس اقتباس سے نہ صرف محب الوطنی کے احساسات عیاں ہیں بلکہ خراب اقتصادی حالت کی ڈھنڈلی سی تصویر بھی سامنے آتی ہے۔

’دہلی اردو اخبار نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کا چشم دید حال بتاتے ہوئے لکھا: “..... دیکھا کہ جانب بازار کشمیری دروازے سے لوگ بلا تاحا شا بھاگے چلے آتے ہیں..... بے تکلف واسطے دریافت حال کے سیدھا اُسی طرف روانہ ہوا کہ زیر کوٹھی سکندر صاحب پہنچ کر ایک آواز بندو قوں کی بار کی سامنے سے سنائی دی آگے چلا تو دیکھا کہ صاحب بہادر جیو شمشیر بہنہ در کف سرا سیمہ و بدحواس بے تاحا شا بھاگے چلے آتے ہیں اور پیچھے پیچھے ان کے چند تیلنگے بندو قیں سر کرتے چلے آتے ہیں اور عوام شہر بھی کسی کے ہاتھ میں لکڑی اور کسی کے ہاتھ میں پلنگ کی پٹی کسی کے ہاتھ میں بالنس کا ٹوٹا اوس کے درپے چلے آتے ہیں بلکہ بعضے بعضے آدمی شہر کے جی چلا کر دور سے مار بھی بیٹھتے ہیں وہ سب انگریز کو لیے ہوئے جانب زینت باڑے سے نہر کی طرف لے چلے اور حقیر بہ جانب میدان نصیر گنج چلا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ فخر المساجد کے آگے بیسٹ پکپس تیلنگے متفرق کھڑے ہیں اور لوگ اُن کو طرف مسجد اشارہ کرتے ہیں۔ غرض دیکھا کہ چند تانگہ مسجد میں گئے اور پیہم بندو قیں مار کر سب کو وہاں بندو ق کی راہ سے سیڑھا ملک عدم کو پہنچا دیا۔ آگے بڑھ کر پیش گر جا گھرا اور زیر کوٹھی بالنس صاحب دیکھا کہ دو سو تین سو ترک سوار اور تیلنگہ کھڑے ہوئے ہیں اور اُن میں سے متفرق ہو کر ادھر ادھر کھیلنے جاتے ہیں اور ایک ایک سے سوال ہے کہ بتاؤ انگریز

کہاں ہیں اور جو کوئی پتہ نشان بتلاتا اون میں سے دو چار سپاہی فوراً اسکے ساتھ ہو لیتے تھے.....“ ۱

جہاد کا فتویٰ | بغاوت کے دوران میں مختلف جگہوں سے جو مجاہدین دہلی آئے ان کا کوئی مفصل حال محفوظ نہیں صرف کہیں کہیں یہ اشارات اور چند نام ان کے سرداروں کے ملتے ہیں جو اپنی اپنی جگہ بیان کر دیئے گئے۔ لیکن پورے ہندوستان میں ان لیڈروں نے کس طرح مجاہدین کو منظم کیا اور دہلی آکر کیا خدمات انجام دیں یہ پتہ نہیں چل سکتا۔ دہلی کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں یہ مجاہدین دور دراز مقامات سے یہاں پہنچے ان میں سے کچھ جامع مسجد اور کچھ دیگر مسجدوں میں مقیم تھے ان کے پاس اپنی ضروریات کے لیے بھی روپیہ نہ تھا، بدن پر کپڑے ثابت نہ تھے اور بھوکے مرتے تھے مگر دین و وطن کے جذبات سے سرشار تھے۔ علمائے جس طرح جہاد کی رُوح تمام ملک میں پھونکی تھی اسی کا یہ کرشمہ تھا۔ چنانچہ بخت خاں کے آنے کے بعد جامع مسجد میں جو جہاد کا فتویٰ مرتب ہوا وہ ہم اخبار ”الظفر“ سے نقل کرتے ہیں۔

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئی اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور اوپر لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کی رہنے والی ہیں انکو بھی جہاد چاہی یا نہیں۔ بیان کرو اللہ تمکو اجر دے“

۱۔ کشمیری دروازہ بازار گر جاسینٹ جیمس کے سامنے ریلوے اسٹیشن کی طرف جانے والی سڑک کہلاتی ہے۔ مقامات کی تشریح اور تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو واقعات دارالحکومت

جواب - در صورت مرقومہ فرض عین ہے اور پر تمام اس شہر کی لوگوں کی اور استطاعت ضرور ہے اسکی فرضیت کے واسطے چنانچہ اس شہر والوں کی طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کی اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و حوالے کی لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کی فرض کفایہ ہے ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں اون پر بھی فرض عین ہو جائیگا اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے ساری اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہوگا اور جو عدو اور بستیوں پر هجوم اور قتل اور غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائیگا بشرط اونکی طاقت سے۔ دستخط

اس فتوے پر جن علماء کے دستخط ہیں انکے نام یہ ہیں :

سید الجبیب احقر العباد نور جمال عفی عنہ - العبد محمد عبدالکریم - فقیر سکندر علی -
 سید محمد نذیر حسین - رحمت اللہ - مفتی محمد صدر الدین - مفتی اکرام الدین - معرو
 سید رحمت علی - محمد ضیاء الدین - عبدالقادر - فقیر احمد - سعید احمد - محمد میر خاں
 العبد مولوی عبدالغنی - خادم العلماء محمد علی - فرید الدین - محمد سرفراز علی - سید
 محبوب علی جعفری - ابو احمد محمد حامی الدین - العبد سید احمد علی - اہلی بخش -
 محمد کریم اللہ - مولوی سعید الدین - محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی -
 محمد انصار علی - مولوی سعید الدین - حفیظ اللہ خاں - محمد نور الحق -
 محمد ہاشم - حیدر علی - سید محمد - محمد امداد علی عفی عنہ - سید عبدالحمید عفی عنہ -
 محمد رحمت اللہ خاں مفتی عدالت عالیہ سراج العلماء ضیاء الفقہاء - محمد علی حسین
 رسول الثقلین قاضی القضاۃ خادم شرح شریف -

دہلی میں مئی سے ستمبر ۱۸۵۷ء تک جو مختلف معرکے ہوئے ان
 دہلی کے مقابلے میں چند خاص کی نشاندہی سبزی منڈی کے قریب فتح گڑھ کے
 منارے پر دی گئی ہے جو بغاوت کی یاد میں انگریزوں نے بنوایا تھا۔ جنگوں کی تاریخیں اور
 مقامات یہ ہیں:

- ① — ہندن کی جنگ — ۳۰ مئی
- ② — غازی الدین نگر کی جنگ — ۳۱ مئی
- ③ — بادی کی سرائے پر جنگ — ۸ جون
- ④ — ہندوراؤ ہاؤس کے عہدہ داروں سے جنگ — ۹ تا ۱۱ جون
- ⑤ — فلیگ اسٹاف ٹاور (باوٹ) اور سبزی منڈی پر حملے — ۱۳ جون
- ⑥ — مٹکان کے قراول پر حملہ — ۱۳ جون
- ⑦ — کشن گنج پر حملہ — ۱۴ جون
- ⑧ — انگریزی کیمپ پر حملہ — ۹ تا ۲۰ جون
- ⑨ — سبزی منڈی کا معرکہ — ۲۳ تا ۲۷ جون
- ⑩ — علی پور کا معرکہ — ۲ جولائی
- ⑪ — انگریزی کیمپ پر حملہ — ۹ جولائی
- ⑫ — سبزی منڈی کے معرکے — ۱۲ تا ۱۸ جولائی
- ⑬ — ٹریلو لین گنج کا معرکہ — ۲۰ جولائی
- ⑭ — مٹکان ہاؤس کا معرکہ — ۲۳ جولائی
- ⑮ — کشن گنج کا معرکہ — یکم اگست
- ⑯ — قدسیہ باغ کا معرکہ — ۱۲ اگست
- ⑰ — نجف گڑھ پر مقابلہ — ۲۵ اگست

دہلی میں ۱۵۵۸ء کی یادگاریں | پرانی دہلی، جسے شاہ جہاں نے ۱۶۳۸ء میں،
لال قلعے کی تعمیر کے تقریباً دس سال بعد شاہ جہاں آباد

کے نام سے بسایا تھا، نصف دائرے کی شکل میں تھا۔ یہ بدر و برج سے جو جنوب مشرق کے کونے
میں ہے جمنائے کنارے پر آباد ہے۔ ۱۵۵۸ء میں آبادی تقریباً دو لاکھ تھی۔ جمنائے طرف
لال قلعے کا فصیل ہے۔ قلعے کے اندر بڑا رقبہ طویل میں ایک ہزار گز اور عرض میں پانچ سو گز ہے
جس میں ۱۵۵۸ء کے بعد فوجی باڑیں، بنادی گئی ہیں اور زیادہ تر محلات اور عمارتیں مسما کر دی گئیں،
صرف چند بطور یادگار باقی ہیں۔ شہر کا اندرونی رقبہ سوانہ بن بل ہے۔ شہر کی فصیل کے مختلف دروازے
نچے۔ اگر ہم شہر کے دروازے سے چلیں جو شہر کے شمال میں ہے اور ۱۵۵۸ء میں مسما کر دی گئی
کا مقام رہا ہے، نو شہر کا چھراڑ، طرح لگا سکتے ہیں کہ سب سے پہلے شمالی رخ پر موری دروازہ (بو
۱۵۵۸ء میں ڈھابا گیا) پھر غرب میں کابلی دروازہ تھا، یہ بھی اب نہیں رہا، اس کے بعد
لاہوری دروازہ، یہ بھی نہیں رہا، جنوب غرب میں اجمیری دروازہ، جنوب میں ترکمان دروازہ
اور دہلی دروازہ مشرق میں۔ رانی دروازہ اور راج گھاٹ دروازہ۔ کلکتہ دروازہ شمال مشرق
میں تھا جس کے مقام پر ایک راستہ بنا کر ایک کتبہ (انگریزی) ۱۵۵۲ء میں لگا دیا گیا ہے
اور اب یہاں ریوے پل ہے۔ کیلا گھاٹ دروازہ شمال مغرب میں اور نغم بودہ دروازہ
شمال مشرق میں دریا کے کنارے ہیں۔ پتھر گھاٹ دروازہ اب توڑ دیا گیا۔ بدر و دروازہ
شمال مشرق میں تھا۔ یہ سب پود گاہ دروازے تھے۔ ان کے علاوہ چوگاہ کھڑکیاں کچھ تھیں
شہر کے باہر جھوٹا دروازہ اور جھوٹا انام کا دروازہ پھول پر بسایا گیا ہے۔ جھوٹا پہاڑی تو وسط
میں ہے اور جھوٹا شمال مغربی فصیل سے ملی ہوئی ہے۔ پہلے ایک نہر کابلی دروازے سے

۱۔ شہر بنانے کی تاریخ میترجی کاشی نے ”شاہ جہاں آباد از شاہ جہاں آباد“ نکالی ہے
جس سے ۱۵۵۸ء نکلتے ہیں۔

داخل ہو کر شہر اور قلعے میں ہوتی ہوئی دریا میں جا ملتی تھی۔ شہر کی فصیل جو چھ میل لمبی تھی اور اس کے گرد خندق تھی، جگہ جگہ سے گرا کر صاف کر دی گئی ہے۔ لال قلعے کے لاہوری دروازے (متصل چاندنی چوک) کا فاصلہ جتنا کشمیری دروازے سے ہے تقریباً اتنا ہی اجیری اور دہلی دروازوں سے بھی ہے۔ شہر کے پُر رونق بازاروں میں خانم کا بازار اور خاص بازار اب نہیں ہیں یہ قلعے اور جامع مسجد کے درمیان ۱۸۵۷ء تک موجود تھے۔ شہر کی شمالی فصیل کے باہر کشمیری اور موری دروازوں سے نکل کر عیسائیوں کا قبرستان اور قادیانہ بلغ وغیرہ ہیں جس کی مغربی حد رِج (Ridge) اور مشرق میں جمنلہ ہے۔ پہاڑی سے اُدھر پرائی چھاؤنی تھی (موجودہ دہلی یونیورسٹی کمپس) جہاں جون سے ستمبر ۱۸۵۷ء تک انگریزی فوج محاصرہ کیے پڑی رہی۔ اسی جگہ مغربی رخ پر بھف گنڈہ کی فصیل سے نکالی گئی نہر ہے جس کے کنارے پر ۱۸۵۷ء کا فوجی قبرستان ہے۔ اس سے آگے چل کر آزاد پور سے تقریباً میل دو میل کے فاصلے پر بادی کا وہ میدان جنگ ہے جہاں ۸ جون کو انقلابی فوجوں نے مقابلہ کیا اور یہیں سے انگریزی فوج داخل ہو کر رِج (پہاڑی) پر قابض ہوئی بادی کا یہ مقام بُندیل کی سرائے کہلاتا ہے۔ کتب تاریخ میں 'بادی کی سرائے' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے سامنے شالامار باغ ہے۔ تاریخی اہمیت کے حامل مقامات کا تذکرہ چند کتابوں کی مدد سے حسب ذیل ہے۔

لال قلعہ : لاہوری دروازے (متصل چاندنی چوک) پر سہ منزلہ عمارت میں قلعے کے انگریز عہدہ دار یعنی کپتان قلعہ (یا صاحب کلاں) وغیرہ رہتے تھے ۱۸۵۷ء میں ڈوگلکس کپتان قلعہ تھا۔ ۱۸۱۱ء سے یہاں فوجی گارڈ مقرر کیا گیا جب اکبر شاہ کے بیٹے نے رزٹنٹ سٹین پر گولی چلائی۔ ۱۸۵۷ء میں اسی دروازے کے سامنے سائمن فریزر اور ڈوگلکس، پادری جننگ، ان کی لڑکی، چپمنسن وغیرہ مارے گئے۔ دیوان خاص کے جنوب میں سنگ مرمر کے بنے ہوئے چند کمرے ہیں۔ درمیان میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے۔ یہ عمارت

تسج خانہ کہلاتی ہے۔ چبوترے پر جو بیچھے ہے، ایک دالان بنا ہوا ہے جو تسج خانہ کہلاتا ہے۔ جب میرٹھ سے انقلابی سپاہی دہلی پہنچے تو بہادر شاہ یہیں موجود تھا۔ ڈوگلز نے یہاں اکربات کی جس پر ایک سپاہی نے گولی چلائی۔ ظہیر دہلوی کا کہنا ہے کہ اس تسج خانے کا ستون کا ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ اسی سے ملا ہوا براآمدہ نما جھروکہ ہے جہاں سے عوام بادشاہ کے درشن کیا کرتے تھے پٹن بروج کے متصل ہے اس پر جو گنبد ہے وہ ۱۷۵۷ء کے بعد کی تعمیر ہے۔ اس کے نیچے حضرت دروازہ ہے جس سے چند سیڑھیاں اتر کر جتنا کے کنارے میدان میں پہنچ جاتے ہیں اسی دروازے سے کپتان ڈوگلز باہر جا کر انقلابیوں سے بات کرنا چاہتا تھا جو نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

جامع مسجد: شاہ جہاں نے ۱۰ شوال ۱۰۶۵ھ ۶۲ اکتوبر ۱۶۵۷ء میں جامع مسجد کی بنا ڈالی تھی۔ لال قلعے سے تقریباً ایک ہزار گز کے فاصلے پر کھجوا جلا پہاڑی پر بنائی گئی، خاص بازار کے، جو اب موجود نہیں، مغربی سرے پر بنی ہوئی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں اس مسجد میں بہت مجاہدین کا قیام تھا جو مختلف مقامات سے مغرب میں جہاد دہلی آئے اور آخر تک جنگوں میں حصہ لینے رہے اس کے شمالی دروازے پر شکست دہلی کے بعد انگریزی دستے سے ان ہتھیار مجاہدین نے نیکاح مقابلہ کیا جس کا ذکر ظہیر دہلوی نے بھی کیا ہے ۱۷۵۷ء کے بعد مسجد ضبط ہو گئی۔ یہاں فوجیوں کا اسٹبل بنایا گیا۔ ۲۰ نومبر ۱۸۶۲ء کو بہت کوشش کے بعد مسلمانوں کو واپس کی گئی۔ یہاں تک بے حرمتی کی گئی کہ جوانگریز بعد میں بھی دیکھنے آتے تو جوتے نہیں اتارتے تھے۔ لارڈ کرزن نے ۱۸۶۹ء سے اتنا کیا کہ جوتوں پر موزہ چڑھا کر مسجد میں آیا۔ مسجد کے مشرقی دروازے کے سامنے خاص بازار تھا اس دروازے سے قلعے تک کی سڑک، کو سڑک خاص کہا جاتا تھا۔ خاص بازار سے خانم کے بازار اور خان دوراں کی حویلی کو راستہ جاتا تھا یہ بازار قلعے کی فصیل کے برابر سڑکیوں کے مندر تک چلا گیا تھا۔ اس جگہ کو سمار کر کے بعد میں ایڈورڈ پارک (موجودہ سمبھاش پارک) بنایا گیا ہے مشہور ہے کہ خانم کے بازار میں نئی خست

کے اسلحہ تیار کر لیے گئے تھے جو انگریزی ہتھیاروں سے بازی لے گئے تھے غالباً اسی لیے اس بازار سے انتقام لیا گیا۔ خاص بازار سے آگے گلابی باغ تھا جہاں بعد میں ایک حوض لال ڈگی کے نام سے بنایا گیا، اب یہ بھی نہیں ہے۔

دریا گنج : لال قلعے کے دلی دروازے کے برابر والی سنہری مسجد کے سامنے ایک سڑک شہر پناہ کے دلی دروازے تک چلی گئی ہے۔ اس سڑک کے مشرقی جانب ۱۸۵۱ء سے پہلے ایک ڈاک بنگلہ تھا جس کے مغرب میں اکبر آبادی مسجد تھی جسے مسمار کر دیا گیا۔ سنہری مسجد سے ایک سڑک راج گھاٹ دروازے کو گئی ہے اس سڑک کے جنوب میں فصیل کے پاس بہت سے مکانات زیادہ تر عیسائیوں کے تھے اور کچھ پادری بھی رہتے تھے۔ ان میں ایک گھوڑا گاڑی کے ٹھیکے دار کا تھا چونکہ کشتیوں کا پل اُس زمانے میں راج گھاٹ دروازے کے سامنے ہی تھا۔ ۱۸۵۱ء میں ان سب کا صفایا ہو گیا۔ چھاؤنی کا باغ راج گھاٹ کی سڑک کے سیدھی طرف تھا اور یہیں بنگال کی سنفر مینا پلٹن (سید پر مائینر) جو ۱۸۵۲ء میں رڑکی چلی گئی، مقیم تھی۔ باغ کے مشرق کی طرف سڑک ایک دو منزلہ مکان کی طرف جاتی ہے جس میں نواب جھجھتے تھے۔ یہی وہ مکان تھا جس میں پہلے فیروز پور کے نواب شمس الدین رہتے تھے اور ان کے بعد علی بخش خاں رہتے تھے جنہوں نے ایک باغ بھی یہاں لگایا۔ قریب ہی زینت المساجد ہے۔ خیراتی دروازے کے آگے پلٹن کا ہسپتال تھا جس میں بغاوت شروع ہونے تک نمبر ۲۸ لائٹ انجینئری کا پہرہ تھا۔ اسی مقام پر ایک پرانی بارہ دری تھی اور یہاں راجہ کشن گڈھ رہتے تھے یہی وہ مکان تھا جہاں ولیم فریزر دعوت میں آیا اور واپسی میں قتل ہوا جس کا الزام نواب شمس الدین پر لگایا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں یہاں مسٹر آلڈول گورنمنٹ پنشنر رہتا تھا۔ انقلابیوں نے یہاں حملہ کیا جن کے ساتھ دہلی کے عوام بھی کافی تعداد میں تھے۔ دورات مقابلہ ہوا آخر کا آلڈول اور اس کا لڑکا جان بچا کر بھاگے باقی کا کام تمام ہوا اور ان کی لاشیں وہیں خندق میں ڈال دی گئیں۔ آلڈول کی بیوی کو قلعے میں لیجا یا گیا۔ مگر جب نقار خانے کے سامنے سبک

قتل ہوا تو یہ وہاں سے بھی بچ نکلی۔ اسی مکان کے محاذ میں بلندی پر ایک اور مکان تھا جس میں راجہ بلمہ گڑھ مقیم تھے۔ فیض بازار ہی میں اکبر آبادی مسجد تھی جسے مسمار کر کے ایڈورڈ پارک بنا۔ الہی بخش کارنگ محل : محلہ گنج میر خاں کے علاقے میں تراہے پر ایک محل غدار الہی بخش کا تھا جو بعد میں اس کے بیٹے شریا جاہ کے قبضے میں رہا پھر الہی بخش کی پوتیوں کے پاس ہا پھر تحصیل کچہری بنا دیا گیا۔ یہ مرزا جمشید بخت کا بنایا ہوا ہے الہی بخش نے خرید لیا تھا۔ شریا جاہ کو آٹھ سو روپیہ ماہانہ گویا باپ کی 'وفاداریوں' کا انعام ملا کرتا تھا۔

جامع مسجد کے شمال میں پائے والاں کا بازار ہے یہیں شیخ ضیاء الدین کا مکان تھا جو دروغہ محمد بخش (ساکن موضع بسی) کے بیٹے تھے اور پہاڑی دھیرج کے علاقے میں بنگاوت کے دوران خبر رسائی اور جاسوسی کا 'کارنامہ' انجام دیتے تھے اسی انعام میں کچھ زمین بعد میں انھیں ملی۔

پھاٹک بدل بیگ۔ آسن اللہ کا مکان : حویلی بدل بیگ کا دروازہ لب سڑک بازار سرکی والاں (لال کنواں) میں اس کا دروازہ حکیم حسن اللہ نے بنوایا تھا۔ جس نے یہ مکان خریدا تھا۔ احسن اللہ کا خاندان ہرات سے آیا تھا۔ اس کے باپ نے طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ احسن اللہ کو اکبر شاہ ثانی نے طبیب شاہی مقرر کیا تھا۔ بہادر شاہ کے عہد میں اس کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ احسن اللہ کا ایک مکان مہرولی میں بھی تھا۔ بعض بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ قلعے میں بھی رہتا تھا۔

زینت محل کا مکان : لال کنوئیں پر اسی کے نام سے ہے۔ اس کا عالیشان پھاٹک لب سڑک ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مہاراجہ پٹیالہ کے قبضے میں آیا۔ یہ ۱۸۶۲ء میں بہادر شاہ نے غالباً زینت محل کے لیے بنوایا تھا جو بعد میں رنگون تک اپنی وفاداریوں کا رونا روتی رہ گئی اور کچھ نصیب نہ ہوا۔

شمز بیگم کی کوٹھی : چاندنی چوک کے شمال میں ہے اونچی کرسی دے کر بنائی گئی ہے

پشت پر باغ بھی تھا اس میں پہلے دلی لندن بینک تھا اور اسی بینک میں انگریز حکام کا روپیہ جمع رہتا تھا۔ اسی میں بینک منیجر برسفرڈ، اس کی بیوی اور لڑکیوں کو قتل کیا گیا۔
 خونی دروازہ: بازار دریہ کلاں کے سرے پر چاندنی چوک میں واقع ہے اس کا تذکرہ ظہیر دہلوی نے 'داستان غدر' میں کیا ہے۔ نادر شاہ کے زمانے میں اس دروازے کے آگے قتل عام ہوا تھا اسی نسبت سے خونی دروازہ مشہور ہوا۔ اب یہ دروازہ باقی نہیں رہا کوٹوالی چبوترہ: چاندنی چوک کی سنہری مسجد سے ملحق کوٹوالی کی عمارت ہے (میجسٹک سینما کے سامنے) یہاں ایک چبوترہ تھا، جواب نہیں رہا۔ اسی چبوترے پر ان مغل شہزادوں کے لاشے لٹکائے گئے تھے جنہیں ہڈسن نے قتل کر کے خون پیا تھا۔ یہیں پھانسیاں نصب تھیں جہاں باغیوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔

مسجد تچپوری: چاندنی چوک کے سرے پر ہے۔ یہ مسجد بھی بناوت کے بعد انگریزی انتقام کا نشانہ بنی اور مع دکانوں کے ضبط کر کے دکانیں نیلام کر دی گئی تھیں۔
 نمک حرام کی حویلی: مسجد تچپوری سے اسٹیشن کی سڑک یعنی مشن روڈ پر کوچہ گھاسی رام میں یہ عالی شان حویلی ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ منشی بھوانی شنکر کو مرہٹوں کے دور میں ایک معزز عہدہ پر مامور ہو کر ذمہ داری سپرد کی گئی مگر یہ منشی انگریزوں سے مل گیا اور مرہٹوں نے اسے موقوف کر دیا انگریزوں نے اس کو انعام میں پنشن دی اسی لیے لوگ اسے 'نمک حرام' کہنے لگے اور اس کا مکان نمک حرام کی حویلی کہلایا، منشی کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انگریز آقاؤں سے داد دریا دگی، احکام جاری ہوئے کہ کوئی اس نمک حرام منشی کو 'نمک حرام' نہ کہے مگر ہر شخص کی زبان پر یہی چڑھ رہا ہے۔

کشمیری دروازہ: (۳۹-۴۳۸ء)۔ شہر کا شمالی دروازہ تھا، بناوت ۱۸۵۷ء

کے دوران یہ بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ گولہ باری سے اس کے در و دیوار چھلنی ہو گئے جو اسی طرح موجود ہیں۔ یہ دروازہ ڈبل ہے یعنی دو پھاٹک ہیں پہلے اس کے آگے ایک پُل بنا ہوا تھا۔ یہاں ایک پتھر ۱۸۶۶ء میں نصب کیا گیا ہے جس پر تفصیل دی گئی ہے کہ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب انگریزی فوج نے حملہ کیا تو سورج نکلنے کے وقت شہر گولہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے پُل پار کر کے چند انگریزوں نے بارود سے دروازے کا دھنا پٹ اڑا کر حملہ آوروں کے لئے راستہ بنالیا اس کام میں چند انگریز کام آئے۔ سالکلڈ سخت مجروح ہوا۔ اسی علاقے میں سینٹ جیمس گر جا عیسائیوں کا قبرستان ہے جہاں ولیم فریزر کی قبر ہے جو ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو قتل ہوا۔ علاوہ ازیں ۱۸۵۷ء میں جو انگریز مارے گئے اُن میں سے بھی بعض کی قبریں ہیں۔ گر جا کے شمال میں تانس تھیا فلپس مٹکا کی قبر ہے جو ۱۸۵۳ء میں فوت ہوا یہ جون تھیا فلپس مٹکا کا باپ تھا جو بناوٹ کے وقت دہلی کا جوائنٹ مجسٹریٹ تھا۔

تارکھر: کلکتہ دروازے سے نصف میل کے فاصلے پر تارکھر تھا۔ اسی مقام پر ایک ستون اُن انگریزوں کی یاد میں بنا ہوا ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کو بناوٹ کی خبر تار سے انبالہ سے پہنچائی تھی۔ اس پر یہ تفصیلات اور تار کی نقل کندہ ہے۔

میگزین۔ داراشکوہ کے محل کی جگہ پر یہ میگزین تھا۔ یہاں ۱۸۵۷ء میں بارود تھیا توپیں، بندوقیں وغیرہ موجود تھیں اس پر ۱۸۵۷ء کو حملہ کیا گیا اور انگریزوں نے بارود سے اڑا دیا۔ اب صرف اس کے دروازے جی پی او اجزل پوسٹ آفس کے سامنے موجود ہیں۔ دروازے پر کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے قریب ہی انگریزوں کا پرانا قبرستان ہے۔

مندر گھاسی رام: بمقام چھتہ شاہ جی، نائی واڑہ۔ گھاسی رام کھری کا بنوایا ہوا ہے جس کے آبا و اجداد میں جٹھامل محمد شاہ کا ملازم تھا۔ بناوٹ ۱۸۵۷ء میں گھاسی رام نے انقلابیوں کا ساتھ دیا تھا لہذا یہ مندر ضبط ہو گیا تھا۔

مندرجہ بالا رائے ہر چند : چاندنی چوک ، کوچہ سکھاندر میں ہے۔ گلاب رائے کا بنوایا ہوا ہے جن کے باپ سہارن بیر سنگھ تھے جنہوں نے سہارن پور بسایا تھا۔ اور جنکو اکبر نے جاگیر دی۔ ان کی چھٹی پشت میں سالک رام جہا جن تھا جس کا ذکر بغاوت کے دوران میں جگہ جگہ آتا ہے۔ اس نے شاہی نوکری چھوڑ دی تھی اور ۱۸۲۵ء میں انگریزی حکومت نے خزانچی مقرر کیا تھا۔

ٹشکاف ہاؤس : کشمیری دروازے کے باہر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ ٹامس تھیٹیا فلس ٹشکاف نے ۱۸۴۴ء میں بنوایا۔ اس کے تہہ خانوں میں کچھ انگریز دوران بغاوت چھپے رہے۔ انتقال بیوں نے یہاں ٹوٹ مار کی اس زمانے میں یہاں جون تھیٹیا فلس ٹشکاف (جوائنٹ مجسٹریٹ) رہتا تھا۔ اسی کے شمال میں رنج یعنی وہ پہاڑی ہے جہاں انگریزی فوج دہلی کا محاصرہ کیے پڑی رہی۔ یہاں پر باؤٹھ یعنی فلیگ اسٹاف ٹاور ہے اسی اطراف میں قدسیہ باغ اور لڈلو کیسل (کشنر سائمن فریزر کی قیام گاہ) ہے۔

قدسیہ باغ میں ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد بھی ہے جو بغاوت کے دوران گولہ باری سے اس حال کو پہنچی۔ قدسیہ باغ کے ایک حصے میں نکلسن کا مجسمہ لگا ہوا تھا جو کابلی دروازے اور لاہوری دروازے کے درمیان کی ایک تنگ گلی میں ۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مارا گیا۔ یہ مجسمہ اب ہٹا دیا گیا ہے، کشمیری دروازے کے سامنے والے حصے میں ایک چبوترے پر تھا۔ قدسیہ باغ میں انگریزی توپ خانے پڑے ہوئے تھے۔ اس باغ کے سامنے پانی بئرج (یعنی واٹر پیسن جو دراصل بدر و بئرج ہے اور بعض جگہ مویرا (Moiras) پیسن لکھا گیا ہے) اور کشمیری بئرج کے شکاف ہیں اور جنوب مشرق کے کونے میں وہ قبرستان ہے جہاں نکلسن دفن ہے۔ شمالی مغربی کونے میں لڈلو کیسل ہے جہاں ۱۸۵۷ء میں سائمن فریزر کشنر رہتا تھا۔ موری دروازے کے باہر الگزنڈر کابٹ نصب تھا، اب ہٹا دیا گیا ہے۔ اس پر کبوتے بھی لگے ہوئے تھے۔ ٹیلر انگریزی فوج کا انجینئر تھا جس نے دہلی پر

حملے کے لیے پلان تیار کیا تھا۔

فتح گڑھ کا مینار: سبزی منڈی کے قریب چار درجے کی لال پتھر کی یہ لاٹ اُس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں شہدائے میں انگریزی فوج کا کیمپ تھا۔ یہ اُسی یادگار کے طور پر بعد میں بنی ہے اس پر متعدد دکتے ہیں جن پر محاصرہ دہلی کے دوران کی تفصیلات، جنگوں کی تاریخیں، ان میں حصہ لینے والوں کے نام وغیرہ کندہ ہیں۔

کشن گنج: یہ محلہ سبزی منڈی کے قریب موجود ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بغاوت کے دوران مورچہ بندی رہی اور مقابلے ہوئے۔ آگے چل کر بارہ ہندوراؤ ہے۔

نواب نبی بخش خاں | اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں نواب نبی بخش معزز عہدے پر تھے اور انگریز ایجنٹ کے یہاں بادشاہ کے وکیل رہے تھے جب بغاوت شہدائے میں لال قلعے میں انگریز پناہ گزیں قتل کیے گئے تو نواب نبی بخش نے بہادر شاہ کو ایک عرضداشت بھیجی:

”حضور پر روشن ہے کہ آفریدگارِ عالم کو انصاف کو پسند ہے اور ظلم ناپسند اس لیے عرض رساں ہوں کہ جو افسرانِ فوج واسطے قتل مقیدانِ یم و بچوں کے عرض کرتے ہیں اگر نزدیک حضور انور کے مناسب ہووے تو حضور افسران سے براہِ انصاف ارشاد فرمادیں کہ حسبِ عرض تمہاری کے مابدولت نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھا اور دین کے شریک ہوئے اور ان کو قتل کرنے میں دین ہمارا جاتا ہے، ایک فتوا اور ایک بیوستہ اس باب میں طلب کروا اگر وہ حکم قتل کا دیویں تو کروور نہ ہم خلافِ شرع حکم قتل کا نہ دیویں گے نہیں تو جو تمہارے دل میں حسرت ہے اول مابدولت کے لیے کرو۔ امیدوار کہ افسرانِ فوج سے ساتھ دباغت کے معروضہ بالا ارشاد فرمایا جاوے۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتابِ دولت و اقبال و سلطنت کا تاباں و درخشاں باد۔

عرضی ندوی نبی بخش خاں

سفیر حضرت عرش آرام گاہ۔“

انگریز قیدیوں کو لال قلعے میں جن حالات میں قتل کیا گیا وہ اپنی جگہ پر ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔
 سیر نے اپنے رسالے 'خیر خواہ مسلمانان ہند' حصہ دوم میں نواب بخش کی یہ عرضداشت نقل کر کے انھیں انگریزوں کا وفادار ظاہر کیا ہے لیکن اس عرضی سے کہیں یہ وفاداری، جلوہ نہیں دکھاتی کسی مذہب کی رو سے عورتوں اور بچوں کا قتل جائز نہیں۔ یہی بات اس عرضی میں کہی گئی ہے لیکن چونکہ ان انگریز قیدیوں کی مدد سے دہلی میں خفیہ وطن دشمن کارروائیاں کی جا رہی تھیں جن کا انتقال بیوں کو پورا پتہ لگ گیا، اسی پر غضبناک ہو کر انھیں قتل کیا۔

ملک کے تمام بڑے شہروں اور فوجی مرکزوں میں بغاوت کے تیاریاں کی گئیں وہ چھان بین کے باوجود انگریزوں پر

بغاوت کے لیے سازش تھی؟

آشکارانہ ہو سکیں لیکن جہاں بھی کوئی اشارہ ان کے ہاتھ آیا وہ تمام انگریز مورخوں کی یادداشتوں اور تاریخوں میں محفوظ ہو گیا جس سے ان سازشوں کا ایک سرسری اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہادر شاہ کے مقدمے میں کئی بیانات اور شہادتیں اس سلسلے میں ملتی ہیں۔ مثلاً کیپٹن مارٹینو اپنے بیان میں کہتا ہے کہ سپاہیوں نے مجھے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ بغاوت ہونے والی ہے اور میں نے انبالہ کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں یہ رپورٹ دی تھی۔ احسن اللہ نے کہا کہ والنٹیر رجنٹ نمبر ۳۰ این آئی کے سپاہی بتاتے تھے کہ بغاوت سے پہلے وہ میرٹھ کی سپاہ سے رابطہ قائم کر چکے تھے اور میرٹھ وغیرہ سے خطوط آرہے تھے کہ وہ لوگ دہلی آئیں گے۔ جاٹ مل نے بیان کیا کہ بغاوت سے چند دن پہلے قلعے کے پہرہ داروں سے اُس نے سنا تھا کہ میرٹھ میں ہنگامہ ہونے پر باغی سپاہ دہلی آئے گی اور یہ تمام معاملہ دیسی افسروں کے ذریعہ طے ہوا تھا۔ میجر پٹرسن (۵۴ این آئی) کا بیان ہے کہ سپاہ کے رویہ سے بغاوت کی سازش کا پتہ لگتا تھا۔ مجھے جو اطلاعات ملیں اُن سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے باخبر تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ پچھلے ستمبر میں لفٹیننٹ و برٹ نے مجھ سے کہا تھا کہ رجنٹ کے صوبیدار میجر امام بخش نے کیپٹن رسل کو بتایا تھا کہ ارمی سے دو ماہ قبل ہماری رجنٹ کی لائنوں میں آدمی برابر آتے جاتے

رہے اور سپاہ کو بناوت پر آمادہ کرتے رہے (کیپٹن رسل، جون ۱۷۵۷ء کو مارا گیا) ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل میجر ایف جے ہیریٹ (J. Hariot) نے تمام اہم دستاویزیں اور کاغذات سامنے رکھتے ہوئے ایک طویل بیان مقدمہ بہادر شاہ میں قلم بند کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دہلی دربار میں سازشیں اور خفیہ کارروائیاں عرصہ دراز سے ہو رہی تھیں۔ اس نے متعدد حوالوں کے علاوہ میگزین کے کریم بخش کا ذکر خاص طور پر کیا ہے جو میگزین (کشمیری گیٹ) میں ملازم تھا، فارسی کا عالم و فاضل شخص تھا، ایسی سپاہ کو محض اور خطوط بھیج رہا تھا کہ وہ اپنے افسروں کا اعتبار نہ کریں اور کار توسوں کے متعلق چربی کی خبریں غلط نہیں ہیں۔ وہ شروع ہی سے سازش میں شریک تھا اور جب میگزین پر حملہ ہوا تو یہ باغیوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دہلی کی سازش کا ایک اہم رکن شاہ حسن عسکری ^{۱۷۵۷} تھے جن کا اس مقدمے میں بیان بھی ہوا

۱۷ شاہ حسن عسکری دہلی گیٹ کے قریب رہتے تھے۔ شیخ ابراہیم چشتی کے خلیفہ محمد چشتی تھے جن کے خلیفہ اور بیٹے شاہ غلام شہادت۔ غلام سادات کے دو فرزند نصیر الدین اور حسین بخش ہوئے۔ نصیر الدین کے بیٹے شاہ صابر بخش چشتی (ف ۱۲۳۷ھ) مشہور بزرگ تھے۔ شیخ حسین بخش کے بیٹے حسن عسکری تھے جو شاہ سلیمان تونسوی (ف ۱۲۶۷ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ عاشق الہی میر کھئی نے ”تذکرۃ الخلیل“ میں شاہ حسن عسکری کا وطن رام پور نہپیاران لکھا ہے ص ۱۰۰۔ (نیز ملاحظہ ہو واقعات دار الحکومت جلد دوم ص ۱۳۳ و علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۴ ص ۲۹۴)۔ حسن عسکری کی شادی انبیٹھ کے انصاری خاندان میں ہوئی۔ قلعے میں بہت سے شہزادے اس خاندان سے بستہ منسلک تھے۔ ۱۷۵۷ء سے چار سال قبل بہادر شاہ سے رابطہ قائم ہوا۔ بہادر شاہ کی ایک بیٹی ان کی مرید تھیں۔ وہ دہلی کی شکست کے وقت پوشیدہ ہو گئے۔ پہلے قطب گئے پھر گڑھی ہزار و لکھنوتی گئے۔ گنگا گڑھ میں گرفتار ہوئے جہاں امام صاحب کے مقبرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انھیں پھانسی دی گئی۔

اور جگہ جگہ ذکر آیا ہے۔ ۲۴ مارچ ۱۸۵۷ء کو شمالی مغربی صوبے کے گورنر کو دہلی سے محمد درویش نامی شخص نے خط لکھ کر شاہ حسن عسکری کی کارروائیوں کا حال لکھا ہے کہ تین چار ماہ ہوئے قسطنطنیہ کی طرف دو آدمی شاہ دہلی کا خط لے کر کاروان (قافلے) کے ساتھ گئے جو مکہ جا رہا تھا یہ حسن عسکری کے ذریعے بھیجے گئے جنہوں نے بہادر شاہ کو بتایا تھا کہ شاہ ایران کی فوجیں بہت جلد قندھار اور کابل کی راہ سے ہندوستان پر حملہ کریں گی انہوں نے دو آدمی تیار کیے جو بھیس بدل کر ایران روانہ ہوئے۔ قلعے میں دعائیں بھی ہوتی تھیں اور شاہ صاحب عصر و مغرب کی نماز کے درمیان عمل پڑھتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائیں۔ ایسی سید کے ایک شخص شیدی قنبر کے ذریعے حسن عسکری نے ۱۸۵۶ء میں بھی ایک خط ایران روانہ کیا تھا۔ ایک بیان یہ ہے کہ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا مرید (دولوں بیٹے مرزا خان بخش ولد سلیمان شکوہ) لکھنؤ سے دہلی آئے تو انہوں نے حسن عسکری کے توسط سے بہادر شاہ سے کہا کہ وہ شاہ ایران کو خط لکھے شیدی قنبر کو محبوب علی خاں کے ذریعے ستارو پے دیئے گئے اور خط بھیجا گیا۔ اس کے بعد حیدر شکوہ لکھنؤ واپس گیا۔ اس سے پہلے حیدر شکوہ نے اپنے بھائی مرزا نجف کو، جو بہادر شاہ کا دور کا عزیز بھی تھا، ایران بھیجا اور بہادر شاہ کو یہ اطلاع دی جو مولوی باقر کے اخبار میں چھپی۔ اسکے بعد شیدی قنبر کو بھیجا گیا۔

جے۔ اے۔ پی پامرنے اپنی کتاب میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے کہ میرٹھ کی ابتداء کیلئے کافی عرصے پہلے سے پلان بنالیا گیا تھا۔ بعض ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ پورے ملک کے لیے ۱۳ مئی بغاوت کے لیے طے کی گئی لیکن میرٹھ اور انبالے میں طے شدہ تاریخ

1. PALMER (J.A.B): Mutiny Outbreak at Meerutt pp. 129,131

سے پہلے ہی۔ ارمی کو بغاوت کا پلان بنالیا گیا چنانچہ انبالہ میں بھی اسی تاریخ کی صبح کو بغاوت ہوئی۔ کیو براؤن نے لکھا ہے کہ اپریل ۱۸۵۷ء میں نمبر این آئی کے ایک سپاہی شام سنگھ انبالہ کے حاکم فورسائٹھ (Forsyth) کو اس سازش کے بارے میں اطلاع دے دی تھی اور ایک پولس افسر یعنی بازار کو تو ال نے بھی ایسی سازش اور پٹڑوں کی پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ مئی ۱۸۵۷ء کے پہلے ہفتے میں اسی شخص شام سنگھ نے پھر یہ اطلاع دی کہ ہندو مسلمان اپنے مذہب کے لیے جنگ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور دیسی فوجی افسروں میں خفیہ طور پر تمام اسکیم بنائی جا رہی ہے جس کی عام سپاہیوں کو خبر نہیں ہے۔ چند دن بعد پھر اسی طرح کی اطلاعات آئیں۔ کیو براؤن نے بغاوت کی اسکیم کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو۔ ارمی اتوار کو انبالہ میں نئے گرجا گھر کی عبادت کے موقع پر بروئے کار آئی تھی لیکن عین وقت پر (۹ مئی کو) انگریزوں نے طے کیا کہ نئے گرجا گھر کی بجائے پرانے چرچ میں حاضری دی جائے جو گورہ سپاہ کی بارکوں کے درمیان واقع تھا۔ اس طرح بغاوت کی اسکیم نادانستہ طور پر بیکار ہو گئی کیونکہ پرانے چرچ پر انگریز سپاہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے وہ سہولتیں موجود نہ تھیں۔ پھر بھی۔ ارمی ۱۸۵۷ء کو صبح نو بجے انبالہ کی دیسی سپاہ نے بغاوت کی ناکام کوشش کی جس پر آسانی سے قابو پا لیا گیا۔

انبالہ اور میرٹھ وغیرہ کی سپاہ میں بغاوت کے لیے جو خفیہ سازش ہو رہی تھی اس کا اشارہ کپٹن مارٹینو کو مارچ ۱۸۵۷ء میں ہی مل گیا تھا اور اُس نے حکام کو یہ اطلاع پہنچائی تھی۔ انبالہ میں آگ لگنے کی وارداتیں ۲۶ مارچ سے شروع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ۳۱ مارچ

۱. CAVE BROWN: Punjab & Delhi in 1857 vol.1 pp. 48,49

سے یکم مئی تک تقریباً روزانہ کسی نہ کسی فوجی بارک میں آگ لگتی رہی لیکن مجرموں کو گرفتار کرنا تو درکنار، ان کا پتہ بھی نہ لگ سکا۔ پنجاب گورنمنٹ کے مطبوعہ ریکارڈ میں یہ تمام حالات بیان کیے گئے ہیں کہ ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان کرنے کے باوجود آگ لگانے والوں کا پتہ نہ چل سکا۔ جیمس لنٹ نے اپنی کتاب میں ایک سپاہی سیتارام کا یہ بیان درج کیا ہے کہ اودھ کی ضلعی کے بعد شاہ اودھ اور شاہ دہلی کی طرف سے مختلف جگہوں پر آدمی بھیجے گئے تاکہ دیسی سپاہ کے رجمان کا پتہ لگائیں۔ ان آدمیوں نے دیسی سپاہ کو بہ یک وقت بغاوت کرنے اور انگریزوں کو نکالنے کا احساس دلایا۔ یہ شخص سیتارام تلوی (اودھ) کا رہنے والا تھا۔ ۱۷

دہلی کی ریاستیں | دہلی سے ملحق سات ریاستیں تھیں۔ ان میں جھج سب سے بڑی ریاست تھی جس کا محصول چوڑا لاکھ روپیہ سالانہ تھا، باقی داری (بہادر گڑھ) پاٹودی، بلجھ گڑھ، دوجانہ، لوہارو، فرخ نگر چھوٹی ریاستیں تھیں۔ یہ ریاستیں انگریزوں نے 'وفاداری' کے صلے میں قائم کی تھیں لیکن تحریک ۱۸۵۷ء کے آغاز پر علاقے کے عوام اور فوجیوں نے والیان ریاست پر دباؤ ڈالا کہ وہ بہادر شاہ کا ساتھ دیں۔ مجبوراً والیان ریاست کو بہادر شاہ کی حمایت کا رخ اختیار کرنا پڑا لیکن ان میں سے اکثر نے یا تو خود کو بچائے

1. YADAV (K.C): Revolt of 1857 in Haryana p. 40-51

2. LUNT (James): From Sepoy to Subedar, Last Chapter. ۱۸

رکھا اور یاد دہلی پالیسی اختیار کی جس سے بغاوت کی تحریک کو نقصان پہنچنا ظاہر تھا۔
 جھپڑ کا نواب عبدالرحمن خاں تھا، کچھ پیادہ اور سوار فوج اس کی ملازمت میں تھی دہلی
 میں بغاوت ہوتے ہی یہاں کی فوج اور عوام میں بغاوت کے آثار نمودار ہو گئے لیکن نواب
 نے گورنر آگرہ (لیفٹیننٹ کولون) کو خط لکھا جس کے جواب میں گورنر نے انگریزی ایجنٹ
 ہاروے کی مدد کرنے کی ہدایت کی، نواب نے ہاروے سے رابطہ قائم کر کے اپنی حمایت کا
 یقین دلایا۔ اس نے گرہ گاؤں اور روہتک کو فوجی دستے بھی انگریز حکام کی درخواست پر
 روانہ کیے۔ ۱۴ مئی کو چارلس تھیوفیلس مٹکاف یہاں بھاگ کر آیا۔ نواب نے اپنے خسر صمد خاں
 اور امداد علی کو اس کی حفاظت کے لیے ہدایت کی لیکن جب شہر کے عوام کو یہ خبر پہنچی تو نواب
 کے خلاف ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ مٹکاف کو نواب کی شکار گاہ چھو چھک واس میں پوشیدہ
 کیا گیا لیکن اگلے دن صبح کو انھیں نواب کی طرف سے حکم ملا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں اس پر
 مٹکاف کو بے حد غصہ آیا اور کہا کہ وہ نواب کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے بعد نواب نے
 چھ سات انگریز عورتوں اور بچوں کو بھی پناہ دی اور انھیں انگریزی کیمپ میں پہنچایا۔ نواب
 کے اس عمل نے انقلابی سرداروں کو بدظن کر دیا اور بہادر شاہ نے اُسے فوراً دہلی آنے کے
 لئے لکھا مگر نواب دہلی آنے سے کتراتا رہا۔ بہادر شاہ کی طرف سے روپیہ اور سامان جنگ وغیرہ
 بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا، نواب نے یہ بھی نہ کیا۔ آخر کار بہادر شاہ کی طرف سے ایک معتبر افسر کو
 بطور ایجنٹ بھیجا گیا جس نے یہاں کے معزز لوگوں اور صمد خاں سے رابطہ قائم کیا، سب نے
 نواب پر دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ مجبور ہو کر اُس نے تین سو

لے رقبہ ۱۲۳۰ مربع میل، آبادی ایک لاکھ دس ہزار سے کچھ اوپر۔ ۱۸۰۶ء میں قندھار
 کے بہرائچ پٹھان نظامت علی خاں کو انگریزوں نے عطا کی جس کے بعد فیض محمد ۱۸۲۴ء میں
 نواب ہوا جس کا جانشین فیض علی (۱۸۳۵ء) اور پھر عبدالرحمن (۱۸۴۵ء) نواب ہوا۔

سوار صمد خاں اور ابراہیم علی کی سرکردگی میں دہلی روانہ کیے (۲۱ مئی) اور اپنے ایک نمائندے غلام نبی کو شاہی دربار میں مقرر کیا۔ اس کے بعد بہادر شاہ کی طرف سے اُسے بار بار روپیہ بھیجنے کے لئے لکھا گیا مگر نواب نے کوئی اثر نہ لیا آخر کار جب بہادر شاہ کا عتاب آمیز فرمان آیا تو نواب نے یہ بہانہ کر دیا کہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے لیکن دوسری طرف پہاڑی پر مقیم انگریزی فوج کے لئے نہ صرف میگزین بلکہ روپیہ بھی بھیجتا رہا اور بہادر شاہ کو خوشامدانہ انداز میں خط بھی لکھتا رہا۔ دہلی سے ایک رسالدار افسر (مجاہد علی خاں) کو جھجھکا گیا کہ وہ نواب سے روپیہ وصول کرے مگر نواب نے روپیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا پھر عظیم خاں اور مرزا خد بخش کو فوجی دستے کے ساتھ بھیجا گیا تب جا کر نواب نے صرف ساٹھ ہزار روپیہ دیا اور باقی چالیس ہزار کا وعدہ۔ وہ برابر دہلی کو لکھتا رہا کہ روپیہ نہیں ہے حالانکہ گیارہ لاکھ روپیہ اس کے خزانے میں تھا۔ نواب کی اس دوغلی چال نے یہ رنگ دکھایا کہ دونوں طرف سے کوئی بھی اُس سے خوش نہوا، شکست دہلی کے بعد اسے چھوچک و اس سے گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا جس میں مشکاف نے اس کے خلاف بیان دینے میں نمایاں رول ادا کیا۔ نواب کی تمام عرضداشت اور گزارش احوال واقعی 'بیکار ثابت ہوئی' (۱۴ دسمبر ۱۸۵۷ء) اور فیصلہ پچاسی کا صادر ہوا۔ ۳۷

۱۔ امور خارجہ کاغذات اور تاریخ جھجھک مؤلفہ غلام نبی بجوالہ یادو۔ ۸۹

YADAV: Revolt of 1857 in Haryana p. 89

۲۔ معین الدین: خدنگ غدر۔ ۸۶ و یادو۔ ۹۱

۳۔ نواب کو ۲۳ جنوری ۱۸۵۷ء کو پچاسی دی گئی۔ یہ نظارہ انگریز تماش بینوں کے لئے

بہت ہی فرحت بخش تھا کیونکہ اس کا دم دیر میں نکلا اور قلابازیاں ان کے لیے تفریح کا

سامان تھیں۔ (ذکار اللہ: تاریخ عروج انگلیشیہ۔ ۱۰۱)

فرخ نگر ایک اور چھوٹی سی ریاست ۲۲ مربع میل کے رقبے میں تھی جو دادیل خاں بلوچ نے ۱۷۱۷ء میں قائم کی تھی (محمد شاہ کی عطا کردہ) لیکن ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے یہاں کے حکمران عیسیٰ خاں کو جنگ مرہٹہ میں مدد نہ کرنے پر سزا دی اور ریاست کتر کے موجودہ سائز پر کر دی۔ عیسیٰ خاں کے بعد یعقوب علی اور پھر احمد علی نواب ہوا جس نے بغاوت کے دوران قابل ذکر رول ادا نہیں کیا۔ وہ بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا (۱۲ مئی ۱۷۵۷ء) اس کے بعد اس کا سارا وقت راؤ تلام سے لڑنے میں گزرا اور انقلابیوں کو مدد نہیں پہنچائی۔ انگریزوں کی نظر میں پھر بھی مجرم گردانا گیا، گرفتار کر کے ۱۲ جنوری ۱۷۵۸ء کو مقدمہ چلا تو اس نے سارا الزام اپنے چچا غلام محمد خاں پر رکھا اور اپنا بچاؤ کیا مگر فیصلہ خلاف ہوا (۲۲ جنوری ۱۷۵۸ء) اور اگلے دن پھانسی ہوئی۔ اس کے بعد کاحال معین الدین نے 'خدنگ غدر' میں یوں بیان کیا ہے :

”بعد ثبوت جرم رئیس جھرو بلب گڈھ و فرخ نگر نے پھانسی پائی۔ لاشیں انکی ہمراہ دیگر پھانسی یافتہ شہر کے بیرون لاہوری دروازہ کے قریب درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ ایک گڈھا کھڑا یا گیا تھا اس میں ڈال دی گئیں۔ ریاستیں ضبط ہو گئیں جھرو کے علاقے میں پرگنہ نارنول مہاراجہ پٹیالہ کو بطور انعام کے ملا۔“

بلبھ گڈھ کا راجہ ناہر سنگھ تھا جو ایک چھوٹی سی ریاست (تقریباً دو سو مربع میل تھی) ناہر سنگھ بغاوت شروع ہونے کے وقت دہلی میں تھا وہ انگریزوں کے

۱۷ اٹھارویں صدی کی پہلی دہائی میں گوپال سنگھ نے قائم کی جو جاٹ قبیلے سے تھا۔ ناہر سنگھ اسی کی اولاد میں تھا، کمزور دل اور شریف طبع تھا۔ گوپال سنگھ کا بیٹا چرن داس تھا جسکے بیٹے بلم سنگھ نے قلعہ بلبھ گڈھ بنوایا اور شہر بسایا تھا۔

خلاف کسی سرگرمی میں حصہ لینے میں پس و پیش کر رہا تھا لیکن ریاست کے عوام کے جذبات اور دہلی کا قرب اُسے انقلابیوں کے ساتھ رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ ۱۲ مئی کو دہلی سے بہادر شاہ کے حکم پر اپنی ریاست میں آیا اور یہاں انتظام درست کیا، بہادر شاہ کو متعدد خطوط لکھے جو مقدمات میں پیش ہوئے، قلندر بخش خاں کے ہمراہ کچھ سوار سپاہی دہلی بھیجے، مگر ان لوگوں نے جاسوسی کے جال پھمائے، نذیر الدین خاں کو بھدر پور کا پولس افسر مقرر کیا جسے بعد میں بہادر شاہ کے فرمان پر برخاست کیا گیا۔ پالی اور پلول گاؤں کے کچھ لوگ لوٹ مار کرنے لگے، دہلی تک کی سڑک صاف نہ تھی لہذا اُس نے مناسب انتظامات کیے۔ احمد علی دہلی میں اس کا ایجنٹ تھا جو بہادر شاہ کے دربار میں حاضر رہا۔ راجہ پولس چوکیاں اور سکیں وصولی کے دفاتر قائم کیے۔ دوسری طرف انگریزوں سے بھی خط و کتابت اور رابطہ قائم کیا۔ وہ خود دہلی نہیں آیا اور نہ روپیہ بھیجا۔ انگریزوں کو اپنے علاقے سے بھگت گزار جانے دیا۔ آگرے کے کمشنر ہاروے کو اس نے درخواست کر کے قلعے میں ٹھہرایا، انگریز حکام مثلاً کولون (گورنر آگرہ) جنرل آسن کمانڈر انچیف، لارڈ کینگ وائسرائے، ہاروے کمشنر آگرہ ڈوئرن، کیٹھینگ جج ایڈوکیٹ جنرل دہلی وغیرہ کو خط لکھتا رہا اور اپنی وفاداریاں ظاہر کرتا رہا۔ اُس نے پہاڑی پریم انگریزی فوج میں بھی اپنے آدمی بھیجے اور خبریں بھی خفیہ طور پر انھیں پہنچاتا رہا۔ دوسری طرف جب دہلی کے انقلابیوں کو اسکے ڈبل رول کی خبریں ملتی تھیں تو وہ اس کی تردید میں بہادر شاہ کو خط لکھتا تھا۔ ایک بار باغیوں نے ایک گھٹی پکڑی جو ناہرہ کے آدمیوں کے ہمراہ کچھ انگریزی خط بھی لیجا رہی تھی مگر اُس نے اسکی بھی تردید اور صفائی پیش کی لہٰذا اُس کا یہ دوغلا کردار کسی کام نہ آیا، اسے دسمبر ۱۸۵۷ء میں مقدمہ چلا کر مجرم ثابت کیا گیا اور ۹ جنوری ۱۸۵۸ء کو پھانسی کا فیصلہ سنا دیا گیا، ۹ جنوری کو کوٹوالی (چاندنی چوک) پر

پھانسی دی گئی۔ انگریزوں کے خلاف اس نے کوئی عمل نہیں کیا تھا بلکہ انھیں ہر طرح کی امداد پہنچائی تھی۔

ریاست پٹودی کا نواب اکبر علی خاں تھا جس کی چوتھتر مربع میل کی ریاست ۱۸۰۶ء میں انگریزوں کی مدد کرنے کا انعام تھی۔ وہ فیض طلب خاں کا جانشین ہوا (۱۸۲۹ء)۔ اس نے بھی بہادر شاہ کو چند خطوط لکھے اور دوسری طرف انگریزوں سے وفاداری دکھاتا رہا اور کھاتے ہوئے انگریزوں کو پناہ دی۔ اسے کوئی سزا نہیں ملی۔ اسی طرح دو جانشین کا نواب حسن علی خاں ولد دوندے خاں بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا، بغاوت کے دوران دہلی میں رہا، انقلابیوں کو کوئی مدد نہیں پہنچائی، بلند شہر سے گرفتار ہوا مگر سزا سے بچا رہا۔ بہادر گڑھ کا نواب بہادر جنگ خاں ایک چھوٹی ٹسی (۴۸ مربع میل) ریاست کا والی تھا۔ وہ جھڑ کے بانی نواب نجات خاں کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ۱۸۰۶ء میں گدی پر بیٹھا۔ (بمقام ۲ سال)۔ ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی سے طلب کیا گیا۔ اُس نے تیرہ دن بعد جواب دیا کہ ریاست میں بد نظمی کے سبب حاضری سے قاصر ہے، انقلابی سرداروں کو کوئی مدد نہیں پہنچائی، صرف اپنے حکم پیر بادشاہ خاں اور وکیل کچھن سنگھ کے ذریعے چار اشرفیاں بطور نذر بھیجیں۔ شکست دہلی کے بعد اُس پر معمولی طریقے سے مقدمہ چلایا گیا ایک ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ لوہارو کے نواب امین الدین خاں نے بھی دیگر نوابوں کی طرح کوئی قابل ذکر امداد بہادر شاہ کو نہیں پہنچائی، ڈبل رول ادا کیا سزا سے بچ گیا۔

۱۔ لوہارو کا بانی احمد بخش خاں تھا جو راجہ الور کا وکیل رہ چکا تھا اور لارڈ میک اور راجہ الور کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا تھا (۱۸۰۷ء) جس کے انعام میں دونوں طرف سے جاگیر ملی امین الدین ۱۸۳۵ء میں اپنے بڑے بھائی شمس الدین کے بعد جس کو انگریزوں نے پھانسی دی، تخت نشین ہوا۔ بغاوت کے وقت دہلی میں تھا، بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

دہلی کی ریاستوں کے باغی سردار | دہلی سے متعلق ریاستوں کے عوام نے بغاوت

میں جو حصہ لیا وہ سرکاری کاغذات میں کہیں

کہیں جھلکتا ہے لیکن اُن کا مکمل طرز عمل اور سرگرمیاں منظر عام پر نہ آ سکیں۔ مذکورہ بالا ریاستوں کے

نوابوں کا بہادر شاہ کی حمایت پر آمادہ ہونا دراصل ان ریاستوں کے عوام کے دباؤ کی وجہ سے

ممکن ہوا۔ انقلابی سرداروں میں سے صرف چند نام کاغذات میں نظر آتے ہیں مثلاً نواب جھجر کا

درباری بہادر علی جسے شاہ ورز نے گرفتار کیا، دسمبر ۱۷۵۷ء میں پھانسی ہوئی۔ فرخ نگر کے دلاور خاں

ولد اسلام خاں کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ جمع دار حبسوں میں نواب جھجر کی فوج میں ملازم تھا۔ اُسے جھجر

کی شکست کے بعد ۱۸ اکتوبر ۱۷۵۷ء کو گولی سے مارا گیا۔ جواہر سنگھ نواب جھجر کے میگزین کا دروغہ

تھا، اسے بھی اکتوبر ۱۷۵۷ء میں گولی ماری گئی۔ بلیجہ گڈھ کے شیخ کریم بخش نے نمایاں حصہ

لیا، دہلی جاتی ہوئی انگریزی فوج کو روکنے کے لیے مقابلہ کیا، ۵ دسمبر ۱۷۵۷ء کو دہلی میں پھانسی

ہوئی۔ خیرات علی ساکن نارنول (جھجر) نے بھی بغاوت میں نمایاں حصہ لیا، دہلی جاتی ہوئی

انگریزی فوج سے مقابلہ کیا، ۱۸ جنوری ۱۷۵۷ء کو دہلی میں پھانسی پائی۔ نواب جھجر کے درباری

خدا بخش اور محمود علی اور رحیم بخش کو بھی دسمبر ۱۷۵۷ء میں پھانسی ہوئی۔ جھجر کے پولس جمہدار

رام بخش کو ۱۸ اکتوبر ۱۷۵۷ء کو گولی ماری گئی۔ نواب جھجر کا ایک اور درباری رام رچھپال تھا جسے

نواب کے ساتھ چھوچک واس سے گرفتار کر کے دسمبر ۱۷۵۷ء میں بمقام دہلی پھانسی دی گئی۔

نواب جھجر کا خسر اور سپہ سالار محمد خاں گرفتار نہیں ہوا وہ پہلے قلعہ کانوندہ اور پھر نارنول گیا جہاں

دہلی سے آئے ہوئے انقلابی دستوں کی کمان سنبھالی اور انگریزی فوجوں سے دلیرانہ مقابلہ کیا۔

دہلی سے متعلق ریاستوں اور قرب و جوار کے علاقوں میں یہاں کے

عوام نے دہلی پر بڑھتی ہوئی انگریزی فوجوں کا بھرپور مقابلہ کیا

جس کا اندازہ سرکاری کاغذات میں اُن لیڈروں کے تذکروں سے ہوتا ہے جنہیں اس جرم

میں سزائیں دی گئیں لیکن فوجی تنظیم اور باصلاحیت راہ نما ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کامیاب

عوام کا مقابلہ

ہنسکے بالآخر دہلی کی شکست کے بعد ان علاقوں پر انگریزی فوجوں نے دھاوا کیا (تفصیل پنجاب کے حالات میں بھی ملاحظہ ہو)۔ ۶ اکتوبر ۱۷۵۷ء کو ریواڑی میں راؤ تلارام کا قلعہ برباد کیا گیا۔ اس کے بعد بریگیڈیر جنرل شاہورز کی سرکردگی میں کوسلی ہو کر یہ فوجیں چھوچک و آسن پنچیس جو جھڑ سے دس میل دور نواب کی شکار گاہ تھی۔ ۱۶ اکتوبر کو یہاں نواب جھڑ کو گرفتار کیا گیا۔ اگلے دن جھڑ پر مزید فوجی مدد کے بعد حملہ ہوا، نواب کی باقی ماندہ فوج رات میں فرار ہو گئی اور جھڑ کا قلعہ مع ۲۱ توپ، تیس ہزار ہتھیار، ہاتھی گھوڑے وغیرہ ہاتھ لگا۔ شاہورز نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ ہڈسن کی ماتحتی میں کنوند کی طرف بڑھا جہاں جھڑ کا خزانہ تھا۔ درمیان میں دادرسی کے نواب کو گرفتار کیا گیا۔ کنوند پر جھڑ اور دہلی کے انقلابیوں نے جمع ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا مگر پسا ہوئے اور کنوند کا قلعہ جو ہر لحاظ سے بہترین تھا، قبضے میں آیا جہاں ہتھیاروں اور میگنیزین کا ذخیرہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ نواب کا خزانہ ۵ لاکھ ہاتھ لگا۔ شاہورز ۲۲ اکتوبر دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ لیکن اس تمام علاقے خصوصاً گوڑگاؤں (میوات) کے ہر گاؤں میں عوام ابھی تک کھلی بغاوت کر رہے تھے۔ شاہورز نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ ”گوڑگاؤں میں مجھے ایسا معلوم ہوا گویا چاروں طرف دشمنوں سے گھر گیا ہوں“ اس کے اوپر ہر طرف سے حملے ہوئے اور انقلابی عوام سے لڑتا بھڑتا فرخ نگر پہنچا جہاں نواب احمد علی خاں کو گرفتار کیا۔ سوہنے سے چند میل دور جا کر اسے پھر ایک زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ بہادر میواتیوں نے پے درپے حملے کیے جن کی بہادری کا اعتراف سرکاری رپورٹوں میں صاف طور پر کیا گیا ہے۔ ۳۱ اکتوبر کو وہ بلبھ گڑھ پہنچا اور راجہ ناہر سنگھ کو گرفتار کیا۔ والیان ریاست کی گرفتاری کے بعد انگریزی فوجیں ان کے محلات پر ٹوٹ پڑیں۔ دہلی کے آفیشنگ کمشنر سائڈرس نے جنرل پینی (کمانڈر دہلی فیلڈ فورس)

کو اپنے ایک خط مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۵۷ء میں فرخ نگر، جھڑا اور بلیجہ گڑھ کی ٹوٹ کا حال لکھا ہے کہ کس طرح نہ صرف سیکڑوں گھوڑے بیل اور بھینسیں بلکہ ہر چیز ٹوٹی ٹوٹی گئی، ان کے زنانہ محلوں کو جس طرح بے دردی سے نشانہ بنایا گیا اس کا تھوڑا سا اندازہ سائڈرس کے اس خط سے بھی ہوتا ہے۔ بلیجہ گڑھ کے بارے میں جہاں فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی شاہ و زراہ کو گرفتار کر چکا تھا، وہ لکھتا ہے :

”سپاہی راجہ کے زنانہ محل میں داخل ہو گئے اور اس کی عورتوں سے نہ صرف

روپیہ اور زیورات بلکہ ان کے کپڑے بھی چھین لیے“ ۱۷

دیگر سرکاری کاغذات سے بھی ثابت ہے کہ راجہ کی عورتوں کو زندہ کیا گیا اور اس کے بعد جو بڑاؤ ہوا وہ لکھنے کے قابل تھا بھی نہیں۔ یہاں ایک چشم دید مبصر کا بیان بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا:

”بہادر جنگ خاں رئیس دادری کہ اس کا وکیل مقام پہاڑی پر حاضر تھا، بروقت

طلبی سرکار خود آ کے حاضر ہوا۔ رئیس پٹوڈی بدو ن طلبی خود آ کے حاضر ہوا یہ رئیس

غیر میں اپنی قوت سے زیادہ فوج باغی سے لڑا تھا، آخر شکست کھا کے بھاگ

گیا تھا۔ گھر اس کا فوج باغی نے ٹوٹ لیا رئیس بلیجہ گڑھ بھی قید ہو کے

آیا کہ بروقت ہنگامہ دہلی بادشاہ کی طرف سے فوجداری بیرون شہر کا سب

اختیار اس کو دیا گیا تھا۔ ایک انگریز منڈرو صاحب جو پناہ گیر جا کے بلیجہ گڑھ

میں آیا ہوا تھا وہ وہیں مارا گیا۔ رئیس لوہارو بروقت ہنگامہ دہلی شہر میں مقید

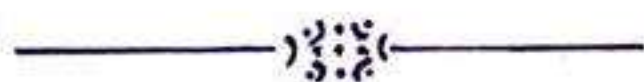
فوج باغی ہو گئے تھے، شہر سے نکل سکے۔ علاقہ زمینداران نے ٹوٹ کے گڑھی

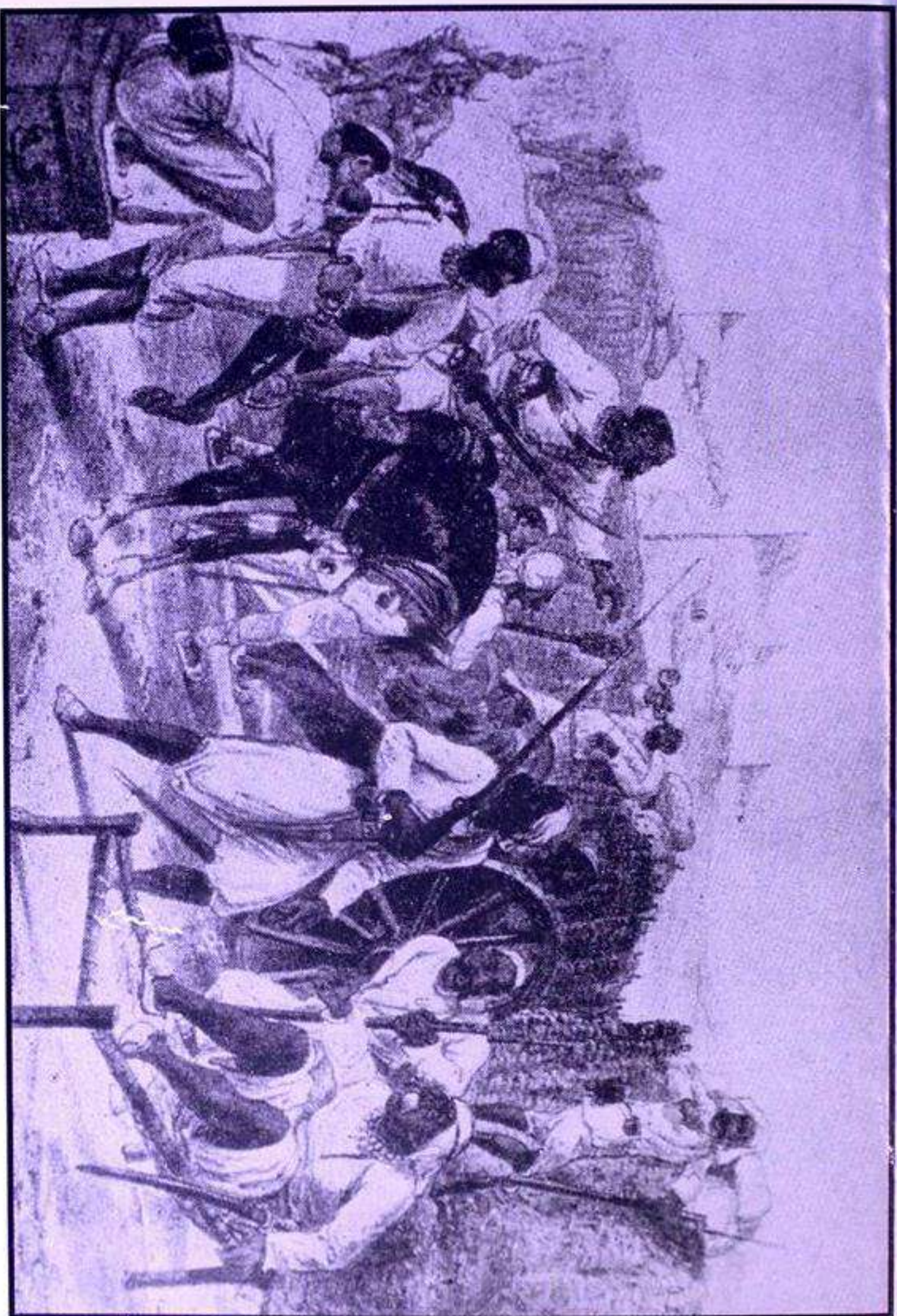
قصبہ بوڈھیڑہ کو مسمار کر دیا تھا۔ یہ نالشی سرکار میں حاضر ہوئے ریاستیں

ضبط ہو گئیں۔ جھڑ کے علاقہ میں سے پرگنہ نار نول مہاراجہ پٹیا لہ کو بطور انعام

کے ملا۔ پرگنہ کا نوندہ مہاراجہ مذکور نے اپنے روپے سے خرید لیا۔ پرگنہ کا نئی بادل مہاراجہ
 نا بھ کو خیر خواہی میں بطور انعام مرحمت ہوا۔ دادری ضبط ہو کے بہادر جنگ خاں
 رئیس دادری کا ہزار روپے ماہانہ مقرر ہو کے لاہور میں رہنے کا حکم ہوا۔ پرگنہ
 دادری خیر خواہی میں مہاراجہ جیندھ کو عنایت ہوا۔ وابستگان جھجر کی رسم دار
 بہ قدر خور و نوش پنشن مقرر ہو گئی، لہذا دھیانہ میں رہنے کا حکم ہوا۔ پاٹودی، دو جانہ
 لوہارو بدستور اپنی صورت پر قائم رہے“ لہ

نواب جھجر کا خسر عبدالصمد خاں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، یہاں سے فرار ہو کر ناول بھنچا اور راولپنڈی
 کے ہمراہ انگریز فوجوں کا مقابلہ کیا۔ پھر راجپوتانہ کی طرف نکل گیا اور جنگوں میں حصہ لیتا رہا جس کا
 ذکر مناسب جگہوں پر نظر سے گزرے گا۔ دادری کے والی بہادر جنگ خاں کا بھتیجا نواب محمد علی
 (ولد شیر جنگ) دہلی میں (کوچہ چیلان) رہتا تھا۔ شکست کے بعد گورے اس کے مکان میں
 گھس گئے تو عورتیں کنوئیں میں کود گئیں۔ نواب نے تین گوروں کو ہلاک کیا اور پھر خود بھی کام
 آیا۔ مکان توپ سے اڑا دیا گیا۔





۱۸۵۷ء کے مجاہدین آزادی کی ایک ٹکڑی

آگرہ۔ علی گڑھ اور سرگھڑ ڈویژن

آگرہ ڈویژن میں اٹاواہ، مین پوری، ایٹہ، فرخ آباد اور متھرا وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔ آگرہ شمال مغربی صوبوں کے گورنر کول ون کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہاں عیسائی مشنری پادری اپنے مذہبی پرچار کے کاموں میں مصروف تھے، ان کے اسکول ہندوستانی بچوں کو عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنے کا فرض آہستہ آہستہ انجام دے رہے تھے۔ لیکن اس کے رد عمل میں ہندوستانی اور خصوصاً مسلمان علماء پادریوں سے مناظرے اور عیسائیت کا رد عمل کرنے میں ہمہ تن منہمک تھے مولانا احمد اللہ شاہؒ نے یہاں دورے کیے اور تقریریں کیں جس سے نہ صرف مذہبی رجحان پیدا ہوا بلکہ غلامی کا احساس بھی۔ انھوں نے یہاں علماء کی ایک جماعت، مجلس علماء بھی قائم کی تھی۔ مولانا احمد اللہ کی آمد کی بدولت کچھ عرصہ پہلے ایک ہنگامہ بھی ہو چکا تھا جسے بناوٹ کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔

۱۸۴۷-۴۸ء میں مولانا احمد اللہ شاہؒ نے آگرے کو اپنا مرکز بنا کر جہاد کی تبلیغ شروع کی وہ مفتی انعام اللہ صدیقی کے یہاں مقیم ہوئے جہاں آگرے کے اکثر علماء اور رئیسوں کا مجمع رہتا تھا۔ ان میں شاہ محمد قاسم دانا پوریؒ، غلام امام

شہید۔ مولوی کریم اللہ (حج) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علماء اور معززین نے مولانا احمد اللہ کے عزم جہاد کی تائید کی اور امداد بہم پہنچائی۔ مولانا احمد اللہ اپنے رفیقوں کو لے کر شاہجہانپور کی طرف روانہ ہوئے لیکن انگریز حکام نے کسی طرح اس بارود کی بوسٹونگھ لی اور مذکورہ حضرات پر رشوت ستانی کے الزام میں مقدمہ قائم کر دیا جس کی سماعت کے لیے مراد آباد کانج و سن بلایا گیا۔ مقدمے کا ثبوت بہم نہ پہنچ سکا، صرف شاہ قاسم کو سزا ہوئی۔ اس کا اصل مقصد رشوت ستانی نہیں تھا بلکہ انگریزوں کو یہ غم و غصہ تھا کہ یہاں کے علماء مفتی، صوفی اور معززین جہاد کی حمایت کیوں کر رہے ہیں۔ اسی سال (۱۸۴۷ء) تمام وکلاء اور عہدہ دار جو و سن گردی کی لپیٹ میں آئے ترک وکالت و ملازمت کر کے علیحدہ ہو گئے شاہ قاسم بھی دانا پور چلے گئے ۱۸۵۷ء کی بغاوت تک اس و سن گردی کو دس سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ اس دوران میں پادریوں سے علماء کے مناظرے ضرور منظر عام پر ہیں۔ تاہم بغاوت کی کسی سازش کا پتہ نہیں چلتا لیکن ایسی کارروائیوں کا عدم وجود بھی قرین قیاس نہیں۔ جے ڈبوشیر نے اپنی کتاب میں نواب ولی داد خاں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اگرے کی بغاوت کی سازشوں میں شریک تھے اور وہ

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گزشتہ)

۱۷ ابوالعلائی ابن سید تراب الحق، سلسلے کے سجادہ نشین تھے، پہلے الہ آباد کچہری میں ملازم رہے۔ ۱۸۴۵ء میں اگرہ صدر نظامت میں سل خواں تھے، تصانیف اسرار قاسمی، اعجاز غوثیہ وغیرہ

۱۸ ولد شاہ غلام محمد ساکن امیٹھی (لکھنؤ)۔ عربی فارسی کے عالم، عاشق رسولؐ تھے۔ فارسی میں ”کلیات شہید“ اردو میں ”انشائے بہار بے خزاں“ تصانیف ہیں ۱۸۶۷ء میں وفات پائی۔

۱۹ اگرے کے جج، ساکن پچھراؤں ضلع مراد آباد۔ مفتی انعام اللہ کے دوست تھے ۱۸۵۸ء میں وفات پائی

۲۰ قادری (حامد حسن) : داستان تاریخ اردو ص ۳۱۶

خود اُن سے اسی زمرے میں نہیں ملا بھی تھا۔ ۱۷

عیسائیت کا پرچار | اگرہ، فتح گڑھ اور فرخ آباد کے علاقے عیسائی پادریوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ یہاں مشنری اسکولوں میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ انہی کی زبانی سنا جائے تو بہتر ہے۔ رابرٹ اسٹوارٹ فلرٹن کے خطوط جو اُس نے انگلینڈ وغیرہ کو لکھے، کتاب صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک خط میں وہ لکھتا ہے:

”تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کچھ لڑکے کس طرح بائبل سے جوابات دیتے ہیں جو روزانہ ان کو پڑھائی جاتی ہے وہ اس کی سچائی کے قائل ہیں۔ اپنی ذات پات کے ڈر سے مندروں میں جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اُن کا دھرم جھوٹا ہے۔“

ایک اور خط مورخہ، جنوری ۱۸۵۲ء کا اقتباس ملاحظہ ہو:

”تقریباً ستونچے عیسائیت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان میں سے یقیناً بڑی اکثریت عیسائی بن جائے گی..... کام جاری ہے اور نتیجہ جلد نظر آئے گا چاہے میں اُسے دیکھنے کو زندہ نہ رہوں“ ۱۸

چپا تیاں تقسیم ہوتی ہیں | فروری و مارچ ۱۸۵۳ء میں تمام ملک میں چپا تیاں تقسیم کی گئیں جن کی تفصیلات ہم علیحدہ باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اگرے کے علاقوں میں بھی یہ چپا تیاں تقسیم ہوئیں چنانچہ پادری فلرٹن ایک خط میں کہتا ہے:

”اب مجھے یقین ہے کہ یہ چپا تیاں سپاہیوں نے تقسیم کرائیں اور ان کی وضاحت یہ تھی کہ ہم مختلف ذات پات کے لوگ ایک دوسرے الگ ہیں لہذا آؤ ہم ایک بار

1. SHERER (J.W): Daily Life During the Mutiny

2. LUCAS (J.J): Memoirs of Robert Fullerton p. 46

اس روٹی سے ایک ہو جائیں اور غیر ملکوں کو اپنے دیش سے نکال دیں“ لے

انہی حالات نے مسلمان علماء کو آگرے کی طرف کھینچا جنہوں نے پادریوں سے معرکتہ الارامناظر کے کیے، کتابیں لکھیں اور تقریریں کر کے عیسائیت کا رد کیا۔ ان علماء کے ساتھ یہاں کے اسسٹنٹ سرجن ڈاکٹر وزیر خاں، مولانا رحمت الشکر انوی اور مولانا فیض احمد بدایونی بھی تھے۔

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی خبریں آنے پر آگرے میں دہشت اور
بغاوت کی آگ ہر اس بڑھ گیا۔ ۳۰ مئی کو دو پلٹنیں جو خزانے کی حفاظت کے لیے متعین
 بھیجیں گئیں باغی ہو کر دہلی چلی گئیں لہذا اگلے دن باقی ہندوستانی سپاہ سے ہتھیار چھین لیے
 گئے کیونکہ ایسی سپاہ کی بغاوت کے امکانات پیدا ہو گئے تھے چنانچہ گوالیار کی بغاوت کے بعد
 آگرے کی گوالیار کنٹنڈنٹ بھی باغی ہو گئی۔ ۱۳ جون کو نصیر آباد کے باغی دستے قریب آگئے۔ افواہ
 تھی کہ بھرت پور کے باغی ان سے مل کر آگرے پر حملہ کریں گے۔ اس درمیان میں مختلف جگہوں
 پر آگ لگتی رہی۔ ۱۲ جون ۱۸۵۷ء کو جمنائے کے مشرقی کنارے پر آگ لگتی نظر آئی اسی طرح، ۱۳ جون
 کی رات کو دو جگہ آگ لگی۔ انگریزوں کو مختلف جاسوسوں کی بہم کردہ اطلاعات سے تصدیق ہو
 گئی کہ یہ آگ بغاوت کی ابتداء ہے اور انتظامیوں کو آگاہ کرنے کے لیے لگائی جا رہی ہے۔ ۲۰ مئی
 کو نیٹوان فیڈری کا ہسپتال بھی جلادیا گیا۔ علاقے کا لفٹیننٹ گورنر کولون یہیں مقیم تھا۔ بغاوت

1. LUCAS: Memoirs p. 75

لے

لے وزیر خاں شرفائے افغانہ ساکن بہار سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد محمد نذیر زمیندار تھے۔ ڈاکٹر وزیر
 نے انگریزی تعلیم مرشد آباد میں حاصل کی اور ڈاکٹری انجلینگ میں تکمیل کی۔ عبرانی اور یونانی زبانیں
 سیکھیں، عیسائیت کا مطالعہ کیا۔ ان کا آگرے میں تقرر ہوا۔ انہوں نے پادریوں سے مناظرے میں
 حصہ لیا اور کتابیں بھی لکھیں وہ مجلس علماء کے رکن بھی تھے۔ بغاوت میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا
 آخر میں شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ رہے اور مکہ معظمہ چلے گئے۔

کی خبروں نے انگریزوں میں دہشت پیدا کر دی اور انہوں نے قلعے میں پناہ گاہ بنالی۔ میگزین اور غلہ وغیرہ سب طرح تیار کر لیا، عیسائی اور انگریز قلعے میں رات بسر کرنے لگے۔ اس درمیان میں نیچ اور نصیر آباد میں بغاوت کے بعد خبریں آئیں کہ وہاں کی باغی سپاہ بمع شہزادہ فیروز شاہ اس راہ سے دہلی جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نصیر آباد کی سپاہ تو الگ ہو کر دہلی چلی گئی مگر نیچ کے انقلابی سپاہیوں نے آگرے کا راستہ لیا اور راجہ الور کی فوج کو اچنیر کے مقام پر شکست دے کر آگرے سے چار میل دور قیام کیا۔ یہاں انگریز اور عیسائی سب قلعے میں بند ہو گئے تمام چھاؤنی اور خزانے پر کوٹ کنٹنٹ کے سپاہی پہرے پر مقرر کیے۔ اسی کوٹ کنٹنٹ رسالے کو مقابلے کے لیے بھیجا گیا مگر جیسے ہی انقلابی فوج سامنے آئی، اس رسالے کے سپاہیوں نے انگریزوں سے کہا کہ ”تم رسالے میں سے چلے جاؤ، ہم سے نوکری کے واسطے دین نہیں چھوڑا جاتا“ یہ کہہ کر ”دین دین“ کہتے ہوئے باغی فوج میں جا ملے۔

۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے قلعے میں پناہ لی۔ ڈاکٹر سین نے لکھا ہے کہ انگریزوں نے یہاں بغاوت کو مسلمانوں کی تحریک سمجھ کر مذہبی اختلافات کو ہوا دینا چاہا، گوالیار اور بھرت پور کے جاٹ اور مرہٹہ دستے طلب کیے۔ بھرت پور کے دستے تو پوری طرح مسلح نہ تھے اور گوالیار کے دستوں پر بھروسہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں بھرت پور کے دستوں نے نیچ کے باغی سپاہ کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ۵ جولائی کو نیچ اور نصیر آباد کے باغی دستے آگرہ پہنچے تو کوٹ کنٹنٹ بھی باغی ہو گئی، موضع شاہ گنج پر انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ باغی فوجوں میں آزمودہ اور قواعد اس سپاہی تھے اور ایک پلٹن کی کمان شیخ نیاز علی صوبیدار کر رہا تھا جس کے دونوں ہاتھ جنگ میں زخمی ہو گئے تو دوسرے انقلابی سردار نے الور کی سپاہ کو للکارا کہ ”تم کیسے دین کے شریک ہو، ہماری مدد نہیں کرتے“ انہوں نے جواب دیا کہ ”ہمارے ہتھیار تم نے چھین لیے اور قیدی بنا کر رکھا ہے ہم کیا مدد کر سکتے ہیں“ چنانچہ اس سردار کمانڈر نے انھیں ہتھیار واپس کر کے آزاد کر دیا کہ جو چاہو کرو اسی دوران ایک انقلابی دستے نے جو دائیں طرف سے بڑھا تھا، اچانک حملہ کیا، ادھر

الور کی فوج نے توپ کی زد پر رکھ لیا جس سے انگریزی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، انقلابیوں نے پچھا گھیرا اور گورے بمشکل تمام بھاگ کر قلعے میں واپس پہنچے۔ عوام نے یہ خبر پاتے ہی انگریزوں کے بنگلوں اور سرکاری دفتروں میں آگ لگادی۔ عیسائی آبادی (چھ ہزار) بھی قلعے میں بند ہو گئی جس کا محاصرہ نہیں کیا گیا۔ باغی فوجیں ایک دو دن ٹھہر کر متھرا کے راستے سے دہلی روانہ ہو گئیں۔ متھرا پر سیٹھ لکھمی چند نے کل فوج کی دعوت کی اور تین لاکھ روپیہ دیا، فوج آگے بڑھی۔ بھرت پور سے آگے قصبہ ہوڈل اور کوسی پر انگریزی فوج سے پھر مقابلہ ہوا جن کے ساتھ بے پور، بھرت پور وغیرہ کے والیان ریاست کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ سب فوجیں شکست کھا کر بھاگیں۔ مشہور ہے کہ شہزادہ فیروز آگرے ہی میں مقیم رہا اور باغی لشکر کے ہمراہ دہلی نہیں گیا۔ فتحپور سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مزار ہے۔ یہاں ان کی اولاد کے افراد بھی انقلابی جذبات رکھتے تھے چنانچہ عبدالحی جو اس وقت مزار کے منتظم تھے مع خاندان بنگاوت میں شامل ہوئے۔ انھوں نے تیج کے انقلابیوں کو پیغام بھیجے کہ وہ آگرے پر حملہ کریں اور ان کی مدد بھی کی، تحصیلدار کو گرفتار کر لیا اور بہادر شاہ کی حکومت کا اعلان کیا۔ فتحپور سیکری کے انقلابیوں کا سردار لال خاں میواتی تھا جس کی رہنمائی میں یہاں کے میواتی کافی عرصے تک بنگاوت کرتے رہے۔ دھول پور کے انقلابی بھی یہاں آگئے تھے اور انگریزی فوجوں سے تصادم میں بلندی پر واقع عمارتوں سے بھراستقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ فروری ۱۸۵۷ء

۱۷۔ انگریزی قبضے کے بعد عبدالحی یہاں سے باہر چلے گئے اور امن بحال ہونے پر واپس آئے۔ سزا سے تونچ گئے لیکن الاؤنس (وظیفہ) ضبط ہوا اور عہدے سے برخاست ہوئے۔

Proceeding Indian Historical Record Commission vol.21 p. 3

(1944)

میں انقلابیوں کی آخری پارٹی نکالی جاسکی۔

مفتی انتظام اللہ شہابی نے اپنی کتاب 'غدر کے چند علماء' میں لکھا ہے کہ آگرے پر حملہ کرنے والی فوجوں کی رہنمائی شہزادہ فیروز کر رہا تھا لیکن قیصر التوازیخ کا بیان ہے کہ شہزادے نے دہلی کی شکست کے بعد آگرے پر حملہ کیا۔ ڈاکٹر سین نے بھی یہی لکھا ہے اور یہی قرین قیاس ہے کہ شہزادہ مع فوج ۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو آگرے میں داخل ہوا اور اس کے چند روز بعد (۱۰ اکتوبر) گرتھیڈ اپنی فوج لے کر آیا۔

آگرے کے انگریز حکام نے اپنی فوجی طاقت کی نمائش کے لیے دستے روانہ کیے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ دستے صرف ہاتھ سرس تک گئے، غازیوں سے ایک ناکام تصادم ہوا اور واپس آ گئے۔ ان کے واپس آتے ہی شہر پر انقلابیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ ۹ ستمبر کو کولون کا انتقال ہو گیا چند دن بعد دہلی پر انگریزی قبضے کی خبر آئی لیکن اس کے ساتھ ہی دہلی کے انقلابی متحضر اپر آ گئے اور کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کدھر جائیں گے، اندور کے انقلابی پہلے ہی دھول پور میں موجود تھے۔ اگر دونوں مل کر قلعے پر دھاوا بولتے تو انگریزوں کی جان پر بن جاتی۔ مگر دہلی کے انقلابیوں نے جمناپار کی، اندور والے آگے نہ بڑھے۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں گرتھیڈ اس علاقے سے انقلابیوں کو نکالنے کی مہم پر آیا جس کو اندور کے انقلابیوں نے آگے بڑھ کر اچانک جنگ پر مجبور کر دیا۔ لیکن انقلابیوں کو شکست ہوئی اور آگرہ انگریزی قبضے میں آ گیا۔ اس کے بعد شہر کے انقلابی عوام کے حالات جاننے کے لیے پادری فلرٹن کا چشم دید بیان سنئے:

”جن جن لوگوں سے ہم ملے وہ ہمیں بے شک انگریزی فوج کی موجودگی اور اقتدار دوبارہ قائم ہونے پر بے چینی اور کرب کے عالم میں نظر آتے تھے۔ سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنی اُن تیاریوں کو بھی نہ چھپایا جو انگریزی فوج سے مقابلے کے لیے کر رہے تھے جبکہ وہ ان کے سر پر موجود تھے“ ۱

پادری فلرٹن کے مذکورہ بیان کے علاوہ انگریز حکام کی رپورٹیں بھی عوام کے جذبات کی عکاسی کرتی ہیں، چنانچہ

آگرے کے انقلابی جذبات

ڈبلومیور نے بمبئی ٹائمز کو ایک خط (۱۲ جون ۱۹۵۷ء) میں آگرے کے حالات تحریر کیے جس میں یہ بتانے کے بعد کہ آگرے کے عوام میں بغاوت کے جذبات اور سازشیں موجود تھیں، لکھتا ہے:

”اپنی انتہائی ذلیل ذہنیت کی بدولت وہ لوگ تمام ہندوستانیوں کے دلوں میں

بغاوت کی آگ بھڑکانے میں کامیاب ہوئے اور عیسائیوں کے خلاف سخت دشمنی کے

جذبات بیدار کر دیئے“ ۱

شہری عوام کے ساتھ گاؤں کے لوگ بھی بغاوت میں شریک تھے۔ عام طور پر یہ شعر پڑھا جاتا اور انگریزوں کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا:

نہ ایران نے کیا نہ شاہِ روس نے
انگریز کو تباہ کیا کار تو س نے ۲

خفیہ رپورٹوں میں لکھا گیا ہے کہ ہر گاؤں ایک چھوٹا سا قلعہ بن گیا دیہاتی عوام جو باغیوں سے ہمدردی رکھتے تھے ان کے ساتھ ہی بیک وقت بغاوت پراٹھے اور شاہِ دہلی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ آس پاس کے تمام علاقوں میں بغاوت پھیل گئی تھی۔ فیروز آباد کے علاقے میں تو فروری ۱۹۵۷ء میں بھی بڑے حصے میں بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ ۳

1. Freedom Struggle in UP vol.5 pp. 696-700

2. Record of Intelligence Deptt. NWFP Vol.1 p. 454

3.,4. Freedom Struggle in UP vol.5 pp. 415, 914

سوراؤں کے سنگرام سنگھ نے انقلابیوں کی راہ نمائی کی۔ لال رتن سنگھ نے ساکیت میں اور حسن مرزا نے علی گنج میں اقتدار حاصل کر لیا اور نواب فرخ آباد کی طرف سے بحیثیت تحصیلدار کام کیا۔ کانگڑ انقلابیوں کا خاص مرکز بن گیا یہاں اسد علی خاں بہ طور تحصیلدار مقرر ہوئے۔ دسمبر میں مجلس کے مقام پر اسماعیل خاں (پسروی داد خاں) سے انگریزی فوج کا تصادم ہوا اور پھر پٹیالی پر۔

آگرے کے انقلابی سرداروں میں سید کرم علی کو جو بغاوت سے پہلے ٹرانپورٹ کے محکمے میں ملازم تھے، جرم بغاوت میں پھانسی دی گئی اور ان کا محلہ قاضی پاڑہ مسمار ہوا (مزار قلعہ آگرہ کے پل پر ریلوے لائن کے پاس ہے)۔ سید اکبر زماں عالم وفاضل تھے، مجید تخلص کرتے تھے، آگرہ کالج اور فوجی محکمے میں منسلک رہے۔ مولانا احمد اللہ کی مجلس علماء کے رکن اور خفیہ سازشوں میں شریک تھے۔ غالباً کالے پانی کی سزا ہوئی۔ لال خاں میواتی نے انقلابیوں کی رہ نمائی کی اور جنگوں میں حصہ لیا، گر تہیڈ کے حملے میں شکست کے بعد فتح گڑھ چلے گئے جہاں نومبر ۱۹۰۵ء تک جنگوں میں شریک رہے۔ دولہ شاہ تارکش نے بھی آگرے کے معرکوں میں حصہ لیا، انھیں پھانسی ہوئی میر صفدر علی وکیل کو بھی پھانسی ہوئی۔

مقررہ میں نمبر ۴۴ اور ۶۷ رجمنٹ نے ۳۰ مئی ۱۹۰۵ء کو بغاوت کی جیل گارڈ دستہ بھی شریک ہو گیا جس کے بعد پورا علاقہ تیزی کے ساتھ بغاوت کی لپیٹ میں آ گیا۔ عوام نے انگریزی راج کو درہم برہم کر کے نیا نظام قائم کیا اور بہادر شاہ کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ جب نیچے کے انقلابی دستے ۵ جولائی کی جنگ میں انگریزوں کو شکست دے کر چلے گئے تو دیہی سنگھ نے چند گاؤں پر اپنے اقتدار کا اعلان کیا۔ سری رام بھی بغاوت کا سرغنہ تھا۔ اس علاقے کے دیگر زمیندار راجاؤں نے بھی ایسا ہی کیا۔ دیو کرن نے تحصیل اور پٹھانے لوٹے۔ ستمبر ۱۹۰۵ء میں کرامت علی کو شاہ دہلی کا گورنر قرار

دے کر انقلابی حکومت قائم کی گئی جو گرتھنڈ کے حملے پر ختم ہوئی۔ اس دوران میں متھرا سے شمال مغرب میں چھٹا کے مقام پر یہاں کے انقلابی زمیندار آخر تک انگریزوں کے مقابلے پر مجبے رہے اور ۱۹۴۷ء کے خاتمے تک ان علاقوں میں امن قائم نہ ہو سکا۔ اگرے کی پولیس بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ مراد علی کوتوال اور شارٹ علی سپرنٹنڈنٹ نے کھلم کھلا شاہ دہلی کی حکومت کا اعلان کیا۔ دروغ وزیر علی نے ایک تحصیل کو لوٹنے میں حصہ لیا۔ گوجر سردار دیو سنس (ساکن دھول پور) نے تین ہزار فوج جمع کر کے ارادت نگر کا تحصیل اور تھانہ لوٹا (۹ جولائی ۱۹۴۷ء) اس کے ساتھ بھوانی شکر بھی اسی طرح کی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ فیروز آباد۔ خیرا گڑھ۔ فتح آباد وغیرہ کی تقریباً تمام آبادی عملی طور پر بغاوت میں شریک تھی۔ کبیرا کا گوجر زمیندار کچھن سنگھ اپنے علاقے میں بغاوت کا لیڈر تھا مجسٹریٹ مہیم کی رپورٹ کے مطابق جن مقامی زمینداروں نے بغاوت کی رہ نمائی کی ان میں سکولی کے رانا مہندر سنگھ رورو (Ruro) کے راجہ۔ بہریمہ کے روپ سنگھ۔ سکندرہ کے راجہ بھاؤ چکرائی کے نرنجن سنگھ۔ رام پرشاد اور پیتم سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے چند راجاؤں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں گوالیار کی باغی فوجوں کی امداد کی جو یہاں حملہ آور ہوئیں۔ سامپتھر کے قلعے پر مختلف زمینداروں نے زبردست مقابلہ کیا۔ کچھ زمینداروں نے نواب فرخ آباد کو یہاں آنے کے لیے پیغام بھیجے جس کا ناظم ۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو پہنچا اور انگریزوں کے وفادار کنورز و ہار سنگھ کو شکست دی۔ اگرچہ ۱۱ ماہ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو انگریزی قبضے میں آگیا لیکن انقلابی زمینداروں کو عرصہ

1. CHAUDHURI: pp. 81-83

Freedom Struggle vol.5 p. 696

2. Hume's Report quoted by Kaye vol.3 p.223 (Chaudhuri 85)

تک دہایانہ جاسکا۔ روپ سنگھ (بہریہ کے راجہ کا چچا) نے اورایہ (Auraiya) پر قبضہ کر لیا اور، فروری ۱۷۵۷ء کو ایک سخت خون ریز معرکے کے بعد بھی اسے ہٹایا نہ جاسکا۔ اس کے فوجی دستوں نے شیراگڑھ کے گھاٹ پر کشتیوں کے پل پر سپہرہ لگایا اور کاپی کے انقلابیوں سے رابطہ قائم کر لیا۔ اُدھر جمیل ندی اور جمنہ کے درمیانی علاقوں میں چکرانگر کے خوشحال سنگھ اور اس کے بیٹے نرنجن سنگھ نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ۱۷

اعتماد پور میں ہمت پور کے زور اور سنگھ نے انقلابیوں کی سربراہی کی تحصیل کو لوٹا۔ فتح آباد کے گاؤں میں میگزین اور توپیں وغیرہ جمع کی گئیں۔ جے دیال اور منگل سنگھ نے گاؤں کے عوام کو منظم کیا۔ گنگا سنگھ نے لکشمی پور میں بغاوت کی رہنمائی کی۔ مارچ ۱۷۵۷ء میں اٹاواہ سے ۱۵ میل دور اجیت مل پر قبضے کے لیے جنگ شروع ہوئی، قرب و جوار کے عوام نے فوج تیار کر کے انگریزی فوجوں پر زبردست حملے کیے۔ ۱۱ اپریل ۱۷۵۷ء کو انقلابیوں نے یہاں جمع ہو کر مقابلہ کیا اور گھمسان کی جنگ کے بعد پاپا ہوئے مگر نرنجن سنگھ نے جمنہ پار کر کے گوبائی میں مورچہ بنالیا ابھی تک اجیت مل پوری طرح قبضے میں نہ آیا تھا کہ مئی ۱۷۵۷ء میں پھر لال پوری گوشائیں (نانا صاحب کا پر و ہت پیغام بر) روپ سنگھ اور نرنجن سنگھ حرکت میں آگئے۔ نرنجن نے کچھ ہونڈ کو لوٹ لیا۔ آخر کاپی کی شکست (۲۳ مئی ۱۷۵۷ء) کے بعد ان کے حوصلے پست ہونے لگے لیکن اکتوبر ۱۷۵۷ء تک جدوجہد کسی نہ کسی طرح جاری رہی اور، دسمبر ۱۷۵۷ء کو فیروز شاہ کے یہاں پہنچنے پر کچھ بغاوت کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ ۸ دسمبر کو ہرا چند را پور پر فیروز شاہ نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ ۹۲

۱۷ Hume's Report quoted by Kaye vol.3 p. 223 (Chaudhuri 85)

CHAUDHURI: p. 85

CHAUDHURI: p. 86

فرخ آباد اور فتح گڑھ

۱۷۷۷ء سے فتح گڑھ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بنائی گئی تھی اور ۱۸۵۷ء کے معاہدے سے یہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں

میں آیا۔ نواب کی پنشن (۱۰۸۰۰۰ روپیہ) مقرر کر دی گئی اور وہی سب کچھ ہوتا رہا جس نے اوڈھ اور روہیل کھنڈ کے عوام کو تنگ کر کے 'بہ جنگ آمد' کا مصداق کر دیا تھا۔ ۱۲ مئی کو فرخ آباد کے علاقوں میں میرٹھ کی خبر پہنچیں۔ نیو انفیٹری نے فتح گڑھ میں بغاوت کی۔ مئی کے آخر تک چاروں طرف بغاوت کے شعلے بلند ہو گئے تھے اور شہر و دیہات کے عوام ہتھیار سنبھال چکے تھے۔ جون ۱۷۷۷ء کے شروع میں یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ فرخ آباد کے نواب تفضل حسین خاں انقلابی رجحان رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ۴ جون کو بغاوت کے بعد ۱۷ جون ۱۷۷۷ء کو باقاعدہ تاج پوشی کر کے حکمراں بنادیا گیا۔ انگریز قلعے میں قید ہو گئے۔ ایک انگریز انسٹرکٹیو بیوی (مسز گنیل) کا بیان ہے کہ "میرٹھ شوہر نے مجھے نواب سعادت خاں کی پناہ میں دے دیا تھا جو بغاوت میں شریک تھے مگر اس کے باوجود پناہ گزینوں کی حفاظت بھی کی۔"

عوام کے جذبات یہاں بے حد متعل تھے۔ ہومز نے لکھا ہے کہ صوبے کے شمال و مغرب علاقوں میں اتنے جوشیلے اور امن دشمن لوگ کہیں نہ تھے جتنے کہ فرخ آباد میں تھے۔ انقلابی حکومت قائم ہونے کے بعد اشرف خاں، ملتان خاں، حیدر علی، محمد تقی نواب کی پیروی کنسل کے رکن بنائے گئے کہا جاتا ہے کہ نواب اشرف خاں یہاں بغاوت کے روح رواں تھے۔ وہ نواب کے مشیر خاص کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ معصوم علی، مراد علی، محسن علی اور احمد یار خاں مختلف علاقوں کے ناظم بنائے

۱۷۷۷ء کو تخت نشین ہوئے ۱۸۵۷ء کو ان کے پاس بیس ہزار کے قریب فوج تھی فرخ آباد کے کلکٹر نے انہیں سنجیدہ مزاج، مصوری کا ذوق رکھنے والا، بہترین منتظم اور خوش اخلاق بتایا ہے۔

۱۷۷۷ء بعض جگہ یہ نام عشرت خاں ہے۔ دہلی کے ساکن، انگریزی پنشن یافتہ اور بنگش کے نواب خاندان سے تھے، بکھری کے تمام انتظامات سنبھالے۔

گئے۔ تقریباً آٹھ ہزار فوج جمع کی گئی۔ وزیر علی نواب کے نائب تھے۔ احمد یار خاں نے جو تقریباً ڈیڑھ دو ہزار آدمی لے کر آئے تھے، ہر دروازے کے پاس قیام کیا ان کے ساتھ نمبر ۱، این آئی کے افسران صوبے دار امیر خاں اور امام بخش بھی تھے انھوں نے نواب کو بلا کر انھیں بغاوت میں حصہ لینے پر آمادہ اور مجبور کیا۔ نواب نے تامل کیا تو انھیں دھمکی دے کر مجبور کیا گیا انھوں نے کچھ دن بعد اپنا آدمی انگریزوں کے پاس فتح گڑھ بھیجا کہ وہ جو کچھ کر سکتے تھے کیا اب وہ باغیوں کے قبضے میں بے بس ہیں تھارن ہل نے ۲۲ جون ۱۸۵۷ء کو اس پیغام کا جواب دیا۔ نواب اپنے زمانے مکان میں خاموش بیٹھ رہے تو احمد یار خاں ان کے گھر پر گئے، تمام افسران فوج نے جن میں مہو کے پٹھان سردار، آغا حسین، گنگا سنگھ اور ایک دہو بے سردار شامل تھے، نواب کا حکم ماننے کا عہد کیا اور فتح گڑھ کے انگریزوں پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ فتح گڑھ میں نمبر ۱ این آئی اور پولیس نے سیتاپور کی باغی فوج کے یہاں پہنچنے پر انہی کے اشارے سے بغاوت کی اور خزانے پر قبضہ کیا۔ انگریزوں نے قلعے میں یا ادھر ادھر بھاگ کر جان بچائی۔ کچھ کا پنور کو بھاگے اور کچھ کو ایک زمیندار ہر دیو بخش نے پناہ دی۔ بھاگتے ہوئے انگریزوں پر گاؤں والوں نے جگہ جگہ فائرنگ کی۔ قلعے میں پناہ لینے والوں پر محاصرہ کر کے فائرنگ کی گئی اور پھر سڑنگ لگا کر اڑانے کی کوشش کی گئی کئی انگریز افسر مارے گئے اور آخر کار یہاں سے بھاگ سکے (۲ جولائی ۱۸۵۷ء) تو بچھا کیا گیا کشتیوں پر بیٹھ کر بھاگتے انگریزوں پر فائرنگ کی گئی۔ گاؤں والوں نے بھی انھیں نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا جن کے سردار گنگو سنگھ اور چھتر سنگھ تھے۔ غلام علی خاں سابق کو تو ال محمد آباد اب فرخ آباد کا کو تو ال تھا۔ جس نے قلعے کے محاصرے میں مدد کی، عیسائیوں اور انگریزوں کو گرفتار کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ مہاجنوں اور بانیوں میں کافی ہر دل عزیز تھا اس نے بغاوت کے دوران اعلان کر دیا کہ گائے ذبح نہ ہو اور قصائیوں پر ٹیکس عائد کیا۔ ٹھا کر جگت سنگھ پانڈے فتح گڑھ کا کلکٹر بنایا گیا۔ گنگا سنگھ اور آغا حسین اس کی مدد کے لیے دیئے گئے۔ کورٹ کے ممبران

میں گنگا سنگھ، شیو غلام ڈکشت اور پنڈت پتھر بھی شامل تھے۔ مفتی کورٹ میں احمد علی، عبدالواحد اور ایک قاضی شریک تھے۔ سابق حکومت کے تمام اہلکاروں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ ان کے علاوہ لیکھا سنگھ (الہ گنج) اور بھوانی کے پولندر سنگھ نے سیتاپور کے آئے ہوئے باغیوں کی مدد کی تھی۔ اس علاقے کے انقلابیوں کی ہمت اور شجاعت کی کہانی متعدد سرکاری رپورٹوں میں بیان کی گئی ہے خصوصاً اسماعیل خاں محسن علی۔ نرمل سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چار بار نواب کی فوج نے مقابلے کیے۔ پہلے ۲۳ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو قنوج پر پھر کا سگنج، پٹیلی، (۱۴۔۲۰ دسمبر) اور آخر میں کالی ندی پر ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو۔ اسی جنگ میں ٹھا کر پانڈے کام آیا۔ ایک اور انقلابی سردار نظیر علی خاں نے فرخ آباد میں جم کر مقابلے کیے۔ فتح گڑھ کی شکست کے بعد بھی جنرل نیاز محمد خاں کپل میں داخل ہوئے جنہیں ہوپ گرانٹ نے ۱۸ جنوری کو شکست دی۔ اس کے بعد معصوم علی کی فوج بھی شکست کھا کر منتشر ہو گئی۔ اس دور کے انگریزوں کی راک کے مطابق ”ہر ہندوستانی انگریز کا دشمن بنا ہوا تھا اور وہ چاروں طرف باغیوں سے گھر گئے تھے“ ۳

دہلی کی شکست کے بعد فرخ آباد اور فتح گڑھ انقلابیوں کا خاص مرکز بن گئے تھے جنرل بخت خاں بھی یہاں آکر ٹھہرے۔ شہزادہ فیروز۔ ولی داد خاں اور راجہ تپا سنگھ (مین پوری) یہاں کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ فیروز شاہ اور کوچک سلطان ۲ جنوری ۱۸۵۷ء تک مقیم

1. CHAUDHURI: pp.87-89

2. Narrative of Events vol.1,2 (Chaudhuri: 88-89)

3. The "Englishman" Dec.17,1857 quoted by Chaudhuri

تھے۔ (نواب کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوئے) آخر کار فرخ آباد کو تین طرف سے انگریزی فوجوں نے آگھیرا دہلی سے سیٹن (Seaton) کی فوج بڑھی، کمانڈر انچیف کمپل نے وال پول کو مین پوری کی طرف سے بڑھایا اور خود گنگا کی طرف سے حملہ کیا۔ پڑھ سن کی فوج بھی ساتھ ہو گئی۔ راستے میں ان کا مقابلہ نہیں ہوا صرف چھبرامنو چوبیس سواروں کو انتقالا بیوں نے کاٹ ڈالا اور گالی ندی کا پل توڑ دیا۔ انگریزوں نے پل کی مرمت کی تو چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی لیکن یہ اس وقت ہوئی جب پل کی مرمت ہو چکی تھی اگر پل کی مرمت سے پہلے انتقالا بی فائرنگ کرتے تو انگریزوں کو نہ صرف پل بنانا دشوار ہو جاتا بلکہ ان کے قدم بھی اکھڑ جاتے۔ آخر کار چاروں طرف سے گھر جانے پر نواب کی فوجوں کو شکست ہو گئی (۳ جنوری ۱۷۵۷ء) نواب تفضل حسین نے قلعہ خالی کر دیا اور آودھ جانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے کچھ جنگی سامان ساتھ لیا اور باقی کو آگ لگا دی۔ لیکن پھر بھی گورڈون الگزنیڈر، جو اس موقع پر موجود تھا، کہتا ہے کہ یہاں کم از کم ایک لاکھ پونڈ کی مالیت کے سامان کے علاوہ جنگی سامان، میگنیزین، بارود اور فیکٹری بدستور تھی جو انگریزوں کے ہاتھ لگی۔ ۱۷

نواب تفضل حسین خاں فرخ آباد سے نکل کر آودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگوں میں شریک ہے جس کا ذکر ان علاقوں کے بیان میں کیا جا رہا ہے۔ ۱۷۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے ان کی گرفتاری کے لیے دس ہزار روپے کا اعلان کیا گیا۔ جون ۱۷۵۷ء میں وہ نیپال چلے گئے لیکن راجہ نیپال کی دغا بازی نے وہاں بھی نہ رہنے دیا۔ (مزید حالات کے لیے علیحدہ باب "آخری دور" ملاحظہ ہو)

1. ALEXANDER (Cordon): Recollections of a Highland Subaltern, p. 194-95

SEN (S.N): pp. 234-236

ان کے ساتھیوں میں محسن علی اپریل میں ایک جنگ میں کام آئے۔ ٹھا کر پانڈے کا بھی یہی انجام ہوا۔ وزیر علی کو گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ ڈسٹرنگھ (راجہ ایٹھ) دسمبر ۱۹۴۷ء میں انتقال کر گیا۔ سہادر کے محمد علی چودھری دسمبر ۱۹۴۷ء میں پٹیالی کے قریب گرفتار ہوئے ان کے پاس سے باغیانہ خط و کتابت اور کاغذات برآمد ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ وہ انقلابی سرداروں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے اور انھوں نے فرخ آباد کے انقلابیوں کی امداد بھی کی، اپریل ۱۹۴۷ء میں مقدمہ چلا کر گولی مار دی گئی۔ نہال سنگھ اپریل ۱۹۴۷ء میں گرفتار ہوا وہ رام بہادر کے ساتھ کچھ عرصہ روہیلکھنڈ میں رہا پھر اپنے وطن ایٹھ لوٹ آیا اور یہاں بغاوت دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فرخ آباد کی شکست کے بعد بھی انقلابی حوصلے پست نہ ہوئے اور انھوں نے قائم گنج پر قبضہ کر لیا پھر فروری ۱۹۴۷ء میں شمس آباد پر سخت گھمسان کی جنگیں ہوئیں۔ نیاز محمد خاں نے کمپل میں ہوپ گرانٹ کو شکست دی۔ فروری ۱۹۴۷ء میں سورج پور کا راجہ۔ تیج سنگھ اور دوسرے جاگیرداروں کے علاوہ ولی داد خاں بھی آگئے تھے۔ محسن علی میورا گھاٹ بلگرام پر تھے۔ نرمل سنگھ مہدی گھاٹ پر حشمت علی کے دستوں کی کمان کر رہا تھا۔ منصب علی بھی قریب موجود تھے۔ تمام گھاٹوں پر حملے کا پلان تھا اور آپس میں پورا رابطہ قائم تھا۔ ملتان خاں کی کمان میں تین بار کمپل پر حملے کیے گئے۔ (مارچ اپریل ۱۹۴۷ء) ۳

۱۔ اخبار فرینڈ آف انڈیا کی خبر تھی کہ نواب فرخ آباد نانا صاحب سے برابر خط و کتابت کرتے رہے تھے۔

(فریڈم اسٹرگل یو پی/۲۶-۱۹۲۳)

2. Freedom Struggle in UP vol.5 p.887,940

۳۔ نرجن سنگھ ۲۹ مئی ۱۹۶۱ء کو مع ساتھیوں کے گرفتار ہوا۔ ملتان خاں کو سات سال قید (جولائی ۱۹۶۱ء) کی سزا ہوئی۔ احمد یار خاں بھی گرفتار ہوئے۔ اپریل ۱۹۴۷ء کی جنگوں میں محسن علی کام آگئے۔ فتح سنگھ (زیرت)

مین پوری۔ اٹا وہ اور ایٹہ
 علی گڑھ میں بغاوت کی خبریں جب ۲۳ مئی ۱۸۵۷ء کو
 مین پوری اور اٹا وہ پہنچیں تو یہاں بھی عوام بغاوت پر
 آمادہ ہو گئے۔ مین پوری کے حکام نے ایک شخص اے ناتھ سنگھ کے جیوتی جانے کی خبر سنی۔ یہ شخص
 میرٹھ کی بغاوت میں حصہ لے چکا تھا۔ اس کی گرفتاری کے لیے سپاہی بھیجے گئے جنہوں نے اس کو
 جیوتی سے ہٹا دیا اور افسران سے آکر کہہ دیا کہ یہاں اس نام کا کوئی نہیں۔ بغاوت کے بعد یہاں
 کی باغی فوج خزانہ اور گینزین لے کر دہلی چلی گئی۔

یہاں راجہ تیج سنگھ انقلابیوں کے ساتھ تھا۔ مین پوری کے تمام علاقے مثلاً بھوگاؤں، نبی گنج
 کروٹی وغیرہ کے عوام نے فوج کے ساتھ بغاوت میں حصہ لیا۔ نمبر ۱۹۔ این آئی نے ابتدا کی، خزانے
 پر حملہ ہوا۔ بھوگاؤں کا تحصیل اور تھانہ لوٹا گیا۔ راجہ تیج سنگھ چوہان راجپوت سردار تھا۔ اُسے
 ۱۸۵۷ء کی انگریزی اصطلاحات کی بدولت کافی نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ وہ خفیہ طور پر
 انقلابی تحریک اور سازش میں شریک رہا۔ اُس کا ایک عزیز اور بھوانی سنگھ 'وفاداری' کا دم بھر
 رہا تھا۔ تیج سنگھ اُس زمانے میں نینی تال میں تھا واپس آکر اُس نے انگریزوں کو یقین دلایا کہ
 وہ امن قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ کچھ دن بعد ساگر کی انقلابی سپاہ مین پوری آگئی۔ خیال
 یہ تھا کہ راجہ نے انھیں بلایا تھا۔ انگریزوں نے مدد چاہی تو تیج سنگھ نے کہلوادیا کہ اسے اپنے
 ساتھیوں پر بھروسہ نہیں ہے لہذا انگریز آکرے کو فرار ہو گئے اور راجہ نے ۲۹ جون ۱۸۵۷ء تک
 تمام انتظام سنبھال لیا، تھانہ تحصیل مقرر کی ٹیکس وصول کیے، آس پاس کے انقلابیوں کی مدد
 (حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ)

سنگھ کا بھائی) اچودھیا سنگھ۔ امراؤ سنگھ۔ گنگا سنگھ وغیرہ پر مقدمات چلائے گئے۔

کی اور اعلان کیا کہ اگر کوئی انگریزوں کا جاسوس پایا گیا تو سخت سزا پائے گا۔ لہ
جب ہوپ گرانٹ کی فوج اکتوبر ۱۹۴۷ء میں یہاں سے گزری تو تیج سنگھ ہٹنے پر مجبور ہو گئے
لیکن پھر فوراً واپس آئے اور انگریز کے 'وفادار' بھوانی سنگھ کو بھگا دیا جس نے آگرے میں پناہ لی۔
اپریل ۱۹۴۷ء میں انھوں نے مین پوری ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ وہ نواب فرخ آباد کے ہمراہ اودھ
اور روہیل کھنڈ کی جنگوں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ ٹھاکر اکر سنگھ بھی مین پوری کا انقلابی سردار تھا۔
جس نے بناوت کی رہنمائی کی۔

اٹاوا میں (آگرے سے شتر میل) بناوت بڑے پیمانے پر تھی۔ سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے
کہ چند ہی ضلعوں میں بناوت اتنی نمایاں رہی جتنی کہ یہاں تھی۔ یہاں کے کلکٹر ایلن ہوم نے ایک خاص
فوج بنا کر سڑکوں پر تعینات کی لیکن جب میرٹھ کے انقلابیوں نے حبسوت نگر کا محاصرہ کیا (۱۹ مئی) تو
ہیوم کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ جون ولیم کا بیان ہے کہ عوام نے پوری طرح متحد ہو کر انقلابی سرگرمیوں
میں حصہ لیا۔ سپاہ نے ہتھیار رکھ دینے کے حکم پر بظاہر تو ہتھیار رکھ دیئے لیکن پھر اچانک اٹھالیے،
انگریز افسروں کو قتل کر دیا اور ایک مندر میں پناہ لی۔ یہ دیکھ کر ڈنیل کچھ فوج لے کر آیا اور مندر پر حملے کا حکم
دیا لیکن سوائے ایک کے کوئی اور آگے نہ بڑھا اور ڈنیل کے ساتھ اس کے اس دیسی فرماں بردار کا بھی
خاتمہ ہو گیا۔ ۲۳ مئی کو تمام دیسی فوج نے بناوت کر دی، انگریزی کیمپ پر حملہ کیا، خزانہ لوٹا، جیل توڑا
اور دہلی روانہ ہو گئی۔ بیچارے کلکٹر کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ زنانے لباس میں فرار ہو
جائے۔ دیسی سپاہ کے ساتھ ہی شہری اور دیہاتی عوام میواتی، جولاہے، راج پوت وغیرہ بناوت

۱۔ تیج سنگھ نے ایٹھ پر حملے کا ارادہ بھی کیا لیکن فوج ناکافی ہونے کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ کنور رور سنگھ
نے انھیں آخر کار ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا (۱۱ جون ۱۹۴۷ء)۔ پنشن دیکر بنارس بھیج دیا گیا۔ (سین / ۳۶۳)

میں شامل ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں علی گڑھ کے برہمن کی قربانی کی خبریں آنے پر ۲۳ مئی ۱۸۵۷ء کو تمام فوج نے 'ہر ہر مہادیو' کا نعرہ لگایا اور بغاوت شروع ہو گئی۔ سکروٹی کے رانا مہندر سنگھ، بیلہا (Belah) کے راجہ، بہریہ کے روپ سنگھ، سکندرہ کے راجہ بھاؤ، چکرنگر کے نرنجن سنگھ۔ رام پرشاد اور پریم سنگھ وغیرہ باغیوں کے سردار تھے۔ سامپتھر کے قلعے پر پرانے زمینداروں نے جم کر مقابلے کیے جن میں سے کچھ نے گوالیار کی باغی فوج کی مدد کی جو اکتوبر ۱۸۵۷ء میں یہاں آئی۔ ۶ جنوری ۱۸۵۷ء کو اٹاواہ پر دوبارہ انگریزی قبضے کے بعد بھی باغی سردار ہمت نہیں ہارے۔ نہ صرف شیر گڑھ گھٹا پران کا قبضہ تھا بلکہ ضلع کے پورے جنوب مغرب علاقے پر قابض تھے۔ کئی بار انھیں ہٹانے کی کوشش ناکام ہوئی۔ روپ سنگھ نے دیل نگر میں بغاوت کی اور اورایہ پر قبضہ کیا جسے، فروری ۱۸۵۷ء کو ایک سخت خونین جنگ کے بعد نکالا جاسکا۔ انقلابیوں نے کاپسی سے رابطہ قائم کر رکھا تھا، چکرنگر پر خوشحال سنگھ اور اس کے بیٹے نرنجن سنگھ کا قبضہ تھا۔ میوالی تاج خاں کی سربراہی میں تھے۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں اجیت مل (اٹاواہ سے ۲۵ میل) پر سخت جنگیں ہوئیں۔

ایٹھ میں علی گڑھ کی خبریں آنے پر پوری دسی فوج نے شہر چھوڑ دیا۔ جب مین پوری اور اٹاواہ

1. Freedom Struggle in UP vol.5 pp.663-64

CHAUDHURI: Civil Rebellion During the Mutinies p. 84

CHAUDHURI: 85

KAYE: vol.3 pp 220-223

SEN: p. 332

SAVARKAR: p. 165

2. CHAUDHURI: p. 86

Freedom Struggle in UP vol.5 p 773

Imperial Gazetteer vol.1 p.455

کے باغی پہنچے تو تمام علاقے میں بے چینی اور بے گناہوں کے آثار نمایاں ہو گئے۔ کاسیج میں ڈسمبر ۱۸۵۷ء اور رنک بھاڑ
 نے رہنمائی کی۔ مین پوری کے راجہ کا بھائی درجن سنگھ اس کی مدد کو پہنچا۔ اگست ۱۸۵۷ء میں انقلابیوں
 نے مانک پور پر حملہ کر کے لٹا۔ انگریزوں نے بھیکم پور کے داؤد خاں کو اگست ۱۸۵۷ء میں کاسیج
 بھیجا مگر وہ نواب فرخ آباد کے حکام سے مل گیا۔ یہاں نواب کی طرف سے جولائی ۱۸۵۷ء میں حسن مرزا
 کو تحصیلدار، عظیم اللہ کو تھانہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ اگست ۱۸۵۷ء میں اسد علی خاں تحصیلدار بنا۔ اکتوبر
 ۱۸۵۷ء میں گرتھید کی فوج کے آنے پر باغی یہاں سے ہٹ گئے مگر کاسیج پر قبضہ کیے رہے۔
 بھٹونا کے پٹھان حرمت خاں، علی جان خاں، نظام علی، محمد حسین اور دل شیر خاں وغیرہ کی
 رہنمائی میں تھے انھوں نے دسی سپاہ کو بے گناہوں پر آمادہ کیا، سازشیں کیں اور کاسیج وغیرہ کے علاقوں
 میں بے گناہوں کی سہاؤر کے چودھری محمد علی کے پاس کاغذات برآمد ہونے کا سراغ ملا۔ ان سب کو
 بعد میں پھانسی ہوئی۔ ضلع ایٹہ کے جن لوگوں کو ضبطی جائداد اور دوسری سزائیں ملیں ان میں چند
 یہ تھے :

عظیم اللہ (ساکن علی گنج)

محمد حسین خاں وغیرہ

محمد علی خاں (سہاؤر)

ہمت علی خاں (سراول)

ٹیکارام (ساکن ستمود)

امانت علی اور تہور خاں

شیر سنگھ اور میگھ سنگھ (ساکنان ملاواں)

۱۔ دسمبر ۱۸۵۷ء میں مختلف انگریزی فوجیں بڑھیں تو کرنل سٹین کی فوجوں نے کنگری (ضلع
 علی گڑھ) پر باغیوں کو شکست دیکر کاسیج پر قبضہ کیا۔ (اپریل گزیٹر جلد ۱ ص ۴۶۸)

جودھاسنگھ (ساکن قادر باڑی)

فیروز آباد کے بڑے حصے میں فروری ۱۹۴۷ء تک بغاوت دبائی نہ جاسکی تھی۔ انگریز حکام کی خصوصی رپورٹ تھی کہ یہاں کے باشندے ابھی تک ہتھیار سنبھالے ہوئے ہیں۔ زمینداروں نے نمایاں طور پر حصہ لیا۔ وہ ادھر ادھر بھاگ جاتے مگر بعد میں پھر جمع ہو کر مقابلہ کرتے تھے۔ ان میں بھدوریہ کاراجہ سب سے اہم تھا جس پر انقلابی سرداروں سے رابطہ رکھنے اور اپنے ہم ذات راجہ گوندہ سے خط و کتابت کا شبہ تھا۔ پرگنہ باہ کی بغاوت میں کچھ راجہ کے راجہ نے بھی حصہ لیا۔ ۱۹۴۷ء کے شروع میں انقلابی سردار رحیم علی خان دوآبہ کے علاقے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ ایٹھ اور سکندرہ راؤ کے درمیان گرانڈ ٹرنک روڈ پر تھا۔ گنگا سنگھ نے موقع پا کر ایک پولیس چوکی پر حملہ کر دیا۔

ان علاقوں کی بغاوت کا مختصر احوال انگلینڈ رٹف کی زبانی سنیں، اپنی کتاب میں کہتا ہے :

عام بغاوت

"The Populace was all in arms..."

تمام آبادی ہتھیار لے کر بغاوت پر کمر بستہ تھی..... دیہات کے ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مسلمان پورے طور پر اور ہندو آبادی کا تین چوتھائی حصہ باغی تھا۔

ایک جگہ یہ کہانی وہ اس طرح سناتا ہے :

دو یہاں تک کہ دہلی کے آس پاس اور وہ بھی ہمارے دہلی فتح کر لینے کے

ہفتوں بعد حالات کیا تھے؟ — صرف چند میل کے دائرے میں چاروں طرف ہمارے دشمنوں کے مضبوط قلعہ بند گاؤں کا سلسلہ تھا جن میں ہزار ہا بد معاش اور زخمی سپاہی وغیرہ اُمدے آتے تھے۔“ ۱۔

میرٹھ میں بغاوت شروع ہونے اور انقلابی سپاہ کے دہلی کی طرف بڑھنے کے حالات ہماری نظر سے گزرے۔ تسلسل قائم رکھنے کیلئے مناسب تھا کہ میرٹھ ڈویژن کے دوسرے علاقوں کے حالات بعد میں بیان کیے جائیں۔

میرٹھ کے قریبی علاقے

میرٹھ کے دیہات اور قصبوں میں جو زبردست عوامی بغاوت ہوئی وہ سرکاری رپورٹوں سے کسی حد تک سامنے آئی ہے کمشنر ایف ولیم کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغاوت کی ابتدا ہوتے ہی ان علاقوں کے عوام نے بعض جگہوں پر فوجی بغاوت سے پہلے ہی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو سردھنہ کی تحصیل پر راج پوت اور دوسرے دیہاتی عوام نے حملہ کیا اور قیدی رہا کئے گئے۔ تحصیل بناوڑ میں قلندر خاں کی راہ نمائی میں انقلابی سرگرمیاں رنگ لائیں۔ اکل پوتہ کا راج پوت سردار زرت سنگھ جو انتہائی خوب رو اور صحت مند نوجوان تھا، سردھنہ پر حملے میں پیش پیش تھا۔ انگریزوں نے خزانے پر حفاظتی انتظام کر لیا تھا۔ انقلابیوں نے باشندوں پر ٹیکس لگایا۔ جہنا پرکشتیوں کے پل کو تباہ کر دیا، بعض مقامات پر لوٹ مار بھی ہوئی۔ جب اکل پور کو انگریزی فوج نے تباہ کر دیا تو زرت سنگھ اور اس کے ساتھی یہاں بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے کام آئے انگریزی فوج کا ہیڈ کوارٹر (سردھنہ) بیگم سمرو کے قلعے میں تھا۔

۱۔ DUFF: the Indian Rebellion... Series of Letters p. 112

ماوی جاٹ قبیلے کے سردار شاہ مل سنگھ (عرف مہو سنگھ) کا نام انقلابیوں میں سرفہرست نظر آتا ہے جو بھروں کا زمیندار تھا۔ شاہ مل سنگھ نے بہادر شاہ کی حمایت کا اعلان کیا اور دہلی سے صوبے داری کا پروانہ حاصل کیا۔ اُس نے بڑوت کی تحصیل کو جلایا، باعظمت کا پل توڑ دیا اور ہنڈن ندی کے پل پر حملہ کرنے کا پلان بنا رہا تھا۔ دیولا اور بسودھ وغیرہ گاؤں اس کی سرکرمی کا خاص مرکز تھے چنانچہ بسودھ میں انگریزی فوج سے اُس نے سخت مقابلہ کیا۔ یہاں انقلابیوں نے دہلی بھیجنے کے لئے جو رسد اور اناج کے ذخیرے جمع کیے تھے وہ بعد میں انگریزوں کے ہاتھ لگے۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب یہ اناج کے ذخیرے اتنے زیادہ تھے کہ فوج کی تمام گاڑیاں اُن کا صرف ایک حصہ ڈھو سکتی تھیں۔

شاہ مل سنگھ نے اُس پاس کے علاقے میں جو چور اسی دیس کہلاتا ہے، اعلان کر دیا کہ جو لوگ ہتھیار اٹھا سکتے ہیں وہ نکل آئیں اور اس کی مدد کریں۔ عوام اس کے جھنڈے تلے ہو گئے۔ اُس کا کھلا اعلان تھا کہ وہ گوروں سے جنگ کرے گا اور یا تو اُنہیں نکال دے گا یا خود ختم ہو جائے گا اُس نے بہادر شاہ کو امداد کے لیے لکھا اور دہلی سے سوار و پیادہ فوج مع توپوں کے دیولا بھیجی گئی مگر جاسوس برابر انگریزوں کو خبریں دے رہے تھے جس کی بنا پر وہ بسودھ اور دیولا کی طرف بڑھے اور ان گاؤں کو جلا دیا۔ جب دہلی سے امدادی فوج پہنچی تو یہ سب گاؤں جل چکے تھے۔ چوپارا، جعفر آباد، جوہری اور بیچ پوری وغیرہ گاؤں نے پوری طرح بغاوت

1. Narrative of Events p. 406

CHAUDHURI: Civil Rebellion p.64

DUNLOP (H.W): Services with Khaki Resala pp. 46,70,107

JOSHI: Ed. Symposium p. 197

میں شرکت کی۔ ان گاؤں کو خالی کر کے انقلابی عوام شاہ مل سنگھ کے ساتھ دوسرے گاؤں میں چلے گئے انگریزوں کو شاہ مل سنگھ کا اتنا ڈر غالب تھا کہ ایک بار شور بلند ہوا اور پتہ چلا کہ شاہ مل سنگھ ہلدوانی سے نکل کر ادھر آ رہا ہے تو انگریزی فوج وہاں سے ہٹ گئی۔ شاہ مل سنگھ کا بھتیجا بگدادہلی کی شاہی فوج میں جبرل تھا۔ اُس نے سیکری۔ بسودہ اور بروت میں انگریزی فوج سے کئی جگہ تصادم میں حصہ لیا اور سرسوتی میں جا کر چور اسی دیس کے لوگوں کو دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی یہاں باغیوں کا ایک اور لیڈر سنجارام بھی تھا۔ باغیت اور بروت کا تحصیلدار کرم علی جو ضلع روہتک کا ساکن تھا، بروت کا سرکاری خزانہ لے کر فرار ہوا، اس کا دوسرا ساتھی دیولا کاراج پوت زمیندار نول سنگھ تھا۔ سولانہ گاؤں کے راجپوتوں نے بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ ہنری ڈنلپ نے اپنی کتاب میں شاہ مل سنگھ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ پانچ ہزار آدمی تھے جو زیادہ تر گوجر تھے۔ گوجروں کی پوری آبادی باغی تھی۔ اس مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ مل سنگھ ایک جنگ میں کام آگیا (بمقام بروت)۔ اُس کا سر بانس پر رکھ کر انگریزی فوج نے اونچا کیا تاکہ یہ بات مشہور ہو جائے اور باغیوں کے حوصلے پست ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، انقلابیوں نے حملے بند کر دیئے اور پاپائی اختیار کی۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ اگر دہلی سے آنے والی فوج شاہ مل سنگھ سے آملتی تو ہمارا صفا ہو جاتا۔ اسی دوران میں نرپت سنگھ بھی ایک جنگ میں کام آگیا۔ ڈاسنہ۔ مسوری۔ اور ناہل وغیرہ کے علاقوں میں ایک راجپوت مسلمان رہنمائی کر رہا تھا، اس کا علاقہ ضبط کر کے ایک انگریز عورت کو دیدیا گیا۔ اسی طرح شوروڑ پور اور انگد پور وغیرہ کے گوجر اور جات باغیوں

کی زمین ضبط ہوئی چوراسی دس کے جاٹ چودھری کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ باغیت کا تھانے دار وزیر خاں بظاہر انگریزوں کا وفادار تھا مگر خفیہ طور پر دہلی سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ بعد میں میرٹھ جیل میں قید کیا گیا۔

سہارن پور رڑ کی | سہارن پور کے علاقوں میں بغاوت کے لیے جو سازشیں ہو رہی تھیں ان پر اگرچہ ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ گیا لیکن ڈسٹرکٹ گزیٹر سے ایک سازش کا پتہ چلتا ہے جو ۱۸۵۳ء میں بڑے پیمانے پر کی گئی۔ انقلابی رہ نما پورے دو آہ علاقے کی بیک وقت بغاوت کا پلان بنا رہے تھے لیکن وقت سے پہلے یہ راز کھل گیا اور بغاوت آسانی سے کچل دی گئی۔ اس سازش سے ۱۸۵۴ء تک کے زمانے میں بھی یہاں ایسی خفیہ جدوجہد کا وجود بعید از قیاس نہیں ہے۔ ۱۸۵۴ء میں بھی یہاں جیل کے محافظ دستے کے سپاہی اور کوتوال قرب و جوار کے گوجروں اور شہر کے انقلابیوں سے مل کر بغاوت کی اسکیم بنا رہے تھے۔ چند میل کے فاصلے پر گوجر جمع تھے جو شہر پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے مگر یہ خبریں انگریز افسروں کو پہنچ گئیں چنانچہ جیل گارڈ دستے سے ہتھیار لے لیے گئے اور فوجی مدد طلب کی گئی۔ گوجروں نے یہاں تو حملہ نہیں کیا لیکن رڑ کی کو آزاد کرالیا جہاں ۳۰ مئی کو دوبارہ انگریزی فوجوں نے قبضہ کر لیا۔ ۲ جون ۱۸۵۴ء کو سہارن پور میں فوجی بغاوت ہوئی اور منتشر حالت کی وجہ سے جلد قابو پالیا گیا کچھ لوگ بھاگ کر جنور چلے گئے، کچھ گرفتار ہوئے۔ ۱۳ جون کو ایک سوار دستے نے بغاوت کی او اگلے دن ایک گاؤں میں مقابلہ ہوا۔ یہاں سے سپاہی ہو کر دوسرے گاؤں میں باغیوں نے مورچہ لگایا، دوبارہ تصادم ہوا۔ یہاں گوجر اور زنگار وغیرہ قبیلے بغاوت میں شریک تھے۔ مانک پور (منگلور) کے امراؤ سنگھ نے اپنی عملداری کا اعلان کیا۔ نچور کا تحصیل تھانہ بھی برباد ہوا جب

مجسٹریٹ مقابلے کے لئے نکلا تو بدھا کھیری کے فتوے نے باغیوں کی رہنمائی کی۔ گاؤں کے عوام سے سخت معرکے ہوئے (۲۰ جون ۱۹۴۷ء) ان جنگوں میں گاؤں کے عوام کی عزم و ہمت کا اعتراف سرکاری رپورٹوں میں کیا گیا ہے۔ دیوبند میں انقلابیوں نے اور بھی زیادہ پامردی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں اُن کا زبردست اجتماع تھا (مجسٹریٹ رابرٹسن کی رپورٹ)۔ ۲۲ جولائی کو محمود پور اور دیوبند کے قریب پھر جنگ ہوئی لیکن دہلی کی شکست کے بعد کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور باغیوں پر ہولناک مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دیگر مظالم کے علاوہ سترہ گاؤں جن کی آبادی بغاوت میں شریک تھی، جلائے گئے۔

میرٹھ کے مزید حالات | ہنری ڈنلپ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بغاوت سے پہلے سورج کُنڈ کے قریب جو فقیر نمودار ہوا تھا اس کے بارے میں بعد میں یہ رپورٹ تھی کہ وہ دہلی کا ایک شہزادہ ہے جو فقیر کے بھیس میں گھوم رہا ہے۔ میرٹھ کا تحصیل دار گنگا پرشاد تھا جو گورنمنٹ کالج بریلی کا انگریزی تعلیم یافتہ تھا، اپنے چشم دید بیان میں لکھتا ہے کہ اپریل ۱۹۴۷ء کے آخر میں نمبر ۳ کیولری بارکس کے کچھ حصہ میں آگ لگی، پھر دوسرے تیسرے دن اس طرح کی وارداتیں ہوئیں۔ ۱۰ مئی کو جب شام کے ۵ بجے کے قریب بغاوت کی خبر ملی، میں نے باہر آ کر دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم صدر سے شہر کی طرف آرہا ہے۔ نمبر ۳ سوار فوج (کیولری) کا ایک سوار پوری تیزی سے نئے جیل خانے کی طرف جا رہا تھا اور چلا کر کہہ رہا تھا کہ ”بھائیو! ہندو مسلمانو! — جلدی کرو۔ دین کی جنگ میں ہمارے ساتھ شریک شریک ہو جاؤ....“ پھر ایک اور سوار اسی طرح گذرا اور فوراً ہی پچاس کے قریب سوار

۱۔ نیا جیل خانہ سول لائن اور سورج کُنڈ کے درمیان تھا۔ پڑانے اور نئے جیل سے تقریباً اٹھارہ سو فٹ دور تھا۔ دیہاتی عوام برابر بڑی تعداد میں شریک تھے۔

گذرے۔ وہ سب نئے جیل کی طرف جا رہے تھے، کافی تعداد میں سپاہی اُن کے ساتھ تھے۔ مغرب کے قریب انھوں نے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرا لیا اور میں حیرت میں پڑ گیا جبے یکھا کہ سیکڑوں کی تعداد میں عوام صدر سے آرہے ہیں جن میں سب ہی سپاہی نہیں تھے ہزار دہائی بھی برابر باغیوں کے ساتھ شریک رہے۔ وہ لوگ ”علی علی!“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ وہ ایک مکان کی طرف آئے جو پہلے مسز بلنٹ کا تھا اور پھر کچہری میں پہنچے، دونوں جگہوں کو لوٹ کر آگ لگادی۔ کچھ باغیوں کا غول جن میں جیل کے نجیب (پہرہ دار) بھی تھے عوام کے ہمراہ جیل توڑنے کے بعد واپس آکر ان کے ساتھ شامل ہوا جو کچہری میں لوٹ مار کر رہے تھے۔ اس کے بعد وہ تحصیل کی طرف آئے اور مجھ سے خزانے کی چابیاں مانگیں۔ میں نے دو کو گولی ماری۔ اس پر تمام مجمع سے شور بلند ہوا۔ ”علی! علی! نعرہ حیدری“۔ میں بھاگ کر پوشیدہ ہو گیا اور انھوں نے تحصیل اور میرا مکان لوٹ لیا۔ گنگا پرشاد کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں سے وفاداری کے مشوق میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس تمام ہنگامے میں صرف مسلمان حصہ لے رہے تھے اسی لیے وہ بار بار اس نعرے کو دہرا رہا ہے حالانکہ واقعات کے آئینے میں یہ بات غلط ہے۔

دہلی میں کشمیری دروازے کے قریب میگزین کو آگ لگا کر جو انگریز بچ کر بھاگے اُن میں لیفٹننٹ ولوبی لیفٹننٹ بٹلر اور انگیلو لفٹنٹ ہائس اوپ اور دہلی کالج کا اسٹورٹ کے علاوہ چھ اور تھے ڈنلپ نے شکست دہلی کے بعد ڈسٹرکٹ آفیسر کی حیثیت سے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے دہلی سے بھاگ کر ہندن ندی کے کنارے نیگ پور گاؤں میں پناہ لی تھی جہاں انھیں اچھا برتاؤ اور کھانا وغیرہ ملا اور ایک باغ میں رکھا گیا۔ لیفٹنٹ اوس بورن زخمی تھا اسلئے جب اور لوگ گوم ہیرا گاؤں گئے تو وہ نہ جاسکا۔ وہ دھوربری کے مقام پر پہنچا جہاں سے سید

اشرف علی نے میرٹھ بھجوا دیا۔ ولوبی کی پارٹی کو مہیڑا گاؤں پہنچی جہاں ایک اچارج برہمن کٹانے بلوایا اور ہتھیار طلب کیے۔ انکار کرنے پر یہ سب قتل کر دیئے گئے۔ تین آدمی کو مہیڑا میں قتل ہوئے اور بقیہ قریبی نہر کے کنارے۔ اس پاس کے گاؤں بتوہرا۔ غیاث پور۔ سوہنہ۔ کندورا وغیرہ تھے۔ ۱۵ جون کو کچھ سکھ ڈنلپ کے پاس آئے جسے ڈسٹرکٹ آفیسر مقرر کیا گیا۔ یہ فرسٹ اودھ کیولری کے تھے جو مہنات کر کے دہلی روانہ ہو چکے تھے۔ ان سکھوں کو ملازم رکھ لیا گیا اور ان میں سے ایک تین سنگھ کو ایک مسلمان سوار (نصیر خاں) کے ساتھ بریلی بریگیڈ میں بھیجنا طے ہوا۔ بریلی بریگیڈ جنرل بخت خاں کی سرکردگی میں دہلی جا رہا تھا اور اس وقت گجرواں پر تھا۔ اس سکھ کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ بریلی بریگیڈ میں جو سکھوں کی کمپنیاں شامل ہیں انھیں ورغلا کر الگ کر دے۔ یہ سکھ فقیر کا بھیس بدل کر گیا مگر بریگیڈ میں پہنچ کر نصیر خاں نے باغیوں کو پوری بات بتا دی۔ لہذا وہ مارا گیا اور نصیر خاں باغی بریگیڈ کے ہمراہ دہلی چلا گیا۔ بڑوت کے قریب ایک بوڑھا سکھ جو کہ بہت پہلے سے ملت پور گاؤں میں رہتا تھا، یہاں باغیوں کی رہنمائی کر رہا تھا، چند ماہ بعد اسے پھانسی دی گئی۔ شاہ مل سنگھ نے بڑوت میں ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف ایسٹرن جمنائیکینال کے جنگلے کو اپنا مرکز اور دربار بنایا تھا۔ یہاں کی جنگوں میں انگریزی رپورٹ کے مطابق ۱۶۵ باغی سیکری پر، ۱۵۰ سے زیادہ لہو دھ میں اور لگ بھگ اس سے کچھ زیادہ بڑوت میں کام آئے۔ شاہ مل سنگھ کے بھتیجے نے ماوی جاٹوں کے گاؤں سرسولی جا کر دوبارہ چوراسی لیس کے باغیوں کو جمع کیا۔ ہنڈن ندی کے کنارے سبچارام رہنمائی کر رہا تھا۔ ۱۷

۱۷ ہنری ڈنلپ/۵۸-۵۰۔ گوجر آبادی شمال مشرقی صوبوں میں تھی۔ وہ سرسہ، رلیاڑی، دہلی، میرٹھ اور علی گڑھ وغیرہ کثیر تعداد میں آباد تھے۔ کچھ بندیل کھنڈ کے شمالی علاقوں میں بھی تھے یہ لوگ اپنے آپ کو راجپوتوں کی اولاد بتاتے تھے جو پجلی ذات کی عورتوں سے پیدا ہوئی۔ ان میں کچھ کھیتی باڑی اور کچھ لوٹ مار کرتے تھے۔

منظف نگر

ہنری ڈنلپ، جو یہاں انگریزی فوجوں کا کمانڈر تھا، مظفر نگر کے بارے میں بتاتا ہے کہ یہ ضلع انتہائی پریشان کن حالت میں تھا۔ بڑی تعداد میں مسلمان، مادی جھاٹ اور دوسرے لوگ بنوئی اور پرسولی وغیرہ سے آکر برہانہ میں جمع تھے۔ یہاں فوج کی بناوت سے پہلے ہی عوام میدان میں آگئے تھے اور ہم ارمی کو تکسیل لوٹی گئی، جیل خانہ لوٹا، بنگلوں میں آگ لگادی گئی۔ ۲۱ جون کو رمنڈ ۴ (بے قاعدہ) نے بناوت کی اور افسروں کو قتل کیا، انگریزی راج کا خاتمہ ہو گیا، ستمبر تک بناوت بڑے پیمانے پر کھیل چکی تھی چنانچہ کمشنر اور مجسٹریٹ کی رپورٹ میں ہے کہ ”بناوت اتنے وسیع پیمانے پر تھی کہ گاؤں کے عوام، خصوصاً جنوب مغرب کے گاؤں کی تقریباً تمام آبادی باغی نظر آتی تھی۔“ ۱

ضلع مظفر نگر کے علاقوں تھانہ بھون، شاملی اور کیرانہ وغیرہ میں بہت سے علمائے جن کی راہ نمائی حضرت حاجی امداد اللہ کر رہے تھے، تحریک میں جہاد کی رُوح پھونکی اور انگریزی فوجوں سے مقابلہ کیا۔ تھانہ بھون کے قاضی اور کاندھلہ کے خیراتی خاں بھی انقلابی رہنما تھے۔ کیرانہ، شاملی، دیوبند، گنگوہ، نانوتہ وغیرہ سے لوگ تھانہ بھون پہنچے اور مجلس منعقد ہوئی۔ تمام علماء شریک تھے۔ محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی نے جہاد کے خلاف رائے دی آخر فیصلہ جہاد کے حق میں ہوا۔ سب سے پہلے باغ شیر علی کی سڑک پر مقابلہ ہوا اور کامیابی ہوئی

1. DUNLOP: Services & Adventures...p.117

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp.75-77

۳ قاضی محبوب علی اور ان کے بھتیجے عنایت علی ولد سعادت علی تھانہ بھون کے رئیس تھے۔ عنایت علی کے بھائی قاضی عبدالرحیم ہا تھی خریدنے سہارنپور گئے، کسی نے مخبری کر دی کہ یہ باغی ہیں لہذا انہیں مع ساتھیوں کے پھانسی دیدی گئی۔ اس واقعے سے عوام میں سخت غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔

پھر شاملی کی طرف بڑھے۔ علماء نے بہادر شاہ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ پہلا حملہ میگزین پر کیا گیا جو سہارنپور سے شاملی جا رہا تھا۔ انقلابیوں کے پاس اگرچہ دیسی ساخت کی توڑے دار بند و قیس اور تلواریں تھیں لیکن کامیابی ہوئی اور ہتھیاروں کا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ اس کے بعد جب کلکٹر کے آنے کی خبر ملی تو وہ شاملی پر حملہ آور ہوئے۔ حافظ ضامن علی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس حملے میں شریک تھے۔ سوانح قاسمیؒ مولف گیلانی میں ہے کہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی بھی اس جہاد میں شریک ہوئے (ص ۱۰۳)۔ مقامی حکام نے اپنی رپورٹوں میں انقلابیوں کے جوش و خروش سے بھرپور دلیرانہ حملوں کا حیرت سے ذکر کیا ہے۔ انگریز فوج نے پسپا ہو کر تحصیل میں پناہ لی۔ انقلابیوں نے تین دن محاصرے کے بعد تحصیل کا دروازہ توڑ لیا، ضامن علی شہید ہوئے۔ جب تحصیل لٹ جلنے کی خبر سہارنپور پہنچی تو فوج روانہ کی گئی اور تھانہ بھون کا محاصرہ کر کے گولہ باری کی گئی۔ اس توپ خانے کا افسر حضرت حاجی امداد اللہؒ کا معتقد تھا اور انقلابی ذہن کھٹا تھا، اُس نے توپوں کے منہ اوپر کی طرف کر دیئے اگلے دن صبح کو انگریز حاکم کو اس کا علم ہوا تو افسر توپ خانہ کو گولی سے اڑا دیا گیا اور اب باقاعدہ گولہ باری شروع ہوئی مگر قصبے کے انقلابیوں نے باہر آ کر حملہ کیا اور شکست دی۔ شاملی کا جاٹ زمیندار مہر سنگھ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ڈسٹرکٹ کمشنر میں ہے کہ تھانہ بھون بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ یہاں قاضی محبوب علی اور ان کے بھتیجے غنا علی نے دلیرانہ مقابلہ کیا۔ انگریزوں نے سکھوں اور گورکھوں کی مدد سے سات گھنٹے کی جنگ کے بعد انقلابیوں کو پسپا کیا۔ قاضی عنایت علی یہاں سے نکل کر بجنور اور نجیب آباد وغیرہ میں جنگ کرتے رہے۔

۱۷ بجنور کی شکست کے بعد عنایت علی دیوبند اور بھوپال گئے، جو دہ پورا اور الور میں مقیم رہے اور یہیں وفات پائی۔ مولانا گنگوہی جولائی ۱۸۵۷ء میں گرفتار ہوئے مقدمہ چلا لیکن رہا ہوئے۔ باقی علماء کے حالات علیحدہ باب میں بیان کیے جا رہے ہیں۔ شاملی کا تحصیلدار ابراہیم خاں 'وفادار' تھا، انقلابیوں کا مقابلہ کرتا رہا اور مارا گیا، قصبہ رام پور مہنیا ران کا ساکن تھا۔ سرسید نے اپنی کتاب 'خیر خواہ مسلمانان ہند' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قصہ کیرانہ میں مولانا رحمت الشکر انوی نے انقلابیوں کی راہنمائی کی۔ دھولانا کی راج پوت آبادی نے یہاں تھانے پر حملہ کیا، پولس کو نکال دیا اور تھانے دار تراب علی کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد اپنی سرگرمیوں کی دہلی اطلاع بھیجی اور ہدایات طلب کیں۔ جب انگریزی فوج سرحد پہنچی تو انقلابیوں کو فوراً تمام خبریں مل گئیں۔ ہنری ڈنلپ نے حیرت سے لکھا ہے کہ ہر جگہ ان کے ہمدرد موجود تھے اور ان لوگوں میں بھی تحفے جو باغی نہیں کہے جاتے تھے، "خیراتی خاں نے بدھانہ پر قبضہ کیا اور دہلی بھی گیا تاکہ مدد حاصل کرے مگر ناکام رہا۔ مظفر نگر کے جوائنٹ مجسٹریٹ اور دیگر افسروں کی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ یہاں سید زمینداروں نے دیہاتیوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور بغاوت کی سازشوں میں ان کا خاص حصہ تھا۔ دیہاتیوں نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ پولیس نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ تحصیلدار سید امدا حسین اور کوٹوال احمد حسن بھی بغاوت میں شریک تھے۔ شمالی علاقوں میں قاضی عنایت علی کی سرگرمیاں جاری تھیں ہندن سے جمنہ کی نہر تک تمام علاقہ باغیوں کے قبضے میں تھا۔ سید زمینداروں نے ایک مقام دربار پر جمع ہو کر بغاوت کا پلان بنایا۔ دوسرے زمینداروں سے رابطہ قائم کیا اور دیہاتیوں کو آمادہ کیا کہ وہ مہاجنوں کو ماریں اور شہر میں آجائیں۔ رات میں انھوں نے اپنے ساتھیوں کو لیکر انگریزوں کے ہنگلے جلا دیئے۔ بغاوت کے خاص سردار ابوالحسن۔ مظہر حسن۔ محمود حسن محمد حسن حسام الدین۔ فیروز علی معظم علی۔ فتو۔ نوردا۔ نتھا۔ بھوندو۔ ٹھا کر رام لال۔ خدا بخش۔ ہنری

۱۔ تراب علی کا سر کاٹنے پر دہلی کے انقلابیوں نے انعام کا اعلان کیا تھا۔ اسکو راج پوتوں نے گرفتار کر کے دہلی بھیجنے کے لئے لکھا لیکن سولانا کے راجپوتوں نے اسے رہا کر دیا۔

گلاب شاہ فقیر وغیرہ تھے۔

کاندھلہ کے خیراتی خاں پنڈاری کے خلاف ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فوج بھیجی گئی۔ انگریزی اقتدار دوبارہ قائم ہونے کے بعد بھی رضا خاں سرگرم تھا اور شاہ دہلی کے نام پر فوج جمع کر رہا تھا، انگریز حاکم کی رپورٹ کے بموجب تھانہ بھون میں بغاوت کی شدت کا سبب یہ تھا کہ قاضی عنایت علی کے بھائی (عبدالرحیم) کو سہارنپور میں پھانسی دی گئی تھی۔ چنانچہ دہلی کی شکست کے بعد بھی یہاں باغیوں سے تصادم ہوئے۔ شاملی میں مجاہدین کا جوش و خروش اس قدر شدید تھا کہ انھوں نے اُن سرکاری ملازمین کو بھی قتل کر دیا جنھوں نے تحصیل کی مسجد میں پناہ لی تھی (رپورٹ ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء) شاملی کا غلام محی الدین رسالہ بھی بغاوت میں شریک تھا۔ مظفرنگر کے علاقوں کا ایک اور باغی سردار مہراب خاں تھا جس کی سرگردگی میں ایک بڑی فوج دسمبر ۱۸۵۷ء تک منڈا اور (ضلع بجنور) میں تھی۔ آخر کار ۲۳ اپریل ۱۸۵۷ء کو اسے مکمل شکست ہوئی۔ مارچ اپریل ۱۸۵۷ء میں مارٹے خاں جو نواب محمود کا سپہ سالار تھا، مع فوج سرگرم تھا۔ محمد خاں اور عنایت علی بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تھے۔ یہ سب ملا کر چار ہزار سوار پیادہ فوج تھی۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں نواب محمود کی فوج نے کھنکل، ہردوار اور جوالا پور پر حملہ کیا۔ مایا پور پر قبضہ کر لیا اور رڑکی پر حملہ کرنے والے تھے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۵۷ء میں بجنور کے انقلابی دوا بہ کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔ کئی دن کی جنگوں اور مقابلوں کے بعد انھیں منتشر کیا جاکا اپریل گز بیٹر میں تھانہ بھون کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قصبہ بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ قاضی محبوب علی اور اس کا بھتیجا عنایت علی کی رہنمائی میں عام باشندے کھلی بغاوت کر رہے تھے۔ تھانے تحصیل پر قبضہ اور شاملی میں ایک سو تیرہ آدمیوں کا قتل اُن کے باہمت کارناموں کی کھلی مثالیں ہیں۔ شاملی کے فہر سنگھ نے بھی بہادر شاہ سے رابطہ قائم رکھا۔ قاضی محبوب علی نے انگریز فوجوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ ۱۷

میرٹھ میں جب یہ خبریں ملیں کہ نواب ولی داد خاں نے ایک بڑی فوج منظم کر کے گلاؤٹھی بھیجی ہے اور ہاپور پر حملے کا خطرہ ہے تو ۲۱ جولائی کو انگریزی فوج اُدھر روانہ ہوئی اور اگلے دن ہاپور پہنچی جہاں ولی داد خاں نے باغی دیہاتیوں کے ایک غول کے بچے اپنی پیدل اور سوار فوج چھپا رکھی تھی۔ یہاں ایک جنگ ہوئی اور انقلابیوں کے دوسرے درجہ مورچوں (پکٹ) کے انچارج تھے (اسمعیل خاں اور حاجی منیر خاں) زخمی ہوئے۔ ہنری ڈنلپ کا خیال ہے کہ اگرچہ بڑی تعداد میں ہندو مسلمان عوام بغاوت میں شریک تھے مگر سولانا گاؤں کے راج پوت ان میں نمایاں تھے (سولانا ضلع میرٹھ، ہاپور دہلی کے راستے پر ہے)۔ ۱۔

بلند شہر | میرٹھ ڈویژن کے کمشنر ایف ولیم نے میرٹھ میں بغاوت کی خبر سن کر علاقے کے تعلقہ داروں کو بلایا اور مدد کے لئے کہا۔ پہا سو۔ چھتاری۔ شکار پور اور خان پور وغیرہ کے تعلقہ داروں نے آدمی بھیجا کیے لیکن اس درمیان میں بغاوت شروع ہو گئی۔ ۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو نمبر ۹ رجمنٹ کے سپاہیوں نے انقلاب کا بھل بجا دیا۔ مجسٹریٹ کی رپورٹ ہے کہ وہ انتہائی جوش و غصے کے جذبات سے بھرپور تھے۔ نہ صرف شہری عوام بلکہ دادری اور سکندر آباد وغیرہ کے گوجر اور دیہاتی بھی سرکاری دفتروں کو برباد کرنے میں پیش پیش تھے۔ سکندر آباد میں ۱۲ مئی سے ہی ہراس پھیل چکا تھا۔ ۱۹ مئی کو ایک باغی رجمنٹ شہر میں آئی اور تمام سرکاری انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اسی رات کو گوجروں نے حملہ کیا۔ سکندر آباد کے قاضی کمال الدین رئیس شہر اور کوتوال، تحصیلدار وغیرہ بھاگ گئے۔ باغی سرداروں میں گلو (زمیندار چیتی)۔ پیر بخش خاں (تل بیگم پور) کے علاوہ دیگر زمیندار اور

1. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 75-77

DUNLOP: Services ... pp. 119-121

سلیم پور۔ رام پور وغیرہ کے گاؤں کے عوام۔ گڈھ مکیشتر کے چودھری تہور علی خاں۔ امر او سنگھ۔ نادار خاں وغیرہ شامل تھے۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب ”کوئی گاؤں گوجروں اور گیزروں کا ایسا نہیں تھا جس نے بغاوت میں حصہ نہ لیا ہو“۔ ۱

کلکٹ نے خزانہ میرٹھ پہنچانا چاہا، رجنٹ نمبر ۶ سے قول و قسم لے کر ہمراہ کیا اور تین انگریز بھی ساتھ لیے مگر جب یہ لوگ میرٹھ دہلی کے دور لہے پر پہنچے تو دہلی کی طرف چل پڑے اور انگریزوں سے کہہ دیا کہ تم میرٹھ چلے جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے، کسی کو مارا نہیں اور خزانہ دہلی لے گئے۔ علاقے کے کچھ اور باغی سرداروں میں ہر دیو۔ روپ رام۔ رام سہائے۔ بنسی (نگلہ چراؤ)۔ چھیدو (نگلہ نین سکھ) ضابطہ خاں۔ کدَم سنگھ گوجر (پتیم پور) تھے۔ نواب ولی داد خاں اس علاقے کے منتظم اور سردار تھے جنہیں بہادر شاہ کی طرف سے ۲۶ مئی کو یہاں کا صوبے دار مقرر کیا گیا۔ انہوں نے مالگذاری وصول کی، کلاؤٹھی پر قبضہ کر کے آگرہ میرٹھ کے درمیان انگریزوں کے ریل و رسائل کا سلسلہ کاٹ دیا اور خورجہ تک قبضہ کر لیا۔ اُن کے خاص ساتھیوں میں بشن سنگھ۔ بھگونت سنگھ اور امر او سنگھ (دادری) تھے جو بغاوت اور جنگ کی اسکیم بناتے تھے۔ ۱۱ جون ۱۸۵۷ء تک ولی داد خاں ان علاقوں پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ انگریزوں کو ایک جنگ میں شکست ہوئی جس کی اطلاع انہوں نے بہادر شاہ کو بھیجی اور مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ بہادر شاہ کی طرف سے حکم ہوا کہ گلاب سنگھ۔ رام چندر اور دھنپت ولی داد خاں کی مدد دیکھے جائیں (۱۴ جون ۱۸۵۷ء م ۲۱ شوال ۱۲۷۵ھ)۔ ۲۰ جون کو دہنر انگریز فوج نے نواب ولی داد کے مرکز مالا گڈھ پر چڑھائی کی۔ تین سو غازیوں نے اسماعیل خاں کی کمان

1. Freedom Struggle in UP Vol.5 pp.43-57

2. Collectorate Mutiny Basta

3. Freedom Struggle UP vol.5 p.57

میں مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ لہ

امروہہ کے چالیسٹھ انقلابی جن میں مہربان علی خاں اور مظفر علی خاں شامل تھے، دہلی کے لیے روانہ ہوئے تھے لیکن غازی آباد سے نواب ولی داد خاں انھیں اپنے ساتھ مالا گڑھ لے گئے، ۲ مئی ۱۸۵۷ء یہ لوگ یہاں فوج بھرتی کرنے اور دیگر انتظامات میں مدد کرتے رہے۔ فوج میں جو گوجر بھرتی ہوئے ان کا سالار ایمن گوجر تھا۔ تمام گوجر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے راج پوتوں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر سکندر آباد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اڈھ گڑھ میکیشہ پر بریلی کی انقلابی فوج کے حملے کا خطرہ تھا لیکن ۲۲ جون ۱۸۵۷ء کو ان فوجوں نے جنرل بخت خاں کی کمان میں گڑھ کے قریب گنگا پار کی اور دہلی روانہ ہو گئیں۔ انگریزی فوجوں سے انقلابیوں کے برابر مقابلے ہوتے رہے۔ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو، پھر ۲ اگست اور ۱۰ ستمبر کو گلاؤٹھی پر اسماعیل خاں کی کمان میں جنگیں ہوئیں۔ آخر کار، ۲ ستمبر کو گڑھ کی فوجوں نے انھیں منتشر کیا اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کو مالا گڑھ کا قلعہ مسمار کیا گیا۔ اس آخری جنگ میں شکست کا سبب یہ تھا کہ جب انگریزی فوجیں باؤگڑھ پر آئیں تو انقلابی فوجیں گلاؤٹھی کے قریب پڑی تھیں۔ انگریزوں نے مخبروں سے اطلاع پا کر رات میں اچانک حملہ کر دیا جس سے بے خبر انقلابی فوجیں بدحواس ہو کر پسا ہو گئیں اور اس شکست سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ نواب ولی داد اپنے ساتھیوں کے لیکر فرخ آباد

لہ خط ولی داد خاں بنام بہادر شاہ مورخہ ۲۰ جون ۱۸۵۷ء م، ۲۴ شوال ۱۲۷۳ھ
(بلند شہر کلکٹریٹ میوٹنی بستہ)

۲ عباسی: تاریخ امروہہ - جلد ۱

3. CHAUDHURI: pp. 77-79

GOUGH: Old Memoirs p. 116

MALLESON: vol2 p. 89

اور پھر روہیل کھنڈ کے علاقوں میں برابر جنگوں میں شریک رہے۔ اسماعیل خاں اور رحیم علی نے بھی جدوجہد جاری رکھی چنانچہ لکھنؤ کی شکست (مارچ ۱۸۵۷ء) کے بعد بھی یہاں رحیم علی کی رہنمائی میں انقلابی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ۱۷

بلند شہر کے انقلابی | ان علاقوں کے انقلابی سرداروں میں منیر خاں اور خلیفہ کے رحیم علی کے علاوہ پنڈت راول کے حرمت خاں (رحیم علی کے رشتہ دار) اپنے قلعے پر فوجی تیاری کے ساتھ جمے رہے اور مالا گڑھ کے انقلابیوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ خان پور کے عبداللطیف خاں نسیم خاں، رحیم الدین تھے۔ عبداللطیف اُن میں نمایاں رہے، انھوں نے مارچ ۱۸۵۷ء تک انقلابیوں کی ہر ممکن مدد کی۔ اُن کے چچا عظیم الدین ولی داد خاں کے ساتھ رہے اور بعد میں سزا پائی۔ شاہ مل سنگھ جاٹ کے خاندان میں سبھا اور کھگٹا اپنے گاؤں کے عوام کی رہنمائی کر رہے تھے۔ عبداللطیف کو مارچ ۱۸۵۷ء میں جہانگیر آباد سے گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ حاجی یاد اللہ خاں سابق تھانہ دار گلاؤں کی بھی بغاوت کے جرم میں مالا گڑھ کی شکست کے بعد گرفتار ہوئے، موضع اینچانہ کے ساکن تھے، جانداد ضبط ہوئی مگر جان بچ گئی۔ انوپ شہر کی چوہان رانی نے بھی بغاوت میں حصہ لیا اور آزادی کا اعلان کیا۔ عنایت خاں بن عبدالقادر نے بہادر شاہ کو عرضداشت بھیجی۔ ۱۸

دہلی کی شکست کے بعد گرتھید ایک فوج لے کر بڑھا اور یہاں انقلابیوں کو پسا کر کے آگے

1. Freedom Struggle UP vol.5 p.112

2. CHAUDHURI: pp. 77-79

Freedom Struggle UP vol.5 pp.57-74

SEN: p.226

پر حملہ آور ہوا۔ انگریزی قبضے کے بعد نہ صرف بلند شہر بلکہ دادری، دنکور، خوجہ اور سکندر آباد وغیرہ کے بے شمار لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ گوجروں کے گاؤں کے گاؤں راکھ کا ڈھیر کر دیئے گئے اور ضبط ہو کر نیلام ہوئے۔ میرٹھ کے مجسٹریٹ آر۔ ایچ ڈنلپ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ ”تمام ضلع کے گوجر کھلی بغاوت میں شامل ہیں“۔ بلند شہر میں کالے آم (متصل کچہری) پر پھانسیاں دی جاتی تھیں۔ ولی دادخاں کے مزید حالات علیحدہ باب آخری دور میں بیان ہو رہے ہیں۔ ۱۷

گلزار علی

انوپ شہر تحصیل کے مسلمان نگاروں نے بھی بغاوت میں حصہ لیا۔ سہراب خاں تحصیلدار بنا اور نبی بخش اس کا مددگار۔ یہ علاقہ کافی عرصے تک انقلابی سرگرمیوں کا نشانہ بنا رہا۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں خبر تھی کہ امر وہہ کے سید گلزار علی کی کمان میں یہاں روہیل کھنڈ کے باغیوں کی ایک فوج موجود ہے۔ گلزار علی کو خان بہادر خاں کی طرف سے جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ رحیم علی بھی انوپ شہر پر حملے کی تیاری کر رہا تھا وہ راج پورہ پر تھا اور ۲۶ اپریل ۱۸۵۷ء کو گنگاپار کرنے والا تھا۔ مئی میں اس کی فوج منتشر ہوئی لیکن نصیر پور (نزد کھوج پور گھاٹ) پر انقلابی فوجیں اب بھی موجود تھیں۔ ۱۸

علی گڑھ

نمبر ۹۔ این آئی (نیٹوانفیسٹری) کے کچھ دستوں نے اچانک بغاوت کی اور دہلی روانہ ہوئے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کی رات کو علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں شادی کی تقریب تھی جس میں نمبر ۹۔ این آئی کے کچھ سپاہی بھی شریک تھے۔ یہاں ایک میندار

۱۷-18. Freedom Struggle UP vol.5 pp.96-107,121

۱۹ ولی دادخاں کے دادا نے ایک مشہور بزرگ حضرت سید محمود مالا مال کرمانی سے عقیدت کی بنا پر اپنے قلعے کا مالا گڑھ نام رکھا تھا (کیفیت بلند شہر مؤلف لچمن سنگھ۔ تواریخ بلند شہر مؤلف منگل سین ص ۵۰) مالا گڑھ کا قلعہ سکندر آباد کے علاقے میں تھا۔

نے علی الاعلان بیان کیا کہ وہ بغاوت میں حصہ لے رہا ہے اور آئندہ کے لیے پلان بنا رہا ہے۔ یہ خبر بعض سپاہیوں نے اپنے افسروں کو پہنچا دی چنانچہ ۲۰ مئی کو اس زمیندار کو گرفتار کر کے پھانسی دیدی گئی لیکن یہ دیکھ کر ۹۔ این آئی کے ایک سپاہی نے اپنی وردی کھینک دی، بغاوت کا اعلان کیا اور چلا کر کہا ”یا خدا ہم کو بھی پھانسی دلا“ یہ تقریباً مغرب کا وقت تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد بنگلوں اور چھاؤنیوں میں آگ لگنے لگی۔ ہاتھرس کیولری نے بھی بغاوت کر دی اور دہلی رفا ہو گئی۔ ۲۰ مئی کو ایک برہمن (نرائن) کو پکڑا گیا جو بغاوت کی اسکیم بنا رہا تھا اور فوجیوں کو یقین دلارہا تھا کہ گاؤں کے عوام بغاوت میں اُن کا پورا ساتھ دیں گے۔ اسے ۲۰ مئی کی شام کو پھانسی دی گئی۔ بعض جگہ بیان کیا گیا ہے کہ برہمن نے بلند شہر کے سپاہیوں کو برات کے جلوس کی شکل میں نکلنے اور اچانک بغاوت کرنے کے لیے تجویز کیا تھا اس پلان کو بروئے کار لانے کے لیے اختلا اور مباحثہ ہوا۔ اس دوران میں سپاہیوں نے انگریز افسروں کو خبر کر دی۔ برہمن کو علی گڑھ لاکر تمام ہندوستانی سپاہیوں کے سامنے پھانسی دی گئی۔ برہمن کے خاموش مُردہ جسم نے سپاہیوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کا وہ کام انجام دیا جو برہمن کے الفاظ سے بھی ہوا ہوگا جذبات سے بھر کر ایک سپاہی آگے بڑھا تلوار میان سے کھینچی اور برہمن کے لٹکے ہوئے جسم کی طرف اشارہ کر کے چلایا —

”دوستو!۔ یہ شہید خون میں نہا گیا۔ ہمارے دین پر قربان ہو گیا“ ۱

سپاہیوں نے اپنی تلواres میان سے کھینچ لیں اور غضبناک ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے انگریز جوش و غصے کا یہ منظر دیکھ کر تھر تھرا اٹھے اور رات ہونے سے پہلے ہی چپ چاپ علی گڑھ سے نکل گئے۔ اس طرح برہمن کی قربانی نے انگریزی اقتدار کا چراغ آن کی آن میں گل کر دیا۔

کی رپورٹ کے بموجب برہمن کے اس واقعے کی خبروں نے آس پاس کے علاقوں مثلاً مین پوری اٹاواہ اور ایٹہ وغیرہ کی دیسی سپاہ میں بھی بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ گاؤں میں عرصے تک سخت بغاوت ہوتی رہی جس سے یہ قیاس لگانا غلط نہ ہوگا کہ یہ برہمن ان تمام علاقوں کی دیسی فوجوں سے رابطہ قائم کر چکا تھا اور شہر اور دیہات کے عوام کو سپاہ کی بغاوت کے ساتھ ہی تھپتھپانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔

یکم جون ۱۸۵۷ء کو چوہان راجپوت راول بھوپال سنگھ نے کبیر پر قبضہ کر لیا لیکن واٹسن نے گرفتار کر کے پھانسی دیدی اس پر چوہانوں، جاٹوں اور دیگر عوام نے بدلہ لیا۔ کبیر پر حملہ کر کے سرکاری عمارتیں جلا دیں اور حکام کو مار بھگایا۔ ۱۷

مسجدوں میں جہاد کا اعلان کیا گیا، مسلمان مجاہدین سرکف میدان میں نکل آئے اور ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو واٹسن کی فوج پر مدراک (علی گڑھ سے ۶ میل) پر حملہ آور ہوئے۔ انگریز حکام کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تمام مسلمان اور دوسرے لوگ جو باغی تھے، گوالیار کی فوجوں سے روزانہ نامہ پیام کر رہے تھے۔ ۲ جولائی کو پوری آبادی میں سخت جوش اور غصے کی آوازیں سنائی دیں، ڈھول بجائے گئے، جھنڈے بلند ہوئے، ہر تھانہ چوکی جلادی گئی اور جب دست بدست جنگ شروع ہوئی تو واٹسن زخمی ہوا۔ گوالیار کے دستوں نے بھی بغاوت کر دی۔ جاٹوں کی راہ نمائی امانی سنگھ کر رہا تھا

1. Freedom Struggle UP vol.5 pp.656-662

CHAUDHURI: Civil Reellion... 1857 p.80

2. Freedom Struggle UP.vol.5 p. 662

وہ اس علاقے کے باغیوں کا سردار تھا۔ ۱

ولی داد خاں کو بہادر شاہ کی طرف سے علی گڑھ کا صوبے دار اور غوث محمد خاں کو نائب مقرر کیا گیا تھا۔ غوث خاں ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو یہاں پہنچے۔ انھوں نے قرب و جوار کے جاگیرداروں کو مدد کا یقین دلایا اور فوج بھرتی کی۔ جاگیردار رام بخش، ہیرا سنگھ اور گوپال سنگھ ان کے ساتھیوں میں قابل ذکر ہیں۔ نسیم اللہ (سابق وکیل جج) نے بھی بغاوت میں حصہ لیا، غوث خاں کو بلایا اور مدد کی۔ ان کے ساتھ ایک اور لائق اور قابل شخص نیاز احمد بھی تھے۔ منالال ولد چنی لال خزانچی بنا۔ غوث خاں سکندرہ کا جاگیردار تھا۔ وہ آخر جولائی کو یہاں پہنچا لیکن پنچایت نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ نسیم اللہ غوث خاں کا نائب، محبوب خاں تحصیلدار اور حسن خاں کو توال ہوئے۔

ہاتھرس میں ٹیم سنگھ اور کٹھا کر گوہند سنگھ وغیرہ نے انتظامات سنبھالے اور امن قائم کیا۔ ۲۱ اگست ۱۸۵۷ء کو میجر منٹگمری نے ہاتھرس پر قبضہ کیا اور ۲۴ اگست ۱۸۵۷ء کو علی گڑھ کے انقلابیوں سے مدراک کی سڑک پر تصادم ہوا جو غوث خاں اور مولوی عبد الجلیل کی کمان میں تھے اور مان سنگھ کے باغ (علی گڑھ کے قریب) میں مقیم تھے۔ اس جنگ میں انقلابیوں کو شکست ہوئی، غوث محمد خاں مالا گڑھ چلے گئے۔ مولوی عبد الجلیل شہید ہوئے۔ انگریزی رپورٹ کے الفاظ میں

”یہ ایک انتہائی حوصلہ مندانہ قسم کی دست بدست جنگ تھی... تقریباً ساٹھ غازی جوش و غصے سے دیوانہ ہو کر تلواریں ہاتھوں میں لیے جھپٹے مگر وہ سب کام آگئے، انہی میں علی گڑھ کا مولوی عبد الجلیل بھی تھا جو مسلمانوں کے مذہبی تعصب کو ہوا دینے

۱۔ امانی سنگھ بھرت پور سے گرفتار ہوا اور مقدمہ چلا۔

۲۔ مولوی عبد الجلیل بن ریاض الدین چھتاری سے آئے تھے اور مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کرنے میں پیش پیش تھے۔ زیادہ تر مسلمان انہی کی ترغیب پر میدان میں آئے۔ آپ کی اور دیگر شہداء کی قبریں علی گڑھ جامع مسجد کے شمالی حصے میں ہیں جو گنج شہیداں کہلاتا ہے۔

میں سب سے زیادہ سرگرم تھا۔“ ۱

آگرہ اور علی گڑھ کی جدوجہد | آگرہ ڈویژن کے علاقوں پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف دیسی سپاہ بلکہ تعلقہ دار، زمیندار، شہری و دیہاتی عوام بڑے پیمانے پر بغاوت میں شریک تھے۔ دہلی وغیرہ پر انگریزی قبضے کے بعد بھی وہ دشمن کو سر میدان للکارتے رہے۔ خاص سرداروں میں الہی بخش ولد کھمائی خاں میو قبیلے کا رہنما تھا۔ مولوی مظفر علی، ایک بلند پایہ عالم دین جو حکیم پور میں تھے اور تحریک میں حصہ لینے کے لیے اپنے طلباء اور ساتھیوں کو لے کر علی گڑھ آئے، جنگ میں حصہ لیا، شہید ہوئے۔ دلدار علی ولد وزیر علی خاں زمیندار، دان پور اور رحم علی خاں ولد مظہر علی ولد دوندے خاں لال خانی رئیس کمونہ بھی شہید ہوئے۔ اُن کا گاؤں علی گنج غارت ہوا۔ امراؤ لال بھی باغی سردار تھا، سومنا کا تھانے دار مقرر ہوا، حسین خاں میواتی کو تو ال کول، نواب دولہ تحصیلدار ترولی بنایا گیا۔ نیاز احمد نے بھی نسیم اللہ (ولد حکیم علیم اللہ) وغیرہ کے ہمراہ انتظام سنبھالا۔

جنوری ۱۸۵۷ء تک اکثر علاقے انگریزی قبضے میں آچکے تھے لیکن انقلابیوں کی فوجیں اب بھی جہنا کے کنارے مختلف گھاٹوں پر موجود تھیں۔ اُدھر منڈی سور کے ایک ہزار روپیے شہزادہ فیروز

۱ ایس بی چودھری: ص ۸۰

۲ مظفر علی جید اور متبحر عالم، درس و تدریس میں مشغول تھے، ذرہ تخلص کرتے تھے۔ شیخ فرید الدین عطار کا پتہ نامہ انیس المسلمین کے عنوان سے ترجمہ کیا (۱۲۶۷ھ) جو غیر مطبوعہ ہے۔

۳ مولوی نسیم اللہ مولانا عبد الجلیل کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ عربی فارسی کے عالم اور شاعر بھی تھے مفتی صدر الدین آزر دہ کے بھی شاگرد تھے۔ طب کی تعلیم حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کی۔ مرزا غالب سے تعلقات تھے، وکالت کا امتحان بھی پاس کیا اور ججی میں وکیل رہے۔

کی کمان میں تھے۔ مارچ ۱۹۵۸ء میں پھپھوند کا تحصیل تھانہ لوٹا گیا، ادا نیہ پر اب تک ان کا قبضہ تھا۔ نانا صاحب کے ایجنٹ بندیل کھنڈ میں سرگرم تھے۔ رورو کے راجہ کے پاس سے جو کاغذات برآمد ہوئے ان سے باغیانہ سازشوں کا سراغ ملا لیکن راجہ نے زہر کھا کر جان پیدی (۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء) مارچ ۱۹۵۸ء کے آخر میں پھر بعض مقامات پر انقلابیوں نے قبضہ کر لیا، ان کے پیدل اور سوار دستے اورانیہ کے قریب بڑی تعداد میں موجود تھے، وہ گولا بارود بھی بنا رہے تھے۔ ۲۹ مارچ کو انھوں نے وینکٹ سنگھ کی سربراہی میں حملہ کیا۔ انگریزوں نے اگرچہ اس پاس کے تمام گاؤں جلا دیئے جو بغاوت میں شریک تھے لیکن اجیت مل گاؤں پر اب بھی ان کا قبضہ تھا۔ اٹا وہ کے کلکٹر ہیوم کی رپورٹ یہ ہے کہ ”اس پاس کے تمام گاؤں کی آبادی دشمن کی مدد کر رہی ہے یہ گاؤں شاہ پور، راج پور، رام نگر اور آیانہ وغیرہ ہیں اس لیے ہم نے متعدد گاؤں جلا دیئے اور یہ سزا یہاں ضروری سی معلوم ہوتی تھی“

اسی دوران میں راجہ تیج سنگھ (مین پوری) نے اورانیہ پہنچ کر انقلابیوں کی مدد کی اور ہیوم کی فوج تیج سنگھ کے خوف سے واپس لوٹ گئی۔ انقلابی اجیت مل کی طرف بڑھے، انگریز انسپر بدحواس ہو گئے۔ انھوں نے نرنجن پراور چکرانگر کے راجہ پراپرل می ۱۹۵۸ء میں اچانک حملے کئے لیکن اٹا وہ پر پھر انقلابیوں نے قدم جما لیے۔ آیانہ پر روپ سنگھ کا قبضہ تھا۔ آہستہ آہستہ انقلابی بندیل کھنڈ میں داخل ہونے لگے (ملاحظہ ہو آخری دور)

مین پوری کے علاقے مصطفیٰ آباد کے قریب اہیروں نے مارچ ۱۹۵۸ء تک باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔ رتن سنگھ کا انگریزی فوجوں نے پھپھا کیا۔ تیج سنگھ نے کالی ندی پار کی۔ اس کا بھی

پہچانا کام رہا۔ مئی ۱۸۵۷ء میں انقلابی بنی گنج میں جمع تھے جہاں انھوں نے تار کاٹے، گاڑیاں جلا دیں اور علی گنج چلے گئے۔ گنگا سنگھ کی گرفتاری پر پانچ ہزار روپے کا اعلان تھا۔ رحیم علی مع فوج کے جنوری ۱۸۵۷ء میں ہاتھس کی طرف بڑھا اور گنگا پار کر کے علی گڑھ میں داخل ہو گیا۔ مئی ۱۸۵۷ء میں بھی اکبر آباد اور سکندرہ راؤ کے علاقوں میں باغی گروہ سرگرم تھے۔ اکبر آباد میں منگل سنگھ اور مہتاب سنگھ ان کے رہنما تھے۔

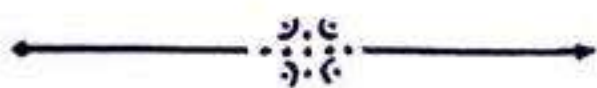
الورکاراج پوت راجہ بنی سنگھ وفادار تھا لیکن عوام، جن میں میو قبیلے نمایاں تھے، کھلے عام بغاوت کر رہے تھے۔ انھوں نے راجہ کی فوج کو شکست دے کر مار بھگایا۔ 'مرقع الور' مولفہ مخدوم تھانوی میں یہ حالات اس طرح بیان ہوئے ہیں:

”میوان نے مجتمع ہو کر ہر طرف ایک شور و غل مچایا، اگرچہ ان کی سرکوبی کو فوج راج سے بھیجی گئی لیکن وہ آگ ان سے منطفی نہ ہوئی چار سو ایک ہنگامہ آرائی تھی اور ہر میو کو بصورت دیو خود نمائی تھی.... جب فوج راج متعینہ پتو کڑھنے باغیان کو جو اس طرف آنکے تھے دبایا اور باغیوں نے دلیرانہ پھر کر فوج راج کو مار بھگایا تو میوان نے لشکر راج ہی پر ہاتھ صاف کیا اور گھوڑا اور اسباب ادن کا جو ہاتھ لگا لوٹ لیا اور تجارتہ کی باگر گھاس جلا گئے اور زر گاواں سرکاری لواے گئے“ لے

اسی دوران میں انگریز حکام کی طرف سے راجہ کے پاس پیغام آیا کہ وہ بناوت دہانے کے لیے فوج بھیجے چنانچہ ایک فوج منظم کر کے ٹٹھا کر چیمپا جی دولد راجہ بہادر اور خواص میدجی کی سرکردگی میں آگرے کی طرف روانہ کی گئی مگر جیسے ہی یہ فوج اچنیرا پر مقیم ہوئی پٹنچ اور نصیر آباد سے آتی ہوئی انقلابی فوج نے آگھیرا۔ راجہ کی یہ 'چہ پدی چہ پدی' کا شور بہ فوج بھلا کیا مقابلہ کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ساز و سامان انقلابیوں کے ہاتھ لگا اور راجہ کے جرنیلوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ خواص میدجی

جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، باقی بچے ہوئے لٹے لٹائے واپس آ گئے۔ ٹٹھا کر چیمان جی جو اس فوج کا سالار تھا انقلابیوں کے ساتھ ہو گیا اور دہلی چلا گیا، راجہ کی طرف سے اس کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہوا۔ راجہ نے پھر بغاوت دبانے کے لئے منشی اموجان کو مقرر کیا کہ اسی درمیان راجہ چل بسا۔ انقلابیوں کے لشکر اور میو قبیلے کے عوام پر قابو دشوار ہو گیا۔ چنانچہ :

”حالت پریشانی میں ان کو پا کر میو گرد آئے اور مثلِ مور و ملخ اُون کے دل چھائے۔ سپاہِ راج کو، ہجوم بند خار ہوا کہ پچھپا چھڑا نا اُن سے دشوار ہوا۔ بمشکل تمام منشی اموجان اس بھڑوں کے چھتے سنے نکل کر تجارہ آئے۔“
انقلابی فوجوں نے آگرے کے قریب شاہ گنج پر انگریزی فوجوں کو شکست دی۔



آودھ

آودھ ہر حیثیت سے بہتر اور زرخیز علاقوں میں شمار تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی عرصہ دراز سے اسے اپنی دست درازیوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھی۔ وارن ہسٹینگز کے عہد سے ہی، جب نواب آودھ سے پچاس لاکھ روپیہ لے کر روہیلوں کو ہسٹینگز نے پامال کیا تو انگریز رزیدنٹ اور امدادی فوج، نواب آودھ کے خرچ پر یہاں رہنے لگی اور یہیں سے ابتدا ہوئی آودھ کی تباہی اور بربادی کی۔

آودھ کا الحاق | آودھ کی الم ناک داستان ہم کسی قدر تفصیل سے گزشتہ صفحہ پر بیان کر چکے ہیں۔ واجد علی شاہ کے ساتھ سلوک بھی ہماری نظر سے گذرا اور کچھ آگے آ رہا ہے۔ مختصر یہ کہ جب کمپنی کی شرطیں ماننے سے شاہ نے انکار کر دیا تو انگریزوں کی فوجیں فروری ۱۸۵۶ء میں آودھ کو گھیر کر لکھنؤ پر چڑھ آئیں۔ آودھ کی جبریہ ضابطی کا اعلان ہوا اور واجد علی شاہ کو کلکتہ بھیج دینے کا فیصلہ۔

شاہ کی لکھنؤ سے روانگی کا منظر بڑا حسرت ناک تھا وہ فیہر بلخ کے مشرقی دروازے سے

نکلے جہاں عوام کا زبردست ہجوم تھا۔ شاہی سواری کا پیور روانہ ہوئی اور وہاں چند دن قیام کے بعد آلہ آباد میں ٹھہرے جہاں ایک عیسائی کا مکان قیام کے لیے دیا گیا جو انتہائی تکلیف دہ تھا۔ آٹھ دن قیام کا کرایہ پانچ سو روپیہ ادا کیا گیا جسکو بہت قلیل سمجھا گیا اور اس کم حیثیت عیسائی نے شاہ کی تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ یہاں تک کہ شاہ کی سواری کے روکنے کے لیے سڑک پر رسی باندھ دی۔ شہر کے انگریز حاکموں کو بلوایا، شاہ پر نالاش دائر کی گئی اور ایک ہزار روپیہ کرایہ وصول کیا۔ یہ سب کچھ افسروں کے اشارے پر ہو رہا تھا۔

بنارس کے راجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ
راجہ بنارس کی طرف سے استقبال کی درخواست واجد علی شاہ کے پاس

آلہ آباد میں گزری کہ دوران سفر میں بنارس قیام کریں چنانچہ یہ قافلہ آلہ آباد سے چل کر بنارس میں داخل ہوا تو یہاں راجہ نے خود شہر کے ناکے پر آکر استقبال کیا، تمام سڑکیوں پر پانی کی طرح گلاب کا چھڑکاؤ کیا اور راجہ شاہی سواری کے ساتھ پیدل چل کر آیا۔ شاہ کو زور و جواہر اور نقد روپیہ وغیرہ نذر کیے مگر واجد علی شاہ نے حکم دیا کہ آج ہماری وہ جاہ و حشمت باقی نہیں اس لئے مجبور ہیں، خلعت وغیرہ کی قیمت نقد ادا کی جائے گی اور تمہاری پیش کش میں نے قبول کی مگر دل میں آزدہ نہ ہونا میری امانت رکھ لو جب خدا میسر دن پھرے گا تو لے لوں گا۔ مہاراجہ بنارس نے کہا کہ اسی روز جہاں پناہ سے خلعت بھی لوں گا۔ مہاراجہ نے شاہ کے قیام و طعام کا نہایت معقول انتظام کیا۔ اس سال آودھ کے الحاق اور شاہ آودھ کی غم گساری میں کوئی تہوار بھی نہ منایا۔ ۷

۱ لکھنؤ اور جنگ آزادی / ۳۸۔ یہ حالات مرزا محمد رضا قلیق نے بھی جو شاہ کے ہمراہ تھے اپنی ایک مثنوی میں بیان کیے ہیں۔

۲ مرزا قلیق نے اپنی مثنوی میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے: (باقی اگلے صفحہ پر)

اس سفر میں ہر طرح تکلیفیں اٹھاتے ہوئے یہ شاہی قافلہ کلکتے پہنچا اور وہاں واجد علی شاہ مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ ۱۷۵۷ء کی بغاوت کے دوران انھیں فورٹ ولیم کالج میں قید کر دیا گیا۔ یہ ہنگامہ ختم ہونے کے بعد رہا ہو کر مٹیا بروج میں رہنے کا حکم ہوا۔ کلکتہ پہنچنے کے بعد خیال کیا گیا کہ ان حالات پر لندن میں فریاد کی جائے۔ لہذا شاہ کی والدہ ملکہ کشور سنگھ اور بھائی سکندر حسرت، ولی عہد حامد علی وغیرہ ۱۷۵۷ء کو لندن روانہ ہو گئے۔

بغاوت کی خفیہ تیاریاں | اودھ میں انقلاب کی چنگاریاں بہت پہلے سے

سُلاگ رہی تھیں۔ یہاں کے انقلابیوں نے کابل کے امیر دوست محمد کو ایک خط بھی لکھا جس میں آنے والے انقلاب کے لئے مدد مانگی گئی تھی۔ یہ خط اگست ۱۷۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ لیکن اودھ کے الحاق پر یہ سرگرمیاں اور بھی تیز ہو گئیں۔ غیر مطبوعہ ریکارڈ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۷۵۷ء میں خفیہ بھرتی شروع ہو گئی تھی۔ ایک فقیر قادر علی شاہ اس سلسلے میں بہت سرگرم تھے۔ لکھنؤ کے ایک اُجبار طلسم نے لکھا تھا :

”چنانچہ جا بجا خفیہ بھرتی ہونے لگی۔ عہد و پیمان کے ساتھ اسم نویسی ہونے لگی۔“

واہ رے پاس جو کہتا تھا کوئی اس کا یار	نہ کیا اب کے برس آپ نے کوئی تہوار
تو وہ کہتا تھا کہ ہوں عیش میں ہم تو سرشار	اور اس طرح سے لُٹ جائے ہماری سرکار
شاہ کیا خاک ہوں کس سے کہیں کس غم میں ہیں	اپنی سرکار کے مٹ جانے کے ماتم میں ہیں

خود واجد علی شاہ نے بھی اپنی نظموں میں یہ حالات بیان کیے ہیں۔ مثلاً حُزن اختر وغیرہ میں۔

عشرے کا روز ٹھہرا حسب وعدہ لوگوں کے جماؤ ادھر ادھر ہوئے مگر حکام خبردار
تھے کچھ بن نہ پڑی۔ (دو طلسم - ۱۹ ستمبر ۱۸۵۶ء)

عشرہ محرم ۱۲۴۳ھ م ۱۲ ستمبر ۱۸۵۶ء کا دن مقرر تھا اور اس خفیہ کارروائی میں محمود حسین خاں
کمیدان اور نواب محسن الدولہ وغیرہ شریک تھے، بارہ ہزار آدمی بھرتی ہوئے مگر انگریز حکام کو
علم ہو گیا۔ قادر علی شاہ نے بھرتی کا اقرار کیا اور محمود حسین کمیدان کے مکان سے تلاشی پر ہتھیاروں
کا ذخیرہ برآمد ہوا۔

مولانا احمد اللہ شاہ کی سرگرمیاں | اکتوبر یا نومبر ۱۸۵۶ء میں مولانا احمد اللہ شاہ
لکھنؤ آئے۔ وہ فقیرانہ لباس میں تھے اور تمام

ملک میں دورہ کر رہے تھے۔ لکھنؤ میں معتمد الدولہ کی سرائے اور پھر گھسیاری منڈی (گھاس
منڈی) میں ٹہرے۔ بظاہر قوالی کی محفل منعقد کرتے، ارشاد و تلقین کرتے، مرید اور عقیدت مند
جمع ہوتے تھے۔ لکھنؤ کا رسالہ 'طلسم' لکھتا ہے:

”دوشنبے اور پنج شنبے کو وہاں مجمع کثیر ہوتا ہے شہر کا بڑا وپیر ہوتا ہے۔ مجلس
حال و قال کی ہوتی ہے لیکن نئی چال کی ہوتی ہے کہ عین جوش حال میں فرش پر
اُگ گراتے ہیں نہ فرش پر دھبہ لگتا ہے نہ حلق میں چھلے نظر آتے ہیں“

(دو طلسم، ۲۱ نومبر ۱۸۵۶ء)

خفیہ انقلابی کارکن بھی فقیرانہ لباس میں لکھنؤ میں ہر طرف سرگرم تھے اور عوام میں بغاوت کی
روح پھونک رہے تھے۔ انگریز افسروں کو شبہ ہوا۔ ان فقیروں کو ہٹایا گیا اور پابندیاں لگائی
گئیں مگر یہ اپنے کام سے باز نہ آئے۔ ایک جگہ سے ہٹائے جاتے تو دوسری جگہ دھوئی رمادیتے۔
مولانا احمد اللہ سے بھی باز پرس ہوئی۔ کو تو ال نے آکر دھمکانا چاہا (۲۰ جنوری ۱۸۵۶ء) مگر
انہوں نے کہا۔

”میں جہاد کو فرض جانتا ہوں، بے سروسامانی سے لاچار ہوں اگر بہم پہنچے تو

تیار ہوں“

ان کی سرگرمیوں پر بھی پہرہ لگا دیا گیا۔ انھوں نے تمام ملک میں خفیہ انقلابی تحریک کا جال بچھا دیا تھا اور یہ سرگرمیاں کم و بیش دس سال سے جاری تھیں انھوں نے بغاوت سے تقریباً دو سال پہلے انگریزوں کے خلاف جہاد کا پرچار شروع کیا اور دورے کیے۔ شروع میں صرف مسلمان ان کے عقیدت مند تھے مگر بعد میں ہندوؤں میں بھی ان کی عقیدت و محبت پھیلتی چلی گئی لے ایک ہم عصر کا بیان یہ ہے کہ :

دو لکھنؤ میں یہ محلہ گھاس منڈی ایک مکان معقول میں فروکش ہوا۔ جب شہر لکھنؤ میں سوار ہو کے سیر کو کہیں جاتا، کل ہمراہی ہتھیار بند ہمراہ ہوتے آگے سواری کے گھوڑے پر ڈنکا ہوتا تھا۔ عملہ پولس نے جو اس صورت سے احمد اللہ شاہ کی سواری دیکھی اور شہرت سنی، صاحب مجسٹریٹ لکھنؤ سے رپٹ کی مجسٹریٹ بہادر نے... عملہ پولس کو حکم دیا کہ صرف ہتھیار باندھنے کی سواری میں ممانعت کر دو۔ ہتھیار لے کر پولس میں رکھ لو، جب وہ اس شہر سے جاوے، ہتھیار اُس کے، اُس کے حوالے کر دو۔ عملہ پولس احمد اللہ شاہ کے مکان پر بموجب حکم ممانعت کو گیا ہتھیار طلب کیے۔ احمد اللہ شاہ نے ہتھیار نہ دیے مستعد مارنے مرنے پر ہوا اور یہ کہا کہ میں پادشاہِ آودھ ہوں.... صاحب مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ اس سے کہہ دو کہ اگر تمہیں ہتھیار دینے منظور نہیں ہیں تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ عملہ پولس نے بھی اس حکم کو غنیمت جانا، فقیر کو جا کر سمجھایا، حکم سنایا۔ احمد اللہ شاہ اس حکم سے نیٹ راضی ہو گیا، دوسرے دن فیض آباد چلا گیا۔ چند روز کے بعد

۱ ڈاکٹر وزیر خاں کا بیان بحوالہ فسرٹیم اسٹریٹس اتر پردیش (انگریزی)

وہاں بھی اسی طرح کے سوار ہونے پر عملہ پولس متوحش ہوئے۔۔۔“

فیض آباد کا احوال آگے آرہا ہے اور مولانا احمد اللہ شاہؒ کے بارے میں تفصیل علیحدہ باب آخری دور، میں بھی نظر سے گذرے گی۔

اپریل ۱۹۵۷ء میں نانا صاحب اور عظیم اللہ خاں بھی لکھنؤ آئے۔ اُن کے دورے کا مقصد ظاہر ہے کہ آنے والی بغاوت کے لیے میدان تیار کرنا تھا لیکن ان سرگرمیوں کی تفصیل سے نہ انگریز حکام واقف ہو سکے اور نہ ہماری نظر کے سامنے آسکتی ہے۔ یہ سازشیں اور تیاریاں ہو رہی تھیں کہ بغاوت کا وقت قریب آگیا اور اشتہارات نکلنا شروع ہو گئے۔ یکم مئی ۱۹۵۷ء کو سپاہیوں نے چربی والے کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ رسالہ ’طلسم‘ کی عبارت ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ہی بغاوت کے آثار موجود تھے۔ لکھنؤ میں مقیم رجمنٹ نمبر ۱۳۔ ۴۸ اور، این آئی میں رجمنٹ ۴۸ میں سب سے پہلے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ نمبر بے قاعدہ سوار فوج مقیم موسیٰ باغ کے سپاہی بھی سازش کر رہے تھے جو لکھنؤ سے سات میل دور مقیم تھی ۳۲ مئی کو ان کے چالیس باغی لیڈر گرفتار ہوئے

سازش کا انکشاف | سپاہ نے کارتوس لینے سے (یکم مئی ۱۹۵۷ء) انکار کیا اور ان کے لیڈروں نے بھی بغاوت کی اسکیم بنالی جس میں صوبے دار سرنام سنگھ، جمع دار شیو دین، مغل بیگ، بھیروں سنگھ اور گلزار خاں وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے فوجوں کے نام خط روانہ کیے، ادھر یہ پُر جوش سپاہی ایک انگریز افسر کے خیمے میں گھس گئے۔ او اس کو قتل کرنا چاہا مگر اس کے گڑگڑانے پر چھوڑ دیا۔ ۳۲۔ نمبر پلٹن کے نام ایک خط انگریزوں کے ہاتھ لگا جو منڈیاؤں کی چھاؤنی سے بھیجا گیا تھا۔ اس خط سے سراغ پا کر خفیہ سازش کرنے والے گرفتار ہو گئے۔ ان سپاہیوں نے بغاوت کی سازش میں شرکت کا اقرار کیا اور علی الاعلان

بغاوت پر آمادہ ہو کر بندوقیں سنبھال لیں۔ اگلے دن ۴ مئی کو موسیٰ باغ میں ان سپاہیوں کو گھیر کر قتل اور پھانسیوں کا دور شروع ہو گیا جس سے عوام اور بھی مشتعل ہو گئے۔ شہر میں اشتہار نکلتا شروع ہو گئے۔ ایک فارسی اشتہار میں مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر ابھارا گیا تھا۔ ایک اور پوسٹر فوج کی چھاؤنی (کیولری لائن) میں پایا گیا دیواروں پر بھی پوسٹر لگا رہے تھے جن میں اس موقع پر خاموش رہنے والوں کو انگریز کا تخم اور پیدائشی سورا کہا گیا اور لعنت بھیجی گئی تھی۔ ۱۷

فوج میں بغاوت کے آثار | انگریزوں کو فوج میں بغاوت کے آثار نظر آنے لگے اور یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ہتھیاروں سے یہ آگ بجھ نہ سکے گی لہذا وہ ہتھیار نکالے گئے جو فوری طور پر نہ سہی مگر آگے چل کر کامیاب ہو سکتے تھے۔ ۱۲ مئی کو مہتری لارنس نے دربار کیا، تقریر کی اور انقلابیوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے لئے اورنگ زیب، رنجیت سنگھ اور حیدر علی پر جانب داری اور دوسرے مذاہب والوں پر ظلم کرنے کے الزامات تراشے مگر اس ترشی نے بھی یہ نشہ نہ اتارا یہاں تک کہ جن سپاہیوں کو وفاداری پر انعامات دیئے گئے تھے وہی بعد میں بغاوت میں شامل ہو گئے۔ تاہم ۳۰ مئی تک فضا پر سکون رہی اور انگریز اس خوفناک سکون سے گھبرا کر رزٹڈنسی میں اپنی حفاظت کا انتظام کرنے لگے۔

1. SAVARKAR: p. 147

2. The Bengal Herkaru & Indian Gazette 4th June 1857

مولانا احمد اللہ کی گرفتاری

مولانا احمد اللہ شاہ فروری ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ سے فیض آباد چلے گئے اور برابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف

رہے۔ آخر مجبور ہو کر ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا۔ پولس نے گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تو مسلح دستے روانہ کئے گئے۔ انگریزی دستے بندوق سے اور مولانا کے ہمراہی تلوار سے مقابلہ کر رہے تھے اخبار طلیسم (۶ مارچ ۱۸۵۷ء) لکھتا ہے:

”مثل مشہور ہے تلوار اور گولی کی لڑائی کیا، دو سے پانچ آدمی کی صف آرائی کیا، زخموں سے چور ہوئے، بادۂ اجل سے مخمور ہوئے..... شاہ صاحب نے جرات سے جھپٹ کر ہاتھ مارا تلوار کا پھلڑا لوٹ گیا مجبور ہوئے جی چھوٹ گیا۔ اس پر گولی کا زخم سینے پر رکھایا..... شاہ صاحب ہتے گرفتار ہوئے۔“

گرفتاری کی تفصیلات

مولانا احمد اللہ شاہ کی گرفتاری پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالنا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کیونکہ وہ تحریک

۱۸۵۷ء کی اہم ترین شخصیت ہیں۔

لکھنؤ کے ایک اور اخبار ”سحر سامری“ نے فیض آباد کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے

لکھا تھا:

”ہر گلی کوچے میں معہ ہمراہیان خاص ہتھیار باندھے پھرتے تھے کہ شہر کے مردمان پولس یہ حال دیکھ کر براہِ تعرض گھیرتے تھے۔ رفتہ رفتہ خبر ہوئی کہ بلوے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سپاہیان سرکار نے تنگ و دو بے شمار کی ہتھیار لے لیں

۱۔ مولانا کے تفصیلی حالات کسی آئندہ باب میں بیان کیے جائیں گے۔

جب کہیں جاتے تو ڈونکا بجتا ہوا ہمراہ چلتا تھا۔

سکندر شاہ کے نام سے بھی مشہور تھے۔

تکرار کی۔ کہا کہ ”یا سب ہتھیار دیدو یا اسی وقت اپنا راستہ لو“ جواب دیا ”کہ نہ ہم ہتھیار دیں گے نہ کسی سے جھگڑا فساد مول لیں گے۔ الغرض کو تو ال صاحب اور تھمس بورن کمشنر نے سنا استفسار حال کے واسطے طلب کیا۔ ان کو انکار ہوا۔ نہ جانے میں اصرار ہوا۔ آخر صاحب موصوف (کمشنر) خود تشریف فرما ہوئے بہت فہاش کی وہ ایک نہ شنوا ہوئے۔۔۔“ اے

فیض آباد کے ڈپٹی کمشنر نے ان واقعات کی جو رپورٹ، ۱۶ فروری ۱۸۵۷ء کو لکھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۶ فروری کو شام کے وقت لفٹننٹ تھمس بورن کو اطلاع ملی کہ ایک فقیر مع اپنے چند مریدوں کے شہر کی سرائے میں مقیم ہے۔ لوگ جوق در جوق اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ فقیر کا کھلا ارادہ ہے کہ وہ لوگوں میں بغاوت پھیلا کر ان کو بلوہ کے لیے آمادہ کرے۔ چنانچہ تھمس بورن مع چند سپاہیوں کے وہاں پہنچا اور دیکھا کہ سڑک اور دروازے کے علاوہ سرائے کے اندر بھی لوگوں کا بے حد ہجوم ہے۔ مولانا اس وقت نماز کے لیے (غالباً مغرب کی) تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر تھمس بورن نے اُن سے بات کی اور کہا کہ وہ ہتھیار جمع کر دیں، جب فیض آباد چھوڑیں گے تو ہتھیار واپس مل جائیں گے۔ اس پر مولانا احمد اللہ نے جو فقیرانہ لباس میں تھے، مردانہ وار جواب دیا کہ ”ہم ہتھیار نہیں دیں گے کیونکہ یہ ہمیں اپنے پیر سے ملے ہیں“ اس جواب اور تکرار پر سول گارڈ کے سپاہی بلائے گئے۔ پھر درخواست کی گئی کہ ہتھیار واپس کر دو اور آزادی سے شہر کے باہر جاسکتے ہو“ جواب پھر دو ٹوک پایا کہ

”فقیہ اپنی مرضی سے شہر چھوڑے گا“

اس جواب پر سپاہیوں کو حملے کا حکم دیا گیا اُدھر سے مولانا کے ہمراہیوں نے (بموجب رپورٹ تقرر یباً دس تھے) مقابلے کی کٹھان لی۔ مولانا نے اسپیشل اسسٹنٹ (لفٹنٹ) پر تلوار

سونت لی مگر لفٹنٹ مذکور نے مقابلے کی ہمت نہ کی، وہاں سے ہٹ گیا اور پہرہ بٹھا دیا تاکہ وہ جمع منتشر ہو جائے جو جامع مسجد کے قریب جمع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے مزید فوجی کمک طلب کر لی اور ڈپٹی کمشنر فورس کو اطلاع کر دی جو دورے پر گیا ہوا تھا۔، اور فروری کو فورس مع چند افسروں کے مولانا کے پاس گیا۔ اس کی فہائش اور سوالات کے جواب بھی اسی دلیری اور بے باکی سے ملے جو پہلے ظاہر کی جا چکی تھی اس پر طے کیا گیا کہ ان فقیروں پر اچانک حملہ کیا جائے۔ پہرے دار دستہ، مددگار دستہ، جو رائفل اور سنگینوں سے مسلح تھا، اور دیگر سپاہ حملہ آور ہو۔ مگر مولانا کے ساتھیوں نے یہ اشارہ سمجھ لیا اور وہ سب تلواریں سونت کر سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ لفٹنٹ ٹامس بڑی طرح زخمی ہوا جسکو مولانا نے گھائل کیا۔ مولانا کے تین ہمراہی شہید ہوئے خود مع چند جاں نثاروں کے زخمی ہو کر گرفتار ہوئے اور این۔ آئی ہسپتال میں زیر علاج رہے اس فوجی جیل کے ڈاکٹر نجف علی تھے جو مولانا کے مقتقد تھے، انھیں جیل میں اچھا کھانا وغیرہ ہیا کرتے رہے اور بغاوت شروع ہونے پر مولانا کے ہمراہ ہو گئے، نمبر ۲۲ رجمنٹ کے ساتھ لکھنؤ گئے جہاں چند ماہ مقیم رہے۔

جس رپورٹ سے یہ حالات لیے گئے اس میں مولانا کے بارے میں ڈپٹی کمشنر نے لکھا ہے :
 ”اس فقیہ کے متعلق بہت کم قابل وثوق اطلاع مل سکی ہے بازار میں عام طور پر اسکو سکندر شاہ کہتے ہیں وہ انگریزی بولتا اور لکھتا ہے، گو وہ ناقص ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ مدر اس کی طرف سے آیا ہے۔ میری رائے ہے کہ وہ یا تو ملتان کا رہنے والا ہے یا سندھ کے قریب کا۔ مبض کا غذات جو اس گروہ کے پاس پائے گئے وہ بہت سی مشتبہ قسم کے ہیں“ لے

گرفتاری کے بعد مولانا پر مقدمہ چلایا گیا جس کی تفصیل فیض آباد کے حالات میں پیش کی جا رہی ہے۔

یہاں وہ چوک کی سرائے میں مقیم تھے۔

لکھنؤ کی بغاوت اور سازشیں

۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو رات کے نو بجے توپ چلی اور منڈیاؤں کی چھاؤنی میں بغاوت کا جھلنجھ

گیا۔ چھاؤنی میں آگ لگادی گئی۔ باغی سپاہ سیتاپور روانہ ہو گئی۔ اگلے دن ۳۱ مئی کو شہر میں جوش و خروش پھیل گیا، محلہ منصور نگر میں میرعباس نے جہاد کی ترغیب دی۔ تحریک ولی اللہی کے ہم نواؤں نے جلوس نکالا، مفتی گنج کے آس پاس جمع ہوئے۔ ایک انگریز قتل بھی کیا گیا اور کوٹوالی کی طرف بڑھے۔ کئی تھانے لوٹے اور منڈیاؤں کی چھاؤنی میں آگ لگادی۔ پولس سے تصادم کے بعد گرفتاریوں اور پھانسیوں کا بازار گرم ہوا۔ میرعباس کو بھی پھانسی ہوئی۔

اس موقع پر ایک گمبھری سازش کا ہلکا سا سراغ ملا جو شہر اور چھاؤنی کے اشتراک سے کی جارہی تھی۔ اس میں خاص طور پر شرف الدولہ۔ رکن الدولہ اور مسیح الدولہ شریک تھے لیکن سازش کی پوری معلومات نہ ہو سکی شرف الدولہ شاہ اودھ کا درباری تھا۔ گرفتار ہونے والوں میں مصطفیٰ علی خاں (شاہ اودھ کے بھائی) راجہ ٹلسی پور اور دو بھائی جو دہلی کے شاہی خاندان سے تھے، شامل تھے۔ ۳۱

انگریز افسر اور محبٹریٹ شاہی محلوں میں بھی گھس گئے، امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی

۱۔ اچھی بھون قلعہ کے پاس پھانسیاں دی گئیں۔

۲۔ شرف الدولہ نے اودھ کے محاصرے میں بھی حصہ لیا اور انتظامی حکومت میں بھی شریک تھا مگر آخر میں غداری کی وجہ سے ایک مسجد میں مولانا احمد اللہ کے ساتھیوں نے اُسے قتل کر دیا (لکھنؤ کی شکست کے بعد)

۳۔

اولاد میں جو لڑکے تھے انھیں گرفتار کیا اور مرزا سلیمان شکوہ (خاندان مغلیہ) وغیرہ کو بھی پکڑ لیا۔ بیگم حضرت محل نے یہ دیکھ کر جیس قدر کو لباس تبدیل کر کے چھپا دیا اور وہ گرفتاری سے محفوظ رہا۔ کمشنر ہنری لارنس نے خطرے کے آثار دیکھ کر ریڈ ٹینسی اور مچھی بھون میں پناہ گاہیں بنالی تھیں۔ پورے آودھ میں بغاوت کی آگ لگ چکی تھی۔ ۳ جون تک سیتاپور، بہرائچ اور گونڈہ آزاد ہو گئے لیکن کوئی متحدہ پلان اور اسکیم بنونے کی وجہ سے ہر باغی رجمنٹ نے الگ الگ طریقہ کار اختیار کیا۔

فیض آباد میں بغاوت

مولانا احمد اللہ شاہؒ کو گرفتار کر کے ہسپتال میں زیر علاج رکھا گیا اور ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت میں مولانا نے عدالت کی تعظیم بھی روا نہ رکھی، ہر بات کا نہایت دلیری سے جواب دیا۔ "تو اترخ احمدی مولفہ فتح محمد نائب (ملی) یہ حالات نظم میں اس طرح بیان کرتی ہے :

جواب ایسے دیتے تھے دندان شکن
نہ ثابت ہوا جسم شمشیر زن
نہ جھکتے تھے آداب و تسلیم کو
رکھا طاق پہ رسم تعظیم کو
سواری سے اپنی اترتے نہ تھے
کہیں رو بکاری سے ڈرتے نہ تھے

مقدمے کا فیصلہ وہی ہوا جو ہونا تھا یعنی پھانسی کا حکم سنایا گیا لیکن یہ فیصلہ خود انگریزوں کے لیے ہی پھانسی ثابت ہوا اور تمام فیض آباد مشتعل ہو کر بغاوت پر اٹھ کھڑا ہوا۔ عوام نے ۸ جون کو جیل خانے پر حملہ کیا ہندوستانی فوجی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ دلیپ سنگھ کی رہنمائی میں سب سے پہلے جیل خانہ توڑ کر مولانا کو آزاد کیا اور اپنا سردار بنالیا۔ اب مولانا فیض آباد کے حاکم تھے اور انگریز محکوم — لیکن ان محکوموں کے ساتھ جو چند دن پہلے مولانا کو پھانسی دینے کا فیصلہ دے چکے تھے، کیا سلوک کیا گیا؟ پہلے مولانا احمد اللہؒ نے سب اسسٹنٹ سرجن نجف علی کی معرفت حکم بھیجا کہ اپنی وردیاں ہمارے حوالے کر دو چنانچہ انگریزوں نے ایسا ہی کیا۔ لے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انگریزوں کے بیانات یہ ہیں کہ انگریز افسروں کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا اور کپڑا نہیں
 فیض آباد سے نکلنے کے لیے کہا گیا، پہرہ لگایا گیا کہ اُن کی لوٹ مار نہ ہو، ذاتی سامان لے جانے
 کی اجازت دی گئی۔ اتنا ہی نہیں، ابھی اور سنیے کہ اُن کے لئے کشتیاں تیار کر کر اُن کو نو سو روپے
 اخراجات کے لیے دیئے گئے۔ ۱

جب انگریز افسروں نے فوج سے تعمیل حکم کے لئے کہا گیا تو سپاہیوں نے ادب سے جواب
 دیا کہ اب ہندوستان آزاد ہے، ہم اپنے ملکی افسران کے ماتحت ہیں اور یہاں واجد علی شاہ کی
 حکومت ہے۔ فیض آباد سے بھاگتے ہوئے انگریزوں کو راجہ مان سنگھ نے اپنے شاہ کچ
 کے قلعے میں پناہ دی۔ ہنومنٹ سنگھ اور سردار رستم شاہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن جب انگریزوں نے
 ہنومنٹ سنگھ سے اپنا ساتھ دینے کی امید ظاہر کی تو اس راجہ نے کہا۔

”آپ اس ملک میں آئے اور ہمارے بادشاہ کو نکال دیا۔۔۔ میں نے آپ کو
 پناہ دی ہے مگر اب میں اپنی فوج کے ساتھ لکھنؤ جا کر آپ کو ملک سے نکالنے کی
 کوشش کروں گا“ ۲

رسالدار سید برکات احمد مع فوج سیتاپور سے آکر فیض آباد میں انقلابیوں کے کمانڈر ہو گئے۔
 اور یہ فوج محمود آباد ہو کر لکھنؤ روانہ ہوئی۔ گورکھ پور کے ناظم میر محمد حسن نے کرنل لی نوکس کے خاندان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱۔ رام سہائے تمنا: احسن التواریخ / ۷۰

۲۔ کنہیا لال: محاربہ عظیم / ۳۵۴، سین / ۱۸۶

3. SEN: Eighteen Fifty Seven pp. 187-188

MALLESON: vol.1 pp.407-408

کو پناہ دی اور بحفاظت گورکھ پور کے کلکٹر کے پاس روانہ کر دیا۔ شاہ گنج کے انگریزوں کو مان سنبھلنے دانا پور بھیج دیا۔ راستے میں گوپال پور کے راجہ مادھو پرشاد نے بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا حالانکہ ان سب نے بغاوت نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ دسوائے مان سنبھل کے جس نے دوغلا کردار ادا کر دیا ہے۔ کرنل لی نوکس کا بیان ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہؒ نے اس کے خاندان کو پناہ دینے کی پیشکش کی۔ یہ تمام حالات انگریزوں کے بیان کردہ ہیں جو شاید اپنی پوری قوم کی تاریخ سے دشمن کے ساتھ اس فیاضانہ برتاؤ کی مثال پیش نہیں کر سکتے

راے بریلی میں۔ ارجون کو بغاوت ہوئی لیکن
فیض آباد کے دوسرے علاقے | یہاں بھی انگریزوں کا خون خرابہ نہیں ہوا۔ اس

پاس کے تمام متعلقہ داربغاوت میں شریک تھے۔ اسی طرح تحصیل سالون کے اور خصوصاً نین کے خان پور یہ قبیلے کے لوگوں نے عملی طور پر بغاوت میں حصہ لیا اور انگریزی حکومت کے تمام مال و متاع کو تباہ و برباد کر دیا۔

فیض آباد میں انگریزوں کے ایجنٹ بھی سرگرم تھے جنہوں نے مولانا احمد اللہؒ کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دیکھ کر اپنا پرانا حربہ استعمال کیا یعنی یہ مشہور کیا گیا کہ مولانا ہندوؤں کے دشمن ہیں۔ فوری طور پر اس پروپیگنڈے کا اثر بھی ہوا۔ اور ہندو افسران میں کچھ لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے۔ تاریخ احمدی (قلمی) میں ہے :

جو ثابت ہوا نیتوں میں فساد
 چلے لکھنؤ خسرو شہر زاد
 کہا فسح ہم کو خدا داد ہے
 وہ خود کیا ہیں، کیا انکی امداد ہے

لیکن اس پروپیگنڈے کا اثر جلد ہی زائل ہو گیا اور جب مولانا فیض آباد کا انتظام مان سنگھ کے حوالے کر کے لکھنؤ روانہ ہوئے تو کچھ ہی دور گئے تھے کہ باغی ہندو سپاہی پشیمان ہو کر اُن سے آمٹے، وفاداری کا پھر سے عہد و پیمان کیا اور لکھنؤ کے لیے ہمراہ ہو گئے۔

مان سنگھ کا کردار بغاوت کے دوران نہایت قابل اعتراض تھا۔ ایک طرف تو اس نے اپنے بھائی رام دین کو نانا صاحب کے پاس بھیجا اور دوسری طرف انگریزوں سے خفیہ خط و کتابت بھی کرتا رہا لیکن اودھ کے دوسرے متعلقہ دار اور جاگیردار کھلے طور پر بغاوت میں شریک رہے۔ خاص طور پر برہار (Birhar) کے پلوار، حسن پور کے جاگیردار، بھیل (Bhale) کے سلطان، گھاتم پور کے چوہان، کچھراوی کے رام سروپ، سمن پور، تفضل حسین مع اپنے ہمراہیوں کے بغاوت میں سرگرم تھے۔ اُدت نرائن سنگھ نے فیض آباد سے بھاگتے ہوئے انگریزوں پر ہاتھ صاف کیا۔ برہار کا ایک اور زمیندار مادھو پرشاد سنگھ مسلح فوج کے ساتھ میدان میں آگیا۔ اُس نے علاقے کے دوسرے سرداروں کشن پرشاد، شینو پرشاد اور راجہ پرکھوی پال سنگھ وغیرہ کو بھی آمادہ کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ مادھو پرشاد نے چکلہ دار کا لقب اختیار کیا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ جولائی میں اعظم گڑھ پر حملہ آور ہوا۔ اکبر پور کے چندریش سنگھ اور ادیش سنگھ کی سرکردگی میں راجماروں نے جمع ہو کر جون پور پر حملے کا پلان بنایا۔ رام نگر کا گورنمنٹ سنگھ بھی انگریزی حکومت کے خلاف صف بستہ ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے فروری ۱۸۵۷ء میں جنگ بہادر راجہ نیپال سے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔ فیض آباد میں توپوں کی مرمت کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ اسماعیل خاں سابق تحصیل دار دوست پور اب شہزاد پور میں تھا اور متعلقہ داروں کی مدد سے فوج جمع کر رہا تھا۔ میر محمد حسن فیض آباد پہنچ چکا

1. GUBINS: Mutinies in Oudh pp.154-155

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 121

تھا اور جے لال سنگھ کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ لکھنؤ کے احکامات کے مطابق انھیں دونوں کو جون پور پر حملہ کرنا تھا۔

آغا حسن، سید غلام حسین، ادلامو چکھ دار اور نائب اسماعیل خاں نے بھی سرگرمی سے بغاوت میں حصہ لیا۔ ان سب کی فوجوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ آغا حسن نے بھی فوج منظم کی۔

میلین نے فیض آباد کے باغی تعلقہ داروں کی جو فہرست دی ہے۔ اس میں مذکورہ الاناموں کے علاوہ ٹکھا کر نرائن، میر باقر حسین، نادر شاہ، رگھوناتھ کنور کے نام بھی ہیں۔ لے پچن سن (HUTCHINSON) نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ انس (INNES) نے بتم شاہ (راجہ ایشی) ہنومت سنگھ، بہو بیگم، ہردیو بخش اور ہنومان گڈھ کے مہنتوں کے وفادارانہ دیے کا بھی ذکر کیا ہے۔ لے

اس علاقے کے مختلف تعلقہ دار جو مع اپنی فوجوں کے میدان میں آئے اور ان کی تفصیلاً ایک انگریز نے گورنر جنرل کو لکھی، اس طرح تھی:

کیفیت	توپیں	تعداد فوج	نام سردار
نومتی ندی پر بریگیڈیر فرینک کا مقابلہ بھی کیا	۲	۱۰۰۰	برہر کامادھو پرشاد
	۲	۱۰۰۰	اڈت سنگھ (برہر)
	۵	۵۰۰۰	ادریش سنگھ وغیرہ

۵ میلین، جلد دوم / ۳۹۸ بحوالہ چودھری / ۱۲۱

3. HUTCHINSON: Narrative of the Mutinies pp. 70-71 ۵

INNES: Lucknow in the Mutinies pp. 87-94

CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 121

باقر حسین، غضنفر حسین	۵۰۰۰	۵	ان کے ساتھ اس علاقے کے بے شمار زمیندار اور راجپوت سردار بھی تھے۔
راجہ عباس علی (ٹانڈہ)	۵۰۰	۲	محمد حسن کو زبردست فوج دے کر امداد کی
محمد حسن	۵۰۰۰	۴	عباس علی اور فیض آباد کے چھوٹے راجپوت سرداروں کی فوجیں شامل
راجہ جے لال سنگھ	۲۰۰۰	۳	
اور بینی مادھو			
دیپن بخش سنگھ (گوندہ)	۴۰۰۰	۷	
راجہ بھنگہ	۲۰۰۰	نامعلوم	ضلع گوندہ کے زمیندار وغیرہ کے آدمی شامل
راجہ مانک پور	۱۵۰۰	۴	
مان سنگھ	۴۰۰۰	-	

فوربس کے اندازے کے مطابق سولہ ہزار فوج عملی طور پر میدان میں تھی اور یہ پوزیشن فروری ۱۸۵۸ء میں قرار دی گئی تھی۔

سندیلہ اور خیر آباد
 سندیلہ خیر آباد اور ملیح آباد کے علاقوں میں ۳۰ مئی کو بغاوت شروع ہوئی۔ مہتری لارنس نے کیپٹن گولڈروڈن کو مقرر کیا جو یکم جون ۱۸۵۷ء کو فوج لیکر سندیلے پہنچا لیکن یہاں پہنچ کر لکھنؤ اور سیتاپور میں بغاوت کی خبریں ملنے پر جو اس پر اگندہ ہو گئے اور وہ بغاوت دبانے کی بجائے خود ہی بچ کر بھاگ گیا اور تمام ضلع میں بغاوت پھیل گئی۔ انقلابیوں نے خزانے پر قبضہ کر لیا، ریکیوار ٹھا کروں نے نمایاں حصہ لیا، موضع رڈیہ اور ملاواں پر حملہ کیا، کچھریاں جلا دیں۔ سندیلے کے انقلابی ملیح آباد کے قلعے پر قابض ہو گئے جنھیں انگریزوں کے متواتر حملوں کے باوجود کبھی نکالنا نہ جاسکا۔ بالآخر ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو انھوں نے قلعہ خالی کیا اور سندیلہ آگے۔

اپریل ۱۸۵۷ء میں تہر برن مع فوج سندیلے آیا اور انتظامات سنبھالنا شروع کیے
 راجہ دھنپت رائے جو سندیلے اور خیر آباد کا سابق چکھ دار تھا، انگریزوں کی وفاداری میں
 نمایاں تھا، اسے طلب کیا گیا اور سند وفاداری عطا ہوئی لیکن یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ
 شہزادہ فیروز شاہ کی فوج سندیلے میں داخل ہوئی، دھنپت رائے اپنی وفاداری کے
 سبب گرفتار ہوا۔ چوبیس قدر کی تخت نشینی پر خیر آباد کے چکے دار ہر پرشاد اور سندیلے کے
 چودھری حشمت علی تھے۔

اب لکڑ شاہ کو ناظم بنایا گیا جس نے گلاب سنگھ کے ہمراہ انتظام سنبھالا جب انگریزی فوج
 ملیح آباد سے آئی تو لکڑ شاہ اور اسکے ساتھی گلاب سنگھ (کارندہ بردا) کو نکالا۔ لیکن اکتوبر ۱۸۵۷ء
 میں انقلابی راجہ پرشاد نے چھ ہزار فوج اور آٹھ توپیں لیکر پھر سندیلے پر چڑھائی کی۔
 دریائے گومتی پار کر کے بہت سے زمینداروں کو ساتھ لے آیا اور ۳۱ اکتوبر کو قصبے سے تین میل
 کے فاصلے پر آکر ٹھہرا۔ انگریز اس سے بدحواس ہو کر اپنے وفادار دھنپت رائے کے مکانات میں
 پناہ گزیں ہوئے۔ جب، اکتوبر ۱۸۵۷ء کو بار کر فوج لیکر لکھنؤ سے آیا تب باغیوں کو شکست ہوئی یہ
 سندیلے کے ایک اور انقلابی شہید علی امجد خاں بلوچ تھے جن کے باپ محمد علی خاں راجہ
 درشن سنگھ کی جانب سے بہرائچ اور خیر آباد کے چکے دار رہ چکے تھے۔ یہ بھی بہرائچ کے چکے دار

۱۔ چودھری حشمت علی دوبار سندیلے کے چکے دار ہوئے۔ ۱۸۵۶ء میں بھی اسی عہدے پر
 تھے بوجہ باقی داری ملاواں میں نظر بند ہوئے۔ بغاوت ہونے پر رہا کر کے باغیوں نے افسر
 بنایا، محاصرہ بلی گارد لکھنؤ میں شریک تھے۔ بعد میں ہتھیار ڈال کر معافی مانگ لی اور جائداد
 وغیرہ پائی۔ ۲۲ فروری ۱۸۵۷ء کو انتقال ہوا۔

(تواریخ سندیلہ مؤلفہ درگا پرشاد - ۲۲۲)

۲۔ درگا پرشاد: تواریخ سندیلہ - ص ۱۰-۱۱ و ۱۱۴

تھے۔ بغاوت میں شریک ہو کر جنگ کی اور لکھنؤ کی ایک جنگ کے دوران عالم باغ میں شہید ہوئے۔ ان کی نعش سندیلے لائی گئی۔ ۱۷

سیتا پور جو خیر آباد ڈوئین کا ہیڈ کوارٹر تھا، بغاوت کا مرکز بن گیا۔ انگریز یہاں کمشنر کے بنگلے میں جمع ہو گئے۔ ۲ جون کو آٹے میں ملاوٹ کی افواہ نے اور زیادہ بغاوت کی چنگاریوں کو ہوا دی اور اگلے دن بغاوت شروع ہو گئی رجمنٹ نمبر ۴۱۔ این آئی جو لکھنؤ کے باغیوں کا مقابلہ کرنے بھی گئی تھی باغی ہو گئی اور اپنے کمانڈر کو مار ڈالا۔ نواب علی تعلقہ دار محمود آباد نے سب سے پہلے نمایاں حصہ لیا۔

گومتی کے دائیں کنارے پر سلطان پور میں فوج نے ۹ جون ۱۸۵۷ء کو بغاوت کی۔ یہاں کے سرداروں نے انگریزی ہتھیار بند فوج کو لکھنؤ جاتے ہوئے روک کر کئی جنگیں کیں، سب سے اہم کردار مہدی حسن نے ادا کیا جو شاہ آودھ کے دور میں چکے دار کے عہدے پر تھے۔ ان کا ہیڈ کوارٹر جون پور سے بیس میل دور حسن میں تھا اور سلطان پور وغیرہ کے تمام جاگیردار عملی طور پر ان کے ساتھ تھے۔ مہدی حسن نے اس تمام علاقے کا انتظام سنبھالا اور اپنا اثر الہ آباد تک قائم کر لیا تھا۔ جون پور سے چھتیس میل دور سلطان پور کی سڑک پر واقع ایک مقام چاندا پر ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ کی سڑک پر قبضے کے لیے ایک سخت خونی معرکہ ہوا۔ بیلکین اور دوسرے انگریز مورخوں نے اس جنگ کو ۱۸۵۷ء میں شمار کیا ہے جن میں باغی فوجوں نے نہایت استقلال اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ پھر اسی مقام چاندا پر ایک اور زبردست جنگ فروری ۱۸۵۸ء میں ہوئی جب جنرل فرینک اپنی فوجیں لیکر لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہاں مہدی حسن کی دس ہزار فوج تھی جسکی قیادت

۱۷ درگا پرشاد : ص ۲۶۸

۱۸ چودھری (ایس بی) ۱۲۳/۱۔ بحوالہ خفیہ کاغذات جو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے۔

بندہ حسن کر رہے تھے۔ باغی فوجوں نے یہاں سے شکست کھانے کے بعد بھدایاں کے قلعے پر قبضہ کر لیا جو اس مقام سے نو میل آگے لکھنؤ کے راستے پر تھا۔ اس مہم میں جو خاص جاگیردار مہدی حسن کے ساتھ تھے اُن میں راجہ حسین علی۔ کالکا بخش (رام پور پرگنہ چاندا)۔ صفرا بی بی (بنیا پور تحصیل سلطان پور) راجہ علی بخش خاں (محمدی گاؤں)۔ ادریش سنگھ (میو پور) دلپت شاہ (بھدایاں) بیج ناتھ سنگھ (شیلو گڑھ ضلع رائے بریلی)۔ بختاور خاں۔ سیتل بخش سنگھ۔ ارجن سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔^۱ اپریل گزٹٹر میں ہے کہ راجہ ڈیراہ کے علاوہ تمام تعلقہ دار باغی تھے۔ یہاں ان معرکوں سے باغی فوجوں کو اپنی فتح و شکست مقصود نہ تھی بلکہ لکھنؤ کی طرف بڑھتی ہوئی انگریزی فوجوں کی پیش قدمی روکنا مد نظر تھا۔ یہ تفصیلات اپنے مناسب موقع پر بیان ہوں گی تاکہ واقعات کا سلسلہ برقرار رہے۔

سالون، گونڈا اور سیتا پور | سلطان پور سے باغی سپاہ کے دستے سالون کی طرف بڑھے (۸ جون ۱۸۵۷ء) اور اسی دوران یہاں کی فوج نے بناوت کی۔ یہاں بھی انگریزوں کو بحفاظت جانے دیا گیا۔ اُن سے کہا گیا کہ باغی سپاہ انکو پوری حفاظت اور آزادی سے نکل جانے دے گی مگر کچھ دن بعد ایسا نہ ہو سکے۔ بہرائچ کی تحصیل کے علاقوں اور گونڈا میں بھی بناوت ہوئی۔ یہاں سکرو را کی نمبر ۳ رجمنٹ کا خط آیا اور فوج نے انگریزوں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ سیتا پور میں نواب علی تعلقہ دار محمود آباد نے سب سے پہلے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ سیتا پور کے عوام ان کے ہمراہ ہو گئے لکھنؤ میں چنہٹ کے معرکے میں بھی خان علی خاں کی رہنمائی میں حصہ لیا۔^۲

1. Freedom Struggle in UP vol2 pp.243-250

2. Freedom Struggle UP vol.2 pp. 50-51

WYLIE : English Captives in Oudh p.16

سالون میں فضل عظیم ناظم مقرر ہوئے، نائب روح الامین تھے۔ انھوں نے یہاں سے چودہ میل دور سوراوی کے قلعے میں پڑاؤ ڈالا جہاں قرب و جوار کے علاقوں کی باغی فوجیں بھی جمع ہونے لگی تھیں۔ ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۷ء کے اخبار انگلش مین کی اطلاع تھی کہ سوراؤن میں الہ آباد کے ناظم مہدی علی خاں خیمہ زن تھے جنکے ہمراہ شاہ پور کے زمیندار سنگرام سنگھ اور نصرت پور کے بیٹی بہادر سنگھ بھی تھے۔ ان سب نے تقریباً چھ ہزار فوج اور چھ توپیں جمع کر لی تھیں اور مقامی باشندوں سے چار آنہ فی روپیہ کیس وصول کیا۔ دیگر علاقوں مثلاً فتھ پور، کھجوا، کھیکرہ وغیرہ میں عوام کی بڑی تعداد نے بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ اس دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فضل عظیم نے الہ آباد تک قبضہ کر لیا (اکتوبر تا دسمبر ۱۸۵۷ء) انکے ہمراہ دیوان غلام مرتضیٰ، شیودت سنگھ، دیارجن اور وکل سنگھ (ساکن چوراسی) بھی تھے۔ سالون کے علاقے شکر پور کے رانا بیٹی راوہو سنگھ اور ان کے بھائی جوگراج سنگھ بھی تھے جنہوں نے لکھنؤ وغیرہ میں بیگم حضرت محل کے ساتھ مختلف جنگوں میں شرکت کی، پندرہ ہزار فوج تیار کی اور لکھنؤ کی مدد کے لیے بھیجی۔

تحصیل سالون کے خان پوریہ قبیلے اور نین کے عوام جن میں کاہن پور کے بھگوان بخش، انیٹھی کے راجہ لال مادھو سنگھ، اتر چند پور کے راجہ شیودرشن سنگھ، حسن پور کے راجہ حسین علی وغیرہ بغاوت میں مع اپنی فوجوں کے شریک تھے۔ اوت نرائن، پلوار سردار مادھویر شاد، اکبر پور کے ادریش سنگھ، چندریش سنگھ بھی شروع سے بغاوت میں شریک تھے۔ ادریش سنگھ اور چندریش سنگھ نے گومتی کے کنارے بھی ایک تصادم میں مقابلہ کیا اور جون پور پر حملے کی تیاری کی۔ ان کے ساتھ رام نگر کے گور بخش سنگھ بھی شامل تھے۔ ۲

1. CHAUDHURI: pp.39.91

2. CHAUDHURI: pp.118-121

گوئڈا کا راجہ دیسی بخش شروع سے ہی بغاوت میں مع اپنی فوج کے شریک تھا اسکے پاس بیس ہزار فوج تھی۔ لکھنؤ کی شکست کے بعد وہ راپتی ندی کے پار چلا گیا۔ بغاوت کے بعد زیادہ تر تعلقہ داروں نے ہتھیار ڈال دیے مگر راجہ گوئڈہ اور رانی تلسی کو آمادہ نہ کیا جا سکا اگرچہ انگریزوں کے نزدیک گوئڈہ کے راجہ کا دامن 'جرائم' سے پاک تھا۔ اسی طرح بہرائچ کے بھی تمام تعلقہ دار باغی فوجوں اور عوام کے ساتھ تھے۔ 'امپیریل گزیٹیر' میں ہے کہ انھیں انگریزوں کی آراضی اصلاحات (Land Policy) سے بہت کم نقصان پہنچا تھا۔ ۱۷

چنہٹ کی جنگ | مئی اور جون ۱۸۵۷ء میں تقریباً تمام اودھ میں بغاوت کے شعلے بلند ہو چکے تھے۔ منڈیاؤں چھاؤنی کے باغی فوجی دستے مدد کی پور پہنچے اور پھر سیتاپور چلے گئے۔ اودھ لکھنؤ میں تقریباً پانچ ہزار جوانوں نے کوتوالی پر حملہ کیا، انگریزوں کی طرف سے مقابلہ کیا گیا۔ آخر کار جون کے وسط تک انگریزی اقتدار تمام اودھ میں ختم ہو گیا۔ اب چاروں طرف سے باغی فوجیں لکھنؤ سے بیس میل دور نواب گنج میں جمع ہو کر لکھنؤ پر حملہ آور ہونے والی تھیں۔ چنانچہ ۳ جون ۱۸۵۷ء کو جب یہ فوجیں بارہ میل دور چنہٹ پر آگئیں تو ہنری لارنس کچھ فوج لیکر نکلا۔ اس مقام پر ایک سخت معرکہ ہوا، انگریزی فوجیں پسپا ہو کر بھاگیں، اوپر سے قیامت خیز گرمی نے بھون ڈالا اور لارنس اپنی توپیں تک چھوڑ کر بھاگ آیا۔ سیتاپور کے باغی عوام اور فوجیں خان علی خاں کی رہنمائی میں تھیں۔ سید برکات احمد بھی باغی افواج کے رہنما تھے۔

مولانا احمد اللہ شاہ مع فوج اس معرکہ میں شریک تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر انگریز

1. Imperial Gazetteer, vol. 2 p.395

2. CHAUDHURI: pp. 118-121

توپوں پر قبضہ کیا۔

انگریز اب رزٹڈنسی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور انقلابی فوجیں فاتحانہ طور پر لکھنؤ میں داخل ہوئیں لیکن اس فتح سے پورا فائدہ اس لئے نہ اٹھایا جاسکا کہ بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا نہیں کیا گیا۔

جنگ کی تفصیلات | مہتری لارنس نے اپنے جاسوسوں سے ۲۹ جون ۱۸۵۷ء کو یہ اطلاع پا کر نواب گنج میں جمع ہونے والی انقلابی فوج کے ہراول دستے چنہٹ پر آگئے، انگریزی فوجوں کو منڈیاؤں کی چھاؤنی سے رزٹڈنسی اور بھی بھون میں بلالیا اور جنگ کی تیاری کر کے ۳۰ جون کی صبح کو بریگیڈیر انگلس کے ساتھ اپنے لشکر کو لیکر نکلا جس میں پیدل دستوں اور رسالوں کے علاوہ توپ خانہ اور آٹھ انچ دھانے والی خندقی توپیں تھیں۔ یہ لشکر چنہٹ کے قریب اسماعیل گنج پہنچ گیا۔ انقلابی فوجیں گاؤں کے چاروں طرف آم کے باغوں میں مورچہ لگائے ہوئے تھیں، انگریزی لشکر جیسے ہی زد پر آیا انھوں نے باڑ مارنا شروع کر دی۔ بدحواس گورے اور سکھ فوجی ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لارنس نے توپ خانہ بڑھانے کا حکم دیا لیکن انقلابی سپاہی درختوں کی آڑ سے نکل کر توپوں پر اس طرح جھپٹے کہ یہ وار بھی بیکار گیا۔ یہاں تک کہ خندقی توپیں کھینچنے والے دو ہاتھی اس حملے سے گھبرا کر مع توپوں کے اس طرح بھاگے کہ سکندر اور راجہ پورس کی جنگ کا سماں باندھ دیا، اپنی ہی صفوں کو درہم برہم کیا اور انقلابی لشکر میں جا پہنچے۔ سکھ رسالے اور اودھ آرٹیلری کے توپچی گھبرا کر ماہ نگر کی طرف بھاگے۔ دائیں بائیں سے تو انگریزی لشکر گولیوں کی زد پر تھا ہی، ایک باغ سے انقلابیوں کا توپ خانہ بھی آگ برسائے لگا۔ مہتری لارنس نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر اب انقلابی سپاہ کا اتھاہ سمندر گولیوں کی پوچھ مار کرتا ہوا بڑھتا چلا آتا تھا۔ انگریزی لشکر کو پیچھے ہٹنے کے سوا چارہ نہ رہا اور انقلابیوں کے محفوظ دستے ہر طرف سے نکل کر اُمنڈ پڑے۔

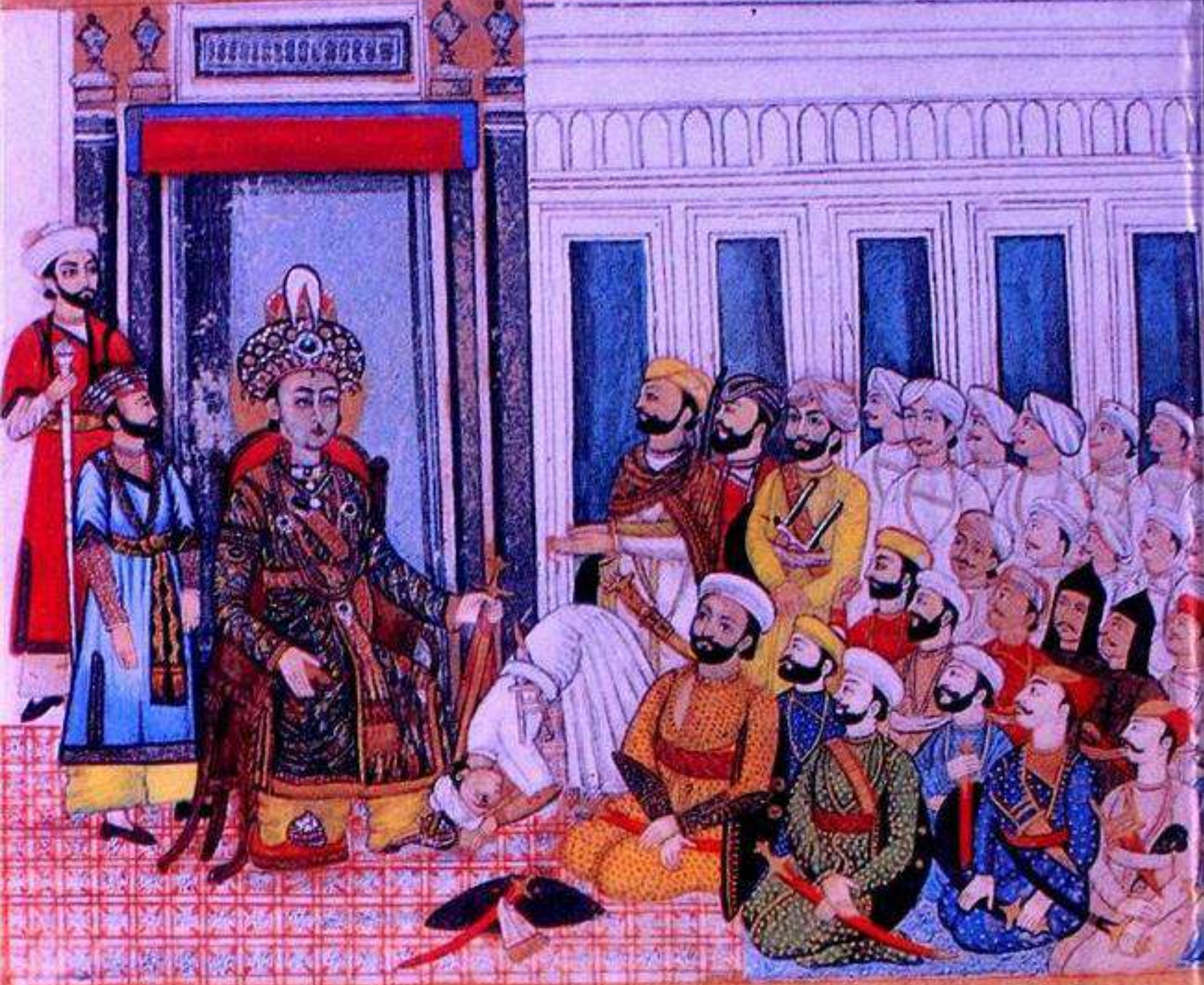
اب انقلابی سپاہ کے دل فتح مندیوں کا بھل بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے (ساتھ
دس گیارہ بجے کے قریب) اور زید نشی کا محاصرہ کر لیا۔ چھٹی بھون کی انگریزی فوجیں ہنری
لارنس کے اشارے پر ۳۰ جون کی رات کو جب زید نشی میں آگئیں تو چھٹی بھون کو رات
کے بار بجے لفٹنٹ ٹامس نے ہارود سے اڑا دیا۔ شہر میں بدظمیٰ روکنے کے لیے مولانا احمد اللہ
نے جا بجا چوکیاں قائم کیں اور پھر بٹھا دیئے۔ محمود خاں کو تو ال لکھنؤ بھاگ کر ملیح آباد
پہنچا۔ نواب محسن الدولہ موضع سمن پور میں جا چھپا کیوں کہ انگریزوں کا وفادار تھا۔

لکھنؤ پر انقلابیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد تخت نشینی
برجیس قدر کی تخت نشینی

کا سوال پیدا ہوا۔ کیولری (سوار فوج) سلیمان قدر
کو تخت پر بٹھانا چاہتی تھی اور پیادہ فوج (انفینٹری) برجیس قدر کو جس کی حمایت راجہ
جے لال سنگھ اور ممو خاں کر رہے تھے۔ جے لال سنگھ نے بیگمات کو جمع کر کے انھیں برجیس
کی تخت نشینی کے لیے آمادہ کیا، اس تمام کارروائی کا ایک محضر اقرار نامہ تیار کرایا اور فوجی
افسروں کو سمجھا کر فضا ہموار کی۔ تخت نشینی کی رسم چاندی والا بارہ دری میں انجام دی گئی۔
باغی فوج کے افسران نے اپنی شرائط پیش کیں۔ ان کی میٹنگ تارا کوٹھی میں ہوئی۔ جہاں
جے لال سنگھ نے ان سے بات کی اور برجیس قدر کی تخت نشینی کے لیے آمادہ کیا۔ ان فوجی
افسروں میں برکات احمد رسالدار، امر او سنگھ، شہاب الدین، رکھوناتھ سنگھ، مخدوم بخش
نیپال سنگھ، راج مند تیواری وغیرہ تھے، شرائط یہ تھیں:

- ۱ دہلی سے جو احکام صادر ہوں گے ان کی تعمیل کی جائے گی اور برجیس قدر
کا لقب 'شاہ' یا 'وزیر' ہو گا یا جو بھی بہادر شاہ تجویز کریں گے۔
- ۲ وزیر کا انتخاب فوج کرے گی۔
- ۳ فوجی افسروں کا انتخاب فوج کے مشورے سے ہو گا۔
- ۴ انگریزی ملازمت چھوڑنے سے آج تک کی ڈبل تنخواہیں دی جائیں گی۔

شہزادہ برہمپور کا قتل و غارت خانہ اور تمام راجاؤں اور تعلقہ داروں کا جمع ہونا اور راہہ چلانی مہم کے پیشکش کا شہزادہ برہمپور کا قتل و غارت خانہ کے وقت ہونے پر شہزادہ لال



۴۔ لال بارہ دری لکھنؤ میں شہزادہ برہمپور کا تخت شاہی پر جلوس اودھ کے راجگان اور تعلقہ داران بھی حاضر دربار ہیں۔

۵۔ انگریزوں کے وفاداروں کے ساتھ برتاؤ میں مداخلت نہ ہو۔
یہ شرائط تحریری شکل میں تھیں، جے لال سنگھ نے بلند آواز سے پڑھ کر سنائیں جو منظور
کی گئیں اور بیگم حضرت محل کو دے دی گئیں۔ مختلف عہدے اس طرح تقسیم کیے گئے۔

مشرق الدولہ : نائب وزیر اعظم

مہاراجہ (غالبابال کشن) : دیوان

علی رضا بیگ : کوتوال

میر واجد علی : دروغہ ڈیوڑھیات

راجہ جوالا پرشاد : منشی

ممو خاں : دیوان خانہ

جے لال سنگھ : وزیر جنگ

میر کاظم علی : داروغہ میگزین

ٹھاکر دیال : امور خانہ اور تنخواہ انچارج۔

۵ جولائی ۱۸۵۷ء ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ مغرب سے کچھ قبل واجد علی شاہ کے گیارہ
سالہ بیٹے برجیس قدر رمضان علی کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ برکات احمد اور شہاب الدین نے
تاج پہنایا، مبارک باد اور نذر دی۔ جے لال سنگھ کو خلعت سرفرازی عطا ہوا اور چکلہ داری
دریا ہاد کے علاوہ چار چمنٹوں کی کمان سپرد کی گئی۔ اگلے دن بلی گارڈ پر سخت حملہ کیا گیا جس
میں سید برکات احمد مردانہ وار اندر داخل ہو گئے۔ 'خدا نگ غدر' میں ہے کہ وہ سیتاپور اور
فیض آباد کی باغی فوج کے کمانڈر تھے، اس موقع پر سر میں گولی لگنے سے ہلاک ہوئے۔

۱۷۔ حضرت محل کا نام امراؤ بیگم تھا۔ وہ دربار کی ایک رقاصہ تھی۔ واجد علی شاہ نے اپنے حرم
میں داخل کر لیا اور حضرت محل کا خطاب دیا۔

معین الدین نے اپنی اس یادداشت میں ان کے لیے رستم وقت بہادر اور مدبر کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کے مرتے سے فوج کا بھی جی چھوٹ گیا۔

راجہ جے لال سنگھ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ اس نے بیگمات اور فوجی افسران کو برہمنوں کی تخت نشینی

جے لال سنگھ کی اہم خدمات

پر رضامند کر کے ایک بنیادی اختلاف کو ختم کرایا بلکہ وہ تمام انتظامات میں کلیدی رول ادا کر رہا تھا۔ جنگی تیاریوں کی نگرانی کی، سول اور ملٹری کورٹ کی تنظیم کی، انٹیلی جنس (جاسوسی) محکمہ قائم کیا۔ روپیہ مہیا کرنے کا انتظام کیا، بھاگتے ہوئے انگریزوں کو پکڑ کر قید کیا (جیل خانہ بھی اسی کے چارج میں تھا) نئی فوج بھرتی کی، ہتھیار بارود وغیرہ مہیا کیا، ہیلی گارڈ کے محاصرے کی نگرانی کی جب انگریزی فوجیں عالم باغ پہنچیں تو تمام انتظامات کی دیکھ بھال کی وہ اس دوران میں اسی مقام پر (کربلا تال کٹورہ) قیام پذیر رہا اور کسی وقت وہاں سے کہیں نہیں گیا، یہاں تک کہ گھر بھی نہیں۔ جب لکھنؤ شکست ہوا تو وہ اُس وقت بھی دریا باد کے علاقے میں روپیہ اور فوج جمع کرنے میں مصروف تھا۔ یہاں سے کُرسی جا کر فوج منظم کی۔ جب بیگم حضرت محل بٹولی میں تھیں تو جے لال نے انھیں خط لکھا کہ وہ حملے کے لیے بڑھ گئے ہیں اور دوبارہ لکھنؤ فتح کر لیں گے لیکن یہاں انگریزی فوج پہنچ گئی اور وہ شکست کے بعد بٹولی (تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی) چلا گیا۔ شہر میں لوٹ مار شروع ہوئی تو کورٹ بنانے کی تجویز کی جس کا وہ صدر چنا گیا اور وزیر جنگ بھی مقرر ہوا۔ تمام عہدے اسی کی رائے سے تقسیم کیے گئے۔ کانپور کی سڑک پر نگرانی کے لیے محافظ دستہ مقرر کیا اور فوج بھی وہاں گشت جاری رکھی۔ ایک بار ایک انگریز اس سڑک پر پکڑا جو ٹیلی گراف کے تار بٹورنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے قتل کر کے اس کا سر بیگم حضرت محل کے پاس بھیجا۔ رسائی کا کام بھی اسی کے سپرد تھا۔ اُس نے قیصر باغ کی بارہ دری کے

۱۔ مقدمہ جے لال سنگھ میں بیانات بحوالہ فریڈم اسٹریٹ ان یوپی ۹۴ جلد ۲
۲۔ بمقام بنی جو لکھنؤ کانپور روڈ پر لکھنؤ سے سترہ میل دور ہے۔

تہہ خانوں میں فوج کے لیے ہزاروں من غلہ جمع کرا دیا تھا۔

برجیس قدر کی تخت نشینی کے بعد اودھ کے مختلف علاقوں میں حسب
مختلف چکھ دار ذیل چکھ دار یا ناظم مقرر کئے گئے۔ ۱۔

خیر آباد :	ہر پرشاد
بیسوارہ :	راجہ ہیرالال و صفدر علی خاں
رسول آباد :	چودھری منصب علی
سلطان پور :	مہدی حسن خاں
بانگر مٹو :	راجہ شیونا تھ سنگھ
سالون :	فضل عظیم
گونڈہ بہرائچ :	راجہ دیبی بخش سنگھ
سندیلہ :	چودھری حشمت علی

عباس مرزا کو وکیل مقرر کیا گیا اور تحفے تحائف لے کر بہادر شاہ کو نذر کرنے کے لیے دہلی روانہ کیا گیا۔

انگریز چنہٹ کی جنگ کے بعد رزیدنسی (لکھنؤ) میں پناہ گزیں ہو
رزیدنسی کا محاصرہ چکے تھے اور انقلابی فوج اسے توڑنے کے لیے گھیرے ہوئے تھی۔

ان کے پاس چند کم زور توپیں تھیں جبکہ رزیدنسی میں چاروں طرف بڑی توپیں موجود تھیں۔
 جگہ جگہ اونچے دھس اور کھاٹیاں بنا کر ایک مضبوط قلعہ سا بنا دیا گیا تھا۔ اندر کھانے پینے کا
 ہر سامان حتیٰ کہ شراب تک موجود تھی۔ انقلابیوں نے (ایک بیان کے مطابق) اسے سینتیس^۳ بار

۱۔ رام سہائے تمنا: احسن التواریخ / ۴۰ - ۶۹۔ خدنگ غدر مؤلف معین الدین میں ہے کہ

بہادر شاہ کا سکہ جاری کیا گیا۔ (ص - ۱۱۸)

حملہ کر کے بارود سے اڑانے کی کوشش کی اور قریب کے مکانوں سے زبردست فائرنگ کی اس محاصرے میں انگریزوں کا بچہ نقصان ہوا، ہنری لارنس بھی ۴ جولائی ۱۸۵۷ء کو جان کھو بیٹھا اور ۱۱ اگست کو انقلابیوں نے ایک سرننگ اڑا کر دیوار کے شگاف سے اندر داخل ہونا شروع کر دیا لیکن اندر سے سکھ فوجیوں کی مدد سے مقابلہ کیا۔ محاصرہ جاری رہا۔ اور ۵ ستمبر کو پھر ایک بھر پور حملہ کیا گیا۔

رزیدنسی کے اس محاصرے میں مولانا احمد اللہؒ اپنے جاں باز ہمراہیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ایک بار تو وہ رزیدنسی کے صدر دروازے تک پہنچ گئے تھے لیکن گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔ انھوں نے گولہ گنج سے قیصر باغ تک چند ایسی توپیں مٹی کے دھسوں پر چڑھائیں کہ جن سے رزیدنسی کے پرچے اڑ جائیں مگر اس حملے سے پہلے اوٹرم اور ہیولاک فوجیں لے کر آ گئے۔ اس دوران میں زمینداروں اور متعلقہ داروں کو شرکت کے لیے بیگم حضرت محل نے حکم نامہ جاری کیا۔

جنرل اوٹرم کانپور سے فوج لے کر بڑھ رہا تھا اور انگریزوں کے ہندوستانی جاسوس اس کوشش میں مصروف تھے کہ آنے والی انگریزی فوج سے رابطہ قائم کریں بالآخر دو ہندوستانی انگہ تیواڑی اور قنوجی لال کامیاب ہوئے اور جان پر کھیل کر رزیدنسی کے انگریزوں کی باہر سے خط و کتابت کرادی جس سے انگریزی فوجوں نے شہر میں داخلے کے لیے نقشہ وغیرہ آجانے پر پلان تیار کیے۔ لکھنؤ میں باغی فوج کی تعداد انگریزوں کے

۱۷ یہ واقعہ جمعہ کے دن شام کے وقت پیش آیا۔ مولانا نے صدر دروازے پر پہنچ کر اپنے جاں بازوں کو حملے کیلئے لکارا اور پکار پکار کر فرض یاد دلایا۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس موقع پر ایک بم پھٹا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔

اندازے کے مطابق دو لاکھ تھی اور یہ متعلقہ دار خاص طور پر سرگرم تھے؛
 راجہ مان سنگھ، حشمت علی (سندیلہ) گورنمنٹ سنگھ، نواب علی خاں
 (محمود آباد) بینی مادھو، لال مادھو (کالا کنڈر ضلع پرتاب گڑھ) منصب
 علی (رسول آباد) لونی سنگھ (مٹھولی) وغیرہ
 باغی فوجیں سید برکات احمد کی کمان میں تھیں اور متعلقہ داروں کی فوجیں خان
 علی خاں کی لے

انتظامیہ فوجی کورٹ | راجہ جے لال کی تجویز پر ایک کورٹ کا قیام عمل میں آیا
 جو فوجی افسروں پر مشتمل تھا اور جنگی کونسل کا کام کرتا تھا
 اس کورٹ کی میٹنگ زیادہ تر چاند والی بارہ دری میں ہوتی اور کبھی کبھی چھپر والا صطبل،
 تارا کوٹھی اور دل کشا وغیرہ میں۔ کورٹ کا سپرنٹنڈنٹ راجہ جے لال تھا۔ اس کے ممبران
 یہ تھے: ۲۰

شیخ سکھن رسالدار، واجد علی رسالدار فرسٹ اودھ کیولری، جہانگیر خاں
 کپتان آرٹیلری، گھنٹری سنگھ کپتان اور کی رجمنٹ، راج منڈیواری
 رکھونا تھ سنگھ کپتان پولس بٹالین، امراؤ سنگھ (پولس بٹالین) سید برکات
 احمد رسالدار نمبر ۱۲ بے قاعدہ کیولری، مموخاں، شرف الدولہ -

سکہ زد بر سیم و زرخوں مہر بدر
 سکہ زد از فضل حق براثرنی مہر و بدر
 نیر دیں میرزا برجیس و قدر
 اختر سلطان عالم میرزا برجیس قدر

منظر علی خاں۔ میر کاظم علی (دروغہ میگزین) سنگم سنگھ۔ سر جو سنگھ (بیگم کی
نئی رجمنٹ کے کپتان)

اس کے علاوہ ایک اور بھی انتظامی کورٹ تھا جس کی میٹنگ حضرت محل کے مکان میں
ہوتی تھی۔ مگر جب مولانا احمد اللہ شاہ، مموخاں اور شرف الدولہ میں اختلاف ہوا تو یہ
کورٹ دو حصوں میں بٹ گئی۔ مموخاں کے ساتھ نگینہ والی بارہ دری میں اور مولانا کے
ہمراہی تارا کوٹھی میں میٹنگ کرتے تھے۔

جیل خانہ پہلے امام باڑہ غلام حسن محلہ رکاب گنج میں تھا مگر کچھ قیدی قیصر باغ
میں رکھے گئے۔ جب اور بڑھے تو نمکین علی خاں کے مکان واقع گنگنی شکل تالاب کے نزدیک
رکھے گئے۔ ۲۔

انگست ۱۹۴۷ء میں نانا صاحب لکھنؤ آئے تو جے لال
سنگھ نے فتح پور چوراسی پر جا کر استقبال کیا۔ نانا صاحب
چودھری کی گڑھی سے مع اپنے کنبے کے برآمد ہوئے، لکھنؤ آ کر شیش محل میں ٹھہرے۔
جس کو خاص طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس موقع پر بے شمار تھے بیگم حضرت محل کی طرف
سے نانا صاحب کو پیش کئے گئے۔

آپس کا اختلاف اور کشمکش | دہلی کی طرح لکھنؤ نے بھی آپس کے اختلاف کا
الم ناک منظرہ دیکھا۔ بیگم حضرت محل کی بہادری اور
غیر معمولی جرات سے لوگ بہت متاثر تھے۔ وہ قیصر باغ میں خود کچہری کرتی تھیں۔

انگریزوں نے ان کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا جگہ جگہ اعتراف کیا ہے کہ ۱

"By all accounts was vigorous minded and energetic woman."

”وہ ہر لحاظ سے نہایت طاقت ور ذہن و دماغ کی ایک مستعد عورت تھی“
 بیگم کی ہر دل عزیز کی کے علاوہ برجیس قدر سے انقلابی سپاہ کی محبت بھی قابل
 دید تھی۔ قیصر التواریخ میں ہے کہ باغی سپاہ کے افسر برجیس قدر کو سینے سے لگاتے اور
 کہتے کہ تم کہنیا ہو۔ ۲

مولانا احمد الشہ شاہ جو فیض آباد سے لکھنؤ آگئے تھے انقلابی عوام اور فوجیوں میں
 انتہائی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے اشارے پر ہزاروں مجبان
 وطن جانیں نچھاور کرنے کو تیار تھے اور عوام و خواص میں یہ عقیدت مندری بڑھتی ہی چلی
 جاتی تھی لیکن اس بڑھتی ہوئی مقبولیت نے جہاں عام لوگوں میں وطنی اور قومی جذبات کی
 روح پھونکی وہاں ایک طبقے کو ان سے بطنی اور حسد پر آمادہ کر دیا۔ بیگم حضرت محل کے ساتھ
 ہر جگہ مموخاں کا نام آیا ہے۔ تازیخ کے صفحات اس شخص کی جرأت، بہادری یا دانش مندی کا
 کوئی پہلو پیش نہیں کرتے بلکہ بعض جگہ یہ تذکرے ملتے ہیں کہ اس کی حرکتوں نے بنے بنائے
 کام بگاڑ دینے بیگم اور مولانا کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے میں اس نے اہم رول ادا کیا،
 شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دی اور طرح طرح کی بھید گیاں پیدا کرتا رہا۔ اس کے ایک ساتھی
 شرف الدولہ کی دغا بازی تو ثابت بھی ہو گئی جس کو مولانا کے ساتھیوں نے

قتل کیا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ مموخاں نے بھی کسی نہ کسی موقعے پر انگریزوں سے ساز باز ضرور کی ہوگی اس کے سگے بھائی پر یہ الزام ثابت بھی ہوا تھا کہ وہ سازش کر کے انقلابیوں کی توپوں میں بھوسہ بھرنے میں شامل تھا۔

بیگم حضرت محل اور مولانا احمد اللہ شاہ کی کشیدگی نے یہ رنگ دکھایا کہ ایک پارٹی منظم کر کے مولانا کو لکھنؤ سے نکالنے کی تدبیریں کی جانے لگیں۔ بعض سپاہیوں کا حال اس افراتفری میں یہ تھا کہ وہ کبھی مموخاں کے ساتھ ہو جاتے اور کبھی معافی تلافی کر کے مولانا کے ساتھ آ ملتے تھے۔ اس انتشار سے نقصان پہنچنا یقینی تھا۔ اُدھر انگریزوں کو بھی یہ حالات معلوم ہوتے رہتے تھے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق ختم ہو چکا ہے، انتشار اور افراتق کا دور دورہ بڑھتا ہی جاتا ہے، لے دے کر اگر کچھ ہے تو انگریز کے خلاف نفرت کا جذبہ اور جوش و خروش ہے۔ غرض یہ کہ مولانا نے یہ عداوتیں دیکھ کر شہر چھوڑ دیا اور شہر سے باہر ایک باغ (حکیم مہدی کی سرائے) میں قیام کیا۔ لکھنؤ میں آپ کا قیام تاراً کوٹھی (موجودہ اسٹیٹ بینک) میں تھا۔ اس دوران میں علی نقی خاں سابق وزیر و اجد علی شاہ اور نواب منور الدولہ وزیر سابق اجد علی شاہ کے گھر باغیوں نے لوٹ لیے بلکہ منور الدولہ کی جان کے بھی لالے پڑ گئے، گرفتار ہوا، شرف الدولہ نے جان بچائی اور برصغیر قدر کو بندوق سکھانے کا استاد مقرر کیا گیا۔ کچھ انگریز مرد عورت سیتاپور سے قید کیے گئے۔

۱۰ شرف الدولہ کی انگریزوں سے ساز باز کا راز اُس وقت کھلا جب لکھنؤ خون میں نہا کر شکست ہونے کو تھا، اُس نے انگریز فوجیوں کو ڈولیوں میں بٹھا کر شہر میں داخل کرادیا۔ جس کی وجہ سے انگریز فوجوں کو رہنمائی مل گئی اور وہ کامیاب ہوئیں۔ جب انقلابیوں کو پتہ چلا تو اس کو گرفتار کر کے قتل کرادیا گیا۔ اس کا نام محمد ابراہیم تھا۔ یہ سابق شاہ اودھ محمد علی شاہ کا وزیر تھا۔

تھے، مع محمود خاں کو تو ال مفرد کے بر جس قدر کے دربار میں حاضر کیے گئے، بیگم نے عورتوں کو زنانہ محل میں بہ نگرانی داروغہ واجد علی رکھنے کا حکم دیا۔ انہی عورتوں کو میر واجد نے شکست لکھنؤ کے بعد انگریزوں کے سامنے پیش کر کے انعام پایا۔ انگریز مردوں کو بیگم نے قید کرنے کا حکم دیا لیکن انقلابیوں نے مع کو تو ال محمود خاں انھیں قتل کر دیا۔ اس کو تو ال کے ظلم سے سب لوگ عاجز تھے۔ اس کے بعد علی رضا بیگ کو تو ال مقرر ہوا۔

ہیولاک مصیبت میں | جنرل ہیولاک ایک بڑی فوج لے کر کانپور سے لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن ادھر انقلابی عوام چپے چپے پر خون کی ندیاں بہانے کے لیے لڑکار رہے تھے۔ ۱۰ جولائی کو وہ کانپور پہنچ گیا۔ ۲۵ کو گنگاپار کے اودھ میں داخل ہوا اور منگلوار پر کمپ لگایا لیکن تین دن کے اندر ہی اندر یعنی ۲۸ جولائی سے اسے جگہ جگہ سخت مقابلے کرنا پڑے۔ زمینداروں اور تعلقہ داروں کی فوجیں مقابلے کے لیے ہر قدم پر سرکھٹیں۔

آناؤ پر جنگ | سب سے پہلے آناؤ پر ایک زبردست معرکہ ہوا۔ (۲۹ جولائی) انقلابیوں کو اس مورچے سے ہٹنا پڑا مگر جب انگریزی فوجیں گاؤں کے قریب پہنچیں تو گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ شہر کے کچے مکانوں کی دیواروں میں سوراخ تھے۔ اور ان سے بندوقوں کی نالیاں مسلسل گولیاں برسا رہی تھیں۔ انگریزوں کے ہی بیانات اس جنگ کا کچھ حال ہمیں سناتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں باغیوں کی بے مثال بہادری کے کارنامے منظر آئے۔ پورے گاؤں کو آگ لگا دی گئی مگر اس کے باوجود وہ پوری جرات اور استقلال سے مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن ان کی شکست کے فوراً بعد ایک اور انقلابی فوج آناؤ پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ انگریزوں نے بھی آگے بڑھ کر

اپنا مورچہ بنالیا۔ باغی اگرچہ اُن کے مورچے اور دفاعی پوزیشن کا پورا اندازہ نہ لگا سکے مگر جس استقلال و پامردی کا مظاہرہ کیا اس کی داد جنرل آئسن بھی دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ دینا پور (بہار) میں بغاوت ہو جانے کی وجہ سے ہیولاک کو فوجی امداد ناممکن ہو گئی۔

یہاں سے پیچھے ہٹنے کے بعد انقلابی فوجوں نے فتح پور چوراسی پر پھر ہیولاک کا مقابلہ کیا جہاں اُن کا سردار جسٹا سنگھ تھا۔ اس کے بعد بشیرت گنج پر ایک اور جنگ ہوئی۔ انگریز فوجوں کو اس دوران میں صبح سے شام تک مسلسل جنگ کرنا پڑ رہی

بشیرت گنج اور نواب گنج کے معرکے

تھی۔ ان کے بارود میگزین کا ایک تہائی حصہ ضائع ہو گیا اور ابھی تک لکھنؤ کا ایک تہائی راستہ بھی طے نہ ہو پایا تھا۔ ہیولاک کو بھڑوں کے اس چھتے میں آگے بڑھنا دشوار ہو گیا اور وہ کسی نتیجے پر پہنچے بغیر منگل وار پر واپس آ گیا۔ ۳ اگست کو اسے کچھ فوجی امداد مل گئی۔ ۴ اگست کو وہ یہاں سے پھر روانہ ہوا اور بشیرت گنج پہنچا۔

جب ہیولاک کان پور سے روانہ ہوا تو نانا صاحب پھر کان پور آ گئے اب ان کے ساتھ گوالیار اور ساگر کی فوجیں بھی تھیں۔ اُدھر دانا پور کی تین رجمنٹوں نے بھی بغاوت کر دی تھی۔ انقلابی فوجیں پھر بشیرت گنج پر قابض تھیں۔ یہاں دوبارہ تصادم ہوا۔ انقلابیوں نے ایک گاؤں بیج پور سے انگریزی فوج پر گولہ باری اور فائرنگ کی جہاں انھوں نے پیچھے ہٹ کر مورچہ بنالیا تھا لیکن یہاں سے شکست کے بعد پانچ میل دور ہٹ کر نواب گنج میں صف آرا ہوئے اور بشیرت گنج سے بھی زیادہ مضبوط

پوزیشن میں تھے۔ انگریز افسروں کے بیانات کے مطابق :

”جنگ جو آبادی نے دفاع کیا اور ایک نہایت ماہر تربیت یافتہ فوج

نے، جسے ہمارے ہی افسروں نے تربیت دی تھی، ہمارا مقابلہ کیا۔ ہر

گاؤں ہمارے مقابل کھڑا تھا، زمیندار اور جاگیردار متحد ہو کر ہمارے

خلاف جنگ کے لیے اُٹھے تھے“ ۱۔

نانا صاحب یہاں سے بارہ میل دور مع فوج کے موجود تھے۔ پوری گوالیار کنجٹ نے

بغاوت کر دی تھی۔ اُدھر دینا پور کی باغی فوج مرزا پور ہو کر نانا صاحب کے جھنڈے تلے

آ رہی تھی انگریز جنرل نے ان حالات سے بدحواس ہو کر لکھنؤ کی فتح کا خیال چھوڑ دیا۔ وہ

پھر منگل وار پر لوٹ آیا۔ جاسوسوں نے پھر خبر دی کہ چار ہزار انقلابی فوج مع توپوں کے

بشیرت گنج پراگئی ہے۔ بدحواس اور لاچار انگریزی فوج پھر آگے بڑھی، درختوں کی آڑ

لیتی اور بارش میں بھسکی پیہچی تو دیکھا کہ انقلابی فوجیں تیسری بار پھر بشیرت گنج کے

میدان میں مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ انھوں نے ڈیڑھ میل بڑھ کر ایک گاؤں بوڑھیا

(Burhiya) میں کھائیاں کھود کر مورچے بنا لیے ہیں۔ یہ مقام انھوں نے

بڑی ہوشیاری سے چننا تھا اور غیر معمولی مہارت سے مورچہ بندی کی تھی، داہنی طرف

بیٹری لگائی تھی اور بائیں طرف ایک ٹیلے پر تین توپیں نصب کی تھیں۔ اسی جانب

ایک گہری دل دل تھی جسے انھوں نے ہری گھاس پھونس سے بالکل چھپا دیا تھا۔

۱۲ اگست کو انگریزی فوج اس چال سے بے خبر جیسے ہی اندھا دھند آگے بڑھی،

1. Freedom StruggleUP vol.2 pp.175-176

CHAUDHURI: Civil Rebellion p.30

2. MARSHMAN: Memoirs of Havelock

اچانک اس دل دل میں پھنس گئی جو بظاہر بالکل سوکھی زمین معلوم ہوتا تھا، فوراً فوراً ہی پیچھے کو بھاگی مگر انقلابی توپوں نے دل دل میں پھنسی انگریزی فوج کو نشانہ بنا لیا۔ ادھر توپوں کے پیچھے انقلابیوں کی پیدل فوج گولیوں کی بارش کر رہی تھی۔ آخر کار ہائی لینڈرز (پہاڑی دستے) سنگین لے کر چھوٹے اور توپچیوں کو نشانہ بنایا تب جا کر جان چھوٹی اور انقلابی ان سنگینوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ ان جنگوں کے دوران انقلابی سردار جسٹا سنگھ بھی کام آگیا جس نے جنگ میں حصہ لے کر انگریزوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا۔

اُناؤ کا جاں باز ہیرو | اُناؤ کی جنگ کے دوران ایک بہادر انقلابی کا مشہور انگریز مورخ چارلس بال نے حیرت سے ذکر کیا ہے۔ اُس نے اُناؤ کی تاریخی جنگ کا یہ عجیب منظر بیان کرنے کے بعد کہ باغی یہاں پوری طرح مٹی کی دیواروں کے پیچھے چھپے ہوئے اطمینان سے گولیاں برسارہے تھے اور انگریزی فوج، جسے تین بار پیچھے ہٹنا پڑا، سوائے اس کے کچھ نہ کر سکتی تھی کہ ان گولیوں کا شکار بن کر ڈھیر ہوتی رہے، لکھا ہے کہ آخر کار سوار فوج واپس ہوئی اور آگ لگانے والے فٹیلے پھینکے گئے لیکن یہاں ایک شخص کچی مٹی کے ایک چھوٹے سے قلعے میں پوشیدہ تھا جو اپنے ساتھیوں کی شہادت کے بعد تک زندہ بچ گیا تھا۔ جیسے ہی انگریزی فوج سامنے

سے گزری وہ اپنی پناہ گاہ سے اُبھرا اور توڑے دار بندوق سے گولیاں برسائے لگا۔ اُس کی بہادری نے سب کو حیران کر دیا۔ وہ سپاہی نہیں تھا۔ انگریز فوجی اسے پہچانا چاہتے تھے، اُسے آوازیں دی گئیں کہ وہ ہٹ جائے مگر اُس پر اثر نہ ہوا، بدستور اپنی جگہ ڈٹا گولیاں برساتا رہا۔ آخر کار چند سکھوں نے جا کر آگ اور دھواں چھوڑا اور وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ جب وہ اُس مورچے کو پار کر کے اپنے دشمن پر آخری وار کرنے جا رہا تھا تو سر میں گولی لگی اور وہ ختم ہو گیا۔ چارلس بال نے یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر محفوظ کر دیا ہے مگر اس جانباز انقلابی کے بارے میں کیسے بتایا جائے کہ وہ کون تھا۔ اُنہی کی جنگ پر میکلائڈ انس نے بھی حیران ہو کر لکھا ہے کہ ”شہر کی سڑکوں پر یہ عجیب فائرنگ ایسی تھی کہ ہم دشمن کو چھو بھی نہ سکے اور وہ ہمیں سزا دیتا رہا۔“ ۱

کان پور پر جنگ | ہیولاک نے فتح پائی مگر سخت نقصان اٹھایا۔ وہ ۲۹ جولائی کو منگلوار سے بڑھا تو ۵۰ آدمی تھے اور جب ۳۱ جولائی کو واپس لوٹا تو صرف ۸۵ آدمی تھے۔ دوسری بار ۲ اگست کو بڑھا تو پھر یہی صورت پیش ہوئی۔ اس کے مقابل تین ہزار انقلابی فوج تھی۔ روپیا اور دُوندیا کھڑے کے تعلقہ داروں کے علاوہ فرخ آباد میں نواب کی کمان میں فوج موجود تھی۔ کانپور میں ساگر اور گوالیار کی فوجیں تھیں۔ دانا پور کی بغاوت نے اور بھی حواس باختہ کر دیا اور ہیولاک پیچھے ہٹ آیا، فوج میں ہراس اور ناامیدی تھی، کمانڈر انچیف کو اس نے اپنی لاچاری کا حال لکھا۔ اسی حالت میں ایک اور معرکہ ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء کو پورہیا کی چوکی پر ہوا اور وہ پھر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان معرکوں میں دوندیا کھڑے کے

1. CHARLES BALL: Vol.2 pp 16-23

2. INNES: Sepoy Revolt pp.155-157

راؤ رام بخش ترف سرائے کا جٹا سنگھ۔ ہر جوسنگھ۔ مٹھی سنگھ وغیرہ مقابل تھے۔ منگلوار پر تمام قریبی علاقوں کے لوگ شریک تھے۔ ہیولاک کا پنور کو واپس لوٹ گیا مگر یہاں ۱۶ اگست کو پھر مقابلہ کرنا پڑا۔ اس جنگ میں انقلابیوں کی پامردی اور استقلال کو خود ہیولاک نے ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے :

”مجھے یہ اعلان کر کے باغیوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے کہ وہ پامردی اور استقلال سے لڑے“۔ ۱

ابھی نانا صاحب کی ایک اور فوج کالپی میں موجود تھی اور ہیولاک چاروں طرف سے گھر گیا تھا۔ الہ آباد کی سرکاری رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہاں اودھ کے زمینداروں اور عوام کے علاوہ دو آبہ کے زمیندار بھی مقابل تھے اور آخر اگست میں صرف گرانڈ ٹرنک روڈ انگریزوں کے قبضے میں گئی۔ ۲

لکھنؤ میں انقلابی فوجیں | لکھنؤ میں اودھ کے متعلقہ دارا اور فوجیں جمع تھیں۔ فورس پھیل کا خیال حقیقت کا آئینہ ۳

ہے کہ ”یہ اندازہ لگانے کے لیے بہت زیادہ بصیرت کی ضرورت نہیں کہ اودھ کی تمام آبادی ہمارے مقابلے میں تھی“ انگریز افسروں کی پوشیدہ خط و کتابت سے صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے کہ اکتوبر ۱۸۵۷ء تک مان سنگھ، ہنومن سنگھ، بینی مادھو گھونا تھا اور اس کا بیٹا (سوانا تھا بخش)۔ بھگوان بخش۔ مادھو سنگھ دیبی بخش۔ ہری و نت سنگھ (ساکن کربا) وغیرہ مع فوجوں کے موجود تھے۔ شنکر پور

۱۔ فارسٹ : ہسٹری آف انڈین میوٹنی۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۵

سین : ص ۲۰۷

۲۔ چودھری : ص ۳۱ (رپورٹ ایم ایچ کورٹ)

(رائے بریلی) سے بینی مادھو کا بھائی جو گراج فوج اور توپیں لے کر ستمبر میں پہنچا۔ پر گنہ
 دال متو کے بہت سنگھ ساکن سمیر پترا کے علاوہ وجہ بہادر۔ جگن ناتھ بخش اور رام پرشاد
 (ساکن نین) وغیرہ تھے۔ الہ آباد کی طرف شیخ احمد علی اور فیض آباد میں آغا حسن وغیرہ
فوج منظم کر رہے تھے۔ اور شیش سنگھ کے قلعے (دھورورا) میں علاقے کے راجماروں
کے علاوہ ایک ہزار فوج اور توپیں تھیں۔ مہدی حسن فیض آباد سے جون پور پر حملے کی
تیاری کر رہا تھا جس کے ساتھ پرکھی پال، مہادیو پرشاد اور کشن پرشاد وغیرہ تھے۔
سرائے میر (اعظم گڑھ) کا منصب علی کٹاریہ میں بینی مادھو کی فوج کا سردار تھا۔
مہدی حسن نے ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو چاندا پر جنگ کر کے انگریزوں کو جون پور کی طرف
دھکیل دیا، بیگم اودھ کی طرف سے اُسے خلعت دیا گیا، اس کا پڑاؤ حسن پور (جون پور
سے ۲۰ میل) پر تھا۔ انگریز اسرپی کاریگی کی خفیہ رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جون پور اور
اعظم گڑھ پر کئی طرف سے حملے کا پلان بنایا گیا تھا۔ ایک فوج سلطان پور، دوسری
فیض آباد اور تیسری گورکھپور سے بڑھنے والی تھی۔ اُدھر گوالیار اور اندور کے باغی
سپاہ کانپور سے سولہ میل تھے۔ اکبر پور اور بھوگنی پور کے زمینداران کو رسد فراہم کر رہے
تھے۔ الہ آباد کے قریب سالون کا ناظم فضل عظیم اور نائب ناظم روح الامین مع فوج
سوراؤں پر موجود تھے۔ جیلیوز تک کھلی بنیاد ت ہو رہی تھی۔ فیض آباد کے قریب اکبر پور۔
جلال پور، شہزاد پور، سلطان پور بنیادوں کے مرکز تھے۔ بینی مادھو۔ جے لال سنگھ۔
مادھو پرشاد۔ مہدی حسن۔ خدا بخش۔ غلام حسین یہاں فوجوں کی کمان کر رہے تھے اور نومبر
۱۸۵۷ء میں انھوں نے پے درپے حملے کیے۔ انگریز فوج جون پور کی طرف پیچھے ہٹ گئی،
جنرل فرنیکس کو بنارس کی طرف بڑھنے کا حکم ملا۔ انقلابی آپس میں رابطہ قائم کیے ہوئے
تھے اور تنظیم کے ساتھ بڑھ رہے تھے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جون پور پر حملے کا پلان
کیوں ناکام رہا۔ مورخ چودھری کا کہنا ہے کہ "یہ اُن چند اچھے موقعوں میں سے ایک تھا

جہاں باصلاحیت رہنمائی اور بہتر پلان کے ساتھ انگریزوں کو شکست دی جا سکتی تھی۔ ”اُدھر لکھنؤ میں اوٹرم سخت مصیبت میں تھا۔ آس پاس کا تمام علاقہ بنگالہ پر کمر بستہ تھا اور رسد تک ناممکن“۔ ۱۷

لکھنؤ میں تعلقہ داروں کی جو فوجیں (اکتوبر۔ دسمبر) جمع تھیں ان کا اندازہ انگریز جاسوسوں نے الگ الگ قائم کیا ہے۔ ان میں ہر دت سنگھ (بہرائی)۔ رگھوناتھ سنگھ (رائے پور)۔ ہر دت سہائے (چردا) شام سنگھ (زوراپور)۔ مادھو سنگھ (ایٹھھی) کے علاوہ چنگاپور اور کمار قبیلے۔ بھنگا۔ تلسی پور اور نان پارہ کے تعلقہ دار بھی تھے۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ محمود آباد کا کمانڈر خان علی خاں ان کی کمان کر رہا تھا۔ سب ملا کر ایک لاکھ کے لگ بھگ کا اندازہ ہے۔ میلیسن نے ایک لاکھ بیس ہزار بتایا سپاہ نے کم تنخواہ (۹ روپے) پر کام کرنا منظور کیا۔ عالم باغ پر حملے میں پاسی قبیلے کے بارہ سو آدمی شامل ہوئے جو تیر و کمان سے جنگ کر رہے تھے۔ شاہ نجف پر مقابلے میں بھی تیر و کمان کا استعمال ہوا۔ انقلابی فوج کے سرداروں میں کیپٹن صوبے سنگھ۔ اکی پال سنگھ گجادر۔ سنیل سنگھ۔ امراؤ سنگھ۔ فداحسین۔ گوری سنگھ۔ راج مندر نیواری

مخدوم بخش۔ آغا حسن۔ علی باقر۔ بہادر علی۔ ہری سنگھ۔ میر تقی علی۔ شہریار۔ تھور خاں رسالدار۔ علی بخش خاں۔ محمد اکبر اور سید برکات احمد وغیرہ اور تعلقہ داروں میں، جو مح فوج کے لکھنؤ آئے۔ رگھوناتھ سنگھ (ربوڑا)۔ رائے پور) کشن دت پانڈے۔ رگھوناتھ (بیسواڑہ)۔ راجہ تلوی۔ لال بہادر۔ بینی بہادر۔ راجہ نواب علی (محمود آباد)۔ امراؤ سنگھ (مہوا)۔ راجہ حسین علی۔ کالکا بخش (چاندا)۔ صغرابی بی (مینار پور)۔

۱۷ سرکاری رپورٹیں اور خفیہ خط و کتابت، محفوظ در کامن ویلتھ ریلیشن آفس لندن

بحوالہ چودھری ۲۵-۲۷، ۱۳۱-۱۳۲

علی بخش (محمدی گاؤں)۔ دلپت شاہ (بھدائن)۔ آنندی۔ خوشحال سنگھ (گوسائیں)
 گنج (سنگھ درشن سنگھ) (سمروتا) لال بلونت سنگھ (کالا کانکر)۔ گلاب سنگھ (نرول)۔
 دگ بچے سنگھ (مہونا)۔ ہیرادنت سنگھ۔ بسنت سنگھ۔ جگن ناتھ بخشی۔ راج پال سنگھ۔
 (لبنابرٹھا) وغیرہ تھے۔ علاقہ روٹیا کے نرپت سنگھ نے اپنی غیر حاضری کا سبب اس
 طرح تحریر کیا:

”پروانہ کرامت نشان حضور مشعر اجلاس فرمائی آیا۔ سرفراز و ممتاز
 کیا۔۔۔ خانہ زاد کی گڈھی سے علاقہ انگریزی قریب ہے فقط دریائے
 گنگ درمیان ہے۔ خانہ زاد کا آنا مصلحت وقت نہیں ہے۔
 انشاء اللہ اگر کفار قصد عبور گنگ کریں گے اقبال سرکار سے مقابلہ
 کر کے قتل کروں گا۔ واجب تھا عرض کیا گیا“۔ اے

رزیدنسی کے انگریز | لکھنؤ میں رزیدنسی کے محصور انگریزوں کا حال
 بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔ انقلابیوں کی طرف
 سے اعلان کیا جا رہا تھا کہ ہیولاک کو بچھے ہٹا دیا گیا ہے۔ کھانے پینے کا سامان
 کم ہوتا چلا جاتا تھا، بیماریاں پھیل رہی تھیں۔ جاسوس بھیجے گئے تو وہ بھی اچھی
 خبر نہ لائے۔ ۱۱ اگست کو ایک حصہ گرا اور کچھ لوگ دب گئے۔ باہر سے مسلسل
 گولیاں برس رہی تھیں۔ انگریزوں کو اپنے ہندوستانی ساتھیوں، یہاں تک کہ
 سکھوں پر بھی شک و شبہ تھا۔ برجیس قدر کی تخت نشینی سے انقلابیوں کے
 حوصلے بلند ہو گئے۔ مگر بیلی گارد کے انگریز قیدی اپنے افسروں کو کھوتے جاتے
 تھے۔ انقلابی ان انگریزوں کو یہاں سے نکال نہ سکے۔ ان کی تعداد میں تعلقہ

داروں کی غیر منظم، غیر تربیت یافتہ ٹکڑیاں اضافہ ضرور کر رہی تھیں مگر جنگی امداد نہ پہنچا سکتی تھیں۔ ہیولاک اور محصور انگریزوں کے درمیان ایک ہندوستانی انگد تیواری کی عنایت سے خط و کتابت بھی ہوئی۔ اسی کے ذریعے ۲۴ اگست کو بھی ایک پیغام آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم چار دن میں لکھنؤ پہنچ جائیں گے۔ انگد تیواری انقلابیوں کے ہتھے بھی چڑھ گیا اور جب رہا ہوا تو ہیولاک دوبارہ کانپور جا چکا تھا۔ ۲۹ اگست کو انگد پھر ایک خط لے کر آیا۔ نانا صاحب بھی لکھنؤ آکر محاصرے میں شریک ہو گئے تھے۔ جنرل بخت خاں بھی دہلی سے واپس آکر شریک ہوا۔ شہزادہ فیروز بھی لکھنؤ آ گیا تھا۔ شروع ستمبر میں راجہ مان سنگھ (شاہ گنج) نے مع فوج لکھنؤ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ۱۶ ستمبر کو محصور انگریزوں نے پھر انگد کو ایک خط لے کر بھیجا کہ انکی حالت ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ لفٹیننٹ جمیس گراہم نے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ باہر کے انقلابی انگریزوں کے ساتھ ہندوستانیوں کو طعنے دیتے تھے کہ وہ غدار ہیں اور دین کے خلاف جدوجہد میں حصہ لینے کا عذاب مول لے رہے ہیں۔ ۲۲ ستمبر کو پھر اوٹرم کا ایک خط آیا جس میں انگریزی فوجوں کے قریب آ جانے کی خبر تھی، ۲۵ ستمبر کو ہیولاک اور اوٹرم رزیدنسی میں داخل ہوئے۔ رزیدنسی توڑنے میں انقلابیوں کی ناکامی آپس کی پھوٹ، بد نظمی اور گولہ بارود کی کمی کا نتیجہ تھی۔

عالم باغ | عالم باغ کی انگریزی فوجوں سے بھی برابر مقابلہ ہوتا رہا۔ کیونکہ کچھ انگریزی فوج یہاں رہ گئی تھی اور درمیان کاپل اڑا دیا گیا

۱۔ جمیس اوٹرم اس سے پہلے ایران میں تھا، بغاوت شروع ہونے پر طلب کیا گیا، ۳ جولائی کو کلکتہ پہنچا (بمبئی سیلون ہو کر) دانا پورا اور کانپور ڈویژن کی فوجی کارروائیاں اس کی کمان میں دیدی گئیں، بیرام پور سے بنارس تک بغاوت کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی

تھا۔ انقلابیوں کی بنائی ہوئی سڑنگوں کو انگریز مورخ مارش مین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اوٹرم کی رائے میں وہ اس زمانے کے فن جنگ کے اعتبار سے بے نظیر تھیں۔ عالم باغ پر مولانا احمد اللہ نے بار بار حملے کیے۔ راجہ بے لال نے بھی حملہ کیا۔ ۲۰ ستمبر کو انگریزی فوجیں پھر لکھنؤ کی طرف بڑھنے لگیں۔ ہیولاک گنگاپارکر کے منگوار پر ایک تصادم (۲۱ ستمبر) کے بعد آگے بڑھا۔ اُدھر جمیس اوٹرم اپنی تازہ دم فوج لے کر آگیا۔ اس بار باغی فوجوں سے مقابلے کرنا نہیں پڑے باغیوں نے سنی کا پل بھی تباہ نہیں کیا اور انگریزی فوج بہ آسانی عالم باغ کے قریب آگئی۔ ۲۳ ستمبر کو چار باغ پر جنگ ہوئی جو رات کو بھی جاری رہی۔ عالم باغ پر اچانک حملے میں ہندوستانی چوکی کے آدھے سے زیادہ سپاہی قتل ہوئے۔ ۲۵ کو ناکہ ہندولہ کے قریب نہر غازی الدین حیدر کو پا کر کے غیر معروف راہ سے انگریزی فوج داخل ہوئی اور قیصر باغ کے شمال مشرق میں پہنچی۔ انقلابی توپیں اس موقع پر خاموش رہیں۔ بیگم حضرت محل مردانہ لباس میں تلوار لے کر محل سے باہر نکل آئیں۔ موتی محل۔ خورشید منزل اور قیصر باغ کی توپوں نے آگ اگلا شروع کر دی، پیدل فوج بھی مقابلے پر آگئی اور تارا کوٹھی سے لال بارہ در تک لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ مکانات سے بھی گولیاں برس رہی تھیں۔ عورتوں نے بے پناہ پتھر برسائے، سڑکوں پر دو دن متواتر جنگ ہوئی۔ ہیولاک کے سات سو بائیس آدمی ہلاک ہو گئے، جنرل نیل شیردروازے کے پاس ہلاک ہوا۔ انگریز سپاہی چھتر منزل کے صحن سے ہو کر زید تنسی میں داخل ہو گئے اور انقلابیوں نے دوبارہ محاصرہ کر لیا، پرانی اور نئی دونوں فوجیں اندر بند ہو گئیں۔ انگریزی فوجیں بیگم کو کھٹی پر قبضہ کرتی ہوئی سکندر باغ پہنچیں اور موتی محل پر ٹھہر گئیں۔ پھر خاص بازار سے دائرے کی شکل میں گھوم کر چھتر منزل پہنچیں۔

لکھنؤ میں خوں ریز جنگیں | نیا کمانڈر انچیف کو لن کیمپل کلکتے میں زبردست

تیاریاں کر رہا تھا۔ مدراس سیلون اور چین سے آنے والی فوجیں جمع کی گئیں اور پوری تیاری کے بعد ۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو کانپور پہنچا جہاں ونڈیم کی ماتحتی میں کچھ فوج چھوڑ کر ۹ نومبر کو لکھنؤ پر حملہ آور ہوا۔ عالم باغ میں انگریزی فوج کا پڑاؤ تھا، اُدھر رزیدنسی کے انگریزوں کو تمام اطلاعات مل رہی تھیں۔ انھیں ایک ایسے رہنما ضرورت تھی جو کولن کیمپبل کی فوج کو اوٹرم کا تجویز کردہ راستہ بتا سکے۔ رزیدنسی کا ایک انگریز ہندوستانی لباس پہن کر اور منہ پر سیاہی لگا کر اس کام پر آمادہ ہوا اور پرانے وفادار، قنوجی لال کے ہمراہ رات کی تاریکی میں انگریزی کیمپ میں آگیا۔ جہاں ۳۶ ہزار سے زیادہ لشکر موجود تھا۔ راہ نمائی پاکر اس لشکر نے کوچ کیا (۱۳ نومبر)۔ انقلابیوں نے ناکہ ہنڈولہ سے تالاب فتح علی خاں تک فوجیں لگا دی تھیں، تال کٹورے تک مضبوط مورچے بنائے تھے۔

اودھ کے تمام علاقوں میں اس دوران میں زبردست بغاوت ہو رہی تھی۔ ایک موقع پر تو گورنر جنرل یہ فیصلہ کرنے والا تھا کہ رزیدنسی پر حملے کا خیال ترک کر دے کیونکہ ریوا وغیرہ میں بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ اودھ کے زمینداروں میں نئی تنظیم کی بنا پڑ رہی تھی۔ لکھنؤ جون پور اور اعظم گڑھ وغیرہ کے لئے مہدی حسن کی فوج تیار ہو رہی تھی۔ متحدہ طور پر منظم جدوجہد کی رپورٹ تمام انگریزی جاسوس اور حکام (مثلاً پی کارنگی وغیرہ) دے رہے تھے۔ فیض آباد میں توپ فیکٹری قائم کی گئی۔ سیسہ پگھلانے اور چھڑے بنانے کا کام شروع ہوا۔ متعلقہ داروں کو امداد کے لئے آمادہ

۱۷ اس انگریز (کواناگ) کو بیس ہزار نقد اور وکٹوریہ کراس کے علاوہ اسٹینٹ کمشنر کا عہدہ ملا۔ قنوجی لال کو تحصیلداری اور پانچ ہزار روپیہ۔

کیا گیا۔ گوپی گنج وغیرہ میں مالگذاری جمع کی جارہی تھی۔ ہنومان گنج کے قریب ناظم اور نائب ناظم اپنی فوجوں کے ساتھ تھے۔ یہ غیر معمولی سرگرمیاں بغاوت کی عوامی نوعیت کا پورا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں ضلع قنچپور کے کچھوا اور کھیکپور میں باغی عوام اور سپاہ بڑی تعداد میں موجود تھے۔ گورکھ پور اور باندہ پر انقلابی علم لہرا رہا تھا۔

لکھنؤ میں دل کشا سے شاہ نجف تک جا بہ جاتو پیس لگی تھیں۔ نقشے کے مطابق کوئن کیمپبل ۱۲ نومبر کو عالم باغ اور قلعہ جلال آباد سے جنوب کی طرف بڑھا۔ انقلابی فوجیں اس قدر پامردی سے مقابل ہوئیں کہ اگرچہ تالاب فتح علی خاں کی چوکیاں گولہ باری سے مسمار ہو گئیں مگر دل کشا باغ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ لاماٹینیئر (La Martiniere) پر قبضے کے بعد اب ان کا نشانہ موتی محل تھا لیکن انقلابیوں کو دھوکا دینے کے لئے بیگم کوٹھی پر فائرنگ کی گئی۔ ۱۶ نومبر کو اس فوج نے گوتمتی کے قریب نہر پار کی اوسکند باغ پر حملہ کیا۔ انقلابیوں کو اس طرف حملے کی امید نہ تھی اسی لئے دوسری سمت کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ یہاں اُن کے پاس تو پیس بھی نہیں تھیں، توڑے دار

۱۔ چودھری / ۳۹۔ ۳۷ بحوالہ کاغذات پارلیمنٹ لندن۔ غازی مجاہدین کے

رہنما مولوی مسیح الزماں۔ اجیر علی اور سبر علی تھے۔ (چودھری / ۱۳۲)

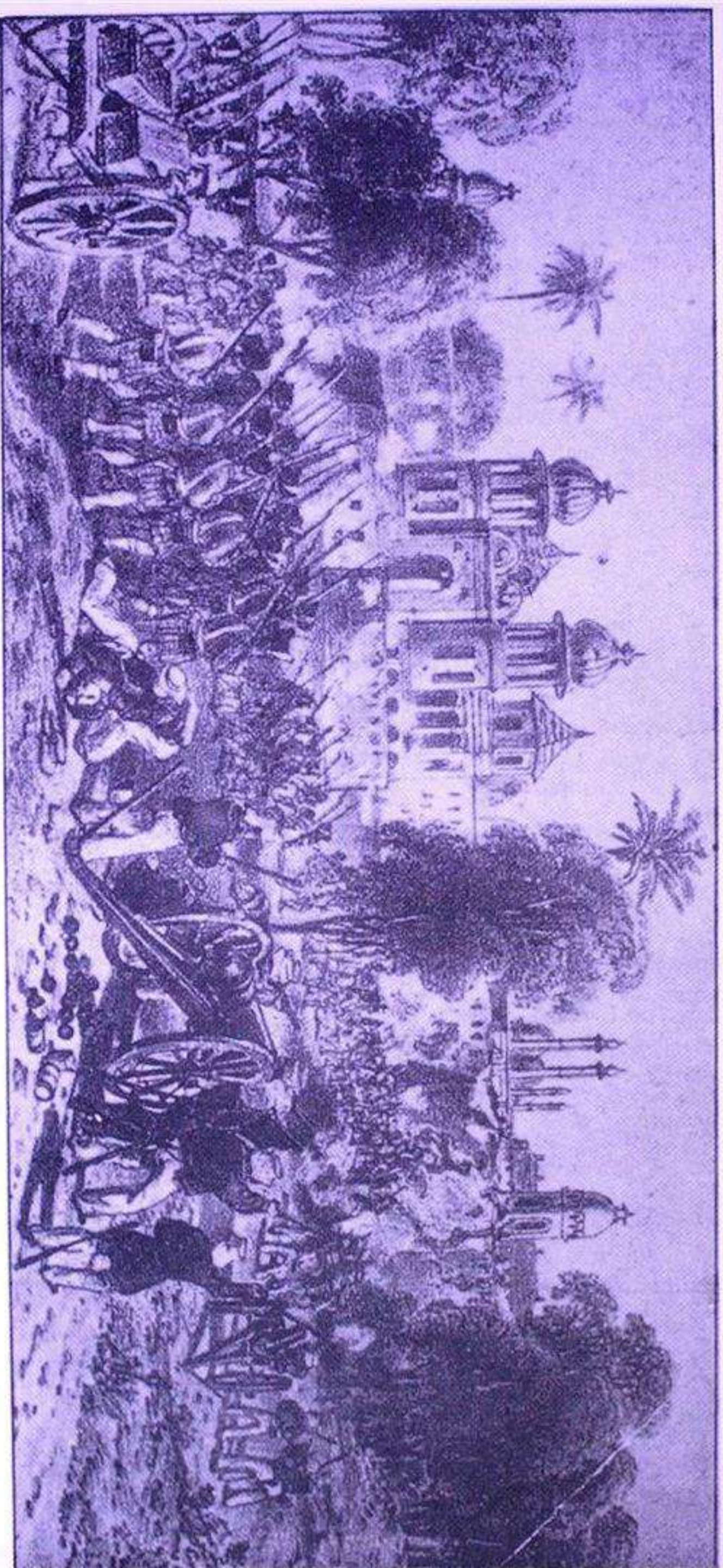
۲۔ دل کشا انیسویں صدی کے شروع کی تعمیر ہے، والیان اودھ کی شکار گاہ تھی اس کے قریب ایک خوب صورت پارک تھا۔ مارٹینز ایک فرانسیسی کلاڈ مارٹن کا بنوایا ہوا ہے جو بحیثیت سپاہی ۱۸۵۷ء میں کاؤنٹ ڈی لالی کے ہمراہ ہندوستان آیا۔ ۱۸۶۱ء میں انگریزوں نے گرفتار کر لیا اور پانڈپچری سے بنگال بھیج دیا پھر وہ انگریزی فوج میں کیپٹن ہوا، اودھ دربار سے وابستہ رہا اور اہم حیثیت حاصل کی۔ اس عمارت میں کلج اسکی وصیت کے مطابق بنایا گیا یہ اسکی رہائش گاہ تھی، یہیں دفن ہوا۔ بغاوت کے دوران میں اسکی قبر کھود کر ٹھیاں پاش پاش کر دی گئیں۔

بندوبست نئے ساز و سامان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں جن سے انگریزی فوج مسلح تھی بلکہ جلد
قسم کی توپیں بھی ہمراہ تھیں۔

انگریزی فوجیں ابھی سکندر باغ پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ
سکندر باغ کی جنگ اُن پر تین طرف سے گولہ باری شروع ہو گئی یعنی دائیں

طرف سکندر باغ سے، بائیں طرف ہارکوں اور سرائے سے، سامنے میس ہاؤس اور قیصر
باغ سے۔ ایڈوائس گارڈ کو ٹھہرنا دشوار ہو گیا تو ہوپ گرانٹ کا بریگیڈ اور نمبر ۵۳ مدد
کو پہنچی۔ باغ کے نزدیک ایک سٹوئینس مربع گز جگہ میں بیس گز اونچی چہار دیواری اور گوشو
پر گول مورچے بنے ہوئے تھے، صرف ایک دروازہ تھا جس پر دو منزلہ عمارت (گارڈ روم)
بنی تھی۔ اس مورچہ نما جگہ کے شمالی رخ پر ایک پوئلین بنا ہوا تھا اور ہر طرف سے مسلسل
گولہ باری ہو رہی تھی۔ کولن کمپبل نے دیوار کا جنوب مشرقی کونہ منتخب کیا کہ شگاف پیدا
کیا جائے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہی بیٹری کا کیپٹن ہارڈی مارا گیا، چوڑا انگریزا فسر اور چھ
توپچی جاں بحق ہوئے، بیس گھوڑے گرے۔ انگریزی توپوں نے شگاف ڈالنے کا کام شروع
ہی کیا تھا کہ انقلابی فوج کا ایک دستہ بائیں طرف سے حملہ آور ہوا جس کو اڈرین ہوپ نے
مقابلہ کر کے ہٹایا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی گولہ باری کے بعد تین مربع فٹ شگاف سلطان
گنج طرف اہو گیا جو زمین سے تین فٹ کے قریب بلند تھا۔ کولن نے فوراً حملے کا حکم دے
دیا اور سپاہی اس شگاف سے اندر داخل ہونے لگے جن میں کئی موت کے گھاٹ اترے۔
انقلابیوں نے اس مورچے پر دھاوا روکنا ناممکن دیکھ کر سکندر باغ کا صدر دروازہ

۱۷ سکندر باغ واجد علی شاہ کی تعمیر ہے، سکندر بیگم کو عطا ہوا تھا ”آرام گاہ ظل اللہ“
(۱۲۶۴ھ) سے تاریخ نکلتی ہے۔ جو انقلابی یہاں شہید ہوئے ان کی لاشیں
یہیں دفن ہیں۔



سکندر باغ لکھنؤ، جہاں ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ کو دہنوار انقلابی قربان ہوئے

بند کرنا چاہا جسے انگریزی فوج کے ایک سپاہی (مقرّب خاں) نے اپنا بازو درمیان میں پھنسا
 ناممکن بنادیا اور دروازہ کھلتے ہی فوج اندر داخل ہو گئی۔ یہاں دو ہزار (یا تین ہزار)
 انقلابی فوج یا موت کا عزم لے کر جمع ہوئے تھے۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب یہ معرکہ شروع
 ہوا۔ رابرٹس اس موقعے کا چشم دید مبصر ہے جو اس حملے میں شریک تھا۔ اس کا بیان ہے کہ
 یہاں دو ہزار سے زیادہ آدمی اس خیال سے جمع تھے کہ جیسے ہی ہماری فوجیں حضرت گنج
 کی سڑکوں پر پہنچیں گی وہ دہائی طرف سے اچانک حملہ کریں گے لیکن وہ اچانک چاروں طرف
 سے گھیر لئے گئے۔ انھوں نے جواں مردی سے ایک ایک انچ پر مقابلہ کیا۔ کولن نے چار بجے
 کے قریب تازہ دم دستوں کو بڑھا کر زبردست حملہ کیا۔ انقلابیوں کے پاس میگزین ختم ہو
 چکا تھا لیکن چاروں طرف سے مسلسل گولیاں برس رہی تھیں۔ تمام دن کی خوفناک جنگ
 کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج نے ان کے ہر فرد کو اپنا عہد پورا کر کے موت سے ہم کنار پایا۔
 متعدد انگریزوں کے چشم دید بیانات گواہ ہیں کہ ہر فرد نے اپنی جان بچھا کر دی۔ لارڈ
 رابرٹس کا کہنا ہے کہ اس جنگ کا بیان کرنے کے لیے خاص قسم کا قلم درکار ہے۔

سکندر باغ کی سرزمین قسمت کی بھی سکندر کی! چشم دید بیانات یہ ہیں کہ تین ہزار
 انقلابیوں کے خون سے اس طرح تر بہ تر ہو گئی جیسے کھیت میں آبپاشی ہوتی ہے۔ فارسٹ
 کا بیان ہے کہ شہیدوں کی لاشیں پوری زمین پر ”ایک گز اونچے فرش کی طرح بچھ گئی
 تھیں“ رابرٹس کہتا ہے کہ ”لاشوں کا یہ ڈیر میرے سر کی برابر اونچا تھا“ کمانڈر انچیف
 کولن نے حیرانی سے لکھا ہے کہ ”میں نے ہتھیاروں کے ایسے بہادرانہ کمالات آج تک

نہیں دیکھے“ فارسٹ نے یہ بیان نقل کر کے لکھا ہے کہ کولن کے اس بیان میں قطعی مبالغہ نہیں کہ لے

(There never was a bolder feat of arms)

یہ معرکہ تاریخ میں یوں بھی یادگار رہے گا کہ مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی اس جنگ میں حصہ لے رہی تھیں۔ مورخوں مثلاً گورڈون الگزنڈر اور فورسٹن میچل وغیرہ نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ میچل نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد انگریز فوجی پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے۔ انھیں ایک پیل کے درخت کے نیچے کچھ پانی کے گھڑے نظر آئے تو کچھ فوجی پانی پینے کے لیے اُدھر چھپے مگر کوئی واپس نہ لوٹ سکا کیونکہ ایک نامعلوم جگہ سے گولیاں چلیں اور سب وہیں ڈبھر ہو گئے۔ درخت اُوپر کی طرف بہت گھٹنا تھا۔ کیٹن نے ایک انسٹر (کونیکٹر پلیس) کو حکم دیا کہ وہ دیکھے یہاں کوئی باغی تو چھپا ہوا نہیں ہے۔ پلیس نے گولی چلائی تو پیٹر سے ایک لاش نیچے گری۔ یہ ایک جوان عورت تھی جو لال رنگ کی تنگ جیکٹ اور گلابی رنگ کا ریشمی پاجامہ پہنے تھی۔ وہ پرانی قسم کی ایک کیولری پستول سے مسلح تھی، ایک بھرا ہوا پستول اس کی پیٹی میں لگا ہوا تھا اور اس کی تفیلی میں بارود بھری ہوئی تھی۔ اُس نے چھ انگریزوں کو ختم کیا تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار عورتیں مردانہ لباس میں اس جنگ میں شریک تھیں۔ گورڈون الگزنڈر کا بیان ہے کہ یہاں کچھ نیگرو حبشی عورتیں بھی تھیں جو جنگی بلیوں کی طرح خوفناک انداز میں جنگ کر رہی تھیں اور یہ راز ان کی موت کے بعد کھلا کہ وہ عورتیں تھیں لے

1. FORREST: Indian Mutiny Vol.2 p.299

2. MITCHELL (F): & GORDON ALEXANDER

فریڈ رابرٹس ایک خط میں لکھتا ہے کہ ”میں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا دو ہزار باغیوں کی لاشیں ڈھیر کی طرح زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔ میں ایک ایسے ڈھیر کے قریب گیا تو دیکھا کہ ان میں کچھ مردہ اور زیادہ تر زندہ تھے مگر وہ اٹھ نہ سکتے تھے۔ جب میں ان کے قریب گیا تو وہ مرتے ہوئے زخمی بھی نفرت و حقارت کے اظہار سے باز نہ رہ سکے۔ انھوں نے ہمیں لعنت ملامت کی اور کہا کہ:

”اگر ہم صرف کھڑے بھی ہو سکتے تو تمہیں زندہ نہ چھوڑتے“^۱

انگریزوں کو بھی اس جنگ میں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ کسی بڑے افسر مثلاً گوپرا ولس ڈاؤن وغیرہ بھی مارے گئے۔ میدان دشمن کے ہاتھ رہا، عزت و شان وطن کی دوبالا ہو گئی۔ ————— میلین نے لکھا ہے:

”باغیوں نے جان پر کھیل کر بہادری سے جنگ کی.... ہر کمرے، ہر پیڑھی اور میناروں کے ایک ایک کونے کے لیے جنگ ہوتی رہی۔ نہ کسی نے جسم چاہا اور نہ کسی نے کیا۔ آخر میں جب ہماری فوج نے قبضہ کیا تو دو ہزار سے زیادہ لاشوں کے ڈھیر چاروں طرف پڑے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جتنی فوج سکندر باغ کی حفاظت کے لیے مقرر تھی اُس میں صرف چار آدمی اب بے جگہ چھوڑ کر نکل گئے لیکن ان چار کا باغ چھوڑ کر جانا بھی مشکوک ہے“^۲

۱۴ نومبر ۱۸۵۷ء کو قدم رسول اور شاہ نجف پر خوں ریز
معرکے ہوئے۔ موتی بلغ پر بھی سخت جنگ ہوئی۔ گو متی

سکندر بلغ کے بعد

1. ROBERT (F): Letters During the Mutiny p.103

2. MALLESON: Vol.4 p.132

ہندی کے اُس پار قیصر باغ اور میں ہاؤس سے مسلسل گولہ باری ہوتی رہی! انقلابیوں کا توپ خانہ حضرت گنج اور چوہدرے کے صطبل کے درمیان لگا ہوا تھا جسے وہ قیصر باغ کی طرف نہ لاسکے۔ انگریزوں نے موتی محل۔ خورشید منزل اور تارا کوٹھی وغیرہ پر قبضہ کر کے رزیڈنسی تک حاصل کر لی۔ مولانا احمد اللہ نے، ۱۸ نومبر کو رزیڈنسی پر بھرپور حملہ کیا۔ خدنگ غدر میں ہے کہ ”متصل کالے جیل خانے کے پھر لڑائی احمد اللہ شاہ سے واقع ہوئی“ جنرل ہارس مارا گیا۔ سرکولن نے رات میں رزیڈنسی خالی کر دی اور لکھنؤ سے باہر نکل گیا۔ ان معرکوں میں وہ خود زخمی ہوا، ۲۴ نومبر ۱۹۵۷ء کو ہنری ہیولاک چل بسا۔ انگریزوں کے چار قیدیوں میں رکن الدولہ محاصرہ ختم ہونے سے پہلے مر گیا۔ تلسی پور کا راجہ عالم باغ پہنچنے سے قبل ختم ہوا۔ ان قیدیوں میں مصطفیٰ علی (سابق نواب اودھ کا بھائی) رکن الدولہ بن سعادت علی۔ محمد ہمایوں۔ مرزا محمد شکوہ

۱۔ قدم رسولؐ غازی الدین حیدر کا تعمیر کردہ ہے۔ اس میں ایک سنگ پارہ تھا جو عرب سے آیا تھا اور جس پر پیغمبر اسلامؐ کے قدم کا نقش تھا۔ ہنگامے کے دوران سنگ پارہ گم ہو گیا شاہ نجف بھی غازی الدین حیدر کی تعمیر ہے، اپنا مقبرہ بنوایا تھا جو نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے مقبرے کی نقل ہے۔ موتی محل سعاد علی خاں کی تعمیر ہے اس میں ایک برج موتی کی شکل کا تھا۔

۲۔ تارا کوٹھی نصیر الدین حیدر کی تعمیر ہے، آلات نجوم رکھے گئے تھے۔ واجد علی شاہ نے اس عملے کو برخاست کر دیا۔ یہ مولانا احمد اللہؒ کی قیام گاہ تھی، کونسل ہوتی تھی۔ یہیں راجہ جے لال سنگھ کو یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء کو پھانسی ہوئی اور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو بندے حسن اور فتح علی کو پھانسی ہوئی۔ (تواریخ نادرا العصر)

(دہلی کا شہزادہ) شامل تھے۔

اس درمیان میں وال پول جب لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا تو انقلابیوں کے ایک چھوٹے سے دستے نے اٹا وہ پر روک لیا۔ پچیس آدمی پرانی قسم کی بندوقیں لے کر مقابلے کے لئے نکل آئے۔ اُن کے مورچے پر جب گولہ باری یا آگ لگانے سے بھی کام نہ چلا تو انگریزوں نے اس عمارت کو بارود سے اڑا دیا اور جواں مردوں کو شہادت کا وہ درجہ مل گیا جس کے وہ تمنائی تھے۔ میلین نے ان ۲۵ جانبازوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

سکندر باغ کی شکست کے بعد ناامیدی کی لہر دوڑنا یقینی تھا۔ سلسل گولہ باری سے شاہی محلات میں بھی افراتفری نظر آئی مگر بیگم حضرت محل اپنی جگہ جمی رہیں۔ انقلابیوں کی جرأت و ہمت کے ساتھ ہی جاسوسی اور دغا بازی کے فتنے اُنھیں خاک میں ملارہے تھے۔ نئے ہتھیاروں کا موجود نہ ہونا اور مختلف فوجوں میں تنظیم اور باقاعدگی کی کمی شکست کا منہ دکھا رہی تھی۔ دسمبر ۱۸۵۷ء میں تارا کوٹھی پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا لیکن اگلے دن (۱۸ دسمبر) کو مولانا احمد اللہ نے پھر کوٹھی چھین لی۔ انقلابی فوج نے مولانا کو اپنا چیف کمانڈر بنالیا تھا۔ ۱۷

مموخاں کا بھائی اور چار گولنداز، جن پر یہ جرم ثابت ہوا کہ اُن کی سازش سے کارتوسوں میں بھوسہ بھر دیا گیا، قتل کیے گئے۔ اس کے علاوہ ایک گولہ بارود جو دربار سے ملا تھا، ناقص ثابت ہوا اور دو آدمی گولی سے اڑائے گئے۔ مولانا احمد اللہ نے بتایا کہ یہ گولے مسولی کے راجہ نے دو انگریزوں کے ہاتھ بھیجے ہیں اور برہیس قدر

کے بعض اہلکار ساز باز کر رہے ہیں۔ ۱۲ نومبر کو چینی بازار گیٹ کے سامنے چائے گریزوں کو گولی ماری گئی (اس جگہ ایک یادگار قائم ہے) بیگم حضرت محل نے بنارس اور الہ آباد پر پڑھنے کا حکم دیا (۲۵ نومبر)، جنگی کونسل کے جلسے ہوئے، جون پور پر حملے کے پلان بنے مگر عمل ایک پر بھی نہ ہوا۔ بیگم نے دل برداشتہ ہو کر ۲۲ دسمبر کو فوجی سرداروں کے سامنے تقریر کی :

”لکھنؤ خطرے میں ہے، فوجوں میں ہمت نہیں۔ آخر ہونا کیا ہے؟ تم عالم باغ پر کیوں حملہ نہیں کرتے۔ کیا یہ انتظار ہے کہ انگریزوں کو مدد آجائے اور وہ لکھنؤ کو گھیر لیں؟ میں کب تک سپاہ کو تنخواہ دیئے جاؤں جو کچھ نہیں کرتے۔ آج مجھے جواب دو! اگر تم جنگ کرنا نہیں چاہتے تو کیا میں انگریزوں سے بات چیت شروع کر دوں؟“ ۱۷

فوجی افسروں نے یقین دلایا کہ وہ آخر دم تک جنگ کریں گے۔ جب یہ پتہ چلا کہ انگریز راجہ نیپال سے بات کر رہے ہیں اور اُسے کچھ علاقہ دینے کا لالچ دے رہے ہیں تو بیگم نے اُسے خط لکھا اور کچھ مزید علاقے کی پیش کش کی۔ اس مقصد کے لیے چند لوگ نیپال بھیجے گئے تاکہ وہ بیگم کا ساتھ دے۔

انگریزوں کے لیے حالات پھر نازک صور اختیار | **کانپور پر تانیا ٹوپی کا حملہ**
کر رہے تھے۔ کانپور سے جاسوس پیغام لایا کہ وہاں انقلابی فوج حملہ آور ہو رہی ہے۔ کولن کمپبل پھر کانپور کی طرف بڑھا۔ معلوم ہوا کہ گوالیار کی باغی فوج نے کانپور پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ باغی فوج وقت گزرنے کے بعد

حرکت میں آئی تھی کیونکہ جب اندور کے انقلابی آگرے پر بڑھے تو ان کا ساتھ نہ دیا۔ جب ہیولاک مصیبت میں تھا تو یہ کانپور پر حملہ آور نہ ہوئی۔ جب انگریزی فوج لکھنؤ پر بڑھی تب بھی یہ لوگ غافل رہے اور یہ تمام موقعے گزار کر اکتوبر ۱۸۵۷ء میں کالپی کی طرف بڑھے، تانیتا نے کمان سنبھالی اور کانپور پر حملہ ہوا جہاں کولن کیمپبل کچھ فوج وندھم کی ماتحتی میں چھوڑ گیا تھا اور تانیتا کو معلوم تھا کہ وہ لکھنؤ پہنچ کر جنگ میں الجھ چکا ہے لہذا اس نے شیوراج پور پر قبضہ کر لیا، رسد کاٹ دی (۱۹ نومبر) تو وندھم نے ۲۴ نومبر کو کالپی روڈ اور نہر کے کنارے پڑاؤ ڈالا پانڈ وندی کے کنارے مقابلہ ہوا، وندھم کو شکست ہو گئی، اور اگلے دن دوبارہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو شہر چھوڑ کر بھاگنے کے سوا چارہ نہ رہا، مع فوج کے گنگا کے پل کے قریب محصور ہو گیا۔ شہر اور چھاؤنی پر انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن وہ پل تباہ نہ کر سکے۔ کولن نے کانپور کا رخ کیا اور ۳۰ نومبر کو پل پار کر کے کانپور میں آگیا۔ اس وقت ناتا صاحب اور کنور سنگھ بھی یہیں موجود تھے۔ اس موقع پر کالندر گیر گوشائیں۔ کوبر سنگھ۔ بھوپال سنگھ۔ نریت سنگھ۔ (ولد جیسا سنگھ) دریا سنگھ۔ عجب سنگھ۔ جودھا سنگھ وغیرہ جنگ میں شامل تھے۔ اکبر پو کے عوام اور چوہان قبیلے نے بھی حصہ لیا۔ اس پاس کے تمام گاؤں (چھتیس) کے زمیندار مع فوج اور عوام کے شریک تھے جن میں درگا پرشاد۔ ستی پرشاد۔ بھوانی سنگھ۔ جواہر سنگھ۔ بلدو سنگھ قابل ذکر ہیں۔ دسمبر ۱۸۵۷ء کے پہلے ہفتے میں جنگیں شروع ہو گئیں۔ ۶ دسمبر کو جنرل گنج پرتھوہار ہوا۔ کولن نے داہنی سمت کمزور پادھر سے حملے کا ارادہ کیا لیکن بائیں طرف اور سامنے (قلب) بناوٹی حملے سے انقلابیوں کو غلط سمت میں الجھا کر داہنی سمت پر اچانک حملہ شروع کر دیا۔ گوالیار کے دستوں نے خوفناک فائرنگ کیا سکھ فوجیں پل کی ماتحتی میں آگے بڑھیں اور انقلابی فوجوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ شیوراج پور پر بھی اسی طرح ہوا (۹ دسمبر) اور تانیتا کا پلان بکھر گیا کیونکہ اسکی

ہر نقل و حرکت کی خبریں جاسوس انگریزی کیمپ میں پہنچا رہے تھے۔

ہوپ گرانٹ بھڑور پہنچا اور تلاش شروع ہوئی نانا صاحب کے خزانے کی صفحہ محل ہی نہیں، مندروں کو بھی میدان کر دیا گیا۔ محل کے ایک کنوئیں سے خزانہ نکلا تو فوجیوں کا خیال تھا کہ یہ ان کے لیے ایک بڑا ”انعام“ ہوگا۔ چاندی سونے کی بے شمار چیزوں کے ساتھ شاہی ہودہ بھی برآمد ہوا۔ اشرفیاں، سونے کی ٹھہریں اور سکے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ گورڈون الگزنیڈ راور فوربس میچل کا بیان ہے کہ صرف سونے کے سکوں کا اندازہ دو لاکھ پونڈ کی مالیت تھی مگر فوجی ہاتھ ملتے رہ گئے اور یہ لٹش گورنمنٹ کی ملکیت قرار پایا۔ رابرٹس کا بیان ہے کہ صرف چند چاندی کے برتن برآمد ہوئے۔

فرخ آباد اور فتح گڑھ پر پورش

ابھی تک فتح گڑھ کا علاقہ، جو ایک اہم مقام تھا، انقلابیوں کے قبضے میں تھا یہاں ایک توپ فیکٹری بھی قائم کی گئی تھی۔ دوا بہ کے وسطی علاقوں کی حالت دسمبر میں انگریزوں کے لیے بے حد خطرناک ہو گئی۔ اکتوبر میں علی گڑھ تک ان کے قبضے میں آگئے مگر گنگا کے اُس پار دسمبر تک بھی انقلابی پرچم بلند تھا۔ ہوپ گرانٹ کی فوج مین پوری اور اٹاواہ ہو کر آگرے سے کانپور تک آگئی اور قنوج پر نواب

1. GORDON ALEXANDER: Recollections pp. 194-195

FORBS MITCHELL: Reminiscences pp. 135, 152

SEN: pp. 233-234 ROBERTS: p. 212

CHAUDHURI: p. 106

Manuj Das: article in Illustrated Weekly May 22, 1977

فرخ آباد کو شکست دی (۲۳ اکتوبر) لیکن گرانٹ کے جاتے ہی پھر برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ راجہ تیج سنگھ نواب کے ساتھ ہو گیا۔ بخت خاں۔ نواب ولی داد خاں اور شہزادہ فیروز نے دورے کیے۔ عوام نے ایٹھ پر حملے کا پلان بنایا۔ پٹھانوں اور روہیلوں نے بڑی تعداد میں گنگاپار کر کے انگریزی علاقوں پر دھاوا کیا، سٹین کی فوج سے تصادم ہوئے (۱۴ دسمبر ۱۸۵۷ء بمقام کاسگنج اور ۲ کوپٹالی وغیرہ پر)۔ مین پوری پر انگریزی قبضے کے بعد ان کی جدوجہد دھیمی ہوتی گئی۔ فرخ آباد انقلابی سرگرمی کا مرکز بنا ہوا تھا، نواب کو ہتھیار ڈالنے کے لیے بہت کچھ لالچ دیے گئے مگر بیکار رہا۔ آخر کار تین طرف سے گھیر کر انگریزی فوجیں بڑھیں جن میں سٹین کے علاوہ دال پول اور کولن کمپبل کی فوج بھی تھی۔ کالی ندی کے کنارے خدا گنج پر ۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو تصادم ہوا۔ ہوپ سے شمس آباد پر اور سٹین سے دوسری جگہوں پر جنگیں ہوئیں۔ نواب کو شکست ہوئی اور ان سے جنگی سامان ساتھ لے کر اودھ جانے کا فیصلہ کیا۔ مورخ ایس بی چودھری نے اخبار انگلش مین کے حوالے (۱۴ دسمبر ۱۸۵۷ء) سے لکھا ہے کہ اُس دور کے انگریزوں کی رائے یہ تھی کہ ”ہر ہندوستانی ہمارا مخالف بنا ہوا ہے“ کیونکہ باغی سپاہ کے ساتھ گنگا کی وادیوں کے عوام بھی تھے۔ فرخ آباد کی شکست کے بعد باغی فوج گنگاپار کر کے روہیل کھنڈ کی طرف چلی گئی۔ کیپٹن الیور جونسن نے لکھا ہے کہ باغیوں نے انگریزوں کو پل درست کرنے کی مہلت دیدی اور وہ ذخیرے بھی برباد نہ کیے جو ان کے قبضے میں تھے یہاں تک کہ فتح گڑھ قلعے میں توپ فیکٹری

لے دہلی کے دو شہزادے جنوری ۱۸۵۷ء تک یہاں تھے۔ نواب فرخ آباد (تفضل حسین) کو فرخ آباد کے کلکٹر نے سنجیدہ مزاج، فنکارانہ ذوق کا حامل، بہترین منتظم اور بااخلاق قرار دیا ہے (۱۸۵۹ء)

بھی بدستور تھی۔ ان جنگوں میں ٹھا کر پانڈے بھی کام آیا، ایک اور باغی لیڈر نظیر علی خاں نے فرخ آباد میں جم کر مقابلے کے بعد ہتھیار ڈالے۔ نادر خاں گرفتار ہوا۔ جو نانا صاحب اور محمد حسن کے ساتھ جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔ چارلس بال نے لکھا ہے کہ نادر خاں نے ہم وطنوں کو پکار کر کہا کہ وہ اپنی تلواریں بے نیام کر لیں اور انگریزوں کو ختم کر کے آزادی حاصل کریں۔ جنرل نیاز محمد خاں شمالی سمت سے کمپل میں داخل ہوا اور ۱۸ جنوری ۱۸۵۷ء کو ہوپ گرانٹ نے شکست دی اس کے بعد معصوم علی کو بھی شکست ہوئی۔ انگریزی اور نیپالی فوجیں گھاگراپار کر کے امبرپور پہنچیں تو قلعے کے چونتیس آدمی مقابلے پر ڈٹ گئے، آخر دم تک جنگ کی اور ہر ایک موت سے ہم کنار ہوا (فروری ۱۸۵۷ء)۔ دوسری طرف جنرل فرینکس فوج لے کر بڑھ رہا تھا جو سلطان پور اور بدایوں میں بندے حسن اور محمد حسن سے جنگ کر چکا تھا۔ اس طرح مختلف سمتوں سے یہ فوجیں لکھنؤ کے قریب ہونے لگیں۔

فتح گڑھ کی شکست نے روہیل کھنڈ کا راستہ صاف کر دیا
اودھ پر حملے کی مہم
 کمانڈر انچیف کولن بریلی اور شاہجہانپور کی طرف بڑھنا چاہتا تھا لیکن گورنر جنرل کیننگ کی رائے میں اودھ زیادہ اہمیت رکھتا تھا کیونکہ دہلی کے بعد ہر آنکھ لکھنؤ پر لگی ہوئی تھی۔ اوٹرم عالم باغ میں تھا، نیپالی فوج جولائی میں گورکھ پور میں آچکی تھی۔ جنگ بہادر اب دس ہزار فوج لیکر خود سرحد پر آگیا۔ کولن فتح گڑھ سے کانپور ہو کر ۲۸ فروری ۱۸۵۷ء کو اناؤ پہنچا۔ رابرٹس کا بیان ہے کہ نانا صاحب کے بارے میں بار بار افواہیں ملتی تھیں کہ وہ قریب

ہی (فتح پور چوراسی) موجود ہیں۔ وفادار انجور تیواری یہ مصدقہ خبر لایا کہ وہ انگریزی کیمپ سے پچیس میل دور ایک قلعے میں ہیں۔ ہوپ گرانٹ فوراً پہنچا (۱۷ فروری) مگر نانا صاحب یہاں سے نکل گئے۔ جھنجلاہٹ میں اور کچھ نہ سوجھا تو قلعہ مسمار کر دیا گیا۔ اس کے بعد مختلف جگہوں پر انقلابیوں سے تصادم ہوئے اور ۲۳ فروری کو میاں گنج پر ایک زبردست معرکہ ہوا۔ کٹر لہن نے جنگ بہادر کا انتظار کیا۔ انگریز جانتے تھے کہ یہ گدھا ہماری مدد کر کے اپنی پہاڑیوں میں (نیپال) واپس چلا جائے گا لہذا کیوں نہ اس سے کام نکالا جائے۔ سب سے پہلے اودھ کے انقلابیوں سے چاند پر تصادم ہوا (۱۹ فروری شہر) پھر بھدایاں۔ سلطان پور اور بادشاہ گنج پر مقابلے ہوئے۔ آگے بڑھ کر منصب علی نے مقابلہ کیا۔ پھر دیراہ پر جنگ ہوئی آخر کار ۴ مارچ کو وہ لکھنؤ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا مگر جنگ بہادر ارتک پھنچ سکا۔ عالم باغ میں اوٹرم ٹری مشکل میں تھا کیونکہ مقابلہ آسان نہ تھا۔ انقلابیوں نے چھ بار حملہ کیا مگر کامیابی ان کی قسمت میں نہ تھی۔ ایک بار سالار مہا ویر دیوتا کے روپ میں آیا تاکہ جنگ میں مذہبی رنگ پیدا ہو جائے۔ ان میں کوئی قابل رہنما نہ تھا اور ہندوستانی جاسوس انگریزوں کو ان کے تمام اقدامات سے قبل از وقت آگاہ کرتے رہے۔ فارسٹ نے ان الفاظ میں اقرار کیا ہے :

”باغی سپاہ کے بھاری نقصانات سے ثابت ہو گیا تھا کہ ان میں

ہمت کی نہیں بلکہ دہلی کی طرح قیادت کی کمی ہے“ ۱۔

یکم مارچ کو ہوپ گرانٹ بھی لکھنؤ کے قریب بنیٹا پر آ گیا۔ مہدی حسن جس نے نومبر

میں انگریزوں کو جون پور تک دھکیل دیا تھا، فرینکس کی پیش قدمی روکنے کے لیے چاندا پر مقابل ہوا۔ اس کے بعد واری چلا گیا اور بدھائن کے قلعے پر قبضہ کیا، امیرا پور پر مقابلہ کیا پھر وہ گورا کٹاری (ضلع سلطان پور) میں تھا۔ بادشاہ گنج پر ۲۳ فروری ۱۸۵۷ء کو گھسٹان کی جنگ کی۔ انگریز مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ یہ جنگیں حب الوطنی سے بھرپور جذبات کے ساتھ لڑی گئیں۔ چاندا کی جنگ میں بندہ حسن انقلابیوں کی کمان کر رہا تھا اور بادشاہ گنج پر غفور بیگ (جو پہلے شاہ اودھ کا فوجی افسرہ چکا تھا)۔ چاندا پر راجہ ہنومنٹ کا بیٹا لال پرتاپ سنگھ کام آیا جس کا انتقام لینے کے لیے ہنومنٹ سنگھ نے اپنے قلعے کالا کانگر پر مورچہ بندی کی اور فوج منظم کی۔ مہدی حسن نے ۵ مارچ کو جنگ بہادر سے کاندو ندی پر مقابلہ کیا پھر انگریزی فوج کی رسد لوٹ لی۔ رام نگر کا متعلقہ دار گرجن سنگھ بھی ان جنگوں میں شریک تھا۔ نانا صاحب فروری کے دوسرے ہفتے میں نوبت گنج میں تھے۔ آپا صاحب سنیل گنج میں فوج منظم کر رہا تھا۔ راجہ شیوراج پور، راجہ مین پوری اور معصوم علی وغیرہ میورا گھاٹ اور تلگرام میں تھے۔ نرمل سنگھ، حشمت علی کی فوج کو مہدی گھاٹ پر کمان کر رہا تھا۔ منصب علی اور خان علی کو رسول آباد بھیجا گیا۔

۶ مارچ ۱۸۵۷ء کو اوٹرم گومتی ندی پار کر کے فیض آباد روڈ پر آگیا۔ اگلے دن سے سخت مقابلے شروع ہو گئے۔ اوٹرم بینک ہاؤس پر قبضہ کر کے لوہے کے پیل تک آگیا۔ ادھر لکھنؤ میں دفاع کی تیاریاں کی گئیں۔ خندقیں، مورچے، جنگی سامان، گھروں کی دیواروں میں سوراخ وغیرہ ہوئے مگر شمالی سمت دھیان نہیں دیا گیا

کیونکہ اس طرف سے حملے کا امکان نہ تھا۔ انگریزوں نے جاسوسوں سے معلومات پا کر اسی طرف سے حملہ کیا اور ساری پیش بندیاں بیکار ہو گئیں۔ اسی دوران میں بیگم کا وزیر مال راجہ بال کرشن چل بسا۔ وہ خود بھی میدان میں نکلیں جس سے جوش و خروش میں اضافے کے علاوہ کچھ نہ ہوا۔

مولانا احمد اللہ شاہ کی سرگرمیاں | مولانا احمد اللہ نے اپنی جدوجہد میں دن رات ایک کر دیا تھا۔

ساور کرنے لکھا ہے :

”یہ غیر معمولی شخص جو لکھنؤ کو بچانے کے لیے میدان میں تھا اور جو اپنی قابلیت کے لحاظ سے بہترین تھا، چار مہینے سنے بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں تھا اور اپنی موجودگی سے جوش و احساس کی روح پھونک رہا تھا، میدان جنگ میں بھی اور کونسل ہال میں بھی“ لے
اُن کو یہ فکر تھی کہ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے مگر آپس کے اختلافات نے ایسا نہ ہونے دیا۔ وہ پھوٹ اور منفاق سے بد دل نہ ہوئے اور اپنی تقریروں سے

لے ساور کر / ۴۰۵۔ رتن لال بنسل ایک مضمون میں کہتے ہیں — ”دش دش ہزار آدمیوں کی بھیڑ اُن کی تقریر سننے کے لیے اکٹھا ہوتی تھی۔ مولوی احمد شاہ ان کو بتاتے کہ انگریز کس طرح اس ملک میں بڑھتے گئے اور اگر پورا ملک ان کے قبضے میں چلا گیا تو اس کا نتیجہ عام جنتا کے لیے کیا ہوگا۔۔۔۔ اور مولوی احمد شاہ کی زبان میں کچھ ایسا جادو تھا کہ کئی کئی گھنٹے یہ ہزاروں آدمی بیٹ بنے ہوئے ان کی تقریریں سننے رہتے تھے۔۔۔۔ اس طرح ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے دلوں میں مولوی احمد شاہ نے دیش بھگتی کا سچا جذبہ پیدا کر دیا۔ (نیا ہند ستمبر ۱۹۴۸ء)

غیرت و حمیت کی لہر دوڑادی۔ اُن سے جب حالات کی نزاکت کی بابت پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

”مبارک اور پرامید لمحات گزر چکے ہیں، حالات بے جوڑ ہیں مگر

اب ہمیں صرف اس لیے لڑنا ہے کہ یہ ہمارا فرض ہے۔“

انھوں نے ۲۲ دسمبر کو ایک بہترین جنگی پلان بنایا اور عالم باغ پر بہ یک وقت دو طرف سے حملہ کرنے میں پیش قدمی کی لیکن دوسرا سردار اپنی فوج کو قابو میں نہ رکھ سکا اور یہ پلان بھی بیکار ہو گیا۔ اسی دوران میں بعض فتنہ پرور لوگوں نے اُن کے اور بیگم حضرت محل کے درمیان کشیدگی پیدا کر دی، انھیں گرفتار کر لیا گیا لیکن جلد ہی عوام اور سپاہ کے اصرار پر رہا کرنا پڑا۔ ساور کرنے لکھا ہے کہ ”جب بھی انقلابیوں نے عالم باغ پر حملہ کیا، مولوی ہمیشہ سب سے آگے نظر آتا تھا“ ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو جب خبر ملی کہ انگریزی فوج کا پنور سے تازہ کمک لے کر آرہی ہے تو یہ اُلجھن پیدا ہو گئی کہ اس کو کیسے روکا جائے۔ دیر ہو جانے پر کامیابی کا امکان کم تھا۔ اس لیے مولانا احمد اللہ رح اپنی فوج لیکر کا پنور کی طرف بڑھے اور اپنی منقل و حرکت کو پوشیدہ رکھا مگر جاسوسوں نے اوٹرم کو خبر کر دی اور اس نے مقابلے کے لیے فوج روانہ کر دی۔ اس تصادم میں مولانا کے ہاتھ پر گولی لگی اور انھیں پھرتی سے ڈولی میں بٹھا کر لکھنؤ پہنچا دیا گیا۔

مولانا کے زخمی ہو جانے کے بعد اُن کے پلان کو پورا کرنے کا بیڑہ ویدی ہنومان برہمن نے اٹھایا اور ۱۷ جنوری کو انگریزی دستوں پر دلیرانہ حملہ کیا۔ یہ برہمن صبح دس بجے سے چھ بجے شام تک، بعض اطلاعات کے مطابق ۹ بجے رات تک،

ویدی ہنومان برہمن

مولانا کے زخمی ہو جانے کے بعد اُن کے پلان کو پورا کرنے کا بیڑہ ویدی ہنومان برہمن

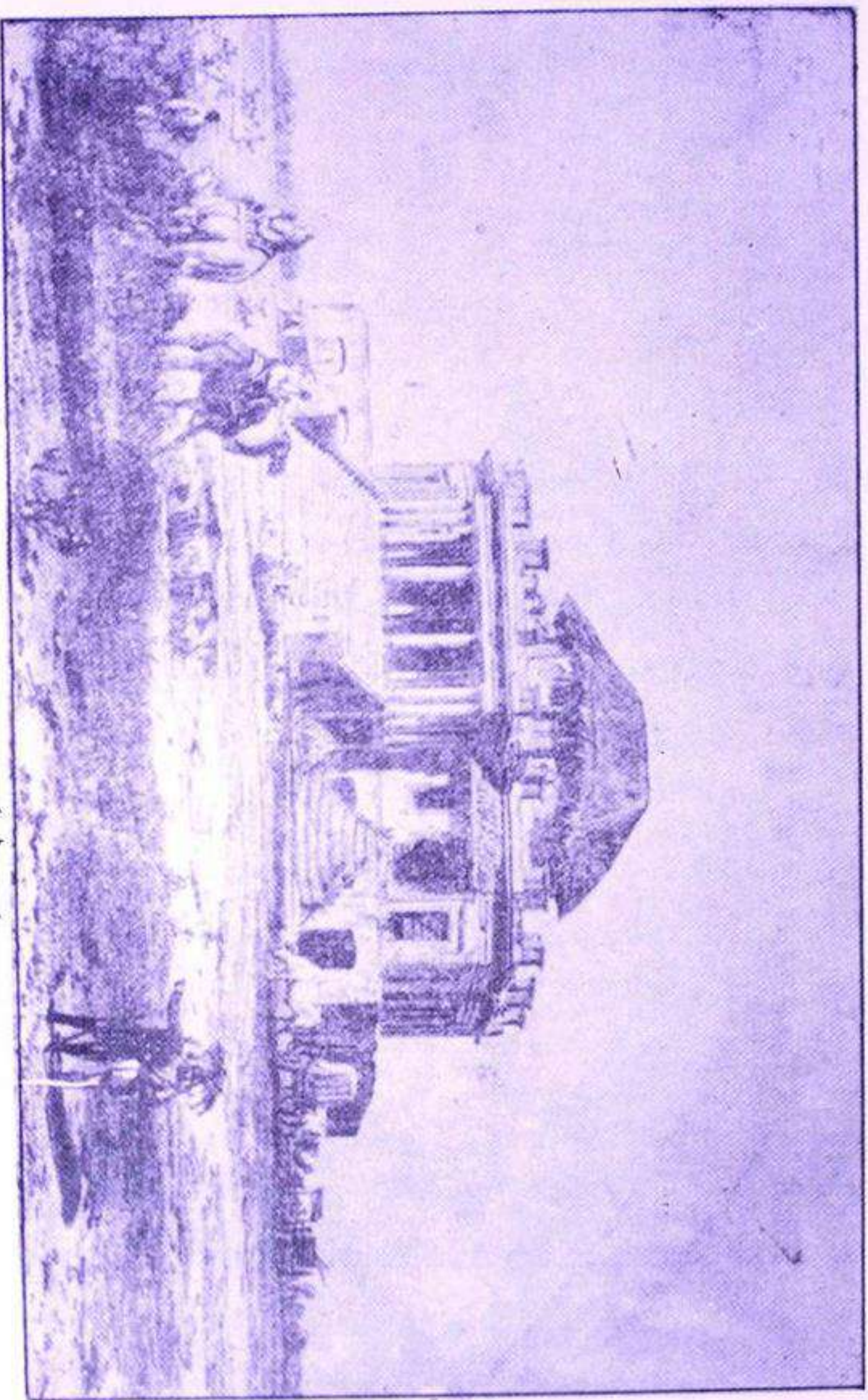
لڑتا رہا اور زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ بیگم حضرت محل ناکامی اور مایوسی سے شکستہ دل نہ ہوئی۔ لندن ٹائمز کے نامہ نگار کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ بیگم نے بڑی طاقت اور اہلیت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے تمام اودھ کو برہیس قدر کی حمایت میں کھڑا کر دیا تمام سرداروں نے وفاداری کی قسم کھائی۔۔۔۔۔ بیگم نے ہمارے خلاف مسلسل جنگ جاری رکھی۔ ان رانیوں اور بیگیوں کے جوشیلے کردار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زنا نے محلات میں رہتے ہوئے بھی کس قدر عملی اور دماغی قوتوں کی مالک رہی ہیں۔ ۲۷

۱۵ فروری ۱۷۵۷ء کو مولانا احمد اللہ زخمی ہونے کے
لکھنؤ پر حملہ مہینہ بھر بعد پھر میدان میں نکل آئے تھے۔ وہ کولن کمپبل کے پیچھے سے پہلے اوٹرم کو عالم باغ سے نکالنا چاہتے تھے، ان کی تمام گوششیں خاک میں مل رہی تھیں، فتنہ پرداز اور انگریزوں کے وفادار ان کے اور بیگم حضرت محل کے درمیان کشیدگی کو ہوا دے رہے تھے۔ بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس کشمکش سے تنگ آ کر انھوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر (تارا کوٹھی) کو چھوڑ دیا اور گومتی کے پار قصر گنوگھاٹ پر، جو علی نقی خاں کا مکان تھا، قیام کیا اور پھر اسے بھی چھوڑ دیا۔ انہی حالات نے مورخ ہومز کو یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ :

”اگرچہ باغی بزدل تھے مگر ان کا لیڈر جذبات اور صلاحیت کے اعتبار سے ایک بڑی تحریک چلانے اور ایک بڑی فوج کی کمان سنبھالنے کی پوری اہلیت رکھتا تھا اور یہ فیض آباد کا مولوی احمد اللہ شاہ تھا۔“

مولانا کو ایک طرف دشمنانِ وطن کے لشکر کا سامنا تھا تو دوسری طرف اپنے ہم وطن شریعناصر کا۔ انہی شریروں کی بدولت لکھنؤ میں انقلابی سپاہ نے لوٹ مار بھی کی اور اس افراتفری سے دشمن کو فائدہ پہنچا۔

فروری ۱۸۵۷ء میں سندی۔ بلگرام اور فتح گڑھ میں راجہ کٹرہ (Kutra) انقلابی فوجوں کی کمان کر رہا تھا اسی کے ساتھ راجہ مین پوری اور معصوم علی خاں وغیرہ تھے۔ نانا مسو میں نرمل سنگھ فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ انگریزی اور نیپالی فوجیں لکھنؤ پر حملے کے لیے تیار تھیں اور کولن کمپیل (کمانڈر انچیف ایکم مارچ کو عالم باغ کی فوج سے آملہ۔ اوٹرم دوسری سمت سے بڑھا اور ۲ مارچ ۱۸۵۷ء کو تصادم شروع ہو گئے۔ انگریزی فوجیں جاسوسوں کی اطلاع پر مشرقی سمت گوتمی ندی کی طرف سے حملہ آور ہوئیں جس سے تمام پیش بندیاں بیکار ہو گئیں۔ ۲ مارچ کو دلکش باغ پر حملہ ہوا مگر انقلابیوں نے پیش قدمی روک دی۔ ۶ مارچ کو گوتمی پر پل بنا کر انگریزی فوج پار اتری اور چنہٹ سے آدھ میل جنوب کی طرف مورچہ بنایا۔ ۹ مارچ کو چکر کوٹھی پر حملہ کیا، انقلابیوں نے جنرل مارٹن کی کوٹھی پر مورچہ لگایا۔ بخت خاں نے چکر کوٹھی پر مقابلہ کیا۔ بیگم حضرت محل نے شرف الدولہ کو مقابلے کے لیے بھیجا مگر وہ میدان سے بھاگ گیا اور کراچ کو کراچ کے نذر باد شاہ نگر، تو مولانا احمد اللہ نے، جو چکر کوٹھی میں تھے، گکراچ پر مورچہ لگایا اور اگلے دن معمولی تصادم کے بعد انھیں ہٹنا پڑا وہ سرائے آغا میر چلے گئے۔



چکر کوٹھی لکھنؤ میں مولانا احمد اللہ کی قیام گاہ

چکروالی کو ٹھی انقلابی فوج کے ایک حصے کا مرکز تھا اس کے بارے میں میجنڈی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہاں ایک مختصر گروہ انگریزی فوج کا مقابلہ کرتا رہا اور باقی فوج نے جو بڑی تعداد میں بھی تیزی اور آن بان کے ساتھ (تقریباً چھ سات سو تھے) کو ٹھی خالی کر دی۔ جب کو ٹھی پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو اس کی نجلی منزل میں دس بار آدمی مقابلے پر دھڑ گئے میجنڈی کا خیال ہے کہ یا تو انھیں یہ پتہ نہ تھا کہ ان کے ساتھ ہی یہاں سے چلے گئے ہیں اور یا وہ کسی مقصد سے یہاں تھے۔ ان کے نکالنے کی تمام تدبیریں بیکار گئیں اور انھوں نے اندر داخل ہونے والے کتنے ہی انگریز فوجیوں کو آسانی سے شکار بنایا۔ چھت میں سوراخ کر کے گولے پھینکے گئے تب بھی کچھ نہ ہوا کیونکہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جا کر محفوظ رہے۔ پھر آگ لگائی گئی جس سے کچھ لوگ نکل کر فرار ہوئے مگر تین پھر بھی اندر موجود تھے۔ جیسے ہی ایک انگریز افسر کمرے میں گیا، ان میں سے دو نے، جو چھپے کھڑے تھے، اس کے گولی ماری اسی طرح ایک اور افسر نے دھوکے سے جان گنوائی۔ میجنڈی کو یہ دکھ ہے کہ ان چند انقلابیوں نے کئی افسروں کی جانیں لے لیں لیکن یہ نتیجہ کالنا اب دشوار نہیں کہ دس باراجا نواز کیوں یہاں پوشیدہ تھے کیونکہ اس دوران میں ان کے تمام ساتھی انگریزوں کی دسترس سے بہت دور جا چکے تھے۔ صرف ایک آدمی زندہ ہاتھ آیا جس سے اس تمام جدوجہد کا بدلہ اس خوبی سے اٹھایا گیا کہ میجنڈی کا قلم بھی کانپ اٹھا ہے۔ اُسے آگ پر بھونا گیا، کچھ سکھ اور انگریز اس کا نامے میں شامل تھے۔ (۹، ۸، مارچ ۱۹۵۷ء)

انگریزی فوجیں اب شہر کے قریب پہنچ چکیں تھیں، بادشاہ باغ اور مارٹینیران کے قبضے میں آگئے۔ اوٹرم کے دستوں نے گومتی کے بائیں کنارے پر مضبوط پوزیشن بنالی تھی۔ ۱۸ مارچ کو بینک ہاؤس پر حملہ ہوا۔ پھر قیصر باغ اور بیگم کوٹھی پر گولہ باری کی گئی۔ بیگم کوٹھی پر تقریباً پانچ ہزار انقلابی تھے۔ انگریز مورخوں نے لکھا ہے کہ یہاں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ خود کمانڈر انچیف کمپبل نے بیان کیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ سخت اور خوں ریز معرکہ تھا۔ ہڈسن کا بھی یہیں کام تمام ہوا۔ صرف بیگم کوٹھی کے صحن میں آٹھ سو ساٹھ لاشیں تھیں۔ ۱۲ مارچ تک لکھنؤ پر قبضہ ہو گیا مگر دو تین دن بعد تک جنگ جاری رہی۔ انقلابی فوجیں جنگ کرتے ہوئے پتھر کا پل پار کر کے فیض آباد اور کچھ موسیٰ باغ کی طرف نکل گئے۔ تمام انگریز مورخوں نے ان جنگوں میں اپنے حریفوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ موتی محل تاراکوٹھی۔ چھتر منزل وغیرہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ قیصر باغ میں داخلہ شروع ہوا لیکن اس دوران میں بھی انقلابیوں نے بیک وقت پتھر والا پل پار کر کے وال پول کے دستے پر اور عالم باغ کی طرف حملہ کیا۔ دس ہزار انقلابی موسیٰ باغ میں تھے۔ ۲۲ مارچ کو ہوب گرانٹ لکھنؤ سے کچھ دور

۱۔ بیگم کوٹھی چند محلات کا مجموعہ تھی اس کے گرد مضبوط چار دیواری اور گہری کھائی تھی۔ یہ عمارتیں حیات بخش اور نور بخش وغیرہ سعادت علی خاں کے زمانے کی تعمیر ہیں۔ نور بخش کوٹھی کے بالا خانے سے ہیولاک نے گولہ باری کی اور قیصر باغ کی راہ نکالی۔ قیصر باغ واجد علی شاہ کی تعمیر ہے (۱۸۵۷ء)۔ نوابانِ آودھ کا خطاب ”قیصر“ تھا۔ (تواریخ نادر العصر)

کرسی کے مقام پر پہنچا جہاں انقلابی مقابلے کے لیے جمع ہوئے اور یہاں پھر ایک سخت مقابلے کے بعد انھیں ختم کیا جاسکا۔ رابرٹس اس موقع پر موجود تھا جس کا بیان ہے :
 ”ناممکن ہے کہ باغیوں کی جواں مردی اور استقلال کی تعریف نہ کی

جائے جن میں سے ہر ایک موت سے ہم کنار ہوا“ ۱

شہر لکھنؤ میں انگریزی فوجیں داخل ہوئیں تو ۱۱ مارچ سے دس دن تک جنگ ہوئی۔ ہر کوچہ و بازار میں ہر مکان مورچہ بنا ہوا تھا۔ گھروں کی دیواروں میں سوراخ تھے جن سے گولیاں برس رہی تھیں۔ سڑکوں پر عوام نے دست بدست جنگ میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ میجنڈی جو اس موقع پر موجود تھا، لکھتا ہے کہ ہر گھر پر مقابلہ ہوا، ہر مکان میں دو تین لاشیں اور مقابلے کے آثار ملے اور اس دوران میں سڑکوں پر متواتر جنگ ہوتی رہی۔ باہمت باغیوں کے گروہ جگہ جگہ گھروں کے مورچوں پر موجود تھے، انھوں نے خوفناک مقابلے کیے جس کی وجہ سے ہمیں بے شمار محاصرے اور مقابلے کرنا پڑے ایک مکان پر، جو لوہا پل کے قریب تھا، چھ باغی سپاہی مقابلے پر ڈٹ گئے اور ایک مردانہ وار تصادم کے بعد ہمارے فوجی غالب آ سکے۔ ۱۳ مارچ (۲۴ رجب ۱۳۴۴ھ) کو قیصر باغ میں بھی داخلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اب بھی ہر ہرات پر خون ریز جنگ جاری تھی۔ ۱۰ مارچ کو دہلی کے شہزادوں کا خون پینے والا ہڈسن بھی گولی کا نشانہ بنا۔ اوٹرم موسیٰ باغ سے، ہوپ گرانٹ بائیں جانب سے اور کمپیل عالم باغ کی طرف سے بڑھ رہا تھا۔ تمام اہم مقامات پر قبضہ ہو گیا۔ انگریزی فوجیں جب شاہی محلات میں داخل ہوئیں تو بیگم حضرت محل اس وقت قیصر باغ میں مکان فرحت افزا چو لکھی کوٹھی

کے پاس میں موجود تھیں، انھوں نے خان علی خاں کو طلب کیا جو فرخ آباد کے ناکے پر تھا، فوراً چار سوار لے کر آیا، جب یہ معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ قیصر باغ میں گھر گئیں تو گولہ باری کی پرواہ نہ کر کے قیصر باغ میں گھس گیا اور کئی گھنٹے جنگ کرتا رہا، خود زخمی ہوا اور آدھے سے زیادہ بھرا ہی ہلاک۔ جب یہ اطلاع ملی کہ بیگم صاحبہ نکل گئیں تو قیصر باغ سے نکل آیا۔ بعض روایات یہ ہیں کہ نانا صاحب عظیم اللہ خاں۔ مولانا سرفراز علی۔ نواب فرخ آباد شہزادہ فیروز مولوی لیاقت علی۔ جنرل بخت خاں وغیرہ نے اپنی فوجوں کے ساتھ مقابلہ کیا، نواب گنج اور رسد خانے پر کامیابی بھی ہوئی مگر موخاں اور دیگر شرارت پسندوں نے دشواریاں کھڑی کر دیں۔ "حسن التواریخ" کا بیان ہے کہ "فوج انگریزی نے بادشاہ باغ پر قبضہ کر لیا اور برجیں قدر کے مسکونہ مکانات پر گولے برسانا شروع کر دیا۔ جب اس پر بھی باغیوں نے ہار نہ مانی اور برابر لڑتے رہے تب بدولت فکر رسا و تدبیر ایک عمارت بلند قیصر باغ میں داخل ہو گئی اور بلند جگہ سے باغیوں کو نشانہ بنایا، مشہور ہے کہ انگریزی فوجیں قصر دکشا سے کوٹھی مبارک بخش (بعد میں گورنمنٹ ہاؤس) میں آئیں وہاں سے امام باڑہ سلطان آباد (حضرت گنج) اور پھر قیصر باغ میں داخل ہوئیں اندر آکر نقرئی بارہ دری کے صحن میں جھنڈا لہرا دیا۔ (نقرئی بارہ دری چینی بازار گیٹ کے اندر اس مقام پر تھی جہاں بعد میں غلام حسین بٹ کی کوٹھی بنی یہ بادشاہ کے رہنے کی جگہ تھی)۔

نیپال کا رانا جنگ بہادر فرنیکس کے دستوں کے ساتھ انگریزی فوجوں سے آملتا تھا۔ ان کی بہادری کے لیے میجنڈی کا بیان یہ ہے کہ "میں نے مختلف افسروں سے جب یہ دریافت کیا کہ گورکھوں نے کیا کارنامے کیے تو جواب ملا "کچھ نہیں"...

یہ لوگ بالکل بے کار ثابت ہوئے ان کی بہادری کے افسانے سُننے تھے مگر گندگی کے سوا
کچھ دکھائی نہ دیا“ (ص ۱۹۱)

بیگم حضرت محل کی روانگی | جنگ کی کوئی صورت نہ رہی تو بیگم دو عورتوں اور بیگم
کے ہمراہ ۱۶۱ مارچ ۱۸۵۷ء باہر نکل گئیں: خدنگ غدر

میں ہے کہ:

”دسولہویں دن بیگم صاحبہ مع برجیس قدر کوٹھی چولکھی قیصر باغ میں موجود تھیں
صبح کو بیکانہ گورے ہلہ کر کے کوٹھی نواب روشن الدولہ پر آچڑھے پھر
فوج انگریزی قیصر باغ میں داخل ہوئی اپنا قبضہ کر لیا کوٹھی قیصر پسند پر پاؤٹا
یعنی نشان چڑھا دیا بیگم صاحبہ مع برجیس قدر کھڑکی کی طرف سے نکل کے
چلی گئیں“ ۱

کہا جاتا ہے کہ بیگم سرائے معالی خاں (دایا میاں خاں) میں شرف الدولہ کے مکان میں آگئیں
خان علی خاں بھی قیصر باغ میں جنگ کرنے کے بعد وہاں حاضر ہوا۔ بیگم اپنے مکان فرحت نزا
سے کوٹھیوں پر ہو کر گھسپاری منڈی کے پھاٹک سے باہر نکلیں۔ شاہ پیر حلیل کے ٹیلے سے
مولوی گنج پھنچیں۔ بھگتی گنج اور نخاس چوک ہو کر خالی دروازے سے غلام رضا کے گھر ٹھہریں وہاں
شرف الدولہ کے مکان میں آئیں۔ قیصر التوازیج میں ہے کہ رات کو غلام رضا کے یہاں قیام کیا۔
پھر محل سرائے حسین آباد گئیں۔ شرف الدولہ نے ساتھ چلنے سے دامن بچا لیا اور بہانہ بنایا تو خان علی خاں
وغیرہ کے ہمراہ خیر آباد کی طرف روانہ ہوئیں۔ چار دن خیر آباد میں ٹھہر کر مع فوج اور توپ خانہ
علاقہ بھدولی میں راجہ نواب علی خاں کے یہاں ٹھہریں۔ اس دوران کا ایک واقعہ خدنگ غدر
میں بیان کیا گیا ہے کہ قاسم خاں رسالدار سوار رجمنٹ ۱۵ (ساکن رام پور) اور شیخ فضل حسین

قدوائی (ملازم قدیم سرکار اودھا کے درمیان رات کے وقت جھگڑا ہوا جس میں قاسم خاں مارا گیا لیکن فوج میں افواہ پھیل گئی کہ انگریزی فوج نے شب خون مارا ہے۔ بیگم اپنے خیمے سے نکل کر مع برہیس قدر جنگل کانس میں چلی گئیں۔ بعد میں ممو خاں نے مشعلیں لے کر تلاش کیا تو بیگم نے بتایا کہ ”جب میں نے گوروں کے آنے کا غل سنا تو برہیس قدر کو لے کر مع تلوار یہاں چلی آئی یہ تصور تھا کہ جب میرے پاس کوئی آوے گا تو تلوار ماروں گی“

راجہ ہر دت سنگھ سوائی متعلقہ دار بونڈی حاضر ہوا اور بیگم کو مع لشکر بونڈی لے گیا جہاں انھوں نے بند و بست کیا اور احکام صادر کیے کیونکہ انگریزی عملداری ابھی تک صرف لکھنؤ میں قائم ہوئی تھی باقی تمام علاقوں میں بیگم کی عمل داری تھی۔ راجہ ہر پرشاد کو خیر آباد کا ناظم بنایا گیا۔ خطاب عطا ہوئے اور خلعت دیا گیا۔ کاظم حسین خاں (برادر خورد نبی بخش متعلقہ دار بھو امو) ناظم بہرائچ ہوا۔ مولوی محمد کوچک دار بسوا باڑی اور دیوا کا کیا گیا۔ محمد حسن خاں، جو واجد علی شاہ کے عہد میں بہرائچ کے ناظم تھے، علاقہ سلطان پور اور گورکھ پور وغیرہ میں مقرر ہوئے۔

مولانا احمد اللہ پھر لکھنؤ میں | لکھنؤ کی خونی داستان ابھی مکمل نہیں ہوئی، ایک اہم معرکہ باقی ہے جس کے لئے ہم یہ حالات یہاں چھوڑ کر اُدھر رخ کر رہے ہیں۔ لکھنؤ کو شکست ہو گئی، جنگ کا پانسہ انگریزوں کے حق میں پلٹ گیا مگر مولانا احمد اللہ شاہ ابھی تک جنگ کر رہے تھے اور اسی حیرت انگیز جرات نے سادگر کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ :

”ہر شخص کو اس سب بڑے ہیرو کے احترام میں سر جھکا لینا چاہیے جو مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ پھر لکھنؤ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے“

موت و حیات سے بے نیاز ہو کر وہ سعادت گنج داخل ہو گئے، ایک مضبوط عمارت میں ۲۱ مہاچ کو موجود تھے۔ انگریز مورخوں کو اس بے مثال بہادری پر حیرت ہے کہ مولوی کے پاس صرف دو توپیں تھیں مگر اُس نے اس دلیری سے جنگ کی کہ انگریزوں کو سخت نقصان پہنچا۔ آخر کار



سرزمین اودھ کی جانباز بیگم حضرت محل

دوپٹن لگاڑو کی ماتحتی میں بھی گئیں میلیسن سے سفیے کہ:

”باغیوں کا سب سے زیادہ ضدی اور مٹیلا سردار مولوی پھر لکھنؤ لیٹ آیا اور شہر کے بیچ یعنی شہادت گنج کی ایک مضبوط قلعہ بند عمارت میں موجود تھا۔۔۔۔۔ اُسے نکالنے کے لیے امر مارتح کو لگاڑو کو بھیجا گیا۔۔۔۔۔ باغیوں نے کبھی اس قدر ثابت قدمی اور استقلال کا مظاہرہ نہ کیا تھا جیسا کہ یہاں دیکھنے میں آیا۔ انھوں نے بے مثال بہادری سے اپنا دفاع کیا اور اُس وقت تک نہ نکالے جاسکے جب تک انھوں نے ہمارے بہت سے آدمیوں کو قتل اور زخمی نہ کر دیا۔“

لیکن ”یہ مولوی“ یہاں سے بھی حفاظت نکل گیا اور چھ میل تک پیچھا کرنا بیکار ہوا۔ خدنگ غدر میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

”بعد اسکے ایک روز احمد اللہ شاہ بھی شہر میں لڑتے رہے اور اسی دن قریب اکبری دروازہ شہر لکھنؤ خاص احمد اللہ شاہ کی تلوار سے ایک افسر انگریزی مارا گیا اور اس افسر کے مارے جانے سے وہ ہلک گیا۔۔۔۔۔ دوسرے روز احمد اللہ شاہ بھی شہر چھوڑ کے بطرف خیر آباد روانہ ہوئے“ ۱

بعض انگریز مورخوں نے یہ تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس مقام کو شہر کے درمیان درگاہ حضرت عباس بتایا ہے یہ ایک متبرک درگاہ ہے۔ اُحسن التواریخ کا بیان یہ ہے کہ

1. KAYE & MALLESON : Vol.4 p. 286

SAVARKAR: pp. 410-11

۱۲ معین الدین: خدنگ غدر ۱۳۲

۱۳ مشہور ہے کہ نواب سعادت علی خاں اس مقام پر سوتے تھے کہ یکایک چونک اٹھ اور بد مزاجی کی خصوصیات بدل کر رحم دل ہو گئے۔ تبارخ درگاہ ”ایں گنبدِ جدید بنائے سعادت است“ سے نکلتی ہے۔

مولاناؒ نے ۱۸ مارچ کو دوبارہ فوج منظم کر لی، پہلے عیش باغ پر جنگ کی پھر سرائے آغا میر پر اور اس کے بعد درگاہ حضرت عباس کے احاطے میں۔ یہاں عوام اپنے مکانات سے انگریزوں پر اینٹیں پتھر برسار رہے تھے۔ جب انگریزوں نے اس مقام پر قبضہ کیا تو مشرف الدولہ کو خون میں لتھڑا ہوا پڑا پایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے انگریز فوجیوں کو ڈولی میں بٹھا کر شہر میں داخل کر دیا اور تمام رازوں سے آگاہ کر دیا۔ اس کا جرم ثابت ہونے پر انقلابی سپاہی اُسے مولاناؒ کے سامنے لائے جنھوں نے قید کرنے کا حکم دیا مگر بعد میں کچھ سپاہیوں نے اُسے قتل کر دیا۔ ”خزنگ غد“ میں ہے کہ بیگم حضرت محل کے جانے کے بعد مشرف الدولہ نے کل زر نقد اشرفی وغیرہ اپنے عزیزوں میں تقسیم کیا باقی کچھ جواہرات طلب کرنے دروغہ عاشق علی کے پاس پہنچا جس نے اُسے گھر سے نکال دیا۔ یہ واپس چلا ہی تھا کہ باغی سپاہ نے پٹی توپ پر بٹھا کر مولاناؒ کے روبرو حاضر کر دیا اور پھر قتل کر کے درگاہ حضرت عباس کی بدروم میں لاش پھینک دی۔ ۱۷

مولانا احمد اللہ کے ایک ساتھی پیر ظہور علی نے اپنے بیان میں بتایا کہ وہ لکھنؤ کی شکست کے وقت عیش باغ میں مع دو ہزار ساتھیوں کے تھے۔ یہاں سے موسیٰ باغ گئے اور تمام دن جنگ ہوئی۔ شام کو وہ شہر (خانقاہ) میں گئے۔ جنگ اگلے دن بھی ہوئی اور اسی دن وہ باڑی روانہ ہوئے ۱۸

۱۷ شرف الدولہ برجیس قدر کی تخت نشینی پر وزیر خاص مقرر ہوا تھا بعض بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ شروع ہی سے انگریزوں سے ساز باز رکھتا تھا۔ میمنڈی نے اس کے قتل کا واقعہ موسیٰ باغ میں بیان کیا ہے

۱۸ فریڈم اسٹریٹ یوپی جلد ۲

لکھنؤ کی بے مثال بہادری

آگے بڑھنے سے پہلے اس دوران کے چند واقعات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ لکھنؤ کے

عوام نے جس پامردی کی مثالیں قائم کی ہیں ان کی داستانیں کہیں کہیں انگریزوں کی یادداشتوں میں نظر آتی ہیں یا ہندوستانی مورخ خوف زدہ لہجے میں اشارہ کر دیتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی ہزار ہا مثالیں ہوں گی لیکن بعض جگہ بعد از وقت ظہور میں آئیں اور بعض سرداروں کی آرام طلبی سے بیگم حضرت محل سخت دل برداشتہ ہو گئیں چنانچہ جب انگریزی فوجیں محلات شاہی کے قریب پہنچ گئیں تو بیگم نے ڈیوڑھی پر کرنی بخش خاں تعلقہ دار بھٹو امکو کو حکم بھیجا کہ کیا تم اس وقت لڑ رہے ہو جب میرے سر کے بال گوروں کے ہاتھ میں ہوں گے۔ یہ تعلقہ دار اپنے رفیقوں کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچا، صرف تلواریں باندھ کر میدان میں آگیا۔ مشہور ہے کہ دوران جنگ میں ایک انگریز نے سنگین کا ایسا وار کیا کہ سینے کو توڑ کر پار نکال دی۔ بنی بخش نے اسی حالت میں تلوار سے ایسا وار کیا کہ قاتل کو بھی جاں بہ حق کر دیا، اس کے ہمراہی بھی جنگ کرتے ہوئے کام آئے مگر انگریزی فوج کی پیش قدمی روک دی۔ بیگم حضرت محل خود بھی مردانہ لباس میں تلوار لیکر نکل آئیں جس سے انقلابیوں کے دل بڑھ گئے اور سخت خوں ریزی ہوئی۔ علی امجد خاں بلوچ پسر محمد علی خاں چکلہ دار نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایسی جگر داری دکھائی کہ انگریزوں نے حیرت سے تعریفیں کیں۔ دہلی کا معین الدین اپنی کتاب 'خندنگ غدار' میں سکندر باغ کی ایک جنگ کا ذکر کرتا ہے کہ یہاں باغی سکھ رجنٹ مقیم تھے جس نے جنگ میں حصہ لیا۔ انگریزوں نے جب فوجی امداد مل جانے کے بعد بادشاہ باغ سے حملہ کیا۔ بیگم حضرت محل قیصر باغ کی کوکھی چو لکھی میں موجود تھیں، شرف الدولہ کو حکم بھیجا کہ مقابلے پر جاؤ یہ 'حضرت' دس ہزار سپاہ لیکر گئے، انقلابی بڑی پامردی سے جنگ کر رہے تھے کہ دو گولے شرف الدولہ کے ہاتھی کے قریب پھٹے یہ بزدل گھبرا کر بھاگنے لگا کہ کھانا کھانے جاتا ہوں ہر چند انقلابی افسروں نے سمجھایا کہ ایسا غضب نہ کیجئے مگر اس نے ایک نہ سنی اس کے جاتے ہی تمام فوج میں بھگدڑ پڑ گئی انگریزی

فوج نے پیچھا کیا اور گومتی پار کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ راجہ مان سنگھ نے بہادری دکھائی، خطاب اور خلعت پایا۔ بادشاہ باغ سے شرف الدولہ کے بھاگ جانے پر مولانا احمد اس نے جو چکر کوٹھی میں تھے اپنا مورچہ کمرال پر لگایا اور فوج سے کہا کہ کل ہم دھاوا کریں گے اپنا مورچہ یہیں رہے دو۔ دو پٹنیں تیار پھٹیں اور ان سے عہد و پیمان لیا گیا لیکن جب یہ خبر جبرجس قدر کے دربار میں پہنچی تو اہلکاروں نے مشورہ دیا کہ اگر شاہ صاحب لڑائی فتح کر لیں گے تو انھیں قوت و اقتدار حاصل ہو جائے گا اس لیے جتنی فوج ان کے ساتھ ہے سب کو واپس طلب کر لینا چاہیے چنانچہ آدھی رات کو چوب دار گیا اور کہا کہ تم جبرجس قدر کے ملازم ہو یا شاہ جی کے، فوج نے جواب دیا جبرجس قدر کے چوب دار نے کہا حکم سرکاری ہے کہ اسی وقت ہمارے پاس چلے آؤ لہذا سب چلے آئے مولانا احمدؒ یہ دیکھ کر سخت بے چین ہوتے مگر جتنے ان کے ساتھ رہ گئے انہی کو لے کر مقابلے پر ڈٹے رہے صبح انگریزوں نے دھاوا کیا مولانا جمع ہمراہیوں کے سر اے آغا میر چلے آئے۔ انگریزوں نے گومتی پر پل باندھ کر مورچے اور چند مقامات پر قبضہ کر لیا۔ ایک موقع پر حمید اللہ خاں بریلی والے تنہا گوروں پر ٹوٹ پڑے، سات پینچے خالی کئے اور کئی آدمی مار کر لوٹ آئے یہی کام شیخ احسان اللہ بیگ نے کیا اس کے بعد قیصر باغ پر گولہ باری شروع ہو گئی آہنی پل پر انگریزوں کا مورچہ بنا، کر بلانیر الدین حیدر سے لے کر امام باغ تک قبضہ ہو گیا۔ یہاں نواب علی خاں نے پامردی سے مقابلہ کیا۔

راؤ بل بھدر سنگھ راجہ جھلاری | اب ہم پھر بیگم کی سرگرمیوں کا حال بیان کر رہے ہیں۔ حسن التواریخ

میں ہے کہ راجہ جھلاری بزم فتح لکھنؤ نواب گنج باریا کی آپہنچا، انگریزی فوج سے مقابلہ کیا اور بہادری سے لڑتا ہوا چنہٹ تک آگیا تھا آخر کار اسی جنگ کے دوران کام آئے۔ معین الدین کا بیان ہے کہ بیگم نے تین ڈوشرن پچاس ہزار فوج کے تیار کیے ایک کاسپہ سالار ہر دت سنگھ سواتی

تعلقہ دار بونڈی کو دوسرے کا یوسف خاں (برادر خور و متوفا خاں) کو اور میرے کا کلن خاں کو بنایا۔
 راؤ بل بھدر سنگھ تعلقہ دار جھلاری کو، جو ایک خوبصورت نوجوان تھا، بلا کر فہمائش کی۔ پہلے نرپت سنگھ
 سے روٹیا پر مقابلہ ہوا دوسرے دن پھر بیگم کے لشکر سے مقابلہ نواب گنج بارا بنکی میں ہوا۔ راجہ
 ہر دت سنگھ کی کمان میں بیگم کی فوجوں نے استقلال سے جنگ کی مگر پسا ہوئی اس کے بعد
 راؤ بل بھدر سنگھ دوستو راجپوتوں کو لے کر میدان میں آگیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ توپ
 بندوق کا وقت نہیں رہا.... ایک توپ اور ایک باڑھ بندوق کی مار کے تلواریں میان سے نکال لو
 پھر جو کرے سو بھگوان... معین الدین کا کہنا ہے کہ راجپوتوں کی سپہ گری نے ہندوستان کا
 بھرم رکھ لیا راؤ بل بھدر اور اس کے ساتھی اس جنگ میں کام آگئے اور انقلابی سپاہ واپس
 بونڈی پہنچی۔ راؤ بل بھدر کی بیوی کو جب یہ خبر پہنچی، اسے کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور منیسدا ان
 جنگ میں باز کی طرح آئی، کوئی اس کو نہ روک سکا، اپنے دھنی شوہر کی لاش اٹھا کر لے گئی۔ چند روز
 بعد اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ بیگم حضرت محل کے پاس اس نے عرضی بھیجی تھی کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو
 اس خوشی میں توپ سر کرنے کی اجازت دی جائے بیگم نے منظوری دے دی لیکن حسب ضابطہ
 لشکر کو یہ اطلاع نہ پہنچی۔ دوسرے دن دس بجے رات کے لڑکا پیدا ہوا اور گڑھی جھلاری سے
 توپ سر ہوئی تو لشکر کو شبہ ہوا کہ انگریزی فوج آگئی لہذا مقابلے کی تیاری شروع ہو گئی اور
 بھگدڑ سی مچ گئی مگر رات کو جب بل بھدر سنگھ کی بیوہ نے یہ خوش خبری بھیجی تب معلوم ہوا کہ
 توپ اس خوشی میں سر کی گئی تھی اسے رانا بینی مادھو سنگھ نے اپنے عزیزوں کو چھوٹے بھائی
 جو گرجا سنگھ کی حفاظت میں بیگم کے روانہ کر دیا اور پھر خود بھی بونڈی چلا گیا بیگم بونڈی میں
 قیام کے بعد (ایک بیان کے مطابق آٹھ ماہ) نان پارا پہنچیں۔ راجپوتوں پر ایک معمولی
 تصادم بھی ہوا آگے نرپتی ندی پر نیپالی فوج سامنے آئی بیگم کا لشکر ندی کے کنارے

کنارے بٹول پہنچا۔ ایک دن کھگوان پور (نزد تلسی پور) میں بھی قیام کیا اور رات ہی کے کنارے ایک مقام پر رات بسر کی۔ نانا صاحب بھی موجود تھے جنرل حسن خاں کو مقابلے کے لیے چھوڑ کر سب لوگ آگے بڑھ گئے۔

باڑی کا مورچہ | مولانا احمد اللہ جباری (ضلع سیتا پور) روانہ ہو گئے جو یہاں سے ۲۹ میل ہے۔ ۲۶ مارچ کو وہ باڑی پہنچ چکے تھے اور غالباً

خیر آباد ہو کر آتے تھے۔ آٹھ ہزار آدمی ہمراہ خیر آباد سے آتے۔ علی محمد خاں اور سید کاظم علی مزید فوج جمع کر رہے تھے۔ حبیب اللہ خاں اور مخدوم بخش بھی ہمراہ تھے۔ راجہ ڈرگ بجے سنگھ اور امر او سنگھ وغیرہ تعلقہ داران سے رابطہ قائم کر کے اطلاعات پہنچا رہے تھے اب پلان یہ تھا کہ گوریلا طریقے سے جنگ کی جائے، دشمن کی نقل و حرکت کی نگرانی ہو اور اس کی رسد کاٹ کر معطل کر دیا جائے۔ حضرت محل بٹولی میں خیمہ زن ہو گئیں۔ مولانا نے باڑی میں کیمپ لگایا، لکھنؤ سے ہو پ گرانٹ بھاری سامان جنگ اور فوج لے کر باڑی کی طرف بڑھا۔ مولانا نے اپنے کچھ اسکاوٹ اسد اللہ خاں کے ہمراہ روانہ کئے تاکہ معلومات حاصل کریں یہ اسکاوٹ بے دھڑک انگریزی کیمپ میں داخل ہو گئے۔ چوکیدار نے پوچھا ”کون جاتا ہے؟“۔ جواب ملا ”ہم ہیں ۱۲ رجمنٹ کے آدمی“۔ چوکیدار نے جانے دیا۔ اسکاوٹ واقعی ۱۲ رجمنٹ کے تھے جو انقلابیوں کے ساتھ تھے۔ چنانچہ تمام معلومات حاصل کر کے مولانا کو آگاہ کیا اور انھوں نے ایک پلان بنایا کہ باڑی سے آگے بڑھ کر چار میل پر ایک گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ راجہ نواب علی نے ایک ہزار سپاہ مدد کو بھیجی۔ پلان یہ تھا کہ جب پیادہ فوج اس گاؤں پر قبضہ کر لے تو سوار فوج ایک پوشیدہ راہ سے خفیہ طور پر بڑھ کر انگریزی فوج کے پیچھے پہنچ جائے اور اس طرح گھیر کر حملہ کیا جائے۔ انھیں معلوم تھا کہ انگریز جنرل اگلے دن صبح کے وقت اسی جگہ پہنچے گا اور اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے گا۔ میلسن نے اس پلان کو بڑا ماہرانہ اور جنگی صلاحیتوں کے کمال کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ضروری تھا کہ مولانا کی گاؤں

میں موجودگی انگریزوں سے پوشیدہ رہے اور پیچھے والی سوار فوج اس وقت تک خاموش رہے جب تک آگے سے حملہ شروع نہ ہو۔ انھوں نے سوار فوج کو ردانہ کر دیا اور خود وہیں رہے اگلی صبح واقعی بے خبر انگریز جنرل یہاں پہنچ رہا تھا (۱۴ اپریل ۱۸۵۸ء)۔ صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ پلان کامیاب ہو مگر سوار دستے کی بے صبری سے بکھر گیا کیونکہ اس دستے نے انگریزی فوج کے بازو کی طرف ایک پہلو پر قبضہ کر لیا تھا اور حملے کے لیے تیار ہی تھے کہ ان کے لیڈر کو کچھ توہین نظر آئیں۔ انھوں نے مولانا کے سخت احکام کو سمجھول کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اس آہٹ سے انگریزوں کو خطرے کا احساس ہو گیا اور پلان بے کار ہو گیا۔ مولانا نے ایک معمولی تصادم کے بعد گاؤں چھوڑ دیا اور شاہ جہاں پور کی طرف روانہ ہوتے لے

حضرت محل اور لکھنؤ کو خراج تحسین | جب انگریزی فوجیں لکھنؤ کے عوام کا قتل عام کرتی ہوئی

حملہ آور ہوئیں تو انقلابی سخت غضبناک ہوتے اور شاہی محل میں جا کر مطالبہ کیا کہ انگریز قیدیوں سے بدلہ لینا چاہیے۔ ان کے حد سے بڑھے ہوتے اصرار اور غصے پر چند انگریز حوالے کر دیتے گئے مگر جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ عورتیں بھی ان کے حوالے کی جائیں تو — چارلس بال کی زبانی سنئے کہ —

”عورتوں کا احترام کرتے ہوئے بیگم نے صاف انکار کر دیا اور ان کو فوراً اپنی نگرانی میں زنانے محلات میں بلا لیا“

۱۔ اطلاع تھی کہ مولانا بسوا چلے گئے پھر خیر آباد میں تین دن قیام کیا وہاں سے مہولی گئے جو لونی سنگھ تعلقہ دار متھولی (ضلع محمدی) کے علاقے میں ہے۔
(ملاحظہ ہو باب آخری دور)

لکھنؤ کے انقلابی عوام نے تقریباً تمام انگریز مورخوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ سب سے پہلے مارش مین کے الفاظ (ص ۵۱۷) :

”لکھنؤ میں باغیوں نے جو مقاومت کی وہ ایسی سخت تھی کہ کبھی انگریزی فوج کو سابقہ نہیں پڑا تھا حتیٰ کہ دہلی میں بھی ایسی مقاومت نہیں کی جتنی تھی۔ ان کے جوش بیگم آودھ کی وجہ سے بڑھے ہوئے تھے جو غیر معمولی سرگرمی اور مستعدی کی عورت تھی اور تمام بغاوت کی روح رواں رہی“

جون دلیم کے کی رات سے ہے کہ :

دوسری جگہوں پر جنگ کی نوعیت خواہ کچھ بھی رہی ہو لیکن آودھ میں ہماری حکومت عوامی بغاوت ہی کا سامنا کر رہی تھی“

مکلائڈ انس کا خیال ہے :

”کم از کم اہل آودھ کی جدوجہد کو جنگ آزادی قرار دینا چاہیے“^۱
گورنر جنرل کے نام کو رٹ آف ڈائرکٹرز کی خفیہ کمیٹی کے ایک خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء سے اقتباساً :

”..... ان حالات میں جو معرکہ آریاں آودھ میں ہوئیں ان کی حیثیت ایک جائز جنگ کی ہے نہ کہ بغاوت کی“^۲

کمانڈر انچیف کیمپبل کا اعتراف :

حال ہی میں آودھ کے عوام کے زبردست دلیرانہ جذبات کا جو تجربہ ہوا ہے اس

1. SAVARKAR: pp. 401-402

2. MAJUMDAR : Sepoy Mutiny p. 224

Secret Letters, E.I. House London No. 1954

Freedom Struggle UP Vol.2 p. 340-41

کے پیش نظر یہاں باغیوں کو تباہ کرنے کے لئے کم از کم تیس ہزار فوج کے بغیر قدم نہیں اٹھایا جاسکتا“^۱

آخر کار تمہیں شکست ہو گی ! بیگمات اودھ کا ایک واقعہ لندن ٹائمز،
کے نامہ نگار جون ولیم رسل نے

اپنی ڈائری میں بیان کیا ہے کہ جب انگریزی فوجیں قتل و غارتگری اور لوٹ مار کرتی ہوئی شاہی محلات میں گھس گئیں تو یہاں بہت سی وہ عورتیں اس قتل عام کا نشانہ بن گئیں جو کہیں بھاگ نہ سکی تھیں اور بہت سی بیگمات قید کر لی گئیں۔ ایک انگریز کپتان نے مارے خوشی کے بے تاب ہو کر کہا۔
”کیا تم نہیں سمجھتیں کہ یہ جنگ اب ہماری فتح پر ختم ہو گئی؟“

بیگموں نے اپنے جانناز مردوں کا سر بلند کر دیا اور کہا —

”نہیں۔! بلکہ ہمیں پورا یقین ہے کہ آئندہ ایک نہ ایک دن تمہیں ضرور شکست ہو گی“^۲

جواں مرد بڑھیا | لکھنؤ کی ایک بوڑھی عورت کی کہانی بھی اپنی مثال آپ ہے اور بغاوت کی نوعیت کو آشکار کرتی ہے۔ میجنڈی نے چشم دید واقعہ اپنی کتاب

میں جس کا حوالہ گذشتہ صفحات میں دیا گیا بیان کیا ہے کہ لکھنؤ کی شکست کے چند دن بعد ایک بوڑھی عورت آہنی پل کے پاس گھومتی دیکھی گئی جو پھٹے کپڑوں کے ٹکرے اور چھپڑے جمع کر رہی تھی۔ بعد میں اسے مردہ پا گیا مگر اس کے ہاتھ کے قریب ایک کپڑے کا ٹکڑا پڑا ملا جو موم بتی کی ٹپ کی مانند آدھا جلا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی بڑھیا کے ہاتھ کے پاس

1. CHAUDHURY: Civil Rebellion p.54

2. RUSSELL: My Diary Vol.1 pp. 338-50

ایک بمبہ دبانس پڑا تھا جس میں آگ سلگ رہی تھی اور یہ بمبہ ایک بڑے بارود کے ذخیرے کی طرف جارہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ لکھنؤ تقریباً سنسان ہو چکا تھا اور پوری طرح انگریزی اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ انگریز انسر دس کو حیرت تھی کہ یہ سب کیا ہے؟ تاریخ اس پر دے کو نہیں اٹھا سکتی مگر عقل و خرد اس پردہ راز کو یقیناً اٹھا رہی ہے۔ یہ بڑھیا زبانِ حال سے اپنے جذبات کو آشکار کر رہی ہے۔ — کوئی ہے جو اسے سمجھنے سے انکار کر سکے؟ — گورڈون انگریز نے سکندر باغ کی ان حبشی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو بقول اس کے جنگلی بلیوں کی طرح دیوانہ دار جنگ کر رہی تھیں اور انھیں صرف اس وقت پہچانا جاسکا جب وہ سب اس جنگ میں قریان ہو گئیں فوربس سچل نے اس نوجوان عورت کا ذکر کیا ہے جس نے پیل کے درخت سے متعدد انگریز افروں کو گولی کا نشانہ بنایا۔ یہ صرف وہ واقعات ہیں جو انگریزوں کے علم میں آئے اور تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہو گئے درنہ نہ جانے کتنی عورتوں نے جان کی بازی لگائی ہوگی۔

اودھ کے تعلقہ دار | مناسب ہوگا کہ اودھ کے تعلقہ داروں کے کردار پر بھی مختصراً روشنی ڈالی جاتے تاکہ اس خونی باب کے کچھ اہم اور پوشیدہ نکتے بھی سامنے آسکیں۔ لارڈ کیننگ (گورنر جنرل) کا یہ خط اس وضاحت کے لئے کافی اہم ہے جو اس نے اوٹرم کے ایک خط کے جواب میں لکھا:

”آپ شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ اودھ کے راجاؤں اور زمینداروں نے اس لیے بغاوت کی ہے کہ ان کو ہمارے مقرر کردہ محصول کی بدولت ذاتی نقصانات پہنچے لیکن میری رائے میں یہ بات کچھ اور قابل غور ہے۔ شاید ہی کسی جاگیردار کی طرف سے اس قدر شدید نفرت کا اظہار ہوا ہو جتنا کہ چردا، بھنگا اور گوندھ

کے راجاؤں کی طرف سے ہوا۔ ان میں سے پہلے کا ایک گاؤں بھی ہم نے نہیں لیا تھا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا خراج بھی کم کر دیا گیا تھا۔ دوسرے سے بھی فیاضانہ سلوک روا رکھا گیا۔ تیسرے کے چار سو گاؤں میں سے صرف تین لیے گئے تھے اور اس کے بدلے میں اس کا خراج بھی دس ہزار روپے کم کر دیا گیا تھا۔ حکمرانوں کی تبدیلی سے کسی کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا کہ راجہ نو پارہ (نان پارہ ۹) کو کیونکہ جیسے ہی انگریزی اقتدار قائم ہوا ہم نے اس کو ایک ہزار گاؤں دیتے اور دوسرے حقوق کے علاوہ اس کی ماں کو اس کا سرپرست مقرر کیا لیکن اس کی فوج شروع ہی سے لکھنؤ میں ہمارے خلاف برسرِ پیکار تھی۔ راجہ دھوروا کو بھی ان تبدیلیوں سے کافی فائدہ پہنچا لیکن اسی کے آدمیوں نے کیپٹن ہیرسی پر حملہ کیا، ان کی بیوی کو گرفتار اور قید کر کے لکھنؤ بھیجا۔ اشرف بخش خاں تعلقہ دار جس پر اس کے سابق بادشاہ نے ظلم کیا تھا، انگریزی عہد میں اپنی جاتا د کا مالک بنا دیا گیا لیکن پھر بھی شروع ہی سے ہمارے خلاف نفرت کے شدید جذبات رکھتا تھا۔ یہ اور ایسی ہی دوسری مثالیں بالکل صاف طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ ان زمینداروں اور راجوں کے ہمارے خلاف بغاوت کا سبب صرف ان کا ذاتی نقصان ہی نہیں ہے جو ہماری حکومت کے سبب پہنچا۔“ ۵۲

علاوہ ازیں مختلف انگریز مورخوں کے بیانات تعلقہ داروں کے کردار پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ رائٹس ہومز ان کی سرگرم جدوجہد کو لارڈ کیننگ کے اعلان (۲۰ مارچ ۱۹۵۸ء)

۱۔ چردا کاراجہ ہر دت سنگھ تھا۔ یہ تحصیل نان پارہ ضلع بہرا پتھ میں ہے۔ بھنگا بھی بہرا پتھ کے ہی قریب چردا سے متصل نیپال کی سرحد کے قریب ہے۔ گونڈہ کاراجہ دیوی بخش تھا۔

کے بعد بیان کرتا ہے اور اس طرح گبنس وغیرہ کی تردید کرتا نظر آتا ہے لیکن مستند ذرائع کا جائزہ لےنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلقہ داروں نے، سوائے چند کے پوری تحریک میں شانہ بہ شانہ جنگ کی ہے۔ مکلائڈ انس نے اقرار کیا ہے کہ چنہٹ کی جنگ میں تین تعلقہ دار شریک تھے یہ گبنس کا بیان ہے کہ جولائی ۱۹۵۷ء کے شروع ہی سے کچھ تعلقہ دار رز پڈنسی کا محاصرہ کرنے والی فوج میں شامل تھے۔ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء میں ان کی محاصرے میں شرکت کا گواہ تو مکلائڈ انس بھی ہے۔ ہنری لانس نے ۱۲ جون ۱۹۵۷ء ہی کو تعلقہ داروں کی فوجی تیاریوں کی رپورٹ دی تھی ۵ اگست کو بشیرت گنج کے دوسرے معرکے میں تعلقہ داروں کی شرکت کا اقرار انگریزی بیانات سے ہوتا ہے بلکہ یہاں تمام آبادی کی شرکت کا اقرار کرنا پڑا ہے جس کا شاہد کرنل ٹیلر بھی ہے۔ ہیولاک نے جب اودھ پر چڑھائی کی تو اس کی پیش قدمی روکنے کے لیے تعلقہ دار خود صف آرا ہوئے اناؤ وغیرہ کے تعلقہ داروں نے جنگ میں حصہ لیا۔ انس کے بیان کے بموجب مان سنگھ نے ۲۵ ستمبر ۱۹۵۷ء کو خاص لکھنؤ میں ہیولاک کی پیش قدمی روکنے میں شرکت کی اکتوبر ۱۹۵۷ء کی خفیہ انگریزی رپورٹیں صاف بتاتی ہیں کہ مان سنگھ، ہنومنٹ سنگھ بنی مادھو بخش بسوانا تھ بخش اور سنگرام سنگھ وغیرہ لکھنؤ میں بذات خود جنگوں میں شریک تھے سہ بہت سے تعلقہ داروں نے عالم باغ پر حملے میں شرکت کی۔ لکھنؤ میں انقلابی فوجوں کی زبردست قیادت گورنر جنرل کے مندرجہ بالا بیان، تعلقہ داروں کی جنگی تیاریاں، فیض آباد میں دفروری ۱۹۵۸ء ان کا مع فوجوں کے اجتماع وغیرہ یہ ثابت کرنے کے لیے کم نہیں کہ انھوں نے کس حد تک

1. INNES: p. 19 CHAUDHURI: p. 309

2. MALLESON: Vol. 1 p. 410

3. Commonwealth Record Office Secret Letters

حصہ لیا۔ رابرٹ منٹگری نے جو اپریل ۱۸۵۸ء میں اوٹرم کی جگہ پر آیا، پوری تفصیلی شہادت سامنے رکھ کر بھی کہا تھا کہ ”جون سے نومبر ۱۸۵۷ء تک اودھ کا پورا علاقہ انگریزوں کے خلاف ہتھیار لے کر کھڑا ہو گیا تھا“ مارچ ۱۸۵۸ء میں خود اوٹرم نے یہ اقرار کیا کہ ”صرف چند کے علاوہ تمام تعلقہ دار بغاوت میں شریک تھے“۔ ایک سرسری انداز سے کے مطابق تعلقہ داروں کے ۱۵۷۲ قلعے مسمار کیے گئے۔ اودھ کے حالات میں جن تعلقہ داروں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ دوسرے اہم خفیہ کاغذات سے دریافت شدہ چند کے نام یہ ہیں جو بغاوت میں شریک رہے لیکن ان کی پوری سرگرمیاں سامنے نہیں آسکتیں: ہیرادنت سنگھ، بسنت سنگھ ساکن سمیر پترا۔ رگھوناتھ سنگھ (راتے بریلی)، جگن ناتھ بخش (نن)، رام پال سنگھ (بسنابریٹھا)، بھوم دیو سنگھ (جنگھم بل بھدر سنگھ، بھاؤ سنگھ (بلاس پور)، مہاراج سنگھ (ڈنڈی)، امیر سنگھ (تروہی)، چھتری سنگھ (شام پور)، سرب دین سنگھ (سیادی)، فقیر بخش (جھوری)، موہن سنگھ، بشیشور بخش ولد سنگرام سنگھ (سنگرور)، کنونت سنگھ (کالانگر)، بلیر سنگھ (دھوبا)، شیو داس سنگھ (میہہ)، فضل حسین (اٹرام)، مشیوراج غلام سنگھ (مینا پور)، حیدر حسین (لکھنؤ)، رجب علی بخش اور کالکا بخش، راجہ علی بخش خاں، منہدیس گاؤں، صفرائی بی (منہیا پور)، بیج ناتھ سنگھ، بتیل بخش سنگھ (نندرم)، بخشور خاں، ارجن سنگھ، جگیشور بخش (بدلا پور)۔ یہ جتنے سنگھ کا بیٹا نہایت سنگھ لکھنؤ کی شکست کے بعد بھی جنگ کرتا رہا اور جب انقلابیوں کو شمال کی طرف دھکیلا جا رہا تھا، روڈیاد ضلع ملاواں سندیلہم کے قلعے پر

1. Sessional Papers House of Lords Vol. XI

Chaudhuri p. 311

2. Further Papers presented to Parliament C.R.O. Secret Letters from India.

Chaudhuri: Civil Rebellion pp. 308-312

گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ وال پول ۱۵ اپریل ۱۹۵۸ء کو اس قلعے پر حملہ آور ہوا۔ نہرپت سنگھ کے پاس زبردستی انگریزی فوج کے مقابلے کے لیے ڈھانی مسوا دی بھی نہ تھی مگر اس نے طے کیا کہ بغیر جنگ کے قلعہ نہ چھوڑے گا لہذا ان سب نے پامردی سے مقابلہ کیا۔ انگریز ایک کمزور مورچے سے بڑھے، پھر بھی تسخیر مشکل تھی، فوج پسپا ہونے لگی، ایک افسر جان سے گیا اور ایڈرین ہوپ بھی نشانہ بنا جس کی موت پر انگریزوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ نہرپت سنگھ نے قلعہ چھوڑ دیا اور کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ تاریخیں گواہ ہیں کہ اس شکست کا ان علاقوں پر بڑا اثر پڑا، اس پاس کے زمینداروں کی ہمتیں بلند ہو گئیں جس کی وجہ سے خود کمانڈر انچیف کو آکر سنبھالنا پڑا۔

گورکھپور

گورکھپور کی آبادی تیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور بغاوت سے پہلے میر محمد حسن یہاں کا ناظم شاہ اودھ کی طرف سے تھا۔ ۲۵ مئی ۱۸۵۸ء کے بعد شورش کے آثار پیدا ہوئے۔ ۳۱ مئی کو موضع پاتناد ضلع دیواریا کے زمیندار بغاوت میں شامل ہو گئے تھے۔ ۱۷ جولائی ۱۸۵۸ء کی کچھ کمپنیاں یہاں مقیم تھیں جس کا ہیڈ کوارٹر عظیم گڈ تھا اس کے علاوہ نمبر ۱۲ رجمنٹ دے قاعدہ کا ایک دستہ بھی تھا۔ ۲۵ مئی کو ون یارڈج نے کمشنر ٹکر کے حکم سے اختیار سنبھالا اور خزانہ عظیم گڈ بھیج دیا۔ ۵ جون کے بعد عام بغاوت شروع ہو گئی۔ راجہ نہرپور داند رجیت سنگھ کے آدمی جو بغاوت میں شریک تھا، میدان میں آگئے برہل گنج کے قیدی رہا کئے پولس کو نکال دیا، جمعدار کو قید کیا اور گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ جی کاہر عزیز الدین جیل گارڈ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ تعلقہ دار اور سردار بغاوت میں شریک تھے سکندر میں جو بہرا سچ کا فوجی اسٹیشن اور سوار اور پیدل فوج کی قیام گاہ تھا۔ ۹ جون کو بغاوت شروع ہونے پر علاقے کے زمینداروں نے حصہ لیا۔ باونڈی کے راجہ نے اپنا کھویا ہوا حصہ واپس لے لیا جو انگریزی حکومت کے

1. INNES: Lucknow & Oudh pp. 247-254

SEN: p. 354 Savarkar: pp. 446-48

مطالبات کی نذر ہو چکا تھا۔ ویسی فوجوں نے انگریزوں کے حکم پر اعظم گڑھ کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیا۔ بستی کے علاقے میں بھی انگریزی اقتدار ختم کر دیا گیا۔ سکولی کی سوار فوج کا ایک دستہ فرار ہو گیا۔ ۱۳ اگست تک انگریز مع خزانے اور کور کھا فوج کے، بومدد کے لیے نیپال سے آئی تھی، اعظم گڑھ چلے گئے۔ جوائنٹ مجسٹریٹ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ لے را جاؤں کو کسا کر راج کرنے کی انگریزی کوشش ناکام ثابت ہوئی اور میر محمد حسن کا اقتدار قائم ہو گیا۔ بستی کی رانی اور بستی کے راجہ نے مخالفت کی لیکن بنگر ستسی اور امور ہا کے راجہ اور زمیندار بغاوت میں شریک رہے۔ نہر پور بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ ۵ جون کو خبر ملی کہ اعظم گڑھ میں نمبر ۱۱-این آئی نے بغاوت کردی اور بندس سے ریل وسائل ٹوٹ گیا۔ اسی دوران میر محمد حسن نے کرنل کی نوکس اور اس کے خاندان کو پناہ دی جو فیض آباد سے آئے تھے اور بحفاظت گورکھپور بھیج دیا۔ مہرا علی حسن نے امور ہا کے قریب انگریزوں کے ساتھ ایسا ہی عمل کیا۔ گوئم راج پوت بنگر کے راجہ کے جھنڈے تلے بغاوت میں شریک تھے۔ امور ہا کے زمینداروں نے نوابی راج قائم ہو جانے کا اعلان کیا۔ تمام علاقوں کے راجاؤں اور بابوؤں نے جلاسہ کر کے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ وہ اودھ کی شاہی حکومت کی حمایت کریں گے۔ تحصیل خلیل آباد کیپٹن گنج اور منصور گنج میں تحصیل وغیرہ لوٹ کر پولیس کونکال دیا گیا (۱۲ جون)۔ عوامی سرگرمیاں اس قدر منظم تھیں کہ جگہ جگہ مورچے بندیاں اور مٹی کے سوراخ دار ٹیلے نظر آتے تھے جو تنظیم اور ترتیب کی علامت ہے۔ مستامسی کا راجہ (اوت نرائن سنگھ) صلاح مشوروں میں محمد حسن کے ساتھ رہا۔ ۱۲ جون کو اسی راجہ کے آدمیوں نے شہر کے عوام کے ساتھ محمد حسن کا پربوش استقبال کیا جو گورکھپور کا ناظم بن کر آیا تھا۔ جیل گارڈ بھی ہمراہ ہو گیا اور پربوشکوہ طریقے سے شہر میں لایا گیا۔ محمد حسن نے انتظام سنبھالا۔ ستاسی بنگر۔ نہر پور۔ بڑھیا پور

چلو پار شاہ پور وغیرہ کے راجاؤں نے فوج منظم کرنے میں مدد دی، افسروں کا تقرر ہوا۔ راجہ ستاسی کا منیجر مشرف خاں نائب ناظم مقرر ہوا۔ گوپال پور کے راجہ کشن کشور نے انگریزوں سے وفاداری دکھائی اور راجاؤں کو بھڑکانا چاہا مگر ناکام ہو کر بھاگا۔ بنس پور گھاگھا۔ نہر پور اور دھناولی وغیرہ بغاوت سے خاص طور پر متاثر تھے۔ انگریز حکام آس گکائے بیٹھے تھے کہ راجاؤں کو محمد حسن کے خلاف کھڑا کیا جاسکے گا مگر ان کی تمام آرزوؤں اور کوششوں پر پانی پھر گیا۔ ان علاقوں میں بار بار گھسانے کی پڑی جن میں کنور سنگھ کا بھتیجا ہرشن سنگھ، مشرف خاں، مولوی علی کریم، دیبی دتہ، دیبی سرن وغیرہ شریک ہوئے۔ نرائن دیاں قانون کو اور سابق اسسٹنٹ کلکٹر بھی انقلابیوں کے ساتھ تھے اور سلیم پور میں ان کی مدد کر رہے تھے۔ سنگرام سنگھ بھی مع ہمراہیوں کے شریک تھا۔ جنوری ۱۸۵۸ء کے تیسرے ہفتے میں گورکھپور کے کچھ حصے پر جنگ بہادر کی فوجوں کی مدد سے انگریزی قبضہ ہوا، بے شمار کاؤں جلائے گئے ہزاروں کو پھانسی ہوئی، مشرف خاں کو بھی جنوری ۱۸۵۸ء میں میاں کے بازار میں پھانسی دی گئی، لیکن انقلابی رہنما یعنی ستاسی، نگر اور نہر پور وغیرہ کے راجہ ہاتھ نہ آ سکے اور اودھ چلے گئے، مشرف خاں کی گرفتاری پر پتہ چلا کہ یہ بغاوت کا خاص سرغنہ تھا، ایک اور انقلابی سردار ولی محمد بھی گرفتار ہوا۔ پچھلوں کے راجہ اندولاسین کی گرفتاری کے لئے مہم بھی گئی لیکن ہاتھ نہ آیا اور ترائی میں پناہ گزیں ہوا، لاؤنس منبٹ اور قلعہ مسمار کیا گیا اس کے بعد بھی فروری ۱۸۵۸ء میں ابودھیا، شاہ گنج، گپیرا، امورہا اور بیلوا وغیرہ میں انقلابیوں سے تصادم ہوتے رہے۔ محمد حسن اور ہرشن ٹانڈہ میں اپنی فوجیں لے آئے۔ راجہ کونڈہ نے نواب گنج میں فوج جمع کی، راجہ تلسی پور کے لشکر نے شمالی حصے پر حملے کئے، پولیس پھوکیاں برباد کر ڈالیں۔ راجہ کونڈا

۲۰ تلسی پور کا راجہ انگریزوں کی قید میں تھا اور عالم باغ لکھنؤ میں فوت ہوا لیکن اس کی ماں نے بغاوت میں پوری طرح شرکت کی اور مدد کرتی رہی۔ (فریڈم اسٹرگل جلد ۴ ص ۲۱۵-۲۰۵)

نے تمام علاقے کو بغاوت میں شامل کرنے کی سرگرم کوشش کی اور بیلوا گھاٹ پر مورچے لگائے
مہادی حسن بھی اسی علاقے میں تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے راجاؤں کے علاوہ امر وہہ کا سید کلنار علی
بھی موجود تھا۔

ایک زبردست حملے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اس لیے راکرافٹ ۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو پوری
تیاری کے بعد بیلوا کی طرف بڑھا مگر انقلابیوں کی مضبوط پوزیشن دیکھ کر وہ اس باختہ ہو گئے اور
چند توپیں ہی چلا کر خیریت سے لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر انقلابی اپنے مورچوں سے انگریزی فوج پر
ٹوٹ پڑے، گھمسان کی جنگ ہوئی (بمقام امور ہا ۵ مارچ) اور انھوں نے انگریزی فوجوں کو
گھیر کر اس حملے کا مزہ چکھا دیا۔ اس معرکے میں راجہ گوندہ کے علاوہ بوندی، کونا، چودا، نان
پارا اور گوندہ بہرائچ کے دوسرے راجہ شریک تھے۔ مورخ ایس بی چودھری نے امور ہا کے معرکوں
کو قومی جنگ (نیشنل وار) سے تعبیر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ تحریک ۱۸۵۷ء کے سب سے زیادہ
یادگار اور تاریخی معرکوں میں سے تھے۔ یہاں پسپائی کے بعد محمد حسن اور راجہ گوندہ نے پھر
ایک بڑی فوج تیار کر لی اور اب وہ پھر جنگ کے لیے تیار تھے۔ امور ہا کی رانی جو انقلابیوں سے
برابر رابطہ قائم کیے ہوئے تھی فیض آباد چلی گئی۔ آخر مارچ ۱۹۵۸ء تک بھی محمد حسن کے ساتھ راجہ
گوندہ اور دوسرے تعلقہ دار ابودھیا اور فیض آباد کے علاقوں میں تھے۔ بیلوا کے مورچے پر راجہ
گوندہ کا قبضہ تھا جو یہاں سے دوسرے تعلقہ داروں کے ساتھ بیگم حضرت محل کے پاس چلا گیا
(اپریل) امور ہا پر محمد حسن کی فوجوں سے جنرل راکرافٹ کو ایک اور جنگ کرنا پڑی (۱۵ اپریل)

1. CHAUDHURI: p. 145

2. Freedom Struggle UP Vol.4 pp. 315-325

Chaudhuri pp. 145-146 (Parliamentary Papers)

NASH: Volunteering in India p. 63

پھر بھی بیلوا پر قبضہ نہ ہو سکا۔ انقلابی سردار اعظم گڑھ پر حملے کی تیاری کر رہے تھے وہ گھاگرا پار کر کے کنور سنگھ کی فوج سے جا ملے۔ محمد حسن کے آنے کی خبر سن کر انگریزوں نے بستی کے مقام کو خالی کر دیا (۲۶ اپریل) مگر خبر غلط نکلی۔ راجہ نگر کی فوج اس جگہ سے قریب آرہی تھی اور ٹانڈہ سے مہدی حسن کی فوج حرکت میں آچکی تھی۔ انگریزوں نے خفیہ معلومات حاصل کر کے نگر پر حملہ کیا، انقلابی سپاہیوں کو ٹانڈہ پر آگئے جہاں ۵۸ء میں مہدی حسن، عباس علی خاں اور غلام حسن وغیرہ مع فوج کے موجود تھے۔ راجہ کونڈہ نے دیہاتی عوام کو بھرتی کر کے ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی، بیلوا پر اس کا قبضہ ہو گیا، امور ہا پر تصادم برابر ہوتے رہے۔ ڈومری کے بابوؤں نے نیندھو سنگھ کی رہنمائی میں گورکھپور سے آٹھ میل دور ایک تھانے تحصیل پر دوبار حملہ کیا اور فرار ہو گئے۔ صورت حال یہ تھی کہ گھاگرا ندی کے تمام کناروں پر ہر طرف انقلابی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں اور انگریزی کیمپوں پر حملے برابر ہو رہے تھے۔ وہ لوگ مال کناری وصول کر رہے تھے اور گورکھوں کا سامان بھی موقع پا کر لوٹ لیتے تھے ان میں راجہ کونڈہ پیش پیش تھا جو بیگم حضرت محل کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ یہ نصیر آباد والی باغی سپاہ محمد حسن کے ساتھ شریک ہو چکی تھی پچھڑتھیں بیگم نے بھیجی تھیں جو گھاگرا پار کر چکی تھیں۔ بنسی کے علاقے میں انگریز اور ان کا وفادار راجہ مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے محل اور شہر پر انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۲۱ مئی ۵۸ء کی ایک سرکاری رپورٹ میں کہا گیا :

”دشمن کے حملے برابر جاری ہیں۔ بڑی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ..... مسٹر بڑ

کی ڈومری کے بابوؤں کے خلاف ہم ناکام ہو گئی ہے“

انگریزی فوجیں پھر بنسی پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئیں تو انقلابی فوجیں اودھ کی طرف کوچ کر گئیں مگر دوسری جگہوں پر حملے جاری رہے۔ بیگم حضرت محل تمام انقلابی افسروں سے

رابطہ قائم کر کے ہدایات جاری کر رہی تھی۔ کئی مقامات سے انگریزوں کو نکال دیا گیا۔ محمد حسن کی فوجیں امور ہا اور بیلوا کے قریب جنگوں میں مصروف تھیں۔ مان سنگھ انگریزوں کے ساتھ ہو گیا تھا جس کو دغا بازی کی سزا دینے کے لیے ان فوجوں نے بیگم کے ایما پر محمد حسن کے ساتھ شاہ گنج پر حملہ کیا۔ نانا صاحب بہرائچ میں اور راجہ دیسی سنگھ (گوندہ) کو رکھپور سے دو میل دور تھے۔ بلرام پور کے 'دفاڈر' راجہ کو چروا اور اکونا کی فوجوں نے گھیر رکھا تھا۔ مولوی سرفراز علی اور ان کا ایک مرید دھمن خاں، جو ہنسی علاقے کا خاص باغی سرغنہ تھا، نیپال کی ترائی میں چلے گئے۔ بلرام پور کے راجہ نے چاروں طرف انقلابی دستوں کے گھیرے پریشاں ہو کر چھپس ^{۲۶} ہزار روپیہ انھیں دیا۔ انقلابی فوجوں کا مطالبہ تھا کہ وہ بیگم حضرت محل کے رُوبرو حاضر ہو، انگریزوں کی ہدایات یہ تھیں کہ وہ تمام شرطیں منظور کر لے مگر بیگم کے سامنے حاضر نہ ہوئے۔

میر محمد حسن کے ساتھی | انقلابی سرداروں کے مزید حالات، علیحدہ باب "آخری دور" میں بیان ہوں گے۔ یہاں صرف ان تعلقہ داروں کا ذکر کیا

جا رہا ہے جنہوں نے گورکھپور کے علاقوں میں اہم رول ادا کیا۔ ان میں بلی سنگھ، عباس علی، ستاسی کا اودت نرائن سنگھ، شیو پور کا صورت سنگھ، راجہ کشن چند، حسین علی، باقر حسین فیض علی، ضمیر علی پرتھو، پال سنگھ، جعفر علی، پکرن سنگھ، تحصیل دار فتح علی بیگ (ولد حسن علی)، وحید علی (ڈپٹی کلکٹر) اس کا بھائی علی نصر، ضمیر علی، حسن علی بخش، حافظ الہی بخش، تحصیلدار، بھگوان بخش وغیرہ تھے۔ جنہوں نے رسد پہنچائی، جنگوں میں شرکت کی، انتظام سنبھالا اور میر محمد حسن کا پوری

۱۔ دھمن خاں نیپال میں (غالباً جولائی ۱۸۵۸ء) گرفتار ہوا۔ ستاسی، بڑھیا پار چلو پار، شاہ پور، ٹکھڑا، پانڈے پار، ڈمری وغیرہ کے لاجپوت زمینداروں کی ریاستیں ضبط ہوئیں۔ گوپال پور کے کشن کشور کو انعام ملا۔

۲۔ فریڈم اسٹریٹ جلد ۴۔ ص ۳۴۸

طرح ساتھ دیا۔ شیو غلام سنگھ ساکن ردولی کی کمان میں ایک بڑی فوج مئی ۱۸۵۷ء میں تھی۔ موضع بستی کی ایک جنگ میں وہ کام آیا۔ ننگر کارا جو بھی برابر جنگوں میں شریک رہا۔ پرتھی پال سنگھ نے بیٹی مادھو اور مظفر جہاں سے مل کر اعظم گڑھ پر حملے کی اسکیم بنائی تھی۔ بیلوا اور امور بادگیرہ پر باغی فوجوں کا اجتماع انہی کی کمان میں تھا اور انگریزی حکام کی رپورٹوں کے بموجب ”وہ باہمت حملے اور مقابلے کر رہے تھے۔ محمد حسن نے جون جولائی میں امور با سے ہٹ کر گھاگرا پار کی۔ مان سنگھ نے دو غلا کردار ادا کیا۔“

بنارس اور الہ آباد کے قریبی علاقے | بنارس میں بہت سے معزول شدہ حکمران اور شہزادے مقیم تھے ان میں ریاست ستارا اور نیپال کے حکمران، دہلی کے مغل شہزادے اور سکھ تعلقہ دار وغیرہ تھے اور یہ لوگ بغاوت

۱ فریڈم اسٹرگل جلد ۲۔ ص ۲۲۸

۲ مان سنگھ برہمن ولد درشن سنگھ کا خاندان آره میں آباد تھا۔ اس کا دادا شاہ گنج میں آباد ہوا۔ اودھ کے دربار میں عزت، انعام اور خطاب ملے۔ درشن سنگھ کے تین بیٹے تھے جن میں مان سنگھ خاندان کا سردار مقرر ہوا۔ بغاوت سے کچھ پہلے قید کر دیا گیا تھا۔ جون ۱۸۵۷ء کے شروع میں اس نے انگریزوں کو باغیوں کی سازشوں کی اطلاع پہنچائی اس لیے مفید سمجھ کر بری کر دیا گیا۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں جب باغی فوجوں نے غداری کی سزا دینے کے لیے گھیر لیا تو اس نے انگریزوں سے مدد طلب کی اس سے پہلے وہ بظاہر لکھنؤ میں انقلابیوں کے ساتھ بھی رہا۔

۳ الہ آباد کا علاقہ ۱۸۰۱ء میں نواب اودھ نے کمپنی کو دیدیا تھا جس میں گورکھپور، اعظم گڑھ، مرزا پور، مئی تال تیرائی، الہ آباد، فتح پور، کانپور، پوری، اٹاودہ، فرخ آباد، روہیلکھنڈ وغیرہ شامل تھے۔ باندہ، ہمیر پور، جالون ۱۸۰۲ء میں کمپنی کے قبضے میں آئے۔ بنارس اور ضلع مرزا پور وغیرہ شاہ عالم ۱۷۶۲ء میں کمپنی کو دے چکا تھا ۱۷۶۶ء میں کمپنی نے پھر نواب اودھ کو دیا لیکن ۱۷۶۵ء میں پھر لے لیا ۱۸۰۲ء میں نواب فرخ آباد کو پیشین فیکر علیہ کر دیا گیا۔

کی سازش میں شریک تھے۔ دہلی کے نمائندے اور مولوی دیسی سپاہ کو آمادہ کر رہے تھے، مندروں اور مسجدوں میں دعائیں ہو رہی تھیں کہ انگریزوں کا خاتمہ ہو۔ باغیانہ خط و کتابت پکڑی بھی گئی، شہر میں اعلانات چسپاں ہوئے اور انقلابی جذبات کھل کر سامنے آنے لگے۔

فوجی سپاہ کی سازشیں الہ آباد اور اعظم گڑھ کے علاقوں میں بھی ہو رہی تھیں۔ افسر کی رپورٹ ہے کہ نمبر ۷ ارجمند جس نے اعظم گڑھ میں بغاوت کی، ۱۸۵۲-۵۳ء میں دہلی میں تھی اور اس کے ہندوستانی افسر بادشاہ کو ندریں پیش کرتے تھے۔ اودھ کے الحاق پر نمبر ۱۹-۱۹ اور ۲۲ رجمنٹوں نے اپنی خدمات شاہ اودھ کو پیش کی تھیں (ایف ڈبلیو بوبکس کی رپورٹ ۳ جون ۱۸۵۷ء) ۲

الہ آباد میں علماء اور پنڈتوں نے عوام اور فوج کو بیک وقت بغاوت کے لیے آمادہ کر دیا تھا۔ سرکاری عہدہ دارنچ اور منصف بھی ان سازشوں میں شریک تھے سب سے زیادہ پیش پیش تھے مولوی لیاقت علی (ولد مہر علی) جن کا وطن تھا موضع مہکاؤں پرکرنہ چائل (ضلع الہ آباد)۔ اُس وقت ان کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ان کے والد کاشتکار تھے اور چچا فوج میں ملازم۔ لیاقت علی حضرت سید احمد شہید کے عقائد سے متاثر تھے۔ تعلیم کے بعد تین چار سال انگریزی فوج میں ملازم رہے، عبادت گزار اور پرہیزگار تھے، تبلیغ اور درس و تدریس کو شغل بنایا، نہ صرف عوام اور سپاہی بلکہ انگریز افسر بھی احترام کرتے تھے۔ فوج سے الگ ہو کر دہلی۔ ٹونک۔ رائے بریلی میں قیام کیا۔ مہکاؤں کی مسجد کے امام ہوئے۔ بغاوت سے کچھ قبل انقلابی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے سپرد یہ کام تھا کہ بغاوت کی طے شدہ تاریخ سے مخصوص کارکنوں کو مطلع کریں جس کے لیے دن رات تیزی سے سفر کیا۔ بغاوت

1. First Freedom Struggle U. P. Vol. 4 p. 7-169

2. Freedom Struggle UP Vol. 1 p. 343-344

کے بعد بھی سرگرمیوں میں مصروف رہے جس کا ذکر علیحدہ باب "آخری دور" میں کیا جا رہا ہے۔

اعظم گڑھ | بنارس میں اعظم گڑھ کی بغاوت کے بعد اشتعال پیدا ہوا۔ اس لیے پہلے یہی حالات بیان کر کے آگے بڑھیں گے۔ اعظم گڑھ میں دیسی سپاہ نے ۲ جون کو بغاوت کی، نمبر ۱۔ این آئی سب سے پہلے باغی ہوئی۔ بھوندو سنگھ صوبے دار (ساکن دیولا ضلع فرخ آباد) ان کا سردار تھا جو ذات کا، ہیر تھا اور بغاوت کی سازشوں میں شریک تھا۔ ان سازشوں کی انگریز حکام کو قبل از وقت ہوا بھی نہ لگ سکی۔ ایک سرکاری بیان ہے کہ:

"حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سازش فوری نہیں تھی بلکہ بہت عرصے پہلے سے ہو رہی تھی اگرچہ ہر رجمنٹ کے صرف چند مخصوص لوگوں کو علم تھا۔۔۔ انتہائی پوشیدہ طریقے سے بغاوت کا پلان بنانا ہر دیسی رجمنٹ کے آدمیوں کا خاص ملکہ امتیاز تھا" ۱

دیسی سپاہ نے بھوندو سنگھ کو لیڈر بنا کر بغاوت شروع کر دی (بعد میں یہ سپاہ کانپور میں تانا صاحب اور تانتیا ٹوپی کے ساتھ بھی رہی ہے)۔ اعظم گڑھ میں سپاہ کی بغاوت شروع ہوتے ہی راجپوت، پٹھان اور نہرن قبیلے شامل ہو گئے۔ ان علاقوں کے راجماروں کے علاوہ پلواری قبیلے کا سردار پرقتوی پال سنگھ (ساکن بنیترا) اپنے سپاہیوں کو لے کر آگیا اور مہاجنوں سے ٹیکس وصول کیا۔ کول سنگھ زمیندار بھی ساتھ ہو گیا۔ نظام آباد سکری گھوسی۔ سکندر پور مسٹر۔ مبارک پور محمود آباد۔ دیوگاؤں۔ پٹیا کوٹ۔ بی بی پور۔ لیشن پور۔ مٹھو پور۔ جھکت پور وغیرہ علاقے بغاوت سے متاثر تھے۔ کولسا اور اتھرولی کے راجپوت نمایاں تھے۔ سکندر پور ضلع بلیا کے رام نواس نے فوج منظم کر لی تھی اور انھیں اُس وقت تک دبایا نہ جاسکا جب تک کہ اودھ میں بغاوت کو کچل نہ

۱۔ بیانات مقدم بھوندو سنگھ ولد رام دین سکوالہ فریڈم اسٹریگل یوپی جلد ۴

دیا گیا اے کوئٹہ میں پلوٹا سردار مادھو پرشاد نے انتظام سنبھالا اور اعظم گڑھ پر لاہور والی
 ۵۵ء کو حملہ کیا تحصیل ماہول پر مظفر جہاں کا قبضہ تھا جہاں اُس نے جنگی مورچہ بندی کر رکھی
 تھی۔ پرن سنگھ نے مہاراج گنج کے تھانے پر حملہ کیا اور متحدہ حملوں کی اسکیمیں بنائیں۔ رجب
 علی نے کوئٹہ والی پر حملہ کیا اے انگریز انسرغازی پور کو فرار ہو چکے تھے۔ دیہاتی عوام ہزاروں کی تعداد میں مسلح
 شریک تھے اور انگریزی فوجوں سے بار بار تصادم میں حصہ لیتے رہے۔ انکے لیڈر پرتھوی پال اور مادھو پرشاد
 (تعلقہ داربرہار) تھے۔ اسی دوران میں کنور سنگھ مع فوج ۲۵ دن یہاں مقیم رہا اور پھر غازی پور چلا گیا۔ کوئٹہ گاؤں کے عوام
 نے چپے سنگھ کی رہنمائی میں انگریزوں کی نیل فیکٹری برباد کر دی۔ اعظم گڑھ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ
 زمیندار جگ بندھن سنگھ کا ایک انگریز سے جھگڑا ہوا۔ جگ بندھن کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال
 دیا گیا لیکن اس کی لڑکی نے مبارکپور کے قریب ممبہور کے زمیندار رجب علی سے مدد چاہی
 جس نے ایک فوج تیار کر کے انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور جگ بندھن کو رہا
 کیا۔ پولیس نے تعمیل حکم سے انکار کیا اور بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔

اتھروالی کے کرمی راجہ یعنی مادھو کو بیگم حضرت محل نے اعظم گڑھ اور جہان پور کا ناظم مقرر
 کیا (بعض جگہ یعنی مادھو کے بھائی جے لال کو ناظم بتایا گیا ہے)۔ ۳۱ نومبر ۱۸۵۷ء کو اتھروالی کے تحصیل
 دار کی رپورٹ تھی کہ باغیوں کی بھاری فوجیں اگلے دن اتھروالی آنے والی ہیں۔ کوئٹہ کے تحصیلدار
 کا بیان ہے کہ چار پانچ ہزار باغی مع توپوں کے ہمیں مادھو اور جے لال کی سرکردگی میں توہرہ پہنچ
 چکے ہیں۔ ماہول کا تحصیلدار بیان کرتا ہے کہ باغیوں کی بڑی فوجیں شہزاد پور پر تعینات ہیں۔
 ۵ نومبر کو ماہول کے تھانیدار کی رپورٹ تھی کہ دو ہزار باغی مع چار توپ بسکھری پہنچ چکے ہیں اور ٹانڈہ
 سے اور آنے والے ہیں۔ دو ہزار اکبر پور میں جمع ہیں۔ اور یہ سب مل کر اعظم گڑھ آ

رہے ہیں۔ ۱۰ نومبر ۱۸۵۷ء تک یہ تصادم جاری رہے۔ انقلابی فوجوں کی شکست کے بعد بنی مادھو کا قلعہ برباد کر دیا گیا۔ اور وہ آدھ چلا گیا۔ نومبر کے آخر میں، ہوپ گرانٹ کے حملوں میں مقابلہ کرتے ہوئے وہ گونٹا کی طرف پسپا ہوا۔ انگریز مورخ گبنس کا بیان ہے کہ بنی مادھو کے باغیانہ سردار میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن مادھو پر شاہ جولاہی کے شروع تک کچھ طے نہ کر پایا تھا بعد میں وہ ہماری دشمنی پر آمادہ ہوا۔ بعض خفیہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ بنی مادھو نے اسے چار لاکھ روپیہ دیا اور مدد حاصل کی۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ بنی مادھو راجہ مان سنگھ سے بھی رابطہ قائم کیے ہوئے تھا اور اُس سے مدد بھی منی۔ کنور سنگھ کے آنے پر ان علاقوں میں پھر بغاوت بھڑک اٹھی۔ جون ۱۸۵۸ء تک بھی سید پور تحصیل میں بغاوت ہو رہی تھی۔

بنارس کی بغاوت | اعظم گٹھ کی خبریں دیسی سپاہ میں پھیل کر رہی تھیں۔ کرنل نیل نے جو مدد اس سے کیا تھا، افسران کو حکم دیا کہ سپاہ سے احکام کی تعمیل کرائیں۔ پریڈ کا حکم ہوا، نمبر ۲۷ جمنٹ کو ہتھیار رکھنے کا حکم ملا۔ کچھ نے تعمیل کی لیکن پھر اپنی بندوقیں اٹھالیں اور فائرنگ شروع کر دی۔ کمانڈنگ افسر مارا گیا۔ باغی سپاہی میگزین پر حملہ آور ہوئے اور انگریزوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ پھاؤنی کے پیچھے سے گولیاں برسانے لگے۔ یہاں سکھ سپاہ بھی باغیوں میں شامل ہو گئی۔ ہوا یہ کہ ایک سپاہی نے انگریز افسر کو قتل کیا۔ جب اس کی جگہ دوسرا آیا تو سکھ سپاہی نے وقتی جوش سے گولی مار دی۔ اس سکھ کو دوسرے وفادار سکھوں نے ختم کر دیا لیکن گورافوج نے ان سکھوں پر فائرنگ شروع کر دی اور جو توپیں نمبر ۲ کی طرف تھیں، سکھوں کی طرف مڑ گئیں۔ بے قائدہ سوار فوج کے زیادہ تر سپاہی باغی ہو چکے تھے، خزانے اور کچھری کار دینے بھی بغاوت کر دی، بنگلوں میں آگ لگی، انگریزوں کا قتل عام ہوا، تار کاٹ دیئے گئے، ریلوے لائن اڑا دی گئی۔

بنارس میں ہر جون ۱۸۵۷ء کو بغاوت ہوئی لیکن اڑمئی کی رات کو چھاوئی کے ایک حصے میں آگ لگی۔ اگلے دن کچھ لوگ یہاں مشورے کرتے پائے گئے اور کچھ شوالے کے قریب دیکھے گئے۔ جہاں دہلی کے کچھ منغل شہزادے تقریباً پچاس سال سے آباد تھے اور سازش میں شریک تھے۔ شہر سے اطلاع ملی کہ کچھ مسلمانوں نے بیشیشور مندر میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ انگریز افسر نے راجپوتوں کو بھڑکایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

سازش کا سراغ | بنارس میں بغاوت کے بعد گرفتاریاں ہوئیں، ایک مہاجن کے گھر سے ہتھیار اور خفیہ اشاروں میں لکھے خط برآمد ہوئے جن میں بغاوت کی اسکیم تھی اور مہاجن کو روپیہ مہیا کرنا تھا۔ جلال پور (ضلع جون پور) کے تھانیدار گنگا سرن کی رپورٹ تھی کہ یہاں چند ہرکارے پکڑے گئے جو لکھنؤ سے بھیجے گئے تھے۔ ان میں نو ہاری سنگھ خاص آدمی تھا۔ جس نے بتایا کہ ایشوری پرشاد مہاجن ساکن جگدیش پور (لکھنؤ) نے یہ ہرکارے مختلف مقامات کے لیے چھوڑے ہیں اور لکھنؤ۔ کھول پور اور قاضی سرے وغیرہ میں سرگرم تھے۔ ان کے پاس فارسی خطوط برآمد ہوئے۔ ہرکاروں کی گرفتاری پر ان کے پاس سے دوسرے ہرکاروں کی فہرست بھی ملی جو ۲۸ سوال ۱۲۷۱ء کو بھرتی کیے گئے تھے۔ ایشوری پرشاد بنارس میں مقیم تھا۔ دوسرا مہاجن بھی پرشاد بھی سازش میں شریک تھا، دونوں کو پھانسی دی گئی۔ ”ریڈ پمفلٹ“ میں میلسن نے لکھا ہے کہ بنارس کے مندروں میں ہمارے خاتمے کے لیے پرارتھنا ہوتی تھی مئی ۱۸۵۷ء کے آخر میں طوفان کی علامات ظاہر ہوئیں۔ فوجی شورش نے تیزی سے رنگ بدلا اور قومی بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ بغاوت ہوتے ہی تمام علاقہ انگریزی راج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ زمینداروں نے وہ کام پورا کیا جسے سپاہ نہ کر سکی لیکن تنظیم نہیں تھی۔ باغی سپاہ نے انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا اور خزانہ لے کر اودھ روانہ ہو گئی۔

مرزا پور کے عوام بھی مشتعل تھے۔ ۲۴ جون کو بنارس کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں آنے پر انگریزوں نے حفاظت کے انتظام کر لیے۔ ۱۰ جون ۱۸۵۷ء آتے آتے یہاں بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ اُدنت سنگھ (پرکرنہ جھوڑو) نے آزادی کا اعلان کیا۔ جھوڑی سنگھ، ماتا بخش اور سہنام سنگھ باغیوں کے سرکار تھے۔ سڈو پور اور پڑو پور کے زمیندار بھی ساتھ تھے۔ جھوڑی سنگھ نے ایک انگریز افسر مور کا سر کاٹا تھا۔ پرکرنہ جھوڑو ہی میں راجہ بنارس کی جاگیر تھی یہاں اُدنت سنگھ نے دیوان مقرر کیے، فوج بھرتی کی اور ٹرنک روڈ بند کر دی مگر راجہ کے ایجنٹ ورن لال کی تجویز سے راجہ اور اس کا دیوان گرفتار ہوئے اور پھانسی ہوئی۔ رام بخش اور جھولا سنگھ کو بھی پھانسی ہوئی۔ دانا پور کی بغاوت کے بعد وہاں کے انقلابی (اگست ۱۸۵۷ء) رابرٹ گنج میں داخل ہوئے، اور سرکاری سامان کوٹا پھر شاہ گنج (تحصیل رابرٹ گنج) کو لوٹا۔ جوائنٹ مجسٹریٹ مور کا سر کاٹ کر اُدنت سنگھ کی رانی کو پیش کیا گیا اور انگریزی فوج کے ہاتھ صرف مور کا سر کاٹا جسم آیا (۲۴ جولائی ۱۸۵۷ء)۔ اس دوران میں سکولی میں بھی بغاوت ہو گئی۔ سنگرولی (تحصیل رابرٹ گنج) کا راجہ انقلابیوں کی مدد کر رہا تھا۔ ان علاقوں میں مظفر جہاں، مہدی بخش، مخدوم بخش وغیرہ سرگرم تھے۔ اور ۲۸ نومبر ۱۸۵۷ء تک بھی ان کے پاس سولہ ہزار فوج تھی۔ وجہ گڑبہ کے سردار لکشمی سنگھ اور چندیل قبیلے کے سرداروں نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔ کنور سنگھ اور امر سنگھ کے آنے پر انقلابیوں کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ کنور سنگھ ۲۴ اگست کو پٹانگ کے راستے سے رام گڑھ پر فیمہ زن ہوا۔ جھوڑی سنگھ نے سب سے زیادہ نمایاں رول ادا کیا ہے۔ سرکاری کاغذات میں اُسی کو ان علاقوں کا خاص سرفتہ کہا گیا ہے اس کے ساتھیوں میں سرب دین سنگھ، زبر سنگھ، پدم سنگھ، رندھیر سنگھ، فقیر بخش، رکھیر سنگھ، پتر جیت سنگھ، ترن سنگھ، ایشوری سنگھ وغیرہ تھے۔ رندھیر سنگھ ولد گجراج سنگھ تعلقہ دار سکرامو نے ایک بڑی فوج بھی منظم کی تھی۔

جون پور | ۵ جون ۱۸۵۷ء کو جب بنارس کی سکھ رجمنٹ پر گولی چلانے کی خبریں ملیں تو یہاں مقیم لدھیانہ رجمنٹ کے سکھ دستوں نے بغاوت کر دی۔ جتن سنگھ اور

ہر نذرانہ سنگھ نمایاں تھے۔ انھوں نے راجہ ارادت جہاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ مجسٹریٹ اور دوسرے افسر مارے گئے خزانہ لوٹا اور بنارس کی طرف چلے گئے اے انگریزوں نے ہینگن لال کے یہاں پناہ لی ضلع کا راج شیو غلام دوسے کے حوالے ہوا جس کا قبیلہ پیش پیش تھا۔ بنارس اور اعظم گڑھ کارسل و رسائل کاٹ دیا گیا، ٹیلگراف اور ٹاک بر باد کر دی گئی۔ پلوار راجپوتوں نے انگریزی فوج کو پسپا کیا اور توپیں چھین لیں۔ جیسے ہی انگریزوں نے جون پور چھوڑا، بگیشور بخش نے بدلا پور گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں یہ علاقہ دوبارہ انگریزی قبضے میں آیا کیونکہ انقلابیوں نے جم کر مقابلہ نہ کیا ورنہ سرکاری رپورٹیں واضح طور پر اعتراف کرتی ہیں کہ ”پورا علاقہ بغاوت پر کمر بستہ تھا۔“

جون پور کے انقلابی سرداروں میں سورج مندر مصر جاتکی ناتھ، اشرف خاں، پرنام سنگھ، رام جیت سنگھ وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے انگریزوں کو بحفاظت یہاں سے جانے دیا یہ کام سورج مصر کے ذریعے ہو رہا تھا جو ایک بااثر اور مال دار شخص تھا۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء تک جون پور آزاد رہا اس کے بعد بھی دھن (گوپی گنج) کی طرف باغیوں کا قبضہ تھا اور شاہ اودھ کے نام پر مال گذاری جمع کی جاتی تھی۔ کنور سنگھ کا جھنڈا مع فوج موجود تھا۔ گوپی گنج کے جوائنٹ مجسٹریٹ کی رپورٹ کے بموجب ”گراؤنڈ ٹرنک روڈ اور اس کے آس پاس چار پانچ گاؤں ہمارے قبضے میں ہیں، وہ بھی پوری طرح نہیں“ آخر نومبر ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج یہاں پہنچی لیکن لکھنؤ کی شکست (مارچ ۱۸۵۸ء) کے بعد بھی انقلابیوں کی بڑی فوجیں غلام حسن اور مہدی حسن کی سرکردگی میں شمال مغرب میں جمع تھیں جنہیں لوکارڈ نے منتشر کیا۔ مئی ۱۸۵۸ء میں جھوڑی سنگھ نے پھلی شہر اور مرزا پور پر حملے کیے، جولائی ۱۸۵۸ء تک سنگرام سنگھ بھی مع فوج کے سرگرم تھا۔ زبردست تیاریوں کے بعد چاروں طرف سے گھیر کر انہیں نکالا جاسکا۔ جھوڑی سنگھ اس دوران میں اودھ کے علاقے میں موت سے

ہم کنار ہوا۔

نواب ارادت جہاں بغاوت کی سازشوں میں بہت پہلے سے شریک تھا مشہور ہے کہ ۱۸۵۶ء میں نواب باندہ کے یہاں ایک شادی کے موقع پر خفیہ جلسہ ہوا پھر الگ الگ مقامات پر جلسے ہوئے اور لائحہ عمل طے کیا گیا۔ اے ارادت جہاں نے بغاوت شروع ہونے پر مال گزاری دینے سے انکار کر دیا اور ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو محل (ماہول) کی حکمرانی کا اعلان کیا، بڑی فوج منظم کر لی۔ ملک مہدی بخش اور رستم شاہ (تعلقہ دار دیہ) بھی شامل تھے۔ انگریزوں پر چاروں طرف سے انقلابی فوجوں کا دباؤ پڑنے لگا لیکن ۶ دسمبر کو کانپور پر ان کی شکست نے کسی حد تک یہ پلان بکھیر دیا اور جنرل فرینک نے جون پور سے لکھنؤ کی طرف بڑھنے کا پلان بنایا۔

ارادت جہاں نائب ناظم تھا، اس کی طرف سے پروانہ جاری ہوا کہ سب تعلقہ دار حاضر ہوں کیونکہ یہاں کے ناظم راجہ بینی مادھو سنگھ آنے والے ہیں (۱۹ اگست ۱۸۵۷ء)۔ ارادت جہاں کا بیٹا مظفر جہاں اکتوبر ۱۸۵۷ء تک ماہول پر حملہ کر کے قابض رہا۔ راجہ کمار، شہزادے اور پلواری قبیلے کے لوگ ہمراہ تھے۔ گورکھا حملے کے بعد جب قلعے پر قبضہ کر لیا گیا تو مظفر جہاں یہاں سے ہٹ کر دوسری دوسری جنگوں میں شامل رہا۔ اس کی گرفتاری پر انعام کا اعلان تھا۔ سرکاری رپورٹوں میں اسے بدترین قسم کے باغیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ارادت جہاں کی رہائش مبارک پور (ضلع جون پور) میں تھی۔ اس نے نذیر حسین کوراجہ حسن علی خاں کے پاس بھیجا یہ شخص اہم رول ادا کر رہا تھا۔ کچھ دن بعد لکھنؤ سے پروانہ آیا اور ارادت جہاں کو نائب ناظم جون پور مقرر کیا گیا، مہتاب رائے دیوان مقرر ہوا۔ ارادت جہاں نے اپنے قلعے پر جم کر مقابلے کیے لیکن ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء جبکہ وہ پرکنہ مائل گیا ہوا تھا، مہتاب رائے معمولی مقابلے کے بعد گرفتار ہو گیا۔ دوبارہ انگریزی فوج مبارک پور پر حملہ آور ہوئی تو امر سنگھ اور مخدوم بخش نے اس بہادری سے جنگ کی کہ مہتاب رائے کو آزاد کرالیا۔

چار دن تک جنگ ہوئی۔ انگریزوں نے عاجز آکر صلح کی بات چیت شروع کی اور ارادت جہاں کے بھائی فصاحت جہاں کو ورغلا کر دغا بازی پر آمادہ کر لیا۔ ارادت جہاں جھانسنے میں آگیا اور دھوکے سے گرفتار کر لیا گیا اور پھانسی دیدی گئی۔ فصاحت جہاں سے پھانسی کے وقت اُس نے کہا: ”بھائی جان۔ اور کوئی حسرت ہے؟“ اے بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ مقدمہ چلا کر (فروری ۱۸۵۸ء) بمقام مبارک پور پھانسی دی گئی۔ ارادت جہاں کے سپہ سالار امر سنگھ نے قلعہ موجی پور میں مورچہ قائم رکھا اور اپنی حسرت پوری کی کہ تلوار کے جوہر دکھاتا ہوا قربان ہوا۔ (آدم پور)۔ مخدوم بخش مبارک پور میں جنگ کے دوران روپوش ہو گیا۔ مظفر جہاں نے مائل میں سولہ ہزار کا لشکر جمع کیا اور باپ کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ اس لشکر میں مخدوم بخش بھی تھا۔ انگریزی فوج پر ایسا کاری حملہ (بمقام گھر) کیا کہ اُن کے قدم اکھڑ گئے۔ مظفر جہاں اسی طرح ۱۸۶۰ء تک جنگ کرتا رہا اور آخر میں گرفتار ہوا۔ سنگرام موہن حسن یار خاں نے حملہ کیا۔ کو دھوا پر تصادم کے بعد حسن یار خاں کو شکست ہوئی وہ حسن پور میں مہدی حسن سے مل گیا جو چاندہ پر جنگ میں مصروف تھا (۱۲ اکتوبر ۱۸۵۷ء)۔ جون پور کے انقلابیوں نے چاندہ پر تیغ آزمائی کے جوہر دکھائے مگر مہدی حسن کو شکست ہو گئی۔ یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج جون پور آگئی مگر تین دن کے اندر ہی پھر اتر و لیا (اعظم گڑھ) جانا پڑا، ۲۲ نومبر کو پھر سنگرام موہن کی طرف بھاگنا پڑا۔ جہاں مہدی حسن اور مظفر جہاں نے انگریزی فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں جب کنور سنگھ نے اٹھو لیا پر حملہ کیا تو گھڑا پر غلام حسین انقلابیوں کی قیادت کر رہا تھا۔ اور جون پور پر حملہ آور ہونے کو تھا چنانچہ بار بار مقابلے ہوئے۔ جوشی سنگھ بدلا پور کے درگ پال سنگھ اور مڑیا ہو کے سنگرام سنگھ نے بھی بغاوت میں حصہ لیا اور گرفتار بھی نہ ہو سکے۔ پوری ضلعوں میں انقلابیوں نے کافی طاقت جمع

۱۷۷ تاریخ جون پور ۲۲۲-۲۲۸۔ مظفر جہاں کو آگرہ جیل میں رکھا گیا۔ رہا ہونے پر موضع ردھولی میں میر حسین

علی اور شیر علی کے یہاں پناہ لی۔ یہاں اب مظفر جہاں کی اولاد میں ذوالفقار جہاں بقید حیات ہیں۔ (تاریخ جون پور)

سرگرمیاں اور خط و کتابت

اکتوبر ۱۹۵۷ء میں کھدواہ کی جنگ کے بعد یہاں انقلابی سرداروں کے کاغذات برآمد ہوئے۔

بدلاپور کے ارجن سنگھ (جگیشور کا بھائی) کے خط تھے جن میں چاندا پر فوجیں جمع کرنے کی ہدایت تھی چنانچہ ۲۱ اکتوبر کو یہ سب چاندا پر مع فوج کے موجود تھے اور آخر نومبر تک مہدی حسن کے ساتھ رہے۔ بندیشوری پر شاد۔ پھلی سنگھ۔ خواجہ حسین بخش، اس کا بھائی احسن بخش وغیرہ فوجوں کے لیڈر تھے۔ فروری ۱۹۵۸ء میں جب جنرل فرنیک اودھ میں داخل ہوا تو مہدی حسن کی فوجوں سے تصادم ہوئے جو بندہ حسن کی کمان میں تھیں۔ اپریل ۱۹۵۸ء میں گورکھپور کے ناظم کا بیٹا غلام حسین سرگرم تھا اور اگارد سے جنگ کر رہا تھا۔ بھوری سنگھ مئی ۱۹۵۸ء میں اودھ (بھمیری) میں آیا پھر الہ آباد چلا گیا۔

جون پور میں اکتوبر ۱۹۵۷ء میں چند ہرکارے پکڑے گئے جو خط پہنچانے کے لیے تھے۔ بھیروں پر شاد اور الیشری پر شاد وغیرہ نے یہ جال پھیلایا تھا۔ انہیں اور دیگر ساتھیوں کو پھانسی دی گئی۔

بغاوت کی نوعیت اور اثرات

بنارس ڈویژن میں بغاوت کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لیے سکریٹری گورنمنٹ

آف سینٹرل پراؤنس کے خط کا اقتباس کافی ہے جس میں یہ بتاتے ہوئے کہ باغیوں کا سردار مہدی حسن ہے، لکھا تھا :

”صرف چند کو چھوڑ کر، جنگی تعداد بہت کم ہے، تمام زمیندار اور تعلقہ دار یہاں ہمارے خلاف ہتھیار سنبھالے ہوئے ہیں“ ل

مہدی حسن کا بھتیجا اکتوبر ۱۹۵۷ء میں شہزاد پور میں فوج جمع کر رہا تھا۔ بمبئی مادھو اور پتھی پال وغیرہ اس کی مدد کو آ رہے تھے۔ مادھو پرشاد پانچ ہزار آدمی کے کمر اعظم گڑھ پر چڑھ آیا۔ مظفر جہاں اور اوریش سنگھ نے جنوری ۱۹۵۸ء میں اعظم گڑھ پر حملہ کیا اور حکام کو نکال دیا۔ سومیری کے مقام پر ملتان خاں باغی فوجوں کی کمان کر رہا تھا جس نے انگریزی فوج کو مار گھکایا تو لکھنؤ اور غازی پور سے جنرل لوکارڈ وغیرہ فوج کے کمر بڑھے مگر مقابلہ آسان نہ تھا۔ چمبل ندی کے کنارے انقلابی فوجیں مہاراولی کمان میں تھیں۔ اٹھارویں لوٹ لیا گیا۔ کنور سنگھ کی فوج بھی مدد کو آ گئی جس میں پلوار سردار بھی شامل تھے۔ انگریزوں کو کوئٹہ پر شکست ہوئی، وہ اعظم گڑھ پر حملہ اور ہوئے ادھر کنور سنگھ کے بھتیجے اور راجہ نرہر پور کی کمان میں انقلابی فوجوں نے دانت کھٹے کر دیئے (۲۴ مارچ ۱۹۵۸ء)۔ انگریزوں نے پہلے شہر کے باہر مقابلے کا ارادہ کیا مگر کنور سنگھ کے نام سے ہی انہیں کچکی چھوٹی تھی لہذا پیچھے ہٹ کر بارکوں میں پناہ لی اور اعظم گڑھ پھر آزاد ہو گیا۔ انگریزوں نے پھر حملہ کیا مگر پھر پسا ہوئے۔ محمد حسن اور راجہ گونڈہ گورکھپور کے علاقے میں تیاریاں کر رہے تھے۔ انگریزوں کی رسد لوٹ لی گئی اور مہاجنوں سے روپیہ وصول کیا گیا۔ جب انگریز افسر بارکر فوج کے کمر بڑھا تو پل پر سخت مقابلے کے بعد مدد کے لیے پہنچ سکا۔

کنور سنگھ کی فوج لکارڈ کے حملے کا انتظار کر رہی تھی۔ ۱۵۵۰، اپریل ۱۹۵۸ء کو حملہ آور ہوا اور انقلابیوں کو پیچھے دھکیلا۔ مین پوری کا راجہ اور آیا پر فوج لے آیا تھا۔ نشان سنگھ، پرگن سنگھ، غلام حسین، مہدی حسن برابر جنگ کر رہے تھے۔ ٹانڈہ اور فیض آباد میں انقلابی فوجیں جمع تھیں۔ مئی ۱۹۵۸ء میں جھوڑی سنگھ نے مچلی شہر اور شہزاد پور پر حملے کئے۔ عوام کی حالت کا اندازہ سرکاری کاغذات کے صرف اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے :

”عام آبادی میں بے حد ہوش و خروش پیدا ہو گیا ہے۔“ لے

غازی پور کے متعلق یہ رپورٹ تھی کہ جون ۱۸۵۷ء سے تمام علاقے میں عوامی جنگ کی صورت حال تھی۔ یہاں رجمنٹ ۶۵ این آئی مقیم تھی اور بلیا میں شیخ خیر الدین ڈپٹی کلکٹر (ساکن بلیا) 'وفادار تھا۔ وہ بغاوت کی خبریں ملنے پر مجسٹریٹ سے ملنے غازی پور آیا اور وہیں مقیم ہو گیا، انگریزوں کے جنگلوں پر سپرہ دیا۔ سرسید لکھتے ہیں :

”اور باوجودیکہ تمام اضلاع گرد و پیش غازی پور مثل اعظم گڑھ و جون پور و گورکھپور و بنارس وغیرہ بگڑ گئے مگر ان افسر نے غازی پور کی سپاہ کو بگڑنے نہیں دیا۔ جب بنارس میں امن ہوا تو غازی پور میں بھی تسلی ہوئی۔ اس وقت مسٹر اس صاحب بہادر کلکٹر بنارس نے جون ۱۸۵۷ء میں واسطے انتظام علاقہ بلیا کے روانہ کیا کہ وہاں نہایت مفسدہ برپا تھا ان افسر نے اپنی رعایا کو اپنے ساتھ جمع کر کے ان کو روکا اور بلیا کو بچایا۔“ ۱

ان علاقوں میں جون پور کے انقلابی سرداروں میں خدا بخش کا نام بھی نمایاں رہا،

۱ سرسید: خیر خواہ مسلمانان ہند ص ۶۲۔ خیر الدین کا باپ بھی فوج میں تھا کابل کی مہم میں جاسوسی بھی کی۔ خیر الدین بھی فوج میں رہا اور کابل کی جنگوں میں جاسوسی کی ۱۸۴۵-۴۶ء میں پنجاب کی جنگوں میں انعام پائے ۱۸۵۲ء میں شیوراج پور (کانپور) کا تحصیل دار ہوا ۱۸۵۶ء میں بلیا کا ڈپٹی کلکٹر ہوا۔ پھر گورکھپور بھیجا گیا جہاں گورکھا فوج کی رسد رسانی اور حسب معمول جاسوسی کرتا رہا۔ راکرفٹ کی فوج کے ساتھ رہا۔ ۲۹ فروری ۱۸۵۸ء کو پھول پور اور ۵ مارچ کو اموڑہ کی جنگوں میں اس کی جاسوسی سے انگریزوں کو کامیابیاں ہوئیں۔ ۲۵-۲۹ اپریل کو اموڑہ اور یکم مئی کو نگر کی جنگوں میں موجود تھا۔ ۱۰ جون ۱۸۵۸ء کو اموڑہ، دہریہ اور بگلش پور (۲۶ ستمبر) کی جنگ میں رہا پھر نیپال میں انقلابیوں کی جاسوسی کرتا رہا اور گرفتار کرا تا رہا (مارچ ۱۸۵۹ء)

جس نے دو ہزار آدمی منظم کئے تھے۔ مولوی کرامت علی جوہری لیدر تھے۔ تمام سازش کرنے والوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ حکیم آغا محمد عرف محمد حیدر۔ مہی پال سنگھ۔ بندہ حسن۔ راجہ حسن علی فضل عظیم۔ کشن نرائن وغیرہ تھے۔ اے

بنارس میں مظالم | بنارس میں بغاوت کچل دینے کے بعد جنرل نیل سکھ اور گورہ سپاہ کے دستے بنائے جنہوں نے دیہات میں قتل

عام شروع کیا۔ پھانسی پانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ دن رات کام ہونے کے باوجود بھی ختم نہ ہوتا تھا لہذا پھانسیوں کے تختوں کی ایک لمبی لائن بنائی گئی پھر بھی پھانسی کے 'امیدواروں' کی ایک بڑی قطار موجود تھی۔ درختوں کو کاٹ کر پھانسی کا تختہ بنانے میں چونکہ طوالت تھی اس لیے گلے میں رستی باندھ کر درختوں کی ہر شاخ پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا گیا اس کے بعد نیا طریقہ سوچا یعنی پھانسی پانے والے کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لایا جاتا، اس کے گلے کو درخت کی شاخ سے مضبوط باندھ دیا جاتا اور ہاتھی کو ہٹالیا جاتا تھا اس طرح انتہائی تکلیف سے جان نکلتی اور انسانی جسم انگریزی ہند سے 8 اور 9 کی شکل بن جاتے تھے۔ آخر یہ بھی پرانا ہو گیا مگر ابھی ہزاروں باغی زندہ تھے۔ کلیجہ تھام کر سینے کو تہذیب کے دعوے داروں نے اس مشکل پر بھی قابو پالیا اور اب یہ کیا کیا کہ گاؤں کے گاؤں آگ لگا کر خاک کر دیئے گئے۔ آگ لگاتے وقت انگریزی فوج گاؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا کرتی تھی تاکہ کوئی بچ نہ نکلے۔ جلنے والوں کی دل سوز چیخیں اور ان کا بے بسی سے ناک ہو جانا انگریزوں کے لیے اتنا مفرح ثابت ہوا کہ انہوں نے انگلیں گونڈ کر لکھے جن میں یہ حالات تحریر کئے۔ مختلف دستے جو اس مہم پر بھیجے گئے، ان میں سے ایک کا افسر اپنے مشاہدات میں کہتا ہے:

”تاہم آپ کو یہ سن کر اطمینان ہوگا کہ بیس دیہات صفحہ زمین

سے مٹا دیئے گئے؟ ۱

یہ بیس دیہات صرف ایک دستے کی کارگزاری تھی اور یہ سب صرف خلاصہ ہے اُن
مظالم کا جن کے بارے میں انگریز مؤرخ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ:
”بہتر ہے کہ نیل کے انتقام کے بارے میں کچھ نہ لکھا جائے۔“

الہ آباد آزاد | الہ آباد کے انگریز افسروں کی خفیہ رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ
بات ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی کہ یہاں مسلمان آبادی زیادہ ہے
اس لیے ہمدردیاں انھیں لوگوں کے ساتھ ہوں گی جو بغاوت کا پرچم بلند کریں خواہ وہ کسی بھی
فرقے کے ہوں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دیسی سپاہ، علماء اور پنڈت پہلے ہی بغاوت کی اسکیم بنا رہے تھے۔
سرکاری عہدہ دار بھی سازش میں شریک تھے اگرچہ وہ اپنی وفاداری کا یقین دلارہے تھے پھر بھی
انگریزوں نے حفاظت کے انتظام کر لیے۔ ۵ جون کو خبر ملی کہ باغی الہ آباد آرہے ہیں
تو انگریز الوپی باغ میں پناہ گزیں ہو گئے یہاں دیسی سپاہ کی چھاؤنی بھی تھی۔ اُسی دن موضع صمد
آباد میں سیف خاں میواتی کے مکان پر انقلابیوں کی پناہیت ہوئی اور بغاوت کا فیصلہ کیا گیا جب
۵ جون کی رات کو اچانک بگل بجنے پر بغاوت شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ جن سپاہیوں نے ایک
دن پہلے تک وفاداری کا یقین دلایا تھا وہی سب سے آگے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ دیسی سپاہ
پہلے ہی بغاوت کی اسکیم بنا چکی تھی صرف یہ انتظار تھا کہ سکھوں کو بھی شامل کر لیں۔ ۲۱
سپاہ یکم جون کو ہی بغاوت شروع کر چکی تھی۔ اور دہلی روانہ ہونے لگی۔ انگریزوں کا قتل عام
شروع ہوا، عوام نے چوک میں جھنڈا لہرایا۔ نمبر ۶ این آئی نے خزانے پر قبضہ کیا۔ انگریزوں نے قلعے

۱ چارلس بال۔ جلد ۱ ص ۲۴۴

ساوکر - ۱۹۱

۲ 2. SEN: p. 155

میں پناہ لی۔ سرکاری عہدہ دار اور پنشن یافتہ لوگ بھی بغاوت میں شریک تھے۔ میواتی سرگرم کردار ادا کر رہے تھے۔ جن گاؤں میں عوام پیش پیش رہے ان میں صمد پور، رسول آباد، بسیلی، بگھارا، شاد آباد، فتح پور، بچھوا، کٹہہ، کرنل گنج، مہاد پوری، بختیار، منہاج پور وغیرہ ہیں۔

باغی سپاہ کار سہارا رام چندر تھا جس کے ہمراہیوں نے ”رام چندر جی کی جے“ کا نعرہ لگا کر ڈھائی ہزار قیدی چھڑائے، انگریزوں کے مکانات لوٹے اور جلائے گئے۔ مولوی لیاقت علی کو اپنا سربراہ بنایا جو ۷ جون ۱۹۴۷ء (جمعہ) کو یہاں پہنچے اور خسرو باغ میں قیام کیا۔ باغی سپاہ اور شہر و دیہات کے عوام ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے انتظام سنبھالا، نئے افسران کا تقرر کیا۔ سیف اللہ اور سکھ رائے چائل کے تحصیل دار مقرر ہوئے۔ قاسم علی اور نعمت اشرف کو توال، ہادی اور فیض اللہ فوجی افسر ہوئے۔ تمام قرب و جوار مثلاً سلیم پور، مہگاؤں، رسول پور، جل گاؤں، محی الدین پور، بیگم سرائے، اودانی، بھبک پور، چائل، پوان، شیخ پور، امراتھی، چپ راج پور، بگھارا، بسلی، عنایت پور، عمر پور وغیرہ کے زمین دار اور عوام بغاوت میں سرگرم تھے۔

پرگنہ چائل بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ سید آباد، فتح پور، بچھوا، بگھارا، سالوری، شاد آباد، منہاج پور، بکسی اور آس پاس کے زمین دار مولوی لیاقت علی کی حمایت کر رہے تھے۔ بسوٹان، سید پور، اسراون، مصطفیٰ آباد وغیرہ کی شیعہ آبادی بھی بغاوت میں شامل تھی۔ بھیکا، سید سراون، قاضی پور وغیرہ میں بغاوت کے سرغنہ ہادی اور فیض اللہ زمین دار تھے۔ چائل کی پولیس باغی تھی۔ پرگوالا برہمن بھی رہنمائی کر رہے تھے۔ رسول پور کے سرداروں میں کرم شیر خاں، امجد علی، سید احمد اور شمشیر خاں میواتی وغیرہ تھے۔ بعض علاقوں کے شیعہ مسلمان بغاوت کو جہاد نہیں سمجھتے تھے۔ سنی عوام میں حافظ رحمت اللہ نے اسے جہاد تسلیم نہیں کیا۔ پنشن یافتہ بوڑھے فوجیوں کو منظم کر رہے تھے۔ انگریز افسروں نے مولوی لیاقت علی کو غیر معمولی اہلیت اور تنظیمی صلاحیت کا حامل

بتایا ہے۔ وہ الہ آباد کی رپورٹ برابر دہلی بھیجتے رہے۔

انتظام درست کرنے کے بعد مولوی لیاقت علی نے قلعے پر حملے کا حکم دیا لیکن 'وفادار' سکھوں نے اس کام کو مشکل بنا دیا۔ ساورکر کا خیال ہے کہ اگر یہاں سکھ سپاہی عقل و ہوش سے کام لیتے تو قلعہ آسانی سے انقلابیوں کے قبضے میں آجاتا۔ اس دوران نیل الہ آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۱ جون کو وہ الہ آباد کے قریب آیا، گورہ دستے قلعے کی حفاظت پر مقرر کئے اور سکھوں کو باغیوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ ایک ہفتے تک انقلابیوں نے نیل کی فوج کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ ۱۷ جون سے اس کے فوجیوں نے شہر پر چڑھائی شروع کی۔ تصادم ہوتے رہے لیکن شہر میں انگریزوں کے 'وفادار' بھی موجود تھے جنہوں نے دانستہ یہ افواہ اڑا دی کہ انگریز پورے شہر کو بارود سے اڑانے والے ہیں یہ افواہ سن کر شہر کے عوام نے بدحواسی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ مولوی لیاقت علی نے بہادر شاہ کے نام اپنی رپورٹ میں بھی یہ ذکر کیا ہے کہ "مہاراجہ عظیم" (مؤلفہ کنہیا لال) میں ہے کہ ایک دستہ سپاہ انگریزوں نے راج گھاٹ پر مقرر کیا، اسی نے نافرمانی شروع کی۔ جب فوج کو مقابلے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے صرف ہوائی فائر کئے، تاکہ باغیوں کا نقصان نہ ہو۔ میدان پر پٹ پر پہنچ کر لگن بجایا جس کو سن کر انگریز افسر باہر نکل آئے اور سب وہیں قتل ہوئے۔ پھر باغی فوجیوں نے 'رام چندر جی کی جے' کا نعرہ لگایا، ڈھائی ہزار قیدیوں کو رہا کیا اور خزانہ آپس میں تقسیم کر لیا جبکہ اسے دہلی لے جانا طے ہوا تھا۔

مولوی لیاقت علی کا اعلان | مناسب ہوگا کہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے

یہ مولوی لیاقت علی نے جو اعلانات اور پوسٹر شائع کئے ان کا اقتباس دیا جائے:

”جو بدعت ظلم و فساد ساری سلطنت ہندوستان میں خصوصاً ضلع الہ آباد میں کفر و فتنہ نصاریٰ علی العموم اوپر ہر ایک مومنین متبع اسلام کرام کے از قبیل غارتگری و آتش زدگی و قتل و پھانسی و کندیدگی مکان و چھاپہ زنی و نول ریزی علماء و مشائخ و اہل حق کلام اللہ و احادیث و کتب فقہ وغیرہ ہو رہا ہے اظہر من الشمس ہے اس صورت میں ہر ایک مومنین و مخلصین کو لازم ہے کہ مستعد جہاد ہو جائیں..... سب سامان واسطے تسکین خاطر ضعیفا مسکینان اور امداد دین متین کے انھیں نابکار نصارا بد اطوار سے بلا سبب و کوشش ہم لوگوں کے دلا دیا چنانچہ لشکر سوار و پیادہ و توپ و گولہ باروت و زر کثیر خصوصاً قطعہ شرقہ علیہ حضرت فرماں روا کے کشور ہند ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ، و عموماً امداد و عساکر اتواپ و میگنیزین جناب بر جیس قدر دام اللہ ششتمہم والی لکھنؤ اور ہمراہی تمام راجگان قلم و لکھنؤ و راجگان قرب و جوار الہ آباد وغیرہ اور اخلاق و اتفاق سارے ہندوستان میں باوصف ہونے اختلاف اقوام و مذاہب کے سو یہ دلائل کامل و برامین مدلل کر بندی اوپر اندفاع اس قوم نصارا طاغی و باغی کے ہے۔ مناسب ہے کہ جو بھائی مسلمان اس خبر فرحت اثر کو سنے وہ فوراً مستعد ہو کر مکرہمت جہاد باندھیں اور تاشہر الہ آباد تشریف لادیں اور قلعہ ہند کفار نابکار کو قلع قمع کر کے بزور تیغ بیدارینغ اپنی کے خاک میں ملا دیں اور باقی ماندوں کو اس ملک سے بھگا دیں.....“

ایک اور پوسٹر میں نظم کے کچھ شعر یہ تھے۔

واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طع بلاد۔ اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد
اے برادر تو حدیثِ نبویؐ کو سن لے باغ فردوس ہے تلوار کے سائے کے تلے
بارہ سو برس کے بعد آئی یہ دولت آگے حیف اس دولت بیدار سے مومن بھاگے
بات ہم کام کی کہتے ہیں سنو اے یارو وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو

شہر میں بھگدڑ سے انقلابیوں کے پاؤں اکھڑ گئے پھر بھی انہوں نے کئی معرکوں میں
انگریزی فوجوں کے چھٹکے چھڑا دیئے خسرو باغ اور سرانے خلد آباد وغیرہ میں جم کر مقابلے کیے مولوی
لیاقت علی نے ۷۱ جون کو شہر چھوڑ دیا، تین ہزار ساتھیوں کو لے کر سنگرور کیمپ ہوتے ہوئے ناننا
صاحب کے پاس کانپور پہنچے۔ مشہور ہے کہ دہلی بھی گئے اور شاہی فرمان حاصل کیا۔

انگریزی قبضہ ہو جانے کے بعد بھی یہاں انقلابیوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر گائوں
میں مورچہ بندی کر کے مقابلے کی ٹھان لی۔ نیل نے انقلابی سرداروں کا سر کاٹنے پر انعام کا
اعلان کیا مگر بیکار رہا۔ ایک انگریز افسر جو اپنی قوم کی لالچ پسندی ذہن میں لیے ہوئے ہے،
حیرت سے لکھتا ہے :

مجسٹریٹ نے باغیوں کے ایک ایسے سرغنہ کا سر لانے پر ایک ہزار
روپیہ دینے کی پیش کش کی جو ہندوستانیوں میں کافی معروف تھا
پھر بھی ہم سے ان کی نفرت و حقارت کا عالم یہ تھا کہ کوئی اسے حوالے
کرنے کے لیے تیار نہ تھا، اے

قرب و جوار میں مولوی لیاقت علی نے ایسی آگ لگا دی تھی کہ انگریز مدد تک

پھین سے نہ بیٹھ سکے نہ رسد مل سکی نہ سواری کے جانور نہ بیماروں کی ڈولی اٹھانے کو کہار۔ عوام نے اتنا زبردست بائیکاٹ کیا کہ گورے کے ہاتھ روٹی بیچنے کے جرم میں ایک نان بائی کے ہاتھ اور ناک کاٹ لی گئی۔ اوپر سے آسمانی بلا میں بھی نازل ہو گئیں اور انگریزی فوج کو پیٹنے نے آدھو چا۔

الہ آباد پر قبضے (۱۸ جون ۱۸۵۷ء) کے بعد عوام کو پھانسی دینے اور گاؤں کو آگ لگانے کا ہناری ڈرامہ دہرایا گیا۔ جون ولیم کے کا خیال ہے کہ اندازاً چھ ہزار کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، سیکڑوں زندہ جلائے گئے، لیکن الہ آباد کی شکست کا ایک سبق آموز پہلو بھی ہے جو خدنگ غدر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہاں خزانہ باغی سپاہ نے قبضے میں کرنے کے بعد نیت میں فتور آجانے کے سبب سے آپس میں تقسیم کر لیا اور کچھ شہر کے عوام نے لوٹ لیا۔ اسی بد نیتی کی سزا بھی قدرت کی طرف سے ملی چنانچہ معین الدین خدنگ غدر میں کہتا ہے کہ

”اکثر سپاہی بہ سبب محبت روپے کے بستروں سے اٹھ کر کہیں نہیں جاتے تھے۔ جب ایسے ہلے رو بہ رو قلعے کے گولی بندوق کی زد پر پہنچتے تھے، قلعے پر سے توپ بندوق کے چلتے ہی یکبارگی بھاگ بھاگ کر اپنے بستروں پر آ جاتے تھے۔“

اکثر سپاہیوں نے روپیہ لے کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ الہ آباد پر قبضے کے بعد جو ہولناک انتقام لیا گیا اس کا جائزہ ممکن نہیں۔ چند انگریزوں کی یادداشتیں اور زبانی روایات محفوظ ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو صرف اس جرم میں پھانسی دی گئی کہ وہ ہرے رنگ کے جھنڈے لے کر ڈھول بجاتے ہوئے نکلے تھے۔ الہ آباد کا ایک انگریز سوداگر باغیوں کا پتہ لگانے کے لیے مقرر کیا گیا جو بہت سے ہندوستانی سوداگروں کا قرض دار تھا، پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ ان سب کو پھانسی دلوادی۔ محلہ چوک میں نیم کے سات درختوں پر شہریوں کو پھانسی دی گئی۔ ان کے علاوہ سیکڑوں دوسرے درختوں پر یہ کام انجام دیا گیا۔ جارج کیمپبل اقرار کرتا ہے کہ

”میں جانتا ہوں کہ الہ آباد میں بلا امتیاز قتل عام کیا گیا۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد نیل نے وہ کام کیے جو قتل عام سے بھی زیادہ معلوم ہوتے ہیں اس نے لوگوں کو جان بوجھ کر اس طرح کی تکلیفیں دے کر مارا جس طرح، جہاں تک ہمیں ثبوت ملے، ہندوستانیوں نے کبھی کسی کو نہیں دیں“ ۱

مشہور ہے کہ محلہ رسول پور اور صمد آباد موجودہ کمپنی باغ کے مقام پر تھے۔ چونکہ یہاں کے عوام نے بغاوت میں نمایاں حصہ لیا اس لیے ان محلوں کو توپوں سے اڑا دیا گیا۔ یہاں مشہور بزرگ مولانا عبدالرحیم جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کا بڑا بیٹا جنگ باز خاں بھی کام آیا، دو بیٹے حامد اور قادر بچ گئے۔ ان محلوں کی جگہ کمپنی باغ بنایا گیا اور اس نام کے محلے دوسری جگہ بنائے گئے۔ کئی مسجدوں اور مزاروں کے کھنڈر آج بھی کمپنی باغ کے ارد گرد باقی ہیں۔ قلعے کے نزدیک ایک عالی شان جامع مسجد تھی جو توپوں سے اڑانی گئی، کھنڈر آج بھی موجود ہیں ۲

بنارس کے قریب گوپی گنج میں چھاوینی نہیں تھی۔ بولائی میں یہاں سے چھ میل دور ایک گاؤں میں بغاوت کی سازش ہونے کی خبر ملی، مجسٹریٹ وہاں پہنچا لیکن پتہ نہ چلا تو گاؤں جلا دیا گیا۔ جس پر عوام مشتعل ہو گئے اور مجسٹریٹ کی کوٹھی پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، سر کاٹ کر لاش سڑک پر پھینک دی، چند انگریز اور بھی مارے گئے۔ ستمبر ۵۸ء میں ان علاقوں میں باغیوں کی سرگرمیاں اور تنظیم انگریزوں کے لیے خطرناک

گوپی گنج

۱ ایڈورڈ تھامپسن: اور سائڈ آف دی میڈل (انقلاب ۱۸۵۷ء کا دوسرا رخ)۔ ۸۱

چارلس بال۔ جلد اول ص ۲۵۷ بحوالہ سندھ لال ۹۲ - ۹۰

۲ صمدنی: تاریخ الہ آباد۔ ۲۸۴

صورت اختیار کر رہی تھیں یہاں تک کہ آدھ کے تعلقہ داروں نے گوپی گنج اور الہ آباد کے درمیان تمام علاقے پر قبضہ کر لیا اور کچا پچا منو بھی ان کے قبضے میں تھا۔ یہ تعلقہ دار سواروں نواب گنج۔ سکندرہ۔ بھوسئی۔ مہیہ اور کیوائی وغیرہ سے آئے تھے۔ مجسٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں اس خطرناک صورت حال کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھنے پر ہیں۔

الہ آباد ڈویژن بغاوت کے بعد | انگریزوں نے الہ آباد کو مرکز قرار دیا اور لارڈ کینگ (گورنر جنرل) بھی کھلتے

سے یہیں آگیا۔ کانپور سے محاصرے کی خبریں آنے پر اُس نے ۲۰ جون کو میجر رنیاڈ کو روانہ کیا انگریز مورخ مارش مین نے لکھا ہے کہ ”اس کی فوج نے اپنے پیچھے جوش انتقام کی علامتیں یعنی برباد شدہ گاؤں اور درختوں سے لٹکتی لاشیں چھوڑیں۔“ ہیولاک کا کمانڈر مقرر ہوا۔ جو جنگ ایران ختم ہونے پر یہاں پہنچا تھا۔ وہ کانپور کی طرف روانہ ہوا۔ نانا صاحب نے یہ خبر پا کر کچھ دسے مقابلے کے لیے بھیجے مگر اس سے پہلے ہیولاک بھی رنیاڈ سے آکر مل گیا تھا اور یہ فوجیں اب فتح پور کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

بریلی اور شاہجہانپور وغیرہ کی خبریں آنے پر فتح پور کے عوام میں بھی اشتعال پیدا ہوا اور ۹ جون ۱۸۵۷ء کو بغاوت شروع ہو گئی۔ جیل خانے، خزانے اور سرکاری عمارتوں پر حملے ہوئے، جج رابرٹ ٹکٹر مارا گیا، مشن کی بلڈنگ جلا دی گئی۔ شہری اور دیہاتی عوام شریک تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ حکمت اللہ بھی سازش میں شریک رہا تھا جو چند دن پہلے انگریز مجسٹریٹ (جے ڈبلیو شیرر) سے ملا اور دوستانہ جذبات کا اظہار کیا لیکن نانا صاحب سے نامہ و پیام کر کے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب شہر کے عوام ہتھیاروں سے مسلح ہو رہے تھے اور بہت سے زمینداروں نے بغاوت سے پہلے ہی میگزین وغیرہ جمع کرنا شروع کر دیا اور فوجی دستے ترتیب

دے رہے تھے۔ بغاوت شروع ہونے پر حکمت اللہ نے چکے دار کا لقب اختیار کیا اور پروانے جاری کیے، انگریز باندہ کو فرار ہو گئے۔ سرکاری رپورٹوں کے یہ الفاظ قابل غور ہیں :

”ہمارے چاروں طرف تمام علاقے مسلح طور پر بغاوت پر آمادہ تھے۔ کانپور۔ فتح پور۔ الہ آباد۔ ہمیر پور۔ مہو با۔۔۔ علاقے باغیوں کے قبضے میں تھے۔۔۔۔۔ برہمن مذہبی نقطہ نظر کے تحت باغیوں کے حامی تھے۔ مولوی اور پڈت یقین رکھتے تھے کہ انگریزی راج اس سال ختم ہو جائے گا۔ تمام آبادی نے کھلے طور پر ہماری دشمنی کے کام انجام دیئے۔ ہر پرگنہ، ہر ضلع میں۔۔۔۔۔ چائل کی پوری پولس باغی تھی۔ یہاں تمام چپراسی، وفعدار، دفتری جمعدار وغیرہ کھلے عام باغیوں کے ساتھ تھے۔ پٹھان نمایاں تھے تمام پولس باوردی مولوی کے ساتھ تھی“ ۱

۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوجیں فتح پور پہنچیں۔ نانا صاحب کی فوج سے مقابلہ ہوا۔

۵۱ فتح پور کے مجسٹریٹ شیر نے یہ حال تفصیل سے لکھا ہے اور حکمت اللہ کو شرمیلہ سا معمولی خدو خال کا انسان بتایا ہے۔ جو عادات و اطوار میں شان و شکوہ رکھتا تھا اگرچہ باغیوں کے ساتھ تھا لیکن قتل و غارتگری میں حصہ لینے کا قطعی اہل نہیں تھا بعد میں جو کاغذات برآمد ہوئے اُن سے ثابت ہوا کہ وہ نانا صاحب سے خط و کتابت کرتا رہا تھا۔ ایک خط میں اُس نے لکھا تھا کہ اُس نے انگریزوں کی ملازمت کر کے اپنا ایمان داغ دار کیا ہے۔ بعد میں مقدمہ چلایا گیا اور فیصلہ ہونے کے کچھ ہی دن بعد جیل ہی میں انتقال کر گیا۔

جن کی کمان ہولاس سنگھ۔ ٹیکاسنگھ۔ مولوی لیاقت علی اور حوالہ پر شاد کر رہے تھے۔ انھیں پسپا ہونا پڑا، انگریزی فوجیں شہر میں داخل ہوئیں اور آتش زنی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ اب انگریزی فوجیں کانپور کی طرف بڑھیں۔ ایڈورڈ تھا مپسن اس فوج کی پیش قدمی کے بارے میں ہمیں زیادہ تکلیف میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا اور صرف یہ بتا کر کہ دیہات کو ان کی تمام آبادی سمیت زندہ جلایا گیا، ان الفاظ کے ساتھ خاموشی اختیار کر لیتا ہے کہ:

”اگرچہ ان بزدلانہ مظالم کے عینی شاہدوں کے تفصیلی بیانات میرے پاس موجود ہیں لیکن میں ناظرین کو ان رنج زدہ واقعات کے مطالعے سے مزید تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا“ اے

ان علاقوں کے انقلابی رہنماؤں میں مہاراج سنگھ۔ ولایت حسین اور جودھا سنگھ بھی قابل ذکر ہیں جو کلیان پور اور کھجوا میں دسمبر ۱۸۵۷ء تک سرگرم تھے۔ جودھا سنگھ اور رام بخش (تعلقہ دار دوندیا کھیڑہ) متحد ہو گئے۔ اودھ کے دو تعلقہ داروں بھگوان داس اور سردار سنگھ نے الہ آباد اور کانپور کے درمیان سلسلہ رسل و رسائل توڑنے کی کوشش کی۔ گورودت سنگھ نے میواتیوں کو بھڑکایا۔ فتح پور سے بیٹس میل کندن پٹی پر ستمبر ۱۸۵۷ء میں ایک تصادم ہوا۔ چار ہزار انقلابیوں نے کھجوا گاؤں پر یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو مقابلہ کیا اور بھاری نقصان پہنچایا۔ موضع رام پور کا مہاراج سنگھ۔ پرگنہ بند کی کا ذوالفقار بیگ اور محرم علی خاں نمایاں لیڈر تھے۔ مہاراج سنگھ نے شکست کے بعد دوبارہ حملہ کیا۔

بغاوت کی عوامی نوعیت | الہ آباد ڈویژن کے حالات پر ڈبلو ٹی گروم ایک خط میں لکھتا ہے:

”ہم یہاں چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہیں، سپاہی، مسلمان، دیہاتی

اور دراصل تمام انسانوں کے درمیان.... تمام علاقے مسلح ہو کر ہمارے
خلاف کھڑے ہیں“ لے

جنرل نیل نے سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا آلہ آباد کو لکھا تھا کہ:
”بڑے سوداگروں کی اکثریت نے ہمارے خلاف بدترین جذبات ظاہر

کیے ہیں، بہت سوں نے بغاوت میں نہایت ہی سرگرم حصہ لیا“

ڈبلو۔ ایچ رسل نے اپنی کتاب ”مالی انڈین میوٹنی ڈائری“ میں (ص ۲۰-۲۹) لکھا ہے:

”ہم یہاں مذہبی جنگ سے مقابل تھے۔ نسلی جنگ۔ انتقامی جنگ۔!

جو قومی احساسات کے تحت اس امید پر جاری تھی کہ اجنبی اقتدار کا جوا

اُتار کر دیسی حکمرانوں کا راج پھر سے بحال کیا جائے۔“

پرگواں برہمنوں نے بناوت میں شرکت کی اور ہندو عوام کو مسلمانوں کا پورا ساتھ دینے

کے لیے آمادہ کیا۔ مسلمان معززین میں جو لوگ مولوی لیاقت کے ساتھ تھے ان میں شیخ نیاز اشرف

غلام اسماعیل۔ محمد حسین۔ چودھری میرن بخش۔ مولوی سید احمد علی۔ مولوی غلام حیدر۔ مولوی امجد

علی۔ حسین علی خاں۔ شیر خاں۔ شیخ لطف علی خاں (راہنہ سندھیا کا وزیر)۔ شیخ فتح علی (دروغہ)۔

شیخ نجف علی نائب کوتوال۔ نجف خاں نائب تھانے دار۔ مسعود علی ساکن بھیک پور۔

طاہر علی ساکن اوجھینی۔ ثاقب علی ساکن جلال پور اور دلدار حسن وغیرہ تھے ۷۲

آلہ آباد کے حالات | آلہ آباد کافی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ کلکتے سے شمال مغرب
کے علاقوں کے تمام راستے یہیں سے منسلک تھے، قلعے میں

1. GROOM: With Havelock pp. 6-8

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 90-91, 107-108

میگزین اور ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ یہاں رجمنٹ نمبر ۱۶ اور تقریباً دو سو کھ سپاہی تھے۔ اس رجمنٹ نے اپنے انگریز افسروں کو بڑی خوب صورتی سے دھوکے میں رکھا۔ یہاں تک کہ انھیں گٹے لگا کر گال تک چوم لیے لیکن اسی رات (۶ جون) طے شدہ پلان کے مطابق بغاوت کرنا تھی۔ ان کی بیرکیں قلعے سے باہر تھیں۔ اچانک بگل بجا، انگریز افسر کھانا کھا رہے تھے کہ بغاوت شروع ہو گئی، بہت سے مارے گئے، باقی قلعے میں پناہ گزیں ہوئے۔ سوار پلٹن کو مدد کے لیے بلایا مگر وہ بھی باغیوں سے مل گئی البتہ سکھ پلٹن وفادار رہی اور قلعے پر باغیوں کا قبضہ نہ ہونے دیا۔ الہ آباد کے پنڈے تمام ہندو عوام میں بغاوت کی روج بھونکنے میں مگرم تھے۔ ۷ جون کی شام کو شہر اور چھاوٹی میں ہرے جھنڈے کا جلوس نکالا گیا، شہریوں اور سپاہیوں نے سلامی دی۔ پرانے موروثی زمین داروں کو بحال کیا جن کی جائدادیں انگریزی نظام میں چھین لی گئی تھیں۔ کم سن لڑکے بھی ہرے جھنڈے کے سر نکلے۔ جون ولیم کے نے لکھا ہے کہ ”گنگا اور جمنا کے پتھ کے علاقوں میں دیہاتی عوام بھی بگڑ گئے۔۔۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں ہندو یا مسلمان ایک بھی نہ بچا جو ہمارے خلاف نہ ہو گیا ہو،“ ۷

ایسی فوج میں بغاوت کے لیے اس قدر ہوشیاری سے تمام سازش ہوئی کہ انگریزوں کو کانوں کان پتہ نہ چلا۔ انقلابی سپاہ کو بزرگ صوفی اور معزز مولوی ہدایت دے رہے تھے۔ چنانچہ دائرہ شاہ اجمل کے سجادہ نشین کے بہت سے مرید ایسی سپاہ میں موجود تھے۔ جنھوں نے سازش مکمل ہو جانے پر سجادہ نشین صاحب کو خفیہ طور پر اطلاع دی کہ بغاوت شروع

۱۔ سندر لال: سن ستاون ۸۲-۸۲۔ واضح رہے کہ ہر جھنڈا مغل سلطنت کا پرچم تھا جس پر نکتے سورج کا نشان بنا ہوتا تھا۔ انگریزی مورخوں نے اسے ”جمہدی جھنڈا“ کہہ کر دانستہ غلط فہمی پیدا کی ہے۔

۷۔ جون کے۔ جلد دوم ص ۱۹۵ بحوالہ سندر لال ۸۲

ہونے والی ہے آپ حفاظت کا انتظام کر لیں اے

آگ بھڑکتی رہی! | آباد پر انگریزی قبضے کے باوجود اس تمام علاقے میں بغاوت
دبائی نہ جاسکی۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں اکثر علاقے (مثلاً جھوسی وغیرہ)

باغیوں کے قبضے میں تھے۔ آودھ کے تعلقہ دار اور مقامی زمیندار متحرک ہو کر مع فوج کے بطور رہے
تھے۔ انھوں نے مال گزاری جمع کی اور پولیس چوکیاں قائم کیں جے ڈبلو شیر نے بھی لکھا ہے
کہ ان کی سرگرمیاں بدستور جاری تھیں۔ مہدی حسن ناظم اور آغا عظیم علی نائب ناظم لکھنؤ سے ہدایات
کے بموجب بنائے گئے تھے۔ ان کے ساتھ آودھ کے تعلقہ دار مثلاً رائے پرتھی پال سنگھ۔ رنجیت
سنگھ (دودھ پور)۔ رنجیت سنگھ (علاقہ گوردوارا)۔ کاکا بخش۔ سیتا بخش وغیرہ تھے جن کی فوجوں
نے نصرت پور کے بمبئی بہادر سنگھ کے ساتھ مل کر پہلے مرزا پور۔ چوہاری۔ موتیوار۔ سکندرا۔ سوراو
لیہہ اور کیوالی وغیرہ علاقوں پر قبضہ کیا اور نواب گنج تک قابض ہو گئے۔ راہہ بے بہادر (پرتاپ
گڑھ)۔ گلاب سنگھ۔ اجیت سنگھ۔ سرب دین (دیولی)۔ سلطنت بہادر (بائیس پور)۔ ایشوری
بخش۔ چھترپال سنگھ (سما پور) اور دیگر مقامی زمیندار بھی تھے۔ سوراووں۔ گوپی گنج اور بھا پھاسو
تک ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔ گوپی گنج کے جھڑیٹ کی رپورٹ (۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء) میں ہے کہ انگریزوں
کو نکلنے اور برباد کرنے کے لیے دو گروہ متحد ہو گئے ہیں۔ ان کی پیش رفت تیزی اور باقاعدگی
سے جاری ہے۔ انھوں نے تمام زمینداروں کو بلایا، خراج وصول کیا، ان کی طاقت بڑھتی ہی چلی
جاتی ہے وہ مال گزاری وصول کر رہے ہیں، پولیس مقرر کر رہے ہیں اور آب کاری محکمہ بھی ترتیب
دے رہے ہیں۔ فتح پور کے قریب کھکریو میں باغی سپاہ بڑی تعداد میں موجود تھی۔ گورکھ پور

۱۔ یہ واقعہ موجودہ سجادہ نشین شاہ عبید اللہ صاحب کی زبانی سنا اور عرس کھیلنے کی طرف سے
شائع شدہ ایک کتابچے مؤلفہ پنولال میں بھی ذکر ہے۔

۲۔ کاغذات پارلیمنٹ لندن۔ بحوالہ چودھری ۲۴

ابھی تک ان کے قبضے میں تھا۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء مہدی حسن دو ہزار فوج کے ساتھ حسن پور میں اور ڈوگرا فوجدار پرتاپ گڑھ میں فوج منظم کر رہے تھے سالون (رائے بریلی) کے نائب ناظم فضل عظیم اور روح الامین الہ آباد کے قریب سوراؤں پر قابض ہو گئے ان کے ساتھ دیوان غلام مرتضیٰ شیوہ سنگھ دیارجن۔ دکل سنگھ (پورا سی کا)۔ سنگرام سنگھ (زمیندار شاہ پور) وغیرہ تھے۔ جنوری ۱۹۵۸ء تک بھی ان کی سرگرمیاں جاری تھیں اور ایک جنگ بمقام میٹھا پور شکست کے بعد فضل عظیم بچ کر نکل گیا۔ یہ حالات علیحدہ باب آخری دور میں نظر سے گزر رہے گئے۔

نانا صاحب کا اہم اعلان | الہ آباد کانپور وغیرہ علاقوں میں بغاوت کے دوران نانا صاحب کی طرف سے حکم شہنشاہ دہلی ایک اہم اعلان جاری کیا گیا جس میں کہا گیا تھا:

”انگریز اس ملک میں تجارت کے بہانے آئے اور حاکموں میں بد نظمی پھیلا کر دھوکے اور فریب کی چالوں سے ہندو مسلمانوں کی ریاستیں چھین لیں۔ سابق حکمرانوں کو قید کیا اور فقیر بنا دیا۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔ پھر ہمارا مذہب بدلنا چاہا اور جب کامیاب نہ ہوئے تو طاقت کے استعمال کا ارادہ کیا۔ ظلم و زیادتی اور بے انصافیاں کیں۔ میں خدا کی طرف سے مامور کیا گیا ہوں کہ ان فرنگیوں کو نیست و نابود کروں اور ہندو مسلمان ریاستیں دوبارہ قائم کروں۔ میں نے نربدا کا شمالی علاقہ فتح کر لیا ہے۔۔۔۔۔ بہادرو!۔ وقت آگیا ہے کہ اپنی تلواریں بے نیام کرو اور اس ظلم و زیادتی کا بدلہ لو جو تمہارے باپ دادا اور بادشاہوں کے ساتھ روا رکھی گئی۔۔۔۔۔“ (ترجمہ)

اشتہار کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

”بحکم عالی شان بندگی عالی حضور شہنشاہ دہلی۔ راؤ پنت پردھان

پیشوا نے جاری کیا، ۱۔

1. Freedom Struggle UP Vol.4 p. 589 Source Material for History of Freedom Movement Vol. 1 (Bombay)

الہ آباد کے قریبی علاقے |

الہ آباد کے قریب تمام علاقوں میں بغاوت کی آگ اکتوبر ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد تک شعلے برسا رہی تھی باغی سپاہ مضبوطی سے جمع ہو کر باندہ، رلیوا اور دوسرے علاقوں پر حملے کرنے کو تھی اخبار انگلش میں نے ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۷ء کے شمارے میں خبر دی کہ مہدی علی خاں الہ آباد کا ناظم بن گیا ہے، اور سوراؤں پر خیمہ زن ہے جس کے ہمراہ سنگرام سنگھ اور بیٹی بہادر سنگھ وغیرہ ۴ ہزار فوج اور چھ توپوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ لوگ چار آنہ فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس وصول کر رہے ہیں سرکاری رپورٹ یہ تھی کہ تمام علاقہ انگریزوں کی دشمنی پر آمادہ ہے ایسے اندیشہ تھا کہ نمبر ۵ بے قاعدہ رجمنٹ سہرام سے آکر کنور سنگھ سے ملنے کے لیے رلیوا ہو کر گزرے گی۔ اسی زمانے میں شاہ پور۔ رام گڑھ۔ سہاک پور وغیرہ میں کھلی بغاوت ہو رہی تھی (ستمبر اکتوبر)۔ باندہ میں کنور سنگھ چار ہزار سپاہ کے ساتھ موجود تھا۔ مرزا پور میں ۱۰ ہون کو رلیوے کی عمارتیں دن دھاڑے لوٹی گئیں۔ باغی سردار اودنت سنگھ (پرکھ بدو وہ) وغیرہ کی وجہ سے خطرناک صورت تھی۔ اودنت سنگھ کو پھانسی دی گئی تو باغیوں نے جوائنٹ مجسٹریٹ مور کو قتل کر دیا۔ جھوڑی سنگھ نے پالی کی نیل فیکٹری پر حملہ کیا جہاں مور پوشیدہ تھا۔ مغرب میں وجے گڑھ کے مقام پر لکشن سنگھ اُن کا رہنا تھا اور شاہ آباد کے انقلابیوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔ ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کو دینا پور کی باغی سپاہ کو مرزا پور کے قریب اموئی پر شکست ہوئی۔ لیکن ۲۴ اگست کو کنور سنگھ کی آمد پر جس نے پنا گڑھ سے گزر کر رام گڑھ پر کیمپ لگایا، عوام پھر کھلی بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ جب امر سنگھ یہاں سے گزرا تو بغاوت کے شعلے پھر بھڑکتے نظر آنے لگے۔ جھوڑی سنگھ نے آس پاس کے اضلاع میں عوام کو ساتھ لے کر اہم رول ادا کیا ۲

کان پور

کان پور کے واقعات اہمیت اس لیے رکھتے ہیں کہ یہاں سے پانچ میل دور بھٹور میں پیشوا باجی راؤ کا خاندان ایک عظیم الشان قلعے میں اپنے متعلقین (تقریباً سولہ سو) کے ہمراہ جلا وطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ۱۸۱۸ء سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کی ریاست پر قبضہ کر کے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی تھی۔ باجی راؤ کے تین لے پالک بیٹے دھوندو پنت، نانا، سدا شیو پنت دادا اور گنگا دھر راؤ بالا تھے جن میں دادا راؤ ۱۸۵۷ء سے پہلے فوت ہو چکا تھا اور ایک بیٹا پانڈورنگ راؤ (معروف بہ راؤ صاحب) یادگار چھوڑا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں باجی راؤ بھی فوت ہو گیا اور ایک وصیت کے ذریعے تمام جائیداد کے حق دار نانا صاحب لے قرار پائے۔

۱۔ دھوندو پنت نانا صاحب کی مہاراشٹر کے ایک گاؤں دینو میں غریب ماں باپ (مادھو راؤ نرائن بھٹ اور گنگا بائی) کے گھر ۱۸۲۲ء میں پیدا کُش ہوئے۔ باجی راؤ کی نیک دلی اور سخاوت کی شہرت سُن کر بہت سے خاندان بھٹور چلے آئے۔ انہی میں مادھو راؤ کا خاندان بھی تھا۔ ان کے تین سالہ بچے نے باجی راؤ کا دل موہ لیا اور ۷ جنوری ۱۸۲۷ء کو اس بچے کو گود لے لیا گیا۔

نانا کی تعلیم و تربیت شاہی پیمانے پر ہوئی اور جاگیر دار سنگلی کی بھتیجی سے شادی ہوئی۔ وہ جانور پالنے، ہتھیار جمع کرنے اور سیر و شکار کے شوقین تھے۔ ہون ولیم کے نے لکھا ہے کہ کسی غیر معقول عادت میں مبتلا نہ تھے۔ انگریزوں سے دوستی رکھی اور سیاست میں دل چسپی تھی۔ بعض لوگ غلط فہمی سے نانا فرنویس سمجھ لیتے ہیں جبکہ نانا فرنویس اُس سے پچاس سال پہلے سلطان پور کے عہد میں مرہٹہ سردار تھا۔ شیر نے نانا صاحب کو غیر اہم اور معمولی خدو خال کا آدمی بتایا ہے۔

باجی راؤ کے مرنے پر کمپنی کی طرف سے پنشن بند کر دی گئی۔ نانا صاحب نے اس پر احتجاج کیا اور ۱۸۵۴ء میں عظیم اللہ خاں کو انگلینڈ بھیجا لیکن ناکامی ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اُن سے بھڑور کے مالکانہ حقوق بھی چھیننے پر تکی ہوئی تھی۔ کہا یہ جارہا تھا کہ نانا پنشن کا ضرورت مند نہیں ہے کیونکہ باجی راؤ نے کافی جائیداد چھوڑی ہے اس لیے انگریزی انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ نہ صرف پنشن بند ہو بلکہ یہ دولت بھی کسی طرح اُن سے چھین لی جائے۔

عظیم اللہ خاں جس کا نام تاریخ کے صفحات پر نانا صاحب کے ساتھ روشن رہے گا، بغاوت کی اسکیم بنانے میں نمایاں ہے۔ اُس نے لندن میں ناکامی کے بعد یورپ، اٹلی اور روس وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔ یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہماری نظر سے گزر چکے ہیں۔ سادگر نے لکھا ہے :

”۱۸۵۶ء کے کرداروں میں عظیم اللہ کا نام سب سے زیادہ روشن اور نمایاں کرداروں میں ایک ہے۔ جو دماغ سب سے پہلے جنگِ آزادی کے تصور سے متاثر ہوئے اُن میں عظیم اللہ کو نمایاں مقام دیا جانا چاہیے۔ بغاوت کو منظم کرنے والی بہت سی اسکیموں میں عظیم اللہ کی اسکیمیں خصوصیت سے قابلِ غور ہیں۔“

نانا صاحب کا باغیانہ کردار | نانا صاحب اور کانپور کے حالات پر بے شمار انگریزوں کی یادداشتیں اور کتابیں ہیں جن میں ٹریولیان، موبرے، تھامپسن، شیفرڈ، شیرر کی کتابیں، نانک چند کی ڈائری، پی سی گپتا کی حالیہ کتاب وغیرہ صرف کانپور کے واقعات پر ہیں۔ مسز ہورٹسٹن انگریسی کی سرگزشت کا بڑا حصہ بھی کانپور سے متعلق ہے۔ مکاف نے لکھا ہے کہ مورخوں نے نانا صاحب کے کردار کو اچھی طرح نہیں جانچا کہ وہ کس طرح ہندو آبادی کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔ ہومز کا اندازہ ہے کہ وہ والیان ریاست کو بہت عرصے سے بغاوت کے لیے تیار کر رہا تھا۔ کرنل ولیمسن نے بیان کیا ہے کہ بغاوت منظم کرنے میں بالاصحاب نے



نانا صاحب

بھی حصہ لیا، دو سوار یعنی بشن پور کے رحیم خاں اور باندہ کے مدد علی کو سپاہ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ شیفرڈ کا خیال ہے کہ وہ بغاوت کے وقت کانپور میں موجود نہیں تھے۔ اور باغی جب نواب گنج گئے تب نانا صاحب نے ان کی دعوت کی۔ ولیم کے نے ایک پیغام بر کے بیان کا ذکر کیا ہے جو میسور کے ہوڈیشل کمشنر کے سامنے دیا گیا جس میں کہا گیا ہے کہ نانا صاحب نے کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور روس سے بھی پیام رسائی کی تھی۔ ہندو مسلمانوں نے مل کر یہ سازش کی تھی۔ روس کا جواب یہ تھا کہ ”دہلی پر قبضہ کر لو تو امداد دی جاسکتی ہے“

بغاوت کا آغاز | ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی خبریں پہنچیں۔ انہی دنوں بازار میں نیا آٹا بکنے آیا جس کا نرخ کم تھا اور بدبو دار بھی تھا۔ افواہ پھیل گئی کہ آٹے میں گائے اور سور کی ہڈیاں پیس کر ملا دی گئی ہیں۔ بے چینی پھیلنے لگی بغاوت کے آثار نظر آئے تو انگریز خوف زدہ ہو گئے۔ بزنس و سیلرنے پر ٹیڈ کے میدان میں محفوظ پناہ گاہ بنالی اور نانا صاحب سے کانپور کی حفاظت کے لیے درخواست کی۔ وہ ۲۱ مئی کو کچھ فوج لے کر کانپور آ گئے۔ وہیلر کی رائے سے تجویز ہوا کہ انگریز عورتیں اور بچے ان کے محل میں چلے جائیں۔ بغاوت کے خفیہ جلسے صوبہ دار ٹیکہ سنگھ اور شمس الدین خاں کے مکان پر بہرہ ہو رہے تھے۔ یہاں نانا صاحب کے دو ملازم ہوالا پرشاد اور محمود علی ان کی نمائندگی کرتے تھے۔ انگریزوں کو عید کے دن (۲۵ مئی) بغاوت کا خطہ تھا۔ یہ تاریخ گزرنے پر کچھ اطمینان ہو گیا۔ اور وہیلر نے کینگ کو لکھا کہ اب کوئی خطرہ نہیں، (یکم جون)۔ چنانچہ الہ آباد سے آئے ہوئے دستے لکھنؤ روانہ کر دیئے گئے۔ کیونکہ انگریز تمام سازشوں سے بے خبر تھے۔ ۴ جون کی رات کو اچانک نمبر ۲۔ کیولری نے بغاوت کا آغاز کیا۔ فرسٹ انفنٹری نے ساتھ دیا۔ لیکن اپنے افسروں سے کوئی تصادم نہیں کیا۔ نمبر ۵۲ اور ۵۶ کے دستوں نے یہ رات

گزرنے کے بعد صبح کو بغاوت کی۔ بغاوت سے چند دن پہلے نانا صاحب عظیم اللہ۔ بالاً۔ رحیم خاں مدد علی اور دیسی فوج کے لیڈروں کے درمیان سوکھا گھاٹ پر خفیہ بات چیت بھی ہو چکی تھی۔ پروگرام کے مطابق باغی سپاہ نے نواب گنج کی طرف مارچ کیا جہاں کچہری کے قریب نانا صاحب کا کیمپ تھا۔ خزانہ (کلکٹری نواب گنج) ان کے قبضے میں آیا، قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اور میگزین پر بھی قبضہ ہو گیا۔ باغی فوجیں اب دہلی کی طرف بڑھنے لگیں اور پانچویں دور کلیان پور پر ٹھہر گئیں۔ بعض موثر خوں کا کہنا ہے کہ نانا صاحب اور باغی فوج کے درمیان پہلے سے کوئی رابطہ نہ تھا لیکن ایک بیان یہ بھی ہے کہ نانا صاحب کے دو سابق ملازموں رحیم علی اور مدد علی نے بغاوت منظم کرنے میں حصہ لیا۔ وہ صوبے دار شیواسنگھ اور شمس الدین سے براہِ رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب باغی فوج کو اپنی رہنمائی میں دہلی لے جانا چاہتے تھے چنانچہ کلیان پور تک ہمراہ گئے مگر عظیم اللہ نے وہیں رہ کر مقابلہ کرنے کی تجویز کی اور بالآخر یہی طے ہوا۔ چنانچہ ۶ جون کو یہ باغی سپاہ واپس کانپور آگئی، انگریزوں کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر کے فائرنگ شروع کر دی، سرکاری عمارتوں اور بنگلوں کو آگ لگا دی گئی۔ لیکن محاصرے سے قبل نانا صاحب نے وہیلر کو حملے کی اطلاع دی اور اس کے بارہ گھنٹے بعد محاصرہ شروع ہوا صرف گولا باری کی گئی، عام حملہ نہیں کیا گیا۔ انگریزوں نے مقابلہ کیا اور یہ کام وہیلر کے بوڑھا ہونے کی وجہ سے کیپٹن مور کے سپرد ہوا۔ ۱۵

مولوی سلامت اللہ اور اُن کے ساتھی | دین کے نام پر انقلاب کا پرچم بلند کرنے

۱۔ کنہیا لال: محاربہ عظیم۔ ۱۲۔ وگپتا۔ ۷۰۔ ۷۹

سین: ۱. GUPTA (P.C): Nana Sahib pp. 69-70 SEN: p138 | ۳۸

فریڈم اسٹریگل یوپی جلد ۴۔ ص ۵۰۳ Freedom St. UP Vol. 4 p. 503

والوں میں مولوی سلامت اللہ اور قاضی وصی الدین نے نانا صاحب کی حمایت کا اعلان کیا۔ عورتیں بھی میدان میں نکلیں جن میں عزیزن مردانہ لباس میں گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتی تھی۔ نانا صاحب کو فوج نے سلامی دی، ٹیکا سنگھ کمانڈر مقرر ہوا۔ انتظامات عظیم اللہ۔ ہولاس سنگھ۔ شاہ علی۔ بابا بھٹ۔ ہوالا پرتاد اور رحیم خاں وغیرہ نے سنبھالے۔ ان کے علاوہ نئے نواب عظیم علی۔ آغا میر شاہ علی۔ باقر علی۔ احمد علی وکیل۔ اور مولوی عبدالرحمن قابل ذکر ہیں۔ بغاوت کے بعد قاضی وصی الدین کو تو ال مقرر ہوا (پہلے شیر علی تھا) پھر حاجی خاں (حاجی خانم) کا بیٹا اور پھر ہولاس سنگھ کو تو ال بنایا۔ احمد علی کو تحصیل دار اور پولس افسر بنایا گیا۔ پناہ گاہ پر حملے میں ایک مورچے کا لیڈر ننھے نواب تھا، پرید گراؤنڈ کی طرف باقر علی کمان کر رہا تھا۔ جنوب کی طرف نانا صاحب تھے۔ اور گدا حسین جو لکھنؤ سے فوج لے کر آیا، مدد کے لیے موجود تھا۔ ننھے نواب کے یہاں ہتھیار اور میگنیزین کا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔

پھوٹ ڈالنے کی کوشش ناکام | انگریزوں نے جاسوس پھوٹے کہ وہ شہریوں کو لالچ دیں اور کسی طرح باغیوں میں تفرقہ پیدا کر دیں، خود

شیفر ڈبھیس بدل کر پناہ گاہ سے نکلا تاکہ ننھے نواب سے رابطہ قائم کر کے نانا صاحب کا مقابل بنائے اور پھوٹ ڈالوائے اس کام کے لیے اسے ایک لاکھ روپے کی پیش کش کرنے اور تاحیات پنشن کا وعدہ کرنے کا اختیار دیا گیا لیکن باغیوں کو اس پر شبہ ہو گیا اور اسے یہ کام کرنے سے پہلے ہی جیل میں بند کر دیا گیا۔ ننھے نواب کو نانا صاحب نے اس کے گھر (گلشن بازار) جا کر اپنے ہمراہ لیا تھا۔ اور ہاتھی پر سوار کرا کر لائے۔ محاصرے کے دوران دو مورچے نواب مذکور اور اسکے بھائیوں

۱۔ اس نام کے دو اشخاص تھے ایک رام لال ڈپٹی کلکٹر کے دفتر میں ملازم تھا۔ بعد میں اودھ میں ملازم رہا۔ ۱۹۵۷ء کے ایک دو سال بعد فوت ہوا۔ دوسرا نانا صاحب کا ملازم تھا جسے پھانسی ہوئی۔

۲۔ ہولاس سنگھ ولد رام سنگھ ذات گرمی، عمر ستر سال ساکن نوڈگا ضلع فرخ آباد۔ بغاوت سے پہلے تھانے دار رہا مگر برخواست کیا گیا۔

کے سپرد تھے۔ انگریزوں کا ایک ہندوستانی جاسوس جنرل وہیلر کا خط پڑیا کے پروں میں چھپا کر لکھنؤ لے گیا۔ ایک اور انگریز نے جاسوسی کے لیے نکلنا چاہا مگر گرفتار کر کے نانا صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور مقدمہ چلا کر جیل بھیج دیا گیا۔

۲۲ جون ۱۸۵۷ء جنگ پلاسی کی سو سالہ یادگار کا دن تھا۔ موہرے تھا مپسن نے اپنی کتاب ”اسٹوری آف کانپور“ میں لکھا ہے کہ اس دن باغی سپاہ نے پورے ہوش و فروش سے انگریزوں کی پناہ گاہ پر حملہ کیا جس سے اُن کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی اور ۲۵ جون کو صلح کا جھنڈا بلند کیا۔ نانا صاحب نے صلح منظور کر لی۔ موہرے تھا مپسن کا بیان ہے کہ عظیم اللہ کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ جو انگریز ڈاہوری کی حرکتوں سے بے تعلق ہیں اور ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں وہ الہ آباد چلے جائیں۔

۲۶ جون کو صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے عظیم اللہ اور جوالا نانا صاحب کی شرافت پر شاد گئے۔ نانا کی طرف سے کہہ دیا گیا کہ

”کانپور چھوڑ دو، تمہاری جان بچ جائے گی اور اگر تمہارے سپاہی بڑنے کو تیار ہوں تو اپنی عورتوں اور بچوں کو الہ آباد چھوڑ آؤ۔۔۔۔۔ ہم اس امر میں بد عہدی نہیں کریں گے۔ ہم جس کی دست گیری کرتے ہیں اور جو ہم پر اعتماد کرتا ہے ہم اُس سے دغا نہیں کرتے اور اگر اُس سے بھی دغا کریں تو خدا دیکھتا ہے۔ وہ ہم کو اُس کی سزا دے گا“ لے

لیکن اس شرافت اور سچائی کے پرستاروں نے مکاری اور عیاری سے مات کھائی۔ ہندوستان اور انگریز دونوں کی فطرت مختلف تھی اور دونوں اپنی فطرت سے مجبور۔ بعض انگریزوں کا بیان ہے کہ نانا صاحب خود انگریزوں کے پاس آئے اور مذکورہ الفاظ

کچھ۔ جنرل وہیلر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر آگیا اور کہا کہ اگر تم کو بد عہدی کرنا ہے تو ہم کو یہیں ختم کر دو مگر نانا صاحب نے یقین دلایا کہ اُن کا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے۔ پھر نانا کے حکم سے انگریزوں کو الہ آباد پہنچانے کے لیے چالیس کشتیاں تیار کی گئیں اور نانا کے انہی دشمنوں کی زبانی مَیں کہ جب انگریزوں نے اُن کشتیوں کو پسند نہیں کیا تو فوراً سو مزدور لگا کر ان کی مرمت کا حکم دیا گیا، آرام دہ بنایا گیا، شامیانے، چھتریاں اور تمبو گائے گئے، غلاف پڑھا کر خوب صورت بنایا گیا کھانے تیار کرا کر رکھے گئے، اناج وغیرہ رکھا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں کو گاڑیوں اور ہاتھیوں پر سوار کرا کر پناہ گاہ سے دریا تک لایا گیا۔ راستے میں دونوں طرف فوج کا پہرہ تھا۔ جنرل وہیلر کا خاندان ایک آراستہ ہاتھی پر تھا اور وہیلر خود پاکی میں تھا۔ اس طرح یہ لوگ عزت و آرام کے ساتھ سستی چوراگھاٹ پر پہنچے اور کشتیوں میں سوار ہوئے۔ مسز ہورٹسٹ انگریسی اپنی سرگزشت میں کہتی ہے :

”میں اور میرے بچے ایک گاڑی میں اور دوسرے لوگ اور گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے کی طرف جہاں بہت سی کشتیاں موجود تھیں چلے جاتے تھے۔ چونکہ نانا راؤ نے عہد کیا تھا کہ ہم کو نہایت عزت و آبرو کے ساتھ اپنی حفاظت میں گنگا کے پار اتارے گا اس لیے ہماری حفاظت کو دونوں طرف مسلح سپاہی شفاخانے سے گنگا کے کنارے تک کھڑے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے ایک کثیر جماعت شہر کے تماشائیوں کی کھڑی ہوئی ہمارے جانے کا تماشا دیکھ رہی تھی“ اے

قتل عام اور اس کی وجہ | تانتیا ٹوپی، عظیم اللہ اور بالا صاحب قریب ہی ایک مندر کے چبوترے سے یہ سین دیکھ رہے تھے۔ جب انگریز

سوار ہو گئے تو تانتیا ٹوپی نے ہاتھ ہلا کر کشتیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ اچانک بندوق اور توپوں کی آوازیں آنے لگیں، انگریز بد تو اسی میں کشتیوں سے کودنے لگے، کچھ ڈوبے کچھ بندوق سے ہلاک ہوئے۔ اس قتل عام پر انگریز مورخ اتنا بلبلائے ہیں کہ شاید آج تک ان کے دماغوں میں اسکی یاد محفوظ ہوگی لیکن اس کی اصل وجہ یورپین عورت ہو رٹسٹ انگلیسی نے بیان کی ہے جو خود موقع پر موجود تھی۔ کہتی ہے :

”اس کا سبب یہ تھا کہ جنرل ہیولاک جنرل وہیلر کی رہائی کی غرض سے کانپور کے نزدیک آیا ہوا تھا۔ جس وقت ہم کشتی میں بیٹھ کمر عازم الہ آباد ہوئے، وہ بارود کا ڈھیر ہوشفا خانے (انگریزوں کی پناہ گاہ) میں تھا، محافظوں کی غفلت سے جل اٹھا۔ ہندوستانیوں نے خیال کیا کہ انگریز لوگ پھر جنگ پر آمادہ ہو گئے اور ابھی کانپور سے باہر نہیں گئے، جنرل ہیولاک کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں یہ وجہ تھی کہ ہم سب لوگوں کے قتل عام کا حکم دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب ہم لوگوں کی بے گناہی معلوم ہوئی تو نانا راؤ نے اُن لوگوں کو جو قتل سے محفوظ رہے تھے، نجات دی۔“ (ایام غدر)

انگریز مورخوں نے اس قتل عام کا الزام نانا صاحب کے سر رکھا ہے اور اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی حالانکہ جب اس فرانسیسی عورت انگلیسی کو معلوم ہے تو کیا اوروں کو معلوم نہ ہوگی؟ — لیکن ان مورخوں کو شاید یاد نہیں رہا کہ جس نانا کو ان کے قلم نے پاک باز، سخی، مہربان، اور بلند کردار لکھا، پسندیدہ عادات کا حامل بتایا، نامعقول عادتوں سے بری قرار دیا، جس نے حملے سے پہلے وہیلر کو آگاہ کیا، جس نے انگریزی جاسوس کو گولی مارنے کی بجائے قید کر دیا، جس نے پروردگارِ عالم کو درمیان کر کے اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا، وہ بد عہدی کر سکتا ہے؟ — جو ایک طرف تو یہ کہے کہ ”عورتوں اور بچوں کو الہ آباد چھوڑ آؤ بعد میں آکر لڑنا“ دوسری طرف ان نہتوں کا قتل عام کرے؟ — کس قدر عجیب بات ہے کہ پناہ گاہ سے نکلتے وقت تو ان کو

چھوڑ دے۔ اور جب عزت و احترام کے ساتھ خوب صورت کشتیوں میں سوار کرادے، کھانے پینے کا سامان مہیا کر دے تو اُن کے قتل عام کا حکم دے۔! اگر قتل ہی کرنا تھا تو کیا پناہ گاہ سے نکلتے وقت اُن کی ایک بوٹی بھی ہاتھ آ سکتی تھی؟ پھر یہ کہ جب یہ سب پناہ گاہ سے دریا کو جا رہے تھے تو شہر کے تماشا بیوں کا ایک ہجوم تھا جس نے دریا پر پہنچنے تک پوں بھی نہ کی۔ حالانکہ اُس وقت کانپور میں الہ آباد اور بنارس کے بے شمار ستم رسیدہ جمع تھے۔ وہ جن کی جائدادیں پھونک دی گئی تھیں، جن کے بیٹوں اور باپوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا، جنہیں ۸ اور ۹ کی شکل بنا کر پھانسیاں دی گئی تھیں، جن کے ننھے بچوں کو آگ میں جھونا گیا تھا۔ جن کے مذہب کو پاؤں تلے روند گیا، جن کی قوم کو غلام بنالیا گیا تھا۔ اور یہ وہ تھے جن کے سینوں میں انتقام اور اشتعال کی آگ بھڑک رہی تھی۔ قتل ہی کرنا ہوتا تو یہ مشتعل ہجوم راہ میں ہی نکلا ہوگا کر سکتا تھا۔

قتل عام کے بعد

ستی پورا گھاٹ پر جب قتل عام شروع ہوا تو عوام اور سپاہی بے تماشا انگریزوں پر ٹوٹ پڑے لیکن غلط فہمی معلوم ہونے پر باقی کو پناہ دی گئی۔ تقریباً ایک سو پچیس^{۱۲۵} میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ نانا صاحب کا ایک اٹا پاتے ہی انگریزوں کے قتل کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ فوراً ساکت ہو گئے۔ مسز ہورٹسٹ انگلیسی سے سینے کہ:

”اُس درمیان میں نانا راؤ سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں وارد ہوا۔ اُس کے ایک اشارے سے تمام تلواریں نیام میں چلی گئیں اور نانا راؤ ہم سب کو اپنے آگے کر کے مثل قیدیوں کے شہر کی طرف روانہ ہوا“

یہ لوگ شہر میں ایک انگریز کے مکان میں رکھے گئے، جو بی بی گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ (بعض جگہ اسبلی روم لکھا ہے)۔ اس مکان میں ہر طرح کا سامان اور آسانیاں فراہم کی گئیں، خدمت کے لیے لوکر رکھے گئے۔ ان قیدیوں میں سے ایک عورت اپنے بیان میں کہتی ہے:

”جو بہشتی نانا صاحب نے قیدیوں کو پانی پلانے کے واسطے ملازم رکھا

وہ میرے مالک کا قدیم نوکر تھا“ اے

اسی طرح مسز انگلیسی کہتی ہے :

”اس کے (نانا صاحب) حکم سے ہم لوگوں کو ایک انگریز سردار کے مکان

میں جگہ دی گئی جہاں ہماری آسائش کا کافی سامان مہیا تھا لیکن ساتھ

ہی اس کے یہ بھی حکم تھا کہ اس مکان سے نکل کر کہیں باہر نہ جائیں“

(ص ۱۷۰)

نانا صاحب نے دہلی میں بہادر شاہ کو اطلاع بھیجی کہ اتنی انگریز عورتیں ان کے

پاس قید ہیں۔ ان کا کیا کیا جائے۔ جب باقی بچے ہوئے انگریز گرفتار کر کے لائے گئے تو کہا کہ

”ان کو قتل نہ کرو بلکہ قید رکھو“ جب جنرل و ہیلر پابہ زنجیر حاضر کیا گیا تو کہا کہ ”جنرل صاحب

کے ہاتھ کھول دو“ — حقیقت یہ ہے کہ نانا صاحب نے اپنے ملک، قوم اور مذہب کے

دشمنوں کے ساتھ اچھے سلوک کی مثال قائم کی ہے۔ اور وہ ظلم و ستم نہیں کیا جو ایسے موقعوں

پر دنیا میں ہوتا آیا ہے۔ جو بارہا انگلستان نے ہندوستان سے کیا۔ آسٹریا نے اٹلی سے، اسپین نے

مورس سے اور یونان نے ترکوں سے کیا تھا۔

نانا صاحب کی تخت نشینی اور جنگی تیاریاں | ۲۸ جون ۱۸۵۷ء کو نانا صاحب

نے دربار کیا، سب سے پہلے بہادر

شاہ ظفر کی سلامی کے لیے ایک سو اکیس توپیں داغی گئیں، فوجی پر پڑ ہوئی۔ نانا صاحب دربار

میں آئے تو نوشی کے نعرے بلند ہوئے اور اکیس توپوں کی سلامی دی گئی۔ یکم جولائی کو تاج

پوشی کی رسم ادا کی گئی، انعام تقسیم ہوئے، شادیاں بچے لیکن سانس لینے کا بھی موقع نہ تھا۔

کیا، سخت جنگ ہوئی، بالاراؤ زخمی ہوا، انگریزی فوجیں کانپور سے قریب ہو گئیں (۱۵ جولائی)۔

انگریز عورتوں کی شرارت | جن انگریز عورتوں کو قید کیا گیا تھا ان کے بارے میں متعدد انگریزوں کے بیانات (مثلاً نیل کی رپورٹ) سے ثابت ہے

کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا گیا، بچوں کو دودھ دیا گیا، رکھوالی کے لیے آیا مقرر تھی، ایک بنگالی ڈاکٹر مقرر تھا۔ ہر روز تین بار باہر لایا جاتا تھا، اچھے کپڑے دیئے گئے۔ لیکن باہر نکلنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس کے باوجود کچھ عورتیں ہیولاک سے رابطہ قائم کرنے لگیں۔ ہورٹسٹن انگریسی بتاتی ہے کہ:

”اس درمیان میں کسی قسم کی تکلیف ہم کو نہیں ہوئی، بہت آرام سے زندگی بسر کی لیکن باوجود اس کے گونا گواراؤ نے اس مکان سے باہر جانے کی سخت ممانعت کر دی تھی، چند انگریز عورتیں کچھ بھی احاطے سے باہر چلی گئیں اور باہر کے لوگوں سے نامہ و پیام کرنے لگیں۔ خطوط پتھروں میں باندھ کر پھینکے جاتے۔ اسی طرح باہر کے خطوط اندر آتے تھے۔ بعض خطوں سے معلوم ہوا کہ انگریز فوج نے نانا راؤ کو شکست دی، (ص ۱۷۱)

یہ حرکتیں یقیناً ایسی نہ تھیں کہ نانا صاحب اور انقلابی عوام ان عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے مگر نانا صاحب نے صرف انہی عورتوں کو پکڑ کر قتل کرایا جن پر الزام پوری طرح ثابت ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ شہر کے عوام ان حرکتوں پر بہ حد غصے میں تھے کہ انہی خطوط نے انگریزی فوجوں کی کانپور پر پیش قدمی میں رہنمائی کی تھی لہذا ان لوگوں نے غصے میں تمام عورتوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ صرف ایک عورت زندہ بچی جس کے چشم دید بیانات اس کی سرگزشت سے اوپر نقل کیے گئے۔ اس موقع پر کہتی ہے:

”اس کے بعد پھر بہت سے شہر والے ہمارے محبس میں گھس آئے اور

جلے پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔“ اے

نانا صاحب کے بارے میں کہتی ہے :

”میں نے نانا راؤ کو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا، لوگ جو کچھ اس

کی نسبت بیان کرتے ہیں اس کو وہ جانیں مگر میں یہ کہتی ہوں کہ

اس قتل و غارت کا باعث وہ نہیں تھا۔ یہ شخص زیادہ سے زیادہ

تیس برس کی عمر کا ہوگا۔ چہرہ نہایت کشادہ، صورت نہایت شگفتہ،

طبیعت نہایت اچھی، عادات پسندیدہ“ ۱ (ص ۱۷۱)

نانا صاحب کا انتظام

کانپور میں نانا صاحب نے انتظامات سمجھالے تو بالا صاحب

کو گورنر اور جوالا پرشاد کو کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ ڈپٹی کلکٹر

رام لال اور پانڈو رنگ راؤ صاحب نے خاص رول ادا کیا۔ مشاوری کنسل نانا صاحب کی صدارت

میں بنی جس میں بابا بھٹ، عظیم اللہ، احمد علی خاں، اکبر علی، احمد اللہ، شاہ علی، جوالا پرشاد، ٹیکا

سنگھ اور مولوی لیاقت علی (الہ آباد) شامل تھے۔ ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ مولوی لیاقت

علی کانپور میں محلہ موری ٹولہ میں بخشی کے مکان میں مقیم تھے اور بیسٹ پچیس سواروں کے

ہمراہ نکلتے تھے۔

ایک کنسل ضروری معاملات کو فوری طور پر طے کرنے کے لیے تھی جس میں بالا راؤ

۱۔ ۱۔ ۱۔ ہورٹسٹ انگریسی فرانسیسی نژاد عورت تھی اس کی سرگزشت کا فارسی ترجمہ تہران میں

بہ عنوان ”ہورٹسٹ انگریسی در بلوائے ہندوستان“ (۱۸۹۳ء) کیا گیا۔ مترجم محمد یوسف ہے۔

دوسرا ترجمہ ظفر حسن عاصی امرہوی نے بہ عنوان ”ایام غدر“ (۱۹۲۳ء) کیا۔ اسی سے اقتباسات

دیئے گئے ہیں۔

تانتیا ٹوپی اور عظیم اللہ شامل تھے۔ مقدمات کے لیے کچہری قائم ہوئی جس میں بابا بھٹ۔ عظیم اللہ شاہ علی۔ احمد علی خاں وکیل اور فتح رام وغیرہ تھے۔ قاضی وحی الدین پولس آفیسر، چودھری جینی سنگھ تھانہ دار، ہولاس سنگھ کوتوال مقرر ہوئے۔ پولس کا انچارج مصطفیٰ خاں تھا۔ گولا بارود کی تیاری پر امام علی مقرر ہوا۔ سابق کوتوال شاہ علی کو محکمہ ہاسوسی سونپا گیا۔ عظیم بیگ اور کریم علی ریکارڈ کیپر تھے اور دیوان راؤ میگزین کا انچارج۔ لال پوری گوسائیں نے ہاتھی پر جھنڈا بلند کر کے گشت کی، گنگا گنج کے کوہر سنگھ نے آس پاس کے علاقوں میں بغاوت کو ہوا دی۔ مولوی سلامت اللہ نے جلوس کی صورت میں گشت کیا۔ ریاض علی نے انگریزوں کی پناہ گاہ پر سب سے پہلے حملہ کیا۔ کالکا ہتھی سنگھ اور چندی سنگھ وغیرہ نے فوج منظم کی، سستی پرشاد اور محمد طاہر نے نمایاں حصہ لیا۔ پیشہ ور طبقے کے پانچ ہزار افراد جن میں پوٹری مالے اور موچی شامل تھے، بغاوت میں شریک ہوئے۔ سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ کانپور کے عوام نے وسیع پیمانے پر بغاوت کی۔ دور دور کے گاؤں اور آس پاس کے زمین دار شریک تھے۔ نانک چند کی ڈائری یہ تمام تفصیلات مہیا کرتی ہے ۱۔

جن لوگوں نے نمایاں حصہ لیا ان میں کا کا دیو اور ساسامو
کانپور کے انقلابی
 وغیرہ کے کمرنی، پوہان اور لاجپوت تھے۔ ممتھری سنگھ، بھدر سنگھ، پرتھوی سنگھ، روپ سنگھ، رام بخش، بھوج سنگھ، دیبی سنگھ، وجے سنگھ، بلدیو سنگھ وغیرہ نے عوام کو کمر بستہ کرنے میں رہنمائی کی۔ راجہ سستی پرشاد نے سیونی اور بلہر میں بغاوت شروع کی۔ سکھ راج کے تعلقہ دار نے مدد کی۔ موضع ناناسمو کا ماتی سنگھ باغی رہتا تھا۔ ان لوگوں نے انگریزی راج دوبارہ قائم ہونے پر کبھی جدوجہد جاری رکھی۔ دیگر سرداروں میں رسول آباد کا ہیرا سنگھ، گھڑسہ کا بھوانی سنگھ، گجنیر کا لال من سنگھ، خان پور کا مانک سنگھ اور ایسری سنگھ۔ سوی کا بواہر سنگھ

اور امراؤ سنگھ۔ علی گڑھ کے ایک شخص امراؤ سنگھ نے اپنی خدمات بہادر شاہ کو پیش کی تھیں۔ اسی نام کا ایک شخص سہارنپور میں سرگرم تھا۔ نہ جانے یہ ایک ہی شخص ہے یا دو ہم نام ہیں لے چکائی کے راجہ نے تمام زمینداروں سے فوج بھرتی کرنے کا مطالبہ کیا۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب وسط جولائی ۱۷۵۷ء میں ہر طبقے کے بیسٹ ہزار مسلح آدمی کانپور میں تھے (نانک چند اٹھاون ہزار بتاتا ہے) جن میں گور اور چوہان قبیلے کے علاوہ نار کے راجہ دیر یا سنگھ، پوار اور چندیلہ قبیلے پالی کے زمیندار وغیرہ مع فوجوں کے شامل تھے۔ رسول آباد کے منصب علی، پناہ علی اور مبارک علی تین ہزار آدمی لائے (جون ۱۷۵۷ء) سابق تحصیل داروں میں جا جامو کے شاہ علی۔ ساداسلم پور کے مہاراج بخش، اکبر پور کے لچھمن پرشاد، بلہر کے محمد نذر، بھٹور کے احمد اللہ نے علی طور پر نانا صاحب کی مدد کی۔ انگریزی قبضے کے بعد بھی ان لوگوں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ گھم قبیلے کے بھوانی سنگھ کی قیادت میں جدوجہد جاری رہی۔ مدھر سنگھ اور ایسری سنگھ بھی اسی طرح مقابلہ کرتے رہے۔ ایسری سنگھ ایک بااثر لیڈر تھا۔ جو ۷ نومبر ۱۷۵۷ء تک سرگرم رہنے کے بعد کالپی چلا گیا اور ۱۱ جنوری ۱۷۵۸ء کو سکندرہ پر حملہ آور ہوا۔ راجپوت راجاؤں خصوصاً سکندرہ کے راجہ بھاؤ اور گلاب سنگھ نے اپنے علاقوں میں مورچے بنائے۔ انہیں کچلنے کے لیے انگریزوں کو پھر فوج کشی کرنا پڑی۔ گور قبیلے کے نانک سنگھ نے کانپور کی شکست کے بعد نانا صاحب کو دوبارہ حملہ کرنے کی دعوت دی۔

نانا صاحب کی شکست | ہیولاک اور ریناڈیلے کی فوجیں فتح پور پر یکجا ہو کر کانپور پر حملہ آور ہوئیں۔ نانا صاحب نے مقابلے کے لیے فوجی دستے روانہ کیے اور فتح پور کے قریب ۱۴ جولائی ۱۷۵۷ء کو انہیں اچانک جنگ پر مجبور

۱۰۲ - پودھری - ۱۰۲

۱۱ - ریناڈیلے میں زخمی ہوا اور جولائی ۱۷۵۷ء میں سوا کوٹھی ہسپتال کانپور میں مر گیا۔

سر دیا مگر کامیابی نہ ہوئی، انگریزی فوجیں فتح پور پر قابض ہو گئیں اور انقلابیوں کا سامان جنگ بھی اُن کے ہاتھ لگا۔ ہیولاک نے کلیان پور پہنچ کر کمانڈر انچیف کو لکھا کہ وہ ۱۶ جولائی کو کانپور پہنچ جائے گا لیکن آنگ کے مقام پر پھر نانا صاحب کی فوج سے جنگ کرنا پڑی۔ لے نانا صاحب کی پیچھے ہٹتی ہوئی فوج نے پانڈو ندی کا پل توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی اور انگریزی فوجیں کانپور سے چھ میل مہاراج پور میں آ گئیں۔ ہیولاک کے جاسوس چاروں طرف چھٹے ہوئے تھے۔ اور پوری تفصیلات بہم پہنچا رہے تھے۔ گرانڈ ٹرنک روڈ اور کانپور چھاؤنی کی سڑک کے کنارے تصادم ہوا۔ یہاں دوزبردست معرکے ہوئے۔ انقلابی فوجیں بھڑور کی طرف پسپا ہو گئیں۔ ہیولاک نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ کانپور کی اس جنگ میں نانا کی فوجیں جس استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کر رہی تھیں وہ میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھا۔ لے انگریز مورخوں مثلاً شیرر نے اعتراف کیا ہے کہ یہاں باغیوں نے بڑی ہوشیاری سے سڑکیں بنا کر دفاع کیا اور سنگینوں کی مدد سے بمشکل انہیں دھکیلا گیا۔ انگریزی فوج کے جاسوس تمام خبریں پہنچاتے رہے جن میں انجور تیواری قابل ذکر ہے۔ جس کی فراہم کردہ اطلاعات پر جنگ کا پلان بنایا گیا۔ ۱۷ جولائی کو جب انگریزی فوجیں کانپور میں داخل ہوئیں تو یہاں کے تمام انگریزوں کا خاتمہ ہو چکا تھا سوائے ایک عورت کے جو یہ داستان سنانے کے لیے زندہ تھی۔

عام شہریوں پر مظالم | کانپور پر قبضے کے بعد یہاں کے باشندوں پر ہولناک مظالم ہوئے۔ ہر بچوں کو انگریزوں کا خون چاٹنے اور دھونے کا

۱-۲ 1,2. GUPTA: Nana Saheb & Rising at Kanpur pp. 130-138

FORREST: State Papers Vol.2 pp. 88-91

SHERER: Daily Life ... p. 99

حکم ہوا۔ بے قصوروں کے گروہ پھانسی پانے لگے۔ چارلس بال کہتا ہے :

” بعض باغیوں نے ضبط و استقلال کی جو مثال مرتے وقت پیش کی وہ ایسی ہی تھی جیسی کہ کسی بلند اصول سے عقیدت رکھنے والے شہیدوں کی ہوا کرتی ہے۔ ایک شخص جو نانا صاحب کے دور میں کانپور کا مجسٹریٹ تھا، گرفتار ہوا اور مقدمہ چلایا گیا مگر وہ تمام کارروائی کو اس قدر لاپرواہی سے دیکھ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہو۔۔۔۔۔ ذرا سی بھی چوں چرا کیے بغیر وہ پھانسی کے تختے پر اس طرح چڑھ گیا جیسے کوئی ہوگی سادھی میں داخل ہو رہا ہو،“

کانپور شکست کے بعد | جنرل نیل کو بریگیڈیر جنرل کا عہدہ مل چکا تھا (۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء)

پرانگریزی قبضے کی خبر مل چکی تھی۔ نواب گنج میں مقیم فوج سے انگریزوں کی پوزیشن مضبوط ہو گئی ان کی پشت پر شہر، داہنی طرف گنگا اور بائیں کو نہر تھی وہ بھٹور اور کانپور کے درمیان میں تھے۔ بھٹور کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا مگر حملہ نہ ہوا، اور نانا صاحب وسائل کی کمی کے سبب سے فوج منظم نہ کر سکے اور ۱۷ جولائی کو اودھ چلے گئے۔ ۱۹ جولائی کو انگریزی فوجیں بھٹور میں داخل ہوئیں۔ نانا کے محل کو لوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ کانپور کے ڈپٹی کلکٹر رام لال کو پھانسی دی گئی (۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء)۔ مہینہ بھر بعد سمار شدہ محلات پر غصہ پھراتا گیا۔

ہیولاک پھر کانپور میں | ہیولاک ۲۲ جولائی کو دریا پار کر کے اودھ کے حدود میں آ گیا۔ اور نیل کو کانپور کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔ نانا پہلے ٹیکاپور

گھاٹ (جولائی اگست ۱۸۵۷ء) اور پھر اکتوبر میں فتح پور پوراسی میں تھے۔ ہیولاک کو اودھ میں داخل ہو کر متعدد جنگیں اناؤ۔ بشیرت گنج اور فتح پور پوراسی وغیرہ میں کرنا پڑیں جن کا حال اودھ کے حالات میں نظر سے گزرے گا۔ آخر کار ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء

کو جب وہ کانپور کی طرف واپس ہو رہا تھا تو نانا کی فوج بھڑور میں پھر مقابلے کے لیے تیار تھی کیونکہ کانپور پر شکست کے بعد انقلابی فوجیں اور عوام برابر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ ۱۶ اگست کو بھڑور میں نانا کی فوجوں سے پھر تصادم ہوا۔ نانا کی فوج پسپا ہوئی، لیکن اسی دوران گوالیار کی فوجوں نے بغاوت کر دی اور تانتیا ٹوپی کی رہنمائی میں کالچی آگئیں۔ ادھر اودھ کی باغی فوج بائیں طرف سے بڑھ رہی تھی۔ ہیولاک چاروں طرف سے گھر گیا تو گھبرا کر گورنر جنرل کو مدد کے لیے لکھا۔ اس نے لکھا کہ گوالیار کی باغی فوج پانچ ہزار ہے جس کے پاس بیس ہائیس بہترین توپیں اور سامان جنگ ہے۔ نیل کی رپورٹ کے بموجب ۲۳ اگست کو بھی انقلابی توپیں انگریزی کیمپ پر گولہ باری کر رہی تھیں اور بھڑور سے مغرب کا علاقہ نانا کے قبضے میں تھا۔

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہیولاک کی فوجوں نے گنگا پار کر کے لکھنؤ کی طرف بڑھنا شروع کیا اور ٹرم اور نیل بھی ساتھ تھے۔ اگست میں کولن کیمپبل کمانڈر انچیف بنادیا گیا تھا۔ اسی دوران نیل کی شکست کے بعد واپس لوٹتے ہوئے باغی سپاہی سامان جنگ اور خزانہ وغیرہ لے کر آئے اور بھڑور کے قریب جمع ہونے لگے۔ نانا صاحب ان کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب چندرنگر (ہنگال) جاکر، جو فرانس کا علاقہ تھا، نیپولین سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دو نمائندے چندرنگر پہنچے بھی تھے۔ چنانچہ اپنے ایک خط (اپریل ۱۸۵۹ء) میں نانا نے اس نامہ و پیام کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرانسیسی افسروں سے جو خط و کتابت کی گئی وہ فرانس

۱۔ تانتیا ٹوپی کا اصل نام رام چندر راؤ پانڈورا نکا ہے۔ اس کا باپ پانڈورنگ پنت باجی راؤ ثانی کا ملازم تھا۔ تانتیا ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں اس کا خاندان باجی راؤ کے ساتھ بھڑور آگیا۔

کی نیشنل ببلوگرافی (Bibliothèque Nationale) میں اور نیشنل آرکائیوز دہلی میں موجود ہے لے

۹، نومبر ۱۸۵۹ء کو ونڈہم کی ماتحتی میں کچھ فوج کانپور میں پھوڑ کر کالن کیمپبل لکھنؤ کی طرف بڑھا۔

نادر خاں | اسی دوران فتح گڑھ میں کبھی تصادم ہوا اور انقلابی پسپا ہوئے۔ یہاں نانا صاحب کے ایک ساتھی نادر خاں کو پہچانسی دی گئی جو متعدد جنگوں میں بہادری کا ہیرت انگیز مظاہرہ کر چکا تھا۔ انگریز موثر رخ چارلس بال اس حقیقت کا گواہ ہے کہ پہانسی پاتے وقت نادر خاں نے ہم وطنوں کو پکار کر کہا:

”اپنی تلواریں اُس وقت تک میان میں نہ کرنا جب تک انگریزوں کو ختم کر کے آزادی حاصل نہ ہو جائے“ لے

Calling upon the people of India to draw their swords
and assert their independence by extermination of the
English." (Charles Ball: Indian Mutiny Vol. 2 p.232)

تانٹیا ٹوپی کا حملہ | گوالیار کی باغی فوج نے تانٹیا کی رہنمائی میں ۲۶ نومبر کو حملہ کیا اور پانڈو ندی پر تصادم کے بعد شہر میں داخل ہو گئیں۔ ونڈہم نے گھبرا کر کمانڈر انچیف کو پیغامات بھیجنے شروع کیے اور کالن کیمپبل پھر کانپور کی طرف بڑھا۔

1. Foreign Political proc. 27th Nov. 1859

Gupta pp. 158-159

2. Savarkar: p. 394

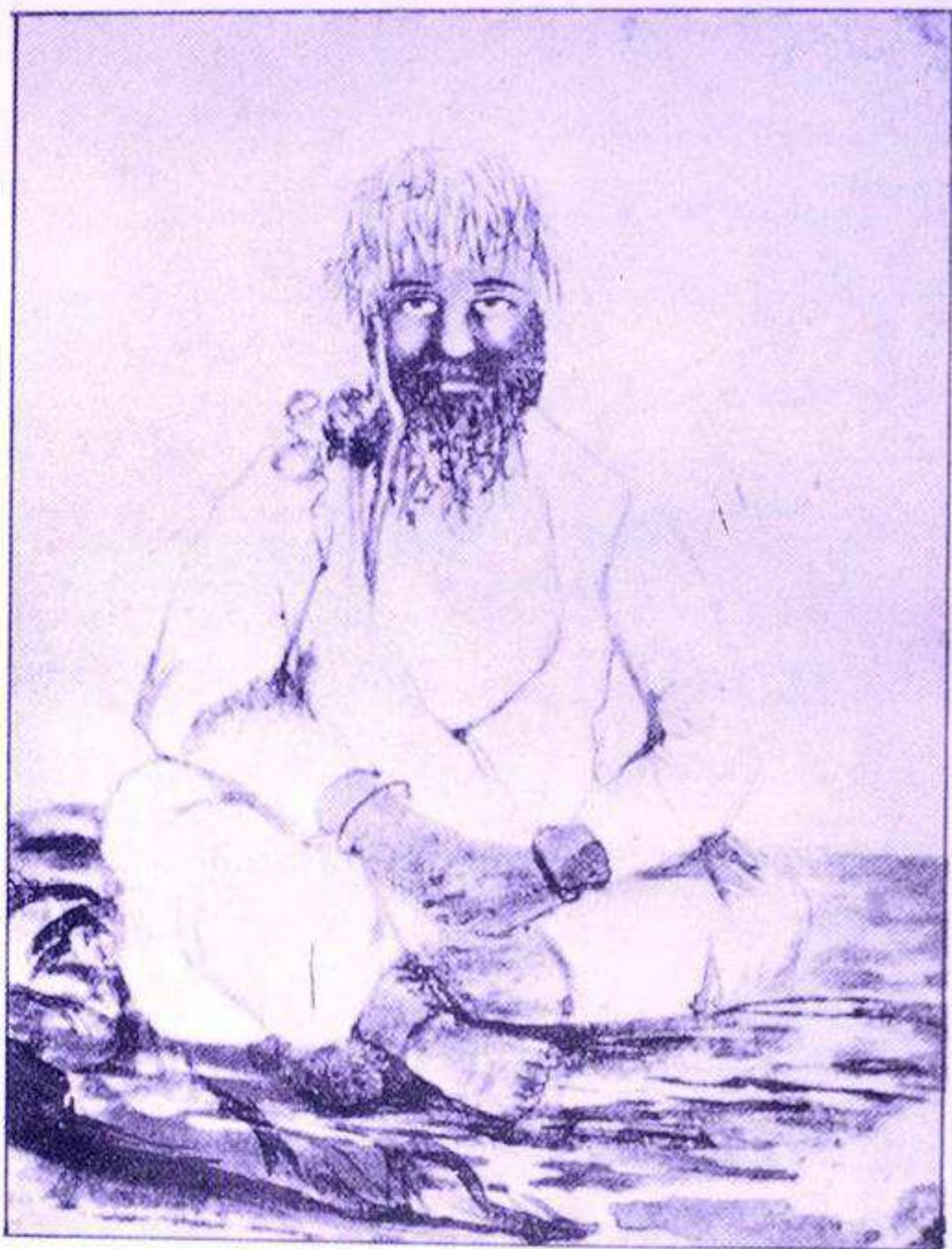
اس دوران تانتیا کی فوج نے ۲۷ نومبر کو زبردست گولہ باری شروع کر دی اور پناہ گاہ پر حملہ کیا جس سے انگریزوں میں بھگدڑ مچ گئی، بد نظمی اور انتشار برپا ہو گیا۔ ۱۷ نومبر کو تانتیا کا شہر پر قبضہ ہو چکا تھا۔ انگریزی فوج سے پھر تصادم ہوا۔ انقلابی فوجیں نواب گنج کے پہلو سے بڑھنے لگیں۔ بڑے بڑے انگریز افسر مارے گئے، فوج تباہ ہو گئی۔ اس جنگ کا حال ڈبلو شیرر نے بھی اپنی کتاب (ڈیلی لائف ڈیورنگ میوٹنی) میں بیان کیا ہے (ص ۴۲)۔ اب تانتیا کی فوج نے کانپور کی طرف بڑھتے ہوئے کالن کیمپل کو راستے ہی میں جا لیا تاکہ پل پار نہ کر سکے لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ۲۸ نومبر کو پل پار کر کے کالن کانپور میں داخل ہو گیا۔

تانتیا کی فوج کانپور کو گھیرے ہوئے تھی۔ بائیں طرف پرانی چھاؤنی (گنگا کے قریب) تک فوجوں کا قبضہ تھا اور ان کا مرکز شہر کے بیچ میں تھا۔ ۱۷ کالن کیمپل نے داہنی طرف سے حملہ کیا۔ تانتیا کی فوج پسپا ہو کر منتشر ہو گئی، نانا لکھنؤ کی طرف نکل گئے۔ تقریباً ایک ماہ تک خزانوں اور قیمتی سامان کو لوٹا گیا۔ تانتیا کے بیان کے مطابق نانا پہلے کالپی گئے اور اودھ کی باغی فوج کی کمان سنبھالی جو وہاں مقیم تھی۔

نانا صاحب کے اعلانات | سندھیا کے وزیر دتھر راؤ کا بیان تھا کہ ۵۸ء کے ابتدائی مہینوں میں نانا صاحب لکھنؤ سے چالیس میل دور ایک قلعے میں جہاں ان کے خاندان کی عورتوں کے علاوہ دو پلٹیں اور دس ہزار زمین دار وغیرہ تھے۔ تانتیا کالپی سے فرمان جاری کر رہا تھا جن میں تمام دکن اور کرناٹک وغیرہ کے

1. Gupta p. 161

2. GUPTA Nana Saheb p. 163



تانتیا ٹوپے

سرداروں کو دعوت دی گئی تھی کہ فرنگیوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کھڑے ہوں۔ یہ اعلانات ”دھوند و پنت نانا پیشوا پر دھان“ کی طرف سے اور شاہنشاہ دہلی کے حکم سے جاری کیے جا رہے تھے۔
 نانا صاحب کی موجودگی کے بارے میں مختلف افواہیں تھیں چنانچہ فروری ۱۸۵۸ء کی افواہ تھی کہ انگریزی کیمپ سے پچیس میل دور فتح پور پورا اسی کے قلعے میں ہیں۔ لیکن جب ہوپ گرانٹ وہاں پہنچا تو یہاں سے بھی جا چکے تھے، افواہ تھی کہ بندیل کھنڈ کی سرحد کے قریب ہیں۔ مارچ کے آخر میں وہ شاہ جہانپور ہو کر بریلی پہنچے۔

نانا صاحب کے چند ہمراہی | نانا صاحب کے ساتھیوں میں کانپور کے نواب خاندان کے دو بھائی ننھے نواب اور باقر علی تھے۔ بعض جگہ بیان ہے کہ ننھے نواب کو نانا نے مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا۔ یہ تین بھائی تھے۔ شیر نے لکھا ہے کہ دو بھائی تو یقیناً نانا کے ساتھ تھے مگر ننھے نواب کے بارے میں خیال ہے کہ وہ انگریزوں کا وفادار تھا۔ وہ بغاوت کے تقریباً سال بھر بعد مکہ چلا گیا۔ کانپور پر قبضے کے بعد باقر علی کے شاندار مکان میں انگریزی کیمپ بنایا گیا۔ اور نیپال کے راجہ کو سوادا کوٹھی میں ٹھہرایا گیا۔ دہلی کے تھانے دار، معین الدین نے اپنی یادداشت ”خندنگ غدر“ میں لکھا ہے کہ ننھے نواب۔ نظام الدولہ اور باقر علی پسران معتمد الدولہ تین بھائی کانپور کی شکست کے بعد یہاں سے نکل گئے۔ ننھے نواب اپنی چالاکی سے واپس کانپور آگیا، انگریزوں نے اس کی خاطر مدارات کی اور وہ انگریزی فوج کے ساتھ لکھنؤ گیا۔ پھر کانپور پر دوبارہ جنگ کے وقت لکھنؤ سے واپس آیا اور انگریزوں کا حامی ہو گیا، گلشن بازار میں رہتا تھا۔

1. GUPTA (P.C): p. 166

Foreign Sec. Proc. 28th May 1858 (177-9)

(اس اعلان کا ترجمہ الہ آباد کے حالات میں نظر سے گزرے گا۔)

نانا صاحب کا ایک اور ساتھی بابا بھٹ تھا جو انتظامات میں خاص رول ادا کر رہا تھا۔ کانپور کی شکست کے بعد اس کی قیام گاہ سے اہم ترین کاغذات انگریزوں کے ہاتھ آئے ان کاغذات سے یہ بھی پتہ چلا کہ بڑے بڑے ہندوستانی عہدہ دار خفیہ طور پر بغاوت کی سازشوں میں شریک رہے ہیں۔

کانپور میں انقلابیوں کی پھانسیوں کا نظارہ شیر رکے الفاظ میں کیجئے:

”جن لوگوں کو پھانسی دی گئی وہ غیر معمولی دلیری اور ہمت کے ساتھ موت سے ہم کنار ہوئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کے چہروں پر ناراضگی اور حقارت آمیز تبسم تھا اور ہندوؤں کے چہروں پر بظاہر نہایت تعجب و خیر لا پرواہی۔۔۔۔۔ کچھ ہندوؤں نے تو موت کا بالکل اس طرح سامنا کیا گویا وہ کوئی سفر کرنے جا رہے ہوں“ ۱

اس پاس کے بااثر زمیندار برابر بغاوت میں شریک رہے چنانچہ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں گوالیار اور اندور کی باغی سپاہ کے دستے کانپور کی طرف بڑھے تو اکبر پور اور کھوگنی پور وغیرہ کے زمینداروں نے ان کو رسد پہنچائی۔ اکتوبر میں یہ سگر میاں پورے عروج پر تھیں۔ گوپی گنج کے ہوائنٹ مجسٹریٹ کی رپورٹ میں اقرار ہے کہ انگریزی اقتدار کے علاقوں میں گاؤں کے عوام کی وفاداریاں مشتبہ تھیں ۲

نانا صاحب کے ساتھیوں میں جوالا پرشاد نام کے دو اشخاص تھے جیسا کہ ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ مہاراج بخش تحصیل دار ساداسلیم پور ساکن بند کی ضلع کانپور بھی خاص آدمی تھا، بعد میں لاہر پتہ ہو گیا۔ لچمن پرشاد تحصیل دار اکبر پور نے بھی مال گزاری وصول کر کے بھی، بغاوت کے

1. SHERER: Daily Life pp. 108-109

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 38

بعد لاپتہ ہو گیا۔ احمد اللہ تحصیل دار بٹھور ساکن ضلع الہ آباد ناناکے دربار میں حاضر رہا بغاوت کا خاص سرغنہ تھا، رام لال کے ساتھ انتظامات میں شریک رہا جو کانپور کا ڈپٹی کلکٹر تھا، ۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو ہیولاک کے کیمپ میں پھانسی دی گئی۔ احمد علی تحصیل دار نے کالپی وغیرہ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ قائم کیا جہاں ناناکے قیام کیا تھا۔ انگریز حکام کی رپورٹوں میں اسے ”بغاوت کی اہم ترین خدمات انجام دینے والا“ کہا گیا ہے۔

بغاوت کا آخری دور | کانپور اور الہ آباد کے علاقوں میں انقلابی سرداروں کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں سکندرہ کے راجہ بھو اور بھوگنی پور کے قانون گو مدھو سنگھ ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انھوں نے سکندرہ کی تحصیل تھانے پر حملہ کیا۔ سرکاری حکام فرار ہو گئے۔ فروری ۱۸۵۸ء میں باغی گروہ مختلف گھاٹوں پر جمع تھے۔ بٹھور کے قریب منصب علی کی کمان میں پندرہ سو آدمی مع توپوں کے تھے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں گھاتم پور پر حملہ ہوا۔ فتح پور چوراسی عثمان پور۔ شیوراج پور گھاٹ وغیرہ میں بھی باغی بڑی تعداد میں تھے۔ مئی ۱۸۵۸ء میں تحصیل رسول آباد ان کے حملوں کا نشانہ بنی۔ جون میں مدھو سنگھ گرفتار ہوا لیکن اس نے زہر کھا کر خود کو ہلاک کر لیا۔ اسی ماہ میں فیروز شاہ آٹھ ہزار فوج کے ساتھ فتح گڑھ پر تھا۔

روہیل کھنڈ

روہیل کھنڈ ڈویژن میں بریلی۔ بدایوں۔ شاہ جہاں پور۔ مراد آباد۔ بجنور۔ پبلی بھیت۔ رام پور اور نئی تال وغیرہ شامل تھے۔ ان علاقوں میں ۱۸۵۷ء سے متعلق بے پناہ مواد موجود ہے۔ لکھنؤ کے سکریٹریٹ ریکارڈ روم میں الہ آباد کے اسٹیٹ آرکائیوز میں اور میرٹھ۔ بریلی۔ سہارنپور۔ مراد آباد کلکٹریٹ میں اصل دستاویزی مواد ہے علاوہ ازیں پارلیمنٹری ڈبیت، خفیہ سرکاری کاغذات، ڈائریاں، یادداشتیں، ہم عصری مطبوعہ و قلمی کتب ہیں۔ اس دور کے اردو انگریزی اخبارات، نیشنل لائبریری کلکتہ میں محفوظ ہیں ان تمام ذرائع کے مطالعے اور انقلابیوں کی خط و کتابت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحریک بغاوت طے شدہ منصوبے کے تحت تھی اور عوام کی پوری تائید حاصل تھی۔

بغاوت کے لیے جو سازشیں پورے ملک میں ہو رہی تھیں، روہیل کھنڈ کی راجدھانی بریلی کو بھی ان کے لیے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ حکومت کے بڑے عہدے دار مثلاً خان بہادر خاں (صدر امین) صوبے دار بخت خاں لے (افسر توپ خانہ)

۱۔ اصل نام محمد بخش بن عبداللہ خاں، اودھ کے شاہی خاندان سے رشتہ داری تھی اور یہ خاندان سلطان پور میں آباد تھا۔ بخت خاں نے فوج میں ملازمت کی، جنگ افغانستان میں نمایاں رہا۔ بعد میں جلال آباد اور پنجاب میں تقرر ہوا، صوبے دار بنایا گیا، بعدہ افسر توپ خانہ تقرر ہوا۔ بہادر اور بے باک، سادہ لباس، مذہبی رجحان تھا اور مولوی سرفراز علی سے بیعت کی باقی حالات علاحدہ باب آخری دور میں بیان ہوں گے۔ شجرہ یہ ہے عبداللہ خاں بن سلطان خاں بن اصالت خاں عرف سمند خاں بن ملک عنایت خاں بن سید خاں بن جہاں خاں بن نظر خاں (نظر خیل) بن جہانگیر خاں ... نواب عبداللہ خاں نجیب الدود کے حقیقی بھتیجے تھے اس طرح بخت خاں غلام قادر کے چچا زاد بھائی۔

(العلم، کراچی۔ اپریل، جون ۱۹۵۷ء)

محمد شفیع رسالدار وغیرہ ان سازشوں میں شریک بتائے جاتے ہیں۔ اگرچہ سازشیں پوری طرح ہمارے سامنے نہیں آسکیں لیکن انگریزوں نے ان کے آثار کسی نہ کسی طرح پھانپ لیے تھے۔

میرٹھ کے حالات پر کمشنر کی رپورٹ میں ایک فقیر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ”انہالہ ڈپو پر اس کا ظاہر ہونا، سورج گنڈ تالاب کے پاس اور فوجی بارکوں میں اس کی رہائش اور ویسی سپاہ سے اس کا خلا ملا۔ یہ وہ حقائق ہیں جو شبہات پیدا کرتے ہیں، پھر یہ کہ فقیر کے مقصد یا شناخت کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں“ اے

مراد آباد کے جج جے سی ولسن نے اپنے خط مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۸۵۸ء بنام سکریٹری گورنمنٹ آف الہ آباد میں اپنی چھان بین کا نتیجہ بیان کیا اور لکھا:

”۲۱ مئی ۱۸۵۸ء بروز اتوار بغاوت کے لیے مقرر تھا۔۔۔۔۔ اس مقصد کے لیے ہر رجمنٹ میں تین آدمیوں کی کمیٹیاں مقرر تھیں۔ ان کمیٹیوں کے زیادہ تر ممبر دہلی کی جنگوں میں کام آ گئے۔ بھولا سنگھ پے حوالدار ۵، نمبر کمپنی نمبر ۲۹، رجمنٹ اُن میں سے ایک تھا اور مجھے معلوم ہے کہ وہ دہلی میں مارا گیا“ ۱

روہیل کھنڈ کا کمشنر اپنے خط (۱۴ نومبر ۱۸۵۸ء) بنام سکریٹری گورنمنٹ N.W.P. میں لکھتا ہے:

”چپاتیوں کی گردش، اگر واقعات سے اس کا کوئی تعلق ثابت ہو سکتا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے کہ بغاوت کے لیے تنظیم تھی۔۔۔۔۔ یہ بات کہ سپاہی بغاوت کے لیے

۱ فریڈم اسٹریگل یو پی جلد ۵ ص ۱۱-۱۰

رابرٹ ہنری ویلیس نے اپنی کتاب ”خاک کی رسالہ“ (انگریزی) میں لکھا ہے کہ بغاوت شروع ہو جانے پر معلوم ہوا کہ یہ فقیر دہلی کا ایک شہزادہ تھا جو بغاوت پھیلانے کے لیے بھیجا گیا۔ (WALLACE p. 27)

Mutiny Narrative NWP Agar Moradabad p. 1-2

پہلے سے تیار تھے، اُن کے رویے اور عمل سے بالکل عیاں ہے۔۔۔۔۔ دوسری طرف یہاں

کے بے حد با اثر ہندو زمین دار ٹھاکروں کا فوراً باغی حکومت سے تعاون اور شرکت اس

بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ نئی حکومت بنانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ ۱

بریلی میں بغاوت کی تیاریاں پوشیدہ طریقوں پر جاری تھیں۔ سرکاری ذرائع سے یہ پتہ

صرف اُس وقت پلا جب ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء جمعہ کو گورنمنٹ کالج کے استاد مولوی محمد احسن نے

محلہ نومحلہ سادات کی مسجد میں تقریر کی۔ سب کچھ کہنے کے باوجود انھوں نے اپنا دامن پچائے رکھنے

کے لیے مبہم طور پر جہاد کی مخالفت بھی کی۔ شہر میں کافی ہوش و خروش تھا، ۲۵ مئی کو عید تھی۔ اگلے

جمعے (۲۹ مئی) کو بریلی کا کوتوال بدر الدین بھی اس مسجد میں پہنچا، بنخت خاں اور اس کے ساتھی

بھی موجود تھے۔ مولوی رحیم اللہ کو وعظ کے لیے کھڑا کیا گیا مگر کوتوال کی موجودگی نے جذبات کو

دبا دے رکھا۔ نومحلہ بریلی کے سیدوں کی آبادی تھی جو اپنے اثر و رسوخ اور عظمت نسبی کی وجہ سے شہر

کے عوام خصوصاً روہیلوں میں با اثر اور معزز تھے۔ یہ لوگ سازشوں میں بھی شریک تھے۔ ان کے

علاوہ جن لوگوں کی شرکت ثابت ہے۔ اُن میں مبارک شاہ خاں، ٹھاکر جے مل سنگھ، سو بھارام

مدار علی خاں وغیرہ بھی تھے۔ محمد شفیع رسالدار کے بارے میں منشی ذکا اللہ لکھتے ہیں:

”آٹھویں سواردوں کی رجمنٹ میں انگریز افسر جانتے تھے کہ دغا باز بھرے پڑے ہیں جن

میں محمد شفیع جو سب سے بڑا افسر تھا وہ سب سے زیادہ دغا باز تھا“ ۲

۲۹ مئی کی رات کو فوجی سرداروں کا ایک وفد خان بہادر خاں سے ملا اور اگلے دن خان

1. Mutiny Narrative NWP p. 1-2

۱

Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 163-165

۲ ذکا اللہ۔ تاریخ عروج انگلیشہ ۸۲۲۔ محمد شفیع کے ذریعے دیسی سپاہ کو بغاوت پر

آمادہ کیا گیا (فریڈم اسٹریگل یو پی۔ جلد ۵ ص ۷۹-۸۰)

بہادر انگریز حکام سے ملے۔ بریلی کے کمشنر انگریز ڈر کا بیان ہے کہ ہاتھ ملاتے ہوئے انھوں نے کہا
”اپنی جان بچاؤ“ لے

اچانک بغاوت | بریلی میں بغاوت ہونے سے پہلے دوسرے علاقوں سے لوگ یہاں
آنا شروع ہو گئے تھے، بغاوت کی افواہیں بھی تھیں مگر سپاہیوں
نے وفاداری کا یقین دلایا آخر کار ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء اتوار (۱۷ شوال ۱۲۷۵ھ) دن کے دس بجے
کے قریب بخت خاں نے توپ چلا کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ جے ایف ڈی انگلس ان حالات
کا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

”بریلی کے سربراہ آردہ مسلمان دیسی سپاہ کے باغیانہ ارادوں سے پوری طرح باخبر

تھے اور انھوں نے شہر کے عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کیا تھا“ لے

غرض یہ کہ توپ سر ہونے کے بعد تمام سپاہ نے اچانک گولیاں چلانا شروع کر دیں۔
انگریز افسر کچھ قتل اور کچھ زخمی (یعنی) ”تاں کو فرار ہوئے“ تاریخ روہیل کھنڈ“ (قلمی) میں یہ حال اس طرح ہے:

”..... ساتویں شوال روز یکشنبہ ۱۲۷۵ھ کو مطابق ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کے دوپہر کے

وقت مسی محمد بخش عرف بخت خاں صوبے دار توپ خانہ موہ پلٹن نمبر ۱۸، ۴۸ پیادگان

و آٹھویں رجمنٹ ہندوستانی مستیعہ پھادنی بریلی کے اپنی سرکار سے نمک مزاجی کر کے

باغی ہوا..... خان بہادر خاں خلت نواب ذوالفقار علی خاں ابن حافظ رحمت خاں

دالئی سابق ملک روہیل کھنڈ بہ امید سو بھارام و مدار علی خاں وغیرہ

بد معاشان شہر بریلی اور سادات نو محلہ کے کو توالی میں آکر دالئی ملک

1. SEN - 348

2. Narrative of Outbreak Bareilly 30th Nov.

Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 193.

شیخ بدر الدین کو تو ان دن میں بارہ بجے کے قریب خان بہادر خاں کے مکان پر پہنچا اور کہا کہ فوج نے بغاوت کر دی، جیل خانہ توڑ دیا گیا۔ ۵۲ اس کے بعد مدار علی خاں پہنچا اور کہا کہ کو توالی چلے ورنہ باغی فوج شہریوں اور مہاجنوں کو لوٹنے آرہی ہے۔ خان بہادر اور مبارک شاہ خاں اس کے ہمراہ گئے۔ فیض اللہ، میاں جان اور دیگر سادات تو محلہ بھی ہمراہ ہو گئے۔ بخت خاں نے مصر سبج ناتھ کو بلا کر سرکاری روپے کا حساب لیا۔ یکم جون ۱۷۵۷ء کو مدار علی خاں سو بھارا رام۔ مبارک شاہ خاں۔ احمد شاہ خاں۔ میاں جان۔ سید فیض اللہ وغیرہ خان بہادر کے پاس گئے اور کہا کہ رات محمد شفیع رسالدار اور مولوی امداد علی رسالدار بخت خاں کی طرف سے آئے ہیں کہ آپ انتظام سنبھالیں۔ خان بہادر نے اس پر تامل کیا، سو بھارا رام نے کہا ”غم نہ کیجئے، ہم روپیہ جمع کریں گے اور اگر دیر ہوئی تو میں ایک یا دو سال کے لیے ایک لاکھ آدمی اور روپیہ دینے کو تیار ہوں۔“ بخت خاں نے کہا کہ ”آپ کیوں خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ وہ آپ کو سو بھارا رام جیسا وزیر دے رہا ہے جو آپ کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہے۔۔۔۔۔ آپ نہیں مانیں گے تو میں بسنت رام۔ جے مل سنگھ۔ راہہ پوایاں۔ محمد شفیع۔ مولوی امداد علی وغیرہ کو حاکم مقرر کر دوں گا۔۔۔۔۔“ سو بھارا رام نے کہا ”بخت خاں! اب اس بارے میں کچھ نہ کہیئے۔ نواب صاحب نے مجھے پوری بات بتادی ہے۔ میں بعد دوپہر تمہارے پاس آ کر تفصیل سے بتاؤں گا۔“

سو بھارا رام نے شہر کے لوگوں کی فہرست تیار کی، ملک غلام محمد اور سرنام سنگھ نے ایک ایک رجمنٹ منظم کی۔ نیاز محمد خاں کی سرکردگی میں بہت سے پیادہ اور سوار فوجی رام پور سے آئے۔

۱۔ نیاز احمد خاں، تاریخ روہیل کھنڈ (قلمی) ص ۹۵-۹۴

۵۲ جیل خانے کے دروازے کو آگ لگا دی گئی۔ یہاں کے تمام سپاہی بھی انقلابیوں کے ساتھ تھے۔ انگریز ڈاکٹر کو کو توالی کے سامنے قتل کیا گیا۔ (اخبار الصنادید۔ ۲۷)

امروہ، سبھل اور سہوان وغیرہ میں جو لوگ سوار فوج میں ملازم تھے، اگر شامل ہوئے۔ بریلی میں خان بہادر خاں کو پرانی کوتوالی میں ایک سادہ مسند پر تخت نشین کیا گیا، جלוں کی شکل میں کوتوالی تک لایا گیا۔

خان بہادر خاں کا انتظام | خان بہادر نے ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں گشت کیا۔ اکبر علی خاں۔ احمد شاہ خاں اور مبارک شاہ وغیرہ ہمراہ تھے۔ ہاتھیوں کے آگے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ ”انگریزی حکومت ختم ہو گئی اور اب بہادر شاہ بادشاہ ہے۔“ فضل حق تحصیل دار نواب گنج بعفر علی تھانے دار اور دوسرے سرکاری افسروں نے خدمات پیش کیں۔ ایک دربار منعقد ہوا اور شہر کے تمام معززین کو بلایا گیا۔ پھر خان بہادر خاں نے چھاوٹی جاکر سخت خاں اور محمد شفیع سے بات کی اور انعام اور تحفے تقسیم کیے۔ ۲۶ جون کو سو بھارا رام کو دیوان بنایا گیا۔ وہ نہایت تجربہ کار، دولت مند اور ہوشیار تھا۔ اس کے علاوہ یہ عہدے دار مقرر کیے گئے :

مدار علی خاں اور نیاز محمد خاں: فوج کے جنرل

مول چند: نائب دیوان

مولوی خاں: کمیدان اور پرگنہ شاہی تحصیل میر گنج کے فارم کا انچارج

برج لال: مختار (اس نے مختلف عہدے دار مقرر کیے)

ہوری لال: (بن سو بھارا رام): پے ماسٹر

علی حسین خاں: جنرل سوار فوج

دین دیال: دروغہ توپ خانہ

سیف اللہ خاں: سپرنٹنڈنٹ جیل

رضا الدولہ: اے ڈی سی (خان بہادر)

ان کے علاوہ غوث محمد خاں۔ غلام حیدر خاں اور حافظ کلن خاں بھی مختلف عہدوں

پر مقرر تھے۔ ۱

سو بھارام کا انتظام | سو بھارام نے دیوان کا عہدہ سنبھال کر نہایت فراست سے انتظام کیا، سول ایڈمنسٹریشن منظم کیا ریونیو کلکٹر مقرر کیا، ٹیکس وصول

کیے، مختلف عہدوں پر پھونڈن لال، تلمسی رام، پچیت رام، احمد حسین، غلام بیکھی، مصر بیج ناتھ، کنہیا لال وغیرہ کو مقرر کیا، فوجی دستے منظم کیے، ٹھاکروں کو بغاوت کے لیے آمادہ کیا، اس کے فہم و تدبیر کی انگریزوں نے بھی بے حد تعریف کی ہے۔

امن قائم کرنے اور ملکی انتظامات کرنے کے لیے جو کونسل بنائی گئی اُس میں سو بھارام بھی شامل تھا۔ ایک اور کمیٹی بنائی گئی جس میں یہ ممبر تھے:

کرامت خاں (حافظ رحمت خاں کی اولاد)

اکبر علی خاں (سابق صدر امین ممترا، خان بہادر کا عزیز ریونیو انچارج)

قاضی غلام حمزہ: قاضی شہر

پنڈت ادبھار تیغ ناتھ: پنڈتوں کا افسر انچارج

ٹھاکر جے مل سنگھ (ٹھاکر کیا را تحصیل بریلی)

کلب علی شاہ۔ جعفر علی (زمین داران)

مولوی سید قطب شاہ

(اس کمیٹی میں بارہ ممبر تھے، سات مسلمان اور پانچ ہندو)

خان بہادر خاں کے عہد کا کچھ اندازہ سرکاری یادداشتوں رپورٹوں اور گواہوں کے بیانات

(مقدمہ خان بہادر) سے ہوتا ہے کہ سو بھارام نے بحیثیت دیوان تمام معاملات میں کلیدی رول

ادا کیا ہے۔ برج لال نے جسے مختار مقرر کیا گیا، متعلقہ عہدے دار مقرر کیے۔ محمد یار خاں نائب پیشکار، غلام قادر کو شاہجہانپور، فضل حق کو پیلی بھیت اور عبد الرحمن خاں کو بدایوں کا ناظم مقرر کیا گیا۔ مول چند کاستھ نائب دیوان تھا۔ بدھولی کے راجہ رگھوناتھ سنگھ کو راجہ کا خطاب اور ٹیکہ دیا گیا۔ رگھو ناتھ نے فوج کے لیے آدمی مہیا کیے۔ سیکڑوں راجپوت روزانہ آتے، خان بہادر سے وفاداری کی قسم کھاتے اور فوجی خدمات انجام دیتے۔ شیو گدھ کے ٹھاکر جے مل سنگھ نے بھی فوج منظم کی۔ راجپوت سرداروں میں دیسی سنگھ، سرنام سنگھ، گنج بہاری سنگھ، نندا سنگھ وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔ اور یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ خان بہادر کو ٹھاکروں اور راجپوتوں کا مکمل اعتماد حاصل رہا۔ اس اعتماد کے حصول میں سو بھارام اور مول چند کا بڑا ہاتھ تھا چنانچہ پنڈتوں سے ویاہتھا اور علماء سے فتویٰ حاصل کیا گیا۔ مذہبی عالموں کی کونسل میں جس میں پنڈت اور بھارتیخ ناتھ اور مفتی عنایت احمد، مولوی امانت علی وغیرہ تھے، طے کیا گیا کہ بہ وقت ضرورت حکومت کسی بھی شخص کی دولت کا دسواں حصہ طلب کر سکتی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو کمیٹی بنی اس کا سربراہ خوشی رام تھا اور ممبروں میں مکومل مہاجن، رام پرشاد مہاجن، درگا پرشاد (راجہ ترن سنگھ کا کارندہ) وغیرہ تھے۔ اس کمیٹی نے مہاجنوں کی دولت کا اندازہ لگا کر ٹیکس مقرر کیا اور چار ماہوار قسطوں میں وصول یا بی شروع کی۔ رام پرشاد کے گھر میں مکساں قائم ہوئی۔ فوجی سرداروں میں کندن سنگھ، عظمت اللہ، بہاری سنگھ، غلام حیدر خاں، رگھو ناتھ سنگھ، احمد حسین خاں، رام پرشاد، معصوم علی وغیرہ تھے۔ لیکن ٹیکس وصول کرنے میں جو زیادتی کی گئی اس سے کچھ لوگ بد دل ہو گئے۔

انگریزوں کا قتل | کچھ انگریزوں نے حامد حسن منصف اور امان علی (کنبہ) وغیرہ کے مکانوں میں پناہ لی مگر انھیں قتل کر دیا گیا اور لاشیں کوتوالی

1. Narrative of Outbreak at Bareilly Mutiny Records, State Archive, Allahabad

کے سامنے ڈال دی گئیں۔ کچھ کوتوالی کے سامنے قتل ہوئے کچھ سنہری مسجد کے پاس مارے گئے۔

بہادر شاہ کا فرمان | خان بہادر خاں کی عرضداشت پر بہادر شاہ کی طرف سے ایک شفق مع خطاب "انتظام الدولہ محافظ الملک" اور خلعت

آیا۔ خان بہادر نے شہر سے ڈیڑھ کوس دور جا کر دیپ چند کے باغ کے قریب استقبال کیا اور خلعت پہنا۔ مہر میں "الملک اللہ والکلم اللہ" کندہ تھا۔

پھوٹ ڈالنے کی کوششیں | انگریزوں کا خیال تھا کہ راج پوت ٹھاکروں اور رہیلوں میں اختلاف پیدا کر کے کام نکالا جاسکے گا مگر سب سے

پہلے جس شخص نے خان بہادر کو حاکم تسلیم کیا وہ راج پوت ٹھاکر جے مل سنگھ تھا۔ ۲ 'وفاداروں' کی سرگرمیاں بھی برابر جاری تھیں۔ بیج ناتھ مصر نہ صرف نیپالی میں مقیم انگریزوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھا بلکہ بلالیوں کے کلکٹر ایڈورڈ کی مدد بھی کی۔ خان بہادر نے گائے ذبح کرنے کی ممانعت کرادی تھی اگرچہ اس سے کہیں بے پنی بھی پیدا ہوئی۔ خان بہادر کے ایک عزیز میر عالم خاں نے بلدیہ گیر کوسائیں پر باہم اختلاف کی بنا پر حملہ کیا۔ کوسائیں نے میر عالم کو اپنے دفاع میں قتل کر دیا۔ کوسائیں پرمفتی کی عدالت میں مقدمہ چلا اور بری کر دیا گیا۔ اس کے باوجود میر عالم خاں کے بھائی نے کوسائیں کو مار ڈالا اور قاتل کو انصاف کے روبرو نہ لایا جاسکا۔ ۳

نئے نظام سے تاجر طبقے میں ناراضگی کے آثار تھے کیونکہ انھیں بار بار طلب کر کے روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ مصر بیج ناتھ اپنے آدمیوں کے ذریعے جو حرکتیں کر رہا تھا اس سے انقلابی

۱۔ نیاز احمد خاں: تاریخ روہیلکھنڈ (قلمی) ۹۶-۹۹ بہادر شاہ کا فرمان ۹ جولائی ۱۸۵۷ء م ۱۷ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ جاری ہوا جو حبیب الاخبار مورخہ ۱۴ جولائی ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا۔

2. SEN : 349

3. Inglis Report, SEN : 349

۵۷

۵۸

حکومت پوری طرح باخبر نہ تھی اسی لیے وہ صرف مالی نقصان برداشت کر کے چھٹکارا پاتا رہا۔ ۱۔
 لچھی نرائن نے بھی عینی تال کو روپیہ بھیجا۔ ایک بار تو یہ روپیہ راستے میں پکڑا بھی گیا۔ شیخ بدرالدین
 عینی تال کو فرار ہو گیا تھا۔ اکتوبر نمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے کیپٹن گوان کو اس کام پر پاموس
 کیا گیا کہ وہ ہندوؤں کو خان بہادر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرے اور اس کام کے لیے پچاس
 ہزار روپیہ صرف کرے لیکن یہ اسکیم ناکام ہوئی اور گوان نے ۱۴ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھا کہ وہ اپنی کوشش میں
 ناکام ہوا۔ ۲۔ اور یہ روپیہ واپس خزانے میں جمع ہوا۔ غالباً انہی وفاداروں کی بدولت عینی تال سے
 انگریزوں کو نکالنے کی کوشش ناکام ہوئی حالانکہ اس کے لیے فروری ۱۸۵۸ء تک متواتر اور متعدد بار جد
 و جہد کی گئی۔ نواب رام پور اور اس کے جاسوس خصوصاً علی بخش خاں بھی برابر انقلابی کاروائیوں کو ناکام
 بنانے اور ہر طرح کی خبریں اور مدد انگریزوں کو پہنچانے میں مصروف تھے۔

خان بہادر کے اعلانات | خان بہادر خاں کی طرف سے جو اعلانات جاری ہوئے
 وہ مولوی سید قطب شاہ کے اہتمام سے چھپوائے گئے
 جو بریلی کالج میں فارسی کے استاد تھے۔ ایک اعلان میں جو بریلی کی شکست کے بعد برآمد ہوا لکھا تھا:

”فرنگی ہندو مسلمانوں کے مذہب کے دشمن ہیں اس لیے مذہب کو بچانا ہمارا فرض ہے
 اگر ہندو مسلمان متحد ہو کر مقابلہ کریں تو فرنگیوں کو مٹا دینا مشکل نہ ہوگا۔۔۔۔۔ اگر ہندو
 پوری طاقت سے انگریزوں کو ملک سے نکالنے میں شریک ہوں تو میری سلطنت میں گائے
 ذبح کرنا بند کر دی جائے گی اور فی الحماں اس پر اتنا عمل کیا جائے کہ عام پبلک مقامات پر
 یا ہندو محلوں میں کوئی گائے ذبح نہ ہو۔ پوری طرح ممانعت انگریزوں کے خاتمے کے بعد
 عمل میں آئے گی۔“ (ترجمہ از انگریزی)

۱۔ اس کو انگریزی قبضے کے بعد راجہ کا خطاب اور جاگیر دی گئی۔

2. Foreign Secret Consultations no. 25

ایک اور اعلان میں مسلمانوں سے جہاد کی اپیل کی گئی۔ ایک اعلان میں ہندو مسلمانوں سے خطاب ہے، لکھا ہے:

”ہندوستان کے رہنے والو۔! بڑے انتظار کے بعد ہماری آزادی واپس آگئی ہے۔ اب بتاؤ تم اسے قبول کرتے ہو یا رد کرنا چاہتے ہو؟۔ تم اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو یا اسے اپنے ہاتھوں سے کھود دینا چاہتے ہو اور فائدے کے خواہش مند نہیں ہو؟۔ ہندو مسلمان بھائیو۔! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر تم نے انگریزوں کو یہاں رہنے دیا تو وہ تم سب کو ختم کر کے تمہارے دین اور دھرم کو تباہ کیج دیں گے۔ ہندوستانیوں کو اتنے عرصے سے انگریزوں نے فریب دے رکھا ہے اور انھیں کی تلوار سے ان کا گلا کاٹ رہے ہیں۔۔۔۔۔ وہ پھر تفرقہ ڈالنے کا پرانا حربہ استعمال کریں گے۔۔۔۔۔ لیکن ہندو بھائیو۔! ان کے فریب میں نہ آنا۔ ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ انگریز کبھی اپنے وعدے پورے نہیں کرتے چال اور دغا بازی میں ملاق ہیں۔ یہ ہمیشہ سے سوائے اپنے مذہب کے اور سب مذہبوں کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ کیا انھوں نے گودی لے بچوں کے حق نہیں سمجھیں لیے؟ کیا انھوں نے ہمارے راجاؤں کے ملک نہیں ہڑپ کیے؟۔۔۔۔۔ اس پاک جنگ میں شامل ہو جاؤ۔ لڑائی کے میدان میں ایک جھنڈے کے نیچے لڑو اور خون کی ندیوں سے انگریزوں کا نام و نشان ہندوستان سے دھو ڈالو۔“ ۱

بریلی کے قریب و جوار میں | بریلی میں بغاوت ہوتے ہی آس پاس کے قصبوں میں بھی انقلابی سرگرمیاں رنگ لانے لگیں اور عوام نے بغاوت کر کے بریلی کا رخ کیا۔ آنولہ سے کثیر تعداد میں انقلابی عوام بریلی روانہ ہوئے۔ یہاں نواب کلن خاں (نمیرہ بخشی سردار خاں) نائب ہوا۔ حکیم سعید اللہ۔ مولوی اسماعیل۔ غالب علی خاں اور شیخ خیر اللہ

غیرہ باغی سردار تھے۔ غالب علی نے شہزادہ فیروز کی آمد کے موقع پر اس کی دعوت کی۔ اے شیخ غیر اللہ نے ٹھاکروں کو بغاوت میں شریک کرنے کا کام انجام دیا۔ حکیم سعید اللہ نے شہزادے کے ساتھ فرخ آباد وغیرہ میں بھی جنگ میں حصہ لیا اور آخر میں امر وہہ کے گلزار علی کے ساتھ جنگوں میں پوشیدہ رہے۔ بریلی میں ہندوؤں کا ایک جلوس بھی خان بہادر کی حمایت میں نکالا گیا جس میں گوپال چند فیمل نند۔ ایشور نند۔ گنیش رائے۔ ہر سکھ رائے اور بھیم سین وغیرہ شامل تھے ۷

غیر ساکنانِ رام پور | رام پور کے نواب یوسف علی خاں انگریزوں کے وفادار تھے مگر ریاست کے باشندے اُن کے مخالف تھے۔ اخبار الصنادید میں لکھا ہے کہ لوگ نواب کو کُرشٹان (عیسائی) کہتے تھے۔

عوام نے جب نواب کو مخالف دیکھا تو جہاد کے لیے باہر چلے گئے۔ کچھ مراد آباد گئے کچھ بریلی۔ تاریخ روہیل کھنڈ اور اخبار الصنادید میں ہے کہ :

”ساکنانِ رام پور غول کے غول آتے تھے اور عہدہ ہائے جلیلہ پر نوکر ہوتے تھے“ ۷

ظہیر دہلوی نے ”داستانِ غدر“ میں لکھا ہے کہ :

”رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردمانِ رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان دو پٹہ سر سے بندھا ہوا ہے اور اُس پر گونگا ہوا ہے۔ آدھا دو پٹہ سر سے بندھا ہوا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکتا ہوا ہے۔ اور چار چار ٹہنے کر میں لگے ہوئے اور دوہری تلواریں ڈاب میں لٹکی ہوئی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہیں“ ۷

۱ شہزادہ دودن آنولہ میں رہا اس کی قیام گاہ شہزادے کا ننگڑا کہلاتی ہے۔

Narrative of Events quoted by CHAUDHURY - 112

۷

۷ نیاز احمد: تاریخ روہیل کھنڈ۔ ۹۹ و اخبار الصنادید۔ ۲۷

۷ ظہیر دہلوی: داستانِ غدر ۱۲۲

بریلی کے انتظامات درست کر کے سخت خاں مع ایک مسلح فوج دہلی کو روانہ ہوا اور ۹ جون ۱۸۵۷ء کو یہ لشکر رام پور پہنچا۔ مجاہد غازیوں کی بڑی جماعت اپنے امیر المجاہدین مولانا سرفراز علی گورکھپوری کے ساتھ تھی۔

رام پور | میرٹھ میں بغاوت شروع ہونے کی خبر امی کو مراد آباد کے حکام کو مل گئی تھی۔ فوراً ہی جے سی ولسن (جج) صبح کے وقت رام پور آیا اور نواب یوسف علی سے مشورہ کر کے واپس ہوا۔ رام پور میں بغاوت کی تیاریوں یا سازشوں کی تفصیل نہیں ملتی لیکن عوام کا رویہ بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف پہلے سے باخبر بلکہ شریک تھے چنانچہ بغاوت کی خبریں مشہور ہونے پر عوام نے خوشی کے نعرے لگائے اور بقول ”اخبار الصنادید“ ”فساد کی تخم ریزی اور ایک دوسرے سے کنایات بغاوت کرتے تھے“ ۲۱ مئی کو دو سو آدمی فرداً فرداً رام پور سے روانہ ہوئے اور مراد آباد کا رخ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں مولوی منٹو نے بلایا تھا۔ اس دوران جب بریلی وغیرہ میں بغاوت ہو گئی تو رام پور کے سفیر شیخ وجیہ الزماں (خلف منعم الزماں ساکن فرخ آباد، پلاواں) کی تحریر سے اطلاع ملی۔ نواب نے مراد آباد کے انگریزوں کو اطلاع کے لیے آدمی دوڑایا۔ مراد آباد میں بغاوت کے بعد انگریز نمینی تال کو فرار ہو گئے۔

لیکن عوام کا حال یہ تھا کہ نواب کے ذاتی پہرہ دار بھی انقلابیوں کے ہم نوا تھے جب رات کو نواب کے پلنگ کا پہرہ بدلتا تو جو سپاہی پہرہ بدلواتا وہ تمام سامان سپرد کرنے کے بعد کہتا کہ ایک کریشان بھی ہے (یعنی نواب)۔ حالت یہ تھی کہ :

”نواب صاحب بحالت بیداری اس قسم کے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کلمات سُنا کرتے تھے۔ گلی کوچوں میں نواب صاحب اور معتمدین کو اعلانیہ سخت دُست افلاذ اور کریشان کا لفظ استعمال ہوتا تھا“

بلکہ نواب یوسف علی خاں ۹ اپریل ۱۸۵۷ء کو اپنے باپ نواب سعید خاں کی وفات پر تخت نشین ہوئے تھے نواب مہدی علی خاں نے اپنی بیگم شمسہ تاجدار کے لیے والئی ریاست ہونے کا دعویٰ کیا۔

۲۷ نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد دوم ص ۶۷

نواب کے بعض فوجی افسران نے صاف کہہ دیا کہ ”اب ہم خان بہادر خاں کی نوکری کریں گے“ اخبار الصنادید میں اقرار کیا گیا ہے کہ تمام سپاہی ایک ہی قوم اور ایک ہی خیالات کے تھے۔“

نواب نے انگریز حکام کے پاس نئی تال کو درخواست بھیجی کہ روہیل کھنڈ پر حکومت کی اجازت مرحمت ہو مگر صرف مراد آباد کی ملی وہ نئی تال میں مقیم انگریزوں کو برابر سامان رسد اور روپیہ بھیجتے رہے۔ ایک بار چار ہزار اشرفیاں بھیجیں۔ چنانچہ بریلی کے انقلابیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے اسی کانٹے کو ہٹانا ضروری سمجھا۔ اخبار الصنادید کے مؤلف کو اعتراف ہے کہ:

”اس میں شک نہیں کہ اگر ریاست کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو روہیل کھنڈ میں

انگریزوں کو کسی جگہ پناہ ملنا محال تھا اور دوبارہ حکومت نہایت دقتوں سے قائم ہوتی۔“

نواب بھی انقلابیوں کے ارادوں سے بے خبر نہ تھے انہوں نے انگریزوں کے مشورے پر تدبیریں شروع کر دیں اور ۹ جون ۱۸۵۷ء کو جب بریلی کی فوج بخت خاں کی کمان میں شہر کے قریب گیش گھاٹ پر ٹھہری تو ان کو سامان رسد دے کر بہلانے کا سامان کیا گیا کیونکہ ویسے بھی نواب کی بارہ تیرہ ہزار فوج نہ مقابلے کے قابل تھی نہ اعتماد کے۔ بخت خاں کی طرف سے مولوی سرفراز علی نے نواب سے بات چیت کی۔ مطالبہ یہ تھا کہ وہ اگر خود شریک نہ ہوں تو فوج سے مدد کریں اور ولی عہد (کلب علی خاں) کو بخت خاں کے ہمراہ دہلی روانہ کریں مگر نواب نے چھ سات ہزار روپیہ دے کر مولوی کو شیشے میں اتار لیا اور بخت خاں نے یہ سب سے بڑی غلطی کی کہ انھیں بدستور چھوڑ کر ۱۳ جون کو مراد آباد روانہ ہوا اور نہ انقلابیوں کا پلان یہ تھا کہ نواب یوسف علی خاں کو معزول کر کے شمسہ تاجدار بیگم کو حکمران بنادیا جائے لیکن وہ شاید نواب کی درپردہ کاروائیوں سے پوری طرح باخبر نہ تھے اسی لیے اس کے جھانسنے میں آگئے اور نواب کی جان میں جان آئی۔ شمسہ تاجدار کا شوہر مہدی علی کلکتے میں تھا، نواب نے ایک خط لکھا کہ اُسے فی الحال وہاں روک لیا جائے چنانچہ نظر بند کر دیا گیا۔

نواب روہیل کھنڈ کے انقلابیوں سے خوف زدہ تھے وہ ایک طرف مراد آباد میں انقلابی

سپاہ سے ملانی لے رہے تھے اور دربار کر رہے تھے دوسری طرف انگریزوں کو یہ لکھ رہے تھے کہ وہ باغیوں کے مقابلے سے خوف زدہ ہیں کیونکہ اگر خان بہادر نے ان پر حملہ کر کے تیاپا پنچہ کر دیا تو وہ انگریزوں کو مدد دینے کے قابل نہیں گئے جیسا کہ اب ہیں ۱

نواب نے صرف مختلف مقامات پر بغاوت کو کچلنے ہی کا کام انجام نہیں دیا بلکہ یہ بھی کرتے رہے کہ اپنے ہاسوس میرٹھ۔ دہلی۔ بجنور۔ بریلی۔ لکھنؤ۔ کانپور وغیرہ میں مقرر کیے تاکہ خبریں حاصل کریں اور نیننی تال کو بھیجی جائیں ساتھ ہی ہر قسم کا سامان رسد کئی کئی گاڑیاں بھر کر نیننی تال کو جاتا رہا جس کی سربراہی علی بخش خاں کر رہا تھا۔ کھنڈن کی طلبی پر مئی ۱۸۵۷ء میں رام پور کی کچھ فوج بلند شہر بھیجی گئی اور جب وہاں کے عوام اور سپاہ نے بغاوت کی تو اس رام پوری فوج کے بھی بہت سے سپاہی اس میں شریک ہو گئے اور یہ فوج ناکام ہو کر بنجیریت واپس چلی آئی۔ دہلی میں جاسوسی کے لیے منشی نہال الدین کو بھیجا گیا جس نے بہادر شاہ کو نذر پیش کی اور جاسوسی بھی شروع کی لیکن سخت خاں نے ایک دن اُسے پکڑ کر اس کا سامان لٹوا دیا اور مخبری کے جرم میں توپ سے اڑانے کا حکم ہوا، بڑی مشکل سے جان سلامت لے کر بھاگا ۲

بدایوں | بریلی کی انقلابی سپاہ یکم جون کو یہاں پہنچی۔ اس کے پیغام بر پہلے ہی اچکے تھے۔ سپاہ نے فائرنگ کی اور انگریزوں کے مکانات جلا دیئے۔ عوام کے علاوہ کھٹاکر اور زمین دار بغاوت میں شریک تھے۔ جھلنداری کے زمینداروں سیف اللہ خاں اور سعید خاں نے نمایاں حصہ لیا۔ سلیم پور اور داتا گنج وغیرہ کے ٹھاکروں نے رہنمائی کی، منصفی اور تحصیل پر حملے

۲ علی بخش خاں کا داں تذکرہ کا ملان رام پور، مؤلف شوق میں بھی دیا گیا ہے۔ کامل ہونے کا احوال تو اسی رسد رسانی سے معلوم ہو رہا ہے۔

کچے، پیری سنگھ نے انتظام سنبھالا۔ کیرت سنگھ (ساکن سلیم پور) پریم سنگھ اور سانوں داس وزیر بنائے گئے۔ بسولی کے تحصیل دار مولوی رضی اللہ بھی انقلابی صفوں میں تھے۔ عزیز خاں نے خزانے پر قبضہ کر کے بریلی میں خان بہادر خاں کے حوالے سمہسوان میں ٹھاکر لچھمن سنگھ۔ مولانا نیا ز احمد۔ حیدر خاں وغیرہ انقلابی سردار تھے۔ گنٹور کا تحصیل دار مابعد علی بھی سرغنہ تھا، بدایوں گیا اور عوام میں مقبول ہوا۔ حیدر خاں نواب فرخ آباد کی فوج میں بھی سالار رہا۔

بدایوں کی عوامی بغاوت کا اندازہ یہاں کے انگریز کلکٹر ایڈورڈس کے اس مشاہدے سے لگایا جاسکتا ہے :

”بدایوں میں عوام نے متحدہ طور پر بغاوت کی اور پورا ضلع انار کی اور انتشار کا نظارہ پیش کرنے لگا۔“ ۱

جیل خانے اور خزانے کے ملازمین بھی باغی ہو گئے۔ مولوی فضل رسول نے حفاظت کے انتظامات کیے ۲۔ آفشیٹنگ کلکٹر سی پی کار میچل اپنے بیان میں کہتا ہے :

”جب بریلی کے باغی یہاں آئے تو سرائے جالن دھاری سرائے میرن، نئی سرائے، سرائے ناہر خاں، محلہ ابراہیم پور کے تمام باشندے اور آس پاس کے دیہات مثلاً ننگہ شرقی۔ رسول پور وغیرہ کے تمام عوام متحد ہو کر بغاوت میں شریک ہوئے۔ مرزا منصور بیگ نے سرکاری ہسپتال کو ٹوٹا۔ گنٹور کے امیر زمیندار، نگلا امیری کے شرف الدین، لمسی کے سیتا رام، آئند سنگھ۔ لیکھ راج۔ فتح سنگھ۔ بھاؤ سنگھ (زمینداران ادجھانی) لچھمن سنگھ۔ جھوپ سنگھ۔ مادھو سنگھ۔ رانا گنج کے سردار خاں، مہراب خاں (ساکن لکراہ)۔ پنختاد سنگھ۔ بسولی کے فتح

1. EDWARDS (W) : Personal Adventure.....p. 16 . 17

Freedom Struggle Vol. V p. 209-213

۲ حبیب الاخبار بدایوں ۲ ذی قعد ۱۳۷۲ھ (۲۵ جون ۱۹۵۷ء)

سنگھ۔ نبی خاں۔ عزیز خاں۔ نازل سنگھ۔ بیکری کے ٹھاکر۔ سہسوان کے حیدر خاں۔ فتح علی خاں۔

راما نند۔ نرائن سنگھ۔ گلاب سنگھ۔ اسلام نگر کے شہامت علی۔ میر خاں۔ ناصر علی۔ دھن سنگھ۔

بدن سنگھ وغیرہ باغی سردار تھے ۱۷۱

اسلام نگر کے علاقوں میں تو مئی ۱۹۵۸ء تک بغاوت کی آگ بجھکتی رہی۔ اخبار الصنادید

کے الفاظ میں ”بابو رام نرائن نے اسلام نگر میں ایک ہنگامہ عظیم برپا کیا“ جس کے مقابلے کے لئے

نواب رام پور کی فوج ۲۹ مئی ۱۹۵۸ء کو پہنچی اور رام نرائن اس جنگ میں کام آیا ۱۷

اس زمانے میں سہسوان پھر انقلابیوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ ۱۷ جون ۱۹۵۸ء (۲۲ شوال

۱۳۷۷ھ) کو خان بہادر کی طرف سے عبدالرحمن خاں ناظم اور فصاحت اللہ نائب ناظم مقرر ہوئے۔ سابق

سررشتہ دار ذوالفقار الدین ڈپٹی مجسٹریٹ اور بسولی کا سابق تحصیلدار رضی اللہ بدایوں کا تحصیلدار

ہوئے۔ لچھمن سنگھ اوجھائی کا تحصیلدار اور امر او سنگھ (تعلقہ دار بھولی زمیندار ردولی) کو داتا گنج

کا تحصیل دار بنایا گیا۔ کچھ ٹھاکروں نے اس کی مخالفت کی اور ہر لاں سنگھ کی سرکردگی میں بدایوں پر

حملہ کیا جس میں انھیں پسپا ہونا پڑا۔ اسی طرح بسولی وغیرہ میں بھی زمینداروں اور تحصیلدار خاں

کے درمیان کشیدگی رہی۔ عزیز احمد نے سہسوان کے چکلے دار کا لقب اختیار کیا۔ عبدالرحمن خاں

(ناظم) سے بھی ٹھاکروں کا اختلاف ہوا تو خان بہادر خاں نے ٹھاکر جے مل سنگھ کو بھیجا جس نے صلح

صفائی کرادی۔ عبدالرحمن خاں نے ٹھاکروں کو روپیہ دیا۔ تحصیل تھانے اور فوج کی تنظیم کی۔ نیاز احمد

خاں نے ٹھاکروں کو ہدایات دیں۔ داتا گنج کے ٹھاکر کسیرت سنگھ نے انقلابیوں کا ساتھ دیا۔ کچھ

عرصے بعد ۱۰ نومبر ۱۹۵۸ء کو عبدالرحمن کی بجائے مبارک شاہ خاں ناظم اور احمد شاہ خاں نائب ناظم

بنائے گئے۔ اس دوران کچلا گھاٹ پر انگریزوں سے ایک تصادم بھی ہوا۔ (اکتوبر نومبر) فتح گڑھ پر

جنوری ۱۹۵۸ء میں انقلابیوں نے حملہ کیا مگر شمس آباد پر ہو پ گرانٹ نے شکست دی اس جنگ میں

گادوؤں کے ہندو مسلم عوام اور ٹھاکر شامل تھے، دو ہزار مجاہدین (بھادی) بھی تھے، منصور علی بیگ اور بیدار شاہ کے فوجی دستے بھی تھے۔ قادر گنج کے قریب بھی معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ اس دوران بالا لاؤ یہاں ہوکر شاہ، بھہانپور اور دلی داد خاں اور اسماعیل خاں بریلی سے آتے ہوئے سمہسوان ہوکر فتح گڑھ گئے۔ دہلی کی شکست کے بعد تخت خاں نے آکر بھاد کا فتویٰ تقسیم کرایا جس سے جوش و خروش میں اضافہ ہوا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں ڈاکٹر وزیر خاں۔ مولوی فیض احمد اور شہزادہ فیروز وغیرہ پہنچے، لکھنؤ پر تصادم ہوا (۲۷ اپریل) جہاں جنرل پلینی کی فوجیں حملہ آور ہوئی تھیں۔ جنرل پلینی جان گنوا بیٹھا اور انقلابیوں کو فتح کے آثار نظر آئے مگر جنرل بوننس کی تازہ دم فوجیں آجانے پر انھیں پسپا ہونا پڑا اور ان کے رہنما بریلی چلے گئے جہاں خان بہادر خاں کا اقتدار تھا۔

وفاداروں کی حرکتیں | انگریزوں کے وفادار برابر اپنی کاروائیوں میں مصروف تھے پنوالاں خط و کتابت کر رہا تھا اس کے نام انگریز حکام کا ایک خط انقلابیوں کے ہاتھ لگا جس میں لکھا تھا کہ تم ٹھاکروں کے ذریعے پھوٹ ڈالنے اور بد نظمی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ انقلابی جنرل نے اس خط کو لاز میں رکھا، مشتبہ ٹھاکروں کو بات چیت کے لیے بلایا اور گرفتار کر لیا۔ بخارا سنگھ اور پنوالاں کو سزا دی گئی۔ ایک سردار گوگدھے پر بٹھا کر نکالا اور پھر توپ سے اڑا دیا گیا۔ بھائی سنگھ دھرم سنگھ کو بھی اسی جرم میں قید کیا گیا۔ بہاری لال سابق سب انسپکٹر بھی انگریزوں سے نامہ و پیام کر رہا تھا اور روزنامہ بھی لکھتا رہا، مارچ ۱۸۵۸ء میں مراد آباد کو فرار ہو گیا۔ مہدی علی رئیس پہاڑی بھی 'وفاداروں' میں تھا، شیخوپورہ کا زمیندار فیاض الدین بھی انگریزوں کی مدد کرتا رہا۔

۱۷ اس کے بیٹے شیخ عبدالغفار نے ایک پمفلٹ "ترباق شورش" ۱۸۵۷ء میں شائع کیا جس میں لکھا کہ برالیوں میں ۱۹ مئی سے بغاوت کی افواہیں تھیں۔ ۲۵ مئی (عید) کو بغاوت شروع ہونے کی افواہ تھی۔ کلکٹر نے معزز مسلمانوں کو طلب کیا اور مشورے کے بہانے انکارہ لگایا۔ بغاوت ۲ جون کو شروع ہوئی۔

کلکٹر کی زبانی | بدایوں کے کلکٹر ولیم ایڈورڈس نے اپنی کہانی کتابی صورت میں بیان کی ہے جس کا ترجمہ مصائبِ غدر کے عنوان سے ہوا۔ اس نے نہ صرف بدایوں

بلکہ قریبی علاقوں کا حال بھی بیان کیا ہے کہ کس طرح تمام دیہات اور شہر کے عوام باغیوں کے ساتھ تھے لیکن وہ اس عوامی نوعیت کا سبب کار توں کو نہیں بلکہ زمینی اصلاحات کو قرار دیتا ہے جس کے نفاذ سے ہزاروں زمیندار زندگی کا سہارا کھو بیٹھے۔ وہ بتاتا ہے کہ کسان اور کاشت کار پوری طرح اپنے زمینداروں کے ساتھ تھے۔ انگریزوں سے دیہاتیوں کی نفرت اس قدر شدید تھی کہ ایک جگہ جہاں انگریزوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں، گاؤں کے عوام گروہ در گروہ آتے، انھیں دیکھتے اور چاروں طرف اس طرح خوشی کے مارے ناچتے تھے جیسے کوئی شادی ہو رہی ہو۔ اُس نے بدایوں وغیرہ کے علاقوں میں ہندو مسلم تعلقات کی کشیدگی پر بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس طرح انگریزوں کو روک لکھنا ہی واپس آنے کا موقع مل جائے گا۔ ۱

بدایوں کے انقلابی | انقلابی سرداروں میں فصاحت اللہ خاں (دکین ججی بریلی) نے انتظامات میں کلیدی رول ادا کیا، وہ نائب ناظم مقرر ہوا، بے حد با اثر تھا۔ بعد میں استعفیٰ دینے پر رنج بنایا گیا اور محمد یار خاں نائب ناظم ہوا۔ فضل احمد ہیڈ سررشتہ دار بنایا گیا جو فصاحت اللہ کا عزیز تھا، تمام اہم کاروائیوں میں شریک رہا۔ بعد میں ان تینوں کے پاس سے جو کاغذات ملے ان سے پتہ چلا کہ لکھنؤ کے انقلابیوں سے برابر رابطہ رکھے ہوئے تھے یہ ۵۸ اگست ۱۸۵۷ء میں فرنگی محل لکھنؤ سے گرفتار ہوئے۔ محمد یار کو پانچ سال جلا وطنی اور ضبطی جائداد کی سزا ملی۔ احمد شاہ خاں نائب ناظم، ۵۸ اگست ۱۸۵۷ء کو توپ سے اڑایا گیا۔ سہسوان کا مولوی نیاز احمد بھی شہید ہوا۔ حیدر خاں کو گولی ماری

1. EDWARDS : Personal Adventure During Indian Rebellion 146-47, 67.

2. Freedom Struggle UP Vol. V p. 621-622

گئی (حملہ شہباز پورہ میں دفن ہے)۔ محمد حسن خاں کو بیدردی سے مارا گیا۔ مولوی فضل حق (ساکن شاہجہاں پورہ) پہلے بارہویوں کے ضلع میں تحصیلدار پھر بغاوت کی ابتدا میں پہلی کجیت کا ناظم بنا۔ نومبر ۱۸۵۸ء تک بغاوت میں سرگرم، آخر تک بڑی فوج ہمراہ تھی اے اسلام نگر کے سید محب علی کے بارے میں مخبری کی گئی کہ فتویٰ جہاد امام بارے میں دفن کر دیا ہے چنانچہ امام بارہ کھوکھڑا کر دیا اور محب علی کو گولی ماری گئی۔ مولوی علی رضا، مابعد علی اور فضل حسین کو بھی گولی ماری گئی ۲۷ محسن علی خاں اپریل ۱۸۵۸ء میں زخمی ہو کر فوت ہوئے۔ مولوی فیض احمد نے جنگوں میں حصہ لیا، ککڑالہ کی جنگ میں بھی شرکت کی۔ دیگر سرداروں میں منیر خاں، رحیم علی، منصور بیگ، سیف اللہ وغیرہ تھے۔

شاہجہاں پور | ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء (اتوار) کو جب انگریز گرجا گھروں میں تھے، انقلابیوں نے گرجا کو گھیر لیا۔ کچھ مارے گئے باقی پوایاں کو فرار اور پھر محمدی پہنچے گرجا پر حملہ کرنے والوں میں جواہر رائے، گنگا دو بے، نرائن پانڈے، شیو چرن، رام نرائن دو بے وغیرہ تھے۔ انگریزی اقتدار ختم ہونے کے بعد نظام علی سابق کوتوال (حال قیدی) کو کھانے کا انچارج بنایا گیا۔ قادر علی خاں اور غلام حسین نے انتظام سنبھالا۔ باغی سپاہ میں گھنشیام سنگھ صوبے دار سب سے نمایاں تھا۔

شاہجہاں پور کی بغاوت کو منظم کرنے میں مولوی سرفراز علی گورکھپوری کا نمایاں رول ہے، انھوں نے تقریریں اور جہاد کی تلقین کی، دیسی سپاہ کو تیار کیا اور ۱۲ مئی سے بیس دن پہلے یہاں آکر بغاوت کی سازش مکمل کر دی۔ مولوی علی کریم کے گھر ہندو مسلمان حاضرین کے سامنے انگریزوں کے خلاف پُر جوش تقریر کی۔ اس موقع پر قدرت علی، نظام علی، قادر علی، عبدالکوف خاں، سنبھل سنگھ، دولت رائے، کالکا پرشاد، گھنشیام سنگھ، منگل خاں وغیرہ موجود تھے۔ (یکم مئی ۱۸۵۷ء)

اپنی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا کہ آس پاس کے تمام گاؤں دلاور پور۔ رس رتھ پور۔ زرین الدین نگر۔ نبی پور۔ مصری پور۔ عزیز گنج۔ الدر پور۔ شیرامو (پوایاں)۔ دھیرا پور۔ دھانی پور۔ شہباز پور۔ توادا۔ اندا پور۔ اولاد پور۔ کاری مکرند پور۔ چوندرہ۔ وغیرہ کے عوام بغاوت میں شریک تھے۔

۱۸۴۱ء کو باغی سپاہ مولوی سرفراز علی کے ساتھ بریلی روانہ ہوئی۔ انقلابی رہنماؤں میں قدرت علی (نائب فوج داری سررشتہ دار)۔ نیاز علی۔ حامد حسن ڈپٹی کلکٹر۔ نظام علی (سابق تحصیل دار)۔ چودھری عبدالعلی وغیرہ انتظامات میں شریک رہے۔ نواب قادر علی نے حاکم بن کر انتظام سنبھالا۔ بعد میں کچھ لوگ جن میں عبدالرؤف (ڈپٹی انسپکٹر تعلیم)۔ نقش بند خاں۔ فیض خاں۔ غلام علی۔ ناصر خاں (محلہ خلیل)۔ نظام علی (ساکن شہباز نگر)۔ نظام علی کو توواں۔ ستیل سنگھ۔ دولت رائے۔ واجد علی وغیرہ تھے، ۱۵ جون ۱۸۴۱ء کو بریلی گئے اور خان بہادر خاں سے غلام قادر خاں کو ناظم بنانے کی درخواست کی چنانچہ غلام قادر ناظم اور یہ عہدے دار مقرر ہوئے۔

نظام علی خاں (شہباز نگر) : نائب ناظم
خان علی خاں (تحصیل دار بیسل پور بریلی) : نائب ناظم
حامد حسن خاں (سابق ڈپٹی کلکٹر) : نائب ناظم
عبدالرؤف خاں : کمانڈر فوج
ستیل سنگھ : دیوان

فوجی انتظام سنبھالنے والوں میں کالکا پرشاد۔ ظہور خاں۔ اسرار خاں۔ قدرت اللہ مہدی علی۔ نواب مشمت۔ امیر علی۔ حیدر خاں۔ رجب علی۔ ولایت علی۔ ناصر علی (الہ گنج کی جنگ میں شہید)۔ علی حسن۔ منگل خاں وغیرہ تھے۔ ظہور احمد پیشکار اور رؤف احمد (محرر فوجداری) نے

نمایاں حصہ لیا۔ یہ دونوں بھائی تھے اور کافی بااثر تھے (بعد میں اودھ چلے گئے)۔ عبدالرؤف خاں کے بعد واجد علی (سابق ناظر منصفی) کو کمانڈر اور حامد حسن کے استعفی کے بعد نجیب خاں نائب ناظم ہوا۔ مفتی مظہر کریم سررشتہ دار کو مفتی شہر بنایا گیا ۱

دوسرے علاقوں مثلاً تلہر کٹرہ میراں پور۔ جلال آباد۔ محمدی وغیرہ میں بھی انگریزی اقتدار ختم کر دیا گیا۔ تلہر میں بغاوت کی خبر پہنچتے ہی یہاں کے رئیس غلام محمد خاں تحصیل دار وغیرہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہاں سے چلے جائیں۔ سرکاری عمارتوں پر قبضہ کیا، قیدی رہا کیے۔ جلال آباد کا تحصیل دار احمد یار خاں ۲ پہلے ہی بغاوت کا سرغنہ تھا، یہاں کا ناظم مقرر ہوا۔ فیض اللہ خاں (سابق محافظ دفتر) نے جاسوسی محکمہ سنبھالا۔ تمام سابق عہدہ داروں نے اپنی خدمات نئی حکومت کو پیش کر دیں۔ دیوانی کے ایک سو چار اور فوج داری کے اکھتر ملازمین نے انقلابی حکومت میں عہدے سنبھالے۔ ہدایت علی ساکن تلہر اور فیض محمد وغیرہ نے ۱۰ فروری ۱۸۵۸ء کو ہلدوانی پر فوجی مہم میں حصہ لیا۔ دہلی کی شکست کے بعد بھی یہاں مولوی سرفراز علی نے پُرجوش کاروائیوں سے عوام کے حوصلے بلند رکھے۔ ۳ ان کی اور مفتی مظہر کریم کی سربراہی میں عید گاہ پر ایک بھاری اجتماع ہوا جس میں انگریزی راج کے خاتمے کی دعا کی گئی۔ کٹرہ میراں پور میں فیض محمد اور غلامی خاں نے فوج منظم کی۔

لاکھنؤ کی شکست کے بعد (اپریل مئی ۱۸۵۸ء) شاہجہان پور میں مولانا احمد اللہ شاہ کی

1. Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 297-303

مفتی مظہر کریم پیشکار، ممتاز عالم اور فقیہہ، کالے پانی کی سزا ہوئی، جغرافیہ کی ایک کتاب کا ترجمہ کرنے پر قبل از وقت رہا۔ ۱۸۵۴ء میں دریاباد میں انتقال، مولانا عبدالمجید دریابادی کے دادا تھے۔ ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔ ۲

2. CHAUDHURY: Civil Rebellion. 117

سرمیاں، جنہوں نے انگریز تاریخ نویسوں کو انگشت بدنداں کر دیا ہے آئندہ صفحات: (آخری دور) میں بیان ہوں گی۔ اگست ستمبر ۱۸۵۸ء تک بھی شاہجہانپور میدان جنگ بنا رہا۔

عوام کے انقلابی جذبات کا اندازہ انگریزی اخبار کے ایک نامہ نگار کے اس بیان سے

ہوتا ہے کہ

”گزٹ کے ایک نمائندے کا جو ضلع اور اس کے باشندوں سے پوری طرح واقف

ہے کہتا ہے کہ ہر ہندوستانی دل سے ہمارے خلاف ہے“۔

اہم انقلابی سرداروں میں نظام علی خاں (پچپوریہ کی جنگ میں کام آیا)۔ قاسم علی کمانڈرینٹ۔ اعتقاد علی (سابق روزنامہ نویس) (جہاد کے لیے دہلی گیا)۔ دولت راؤ بخشی (پچپوریہ میں کام آگیا)۔ رنایت علی ناظم تلہر۔ کفایت علی۔ خدام حسین تحصیل دار تلہر۔ سلطان حسین خاں منصف تلہر (خان بہادر کا بھتیجا)۔ سید محمود حسین (مفتی پبلی بھیت)۔ مٹن چند۔ جانی پرشار۔ میر باز خاں۔ رام سہائے (تلہر)۔ برکت اللہ خاں۔ گردھاری لال (تلہر)۔ امراد سنگھ (تلہر)۔ صوبے دار میجر گھنشیام سنگھ۔ سید نیاز علی۔ تراب علی وغیرہ تھے۔ ڈسٹرکٹ کمزیشنر میں ہے کہ جنوری ۱۸۵۸ء میں نواب غلام قادر نے حامد حسن سابق، ڈپٹی کلکٹر کو انگریزوں سے خط و کتابت کے جرم میں قتل کرایا۔ فتح گڑھ اور کھنؤ کی شکست کے بعد نواب فرخ آباد، فیروز شاہ اور نانا صاحب یہاں گزر کر بریلی گئے۔

روہیل کھنڈ کے دوسرے علاقوں کی طرح مراد آباد میں بھی بغاوت کے لیے سازشیں ہو رہی تھیں، لیکن انگریز حکام کو پتہ نہ چل سکا۔ مولوی وہاب الدین (عرف منو)، مولوی سید کفایت، علی کافی اور ایک بیان کے مطابق مولوی سید عالم علی

۱۵

Carnatik Telegraphy and Madras Exchange Gazette
23 August 1858, India Gazette, August
9, 1858 Freedom Struggle UP Vol.5 p. 556

۱۶ ان علماء کے تفصیلی حالات علیحدہ باب میں آئیں گے۔

وغیرہ ان سازشوں میں شریک تھے۔ مراد آباد پر جو ہم عصر مطبوعہ و قلمی مواد ہمارے پیش نظر ہے اس میں جے سی ولسن (جج) کی مطبوعہ رپورٹ، کیپٹن فیڈری (نمبر ۲۹ این آئی) کا مسودہ اور ایک سرکاری تاریخ دار بیان جسے آئیننگ مجسٹریٹ آر ایچ ڈنلپ نے ترتیب دیا (نومبر ۱۸۵۷ء) ایک بیان مقامی شخص گیشر پرشاد مترجم عدالت ججی کا مسودہ ہے یہ شخص اکتوبر ۱۸۵۷ء میں مراد آباد سے فرار ہوا۔ ولسن نے اس کی وفاداریوں کی تعریف کی ہے علاوہ ازیں ڈنلپ گزٹیر اور ایف آئی کے نشر کا ایک ہمارا ریکارڈ مطبوعہ ۱۸۸۲ء پر عنوان:

Statistical description & Historical Account of NWFP
part II Moradabad.

اور تاریخ روہیل کھنڈ، مؤلفہ نیاز احمد نثار (قلمی) ۱۹۶۵ء کی تصنیف ہے۔
میرٹھ کی بغاوت کی خبریں ۱۸۵۷ء کو پہنچیں اور افواہیں پھیلنے لگیں۔ نمبر ۲۹-این آئی اور کچھ ریسی سوار فوج تعینات تھی۔ سی بی سائڈرس مجسٹریٹ اور جے جے کمپبل جو انڈسٹ مجسٹریٹ تھا۔ جے سی ولسن کافی عرصے سے بحیثیت جج مقیم تھا۔ منشی امام الدین کوتوال تھا۔ جے سی ولسن نے بات چیت کی تو پتہ چلا کہ ریسی سپاہ امن و امان کی راجی ہے اور وفادار رہے گی۔ ۱۷ مارچ (اتوار) کو اطلاع تھی کہ باغی سپاہ کی ایک پارٹی یہاں پہنچی اور کانگن ندی کے قریب کھیڑ کے جنگل میں قیام کیا۔ انگریز حکام نے ایک دستہ بھیجا تاکہ گڈھ مکیسر اور میرٹھ کے درمیان سڑک صاف کریں۔ یہ دستہ پہلے کانگن بھیجا گیا۔ امام الدین نے رات کے وقت جاسوسی کی اور اگلے دن مجسٹریٹ کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ معمولی تصادم کے بعد ایک ہلاک اور آٹھ دس باغی سپاہی گرفتار ہوئے، تیرہ ہزار روپیہ ملا جو وہ اپنے ساتھ لے رہے تھے۔ یہ نمبر بد این آئی کے تھے اور مظفر نگر کا خزانہ لے کر آئے تھے۔ تاریخ روہیل کھنڈ اور اخبار الصنادید کا بیان ہے کہ اسی تاریخ سے اطراف مراد آباد میں فساد شروع ہوا۔ ۱۹ مارچ کو انہی باغی سپاہ کے پانچ اور سپاہی جو رات کو بیچ نکلے تھے، چھاؤنی میں آنے پر گرفتار ہوئے۔ رو سپاہی مقامی فوجی لائٹوں میں داخل ہو رہے تھے ان

میں ایک مارا گیا اور ایک زخمی گرفتار ہوا۔ ان سب کو کریمینل جیل بھیج دیا گیا۔ مرنے والا سپاہی مرزا آبار کی ۲۹۔ این آئی کے ایک سپاہی سنسار سنگھ کا سانا تھا چنانچہ اُس نے کچھ آدمی (ایک سوستر) جمع کر کے جیل پر حملہ کیا۔ جیل گارڈ (سرب سکھ) نے نہ صرف باغی سپاہ کو بلکہ تمام قیدی (۶۰۰) براہِ کمر دیئے۔

میاسن نے اپنی کتاب کی جلد اول میں جو حالات مراد آباد کے لکھے ہیں ان کی دیگر ہم عصر بیانات سے بھی تصدیق ہوتی ہے یعنی یہ کہ سپاہ کی اکثریت ابھی تک وفادار تھی۔ انھوں نے انقلاب اُپ؟ کا پیچھا کر کے کچھ گرفتار بھی کیا۔ امام الدین نے بھی چند گرفتار کراہیا۔

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو معلوم ہوا کہ کچھ مسلمان لامپور سے آکر رام گنگا کے کنارے پر شہر کے مقابلہ میں ہیں اور انقلابیوں سے رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو "غازی" کہتے تھے۔ (تقریباً دو سو) کہا جاتا ہے کہ ان کو مولوی منٹو نے بلایا تھا۔ ۱۷ شہر میں اس خبر سے کافی ہیجان پیدا ہو گیا، دکانیں بند اور سڑکیں ویران ہو گئیں۔ ولسن نے ملٹری سے مدد پرائی اور خود جا کر غازیوں کا مقابلہ کیا، امام الدین بھی ہمارا تھا اسی رات کو باغی گروہ کا سردار (مولوی منٹو) پولس کے ہاتھوں مارا گیا۔ غازیوں میں کچھ گرفتار

۱ 'اخبار الصنادید' (جلد ۲ ص ۳۲) میں یہ نام مستور لکھا گیا ہے۔ مولوی منٹو (واج الدین) پوتے تھے مولوی وجیہ الدین کے اور مولوی اسماعیل کے بھتیجے جو شاہ اودھ کی طرف سے چند سال قبل لندن گئے تھے۔ بیل ٹورنہ میں بھی شریک تھے۔

۲ سرسید بغیر خواہ مسلمانان ہند (حصہ ۲ ص ۴۲)۔ یہ شخص ۱۸ مئی کو کانگن کے پل پر مقیم باغی سپاہ کی بھی جاسوسی کر چکا تھا۔ اس کے بھائی تاج الدین نے غازیوں پر حملے میں بھی شرکت کی۔ مولوی منٹو کو امام الدین نے شہید کیا، عوام اس کے دشمن ہو گئے تو انگریزوں کے ساتھ نیپنی تال کو فرار ہوا۔ بعد میں بریلی۔ شاہجہانپور اور محمدی وغیرہ کے معرکوں میں بھی جاسوسی کرتا پھرا۔ رہنے والا بریلی کا تھا۔ 'وقاداری' کے انعام میں تحصیلداری اور ایک گاؤں ملا۔ (غیر خواہ..... ۴۲)

کر کے رام پور بھیج دیئے گئے۔ دو تین دن بعد خبر ملی کہ سپیز اینڈ مائیزز کی دو کمپنیاں رڑکی سے بغاوت کر کے آرہی ہیں۔ کچھ فوج ان کے مقابلے کے لیے گئی، پیچھا کرنے پر انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ترائی کی طرف چلے گئے۔

۲ جون ۱۸۵۷ء کو بریلی میں بغاوت کی خبروں نے اب تک کی وفادار سپاہ یعنی نمبر ۲۹ این ائی کو بھی بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ انگریز نمینی تال کو فرار ہو گئے۔ سرکاری کاغذات اور اصل ریکارڈ سے اس بات کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ شہر کے عوام بلا امتیاز بغاوت پر کمر بستہ تھے۔ سپاہ کے لمبے بدل گئے، طنز اور درشتی سے بات ہونے لگی اور انگریزی اقتدار خاک میں ملتا نظر آیا تو دل سن نے کوشش کی کہ دیسی سپاہ کو مع خزانہ و توپ خانہ میرٹھ روانہ کر دے مگر سب بے سود رہا اور ۲ جون کو سپاہ نے بغاوت کر دی۔ کچھ انگریز خزانے کی عمارت میں پناہ گزیں ہو گئے تھے مگر اسے پہچان کے اور دو لاکھ ستر ہزار روپیہ انقلابیوں کے ہاتھ آیا۔ جب دل سن اور سائڈرس سوار ہو کر جانے کو تیار ہوئے تو کچھ سپاہیوں نے گھیر کر مارنا چاہا اس پر دیسی افسروں نے انھیں یہ وعدہ یاد دلایا کہ وہ انگریزوں کو قتل نہیں کریں گے تو انھوں نے بندوقیں بچی کر لیں، مہاراجہ عظیم میں بھی یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ جب خزانچی اور انگریزوں کو سپاہ نے قتل کرنا چاہا تو دو حو داروں نے روک دیا اور کہا:

”تم نے عہد کیا ہے کہ کسی انگریز کو نہ مارو گے اس کو یاد رکھو“

سرکاری رپورٹ کے بموجب ۲ جون ۱۸۵۷ء کو ایک جیل کا برقنداز یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ ”پرنڈوں کے شکاری نے آج قیدی پٹریوں کے لیے اعلان کر دیا ہے کہ کل تم سب آزادی حاصل کر لو گے“۔ ۱۵ دیسی سپاہ کو نواب مجوٹاں اور عباس علی خاں کے آدمی بغاوت پر آمادہ کر رہے تھے۔

۱۷ کنہیا لال: مہاراجہ عظیم۔ ۲۲۲

2.. FISHER: Statistical Description & Historical Account,
Vol. 9 part 2,

"Ye shall all obbtain freedom tomorrow."

۱۷

نواب مجید الدین عرف مجو خاں (بن معین الدین) مراد آباد کے ایک سابق ناظم عظمت اللہ فاروقی کی اولاد اور عباس علی خاں (بن اسد علی) دوندے خاں کی اولاد تھے۔ مجو خاں کو نمبر ۲۹ امین آئی نے ناظم بنایا اور توپ خانہ سوار فوج نے اسد علی کی حمایت کی۔ دونوں گروہ رقابت اور تنازع کی سطح پر آگئے تھے کہ نواب رام پور نے آکر اقتدار سنبھال لیا۔ ریس کورس کے قریب دربار کیا (۸ جون) مجو خاں کو ناظم، سعادت علی کوچ اور نیاز علی کو ڈپٹی کلکٹر بنایا گیا لیکن ۸ جون کو رام پوری فوج اور نواب واپس چلے گئے کیونکہ سخت خاں کے ہمراہ باغی سپاہ بریلی سے رام پور پہنچنے والی تھی۔

بریلی سے جیل سخت خاں مع فوج ۹ جون کو رام پور اور ۱۲ جون کو مراد آباد پہنچا۔ مولوی سرفراز علی بھی ہمراہ تھے جنہوں نے یہاں فوجی عدالت کے سربراہ کی حیثیت سے انگریزوں کے وفاداروں کو سزائیں تجویز کیں۔ مولوی کفایت علی کافی بغاوت سے کچھ پہلے بریلی جا کر سخت خاں کے ہمراہ یہاں آئے۔ مولوی سید عالم علی (امام شہر) نے کچھ عیسائیوں کو جو مسلمان ہونا چاہتے تھے، کلمہ پڑھایا اور ان کی حفاظت کی اس کے باوجود سخت خاں کے آنے پر چند لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ مولوی نے عیسائیوں کو پناہ دی ہے۔ چنانچہ ان عیسائیوں کو سخت خاں کے پاس لایا گیا اور مولوی موصوف کا گھر ٹوٹ لیا گیا۔ چند انگریز ہوشہر میں چھپے رہ گئے تھے ۱۲ جون کو قتل کیے گئے اور ان کی عورتیں سخت خاں کے حوالے کر دی گئیں۔ سخت خاں نے انتظامات درست کیے، نواب رام پور نے جن لوگوں کو قید کر دیا تھا انہیں رہا کیا، مجو خاں کو ناظم مقرر کیا۔ کچھ انگریز عورتیں جو مجو خاں کی حفاظت میں تھیں نواب رام پور کے پاس بھیج دی گئیں۔ یہ روایت کہ ان عورتوں کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی گئی، انگریزوں کی من

۱۔ مجو خاں کے خاندان کے دوسرے افراد میں ان کے بیٹے امیر الدین، بہنوئی شبیر علی کے علاوہ رفیع علی خاں، آل علی خاں اور شبیر علی وغیرہ نے بغاوت میں حصہ لیا۔ رفیع علی پر ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو مقدمہ چلا کر گولی ماری گئی۔ ان کے بیٹے رضوان علی ۱۹۱۱ء میں فوت ہوئے شبیر علی عاجز کو بھی اپریل ۱۸۵۸ء میں گولی ماری گئی۔

گھڑت ہے کیونکہ مراد آباد کے انگریزوں نے اپنے بیانات میں یہ ذکر نہیں کیا بلکہ سرولیم میور کا بیان ہے کہ:
 ”انگریز عورتوں کی بے عزتی کی افواہیں جہاں تک میرے مشاہدے اور تحقیقات کا تعلق ہے“
 بے بنیاد ہیں اور ان کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا“ ۱۔

۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو سخت خاں کی فوج کے ہمراہ نمبر ۲۹۔ این آئی رجنٹ اور کچھ عیسائی بوزندہ بچے،
 ہمراہ گئے۔ دو عیسائی گجراتیہ پر قتل کر دیئے گئے کیونکہ وہ انقلابیوں کا میگزین اڑانے کی سازش کر رہے تھے۔
 سخت خاں کے جانے کے بعد مجو خاں نے دربار کیا۔ عباس علی نے سخت خاں کے ہمراہ جا کر اپنے والد اسد
 علی کے لیے مراد آباد کی سند حاصل کر لی (مقام رجب پور) حاصل کر لی اور پھر اقتدار کے لیے رقابت شروع
 ہو گئی لیکن اس دوران موضع بیجنا کے بد معاشوں نے شہر ٹوٹنے کا چیلنج دیا جس پر دونوں کی رقابت ختم
 ہوئی اور شہر کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ اسی زمانے میں مستاپور کے ایک مہاجن پر دزدن کشن سے روپیہ
 طلب کیا گیا۔ اس کے انکار پر کچھ تنازعہ ہوا چاہتا تھا کہ تصفیہ ہو گیا۔

نواب رام پور نے میدان خالی پا کر پھر مراد آباد کا رخ کیا اور انگریزوں کے ایما پر جن سے یہ
 نواب برابر نامہ و پیام کر رہا تھا ۲۴ جون کو مراد آباد پر قبضہ جمانا اور مجو خاں کو ناظم سنبھن مقرر کیا۔
 اس وقت نواب ولی داد خاں کی حکومت کی حدیں حسن پور تک پہنچ گئی تھیں، آس پاس کے تمام علاقوں
 میں انقلابیوں کا امن دخل ہو گیا تھا۔ ادھر نواب رام پور کے دوبارہ اقتدار سنبھالنے پر مراد آباد کے عوام میں
 اضطراب تھا اور رام پوری فوج کے لوگ زیادتیاں کرنے لگے تھے چنانچہ نوبت آپس کے فساد تک پہنچی
 جسے کدو خانی کا واقعہ کہا جاتا ہے۔ آخر کار گلگھر کے انقلابی سردار دھوکھل سنگھ رسالدار کی مداخلت
 سے امن قائم ہوا۔ ۲۷ وہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر کوتوالی پر آیا اور رام پور کے حکام کو چیلنج کیا،
 کوتوال اندر پھپھا ہوا تھا اس کو لے کر نواب کے معتمد حکیم سعادت علی کے پاس گیا اور

۱۔ سرولیم میور ہیڈ آف انٹیلی جنس کی رپورٹ بہ حوالہ سادر کر۔ ۱۲۵

عہد و پیمان کرایا۔ ۱

جب شکست دہلی کی خبریں پہنچیں تو انقلابیوں کی سرگرمیاں بجائے کم ہونے کے اور تیز ہو گئیں۔ مسجدوں میں جہاد کی تبلیغ اور وعظ ہونے لگے۔ انگریزوں سے نفرت اتنی تھی کہ نہ صرف لباس بلکہ ہر انگریزی چیز کے لوگ دشمن ہو گئے تھے۔ مولوی زین العابدین نے جہاد کا اعلان کیا۔ صاحب علی خاں۔ صابر علی خاں۔ اکبر علی۔ حفیظ علی وغیرہ نے سرگرم حصہ لیا۔ ۲ عوام، خصوصاً مسلمانوں میں جوش و خروش عروج پر تھا۔ ایف ایچ فشر نے تمام بیانات اور یادداشتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کتاب میں یہ اقرار کیا ہے کہ:

”یہ نظریہ جسے بعض حلقوں کی تائید حاصل ہوئی، کہ شاہی اہل کی بغاوت صرف فوجیوں

تک محدود رہی، نہایت مستند ذرائع سے ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو

روہیلکھنڈ میں واقع ہوئے، مشکل ہی سے صحیح مانا جاسکتا ہے“ ۳

فشر نے اپنے گزٹیر میں یہ بھی بتایا ہے کہ مراد آباد میں گنتی کے چند وفادار کنیش پرشاد تاراجند۔ نند کشور وغیرہ بھی تھے۔

شہزادہ فیروز | مراد آباد کا ایک اہم واقعہ شہزادہ فیروز شاہ کی آمد ہے۔ وہ ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء (۷ رمضان ۱۲۷۴ھ) کو سنبھل کی راہ سے آیا اور عید گاہ کے قریب (موجودہ برف خانے کے سامنے) ٹھہرا۔ نواب رام پور کے ہاتھوں کے پھر طوطے اڑ گئے اور اس غم میں دو دن کھانا نہ کھایا اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ شہر کے لوگ کس کا ساتھ دیں گے، معلوم ہوا کہ فیروز شاہ کی شرکت کریں گے۔ ۴ شہزادے نے کہا کہ راہ بھول کر آگیا ہوں، روزہ دار ہوں، شام کو چلا جاؤں

۱۔ نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد ۲ ص ۶۱-۵۹

۲۔ چودھری: ۱۱۰-۱۰۹

۳

3. FISHER: Vol.9 part 2 pp.162-163

۴۔ نجم الغنی: اخبار الصنادید۔ جلد ۲ ص ۸۲

گاہ، نہ رسد لوں گانہ شہر میں داخل ہوں گا۔ اس دوران اس کی فوج نے رام پوری فوج کی توپیں چھین لیں تو یہ فوج فرار ہو گئی۔ نواب کے حامیوں نے قصائیوں کے چودھری (غلام قادر) سے مدد چاہی مگر کورا جواب ملا۔ شہزادے کی فوج تمام شہر میں پھیل گئی اور انگریزوں کے وفاداروں کو سزا دی، ارسد بھی وصول کی سولہ ہزار افراد نے ایک محضر پر دستخط کر کے شہزادے کا ساتھ دینے کا عہد کیا اور شہزادے نے ضروری انتظامات کیے۔ ۲۴ اپریل ۱۷۵۸ء کو نواب کی فوج نے شہزادے سے شکست کھائی (متصل مزار شاہ بلائی)۔ رام پور کی فوج کے سامنے آکر شہزادے نے کہا:

”افسوس! تم مسلمان ہو کر ہماری جان کے درپے اور فرنگی کی حمایت میں تکلیف

دینا ہم کو گوارا کرتے ہو۔“

رام پوری افسروں نے امکانہ جواب یہ دیا کہ ”ہم تو ایک مسلمان رئیس کے ملازم ہیں“ بلکہ غرض، یہ جنگ دن کے بارانچے تک رہی۔ نواب کی فوج کا تیا پانچہ کر کے شہزادہ شہر سے باہر گانگن ندی پر مقیم ہوا لیکن رام پور کے افسران اب بھی اس کے خوف سے لرزہ بر اندام تھے کہ کہیں چھپا ہوا نہ ہو۔ اس دوران جنرل جونز فوج کے کمر آگیا۔ رام پور کے فوجی شہزادے کا پھوڑا ہوا سامان ہی ٹوٹنا غنیمت سمجھ کر جیسے ہی اس نیک کام میں مشغول ہوئے، میگزین میں آگ لگ گئی اور نہ صرف یہ آرزو بلکہ ستر اٹی آدمی بھی خاک ہو گئے۔ ۲۶ اپریل ۱۷۵۸ء کی خبر تھی کہ رحیم علی کی فوج سنبھل میں موجود ہے۔

فیروز شاہ کا تمام شہر نے ساتھ دیا۔ سید عابد علی اور سید عبدالرحیم نے رسد اور آدمی مہیا کیے، جنگ، میں شرکت کی، بعد میں روپوش ہوئے لیکن گرفتار ہوئے اور پھانسی ہوئی۔ قاسم علی اور پردمن کشن نے شہزادے کی مخالفت کی۔

۲۵ اپریل ۱۷۵۸ء جنرل جونز مع فوج مراد آباد پہنچا۔ اسی دن دس

مراد آباد کے انقلابی

بچے مجو خاں کے مکان پر حملہ کیا گیا۔ اخبار الصنادید میں ہے کہ :

”مجو خاں ایک مکان کی چھت پر ہندوق چلاتے ہوئے معلوم ہوئے۔ سات سپاہی ہتھیار

بند ان کو پکڑنے گئے انھوں نے بڑی دلیری سے تین آدمیوں کو تپنے سے مار ڈالا اور باقیوں

کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ آخر کار اور مدد پہنچی اور وہ گولی سے مار دیئے گئے۔“ ۱۷

فشر نے سرکاری رپورٹ کی بنیاد پر لکھا ہے کہ مجو خاں کو مع ساتھیوں کے گرفتار کر کے شام

کو پانچ بجے گولی ماری گئی۔ اس کے بعد اکیس انقلابی سردار گرفتار اور باقی دفاع کرتے ہوئے کام آ

گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں عابد علی۔ ساجد علی۔ نیاز علی۔ اسد علی۔ شیخ امانت۔ شبیر علی وغیرہ تھے۔ مئی

۱۹۵۷ء میں بہت سے انقلابیوں کو قتل کیا گیا ان میں دہلی کے دو شہزادے بھی تھے جو فقیر کے بھیس

پوشیدہ تھے۔ حاجی سید احمد علی نے فیروز شاہ کا ساتھ دیا، روپوش ہوئے۔ مولوی کفایت علی کافی کو

اپریل ۱۹۵۷ء میں پھانسی ہوئی (جیل کے قریب کنبی سرائے مولیشی خانہ کے سامنے دفن)۔ سنبھل کے امام

الدین ہادی وکیل نے بھی فیروز شاہ کا ساتھ دیا تھا، پھانسی ہوئی۔ رفیع علی خاں ولد علی رضا خاں

اور گلاب سنگھ ولد شب لال بقال ساکن اکبر آباد (رام پور) کو اپریل ۱۹۵۷ء میں گولی ماری گئی۔ عابد

علی۔ ساجد علی۔ عبدالکریم۔ سید عبدالرحیم وغیرہ کو پھانسی ہوئی۔ مجو خاں کے بہنوئی شبیر علی عاجز اور اس

کے بھائی شبیر علی کو اپریل میں گولی ماری گئی۔ شبیر علی نے دہلی جا کر مختلف معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ محلہ

اصالت پورہ کے چودھری غلام قادر کو سزائے موت دی گئی ۱۸

۱۔ نجم الغنی: اخبار الصنادید ص ۸۹ (جلد ۲)۔ مجو خاں وغیرہ کی قبریں گل شہید میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گولی مارنے کے بعد ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر شہر میں گھسیٹا گیا اور پکتے ہوئے چوڑے میں ڈالا گیا۔ ایک بیان یہ ہے کہ کو توالی پر لاش کی نمائش کی گئی۔

۲۔ تفصیلات کے لیے مضمون ”مراد آباد اور ۱۹۵۷ء کی تحریک آزادی“ قومی آواز (دہلی) مخبر ۳۱ تا ۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء مضمون ”سنبھل ۱۹۵۷ء کے بانی عوام“ قومی آواز ۶ جنوری ۱۹۹۰ء مضمون ”رام پور ۱۹۵۷ء میں“ قومی آواز ۱۷ جون ۱۹۹۰ء ”امرہ ۱۹۵۷ء میں“ قومی آواز ۹ مارچ ۱۹۸۶ء

مراد آباد کا سرکاری ریکارڈ | ڈسٹرکٹ گزٹ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ:
”مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں بڑے گورنمنٹ

سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف طریقہ پر ظاہر کیا۔“ (۱۶۶)

سرکاری تحریروں میں مراد آباد کو ”دغا باز ضلع“ اور ”مصبیت خیز علاقہ“ کہا گیا ہے (ملاحظہ ہو: سرسید کی ”خیر خواہ مسلمانان ہند“).

حالی نے ”حیات جاوید“ میں لکھا ہے کہ ”خصوصاً ضلع مراد آباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا“ ضلع کے تمام انقلابیوں کا اگر مختصر احوال بھی دیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب بنے گی۔ چند کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے جو سرکاری ریکارڈ سے لیے گئے ہیں۔

عبد اللہ بیگ عرف منا (فیروز شاہ کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں ترغیب دیتا پھرتا تھا)۔ ہدایت علی (پھانسی)۔ تہور خاں ولد نیاز محمد خاں (کالا پانی)۔ امام علی خاں (رام پور سے گرفتار)۔ عنایت حسین ولد غلام حسین تاجل حسین ولد غلام عباس خاں۔ مہدیو چراسی فوجداری۔ (پھانسی)۔ علی بہادر ولد امیر خاں (کالا پانی) سنیل چند سپاہی (پھانسی)۔ اندر جمیت سپاہی (پھانسی)۔ فتح سنگھ سوار فوجداری۔ کھیم سنگھ سپاہ گارڈ (پھانسی)۔ کلو خاں ولد امیر خاں (کالا پانی)۔ نرجون سنگھ۔ حسن علی خاں۔ اعلا علی خاں (پھانسی)۔ اسد علی خاں (پھانسی)۔ بھوپ سنگھ۔ امانت اللہ وکیل (پھانسی)۔ یعقوب بیگ (پھانسی)۔ بہادر سنگھ۔ قطب شاہ۔ نعمت اللہ (دہلی میں بمقابلہ سرکار مارا گیا)۔ رام پرشاد (کالا پانی ۱۴ سال)۔ ہیرا سنگھ (مغور)۔ غلام حسین (پھانسی)۔ حمید الدین ولد امام الدین لال سنگھ (مغور)۔ کندن سنگھ۔ رام بخش۔ رامو (پھانسی)۔ علاوہ ازیں بلاری کے نجف علی وکیل (ان کے علاوہ ۱۵۶ باغی سردار ہیں) ٹھاکر دوارہ کے منگل خاں ولد کلو خاں۔ امیر الدین (امین منصفی)۔ حسن خاں، ولد کجور خاں۔ حسن پور کے غلام قادر (پھانسی)۔ حفیظ اللہ۔ سیف اللہ خاں وغیرہ۔

مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں ملازمین سرکار کی فہرست ہے جو باغی قرار دیے گئے یہ

تریسٹھ افراد ہیں جن میں ڈپٹی کلکٹر نیاز علی سے لے کر مہدیو چپرا سی تک شامل ہیں۔ علماء میں بھی بے شمار افراد ہیں جنہوں نے بغاوت میں رہنمائی کی۔ ان میں مولوی منٹو (دہاج الدین) مولوی محبوب علیؒ، مولوی زین العابدین (مفرد ہوئے) مولوی کفایت علیؒ جنہیں پھانسی ہوئی۔ مولوی سراج الدین مولوی شاہ علیؒ، مولوی منیر علی وغیرہ شامل ہیں۔ ایس بی چودھری نے نعمت اللہ کے نام کے ساتھ بھی لفظ مولوی استعمال کیا ہے۔ جن کے بارے میں درج ہے کہ دہلی میں مارا گیا؛

جونگ و کٹوریہ کے اعلان معافی یکم نومبر ۱۹۵۸ء کے بعد روپوشی ختم کر کے عدالت میں حاضر ہوئے ان کی ایک طویل فہرست ریکارڈ میں ہے۔ اس میں سے چند خاص نام یہاں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ نیاز علی ولد محب اللہ۔ پٹھان۔ ساکن محلہ بھٹی مراد آباد

”بہ زمرہ سواران بریلی بھدر خان بہادر خاں نوکر تھا اور ہمراہ نذر کے دہلی کو گیا تھا۔ اور فیروز شاہی میں شریک ہوا اور سرغنہ مغضدان ہے“

۲۔ عنایت حسین ولد غلام حسین سررشتہ دار۔ شیخ۔ مراد آباد

”ہجرم بغاوت کے مفرد تھا۔ از خود حاضر ہوا۔ گروہ والا اور نامی ہے۔“

۳۔ عمر خاں ولد رستم خاں۔ پٹھان افغان۔ محلہ بھٹی مراد آباد

”بہ زمرہ سواران خان بہادر خاں باغی کے نوکر تھا اور ہمراہ تحفہ کے دہلی کو گیا اور ایام غدر میں شرفساد اس کی ذات سے ظہور میں آئے اور نام بھی اس کا فہرست باغیان مشہور میں درج ہے۔“

۴۔ قمر علی زار۔ سید۔ مراد آباد۔ پیشہ نوکری

۵۔ علماء کا تذکرہ علیحدہ باب میں کیا جائے گا۔

۵۔ مولوی محبوب علی بن شیخ مدثر، رجب پور کے خاندان فریدی سے تعلق ہے۔ بیٹے یعقوب علی (لا ولد) تھے۔ نوکھا قبرستان میں مدفون ہیں جہاں اب چڑھا سینما ہے۔ ریکارڈ میں مقدمے کے کاغذات ہیں۔ دوسرے بھائی غلام علی کی اولاد موجود ہے۔

”ہمراہ شبیر علی خاں باغی کے دہلی کو گیا تھا۔ اب از خود حاضر ہوا اپنے گھر پر موجود ہے۔“

۵۔ ہدایت اللہ ولد فیض اللہ۔ پٹھان۔ مراد آباد۔

”بزمہ سواران خان بہادر خاں باغی کے نوکر تھا اور ہمراہ تحفہ دہلی کو گیا۔“

۶۔ محمد افضل ولد رمضان۔ شیخ۔ معافیدار۔ امر وہہ

”تاریخ مذکور (۱۴ دسمبر ۱۸۵۸ء) کو بہار علی سمدی و انور علی بھانجہ محمد افضل مذکور نے لاش

محمد افضل کی تہانہ امر وہہ میں پہونچا کر کہا کہ اگر وہ سے بارادہ حاضری حضور آتا تھا راستے میں مر گیا۔“

۷۔ مولوی شاہ علی ولد غلام علی۔ سید۔ معافیدار مراد آباد

”مشہور باغی ہے۔“

۸۔ مولوی قمر علی ولد رستم علی۔ سید۔ مراد آباد

”مشہور باغی ہے۔“

۹۔ مولوی عالم علی۔ سید۔ پیشہ حکمت۔ مراد آباد

”عدالت میں حاضر ہوا۔ مشہور باغی ہے۔“ (۲۴ دسمبر ۱۸۵۸ء)

۱۰۔ اللہ داد ولد بہادر خاں۔ پٹھان۔ محلہ کوٹ۔ امر وہہ

”بجرم نوکری ولی داد خاں باغی مقام ملا گڈھ کے باغی تھا از خود حاضر ہوا اور اپنے گھر

موجود ہے۔“

۱۱۔ امیر حسن ولد بشارت حسن۔ سید۔ معافیدار امر وہہ

”بجرم غارت گری تہانہ تحصیل کے باغی تھا۔“

۱۲۔ عیوض علی ولد مبارک۔ سید۔ معافیدار امر وہہ

”بجرم غارت گری تہانہ تحصیل کے باغی تھا۔“

۱۳۔ امجد علی ولد اکبر شاہ۔ سید۔ امر وہہ

”بجرم ملازمت خان بہادر خاں باغی کے روپوش تھا۔“

۱۳۔ نجف علی عرف نجو ولد کریم اللہ۔ شیخ۔ امروہہ

”بہ جرم غارتگری تہانہ تحصیل امروہہ اور جانے مالاکڈھ بہراہی گلزار علی روپوش تھا

اپنے گھس آباد ہوا۔“

۱۵۔ احمد ولد علی بخش۔ گندی۔ عطر فروش امروہہ

”بجرم ملازمت مالاکڈھ و شرکت غارتگری تہانہ تحصیل کے مفور تھا“

۱۶۔ احمد بخش ولد امین الدین۔ شیخ۔ امروہہ

”بجرم بہراہی مہربان علی خاں و غارتگری تہانہ تحصیل کے روپوش تھا“

۱۷۔ عظیم اللہ عرف نجیب اللہ ولد ننہا۔ شیخ۔ دوکاندار حلوائی نوبت خانہ امروہہ

”بہ بہراہی مہربان علی خاں و غارتگری تہانہ تحصیل روپوش تھا“

۱۸۔ بنیاد علی ولد لال محمد۔ شیخ۔ شاہی چہوترہ امروہہ

”بجرم ملازمت خان بہادر خاں باغی کے روپوش تھا“

۱۹۔ معصوم علی ولد مردان علی۔ سید۔ معافیدار امروہہ

”بجرم غارتگری تہانہ تحصیل و بہ بہراہی گلزار علی مہربان علی مشہور باغیان کے رو

پوش تھا“

۲۰۔ خدا بخش ولد پیر بخش۔ جولاہہ۔ امروہہ

”بجرم نوکری ولی داد خاں باغی مالاکڈھ کے روپوش تھا“

۲۱۔ سبحان علی ولد امداد علی۔ سید۔ معافیدار امروہہ

”بجرم بغاوت روپوش تھا حاضر ہوا“ (۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء)

۲۲۔ شبیر علی خاں ولد معظم خاں۔ شیخ۔ مغلیہ پورہ مراد آباد

”مشہور باغی ہے“

۲۳۔ عباس علی خاں ولد صمد خاں۔ پٹھان۔ بازار دیوان مراد آباد

”مشہور باغی ہے“

۲۳۔ کریم بخش ولد حسین علی خاں۔ چودھری۔ چودھری سرائے سنبھل۔

”بذریعہ نوکری خان بہادر خاں باغی کے مقرر تھا“

۲۵۔ نجف علی عرف نجو ولد نور علی۔ سید۔ نوگانواں

”بجرم کرنے نوکری ماڑے خاں کے روپوش تھا“

۲۶۔ محمد حسین ولد محمد افضل۔ شیخ۔ معافیدار امر وہہ

”یکم جنوری ۱۹۵۹ء کو تہانہ امر وہہ میں حاضر ہو کر بیان کیا۔۔۔۔۔“

ان کے علاوہ سیکڑوں افراد کے نام ریکارڈ میں ہیں مثلاً عنایت اللہ خاں۔ گوری سنگھ۔

نرجن سنگھ۔ قاسم علی۔ کالے خاں۔ محمد نور خاں (پھانسی)۔ دیپ چند۔ فقیر شاہ۔ گنگو۔ لچھن سنگھ (محمد

نواب پورہ)۔ اکبر بیگ (مغل پورہ)۔ مولے سنگھ۔ دولت سنگھ (دونوں کنگھڑے)۔ بھوپ سنگھ۔ مبارک

علی خاں (قتل ہوا)۔ یعقوب بیگ (پھانسی)۔ شبیر علی (پھانسی)۔ بہادر سنگھ۔ ہدایت علی (پھانسی)۔ نہور

خاں ولد نیاز محمد (کالا پانی)۔ بچھراؤں کے عبد اللہ ولد لطف اللہ۔ (کل ۲۲ باغی سرداروں کی فہرست

ہے)۔ اومری کے شیخ مظفر حسین۔ حیات نگر کے مولے ولد خلدیش قوم انگریز (بجرم نوکری خان بہادر)

سرسی کے شجاعت علی ولد سید تراب علی۔ بھوئی کے مہلا ولد سید مراد علی۔ کاشی پور کے مظفر شاہ خاں

عباس علی خاں۔ شاہ نواز۔ فقیر محمد وغیرہ۔ نوگانواں سادات کے بھی بے شمار نام ہیں۔ ملازمان

سرکار جو فہرست میں چونسٹھ ہیں (از ۲۵ اپریل لغایت ۷ جولائی ۱۹۵۸ء) پھانسی پانے والوں

میں نیاز علی خاں ڈپٹی کلکٹر مراد آباد۔ عابد علی خاں ڈپٹی کلکٹر۔ امانت اللہ وکیل دیوانی مراد آباد

حامد علی تحصیل دار سنبھل۔ کریم بخش پشکار سنبھل۔ ابوالفضل سررشتہ دار فوجداری۔ شہاب الدین

سوار رجمنٹ ۲۔ علی بخش سوار رسالہ ششم۔ امام الدین وکیل دیوانی۔ شاہ محمد خاں سپاہی رسالہ

نواب صاحب۔ غلام قادر دفعدار کوتوالی مراد آباد۔ امیر خاں برقنداز کوتوالی امر وہہ۔ محمد بخش

(ملازم جیل خانہ علی گڑھ کا تھا)۔ ننہا عوف پھلکڑ (نوکری جیل خانہ مراد آباد کا تھا اور شامل فوج باغی

ہو کر رہی کو گیا تھا۔ غلام قادر خاں چپرا سی، منصف حسن پور۔ مہدیو چپرا سی فوجداری۔ دیگر چند اور افراد جن کے نام کے ساتھ سزا حوالات لکھا ہے ان میں فتح سنگھ سوار فوجداری مراد آباد کھیم سنگھ سپاہی۔ عظیم الدین حسین منصف سنبھل۔ ولایت علی وکیل صدر امین۔ سنیل چند سپاہی۔ حلیار ضلع پورنیاں۔ اندرجیت سپاہی وغیرہ۔ امروہہ کا ساکن محمد ولس خاں ناظر ولد عنایت خاں (ساکن محلہ بجر بھٹی، نزد منڈی چوب بڑا بازار) ۱۸۵۹ء تک روپوش تھا۔ بدری سنگھ اور ہدیت رام وغیرہ کا سامان قرق ہوا۔ ظہور حسن تحصیل دار کاشی پور معطل ہوا۔ ان کے علاوہ شاہ غلام بولن مشہور قادری بزرگ حضرت شاہ بلاقیؒ کے پوتے تھے۔ باغیوں کو کھانا کھلانے کے جرم میں انڈیا بھیجے گئے وہیں وفات ہوئی۔ مولوی سراج الدین مولوی منیر علی مولوی شاہ علی مولوی میر علی وغیرہ کا سامان قرق ہوا۔ مولوی زین العابدین کے متعلق ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ جہاد کا پرچار کیا۔ سرکار ریکارڈ میں مفروز لکھا ہے۔ شبیر علی عا جز اور شبیر علی تنہا دونوں بھائی تھے، اچھے شاعر تھے، ایک کو پھانسی ہوئی۔ رفیع علی خاں ولد علی رضا کو گولی ماری گئی ان کے بیٹے رضوان علی تھے جن کا ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ سید عابد علی اور سید عبدالرحیم (اولاد سید محمد حسین سبزواری۔ مزار محلہ مغل پورہ اول) نے فیروز شاہ کورسہ پہنچائی، پھانسی ہوئی۔ حاجی سید احمد علی نے بھی فیروز شاہ کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا، بعد میں روپوش، پندرہ سال بعد حج کیا وہاں فیروز شاہ سے ملاقات ہوئی چودھری غلام قادر بن محمد حیات ساکن اصالت پورہ نے نمایاں حصہ لیا، شہابی نے لکھا ہے کہ خود گو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا، پھانسی ہوئی۔

امروہہ اور دوسرے علاقے | ضلع مراد آباد کے علاقوں میں امروہہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جہاں سب سے پہلے بغاوت شروع ہوئی اور شدید صورت حال درپیش ہوئی۔ اگرچہ سازشوں کی تفصیل دستیاب نہیں لیکن یہ

اندازہ بعید از قیاس نہیں کہ مراد آباد وغیرہ کی طرح امر وہ بھی ان سے متاثر رہا ہوگا۔ جو مراد آباد سے مغرب میں صرف سترہ میل دور ہے۔ یہاں کے بے شمار آدمی میرٹھ وغیرہ کی فوجوں میں ملائے تھے۔ ایک روایت ہے کہ صرف محلہ قریشی کے تیسرا آدمی میرٹھ کی سوار فوج میں تھے۔ بغاوت شروع ہونے کے وقت ان میں کچھ لوگ تھپی پر تھے جنہوں نے میرٹھ کی خبریں آنے پر اپنے وطن میں ہی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مثلاً خلیفہ امان اللہ صدیقی ولد خیر اللہ (محلہ قریشی) نے فوجی خدمات انجام دیں۔ شہر کے ایک مقتدر بزرگ مولوی سید سہمان علی بغاوت سے کچھ قبل بہادر شاہ سے ملے بھی تھے۔ یگان ہے کہ وہ بغاوت کے سلسلے میں دہلی گئے ہوں گے کیونکہ بغاوت کے دوران انہوں نے بہادر شاہ کو عرضداشت بھیجی جس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

”پس از چند سال با تمنائے دلی و آرزوئے قلبی غلامان عقیدت کیش و دعاگو یاں برآمد

کہ سایہ ظل سحانی بر مفارق نطق اللہ گو عقیدت سرا یاں بود مگر بہ عالم ظہور ہم منبسط

مگر دید“ ۲۷

ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ ضلع میں سب سے پہلے امر وہ میں بغاوت کا علم بلند ہوا۔ ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء کو درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں شہر کے تقریباً تیس سو معزز لوگوں کا جملہ ہوا، باہر عوام کا ہجوم تھا۔ دو اشخاص کے علاوہ باقی لوگ بغاوت کے حامی تھے۔ چنانچہ ۱۹ مئی کو سید گلزار علی (بن اکبر علی ساکن دربار کلاں) جو مراد آباد میں مختار تھے، کچھ آدمی ساتھ لے کر یہاں پہنچے اور راتوں رات بغاوت کا منصوبہ بنا کر ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو کئی ہزار آدمیوں نے تھانے اور

۱۔ امان اللہ کو کالے پانی کی سزا ہوئی۔ ۹ فروری ۱۸۵۸ء کو رہا کر دیا گیا۔ امان اللہ کے پرچوتے مولوی عزت اللہ مدرسہ عربیہ جامع مسجد میں حدیث کا درس دیتے ہیں۔

۲۔ رضوی (خورشید مصطفیٰ): تذکرہ بدر پشست ۲۲۹

تھیں پر حملہ کیا، آگ لگائی اور خزانہ (۱۷۰۰۰) لوٹ لیا۔ انگریز حکام پریشان ہوئے مگر کوئی یہاں آنے کو تیار نہ تھا تب سائڈرس نے گورسہائے بھاٹ (ناظر) کو بھیجا جو ۲۴ مئی کو پہنچا اور پیرسید امین الدین کے عالی شان مکان واقع محلہ قریشی میں ٹھہرا۔ جے سی ولسن بھی یہاں آیا، انقلابیوں کو سزائیں دیں اور مکانات مسمار کرائے لیکن مراد آباد میں بغاوت ہو جانے (سربراہان) کے بعد انگریز یعنی تال کو بھاگ گئے اور ناظر گورسہائے بھی جان بچا کر بہ مشکل بھاگ نکلا کیونکہ عوام اس کی جان کے لاگو ہو رہے تھے۔

ایک نئی مصیبت یہ آئی کہ موضع جوں کھیرہ اور لکھوری کے جاٹوں نے امر وہہ لوٹنے کے لیے حملہ کیا، عوام سے مقابلہ ہوا۔ دوبارہ حملے میں انھوں نے مہاجنوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا شہر والے پھر مقابل ہوئے اور بھاٹ ہٹ گئے۔ دوسرے روز پھر پڑھ آئے تو شہر کے تقریباً تمام باشندے متحد ہو کر مقابلے کو نکلے اور شہر آپس کے اتحاد و اتفاق کی بدولت محفوظ رہا اخبار الصناد مؤلف نجم الفنی اور تاریخ اصغریٰ میں یہ تفصیلات ملتی ہیں۔

انگریزی اقتدار کو نیست و نابود کر کے انقلابی رہنماؤں نے یہاں کا انتظام سنبھالا گلزار علی نے انگریزی سکے منسوخ کر کے پرانا سکہ رائج کیا۔ شہر کے سربراہ اور وہ حضرات نے بہادر شاہ کو عرض داشتیں بھیجی۔ ان میں سید شبیر علی۔ شیخ افضل۔ سید سہمان علی۔ شیخ بشارت علی وغیرہ تھے۔ پانچ سو معززین انتظام کے لیے یہاں رہے اور پالیس آدمی ۲۴ مئی (۲۹ رمضان ۱۲۷۲ھ) کو دہلی روانہ ہوئے۔ غازی آباد تک پہنچے تھے کہ ۲ شوال کو نواب ولی داد خاں وہاں سے ملا لکھ لے گئے۔

۱۔ یہ وسیع قلعہ نما عمارتیں اب امین الدین کے بیٹے سید ظفر الدین عرف علی جان کے نام پر علی جان منزل کے نام سے موسوم ہیں۔ دیوان خانہ اُس دور کی یادگار ہے جو شکستہ ہو چکا ہے۔ رام پور کا ولی عہد کلب علی بھی یہاں مقیم رہا ہے۔

شیر علی کے نام دہلی سے شاہی شقہ بھی موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ جب تک پوری طرح امن و انتظام قائم نہ ہو، دہلی نہ آئیں۔ گلزار علی نے خفیہ بھرتی کی اور سامان جنگ تیار کیا، کئی ہزار سوار و پیادہ دور و غیرہ سے بھرتی ہوئے۔ بجنور سے ماڑے خاں بھی مدد کو آ رہا تھا۔ ان تیاریوں میں رڑکی کا سابق تھانے دار خواجہ حسن بھی شریک تھا۔ نواب رام پور کی طرف سے موسیٰ رضا کو توال کو مع فوج بھیجا گیا۔ امر وہہ کے جملہ معزز ہندو مسلمان اس کے پاس آئے اور یقین دلایا کہ کوئی بد امنی نہ ہوگی، فوج واپس لے جائیں لہذا یہ فوج واپس ہوئی۔ لیکن نواب کی فوج نومبر ۱۷۵۷ء میں غلام ناصر خاں اور حکیم سعادت علی کے زیرِ کمان پھر بھی گئی، ۱۹ نومبر ۱۷۵۷ء کو گلزار علی کی فوج سے (عید گاہ کے پیچھے) مقابلہ ہوا جس میں گلزار علی کو شکست ہو گئی اور وہ پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا۔

سنجھل میں صاحب سنگھ اور چھتہ و ساکنان لکھوری وغیرہ نے زیادہ تر نوٹ مار میں حصہ لیا۔ سرائے ترین کے بے شمار افراد بغاوت میں شریک ہوئے جن کے نام سرکاری ریکارڈ میں موجود ہیں مگر یہ فہرست بے حد طویل ہے۔ سنجھل کے قابل ذکر افراد میں امام الدین ہادی دسین۔ قاضی حامد علی تحصیل دار۔ کریم بخش پیشکار۔ اعظم الدین منصف۔ انوار حسین۔ مظہر حسین (بہر دو وکیل) اور مولوی سراج احمد کے نام ہیں۔ اپریل ۱۷۵۸ء میں فیروز شاہ مراد آباد جاتے ہوئے اور پھر واپسی میں سرائے ترین کے قریب نئے خاں کے باغ اور صوفی والا باغ میں ٹہرا، لوگوں نے رسد دی۔ چندوسی میں دھرمان دیانے بغاوت کی رہنمائی کی۔ جنگی خاں مردان خاں اور پورنگا اہیر وغیرہ نے ٹھاکر دوارے میں رہنمائی کی۔ موضع پتئی وغیرہ کے ٹھاکر بھی انقلابی سرگرمیوں میں شریک تھے۔ سہس پور میں بغاوت عروج پر تھی۔ نواب رام پور کے مقرر کردہ افسران نے یہاں جانے سے انکار کیا تو موسیٰ رضا کو توال خود روانہ ہوا مگر یہاں سب کچھ ہو چکا تھا۔ اور مراد آباد کی باغی رجمنٹ بلاری کے تحصیل دار کو گھیر کر خزانہ طلب کر رہی تھی۔ اسی دوران چندوسی میں بغاوت ہو گئی اور مخدوم بخش۔ بابو رام نرائن وکیل کے ساتھ ہی سعد اللہ خاں ساکن سنجھل وغیرہ نے بغاوت میں حصہ لیا۔ حسن پور میں جاٹوں اور پٹھانوں نے بغاوت پر کمر باندھی چنانچہ

گورسہائے اور نواب رام پور کا داماد محمد رضا خاں پہنچے۔ ٹھاکر دوارہ میں ڈھیلا ندی کے کنارے تصادم ہوا۔ پورنگا اسیر کا بیٹا جنگ میں کام آیا۔

امروہہ کے انقلابی جذبات | امروہہ میں بغاوت کی شدت اور عوامی جذبات کا اندازہ متعدد انگریز حکام کے بیانات سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً

شبیر علی کے مقدمے میں (یہ اجلاس رابرٹ ڈنلپ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء) تحریر ہے کہ:

”باوجود اسکے سوائے امروہہ کے کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں، جہاں سرکار انگریزی کی نسبت

اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا ہو یا رعایا اس قدر رضا مندی سے بغاوت کرنے کو

مستعد ہو گئی ہو“

عدالت اسپیشل کمشنر مراد آباد (۲۷ جنوری ۱۸۵۹ء) میں تحریر کیا گیا ہے کہ:

”امروہہ کے سوائے کوئی جگہ ایسی نہیں جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم ترد

نسبت عمل داری سرکار انگریزی ظہور میں آئی ہو“ ۱

قابل ذکر انقلابی افراد میں شبیر علی کو ضبطی جائداد اور کالے پانی کی سزا ہوئی ۲ بشارت

علی خاں کے پردادا درویش علی فرخ سیر کے عہد میں پینچ ہزاری منصب پر تھے۔ اس خاندان کے

دس معزز افراد بغاوت میں پیش پیش رہے۔ انھوں نے دہلی کو عرض داشت بھیجی اور چالیس

آدمی بہ ارادہ دہلی روانہ ہوئے ان میں مظفر علی خاں ۳ مہربان علی خاں (دونوں بھائی)۔ عباس علی

خاں وغیرہ تھے۔ ان لوگوں کو چھانسی اور ضبطی جائداد کی سزا ملی، مکانات (کالی پکڑی) مسمار کیے گئے۔

۱ عباسی: تاریخ امروہہ۔ جلد اول ص ۸۲-۸۰

۲ تقریباً ۱۸۹۵ء میں انتقال ہوا۔

۳ مولانا محمد علی کے نانا۔

۴ عالم فاضل صاحب نسبت بزرگ۔ ایک مسجد (سنہری مسجد) ان کے نام سے ہے۔

بشارت علی کو ۱۰ جولائی ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔ شیخ محمد افضل بن رمضان رئیس اور جاگیر دار تھے۔ ان کے بیٹے شیخ احسن نے بھی بہادر شاہ کو عرضداشت بھیجی۔ بغاوت کے دوران شیخ رمضان کے مکان پر پنجائیت بھی ہوتی تھی۔ روایت ہے کہ جب مکانات (منڈی چوب) خالی کرائے گئے تو ایک پاکی میں بیٹھا کر شیخ افضل کو مراد آبادی دروازہ لے جایا گیا، راہ میں ہارٹ فیل ہو گیا لیکن سرکاری ریکارڈ میں کچھ اور درج ہے جو ابھی نظر سے گزرے گا۔ مولوی سید سبھان علی بغاوت کے بعد کی دارو گیر سے محفوظ اس لیے رہے کہ نواب رام پور نے اپنے تعلقات کی بنا پر سرکاری کاغذات میں سید سبھان علی مفروز کا تذکرہ بڑھا دیا۔ میر بنیاد علی پیرزادہ بھی معزز رؤسا میں تھے۔ انھوں نے درگاہ شاہ ولایت کے جلسے (۱۷ مئی ۱۸۵۸ء) میں شرکت بھی کی تھی اور بغاوت کے بعد ان کا بیان بھی قلم بند ہوا۔ ۱۔ شاہ سید محمد امین غازی نے بھی بغاوت میں حصہ لیا۔ وہ حضرت سید احمد شہید کے ساتھ بھی جہاد میں شریک رہے تھے ایک فارسی مثنوی ”فیروزی نامہ“ ان کی تصنیف ہے جس میں بغاوت کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ۲۔ یہ دو شعرا سی مثنوی کے ہیں:

بھی خواستم از در کسب دیا کہ از ہند بڑ قوم بد بے حیا

نصاری دریں ملک گرد و تباہ گرفتار دہم گشتہ و دوسیا

انگریزی تسلط کے بعد جولوہ زہ خیز مظالم ہوئے ان کی یادیں بھی اب محفوظ نہیں، امر وہم میں بغاوت کی نوعیت کو نظر میں رکھ کر صرف تصور کیا جاسکتا ہے۔ ”باغیان امر وہم“ کے عنوان سے ایک طویل فہرست تیار ہوئی اور سنڑا میں دی گئیں۔ بڑے بازار کے تراہے پر پھانسیاں نصب کھیں اور پھانسی دینے سے پہلے ہاتھ کاٹے جاتے تھے۔

۱۔ رضوی (خورشید): تذکرہ بدر چشت ۳۱۲

۲۔ تذکرہ علیہ باب میں ہوگا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”تذکرہ بدر چشت“ مؤلفہ خورشید

مصطفیٰ رضوی ص ۲۰۱۔ اور روز ناچہ عبداللطیف مرتبہ خلیق احمد نظامی ص ۲۶۔

حسین علی بن امام علی (میر خواجہ ولی جعفر کے پوتے) بھی انگریزی فوج میں تھے، دہلی جاکر جنگوں میں حصہ لیا بعد میں رُوپوش ہوئے۔ امروہہ میں مکانات مسمار کرائے گئے، اولاد میں ڈاکٹر سیف جعفری موجود ہیں۔ محمد ولس خاں ناظر (ساکن محلہ بجر بھٹی نزد بڑا بازار منڈی چوبہ) لاپتہ ہو گیا۔ ایک سپاہی جنگ باز خاں بھی امروہہ آگیا جس کے نام سے ایک نیم کا درخت موسوم ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کا تذکرہ ظہیر دہلوی نے ”داستانِ غدر“ میں کیا ہے۔ امروہہ کے جن لوگوں کو پچھانیاں ہوئیں ان سب کے نام بیان کرنا ممکن نہیں۔ صرف چند نام یہ ہیں جو سرکاری ریکارڈ سے لیے گئے:

چراغ علی بن احمد علی (نوگانواں سادات)۔ سید دلاور علی (نوگانواں) فرحت علی (نوگانواں) رام لال (منشی کلکٹر سابق)۔ محمد بخش (بازار رزاق)۔ چھنگا۔ چیتو قوم ہائیں۔ عزیز اللہ۔ کیشن فیاض علی خاں۔ وزیر علی۔ ہزبر علی۔ فتح علی۔ نذیر علی۔ آغا میر۔ نیاز علی۔ امداد علی۔ جواہر علی۔ مکٹ بہاری (جائداد ضبط)۔ لچھمن داس (جائداد ضبط)۔ سید ابوالفضل۔ ظہور علی۔ رحیم اللہ برادر کریم اللہ میر عنایت علی۔ محراب علی عرف جما۔ نعمت علی گولا باز (۱۹ جون ۱۹۵۸ء)۔ علی بخش۔ غلام محمد (مقدمہ و پچھانسی) ۲ جولائی ۱۹۵۸ء۔ صفدر حسین (۴ اگست ۱۹۵۸ء)۔ پیر بخش عظیم اللہ۔ محمد بخش کریم بخش۔ دائم علی (گھیر مناف) وغیرہ کو ستمبر ۱۹۵۸ء تک مختلف تاریخوں میں پچھانسی اور ضبطی جائداد کی سزا ہوئی۔ گلزار علی نے بریلی کا رخ کیا جہاں خان بہادر خاں نے فوج میں جنرل کا عہدہ دیا۔ ۲۲ جنوری ۱۹۵۸ء کی ایک سرکاری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گلزار علی کی فوج انوپ شہر پر موجود ہے ۱۷ ایس بی چودھری

۱۔ مقدمے کے کاغذات مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں موجود ہیں جس میں دائم علی کی گرفتاری، شمس الدین خاں ساکن گھیر مناف کی ضمانت پر رہائی اور مقدمے کی تفصیل ہے یہ مقدمہ اس عنوان سے ہے ”دائم علی برادر قائم علی ذات شیخ بعلت بغاوت“ دائم علی کے پوتے آل نبی (لاولہ) تھے۔

نواب رام پور کی وفا شعاری کا انعام | رام پور کے نواب نے جس طرح 'وفا شعاریوں' کی انتہا کی اس کا احوال ہماری نظر سے گزر چکا لیکن

ایک لطف کی بات رہی جاتی ہے وہ یہ کہ نواب بے چارے پر ان تمام کارناموں کے باوجود انگریزی عتاب کی برق گرنے کو بھی چنانچہ جب جون ۱۸۵۸ء میں انگریز دوبارہ مراد آباد میں آئے تو نواب کے ایک ملازم یعقوب خاں کو ولسن نے گرفتار کر لیا اور کہا کہ "فیروز شاہ کے آنے کی وجہ تم ہی لوگ تھے اور اس نے نواب کے ایماء سے فوج کشی کی تھی" نواب نے فوراً علی بخش کو بھیجا جو یعقوب خاں کو چھڑا کر لایا اور ولسن سے کہا کہ "خیر خواہی اور جہاں نشاری کا شاید یہی صلہ تھا جو آپ نے دیا۔" ولسن صاحب اس بات پر بھی برہم تھے کہ نواب نے بہادر شاہ کو عرضداشت کیوں بھیجی۔ نواب سے یہ بھی شکایت کی گئی کہ اُس نے اپنے خاندان کا انتظام کیوں نہ کیا اور کیوں بیشتر افراد انقلابی جذبات رکھتے تھے۔ عنایت علی، نوازش علی، عباس علی وغیرہ تیرہ افراد نے بہادر شاہ اور خان بہادر سے رسم و راہ رکھی، چوالیس عرضیاں اور خط ان لوگوں کے دہلی اور بریلی سے برآمد ہوئے۔

بجنور کے علاقے | بجنور، نگینہ، نجیب آباد اور دھام پور وغیرہ میں بغاوت نے تاریخی حیثیت اختیار کی لیکن آپس کی کھوٹ اور خانہ جنگی کو ہوا دینے میں بھی انگریز اور ان کے وفادار سید احمد (صدر امین) تراب علی تحصیل دار رحمت علی ڈپٹی مجسٹریٹ وغیرہ کسی حد تک کامیاب ہوئے۔

مراد آباد کا جیل خانہ ٹوٹنے کی خبروں نے بغاوت کو ہوا دی۔ سرکاری ملازمین میں زیادہ تر لوگ بغاوت میں شریک تھے۔ رام سروپ جمع دار سے لے کر احمد اللہ خاں تحصیل دار نجیب

۱۔ نجم الغنی: اخبار الصنادید۔ جلد ۲ ص ۹۲-۹۸، ۹۰۔ نواب موصوف کو ضلع بریلی کے چند گاؤں کی ایک دھجی دی گئی جو سوار اور شاہ آباد وغیرہ میں شامل ہے۔

آباد وغیرہ بغاوت کے سرغنہ تھے۔ سب سے پہلے برہمنی ۱۷۵۷ء کو نگینہ کی تحصیل پر حملہ ہوا اور خزانہ لٹ گیا۔ جب رڑکی کے باغی یہاں پہنچے تو سید احمد نے انگریزوں کو بچایا اور ان کے بنگلوں پر پہرہ بھی دیا اس کے بعد دوبارہ جب نواب محمود کے حامیوں سے خطرہ پیدا ہوا تو پھر انگریزوں کو بچایا اور میرٹھ روانہ کر دیا۔ انگریزوں نے ۱۷ جون ۱۷۵۷ء کو نواب محمود کو انتظامات سپرد کیے اس دوران بجنور کا جیل خانہ بھی ٹوٹا اور سید احمد (بعد میں سر) نے وفاداری کا ثبوت یہ دیا کہ خزانہ (ڈیڑھ لاکھ) کنویں میں ڈال دیا۔ نواب محمود خاں اس دوران بجنور آیا، نگینہ گیا اور یکم جون کو پھر بجنور آکر انگریز حکام سے بات کی۔ اس پاس کے گاؤں مثلاً فضل پور، جہاں گیر پور، بھوپور، شیخوپورہ، حسین پور، زائن پور، امین پور وغیرہ میں عوام بغاوت پر آمادہ تھے۔ ایک آدھ جگہ مقابلہ بھی ہوا اور انگریز حکام نے یہ گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے۔ تمام سرکاری ملازمین کا رجحان بھی نواب محمود کی طرف تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر انگریزوں نے بھاگنے کا ارادہ کیا نواب نے کہلوادیا کہ فوراً چلے جائیں ورنہ اگر پٹھان بے قابو ہو گئے تو انگریزوں کی قتل و غارتگری شروع کر دیں گے ابھی تک میں نے روک رکھا ہے۔ چنانچہ انگریزوں کے جانے کے بعد نواب محمود کی حکومت باقاعدہ

۱ سرسید نے یہ حالات مخصوص انداز میں "تاریخ سرکشی بجنور" میں بیان کیے ہیں۔ 'وفا شعار یوں' کا نقطہ شروع ملاحظہ ہو کہ نواب کو "نادر خاں" لکھا ہے۔ قاضی عنایت علی کو 'بد معاش' اور حرام زادہ کے خطابات عطا کیے ہیں۔

۲ نواب محمود بن معین الدین عرف بھبھو خاں، نجیب خاں کی اولاد۔ نجیب خاں کو عالم گیر ثانی کے عہد میں نجیب الدولہ کا خطاب ملا۔ ۱۷۵۷ء میں قلعہ پتھر گڑھ بنوایا اور نجیب آباد بسایا اس کی وفات (۱۷۷۷ء) پر ضابط خاں جانشین ہوا جس کے بیٹے غلام قادر اور معین الدین عرف بھبھو خاں تھے۔ روہیل کھنڈ پر انگریزی قبضہ ہونے کے بعد بھبھو خاں کو پنشن مقرر کر کے پہلے بریلی اور پھر ۱۸۱۲ء میں نجیب آباد میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ معین الدین کا بیٹا نواب محمود تھا جس کے دو بیٹے معظّم علی اور غضنفر علی تھے۔

قائم ہو گئی۔ رام سروپ جمع دار فوج بھرتی کرنے میں سرگرمی سے مصروف تھا۔ جیل خانہ توڑنے میں بھی اس نے رہنمائی کی تھی۔

دوسرے علاقوں مثلاً کورت پور منڈا اور دھام پور جیسے قصبوں میں بھی بغاوت ہوئی جس میں گوجروں نے نمایاں حصہ لیا۔ ان کے علاوہ بنجارے، میواتی، جھاٹ اور چوہان بھی بغاوت میں شریک تھے۔ منڈا اور میں بہادر علی خاں بغاوت کا سرغنہ تھا۔ دھام پور کے مولوی قربان علی وغیرہ لکھنؤ گئے، جنگوں میں حصہ لیا، الہ آباد میں گرفتاری اور جائیداد ضبط ہوئی۔

نواب محمود کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ تمام سرکاری ملازمین اپنا کام بدستور کریں لیکن سید احمد خاں، تراب علی، رحمت خاں اور رادھا کشن نے اپنے کام ٹھیک طور سے انجام نہیں دیئے اس پر نواب نے غصے سے انھیں وارننگ دی، سید احمد کو طلب کیا اور سمجھایا مگر وفاداریاں اٹل رہیں ہلدور کے چودھری زندھیر سنگھ اور تاج پور کے پرتاپ سنگھ نے نواب کی مدد کی، بعد میں اختلاف پیدا ہوا، خون خرابہ بھی ہوا لیکن پھر صلح ہو گئی۔ اسی شورش اور فساد کی وجہ سے نواب کا اقتدار کچھ عرصے کے لیے ختم ہو گیا اور انتظام سید احمد وغیرہ نے سنبھالا۔ (اگست ۱۷۵۷ء)

کنج پورہ (نگینہ) کا منیر خاں چار سو مجاہدین کو لے کر بجنور آیا جس کی وجہ سے انقلابی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ منیر خاں نے سید احمد وغیرہ پر انگریزوں سے پیام رسانی اور ساز باز کا الزام لگایا اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی خط و کتابت جے سی ولسن سے جاری تھی۔ منیر خاں نے ان سے گفتگو بھی کی اس کے بعد وہ مع مجاہدین دہلی چلا گیا اور وہاں کام آیا۔

چاند پور کے میر رستم علی اور سید صادق علی^۱ وغیرہ بھی بغاوت میں شریک تھے انھوں نے

۱ ایس بی چودھری ص ۱۰۹

۲ دونوں بھائی اولاد سید محمود منصب دار عہد اکبری از سادات بارہہ، شاخ کنڈلی والی بغاوت کے بعد جائیداد ضبط۔

بہادر شاہ کو عرض داشت بھی بھیجی اور جواب میں شاہی فرمان (ذی قعدہ مطابق جولائی ۱۷۵۷ء) بھی موصول ہوا۔ نواب محمود کے نام بھی شاہی فرمان (۲۸ ذی قعدہ ۱۲ جولائی ۱۷۵۷ء) موصول ہوا امیر الدولہ ضیاء الملک نواب محمود مظفر جنگ کے خطابات عطا ہوئے۔

نفاق پیدا کرنے کی تدبیریں | بعض رئیس ایسے بھی تھے جو نواب محمود سے خائف ہونے کی وجہ سے ہم نوا ہو گئے، لیکن انگریزوں کی پشت پناہی پا کر رخنہ پیدا کرنے کو تیار تھے۔ سید احمد اور دوسرے وفادار بھی یہی کوشش کر رہے تھے۔ انگریزوں کے لیے اس طرح کے موقعے جو پورے ملک میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملتے تھے، اندھا اور دو آنکھیں کا مصداق ہو گئے چنانچہ اگست ۱۷۵۷ء میں انھوں نے ان رئیسوں کو بلا کر نفاق کے راستے دکھائے اور خطوط بھی اسی انداز سے بھیجتے رہے جن سے ہندو مسلم افتراق پیدا ہو کر انگریزوں کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔ چودھری امراؤ سنگھ کے نام ایک خط کے کچھ الفاظ یہ تھے:

”.... اب تم سب ہنود نے اتفاق کر کے اس ظالم نواب کو نکال دیا۔ اگر سابق میں

بھی تمہارے باہم ایسا اتفاق ہوتا تو جس قدر فوج باغی اس نواح میں تھی اس کا مارا

بھانا کیا مشکل ہوتا اور پھر کیا ضرورت چلے آنے کی ہم لوگوں کو وہاں سے ہوتی....“

بعض خطا سرسید نے ”تاریخ سرکشی بجنور“ میں بھی نقل کیے ہیں اور تاریخ روہیل کھنڈ

(قلمی) میں بھی ان خطوں کا ذکر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجنور اور نکیہ وغیرہ علاقوں میں اگست ستمبر ۱۷۵۷ء

میں فرقہ وارانہ فساد رونما ہو گیا۔ نواب محمود نے اب جلال الدین خاں کو نائب اور مختار کل بنایا

کیوں کہ احمد اللہ خاں کی زیادتیوں سے چودھری ناراض تھے۔ ایک مشاورتی کونسل بھی قائم کی

گئی۔ چودھریوں نے پھر سے صلح صفائی کی بات چیت شروع کی نواب کے حکام (سعد اللہ خاں

وغیرہ) نے چودھریوں کو محبت آمیز خط لکھے۔ چودھری زندھیر سنگھ نہٹور آیا اور نواب کی طرف سے

خلعت دیا گیا (۲۵ ستمبر ۱۷۵۷ء)۔ پرتاپ سنگھ اور امراؤ سنگھ بھی نواب کے پاس آئے اور خلعت

سے سرفراز ہوئے۔

بجنور کے انقلابی | نواب محمود کا ایک سالار ماڑے خاں (چودھری امام بخش) شیر کوٹ کا ساکن تھا۔ تاریخ روہیل کھنڈ (قلمی) میں اس کا نام حسین

بخش لکھا ہے۔ اس نے فوج کی تنظیم میں اہم رول ادا کیا، کئی جنگوں میں حصہ لیا، دلیر اور باہمت تھا۔ بجنور میں امن قائم ہو جانے کے بعد قریبی علاقوں کے انقلابی سردار دلیل سنگھ، کدَم سنگھ، رضا حسن (مُچھن) اور قاضی عنایت علی وغیرہ مع ساتھیوں کے یہاں آگئے تھے۔ دہلی سے چند مغل شہزادے بھی آگئے۔ ان لوگوں نے چاروں طرف پرے لگا دیئے۔ قاضی عنایت علی نے متعدد لوہے کی پوکیوں پر حملے کیے، ۵ جنوری ۱۸۵۷ء کو میرن پور کا تھانہ جلا دیا اور کنکھل، ہردوار، جوالا پور، مایا پور وغیرہ پر حملے کیے۔ دسمبر ۱۸۵۷ء میں مظفرنگر کا مہراب خاں مع فوج منڈا اور میں موجود تھا۔ ۱۴ جنوری ۱۸۵۷ء تک ان علاقوں میں معرکے ہوتے رہے۔ احمد اللہ خاں سابق تحصیل دار نجیب آباد ونگینہ (بھانجہ نواب محمود) مختار کل مقرر کیا گیا (بعد میں جلال الدین ہوا)۔ انگریز مصنف رابرٹ ڈنلپ نے اپنی کتاب میں یہ اعتراف کرنے کے بعد کہ بغاوت کے لیے سازش موجود تھی، احمد اللہ خاں کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ ”ہم اس بار کامیاب ہوں گے کیونکہ یہ کام اب لائق ہاتھوں میں ہے“ (اپریل مئی ۱۸۵۷ء)۔ احمد اللہ کا بھائی شفیع اللہ بھی فوج کا سردار تھا، بہادری میں نام پیدا کیا اور جنگوں میں حصہ لیا۔ دوسرے انقلابی سرداروں میں عظمت اللہ خاں روہیلہ منصف ٹھاکر دارہ۔ احمد یار خاں عرف کلن۔ میر امام بخش۔ حبیب اللہ خاں۔ چھیدا لال جمعدار۔ عباد اللہ خاں سابق پیشکار کاشی پور۔ شیو رام گوہر۔ کریم اللہ پیشکار دھام پور۔ منیر الدین تھانہ دارنگینہ۔ عبداللہ خاں جمع دار کرت پور۔ راحت علی ساکن نہٹور قابل ذکر ہیں۔ قاضی عنایت علی ستمبر ۱۸۵۷ء میں یہاں آیا تھا۔ ۲۱ جنگ میں دارانگر پر مع

۱۵

1. DUNLOP (R.H.W): Services & Adventures with Khaki
Resala pp. 152-154

۱۶ انگریزی قبضے کے بعد بنڈیل کھنڈ اور کچھ پال میں ملازمت کی۔ ۱۹۱۰ء میں بمقام الورا انتقال ہوا۔

فوج کے تعینات رہا۔ لالہ مستحدا اس نواب محمود کا معتمد ساتھی، چودھریوں سے گفتگو اور دیگر انتظام میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوجیں جنرل ہونس کی ماتحتی میں نجیب آباد پر پڑھیں اور آخر اپریل تک متواتر جنگوں کے بعد بجنور پر قبضہ کیا۔ نواب محمود مع اہل وعیال اور عبداللہ خاں شفیع اللہ عظمیٰ اللہ چودھری زندہیر سنگھ (ہلدور) وغیرہ رام پور ہو کر بریلی گئے۔ نواب کے بھائی جلال الدین کو کوٹ قادر سے گرفتار کر کے ۲۲ اپریل کو نور پور میں گولی ماری گئی۔

ڈاکٹر سریندر ناتھ سین کا خیال ہے کہ بجنور میں کچھ عرصے کے لیے چودھریوں اور سید احمد وغیرہ کی عمل داری ہو جانا اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ بغاوت کو عوام کی حمایت حاصل نہیں تھی لیکن ایس بی چودھری نے مستند حوالوں اور سرکاری کاغذات کی بنیاد پر اس نقطہ نظر کو غلط قرار دیا ہے۔ خود سب سے بڑے وفادار سید احمد کو اقرار ہے کہ ”ہم نے جو پٹھان اور اور لوگ نوکر رکھے تھے ان کا بلکہ پرانے نوکروں کا بھی خیال نا محمود خاں کی طرف پاتے تھے..... ہر شخص کے دل میں جہم کیا تھا کہ سرکاری عمل داری اٹھ جائے گی اور بے شبہ نا محمود حکومت پر بیٹھے گا۔“ انگریز حکام میرٹھ سے برابر اس کوشش میں تھے کہ فرقہ وارانہ فضا پیدا ہو اور ان کے اشارے پر سید احمد وغیرہ اس کوشش میں معاون تھے انہی وفاداروں کے ذریعے چودھریوں سے انگریزوں کا رابطہ قائم تھا لیکن یہ حالات زیادہ دن تک نہ رہے، چودھریوں نے محمود خاں کے پاس آکر خلعت پایا اور صلح کر لی تو وفادار اپنا سامنے کر رہ گئے۔

درمیان میں جب چودھریوں اور سید احمد نے انتظام سنبھالا تو سید احمد نے تجویز کیا کہ قدیم دستور کے مطابق اعلان میں ”جو ملک بادشاہ کا“ کہا جاتا ہے اس کی جگہ ترمیم کر کے ”ملک و کٹوریہ شاہ لندن کا“ کہا جائے۔ ان وفاداریوں کا اعتراف اس طرح ہوا کہ بعد میں کرا کر افٹ ورسن (جج) نے سید احمد کو شاباش دی اور کہا:

”تم ایسے شک حلال نوکر ہو کہ نازک وقت میں ہمارا ساتھ نہ چھوڑا اس کے صلے میں اگر تمہاری تصویر ہمارے پشت با پشت کی یادگاری اور اولاد کی عزت و فخر کو رکھی جائے تو

بہت کم ہے۔

بجنور کے مسلمان سید احمد کے دشمن ہو گئے کہ تم نے چودھریوں سے مل کر فساد کرایا مگر انگریزوں نے "سب سے بڑے وفادار" کا خطاب دیا۔

پیلی بھیت | عید کے دن (۲۵ مئی ۱۸۵۷ء) باغیانہ اشتہار چسپاں کیے گئے جو حکام نے ہٹوا دیئے۔ یکم جون کو بریلی کی بغاوت کی خبر سن کر انگریزوں

نے متعلقین کو نیننی تال بھیج دیا اور خزانہ اپنے وفاداروں کے حوالے کیا۔ ۱۶ جون کو بغاوت پوری طرح پھیل چکی تھی۔ انقلابی سرداروں میں عبدالرشید خاں، غلام ربانی، کریم اللہ خاں اور مولوی فخر الدین تھے۔ سید فضل حق تحصیل دار بہری اس سے پہلے رام پور میں نائب سرشتہ دار پھر بریلی کمشنری کے سرشتہ دار ہو گئے۔ فیروز شاہ کے ساتھ بھی شرکت کی۔

فوجی سرگرمیاں | نواب ولی داد خاں دہلی اور بلند شہر کی شکست کے بعد مزار کو چک سلطان (بن بہادر شاہ) کے ساتھ بریلی آئے۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں خان

بہادر خاں نے فوجی امداد دی کہ مالاکٹھ پر دوبارہ قبضہ کیا جا۔ ۱۶ اکتوبر کو روانگی طے پائی مگر ملتوی کی گئی۔ سخت خاں اور بالا صاحب فرخ آباد روانہ ہوئے۔ خان بہادر کے ساتھ فوجی سرگرمیوں میں ولی داد خاں کے علاوہ نواب فرخ آباد، راجہ تیج سنگھ اور سو بھارام کانایاں حصہ رہا۔ مولوی سید قطب شاہ (سابق استاد بریلی کالج) نے غازیوں کی فوج منظم کی۔ ہندوؤں میں مہابیر کی جھنڈی کے نام سے پرچم بلند کیا گیا۔ ۲۳ فروری کو باغی سردار رام بہادر نے مع فوج کچلاکھٹا

۱۔ مصطفیٰ علی بریلوی نے کتاب خان بہادر خاں شہید میں لکھا ہے کہ نواب رام پور نے ہر چند بلایا مگر جواب دیا کہ اب تو تمنائے شہادت ہے۔ "رانی جھانسی کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے کام آئے۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب ۸ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بمقام کونج کے قریب جنگ میں مارے گئے۔ (بحوالہ فریڈم اسٹریگل یوپی

(ضلع بدایوں) کے قریب گنگا پار کی ولی داد خاں کے لیے بھی مارچ میں گنگا پار کرنے کی رپورٹ تھی۔
 بجنور میں سیف اللہ خاں کی فوج تھی۔ پتھر گڑھ کا قلعہ انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ احمد اللہ خاں
 ماڑے خاں۔ قاضی عنایت کی سرکردگی میں فوجیں دارانگر پر تھیں۔ کاسکینج کے قریب مارچ ۵۸ء میں
 انقلابی فوجیں بڑی تعداد میں جمع تھیں۔ ولی داد خاں کے علاوہ ان کے بیٹے فیض اللہ خاں (نواب تھپڑ کا میسر)
 محسن علی خاں اور احمد یار خاں کمان کر رہے تھے۔ شہزادہ فیروز اور کوچک سلطان بھی ہمراہ
 تھے یہ فوجیں کچلا گھاٹ، بچپور یہ (ضلع فرخ آباد) اور سورج پور گھاٹ سے پار اترنے والی تھیں۔
 نانا صاحب کے آنے کی بھی خبر تھی۔ سو بھارام فوجی پریڈ کرانے اور میگزین تیار کرنے میں مصروف
 تھا۔ شاہ جہاں پور میں اسماعیل خاں مع فوج (دس ہزار) کے موجود تھا۔ ہلدوانی پر فضل حق کی فوجیں تھیں
 اور راجہ کاشی پور بھی شریک ہو گیا تھا۔ نیاز محمد خاں سہسوان ہو کر گنور آ رہا تھا۔ نانا صاحب کے بریلی
 پہنچنے کی اطلاع تھی (۲۴ مارچ ۵۸ء)۔

ان کاروائیوں پر جے سی ولسن اور اخبار فرینڈ آف انڈیا کی رپورٹ یہ تھی کہ باغی روہیل
 کھنڈ کو مرکز بنا کر چاروں طرف بیک وقت حملے اور گوریلا جنگ شروع کرنے والے ہیں۔ رپورٹ
 میں کہا گیا تھا کہ:

”ہم نہ صرف مال گزاری کا روپیہ بلکہ عزت، وقار اور انتظام سب کچھ کھور رہے ہیں

..... کہیں باغیوں میں کوئی حیدر علی پیدا نہ ہو جائے اس لیے دیر کرنا خطرے سے

خالی نہیں۔ یہ کہنا کہ ہم خان بہادر کو شکست دیں گے، خیالی پلاؤ ہے۔“

۱۰ اپریل ۵۸ء کو شہزادہ فیروز اودھ سے بریلی آگیا۔ میسر گنجر
 انقلابیوں کا قبضہ تھا۔ فروری ۵۸ء میں شہزادے کی طرف
 سے ایک اعلان بریلی سے جاری کیا گیا (۲ رجب ۱۳۷۲ھ ۱۸ فروری ۱۹۵۸ء) جو تمام روہیل کھنڈ
 میں تقسیم کیا گیا۔ اے اعلان میں کہا گیا تھا کہ:

”ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو معلوم ہو کہ طاقت اور اقتدار خدا کی بڑی نعمتیں ہیں اور یہ کسی ظالم کے ہاتھ میں زیادہ عرصہ نہیں رہتیں۔ گزشتہ زمانے میں انگریزوں نے ہندوستان پر مظالم کیے ہیں اور ہندو مسلمانوں کا مذہب بگاڑنے کے درپے ہیں۔۔۔۔۔ خدا نے چاہا تو وہ بہت جلد نیست و نابود ہو جائیں گے۔ جاننا چاہیے کہ ان حالات کی بنا پر ہندوستانی اور فرنگیوں میں دشمنی پیدا ہوئی ہے اور اگر وہ دوبارہ طاقت اور اقتدار پا گئے تو یہاں ہر ایک کا مذہب، عزت اور جان و مال تباہ کر دیں گے۔ میں یہاں وہ قرار دادیں دے رہا ہوں جو ان کی پارلیمنٹ جوڈیشل کونسل سپریم کورٹ کے مشوروں سے طے پائی ہیں تاکہ ہندوستان کے لوگوں کو آگاہی ہو اور وہ ان کے ملیا میٹ کرنے پر توجہ جائیں۔۔۔۔۔ ان کے پادری اور پیر چارک ان قرار دادوں کو لے کر آئے ہیں۔۔۔۔۔ (قرار دادیں)۔۔۔۔۔ اے ہندوستان کے لوگو! ان فرنگیوں کو دیکھو۔ وہ کس قدر تمہارے دشمن ہیں۔ اب اٹھو اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے کمر کس لو۔ اپنے غم کو پختہ کر لو۔ خدا کی امداد اور بھروسے پر فستح پاؤ گے

میں، اس اشتہار کا لکھنے والا، واقعات کا مختصر حال تمہیں سناتا ہوں۔ غور سے سنو اور عمل کرو۔ بغادت شروع ہونے سے پہلے میں مکہ گیا ہوا تھا جب واپس ہو کر بمبئی پہنچا تو مجھے ان عیسائیوں کی تباہی کی خبر ملی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور میں چونکہ اسلام کا پیرو اور انصاف پسند ہوں اور ظلم سے نفرت کرنے والا ہوں، بمبئی سے واپس ہوتے ہوئے میں نے ہندوستان کے عوام کو سڑکوں اور راہوں میں گوالیار تک جہاد کے لیے پکالا اور آج تک کتنے ہی جنگجو سُرما اور سردار مجھے مدد کا عہد دے چکے ہیں۔ گوالیار سے ایک چھوٹی سی فوج میرے ساتھ ہو گئی اور میں نے جنگ کے لیے پختگی سے پلان بنانے کا ارادہ کیا مگر میرے ساتھیوں کا مذہب ہی بوش اسفند

بڑھا کہ نظم و ضبط کو بالائے طاقت رکھ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میری رائے کے خلاف
 آگرے پر بڑھے اور جنگ شروع کر دی۔ وہ تعداد میں کم تھے مگر اس قدر بہادری
 سے لڑے کہ اگرچہ شکست کھائی مگر ایک ہزار فرنگیوں کو ختم کر دیا۔ میرا ساز و سامان
 جاتا رہا اور عزیز اور دوست منتشر ہو گئے۔ اُس دن سے آج تک میرا تمام وقت
 اسی دھن میں صرف ہو رہا ہے کہ دوبارہ جنگ کی بجائے اور گذشتہ تین چار ماہ
 سے میں چند ریاستی حکمرانوں اور معزز جنگ جو لوگوں کو شامل کرنے میں کامیاب
 ہوا ہوں اور ڈیڑھ لاکھ فوج جمع کر چکا ہوں..... ہم بہت جلد ان فرنگیوں کو ختم کر
 دیں گے۔ ہر جگہ بارود وغیرہ جمع کیا جا چکا ہے اور روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ باقی
 ہے، میرا قدم اٹھانا اور جنگ کرنا۔ یہ خالص دینی مقصد ہے لہذا تمام ہندو مسلمانوں
 کو جانا چاہیے کہ جو لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کریں وہ ہمارے ساتھ شامل
 ہوں اور اس اعلان کو دیکھنے پر امید ہے کہ سب اس جہاد میں شرکت کریں گے
 کمزور اور بوڑھے ہمارے لیے دعا کریں۔ دولت مند ہمیں روپیہ دے کر امداد کریں
 اور طاقت ور لوگ میدان میں نکل آئیں لیکن جہاد میں شرکت کے وقت ہر شخص
 یاد رکھے کہ

اول: وہ لوگ جو برعکس قدر یا خان بہادر کے ملازم ہیں اس جنگ میں بغیر اپنے
 آقا کی اجازت کے شریک نہ ہوں کیونکہ یہ دونوں خود بھی فرنگیوں کو نکالنے پر مستعد
 ہیں اس لیے انھیں بھڑانا فرنگیوں کی طاقت مضبوط کرنا ہے۔

دوم: جو لوگ شرکت کریں وہ یاد رکھیں کہ ہم دنیاوی فوائد کے لیے ایسا نہیں
 کر رہے بلکہ عقی اور حصولِ جنت کے لیے کر رہے ہیں.....

سوم: انگریزوں کے خاتمے میں جو دیر ہو رہی ہے وہ خدا ہی کی مرضی سے ہے اور
 اس لیے ہے کہ فوجیوں نے اپنے سرداروں کا حکم نہ مانتے ہوئے بے گناہ عورتوں

اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کیا ہے اور اس قدر ٹوٹ مار پر اتر آئے کہ فتح شکست میں بدل گئی۔ انھوں نے عوام پر بھی ظلم کیے۔ اب ان تمام غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ کرو اور جہاد میں شرکت کرو۔ فتح ہوگی۔

چہارم: سب لوگ دین میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور سب کو مل کر دوش بہ دوش اٹھنا چاہیئے۔۔۔۔۔ میں اپنے اندر بہادری اور جوش کا دریا موجزن پا رہا ہوں میں سر سے کھن باندھ کر اور جہاد کی تلوار کے کمر بسم اللہ کہتا ہوا کھڑا ہو رہا ہوں۔ مجھے فتح کا یقین ہے۔ میں تمہیں بار بار پکارتا ہوں۔ آؤ۔ خدا کے لیے آؤ۔ میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔۔۔۔۔ زندگی اپنی محبوب شے کے لیے قربان کر دو۔ جان ایک دن بھائی ہے۔ اے حافظ و ناصر تو ہی بتا دو توں میں کون سی راہ درست ہے“ (ترجمہ)

(بہادری پریس بریلی میں) بہ اہتمام مولوی سید قطب شاہ بدریہ دروغہ نیاز علی بتاریخ ۲۲ رجب ۱۴۲۲ھ طبع شد)

انقلابی سگرمیاں | بریلی کے آس پاس تصادم برابر ہوتے رہے۔ ۲۵ اپریل ۱۹۵۸ء کو کمرور پر تصادم ہوا یہاں انقلابی دستوں کی کمان اسماعیل خاں کر رہا تھا جو پہلے گنور میں تھا اس کی مدد کے لیے فیروز شاہ اور رحیم خاں بھی پہنچے نواب محمود کے بارے میں اطلاع تھی کہ بجنور کی شکست کے بعد امر وہہ اور بھراؤں میں پناہ لی اور پھر مراد آباد ہو کر بریلی گیا۔ نانا صاحب فروری ۱۹۵۸ء میں برآ کے مقام پر تھے پھر بریلی گئے۔ نواب فرخ آباد شہزادہ فیروز اور اسماعیل خاں بھی بریلی گئے۔ نانا صاحب کے ساتھ اشرف علی (محمد اسحاق تھانہ کانپور کا بھائی) بھی تھا۔ وہ ۱۵ مارچ کے بعد بریلی جا کر

۱۔ ڈاکٹر سین نے اس اعلان کا کچھ اقتباس اپنی کتاب میں دیا ہے۔ یہ مارچ اپریل ۱۹۵۸ء میں تمام روہیلکھنڈ میں تقسیم کیا گیا۔

خان بہادر سے جاملے، گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور بریلی گورنمنٹ کالج میں ٹہرایا گیا (۲۴ مارچ)۔
 خان بہادر نے اپنی فوجوں کا سپریم کمانڈر نانا صاحب کو بنایا۔ فوج از سر نو منظم کی گئی، کچھ سکھ بھی
 بھرتی ہوئے۔ نانا صاحب بدایوں، بسولی، فرخ آباد وغیرہ بھی گئے۔ بابو رام نرائن (چندوی) سہوان
 آگیا، خان بہادر نے کرنل کا خطاب دیا ۲۶ اپریل ۱۹۵۸ء کی اطلاعات کے مطابق رحیم علی کی
 فوج سنبھل میں موجود تھی اور ممئی میں سہوان ہو کر بریلی کی طرف آرہی تھی۔ بریلی کی شکست
 کے بعد خان بہادر نانا، سوہارام اور فرور شاہ کے ترائی کی طرف جانے کی خبر تھی جبکہ کچھ باغی
 فوج ایک گھسان جنگ کے بعد پیلی بھیت گئی لیکن ارمئی کی اطلاع تھی کہ خان بہادر چار
 ہزار فوج کے ساتھ گجرات میں ہے۔

بلہوانی، نینی تال وغیرہ | نینی تال میں مختلف جگہوں سے بھاگے ہوئے انگریز جمع تھے جن کی
 امداد رام پور کا نواب کر رہا تھا۔ خان بہادر کی فوج نے ستمبر ۱۹۵۸ء سے فروری ۱۹۵۹ء تک بار بار بلہوانی
 پر حملہ کیا، ستمبر اکتوبر میں تو بلہوانی پر قبضہ بھی کر لیا مگر واپس چلی آئی۔ یہاں پر انقلابیوں نے استقلال سے
 جنگ نہیں کی چنانچہ سٹھی بھرا انگریزوں کا بال بھی بیکانہ کر سکے۔

کماؤں کے علاقے میں بھی تحصیل خزانہ لٹا، مارشل لانا فذ کیا گیا۔ رام پور کا مستو خاں
 پیادہ اور سوار فوج لے کر آیا۔ رور پور میں کوئی انگریز نہیں مارا گیا لیکن بغاوت ہوئی جوہری
 خاں میواتی (ساکن ہرائی)۔ سمندر خاں۔ من سکھ کرمی۔ منگل خاں۔ کرم علی۔ علی شیخ برقنداز۔
 اور نسیم خاں نے پٹھانوں، میواتیوں اور باغی عوام کی رہنمائی کی۔ ان کے علاوہ زین خاں۔
 عیوض خاں۔ امیر خاں۔ نور خاں۔ فتح علی (ساکن لاہور)۔ نٹھو۔ چھو خاں وغیرہ تھے۔

آخری دور (اودھ اور روہیلکھنڈ)

یہ باب اس کتاب کا آخری حصہ تھا لیکن واقعات کے تسلسل اور اہمیت کے پیش نظر اودھ اور روہیلکھنڈ سے متعلق حالات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ باقی حالات دوسری جلد میں ہی بیان ہونگے۔

انگریزوں کو امید تھی کہ لکھنؤ کی شکست سے بغاوت ختم ہو جائے گی لیکن ایسا ہوا نہیں بلکہ انقلابیوں نے زیادہ گرمی کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی۔ لکھنؤ کی شکست سے کچھ قبل اوٹرم گورنر جنرل کا اعلان موصول ہوا تھا جس میں برطانوی حکومت کی طرف سے سخت اقدامات اور تعلقہ داروں کی جاگیریں ضبط کر لینے کا اعلان تھا اس اعلان کی اشاعت لکھنؤ شکست ہونے کے بعد کی گئی لیکن اس کی اشاعت نے انقلابی گرمیاں پہلے سے کہیں زیادہ تیز کر دیں۔ انگریز مورخ مکلائڈ انس اور ولیم رسل نے حیرت سے اقرار کیا ہے کہ انگریزوں کی دشمنی کے جذبات نئے سرے سے پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھے اور وسیع علاقوں میں بغاوت پھیل گئی۔ اے اوٹرم نے بہت کچھ

1. INNES: Lucknow & Oudh pp. 339-340

دلا سادیا مگر تعلقہ دار وعدوں کے جہاں میں پھنسنے کو تیار نہ تھے۔ تمام اوردھ میں بغاوت کے شعلے بدستور بجھ کر رہے تھے۔

مولانا احمد اللہ کی سرگرمیاں | باٹری (ضلع سیٹاپور) کا معرکہ ہم بیان کر چکے ہیں (۱۲/۱۳ اپریل ۱۹۵۸ء)۔ بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ بیگم حضرت محل نے مع برہیس قدر مولانا احمد اللہ سے شرمساری اور معذرت کا اظہار کیا۔ یہ پشیمانی غالباً لکھنؤ کی شکست سے پہلے کی کشمکش کے سلسلے میں تھی جو کہ اب بعد از وقت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ برہیس قدر مولانا سے بیعت ہو گیا۔ اے تمام انقلابی سرداروں اور عوام نے مولانا کی بے مثال بہادری اور دانش مندی کو محسوس کر کے اپنی خدمات، سونپ دی تھیں اور انھیں انقلابی جدوجہد کا محور و مرکز قرار دے لیا تھا۔

آس پاس کے تمام سردار مولانا سے رابطہ قائم کر رہے تھے۔ امراد سنگھ اور رام سہا کے ایک خط (۱۸ اپریل ۱۹۵۸ء، رمضان ۱۳۷۷ھ) سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنؤ کا شمالی حصہ ویران نظر آتا ہے لیکن جنوب کی طرف جنگ جاری ہے۔ زمیندار اور تعلقہ دار مثلاً مہونا کا راجہ ڈرگ وجے سنگھ، مولانا کی آمد کے منتظر تھے اور پرگنہ کرنی کے زمیندار ان سے ملنے کے انتظار میں تھے۔ دروغہ میگنیزین سید کاظم علی کے خطوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجاؤں نے بیس پچیس ہزار آدمی جمع کر لیے تھے۔ رانا بٹنی مادھو بھی ان سرگرمیوں میں شریک تھا اور یہ فوج ۲۲ اپریل کو دریا پار کر کے بڑھنے والی تھی۔ مولانا غالباً خیر آباد میں تھے۔ ڈرگ وجے سنگھ نے اپنی گڈھی امریا میں فوج منظم کی، توپیں فراہم کیں اور آس پاس کے علاقوں جاؤنگر، بہرام گھاٹ، اور کلوی وغیرہ

۱۔ تاریخ احمدی از فتح محمد تائب (قلمی) میں ہے کہ:

دیا ڈال قدموں پہ ماں نے اُسے اٹھایا شہ با خدا نے اُسے
ہوا بیعت شہ سے پُر نور وہ غبارِ حسد سے ہوا دور وہ

سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ ۱۷ مئی ۱۹۵۸ء میں انقلابی فوجیں بہرام گھاٹ - مسولی - فتح پور - سعادت گنج وغیرہ میں بڑی تعداد میں جمع ہو رہی تھیں۔ ڈرگ بجے سنگھ، جو مولانا سے برابر خط و کتابت کر رہا تھا، مضبوط پوزیشن میں تھا۔ اُس نے مہونا کا تھانہ جلا کر ڈھیر کر ڈالا۔ بارہ بنکی میں بھی انقلابی سپاہ جمع تھی۔ ڈرگ بجے سنگھ نے مختلف علاقوں کو لوٹا، علاقہ کرسی میں چنگی رگائی، لکھنؤ جانے والی ریل روک دی اور بیگم کی طرف سے چکلہ دار ہونے کا اعلان کیا۔ جون ۱۹۵۸ء میں اُس نے مہندا (فتح پور) اور کھنجا پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ وکٹوریہ کے اعلان معافی (نومبر ۱۹۵۸ء) کے بعد اسے جہاں بخشی کا وعدہ کر کے بلایا گیا مگر نہ آیا۔ جب انگریزی فوج بخشی تالاب پر پہنچی تو اُس نے اپنا قلعہ مضبوط کیا اور جنگ کی۔ کیرت سنگھ - امراؤ سنگھ اور تھانے دار شیو دین اس کے ہمراہ تھے۔ فروری ۱۹۵۹ء تک اس کی سرگرمیاں جاری تھیں ۱۷

رانا بینی مادھو سنگھ | شکر پور کے میسواڑہ راجپوت بینی مادھو سنگھ کا کردار بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ وہ آخر دم تک بیگم حضرت محل کے ساتھ رہا۔ ۲۸ اپریل ۱۹۵۸ء کو ہوپ گرانٹ نے شکر پور پر حملہ کیا لیکن اس کی فوج کو تباہ نہ کر سکا اور واپس آگیا۔ کمانڈر انچیف نے بینی مادھو کو یقین دلایا کہ اگر وہ خود کو ہوائے کر دے تو اس کے مطالبات اور جاگیر کی واپسی پر غور کیا جائے گا لیکن اُس نے صاف کہہ دیا کہ وہ قلعہ ہوائے کر سکتا ہے جو اُس کی ملکیت ہے مگر اس کی ذات بادشاہ اودھ کی ملکیت ہے۔ چنانچہ رات کے وقت شکر پور چھوڑ دیا اور ڈونڈیا کھڑہ چلا گیا۔ انگریز افسر باوجود کوشش کے کھوج نہ پا سکے۔ ولیم رسل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ ہمارے خصوصی جاسوسی محکمے کی رپورٹ یہ تھی کہ

- ۱۔ رپورٹ ڈپٹی کمشنر لکھنؤ بہ حوالہ فریڈم اسٹریگل یوپی جلد ۲ ص ۲۷۷
- ۲۔ کاروائی مقدمہ ڈرگ بجے سنگھ بہ حوالہ فریڈم اسٹریگل یوپی جلد ۲ ص ۲۹۲

وہ بے یک وقت تمام مقامات پر موجود ہے۔ کئی بار تصادم ہوئے مگر ہر بار بچ کر نکل گیا۔ اس کی فوج نے بعض جگہ انگریزی فوجوں کو شکست دی۔ بالا صاحب کے نام ایک خط میں اُس نے لکھا تھا کہ ”مجھے واقعی اس قدر شاندار جیت نصیب ہوئی ہے۔ یہ حکومت آودھ کا اقبال ہے اور آپ کی مہربانیاں۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ مقتول انگریزوں اور سکھوں کا شمار کیا جاسکے یہاں ابھی انگریز باقی ہیں اور میں انہیں سزا دینے میں مصروف ہوں۔“ ۱۲ ان علاقوں کے انقلابی سردار حیدر خاں اور شنکر لال برابر بٹنی مادھو سے رابطہ قائم کر کے اپنے کاموں سے باخبر کر رہے تھے۔ ۱۴ جون ۱۸۵۸ء کو بٹنی مادھو پورانی گاؤں (اناؤ اور رائے بریلی کی سڑک پر) میں تھا اُس نے ایک خط میں مولانا احمد اللہ کو مشورہ دیا کہ لکھنؤ پر حملہ کریں، اس وقت فتح آسان ہے۔ موٹیاں اور بیگم جگور کی طرف بھا رہے تھے اور بٹنی مادھو کو اطلاع دی تھی کہ فوج لے کر آئے چنانچہ وہ سمیری سے ضلع ستیاپور میں خیمہ زن ہوا۔ ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ بٹنی مادھو نے ایک اعلان میں لکھنؤ کے باشندوں کو وارننگ دی کہ وہ شہر چھوڑ دیں کیونکہ ہم لکھنؤ پر حملہ کر رہے ہیں۔ ہوپ گرانٹ یہ حملہ روکنے کے لیے بڑھا مگر بٹنی مادھو نے میدانی جنگ کے بجائے گوریلا جنگ کے طریقے اختیار کیے۔ ۱۵

انگریزوں کے پلان | لکھنؤ کی شکست کے بعد کولن کیمپبل نے پھر یہ مسئلہ اٹھایا کہ پہلے آودھ کو کچلنے کی مہم شروع کی جائے یا بریلی پر حملہ ہو۔ اُس نے گورنر جنرل کو لکھا کہ ”آودھ میں ابھی تک سرگرم بغاوت کا سامنا ہے۔ جیسے ہی ہم باغیوں کو کچل کر بڑھتے ہیں وہ ہمارے پیچھے پھر جمع ہو کر آ موجود ہوتے ہیں۔“ گورنر جنرل نے زیادہ

1. RUSSELL: Vol.2 p. 320

۱۵

۱۲ خط مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۵۸ء بمقام ضلع کھیری (۶ شوال ۱۲۷۴ھ)

3. EDWARD (Mecheal): Battles of Indian Mutiny pp. 131-147

۱۶

داخل نہیں دیا اور اب پلان یہ بنا کہ پہلے روسی کھنڈ پر مختلف سمتوں سے حملہ ہو۔ وال پول گنگا کے بائیں طرف، کولن فتح گڑھ سے، پمینی دوسری سمت سے اور ہونس رڑکی سے داخل ہو وال پول نے بڑھ کر جیسے ہی روٹیا کے قلعے پر حملہ کیا، نرپت سنگھ سے شکست کھا کر پسپا ہوا، تاہم لام گنگا کے کنارے کمانڈر انچیف سے طے شدہ اسکیم کے مطابق آملہ۔ جنرل پمینی البتہ ایک مقام لکڑالہ میں الجھ کر جان گنوا بیٹھا۔ ہونس نے ہر دوار کے قریب گنگا پار کی اور بھگنی وال کے جنگل میں انقلابیوں سے تصادم ہوا۔ اس کے بعد مراد آباد پر ٹہر کر میر گنج پہنچا جہاں شہزادہ فیروز موجود تھا لیکن شہزادہ نے بغیر تصادم کے یہ مقام چھوڑ دیا۔ اس درمیان بدھ اپریل ۵۸ء کو کولن کمپبل نے شاہجہانپور پڑاؤ والا اور مختصر فوج جیل کی عمارت میں چھوڑ کر رومی کو فتح گڑھ پہنچا، ہونس بھی آملہ تھا۔ ۵ مئی کو فرید پور میں دونوں کی فوجیں آگئیں۔ یہاں بریلی کے غازیوں سے تصادم ہوا لیکن اس سے پہلے ہم شاہجہانپور وغیرہ کے حالات بیان کر رہے ہیں۔

مولانا احمد اللہ شاہ جہاں پور میں | باڑی سے مولانا احمد اللہ نے قصبہ محمدی کا رخ کیا اور شاید موزوں حیثیت دیکھ کر قیام کیا تاکہ شاہ

جہانپور۔ ہر دوئی اور فرخ آباد پر حملے کیے جاسکیں۔ یہ تمام کاروائیاں اس قدر خفیہ اور اچانک ہوتی تھیں کہ انگریز حیران و پریشان تھے کہ ”باوجود انتہائی کوشش کے مولوی کی روانگی کی سمت کا پتہ نہیں چلتا۔“ جیسے ہی کولن کچھ فوج چھوڑ کر شاہجہانپور سے گیا، مولانا نے حملے کا ارادہ کر لیا لیکن انگریزوں کو جاسوسوں نے چوکنا کر دیا تھا اور انھوں نے محفوظ پناہ گاہ بنائی۔ انقلابی فوج تیزی سے بڑھی، آدھی رات کے بعد چار میل دور قیام کیا، اگلے دن حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ انگریز اس حملے کی تاب نہ لا کر جیل خانے کی عمارت میں بند ہو گئے۔ اس جنگ میں انگریزی فوج تین گنا زیادہ تھی جس میں سکھ اور گورکھ بھی تھے۔

شاہجہاںپور کے نواح میں کئی جنگیں ہوئیں۔ ۲۸ اپریل ۱۵۸۷ء کو موضع بچپور پر گھٹا پر جنگ ہوئی۔ نظام علی خاں کام آگیا اور بخشی رام کا دستہ نے بھی جان دی۔ مولانا عارضی طور پر ہٹ گئے لیکن دو تین دن بعد پھر حملہ کیا۔ اس موقع پر ایک عمارت بھی جلا دی گئی (جو جلی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے)۔ ارمی کے بعد تین چار دن جنگ جاری رہی۔ ارمی کو کھنوٹ ندی کے کنارے جنگ ہوئی۔ انگریزی فوج پانچ گنا زیادہ تھی مگر اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد انگریزوں کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر کے گولا باری کی گئی، کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۵ ارمی تک تمام انقلابی لیڈر یعنی بیگم حضرت محل، شہزادہ فیروز، مایاں صاحب (محمدی کا لاجہ)، نانا صاحب، سخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد، عظیم اللہ خاں، مولوی سرفراز علی، نواب فضل حسین، مولوی لیاقت علی بھی یہاں آپہنچے تھے۔

ایک جنگ قصبہ کانٹ (شاہجہاںپور سے ۲۵ میل) میں ہوئی جہاں انقلابیوں کو شکست ہوئی کیونکہ جنرل جونز بھی آگیا تھا۔ مولانا جنگ کرتے ہوئے مغرب کی طرف جا کر موضع سکندر آباد (تحصیل جلال آباد) میں مقیم ہوئے۔ کمانڈر انچیف کو لن اب خود ادھر متوجہ ہوا، ۱۸ ارمی ۱۵۸۷ء یا اس کے کچھ بعد یہاں پہنچا، مختلف سمتوں سے فوجیں روانہ کر کے چاروں طرف سے گھیر لیا تاکہ مولانا بچ کر نہ جاسکیں مگر یہ تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں اور مولانا اُسی طرف سے صاف بچ کر نکل گئے۔ جدھر کمانڈر انچیف خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس طرح سال بھر کی محنت کے بعد انگریزوں نے جس اودھ سے باغیوں کو دھکیلا، یہ جہاں باز مولوی اب اسی اودھ میں داخل ہو رہا تھا۔ قصبہ محمدی (لکھیم پور کھیری) میں باقاعدہ مولانا کی حکومت قائم ہوئی، نانا صاحب کو دیوان بنایا گیا، سخت خاں وزیرِ دفاع، مولوی سرفراز علی قاضی ہوئے۔ راجہ لونی سنگھ بھی ہمراہ تھا۔ سگہ جاری ہوا:

سگہ زد برہفت کشور خادام محراب شاہ

حامی دین محمد، احمد اللہ باد شاہ

ہردوئی اور فرخ آباد پر حملے | ۱۵۸۷ء کے آخری ہفتے میں (۲۴ مئی) مولانا نے فرخ آباد کی حدود

تک حملے کیے، پنچپوریہ گھاٹ پر بھی موکرہ ہوا۔ آس پاس کے علاقوں کے پٹھان انقلابیوں کے ہمراہ تھے۔ ایک انگریز افسر کی رپورٹ یہ تھی کہ ”وہ پٹھان نہایت احتیاط سے فوجی قافلے کی نوعیت اور روانگی کا وقت معلوم کر کے مولوی کو اطلاع دیتے ہیں۔ انہی کی اطلاع کی بنیاد پر آس کو ہمارے آخری قافلے کے کوچ کی خبر مل گئی تھی“۔ اے چنانچہ سائنڈی ضلع ہر دوئی پر حملہ کر کے انھوں نے قبضہ کیا یہاں نہایت سنگھ بھی اُن کے ساتھ ہو گیا اور تمام سورج بنسی راجپوت بھی (ایک کے علاوہ) ان کے ساتھ تھے۔ انگریزوں کو یہ اطلاعات کسی طرح نہ پہنچ سکتی تھیں کہ مولوی کی نگاہیں اب کس مقام کو نشانہ بنانے والی ہیں۔ ان افسروں کی حیرانی ان کی خط و کتابت سے پوری طرح عیاں ہوتی ہے۔ مئی کے آخر ہفتے میں پالی (ہر دوئی) پر بھی حملہ ہوا، آس پاس کے زمیندار مثلاً کیوں سنگھ (راجپوت سردار) موضع بھوگنی کا نرائن سنگھ کے علاوہ گوکل سنگھ، منالال، دیوانی سنگھ اور جملہ ہندو مسلمان سردار مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پالی کا عنایت خاں بھی ان کے ساتھ تھا اور ٹھاکر ان کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ نہایت سنگھ نے بلگرام کو لوٹا پھر سائنڈی کی طرف بڑھا جہاں مولانا کے ساتھ مل کر دھرم پور کی طرف رخ کر دیا۔ اے پالی پر مولانا کے حملوں کا ذکر آر۔ سی۔ محمد نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن بعض سرکاری کاغذات سے واضح ہوتا ہے کہ پالی، سندی اور بلگرام پر حملہ مولوی لیاقت علی نے کیا تھا، کاغذات میں صرف ”مولوی“ لکھا گیا ہے جس سے الجھن پیدا ہوتی ہے۔

بریلی میں خوں ریز جنگ | ان حالات کو یہاں چھوڑ کر ہم بریلی کی طرف واپس ہو رہے ہیں جہاں فرید پور میں ۵ مئی کو انگریزی فوجیں یکجا ہو کر

۱۔ بریڈ فورڈ اسپینٹ کمشنر فتح گڑھ کی رپورٹ بحوالہ مآثر دلاوری۔ ۱۶۱۔ شاید اسی جاسوسی کی بنا پر سرخ آباد کے کوتوال غلام علی خاں کو پھانسی دی گئی۔

۲۔ فاروقی (ابرار حسین): مآثر دلاوری ۱۶۷-۱۶۵

۳

آگئی تھیں۔ نانا صاحب۔ سخت خاں۔ فیروز شاہ وغیرہ بریلی آگئے۔ فیروز شاہ تو بریلی میں رہا، باقی لیڈر مولانا احمد اللہ کی مدد کو پہنچے۔ شاہجہانپور سے کولن کی فوج بھی بریلی کی طرف بڑھی۔ بیگم حضرت محل۔ ولی داود خاں۔ راجہ تہیا سنگھ اور بالا صاحب بھی بریلی میں تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ گوریلا طریقہ جنگ اختیار کیا جائے اور شہر خالی کر کے تمام روہیلکھنڈ میں پھیل جائیں۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں مگر جب انگریزی فوجیں بریلی کی طرف بڑھیں تو بہادر روہیلے مقابلے پر تیار ہو گئے۔ دشمن کی زبردست فوجوں سے بغیر مقابلہ کیے ہٹے جانا انھیں گوارا نہ تھا۔ خان بہادر خاں کے پاس بڑی توپیں بھی نہ تھیں پھر بھی شہر سے چار میل دور نکیٹا ندی کے کنارے صف آرا ہوئے اور روہیلوں کی اس سرفروشان تگ و تازے وہ تاریخی جنگ پیش کی جو تاریخ کے صفحات پر غازیوں کی جنگ کے عنوان سے ثبت ہے اور دشمن بھی دل کھول کر داد و تحسین بلند کر رہا ہے۔

پہلے انگریزی توپ خانہ حرکت میں آیا لیکن غازیوں نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غضب ناک ہو کر حملہ کیا اور پنجاب، اُفلس کے دستوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جب سنگین بردار فوج آگے بڑھی تو غازیوں نے ڈھالیں اپنے سروں پر کر لیں، مگر کے بل جھک گئے اور تلواریں گھماتے ہوئے سنگینوں کے نیچے پہنچ کر انگریز فوجیوں کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ آخر کار ایک بھی غازی زندہ نہ بچا۔ یہ تو ہونا ہی تھا گمر میلسن، فوربس میچل، ولیم رسل اور دیگر متعدد مصنفوں نے انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ میچل اس جنگ کا عینی شاہد ہے، کہتا ہے:

”سبز رنگ کے صافے اور پٹکے باندھے ہوئے، بائیں ہاتھوں میں ڈھال اور دھار

دار تلواریں لیے ہوئے تھے۔ غضبناک ہو کر اندھا دھند حملہ آور ہوئے۔ وہ اپنے جسموں

کو جھکائے ہوئے تھے۔ کسی نے بھاگنے کی کوشش نہ کی، مرنے یا مارنے کو نکلے تھے۔“

فوربس میچل نے اندازاً اُن کی تعداد تین سو ساٹھ بتائی ہے۔ سر کولن اُن کا تیزی سے

حملہ دیکھ کر حیرت میں رہ گیا، چلا چلا کر صرف اتنا کہہ سکا

”نمبر ۴۲۔ قدم جمائے رہو، سنگینوں سے مقابلہ کرو۔ یہ غازی ہیں۔“

غازی ہیں۔!“

بعض کتابوں میں ہے کہ یہ غازی قرآن پاک کے الفاظ کی انگوٹھیاں پہنے تھے، دہنی طرف سے ”بسم اللہ۔ اللہ۔ دین دین“ کے نعرے لگا کر حملہ آور ہوئے۔ اے رسل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ وہ اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے مگر ان کے دلیرانہ حملے نے گوروں کو بدحواس کر دیا اور وہ گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہائی لینڈرز نے ان کی پیش قدمی روکنا چاہی مگر وہ آگے بڑھتے چلے گئے اور کچھ تو انگریزی فوج کے پیچھے تک پہنچ گئے۔ وہ وہیں لڑتے ہوئے ختم ہو گئے مگر گوروں کو بھی یوں کاٹ کر پھینک دیا جیسے گھاس کے پورے درانتی سے کٹتے ہیں۔ ان میں صرف ایک زندہ بچا تھا جو کسی تاک میں دم سادھے پڑا تھا۔ جیسے ہی کمانڈر انچیف ادھر آیا، وہ لاشوں کے درمیان سے اٹھ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ انگریزی فوج کے ایک سکھ نے اس آخری غازی کا خاتمہ کر دیا۔

۵ مئی ۱۸۵۸ء کو شہزادہ فیروز نے بغیر مقابلہ کیے میر گنج (ضلع بریلی) چھوڑ دیا۔ البتہ نکیٹانندی کے کنارے خان بہادر خاں کے ساتھ تھا۔ ایک چشم دید بیان ہے کہ عین جنگ کے وقت خان بہادر خاں کا ہاتھی بگڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور فوج میں افراتفری پھیلنے لگی لیکن شہزادہ تیغ آزمائی کے جوہر دکھاتا رہا ”جس سمت گھوڑے کی باگیں موڑ دیتا صفیں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیتا۔۔۔۔۔ جس وقت مجاہدین اللہ اکبر اور یا علی کے نعرے

۱۰

1. MITCHELL: Reminiscences pp. 254-256

CHAUDHURI: Civil Rebellion in Indian Mutinies. P.113

EDWARDS (Mecheal): Battles of Indian Mutiny p. 147

بلند کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ عرش کے کنگرے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔“ اے آخری جنگ
شہر کے متصل چھاوینی کے قریب ہوئی۔ روایت ہے کہ اس میں ولی داد خاں۔ بٹے میر خاں
اور گل داد خاں وغیرہ شامل تھے۔ ایک انگریز افسر فوربس میچل، جو موقع پر موجود تھا، اپنی
یادداشت میں غازیوں کی جنگ کے بارے میں لکھتا ہے :

”خان بہادر خاں کی فوج میں غازیوں کی ایک جماعت تھی، یہ شہادت کے نشے میں
چور تھے..... دین دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آئے۔ حملہ آور ہونے سے پہلے ان
کا سردار جو ایک بیس سالہ نوجوان تھا، جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا، صف
سے آگے بڑھ کر ہم سے یوں مخاطب ہوا۔ ”کیا تم میں کوئی حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ
کر سکے؟ اگر ہے تو سامنے آئے۔“ اس کی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا کوئی
آگے نہ بڑھا۔ ایک منٹ کے بعد پھر پھیلنے دیا اور کہا۔ میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ
کر سکتا ہوں، لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔ آخر جھنجھلا کر اُس نے تلوار میان سے
نکالی اور ہماری صفوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ چشم زدن میں اٹھارہ آدمیوں
کو زخمی کر دیا۔ اس کی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اس قدر متاثر ہوا کہ
اسکو زندہ گرفتار کرنے کا حکم دیا۔..... زخمی ہو جانے کے باوجود جبکہ اس
کے ہر عضو سے خون کے فوارے نکل رہے تھے، اس نے دوبارہ اُسی شدت سے
حملہ کیا۔ جب کمانڈنگ آفیسر نے دیکھا کہ اگر اس کو قتل نہ کیا گیا تو شاید ساری
کمپنی (سٹو آدی) کا صفایا کر دے گا۔ تو مجبوراً اس نے حکم دیا کہ ”سگینوں سے

اے رسالہ ’العلم‘ کراچی۔ اپریل جون ۱۹۵۷ء ص ۳۷ تاریخ روہیلکھنڈ (قلمی)
میں ہے کہ ”روز چہار شنبہ ۲۰ رمضان ۱۳۷۶ھ ۵ مئی ۱۸۵۸ء کے لڑائی ہوئی۔۔۔
فی الحقیقت اس لڑائی میں فیروز شاہ نے بڑی بہادری کی“

خاتمہ کر دو۔“ یہ سُن کر سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور اپنی سنگینیں بہ یک وقت اس کے سینے میں پیوست کر دیں لیکن جب تک اس کی رُوح جسم میں باقی رہی، برابر اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہا۔“ ۱

غازیوں کی جواں مردی پر ساور کر کا خراج تحسین:

”دنیا کی تاریخ میں بے مثال بہادری اور شہادت کی مثالوں میں کوئی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی“ ۲

خان بہادر خاں نے شہر خالی کر دیا مگر انگریزی فوج کو شہر میں داخل ہونے میں تامل تھا کہ کہیں پھر غازیوں سے پالانہ پڑ جائے۔ شہر خالی ہو گیا تو یہ فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ خان بہادر اور دوسرے انقلابی پہلی بحیثیت کی طرف نکل گئے۔

شہزادہ فیروز سندیلے میں | جب قصبہ محمدی میں مولانا کی حکومت قائم ہوئی تو شہزادہ فیروز سندیلے چلا گیا، تھانے تحصیل

پر حملہ کیا، بانگرمو اور صفی پور وغیرہ پر قبضہ کر لیا، تمام زمیندار اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جب انگریزی فوجوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تو خیر آباد گیا۔ وہاں کے ناظم ہر پرشاد اور مولوی محمد کو راجہ گلاب سنگھ کی مدد کے لیے بھیجا۔ اسی طرح مختلف مقامات پر جنگ کرتا ہوا محمود آباد آیا۔ انقلابی افسروں کو جمع کر کے اُس نے کہا کہ ”میں نے جان پر کھیلنے کا تہیہ کر لیا ہے تم میں جو شخص سرفروشی کا عہد کرے وہ میرے ساتھ رہے ورنہ یہاں چاہے چلا

MITCHELL (Fobes): Reminiscences of the Great Indian Mutiny

p.255

۱ 'العلم' جنگ آزادی نمبر ۸۵-۸۴

۲

2. SAVARKAR: p.451

جائے۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادہ اُس دن فاتے سے تھا۔ ”قیصر التواریخ“ میں ہے کہ تقریباً ایک ہزار ہمراہیوں کو لے کر باڑی روانہ ہوا۔ گنگا کے ایک گھاٹ سے اتر کر کئی جگہ تصادم میں حصہ لیتا ہوا چلا گیا۔ اے مشہور ہے کہ وہ بعد میں مولانا کے ساتھ پھر کچھ عرصے کے لیے شامل ہو گیا تھا لیکن سندیلہ اور خیر آباد کے علاقوں میں جو آگ اُس نے لگا دی تھی وہ عرصے تک قابو میں نہ آئی۔ ملیح آباد کے پٹھانوں نے لکڑ شاہ کی رہنمائی میں جدوجہد جاری رکھی۔ راجہ ہر پرشاد نے اکتوبر ۱۸۵۸ء میں پھر سندیلہ پر حملہ کر دیا۔ موہن لال گنج میں شیخ مصائب علی نے کرمی سردار نوشمال چند کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیا اور دونوں سلیم پور کے قریب جنگ میں کام آئے۔ اس دوران (جون ۱۸۵۸ء) نرپت سنگھ بھی شہزادہ فیروز کے ہمراہ ہو گیا، پورا علاقہ باغی تھا۔ ہم عصر رپورٹوں میں اقرار ہے کہ تمام زمیندار اور تعلقہ دار شہزادے کی مدد کر رہے تھے۔

۲۸ اگست ۱۸۵۸ء کو انقلابی فوجیں سلطان پور میں جمع ہو گئیں، ہوپ گرانٹ سے مقابلہ ہوا اور گھمسان جنگ کے بعد جسے مکلائڈ انس نے ”صحیح قسم کی جنگ“ کہا ہے انقلابی پسپا ہوئے لیکن ابھی اودھ کے تمام دوسرے علاقوں میں بغاوت ہو رہی تھی۔ رانا بیہی مادھو، لال مادھو سنگھ (امیٹھی)، ہنومنٹ سنگھ نانا صاحب۔ بالا راؤ، جوالا پرشاد، مہدی حسن، محمد حسن میدان میں تھے۔ بغاوت لکھنؤ کے قریب پھر بھڑکنے لگی۔ جب مختلف انگریزی فوجوں نے ان علاقوں کو گھیرا تو انقلابیوں کو گھاگرا کے پار دھکیلا جاسکا۔ یہاں شہزادہ فیروز بھی بسوا کے قریب اس گھیرے میں آگیا لیکن اُس نے فوراً سندیلے کے جنوب کی طرف واپس ہو کر گنگا پار کی اور پھر جمناسے پار اتر گیا اس طرح اودھ کا مغربی

۲۸ مئی ۱۵۸۰ء کو انگریزوں کی طرف سے مولانا
راجہ پوایاں اور مولانا احمد اللہ

احمد اللہ کو گرفتار کرنے والے کے لیے پچاس
ہزار روپے انعام کا اعلان کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے درمیان یہ اشارہ بھی
کر دیا تھا کہ اب ہم نگاہوں سے اوچھل ہو جائیں گے۔

راجہ پوایاں جگناتھ سنگھ بغاوت کے شروع میں انگریزوں کو پناہ نہ دینے کی ہنا
پر ان کا دشمن سمجھا جاتا رہا اور مولانا اُسے اپنا ہمدرد سمجھتے تھے۔ کچھ عرصے سے اُس کا
بھائی بلدیو سنگھ مولانا کے ہمراہ تھا اور راجہ کی شکایت کرتا تھا کہ وہ انگریزوں کا حامی ہو گیا
ہے اس لیے اس کے بجائے بلدیو کو گدی پر بٹھایا جائے۔ بلدیو کے پیہم اصرار پر مولانا پانچ سو
سواروں کو ہمراہ لے کر پوایاں گئے۔ سواروں کو قریب کے باغ میں ٹھہرایا اور خود دو سواروں
کو لے کر گڑھی پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ بعض کتابوں میں ہے کہ وہ امداد کے لیے راجہ سے
ملنے گئے اور اُس نے امداد کا وعدہ کیا تھا لیکن تاریخ احمدی (مؤلف فتح محمد تائب) اس کی
تصدیق نہیں کرتی۔ اس میں بیان کردہ واقعہ مختصر طور پر یہ ہے کہ گڑھی کے دربانوں نے راجہ
کے پوچھا کرنے کا غدر کیا۔ کچھ انتظار کے بعد مولانا نے ہاتھی طلب کیا اور دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔
وہ خود گھوڑے پر سوار تھے کہ اتنے ہی میں گڑھی کے پھاٹک سے ابھرا راجہ موجود تھا، گولیاں
چلیں جن سے مولانا اور ان کے دونوں ساتھیوں کی شہادت واقع ہو گئی۔ یہ واقعہ بروز منگل
۱۵ جون ۱۵۸۰ء (۲ ذی قعدہ ۱۰۴۰ھ) کا ہے۔ راجہ کی انگریزوں سے ساز باز کا راز شاہجہانپور کے
مجسٹریٹ جی پی منی کے ایک خط سے افشا ہوتا ہے جو اس نے روہیل کھنڈ کے کمشنر کو لکھا
(۷ جون ۱۵۸۰ء) :

”اب میں آپ کو مزید رپورٹ دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ پوایاں کارابہ گذشتہ رات کو یہاں آیا اور اپنے ساتھ مولوی کا سر اور جسم لایا..... اور جس کا کہ میں دن بھر انتظار کرتا رہا۔ دوپہر کے بعد اس کے نہ آنے سے مجھے بے قساری شروع ہوئی..... سر کو پوایاں کے کئی آدمیوں سے شناخت کرا لیا گیا کہ یہ مولوی احمد اللہ شاہ کا ہے..... سر کو پبلک کے سامنے کو توالی پر رکھا گیا اور جسم کو برسر عام آج صبح جلا کر راکھ دریا میں بہا دی گئی..... میرے پاس چند دوسرے ذرائع سے جو خبریں آئی ہیں ان کے پیش نظر میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سخت قسم کا تصادم ہوا..... جب میں نے ضلع کا چارج لیا ہے میں برابر راجہ پر دباؤ ڈالتا رہا کہ اگر اُس نے حکومت برطانیہ سے ہمیشہ کی طرح پھر وفاداری کا اظہار کیا تو اس کو فائدہ پہنچے گا..... جب مجھے یہ خبر ملی کہ محمدی کے باغیوں کی طرف سے پوایاں پر حملے کے امکانات ہیں تو میں نے اسے لکھا کہ وہ مولوی کو گرفتار کرنے کا یہ موقع بہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے اور مجھے خوشی ہے کہ آخر کار اس میں کامیابی ہوئی اور ایک ایسا باغی لیڈر جو اپنے پیروں پر حیرت انگیز اثر کی بنا پر انتہائی پریشان کن ثابت ہوا تھا، نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے“۔

گولی لگنے کے بعد راجہ اور اس کا بھائی گڑھی سے باہر آئے۔ مولانا کے خون آلود سر کو تن سے جدا کیا اور قریب ہی تیرہ میل دور انگریزی کیمپ میں (شاہجہانپور) لے گئے۔ انگریز افسر رات کا کھانا کھا رہے تھے جب راجہ نے اندر داخل ہو کر یہ تحفہ پیش کیا۔ اگلے

۱۔ یہ خط نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں موجود ہے اور راقم الحروف کی نظر سے بھی گزرا ہے۔ بعض خطوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت کنہیا لال مصنف ”مہار بے عظیم“ بھی اس سازش میں شریک تھا۔

دن جسم کو جلا کر راکھ دریا میں بہا دی گئی۔ اور سر کو کو توالی پر رکھ لایا گیا۔
خراج تحسین | جب یہ خبر انگلینڈ پہنچی تو انگریزوں کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ ہومز خوشی سے بے تاب ہو کر کہتا ہے:

”شمالی ہند میں برطانیہ کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ختم ہو گیا،“

وہ یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ:

اس پیمانے سے مناسبت دیکھی جائے تو تمام باغیوں میں وہی بادشاہت کے

لیے سب سے زیادہ مستحق تھا“

ساور کر بھی اس اقرار پر مجبور ہے کہ:

”مولوی کی زندگی سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلام کا سچا پرستار مادرِ وطن کے

لیے زندگی قربان کرنا فخر سمجھے گا“

میلیسن کی رائے ہے کہ:

”مولوی بڑا عجیب انسان تھا۔۔۔۔۔ فوجی لیڈر کی حیثیت سے اس کی صلاحیت کے

بہت سے ثبوت ملے ہیں۔ کوئی اور شخص یہ ناز نہیں کر سکتا کہ اس نے سرکارِ

کیمپبل کو دو مرتبہ سر میدان شکست دی۔۔۔۔۔ اگر ایک انسان کو جس کے وطن کی

آزادی بے انصافانہ سے چھین لی گئی ہو اور جو اسے پھر آزاد کرانے کی کوشش کرے

اور اس کے لیے جنگ کرے، محب وطن کہا جاسکتا ہے تو بیشک مولوی ایک سچا

محب وطن تھا۔ اس نے کسی بیکس کی موت سے اپنی تلوار کو کلنک نہیں لگایا نہ تھپتھپ

اور بے قصوروں پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس نے مردانہ وار آن بان کے ساتھ ڈٹ

کر کھلے میدان میں اُن غیر ملکیوں کا مقابلہ کیا جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا

تھا۔ ہر ملک کے بہادر اور سچے لوگوں کو مولوی کو عزت سے یاد کرنا چاہیے۔ ۱

ایک اور مورخ ٹامس سٹین نے لکھا:

”وہ بڑی قابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف نہیں کرتا تھا۔ اپنے غم کا پکٹا

اور مستقل مزاج تھا۔ باغیوں میں اُس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس

نے ہی چپا تیاں تقسیم کرائیں۔“ ۲

مولانا احمد اللہؒ کا حلیہ | میلیسن نے مولاناؒ کا حلیہ بھی بیان کیا ہے جس کے مطابق وہ
دُبلے لمبے اور گٹھیلے جسم کے تھے۔ آنکھیں بڑی اور گہری تھیں۔

بھنویں گھنی اور آگے کی طرف نکلی ہوئی تھیں۔ عقابی ناک جو آگے سے مڑی ہوئی تھی۔ ایک اور
شخص جس نے شہادت کے بعد شناخت کیا، یہ حلیہ بیان کرتا ہے کہ ”سانولا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں
اور بال تمام سر پر تادوش اور داہنے ہاتھ کی ایک انگلی کھڑی ہے۔“

مولاناؒ کے سر کا راز | جیسا کہ ابھی بیان ہوا، جسم کو جلا کر راکھ دریا میں بہا دی گئی۔ ایک
روایت ہے کہ کر بلا کے میدان میں جسم کو جلانے کے بعد گدھوں کا

ہل چلوا گیا۔ ’تاریخ احمدی‘ کا بیان یہ ہے کہ

جلایا کیے جسم کو تین روز | نہ لیکن جلا وہ تین جہاں فروز

اُن کے سر کو توالی شاہ، بھہانپور پر لٹکایا گیا۔ بعض جگہ بیان ہے محلہ احمد پور میں شہر
کے باہر موضع جہان آباد (یا گنج) میں ایک چھوٹی ٹسی مسجد کے قریب سر کا مدفن ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ یہ وہ کھیت ہو جہاں جسم کو جلایا گیا لیکن انگریزوں سے یہ توقع بعید از قیاس ہے کہ وہ کوئی
مدفن بنا کر یادگار بنادیں کیونکہ مولاناؒ کی حیرت انگیز مقبولیت کا انھوں نے بہ چشم خود مشاہدہ کیا

ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر آخر سر کہاں گیا؟۔ اس کا لازماً صرف ایک انگریز مورخ رچرڈ کولیر نے اپنی کتاب (Sound of Fury) میں کھولا ہے کہ دوسری جنگ عظیم تک لندن کے رائل کالج آف سرجنری کے میوزیم میں مولوی کا سر موجود تھا، دیکھنے والوں کے لیے یہ ایک انوکھی اور عجیب شے تھی۔

مولانا کی شہادت کی خبر جب محمدی میں پہنچی تو انقلابی سردار جوش راجہ پوایاں پر حملہ | انتقام سے دیوانے ہو گئے۔ اسماعیل خاں نے پوایاں پر حملہ کیا۔ ۲۲ جون ۱۹۵۸ء کے اس حملے میں محمدی کے تعلقہ دار بھی شامل تھے۔ انھوں نے راجہ کی گڑھی چھین لی، تاخت تاراج کیا مگر راجہ ایسا چھپا کہ ہاتھ نہ آیا۔ تمام اودھ میں یہ غم ناک خبر پہنچی انقلابی عوام شکستیں کھانے کے باوجود آگ اور خون کے دریا میں کود پڑے۔ اودھ پھر دشمن کو لاکار رہا تھا۔ نظام علی خاں (یا خان علی خاں) پٹی جھیت کی طرف بڑھا۔ خان بہادر خاں کے ساتھ چار ہزار جاں باز میدان میں نکل آئے۔ نانا صاحب۔ بالا صاحب اور علی خاں میواتی وغیرہ نے روہیل کھنڈ اور اودھ میں تین ہزار سپاہ کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی۔ نواب فضل حسین اور ولایت شاہ بھی اپنی فوجوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔ پوایاں کا راجہ کانپ اٹھا، انگریزوں نے اس کی حفاظت کے لیے دستے روانہ کیے۔ گھاگرا ندی کے کنارے چوک گھاٹ پر بیگم حضرت محل کے ہیڈ کوارٹر تھے ان کے پیچھے راجہ رام بخش۔ بھوناتھ سنگھ۔ کنڈا سنگھ۔ گلاب سنگھ۔ بھوپال سنگھ۔ ہنومت سنگھ وغیرہ اپنی فوجیں لیے ہوئے تھے۔ شہزادہ فیروز بھی یہیں آگیا تھا۔ راجہ بینی مادھو

1. RICHARD COLLIER: Sound of Fury p. 350

۲۱ میں جناب محمد صدیق کا ممنون ہوں جنہوں نے میری کتاب ”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء“ پڑھ کر مجھے خط لکھا اور اس طرف توجہ دلائی۔ میں نے میوزیم کے ڈائریکٹر کو خط لکھ کر تصدیق چاہی تو جواب میں انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

اپنے قلعہ سے نکل کر کانپور کی راہ سے لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گونڈہ کے راجہ نے راجپوت فوج منظم کر کے گھاگرا کے بائیں کنارے پر انگریزی دستوں کا مقابلہ کیا۔ بینی مادھو نے گوریلا طریقے سے جنگ شروع کر دی۔ اس کے اٹھی ہزار ساتھی اودھ کے پچھے پچھے پر پھیل گئے اور انگریزی دستوں پر اچانک حیران کن حملے کیے۔ محمد حسن نے فیض آباد کے قریب کئی بار جنگ کی۔ لال مادھو سنگھ نے امیٹھی پر دفاع کیا۔ ہری چند نے چھ ہزار فوج کے ساتھ سندیلے سے دس میل شمال میں گومتی کو پار کیا۔ ہر بار شکست ہوئی مگر انگریزی فوجوں کو بھی سخت نقصان پہنچا یا اور ان کے وفاداروں مثلاً سراؤں کا رام پرشاد اور مان سنگھ (شاہ گنج) کو حملے کر کے مزا چکھا دیا ان کے جذبات اور ہمتیں ہمیشہ کی طرح بلند تھیں۔

گرمی کے موسم میں جنگ کرنا انگریزوں کے لیے سخت تکلیف دہ تھا۔ مگر اودھ کے انقلابیوں نے چین نہ لینے دیا۔ بیسواڑہ کے علاقے میں تعلقہ دار مع فوجوں کے میدان میں تھے۔ مولانا کے ساتھی شمالی مغربی اودھ میں اور دوسرے گروہ مختلف جگہوں پر تھے۔ تمام صوبے کی دیہاتی آبادی پوری طرح بغاوت پر کمر بستہ تھی۔ ضلع پوروا کے علاقوں میں برابر بغاوت جاری تھی۔ ان کے لیڈر دیوی بخش۔ رگھو سنگھ (ساکن موٹائی)۔ بابو رام بخش اور شیو رتن سنگھ تھے۔ منصب علی اور جیت بہادر نے سکندر پور (اناؤ) پر حملہ کیا۔ رسول آباد اور بلگرام کی پولیس تک باغی ہو گئی تھی۔ سندیلے پر حملہ یکم جون کو ہوا۔ مہدی حسن نے فیض آباد اور اجودھیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ پیر پور۔ سمن پور اور بدھا پور وغیرہ کے تعلقہ دار اس کے ساتھ تھے۔ راجہ دیبی سنگھ اور گجادر کپتان آخر می میں محمد پور میں خیمہ زن تھے۔ وزیر علی منہم دریا بادی راجہ کے ساتھ تھا۔ چکلا دار غلام حسین اکبر پور کی طرف

1. MAJUMDAR: pp. 80-81

2. INEES: Sepoy Revolt pp. 247-254

بڑھ رہا تھا اور نہ پتہ سنگھ روٹیا پر فوج جمع کر رہا تھا۔

جولائی اگست ۱۸۵۸ء میں بھی یہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ حکام کے خطوں اور رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بمبئی مادھو کے ساتھی کانپور روڈ کے جنوب مشرق میں گاؤں جلا رہے تھے۔ نہ پتہ سنگھ نے ٹیکس وصول کرنا اور گولا بارود بنانا شروع کر دیا، لکڑی شاہ نے سندیلے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہر پرشاد کے ساتھ خیر آباد کے قریب دس ہزار فوج تھی۔ شہزادہ فیروز بھی انہی علاقوں میں موجود تھا اور تھانوں پر حملے کر رہا تھا۔ ۱۷ غلام حسن خاں اور حیدر علی خاں نے فیض آباد سے نکل کر ڈیرا کے قریب حملے کیے۔ دریا باد کے جنوب سندھور کے علاقے پر بھی انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ خان علی خاں پوایاں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہر پرشاد محمود آباد تک بڑھ گیا۔ باغی لیڈروں کے خطوط انگریزوں کے ہاتھ لگے جن سے ان کے ارادوں کا اندازہ ہوا۔

بگیم حضرت محل کے رفیق موتو خاں نے اپنی لیاقت اس طرح دکھائی کہ بونڈی پہنچنے پر بگیم سے علیحدہ ہو گیا۔ بخت خاں اور نانا صاحب نے بلرام پور کے راجہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ خان بہادر خاں محمدی کے شمالی علاقے سکندر آباد میں تھے۔ کشف علی اور عنایت علی خاں نے بلگرام کے علاقوں کو گھیر لیا تھا۔ ثمن پور کے ملک تفضل حسین۔ طانڈے کے راجہ عباس علی۔ حسن پور کے راجہ حسین علی بھی سرگرم تھے۔ بمبئی مادھو، جو رام بخش کو مہر کھیرہ میں پھوڑ کر سالوں کی طرف گیا تھا، اگست میں امیتھی کے راجہ لال مادھو سنگھ سے ملنے گیا جس نے بیسواڑہ کے تعلقہ داروں کو سلطان پور میں انگریزوں سے مقابلے کے لیے بلایا تھا (۲۴ اگست)۔ انقلابی سلطان پور کے قریب پھر سے اپنی فوجی طاقت یکجا کر رہے تھے۔ انگریزی فوجوں نے سندیلے پر حملہ کیا، بروا کے قلعے پر جنگ ہوئی۔

ہوپ گرانٹ سے مقابلہ | ہوپ گرانٹ مطمئن تھا کہ بغاوت کا سرکچل دیا گیا ہے وہ ۱۲ جون ۱۸۵۸ء کو نواب گنج پر حملہ آور ہوا جہاں انقلابیوں نے ایک بار

پھر انگریزی فوجوں کو ٹھٹی کا دودھ یاد دلادیا اور یہ اقرار خود ہوپ گرانٹ کر رہا ہے کہ —

”اب بھی ان کے حملے طاقت سے بھرپور تھے..... ان کو دھکیلنے کے لیے بڑی مشکل

کا سامنا کرنا پڑا۔ زمینداروں کی ایک بڑی جماعت نے دو توپوں کے ساتھ ہمارے

پیچھے سے حملہ کیا۔ میں نے ہندوستان میں بہت سی جنگیں دیکھی ہیں اور بہت سے بہادر

جانبازوں کو بھی دیکھا ہے جو فتح یا موت کا عزم کر کے لڑتے ہیں مگر میں نے اتنا شاندار

طرز عمل آج تک نہیں دیکھا جیسا کہ ان زمینداروں کا تھا۔..... وہ پیچھے بھی ہٹ رہے

تھے تو تلواریں اور کھالے ہماری طرف گھما رہے تھے اور ہمیں مقابلے کے لیے لاکار رہے

تھے۔ دو توپوں کے آس پاس ایک سو پچیس لاشیں ملیں۔ تین گھنٹے تک جنگ کے بعد

میدان ہمارے ہاتھ رہا“ ۱۷

اس طرح کے بہادرانہ مقابلے آدھ کے ہر علاقے میں نظر آئے۔

سلطان پور میں پھر جنگ ہوئی۔ مہدی حسن وغیرہ نے مان سنگھ کے قلعے کو گھیر لیا کیونکہ

وہ انگریزوں کا پلڑا بھاری دیکھ کر اُدھر لڑھک گیا تھا۔ ۲۲ جولائی ۱۸۵۸ء کو ہوپ گرانٹ کے

پہنچنے پر اس کو نجات ملی۔ بیس ہزار فوج اس کا قلعہ گھیرے ہوئے تھی۔ مئی جون ۱۸۵۸ء تک

گورکھپور میں گھمسان کی جنگیں امور ہا اور بیلوا وغیرہ میں ہو رہی تھیں۔ جولائی میں محمد حسن گھاگرا

پار چلا گیا۔

اکتوبر ۱۸۵۸ء میں کمانڈر انچیف نے پھر سے فوجیں منظم کر کے جنگیں شروع کیں۔

۲۳ اکتوبر (۱۵ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ) کو جبرولی پر جنگ ہوئی۔ بھوانی سنگھ، شیو سہائے اور سلطان سنگھ منہم نے مقابلہ کیا۔ کانکا پرشاد نے بشیرت گنج (آناؤ) پر حملہ کیا۔ منصب علی میرن گنج میں مع فوج موجود تھا۔ خان بہادر بلگرام کے قریب اور ڈرگ بجے سنگھ محمدی میں قدم جمائے ہوئے تھے۔ مہدی حسن اور محمد حسن فیض آباد میں پندرہ ہزار فوج کے ساتھ تھے۔ سلطان پور فیض آباد کی طرف پر بھورتی پور کا قلعہ ان کے قبضے میں تھا۔ سیتا پور اور ملاواں میں فیروز شاہ، نرپت سنگھ، چندر کا بخش اور لکڑ شاہ کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ گوٹھہ کاراجہ اپنے ارادوں کا ایسا پکا تھا کہ انگریز افسروں نے مایوس ہو کر اس کے بارے میں لکھا۔

”گوٹھہ کاراجہ غالباً آخر دم تک ہمارا مقابلہ کرے گا اور اس علاقے میں سب سے زیادہ

مقابلہ کرنا پڑے گا“۔

شہزادہ فیروز کی حکومت | جولائی ۱۲۵۸ء میں شہزادہ فیروز نے آناؤ کے علاقے پر حکومت قائم کر لی۔ اس کے ایک خط بنام منصب علی (۱۸ جولائی ۱۲۵۸ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں اس کی باقاعدہ عمل داری تھی۔ ۲ اگست کے خط میں منصب علی کو رسول آباد طلب کیا ہے۔ اس دوران گلاب سنگھ نے بروہا پر قبضہ کیا۔ اس سے پہلے اسے رحیم آباد اور سندیلے پر شکست ہوئی۔

ملیح آباد کے پاس جولائی کے آخر تک لکڑ شاہ سرگرم تھا چنانچہ ۲ اگست ۱۲۵۸ء تک سندیلے کے علاقوں میں فیروز شاہ اور لکڑ شاہ وغیرہ سے جنگیں ہوتی رہیں اور پھر بروہا پر جنگ ہوئی اس کے باوجود ان علاقوں میں بغاوت سرد ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ اکتوبر میں راجہ ہر پرشاد نے سندیلے پر چڑھائی کی۔ مولوی محمد نے ملیح آباد کے قریب مقابلہ کیا۔ ہر پرشاد مدد کو پہنچا، بغیر فتح و شکست کے دو دن سخت جنگ ہوتی رہی۔ انقلابیوں نے سندیلے پر مورچہ جمایا۔ یہاں

شکست کے بعد ہر پیر شادنی گزرتا گیا۔ مولوی محمد نے صرف سات آدمی لے کر مقابلہ کیا اور جنگ میں کام آیا۔ شہزادہ فیروز بال بال گنج گرگھا گرا کے کنارے بسوا سے نکل گیا اور جنوب میں سندیلے ہو کر گنگا اور پھر جمن پاری کی۔ خان علی خاں مع راہلوئی سنگھ نوجنگ آباد (مٹھولی کے جنوب) میں پندرہ ہزار فوج کے ساتھ تھا۔ دو میل دور خان بہادر خاں اور علی پور میں مولانا احمد اللہ کے ساتھی ولایت شاہ مع فوج کے تھے۔ نامدار خاں۔ گلاب سنگھ۔ چندریکا بخش۔ بلدیو سنگھ زمیندار۔ جیت بہادر وغیرہ ستمبر ۵۸ء تک موجود تھے۔ بعض رپورٹوں کے بموجب دلی داد خاں بھی انہی علاقوں میں تھے۔ پہلی بھیت میں خان بہادر اور دلی داد خاں کی فوجوں سے ایک سخت جنگ ہوئی۔ ۲۸ اگست کو سلطان پور پر گھمسان کارن پڑا۔

انقلابیوں کے حوصلے | مسلسل شکستیں اور ناکامیاں بھی انقلابیوں کے حوصلے پست نہ کر سکیں اور بلا بر دلیری سے سر میدان مقابلہ کرتے رہے۔ ستمبر

۵۸ء میں انھوں نے اکبر پور کے علاقے (فیض آباد اور ٹانڈہ کے درمیان) پر حملہ کیا اور پھر ٹانڈہ پہنچے۔ مہدی حسن سلطان پور کے قریب اور لال مادھو سنگھ امیٹھی میں تھے۔ پرتاپ گڑھ انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ وہ ردولی پر حملہ آور ہوئے، نرپت سنگھ کا سپہ سالار مادھو جنگ میں کام آیا۔ مہونا کے ڈرگ بجے سنگھ نے ضلع آناؤ کے گاؤں ٹوٹ لے۔ ۲۵ ستمبر ۵۸ء کو دریا باد میں جنگ ہوئی، مصاحب علی نے بارانگی، پرتاپ گنج اور نواب گنج میں حملے کر کے ہراس پھیلا دیا۔ سلیم پور اور سندی پر جنگیں ہوئیں۔ ۵ اکتوبر کو میاں گنج پر ۸ کو بیکھو مراد پوایاں پر متواتر حملے اور تصادم ہوتے رہے۔ پاسکوان میں راجہ اشرف علی (محمدی کا) اور خان بہادر کا کمانڈر مدار علی خاں وغیرہ جمع تھے۔ انگریزی فوج پریشان ہو کر چاروں طرف کو بھاگی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ پاسکوان محمدی کے جنوب مغرب میں ہے یہاں جان علی خاں کمان کر رہا تھا۔ مظہر خاں۔ ظہور خاں۔ گنگا سنگھ۔ الہی بخش۔ میاں صاحب (محمی الدین پور)۔ عنایت علی۔ بشارت علی۔ محمد بخش۔ میر خاں (ساکن پالی)۔ رگھر سنگھ۔ شیخ محمد علی۔ مولوی فضل حق (ساکن شاہ جہانپور)۔ سید نثار حسین (ساکن پیرہانی)۔ اسماعیل

خاں۔ ولایت شاہ وغیرہ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں جمع تھے۔ ۱۔ مختلف مقامات مثلاً سلطان پور، کاندوڑی، پرتاپ گڑھ وغیرہ پر برابر جنگیں ہوتی رہیں۔ یعنی مادھونے ۲۹ اکتوبر کو انگریزی فوجوں کو گھیر کر حملہ کیا اور سخت جنگ کے بعد پسپا ہوا۔ ۲۴ کو جنرل بارکر روٹیا پر بڑھا مگر نرپت سنگھ رات کے وقت وہاں سے جا چکا تھا۔ اس دوران نرپت سنگھ نے امان چاہی جو منظور کر لی گئی مگر پھر اس کا جواب نہ آیا۔ اس پر فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ جہانگیر آباد (ضلع لکھنؤ) کے راہہ رزاق بخش نے ہتھیار ڈالے تو اس کے پاس باغیانہ کاغذات برآمد ہوئے۔ ۲۔ صاحب علی تعلقہ دار ڈوہیرا اور کرمی لیڈر خوشمال چند سلیم پور کی جنگ میں کام آئے۔

وکتوریہ کا اعلان اور بیگم کا جواب | یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو انگلینڈ کی فرمانروا وکتوریہ کی طرف سے عام معافی کا اعلان کیا گیا۔ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے براہ راست برطانیہ کے تاج کا نگینہ بن گیا۔ اس اعلان کے جواب میں بونڈی سے بیگم حضرت محل نے ایک اعلان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ:

”اگر وکتوریہ نے حکومت سنبھال کی ہے تو ہماری رعایا کو اس پر اعتبار نہ کرنا چاہیے کیونکہ کمپنی کے قانون، انگریز ملازم، گورنر جنرل عدالتیں وغیرہ مثال سابق کے قائم رہیں گی تو پھر وہ نئی بات کونسی ہوئی جس کا فائدہ رعایا کو حاصل ہوگا، جس پر وہ اعتماد کر سکے۔ اعلان میں تحریر ہے کہ کمپنی نے جو عہد و پیمان کیے ان سب پر کار بند ہوگی۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس چال کو خوب سمجھ لیں۔ کمپنی نے سارے ملک کو جکھے میں جکڑ لیا ہے۔ اگر یہ صورت قائم رہی تو پھر جدید اصلاح کیا ہوئی؟ کمپنی نے راجہ بھرت پور کو پہلے بیٹا بنایا پھر اس غریب بیکس کا علاقہ ہتھیالیا۔ ٹیپو سلطان سے کمپنی کی بد عہدی عالم آشکارا ہے۔ لاہور کے لاجہ دلپ سنگھ

1. Freedom Struggle UP Vol.2 pp. 501-518

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 132

کو کمپنی کے حکام جیلے سے لندن لے گئے پھر ہندوستان آنے کی اجازت نہ دی۔۔۔۔۔ میٹھا کو پونا اور ستارا سے نکال باہر کیا اور زندگی بھر بھڑور میں نظر بند رکھا۔ راجہ بنارس کو آگرے میں قید کر دیا۔ بہار بنگال اور اڑیسہ کے فرما رواؤں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ خود ہمارے علاقے اس جیلے سے لیے کہ ان سے فوج کی تنخواہ ادا کی جائے گی اور ہمارے ساتھ جو صلح کی (۱۸۰۶ء) اس کی ساتویں دفعہ میں انھوں نے تحریر کیا کہ ہم آپ سے کبھی اور زیادہ کے خواستگار نہ ہوں گے۔ اس لیے اگر وہ سب انتظامات جو کمپنی نے کر رکھے ہیں بدستور قائم رہے تو اگلی اور موجودہ حالت میں کون سا فرق ہوا؟ یہ تو پرانی باتیں ہیں، ابھی حال میں انھوں نے اپنے سب قول و قرار بالائے طاق رکھ کر اور باوجود اس کے کہ انگریز ہمارے کروڑوں روپے کے دین دار تھے، بلا سبب اس جیلے سے کہ رعایا آپ سے مطمئن نہیں، ہمارا ملک اور مال و اسباب چھین لیا۔ اگر رعایا سابق حکمران واجد علی شاہ سے غیر مطمئن تھی تو وہ ہم سے کیونکہ مطمئن ہو گئی۔ اس کے علاوہ رعایا نے کبھی کسی تابعدار کے لیے اپنی جان و مال کو اس طرح قربان کر کے راج پرستی کا ثبوت نہیں دیا جیسا کہ ہماری رعایا نے دیا پھر کیا سبب ہے کہ ہمارا ملک واپس نہیں دیا جاتا؟.....

دکٹوریہ کے اعلان میں یہ بھی درج ہے کہ عیسائی مذہب حق ہے، ہمیں بتایا جائے کہ ایک انصاف پسند حکومت کو کسی مذہب کے حق یا باطل ہونے سے کیا سروکار ہے۔ سچا مذہب وہ ہے جو ایک پروردگار کے علاوہ کسی کو نہیں مانتا یا وہ کہ جو تین خداؤں کا قائل ہے؟.....

اعلان میں کہا گیا ہے کہ جن لوگوں نے انگریزوں کا خون بہایا یا قتل میں اعانت کی ان کو سزا بھگتنی ہوگی۔ ایک کم عقل آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس کی رو سے خطا کار اور بے خطا

۷۔ الحاق اودھ کے وقت دربار اودھ کے ایک کروڑ اسی لاکھ سات ہزار دو سو پینتیس^{۲۵} روپے ذمے کمپنی کے واجب تھے۔ یہ رقم الحاق اودھ سے سوخت ہو گئی۔

کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔“^۱

بیگم کا یہ اعلان ایڈورڈس پمپل نے بھی اپنی کتاب میں دیا ہے اور لکھا ہے کہ ”ان الفاظ

میں سچائی پوشیدہ تھی۔“^۲

دکٹوریہ کے اعلان کے بعد بھی اودھ کے عوام میں جوش و خروش ہمت و استقلال بدستور تھا۔ چارلس بال اقرار کرتا ہے کہ:

”باغیوں کے سب جھٹوں کے ساتھ ان کے ہم وطنوں کی دلی ہمدردی تھی اسی لیے اُن

میں بے حد طاقت اور جوش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ لوگ بغیر سامانِ رسد جہاں چلے جاتے ہر جگہ

لوگ انہیں پکا پکایا کھانا پہنچا دیتے۔۔۔۔۔ انہیں ہمیشہ انگریزوں کے حالات کا ٹھیک

پتہ رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دکٹوریہ کے اعلان کے ٹھیک چھ مہینے بعد تک اودھ قابو میں

نہ آ سکا اور شکر پور۔ دودنڈیا کھیرہ۔ رائے بریلی۔ سیتاپور وغیرہ میں بلا جبر جنگیں ہوتی رہیں۔“^۳

۳۱ نومبر ۱۸۵۸ء کو کمانڈر انچیف سر کولن (کلائڈ) نے اسکیم

انقلابیوں کے خلاف نئی مہم

بنائی کہ اس کی فوجیں چار طرف سے اودھ میں داخل ہوں

یعنی فتح گڑھ۔ شاہ جہاں پور۔ اعظم گڑھ اور سوراؤں سے۔ لیکن ایک ماہ قبل ہی سندیلے کے علاقے میں

جنگ کرنا پڑی اسکیم کے مطابق خان پور یہ قبیلے کے سردار کا قلعہ رام پور کیسہ ۳۱ نومبر کو سب سے پہلے

نشانہ بنا اس کے بعد امیٹھی کا نمبر آیا۔ یہاں کے راجہ لال مادھو سنگھ نے بغاوت کے شروع میں انگریزوں

کو پناہ دے کر آلہ آباد پہنچایا مگر بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا

گیا اور ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا گیا، جاں بخشی کا وعدہ کیا گیا، پیش کش اس نے منظور کر لی کیونکہ اب

1. SEN: p. 357 (Foreign Pol. Cons. Dec. 1858)

2. EDWARDS: Battles of Indian Mutiny p. 188

۳ چارلس بال: ہسٹری آف انڈین میوٹی بحوالہ لکھنؤ اور جنگ آزادی۔ ۵۱

مقابلہ ممکن نہ رہا تھا (۱۰ نومبر ۱۹۵۸ء)۔ اس کے بعد تھولی کے قلعے پر قبضہ کیا گیا۔ پھر شکر پور کی باری آئی جو اس بہادر بھینی مادھو کا مسکن تھا جس کی شجاعت کے مدبھرے گیت آج تک یہاں کے عوام ہولی کے موقعے پر گاتے ہیں۔ جب بھینی مادھو سے ہتھیار ڈالنے کو کہا گیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ قلعہ حوالے کرنے کو تیار ہے جو کہ اس کی ملکیت ہے مگر وہ اپنی ذات کو شاہ اودھ کی ملکیت سمجھتا ہے اس لیے وہ خود کو حوالے نہیں کر سکتا چنانچہ قلعہ حوالے کر کے یہاں سے پہلا گیا (۱۵ نومبر) اگرچہ کمانڈر انچیف کی طرف سے یقین دلایا گیا تھا کہ جائیداد وغیرہ کی واپسی کے بارے میں تمام مطالبات پر مہمزدی سے غور کیا جائے گا بشرطیکہ وہ بغیر مقابلہ ہتھیار ڈال دے مگر وہ اس لالچ میں نہیں آیا۔ ۱۷ روہیلہ سردار خان علی خاں کو، جو پہلی بھیت میں تھا، گھاگرا کے پار نکال دیا گیا تھا۔ بھینی مادھو کا بچھلنے سے لیے سرکون نے چاروں طرف فوجی دستے بھیجے ٹیلر کا برگیدہ فیض آباد کی طرف دوڑا، ہوپ گرانٹے رائے بریلی کی طرف گیا، کون خود بھی بڑھا اور ۱۷ نومبر کو ایک تصادم بھی ہوا مگر بھینی مادھو جنوب کی طرف دوڑ دیا کھیرہ اور گنگا کے درمیان بچ کر بڑھتا گیا تو کالن نے مغرب کی طرف رُخ موڑا اور ۲۴ نومبر کو پھر بھینی مادھو سے تصادم کی نوبت آئی مگر وہ مع فوج دریا کے کنارے شمال کی طرف نکل گیا۔ اس طرح مختلف انگریزی دستے جو گھیرتے ہوئے بڑھ رہے تھے، بار بار مقابلے کے باوجود کامیاب نہ ہوئے اور وہ گومتی اور گھاگرا پار کرتا ہوا نکل گیا۔ بیگم۔ نانا صاحب اور نرپت سنگھ کو بھی گھاگرا کے شمال میں دھکیل دیا گیا۔ گھاگرا کے بائیں جانب مہدی حسن اور راجہ گوندہ مع فوجوں کے موجود تھے۔ ۲۵ نومبر کو ایک مقابلے کے بعد یہاں سے ہٹے۔ بھینی مادھو کا ناکام پیچھا کر کے کالن کیمپل لکھنؤ آیا اور ۵ دسمبر کو پھر ایک نئی فوج کے کرنٹلا۔ بھینی مادھو بٹولی میں تھا لیکن یہاں سے بھی نکل گیا۔ کالن نے بالا صاحب

کی تلسی پور میں موجودگی کی خبر پا کر ہو پ گرانٹ کو اُدھر بھیجا، تلسی پور کی بیوہ رانی بھی انقلابیوں کے ہمراہ تھی۔ ہو پ گرانٹ بلرام پور پہنچا اور راکراٹ بھی تلسی پور کی طرف بڑھا جہاں بالاراؤ سے مقابلے کے بعد ہو پ گرانٹ کے ساتھ ہو کر بھنگا سے انقلابیوں کو نکالا۔ کالن اپنی مہم میں ناکام ہوا لاچار ہو کر بہرائچ آیا تو بگیم۔ نانا صاحب اور بنی مادھو نان پارہ چلے گئے۔ جب نان پارہ پہنچا تو یہاں سے بھی جا چکے تھے اور ایک مقام بگدیا (Bagidia) میں تھے جہاں ۲۲ دسمبر کو ایک تصادم کے بعد یہاں سے رانی کے کنارے جنگلوں میں ہوتے ہوئے نکل گئے اے راجہ پورا کا قلعہ مسمار کیا گیا کیونکہ یہاں نانا صاحب کی موجودگی کی خبر تھی مگر بیکار رہا۔

انقلابی فوجیں محمدی کے قریب جنگلوں میں بھی موجود تھیں۔ یہاں متھولی کا راجہ لونی سنگھ کمان کر رہا تھا، خان علی خاں بھی ہمراہ تھا۔ نہ پت سنگھ اور فیروز شاہ بھی ان سے ملے اور ایک مقابلے کے بعد ہی یہاں سے ہٹائے جاسکے۔ اومریا کے قلعے پر ڈرگ بجے سنگھ نے مقابلہ کیا اور قلعہ خالی کر کے گھاگرا پار بگیم کے ساتھ مل گیا۔ بنی مادھو کی فوج زیادہ تر منتشر ہو چکی تھی مگر اب بھی پانچ ہزار آدمی تھے جو بہرائچ کے علاقے میں چلے گئے۔

شہزادہ فیروز لکڑ شاہ، یعقوب خاں اور ہرید شاد خیر آباد کے جنوب میں دس ہزار فوج کے ساتھ تھے (۱۸ نومبر)۔ لونی سنگھ بھی قلعہ خالی کر کے خیر آباد گیا۔ کیٹھ کا تعلق دارتن سنگھ مع فوج کے اپنی گڑھی میں تھا، اس کا بیٹا امراؤ سنگھ ایک جنگ میں کام آیا۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۸ء کو فیروز شاہ نے اکوم گھاٹ (بلہور) پر فوج کے قریب گنگا پار کی۔ اس کے ہمراہ گلاب شاہ عرف پیر جی محسن علی خاں ساکن شمس آباد۔ مولانا فضل حق (سابق سرشتہ دار دہلی)۔ ہری سنگھ (رجمنٹ ۱۲)۔ یعقوب خاں (۱۲ رجمنٹ کیولری)۔ محمد خاں (ساکن جھجر)۔ سالک رام (۱۱ رجمنٹ کیولری)۔ دلیر سنگھ ساکن پریتھیت گڑھ وغیرہ بھی تھے۔ پہلے اٹا وہ

پہنچے پھر کاپی جا رہے تھے۔ یہاں تاقتیا ٹوپی موجود تھا۔ شہزادے کے ساتھیوں نے پہلے نانا منو گھاٹ سے پار اترنا چاہا مگر ممکن نہ دیکھ کر قنوج کے قریب پار اترے۔ ان کے پیچھے جزل باکر فوج لے کر بڑھا اور آگے لکھنؤ سے آنے والی انگریزی فوج کا دستہ تھا لیکن تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور شہزادہ اٹاودہ پہنچ گیا۔

آگرہ اور اٹاودہ کے علاقے | آگرہ ڈویژن یعنی مستحق، مین پوری، اٹاودہ وغیرہ جون ۱۸۵۸ء تک جب تک ہیوروز نے گوالیار فتح نہ کر لیا، انقلابیوں کے

متواتر حملوں کا نشانہ بنتے رہے۔ مین پوری کا راجہ تیج سنگھ شروع ہی سے بغاوت میں نمایاں رہا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں اُس نے ایڈمٹ پر حملے کا پلان بھی بنایا تھا۔ اُس نے ۱۱ جون ۱۸۵۸ء کو ہتھیار ڈالے، ڈھائی سو روپے ماہوار الاؤنس پر بنارس میں رہنے کی اجازت ملی اور اس کی ریاست ایک فاطمہ بھوانی سنگھ کو دیدی گئی۔ ٹھاکر اکبر سنگھ بھی ان علاقوں کا ایک باغی سرغنہ تھا۔ علی گڑھ کے نسیم اللہ کو مئی ۱۸۵۸ء میں گرفتار کیا گیا۔ اسی زمانے میں محبوب خاں سابق تحصیلدار علی گڑھ کو پھانسی ہوئی۔ ۲۳ جولائی ۱۸۵۸ء کو کوشن سنگھ ناکک کو پھانسی ہوئی جو دیسی سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔

اٹاودہ ۶ جنوری ۱۸۵۸ء کو انگریزی قبضے میں آگیا لیکن اس کے بعد روپ سنگھ نے اورایا پر قبضہ کر لیا اور ۷ فروری کو سخت جنگ کے بعد نکالا جاسکا۔ چکرنگر پر خوشحال سنگھ اور اس کے بیٹے نرنجن سنگھ کا قبضہ ہو گیا۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں اٹاودہ سے ۲۵ میل دور اجیت مل پر قبضے کے لیے جنگ ہوئی۔ ۱۱ اپریل ۱۸۵۸ء کو ایک سخت جنگ کے بعد انقلابی سپاہ ہوئے لیکن پھر بھی پوری طرح قبضے میں نہ آیا۔ نرنجن سنگھ نے جمنپار کر کے گوالانی میں مورچہ بنا لیا۔ مئی میں پھر ان سرداروں نے گرمیا شروع کر دیں۔ نرنجن سنگھ نے پھپھوند کو لوٹ لیا۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء تک ان کی جدوجہد جاری رہی اور شہزادہ فیروز کے یہاں پہنچنے پر (۷ دسمبر ۱۸۵۸ء) اُن کی کاروائیاں اور تیز ہو گئیں۔ شہزادے

نے ہر چند پور پر ۸ دسمبر کو انگریزی دستوں کا مقابلہ کیا، شکست ہوئی مگر انگریزی فوجوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ نانا صاحب بھی اسی علاقے میں مع فوج موجود تھے۔ شہزادہ کچھوند پہنچا۔

گلاب سنگھ | ضلع ہردوئی میں بروا کے مقام پر گلاب سنگھ نے اس قدر دلیری سے مقابلہ کیا کہ انگریز بھی ہیرت سے داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے مورچے کو آگ لگا دی گئی، بارود سے اڑا یا گیا مگر اس کے باقی بچے ہوئے ساتھی رات ہو جانے پر بھی جنگ کرتے اور جانیں دیتے رہے۔ گلاب سنگھ چاروں طرف شعلوں سے گھر چکا تھا، نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی کہ اچانک فائر ہوا جس کی آواز پر انگریز افسر دوڑے تو پتہ چلا کہ گلاب سنگھ نے اچانک ایک مورچے کی بلند سطح سے گہرائی میں چھلانگ لگائی اور جنگلوں میں غائب ہو گیا۔ اس کا صرف ایک ساتھی زندہ بچا تھا جو اس کے ساتھ لکھل گیا۔ ایک انگریز جو چشم دید گواہ ہے، لکھتا ہے کہ ”یہ ایک بہادرانہ بلکہ انتہائی دلیرانہ فرار کا کارنامہ تھا“ ۱

راجہ گونڈہ | گلاب سنگھ کے علاوہ نہر پت سنگھ۔ بینی ماوھو اور گونڈہ کے دیوی بخش سنگھ نے ابھی تک ہتھیار نہ ڈالے تھے۔ دیوی بخش کو انگریزوں نے معافی اور صلح کا لالچ دے کر بلانا چاہا مگر اس نے دسمبر ۵۸ء میں بھی نہایت حقارت آمیز جواب دیا۔ ’آئینہ دودھ‘ (از ابوالحسن قطبی) میں ہے کہ

”اگرچہ ادس سے جرم مندرجہ اشتہار وقوع میں نہیں آیا تھا اور گورنمنٹ

انگلشیہ نے دربارہ ادس کی حاضری کے التفات بھی کیا مگر حاضر نہ

آیا“ (ص ۲۷۷)

1. CHAUDHURY : P. 86

۲ گلاب سنگھ بروا کے تعلق دار چندر کا بخش کا کارندہ تھا۔

KAVANAGH : How I won the Victoria Cross. 199-207.

ہتھیار ڈالنے کی گفتگو | کولن سمیپل جب نئی مہم پر بہرائچ پہنچا تو کوشش کی کہ انقلابی رہنماؤں کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جائے۔ نامہ و پیام کیا گیا۔ بیگم حضرت محل کی طرف سے سول کمشنر خط اور پیام بھیجے گئے۔ ہنومن سنگھ کے ذریعہ بینی مادھو کو بھی رام کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر سب بیکار رہا۔ بیگم کو انگریزوں پر بھروسہ نہ تھا اور جب تک بیگم ہتھیار نہ ڈالے بینی مادھو بھی جھکنے کو آمادہ نہ تھا۔ نانا صاحب و کٹوریہ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ اور کسی دوسرے ملک کی ضمانت چاہتے تھے۔ لہذا کولن نان پارہ کی طرف بڑھ گیا مگر جب ۲۹ دسمبر کو پھر واپس آیا تو پتہ چلا کہ نانا صاحب اور بینی مادھو یہاں سے بیسٹل میں ایک مقام بنکی پر موجود ہیں۔ اچانک حملے کا حکم دیا گیا تاکہ بے خبری میں پکڑ لیا جائے مگر پھر ناکامی ہوئی۔ نانا صاحب دو میل پیچھے کی طرف دریا پار کر کے نکل گئے۔ انقلابی فوج نے یہاں سے بھی بغیر مقابلے کے ہٹنا گوارا نہ کیا۔

اب انقلابی رہنماؤں کو ترائی اور نیپال کے علاقے میں جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا اس لیے ۱۸ جنوری ۱۹۵۹ء کو کالسن لکھنؤ لوٹ آیا۔ مہدی حسن اور چند دوسرے لیڈروں نے ہتھیار ڈالے۔ مہدی حسن کو دو سو روپے ماہوار منظور ہوا مگر اپنے وطن فیض آباد میں رہنے کی اجازت نہ دی گئی۔ دوندیا کھیڑہ کے رام بخش کو پھانسی ہوئی۔ ۳ جولائی ۱۹۵۹ء میں خبر تھی کہ ہر دت سنگھ

۲ نان پارہ کے قلعے کو بینی مادھو نے جنگی نقطہ نظر سے مضبوط کر لیا اور ایک بار پھر تھوڑے سے لشکر کے ساتھ زبردست انگریزی فوج کے مقابل آنے کا ارادہ کیا مگر بارود کی جنگ میں شکست ہو جانے کی وجہ سے وہ یہاں سے ہٹ گیا۔ انگریز اس گم شدگی پر حیران تھے۔

بالا صاحب اور نواب نجیب آباد (?) نیپال کے مقام ڈھوکری میں فوت ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو جولائی ۱۵۹۰ء میں گرفتار کر کے سہارن پور پہنچایا گیا پھر مظفرنگر بھیجا گیا۔ آپ پر شامی کی جنگ میں حصہ لینے کے علاوہ یہ بھی الزام تھا کہ سپاہیوں کی رائفل آپ کے پاس ہے۔ حاکم نے پوچھا کہ ”تم نے گورنمنٹ کے خلاف ہتھیار اٹھائے؟“ آپ نے جیب سے تسبیح نکال کر کہا ”یہ میرا ہتھیار ہے۔“ اس نے پوچھا ”وہ بندوق کہاں ہے؟“ جواب دیا ”مجھے بندوق سے کیا سروکار؟“ چھ ماہ بعد (جنوری ۱۵۹۰ء) رہا کر دیئے گئے۔ خان بہادر کا دیوان سو بھارام اودھ سے گرفتار ہو کر آیا اور کالے پانی کی سزا ہوئی۔ لے ڈاکٹر سین نے لکھا ہے کہ اسے برما میں بمقام مولین بھیجا گیا (ص ۲۷۱)۔ حاجی یاد اللہ خاں قصبہ کلاوٹھی ضلع بلند شہر کا تھانیدار تھا، بغاوت میں حصہ لیا، ملا گڑھ کی شکست کے بعد گرفتار، جائداد ضبط، بشکل تمام جاں بخشی ہوئی۔ لے

میر محمد حسن کی خط و کتابت

لکھنؤ کی شکست کے بعد گورکھپور کے نئے ڈپٹی مجسٹریٹ خیر الدین نے ۱۲ نومبر ۱۵۸۰ء کو غالباً انگریزوں کے ایماء پر محمد حسن کو خط لکھا کہ موجودہ طریقہ کار کو چھوڑ دو تم نے انگریزوں کی جان بچائی ہے اور کسی کو قتل نہیں کیا لے اس لیے جان بخشی ہو جائے گی۔ محمد حسن نے اس کے جواب میں انگریزوں کی وعدہ خلافیاں اور فریب یاد دلائے، لکھا کہ:

”ہم اراضی ہے کہ دنیا و عقبیٰ میں سرخ رو ہونے کے لیے اپنے وطن کی حفاظت کی پوری کوشش کریں اور ان حملہ آوروں کا مقابلہ کریں جو یہاں قدم جانے کی کوشش کر رہے ہیں ہم ایسا نہ کریں تو غدار ہیں اور دونوں جہاں میں منہ کالا ہوگا“ لے

۱۔ نیاز احمد خاں: تاریخ روہیلکھنڈ (قلمی) ۱۱۵

۲۔ محمد میاں: علمائے ہند کا شاندار ماضی ۲۰۴-۲۴۹

۳۔ بغاوت کی ابتداء میں محمد حسن نے چند انگریزوں کی جان بچائی اور حفاظت کی، جبکہ پہنچا دیا تھا۔

سید
 مولانا محمد شفیع
 سید مسنون واضح موجود خط ایک جواب میری ملاحظہ کی آیا وہ کام
 مسنون فوت اور غور سے اور تہذیب و تحریف کے سوا کچھ نہیں ہے
 جو خط میں جواب کے تحت میری رائے کیا مندرج ہو چکا اعداد
 تکرار محض سید و فضول میرا ملاحظہ اور ماوانہ جیصل ہر اور فوج
 بہرہ صرف ضار فار اور تو زنا بر نظر مر او وہ حافظہ بر حال میرا وہ حافظہ
 تو کیے نہیں ہے کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر حفاظت اس کے میری تو قوت
 اور زور کام نہیں آتا آپ نے ہمارے مطلب کا تو کچھ جواب میری ملاحظہ
 میں نے ایک خط کی کہتے ہو کہ ایک کتبہ میرا فو تو میری نیا و علی ظاہر
 کہ اس کے کچھ عہد و پیمان موافق نہ تھا اور اگر عہد و پیمان موافق نہ تھا تو یہ جواب

خدمت عظمیٰ میں مکر میں تو ملے اور مورخ نے سرکار میں کہا بوجہ ان کی

حق میں کوئی توجہ نہ کر سکا اور ان کی بے خبری سے نہیں ہو تو اپنے حاضر ہو سکی

اور ان کے جان نہیں جانے پاتے اور اب کے قریب کا جو مصرع لکھن میں ہے

بیانیہ کے کیا فائدہ اگر اب کوئی اور ملے ہو واسطے اس کے

اکتفا کیا گیا فقط

رہنما
رہنما
رہنما



اس کے جواب میں خیر الدین نے پھر خط لکھا کہ تم اب تک حماقت میں مبتلا ہو انگریز انگریزی فوجیں تمہارا تیاپا پنچہ کر دیں گی۔ محمد حسن کے جواب کا اقتباس انہی کے الفاظ میں یہ تھا:

”خط آپ کا جواب میں ہمارے خط کے آیا وہ تمام دکان مملو ہے نخوت اور غرور سے اور تہرید و تخویف کے سوا کچھ اس میں مندرج نہیں ہے۔ (یسو) باتور کا جواب پہلے خط میں جو آپ کی خدمت میں روانہ کیا مندرج ہو چکا ہے۔ اعادہ ذکر محض قصور ہے۔۔۔۔۔ اور ہم کو ہرگز توقع اور گمان عرض آپ کی سرکار سے نہیں ہے کس واسطے کہ جب اصانات عظیمہ پر کہ جو تمام عالم پر ظاہر اور معلوم ہے نظر نہ کر کے نسبت میں اپنے محنین کے کوئی دقیقہ ظلم و ستم کا باقی نہ رکھا پس ایسے ناحق شناسوں سے فقط جان بچانے کرنل لیک اور دو بیسوں کے کسی طرح کی امید رکھنا محض نادانی ہے۔۔۔۔۔ اگر ایمان سے جان کو اور دنیا کو عزیز رکھتے تو بے شک پیروی آپ کی کرتے اور یہاں تو ساتھ ایمان کے پاس نمک دلی نعمت بھی شریک ہے۔۔۔“

(خط ۱۶، ربیع الثانی ۱۲۵۵ھ، ۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء)

مختصر یہ کہ گورنر جنرل نے ان خطوں سے متاثر ہو کر جہاں بخشی کی مگر گورکھپور کے کمشنر نے ایک انگریز کے قتل کا الزام لگایا جو بعد میں زندہ ثابت ہو گیا۔ محمد حسن کو دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ پر ضلع سیٹاپور بھیج دیا گیا (غالباً مئی جون ۱۸۵۹ء)۔ ڈاکٹر سریندر ناتھ میلن نے لکھا ہے کہ:

”..... خیر الدین کی دھمکیوں کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا، وہ اپنے اصول پر ثابت قدم رہے اُن کے جہا بات نہایت سنجیدہ اور عالی شان تھے۔۔۔۔۔ اودھ کے رہنماؤں کے عقیدے اور اصول کی نمایندگی ان خطوں سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بادشاہ اور دین

۱ خیر الدین کا ذکر ہمارے دیگرہ کی بغاوت میں آچکا ہے۔

کے لیے لڑے اور دین انھیں ملک سے وفاداری سکھاتا تھا ۱۷

محمد حسن کی اصول پسندی ذہنی حمیت اور حب الوطنی مذکورہ خطوں اور عمل سے ظاہر ہے، رہا غیر الدین، تو اس کی تعریف سرسید نے اپنی کتاب ”خیر خواہ مسلمانان ہند“ میں بہت کی ہے۔

روسیلکھنڈ کے انقلابی | کبیر شاہ خاں اور وزیر محمد خاں تحصیل دار سرولی کو بریلی کے قریب گاؤں سے ۱۲ مئی ۱۸۵۸ء کو گرفتار کر کے

پھانسی دی گئی۔ فتح شاہ خاں کو ۱۵ مئی کو پھانسی ہوئی۔ علی خاں میواتی کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ بنے خاں۔ نظام علی خاں اور نواب فتح گڈھ (فرخ آباد) اسی نواح میں موہن پور میں تھے۔ نظام علی خاں کئی جگہ جنگ کرنے کے بعد پہلی بھیت اور ترائی کی طرف چلا گیا۔ ایک اور سردار جنگ باز خاں کو، جو پادشاہ غازیان کہلاتا تھا، ۱۸ مئی ۱۸۵۸ء کے قریب پھانسی ہوئی۔ ملا میاں (عنایت اللہ) نتھو میاں (عنایت حسین) اور کھولا گرفتار ہوئے۔ رحیم علی خاں کی فوج نے کنور میں وفادار موہتی سنگھ کو گھیر کر شکست دی باورام نرائن۔ مخدوم بخش اور سعد اللہ خاں (ساکن سنبھل) نے اسٹانگر میں بغاوت کا پرچم ۱۸ مئی ۱۸۵۸ء میں بلند کیا، سہسوان کو ٹوٹا اور ایک جرّار فوج جمع کر لی لیکن ۲۸ مئی ۱۸۵۸ء کو رام نرائن جنگ کرتا ہوا کام آیا۔ جون ۱۸۵۸ء میں نظام علی خاں بریلی کی سرحد پر علی خاں اور قلندر بخش (دونوں میواتی) کے ساتھ تھا۔ حیدر خاں اور محسن خاں (تحصیل دار اور تھانے دار سہسوان) (دوران بغاوت) کو ۵ جون کو پھانسی ہوئی۔ لچھن سنگھ تحصیل دار اوجھانی (بعہد خان بہادر خاں) کو ۷ جون کو گولی ماری گئی۔ جولائی ۱۸۵۸ء میں بھورے خاں اور نظام علی کی سرکردگی میں انقلابی پہلی بھیت پر حملہ آور ہونے کو تھے۔ محمدی میں زبردست اجتماع تھا۔ وہ مولانا احمد اللہ کا انتقام لینے پر تلے تھے۔ خان بہادر کے علاوہ جان علی خاں اور مارے خاں وغیرہ بھی ان کے رہنما تھے۔ شاہ جہاں پور کے شمال میں بڑی تعداد میں انقلابی گروہ تھک کر رہے تھے۔ ان کی ایک جمیعت

گومتی کے کنارے اور دوسری سرسہ گھاٹ (پوایاں سے اٹھ میل) پر تھی۔ اگست میں پوایاں اور شاہجہانپور پر حملے ہوئے، محمدی کے قلعے پر دوبارہ انقلابیوں نے قبضہ کیا۔ بدایوں کا نائب ناظم احمد اللہ خاں رام پور سے گرفتار کر کے توپ سے اڑایا گیا۔ اخبارات 'بنگال ہرکارو' اور 'انڈیا گزٹ' کی خبریں ستمبر میں یہ تھیں کہ مولانا احمد اللہ کے ساتھی اور جانشین پندرہ سو فوج کے ساتھ پوایاں اور شاہجہانپور کے علاقے میں تھے۔ رگھو سنگھ ندوڑ وار میں اور خان بہادر خان گولا (ضلع محمدی) میں تھے ان کے علاوہ باغی گروہوں کے سرداروں میں نواب تفضل حسین بھی شامل ہیں۔ ان گروہوں سے پہلی بھیت کھوٹا۔ شیر پورہ (شاہجہانپور) وغیرہ میں برابر تصادم ہوتے رہے۔ اکتوبر میں انھوں نے پوایاں اور شاہجہانپور پر یک وقت حملہ کیا۔ پہلی بھیت کے جنگلوں میں چھپے ہوئے انقلابی اچانک حملہ آور ہوئے اور سرکاری ملازمین کو تہ تیغ کیا۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں نانا صاحب نے فتح گڑھ کے قریب گنگا کو پار کیا۔ ۱۸ جنوری ۱۹۵۹ء کو نرپت سنگھ ایک جنگ میں کام آیا۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں بیگم اور خان بہادر نیا کوٹ بھٹوں چلے گئے۔

جون ۱۹۵۹ء میں فصاحت اللہ سابق گورنمنٹ ہلیڈر ضلع بریلی جو دوران بغاوت ضلع بدایوں میں انتظام سنبھالے ہوئے تھا، لکھنؤ میں ایک شخص علی بخش خاں کے گھر سے گرفتار ہوا۔ فضل احمد بھی جو فصاحت اللہ کا عزیز، سابق وکیل بریلی اور بغاوت میں سرشتہ دار تھا، گرفتار ہوا۔ حکیم محمد یار خاں پیشکار۔ رسالدار علی بخش (اودھ کا پینشن یافتہ) بھی گرفتار ہوئے۔ ان لوگوں کے پاس سے باغیانہ خط و کتابت اور کاغذات ملے۔ فصاحت اللہ خاص طور پر سازش میں ملوث تھا۔ اُس نے منشی باقر علی اور رسالدار علی بخش وغیرہ سے رابطہ قائم کیا اور مختلف لوگوں سے نامہ و پیام کرتا رہا۔ بعض خط محمد حسین بریلی۔ التفات حسین (برادر کیپٹن فدا حسین)۔ مودود بخش خاں

۱۔ بنگال ہرکارو۔ ۲ جنوری ۱۹۵۹ء (نیشنل لائبریری کلکتہ) بحوالہ فریڈم اسٹریگل

یوپی جلد ۵۔ ص ۵۷۸-۵۷۹

رسالدار وغیرہ کی طرف سے تھے، ایسی زبان میں لکھے گئے تھے جو عام طور پر سمجھ میں نہ آسکیں اور علی بخش رسالدار کے ذریعے باغی سرداروں کو پہنچتے تھے۔ اس خط و کتابت سے یہ راز کھلے کہ جن پر انگریز تکیہ کرتے تھے وہی پتے ہوا دیتے رہے یہ لوگ بگیم اودھ سے بھی نامہ و پیام رکھتے اور انگریزی علاقوں سے خبریں بھیجتے تھے۔

کفایت اللہ اور اس کے بھائی ہلایت اللہ کے خلاف یہ بھی الزام تھا کہ انھوں نے کیپٹن گواؤن (غالباً بریلی) کے چھپنے کا مقام کھوج نکالا اور اس کو چھپانے والوں کو سزا دی۔ دونوں بغاوت میں سگرم رہے۔ کفایت اللہ ملک سے باہر (۹) بھیجا گیا اور ہلایت اللہ کو چودہ سال قید کی سزا ہوئی۔ حکیم محمد یار کو ۵ سال جلاوطنی اور جائداد ضبط۔ مولوی سید قطب شاہ (حالاً علماء کے باب میں ملیں گے) ولد بخش اللہ نے بغاوت پھیلانے کے لیے انگریزی فوج میں ملازمت کی۔ ۲۵ مارچ ۱۸۵۹ء کو سزائے موت تجویز ہوئی۔ بعد میں تبدیل ہوئی اور انڈمان بھیجے گئے (۱۲ مئی ۱۸۵۹ء)۔ مولوی موصوف نے بریلی میں غازیوں کی فوج منظم کی تھی۔ جنرل نیاز محمد خاں (ساکن رام پور) نے متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔ بریلی کی شکست کے بعد خان بہادر کے ساتھ پہلی بھیت۔ محمدی۔ نان پارہ پھر نیپال میں مقیم۔ بمبئی ہو کر مکہ گیا۔ واپسی پر بمبئی، کاٹھیاوار، جونا گڑھ وغیرہ میں رہنے کے بعد دسمبر ۱۸۵۷ء میں گرفتاری ہوئی۔ سزائے موت تجویز کی گئی مگر اپیل پر مئی ۱۸۵۷ء جلاوطنی کی سزا ہوئی ۱۔

خان بہادر خاں | دسمبر ۱۸۵۹ء میں جنگ بہادر نے بھٹوں کے قریب جنگل سے خان بہادر خاں کو اچانک گرفتار کیا۔ جٹو خاں۔ دیہی سنگھ اور گنگا سنگھ بھی ساتھ ہی گرفتار ہوئے۔ خان بہادر کو یکم جنوری ۱۸۵۷ء بریلی لایا گیا، فروری ۱۸۵۷ء میں مقدمہ چلا، گواہ تلاش کر کے لائے گئے اور ہر طرح کے الزامات ثابت کر دیئے گئے۔ خان بہادر

نے اپنے بیان میں کہا کہ جو گواہ لائے گئے ہیں وہ سب وہ ہیں جن کو کسی بد عنوانی کی بناء پر تنبیہ کی گئی یا ان کے خلاف کارروائی کی گئی یا کسی اور وجہ سے مخالف ہو گئے تھے، انگریزوں کے قتل کے الزامات کو غلط ثابت کیا، دلائل اور واقعات سے رد کیا اور کہا کہ وہ اپنا کیس کسی انگریز وکیل کے ذریعے پیش کریں گے تب تک کے لیے مقدمہ روک دیا جائے ورنہ خونِ ناحق ہوگا لے لیکن اس کا موقع نہیں دیا گیا دیگر الزامات کے علاوہ یہ بھی الزام تھا کہ ۱۸ جنوری ۱۸۵۹ء کو بھی ایک اعلان جاری کیا جس میں فتح گڑھ کے عوام سے اپیل تھی کہ وہ متحد ہو کر انگریزوں کو شکست دیں۔ جو خطوط برآمد ہوئے وہ بہادر شاہ۔ بیگم حضرت محل اور ایک رانی کے نام تھے جس کو بغاوت پر آمادہ کیا گیا تھا۔ وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد میں ناکامی کا انجام موت ہے اور یہی انجام خان بہادر کے نصیب میں تھا چنانچہ ۲۴ مارچ ۱۸۵۹ء بروز ہفتہ صبح سات بجے پرانی کوتوالی (بریلی) کے سامنے پھانسی دی گئی۔ تاریخ روہیل کھنڈ (قلمی) مؤلفہ نیاز احمد خاں میں یہ تاریخ یکم رمضان ۱۲۷۶ھ بیان کی گئی ہے۔ خان بہادر خاں کے آخری الفاظ یہ تھے:

”یہ سچ ہے کہ میں نے انگریزوں کو قتل کرایا۔ میں نے اسی مقصد کے لیے جنم لیا تھا

میں نے سیکڑوں انگریز کتوں کو ہلاک کیا یہ نیک کام تھا اور مجھے اس کے حصول

میں کامیابی ہوئی“ ۱

’قیصر التواریخ‘ میں ہے کہ کرنل بیرونے پوچھا ”تم نے مدت تک سرکار کا نمک کھایا، اس سن پیری میں کیوں ایسی بغاوت کی؟“ خان بہادر نے بہادری کا بھرم رکھ کر جواب دیا:

”تم نے ہمارا آبائی ملک چھین لیا تھا۔۔۔ جب تم بھاگے تمہارے باغیوں نے ہمیں مستحق

1. Foreign pol. Cons. 16th March 1860, No. 39.

(National Archive New Delhi)

2. Freedom St. UP. Vol. 5, pp. 596-614, 183.

ریاست سمجھ کر حاکم کر دیا ہم اسے عنایتِ خدا سمجھ کر اپنے حق کو پہنچے۔۔۔۔۔“

غرض یہ کہ نواب اور کمشنر سے خوب تقریر ہوئی۔ جب کمشنر خاموش ہو گیا تو نواب خان بہادر نے کہا ”اب دیر لگانا کیا ضروری ہے“ ۱

سرکاری کاغذات کے بموجب خان بہادر کو پرانی کوتوالی میں دفن کیا گیا جبکہ ایک روایت کے بموجب ڈسٹرکٹ جیل میں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جیل کے پہلے اور دوسرے پھاٹک کے درمیانی حصے میں دفن ہے لیکن صحیح جگہ معلوم نہیں۔ خان بہادر کی رہائشی عمارتیں (بھوڑوں کا محلہ) مسما کر دی گئیں یہ علاقہ ”کھیرہ خان بہادر“ کے نام سے مشہور رہا۔ خان بہادر کی عمر بعض جگہ ساٹھ سال کے لگ بھگ اور بعض جگہ انہی سال بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ وہ بریلی میں صدر امین تھے اس لیے ساٹھ سال زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض بیانات میں ضعیفی کے باوجود طاقتور اور شاندار شخصیت بتایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اور مصروفِ تخلص تھا ”مقاصد الصالحین“ تصنیف بتائی جاتی ہے ۲

خان بہادر خاں (بن ذوالفقار خاں بن حافظ رحمت خاں) کے دو بیٹے بہان بہادر (لا ولد) اور جان بہادر تھے۔ جان بہادر کے یار محمد اور احمد بہادر ہوئے۔ یار محمد کے تین بیٹے یار محمد (مقیم لاہور)۔ دوست محمد اور دستگیر محمد مسعود ہوئے اور احمد بہادر کے سلیم بہادر (مقیم راولپنڈی) اور کلیم بہادر (مقیم بریلی) ہوئے۔ دوسرے عزیزوں میں ظفر یار خاں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ خان بہادر کے عزیز وغیرہ انہی کی نگرانی میں رہے۔ ظفر یار کو پھانسی کی سزا

۱ قیصر التوازیخ جلد ۲ ص ۲۶۹۔ کہا جاتا ہے کہ پھانسی کے وقت یہ شعر پڑھا

بجویم کلمہ حق نمی کشند غوغائیست
نہ مرگ زندگیم نمی شود تماشا ئیست

۲ رسالہ العلم کراچی جنگ آزادی نمبر۔

مصطفیٰ علی بریلوی: خان بہادر خاں شہید

ہوئی۔ اپیل پر رہائی ہو گئی۔ ظفر یار کے بیٹے حشمت یار اور رفعت یار تھے۔ حشمت یار خاں کے بیٹے شوکت یار خاں ہیں جن کے بیٹے عثمان خاں ہیں۔ نواب خان بہادر کے مکسن بیٹے جہان بہادر اور بیوی ممتاز محل ضلع شاہجہانپور کے مقام کھیری میں پوشیدہ رہے۔ جہان بہادر نے خواب رام پور سے ملازمت چاہی مگر ناکامی ہوئی تو گوالیار پولیس میں ملازمت کی، مخبری پر درخواست ہوئے، ۱۹۱۹ء میں انتقال ہو گیا۔

راجہ دیبی بخش | گونڈہ کا تعلقہ دار، مورث اعلیٰ رائے پرتاپ مل سنگھ (قوم بسین) اسی کی نسل میں راجہ مان سنگھ نے ایک خوب صورت ہاتھی جہانگیر کو پیش کیا جس پر جہانگیر نے راجہ کا خطاب اور تعلقہ گوالہری کی جاگیر عطا کی۔ راجہ دیبی بخش سنگھ بن دلجیت سنگھ (بن دیباپت سنگھ بن پہلوان سنگھ بن اودت سنگھ..... راجہ مان سنگھ) نے جس دلیری کے ساتھ بیگم حضرت محل کا ساتھ دیا وہ ہماری نظر سے گزر چکا۔ وہ بیگم کے ساتھ نیپال چلا گیا اور وہاں مختلف جنگوں میں حصہ لیا، وہیں موت سے ہم کنار ہوا۔ اس کا علاقہ مان سنگھ کے بیٹے شرن سنگھ ناظم کو دیدیا گیا۔

نواب ولی داد خاں | نواب ولی داد خاں بن بہادر خاں بن حق داد خاں دہلی کے شاہی خاندان سے رشتہ داری رکھتے تھے۔ مالا کڑھ (بلند شہر) میں ان کا قلعہ تھا۔ یہاں حق داد خاں نے ایک مشہور بزرگ حضرت سید محمود مالا مال کرمانی سے عقیدت کی بنا پر مالا مال کڑھ نام رکھا تھا۔ اسے شیر رنے اپنی کتاب 'ڈیلی لائف ڈیورنگ میوٹنی' (ص ۲) میں لکھا

۱ 'العلم جنگ آزادی نمبر ۱۹۵۶ء ۲ قطبی: آئینہ اودھ ۷۷-۷۸

۳ حضرت سید محمود مالا مال کرمانی کے چھوٹے بھائی سید طیفور تھے جن کی اولاد مالا کڑھ کے قریب گٹھادی میں آباد ہے۔ آپ ہی کی اولاد میں چشتیہ سلسلے کے معروف بزرگ حضرت عبداللہ المعروف بہ شاہ ابن بدر چشتی (متوفی ۹۸۶ھ) ہوئے ہیں جو امر وہ میں سکونت پذیر ہوئے اور اولاد امر وہ میں ہی آباد ہے!

ہے کہ وہ آگرے میں بغاوت سے پہلے کی سازشوں کے خاص سرغنہ تھے۔ شیر رائے آگرے میں ملا تھا (۱۸۴۷ء)۔ ستمبر ۱۸۵۷ء تک بلند شہر کے علاقوں میں انگریزی فوجوں سے جنگ کرتے رہے۔ یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کو مالاکٹھ کا قلعہ سہما کر لیا گیا اور وہ دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۷ء کو ان کے بیٹے اسماعیل خاں نے آگرے کے قریب ملکسی پور انگریزی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ لے ولی داد خاں بعد میں بیگم حضرت محل اور خان بہادر خاں کے ساتھ بھی جنگوں میں شریک رہے۔ چار بیٹے اسماعیل خاں، محمد خاں، محسن خاں اور احمد یار خاں تھے۔ خدنگ ندر میں اسماعیل خاں کو بھانجہ بتایا ہے۔ ولی داد خاں بیگم حضرت محل کے ساتھ ہی بونڈی گئے اور وہیں درگمردہ میں انتقال ہوا۔ بعض بیانات یہ ہیں کہ اٹاودہ میں سکونت اختیار کی۔

بنارس الہ آباد اور گورکھپور کے انقلابی | سرکاری رپورٹوں کے بموجب گورکھپور کے علاقوں میں سرگرمیاں پورے شباب تھیں۔ جولائی اگست ۱۸۵۸ء میں اشرف بخش خاں اور جواہر خاں نے ڈومر یا گنج پر قبضہ کیا، ٹانڈہ میں سوکھا سنگھ کمان کر رہا تھا، امور ہا کے قریب قبضہ کیا۔ گورکھپور کا ایک حصہ ابھی تک انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ اسی علاقے میں ایک گاؤں جگدیش پور میں انگریز ان کے مورچوں پر حملہ کر کے ناکام ہوئے۔ ڈومری کے بابوؤں کو نومبر ۱۸۵۸ء میں پسپا کیا گیا اور وہ نیپال کی طرف چلے گئے۔ نومبر ۱۸۵۸ء تک مہدی حسن۔ راجہ کونڈہ اور بالا صاحب کی فوجیں گورکھپور کی سرحد پر موجود تھیں۔ دوسرے سرداروں میں بلی کرن سنگھ۔ بلی سنگھ۔ جیون سنگھ وغیرہ تھے جنہوں نے مسلسل حملے کیے اور پھر نیپال کی طرف گئے۔ بالا رائو راپتی پارکر گیا، محمد حسن اکونا اور راجہ کونڈہ بھنگا چلے گئے (دسمبر ۱۸۵۸ء) ستاسی کے راجہ اودت نرائن کے قلعے پہ پہلے ہی قبضہ کیا جا چکا تھا۔ اس راجہ کو خفیہ رپورٹوں میں بدترین باغی کہا گیا ہے۔ لاکرافٹ نے اپنے بیان میں اس کی حیرت انگیز مورچہ بندیوں کا اعتراف کیا ہے۔ ۱۷ اس کے

قلعے سے بڑی تعداد میں سامان جنگ اور جدید ہتھیاروں کا ذخیرہ برآمد ہوا۔ سرسہر پور اور نگر کے راجاؤں کے علاوہ جون پور سرحد کے راجہ مارا مریش سنگھ اوریش سنگھ اور چندریش سنگھ بھی تھے۔ محمد حسن ٹانڈہ کے قریب ایک گاؤں کا ساکن تھا اس کے ساتھیوں میں بلی سنگھ چلو پارکارا جہ۔ کشن کشور عباس علی پرکھی پال سنگھ۔ جعفر علی وغیرہ تھے۔

بنارس ڈویژن کے تمام علاقوں میں انقلابی سرگرمیاں بدستور جاری تھیں۔ جھوڑی سنگھ بھدوہی میں مع فوج موجود تھا۔ مرزا پور میں وجے گڑھ۔ گوپی گنج۔ لال گنج۔ رابرٹ گنج وغیرہ انقلابی جدوجہد کے مرکز تھے۔ وجے گڑھ میں ایشوری سنگھ ان کا سردار تھا۔ اس کے علاوہ رکھہ سنگھ۔ پترجیت سنگھ۔ رتن سنگھ وغیرہ تھے۔ غازی پور میں بھی اگست ۱۹۵۸ء تک برابر تصادم ہوتے رہے۔ پرگنہ زمانہ میں انگریزوں کے وفاداروں کو قتل کیا گیا۔ ۱۷ اپریل ۱۹۵۹ء میں مرزا پور کے جنوب میں باغیوں کی بڑی فوج بکسر کے قریب گہار (ضلع غازی پور) پر تھی جہاں کا زمیندار میگھا سنگھ قیادت کر رہا تھا۔ اس نے امر سنگھ سے مل کر ممی اور جون ۱۹۵۸ء میں زبردست شورش پھیلا دی، شاہ آباد کے موضع نیوں وان پر حملہ کیا، اس پاس کے تعلقہ دار اور غلام اس کے ہمراہ تھے، امداد خاں اس کی فوجوں کا کمانڈر تھا۔

جھوڑی سنگھ ممی ۱۹۵۸ء میں الہ آباد چلا گیا، بادشاہ پور میں سانڈرس کی فیکٹری ٹوٹی اور ٹھیلی شہر پر حملہ کیا۔ بولالی تک سنگرام سنگھ بھی بنارس اور جون پور علاقوں میں سخت خطرہ بنا ہوا تھا۔ لیکن جھوڑی سنگھ اودھ کے علاقوں میں موت سے ہمکنار ہوا۔ مین پوری کا راجہ اپریل ۱۹۵۸ء اور ایام میں مع فوج آگیا تھا مختلف جگہوں پر تصادم ہوتے رہے۔ اترولیا کے قریب غلام حسین اور مہدی حسن کی فوجیں تھیں جنہوں نے اپریل ۱۹۵۸ء میں لوکارڈ کی فوجوں سے مقابلہ کیا ان کے ساتھ سنگرام سنگھ کی فوج بھی تھی۔ پرگنہ سنگھ نے کولسا اور مہاراج گنج پر حملے کیے۔ ٹانڈہ میں اس کے علاوہ راجہ سر پور

اور مولوی علی کریم کی فوجیں تھیں۔

میگھار سنگھ (ولد بھجن سنگھ) پر نومبر ۱۹۴۷ء میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس نے اپنی گریڈ بیان کیں کہ وہ بگیم کے ساتھ نیپال گیا مگر جنگ بہادر نے رہنے نہ دیا اس لیے واپس آیا۔ اس نے کھیرائی۔ دلدار نگر۔ گھر (سہرام)۔ روپ پور وغیرہ پر جنگوں میں حصہ لیا۔ نیپال سے آکر کلکتہ میں اپنے آپ کو حکام کے رو برو پیش کر دیا۔

کوئٹا ابھی تک انقلابیوں کے قبضے میں تھا، صوبے دار کنہیا سنگھ کمان کر رہا تھا۔ ان کے ساتھ دو مولوی بھی تھے جن میں ایک ٹانڈہ کے رئیس کا بیٹا اور دوسرا غلام حسین تھا۔ جون پور وغیرہ کے جن انقلابی سرداروں کو سزا ہوئی (اکتوبر ۱۹۵۸ء)۔ ان میں گنن مصر (ساکن دیوا)۔ مخدوم بخش (ساکن گیکر تھی)۔ بندیسری بخش سنگھ ساکن جھلیوا۔ جگیشور بخش (بدلا پور کا)۔ پھلی سنگھ (میر جید پور)۔ ارجن سنگھ (بدلا پور)۔ رچھپال سنگھ (کٹ گھر)۔ نیپال سنگھ (جھلیوا) شامل تھے۔ مظفر جہاں ۱۹۶۰ء تک جنگ کرتا رہا، گرفتار ہوا۔

الہ آباد کے علاقوں میں انگریزی فوجوں سے برابر تصادم ہوتے رہے۔ مئی ۱۹۵۸ء میں الہ آباد اور سوراؤں میں باندہ کا ولایت حسین رہنما تھا۔ مولوی لیاقت علی بھی فوج منظم کر رہے تھے یعنی بہادر نے کرنائی پور پر قبضہ کر لیا۔ مولوی لیاقت علی کے ساتھ ہنومن سنگھ۔ ترول کا گلاب سنگھ اور فضل عظیم بھی تھے۔ جولائی میں ان کا مرکز سوراؤں تھا۔ سنگرام سنگھ جنگ میں کام آیا۔ آخر کار ۱۳ جولائی ۱۹۵۸ء کو بگریڈیر برکلی نے دھائیں کے قلعے پر حملہ کیا، مولوی لیاقت علی بچ کر نکل گئے۔ لیکن اس کے بعد دھارواں کے زمیندار دھکن سنگھ، ہنومان سنگھ اور ولایت حسین نے انقلابی فوجوں کی کمان کی۔ ہنومان سنگھ سب سے زیادہ مضبوطی سے جمارہا اس کی کاروائیاں سرکاری رپورٹوں میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہیں۔ بلہور سنگھ اور روح الامین نائب چکھ دار نقاب گنج۔ گلاب سنگھ یعنی

بہادر سنگھ (نصرت پور)۔ مادھو سنگھ (بھوگنی پور) وغیرہ سردار مع فوجوں کے میدان میں تھے۔ ان کا لیڈر روح الامین تھا جس کی مدد شیام پور کی رانی اور بدری کی ٹھکرا نی سنگھ لام سنگھ زمیندار سنگھ در فقیر بخش وغیرہ کر رہے تھے۔ لکھنؤ سے حکم نامہ جاری ہوا جس میں انگریزوں کو نکلنے کے لیے روح الامین کی مدد کرنے کی اپیل تھی۔ ہم عصر سرکاری رپورٹوں میں ان تمام زمینداروں کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جو اس جدوجہد میں شریک تھے۔ مرزا آغا (ساکن ہنومان گنج) نے نائب ناظم ہونے کا اعلان کیا۔ مانک پور کے قانون گو بخش اللہ اور ایودھیا سنگھ بھی باغیوں کے ساتھ تھے۔ چوراسی (پرگنہ خراگڑھ) میں دسمبر ۱۸۵۸ء تک بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ سوراوہل سمیل گنج۔ نصرت پور۔ پھول پور۔ مبارک پور۔ بنسا بھتھیرا۔ بی بی پور وغیرہ میں جو باغی سردار سرگرم رہے ان میں سلطنت بہادر۔ راجہ بے سنگھ۔ مینی بہادر۔ مخدوم بخش۔ دیوان رنجیت سنگھ۔ پرتھی پال سنگھ۔ زندھیر سنگھ۔ کالو بجا کا راجہ۔ کالکا بخش۔ جلال پور کا سابق زمیندار وغیرہ بھی شامل تھے۔ اجموٹھا سنگھ کوئی ۱۸۵۸ء میں ضلع فتح پور سے گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ فتح پور میں مینی مادھو۔ رام بخش اور شہزادہ فیروز بھی موجود تھے۔

انقلابیوں کا انجام۔ نیپال | انقلابی عوام جن کو ۱۸۵۹ء میں ترائی کے علاقوں اور پھر نیپال کی طرف دھکیلا گیا، ایک اندازے کے مطابق

ایک لاکھ کے قریب تھے (بعض جگہ ساٹھ ہزار کا اندازہ ہے)۔ ان کے سرداروں میں بیگم حضرت محل و برہیس قدر۔ نانا صاحب۔ بالا صاحب۔ میر محمد حسن (جو نیپال کی سرحد تک آگیا ۱۸۵۹ء کے شروع میں ہتھیار ڈالے)۔ رانا مینی مادھو۔ دیبی بخش (گوڑہ)۔ بخت خاں۔ امر سنگھ۔ خان بہادر خاں۔ موٹھاں۔ جوالا پرشاد۔ مولانا سرفراز علی وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے جنگ بہادر سے فوجی مدد کے لیے بات کی لیکن وہ نہ صرف مدد پر تیار نہ ہوا بلکہ اپنے علاقے میں انگریزوں کو داخل

ہونے کی اجازت دیدی جس کی وجہ سے انقلابیوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ایک طرف انگریزی فوجیں اور دوسری طرف نیپال کے گورکھادستے ان سے برسرِ پیکار تھے۔ نیپال میں انھیں جس برتاؤ سے پالا پڑا وہ آگے آ رہا ہے لیکن اس کے علاوہ ترائی کے جنگلوں کی بیماریاں، کیڑے مکوڑے اور جنگلی درندے الگ اپنا شکار بنا رہے تھے۔ بعض اوقات کھانا خریدنے کے لیے سپاہیوں کو ہتھیار بیچ دینا پڑے۔

نیپال کے راجہ جنگ بہادر سے یہ انقلابی عرصے سے آس لگائے ہوئے تھے اور ۱۸۵۷ء کے آخر میں بیگم کی طرف سے معاہدے کے لیے خط و کتابت کی گئی اس کے بعد ۹ مئی ۱۸۵۸ء کو اور اس کے بعد خطوط لکھے گئے اور ایک سفیر علی محمد خاں کو بھیجا گیا۔ مولوی رفراز علی نے بھی ۶ جون ۱۸۵۸ء کو خط لکھا اور بتایا کہ انھیں مولانا احمد اللہ نے پیام بر بنا کر بھیجا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ بہادر نے برہیس قدر کے نام خط (۱۷ جولائی ۱۸۵۸ء) میں ٹکا سا جواب دیدیا لے اور اپنی فوجیں انگریزوں کی مدد کے لیے روانہ کر دیں اور خود بھی آودھ کے علاقوں میں جنگ کے لیے آگیا۔ انقلابی سرداروں کو کچھ بھی اُس سے 'وفا' کی امید تھی۔

ایک طرف انگریز رزٹینٹ (جی۔ ریفرے) جو نیپال میں رہ کر اس ملک کو نیم غلام بنا چکا تھا، رانا پر زور ڈال رہا تھا کہ انقلابیوں کو یا تو نکال دیا جائے یا انگریزوں کے حوالے کیا جائے دوسری طرف انقلابی سردار نیپال کے حکمران سے پناہ دینے کی آس لگا رہے تھے لیکن ۱۵ جنوری ۱۸۵۹ء کو جنگ بہادر نے لکھا کہ ہم تمہاری مدد نہیں کریں گے ہمارے اور انگریزوں کے درمیان "دوستانہ" معاہدہ ہے۔ اس پر بیگم نے اُس سے ذاتی طور پر ملنے اور بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ نانا صاحب نے ۲ فروری ۱۸۵۹ء (۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۵ھ) کو خط لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ جنگ بہادر نے ۲۲ فروری ۱۸۵۹ء کو جواب دیا کہ کسی قیمت پر مدد نہیں دی

جائے گی، انقلابی نیپال سے نکل جائیں۔ بیگم اس وقت شیوپور میں تھیں اور کنڈک ندی (سکڑولا گھاٹ) پر ۲۷ فروری کو مع ساتھیوں کے پہنچنے والی تھیں۔ بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ شروع میں راجہ نیپال کا رویہ نرم اور ہمدردانہ تھا لیکن انگریز رزروڈینٹ برابر دباؤ ڈال رہا تھا کہ ہمیں افسوس ہوگا اگر بیگم کو پناہ دی گئی۔ لے اس سلسلے کی دستاویزات اور خطوط سے جو بے شمار ہیں، مختصراً یہ واضح ہوتا ہے کہ جنگ بہادر کم از کم بیگم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو تیار تھا لیکن یہ بھی مفت ہاتھ نہیں آیا، جگہ جگہ اشارات ملتے ہیں کہ نقد روپے کے علاوہ لاکھوں کے زیورات اور قیمتی ہیرے جو اہرات اس برتاؤ کی نذر ہو گئے۔ انگریز رزروڈینٹ کی رپورٹ (۱۳ جون ۱۹۵۹ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیگم انگریزوں سے صلح صفائی یا اس طرح کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں، انگریزوں کی ہر پیش کش اور نرم شرطیں حقارت سے ٹھکرا دی گئیں۔ وہ جنگ بہادر سے خود سننا چاہتی تھی کہ وہ کیا ارادہ رکھتا ہے۔ انگریز چاہتے تھے کہ بیگم کو پکڑا بھیج دیا جائے جہاں وہ الگ تھلک ہو کر رہ جائے۔ رزروڈینٹ نے انقلابیوں کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ بدستور نہایت سرکش باغی رہے ہیں اور آخر وقت تک بھی انھوں نے بغاوت کو برابر بھڑکائے رکھا۔ لے

راجہ نیپال پر دباؤ ڈالا ہوا تھا کہ وہ نانا کو دھوکے سے گرفتار کرادے مگر دغا بازی کی اس بلندی پر پہنچنا اس نے گوارا نہ کیا یہ اسی دوران (۲۵ تا ۲۸ مارچ ۱۹۵۹ء) بھٹوں کے مقام پر جنگ ہوئی۔ ”احسن التوازیخ“ میں ہے کہ برہمپور میں لشکر اور افسران کے ایک دریا پر

۱۔ فریڈم اسٹرگل جلد ۲ ص ۵۸۱

۲۔ ابراہیم حسین فاروقی: مآثر دلاوری/۲۶۰

۳۔ فریڈم اسٹرگل جلد ۲ ص ۵۸۱

۴۔ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۲ ص ۵۸۱-۴۰۱

فاروقی: مآثر دلاوری ۲۶۲

غیمہ زن ہوئے تیس دن قیام کیا اس کے بعد جنگ بہادر نے لکھ بھیجا کہ بھٹوں کو واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ لشکر بھٹوں واپس آگیا۔ ناموافق آب و ہوا سے بہت آدمی فوت ہوتے رہے، خان علی خاں بھی فوت ہو گیا لیکن بھٹوں پہنچ کر انگریزی فوج کے آنے کی اطلاع ملی نیپالیوں نے وعدوں میں الجھائے رکھا اور تکلیفیں بھی دیتے رہے اس وقت لشکر میں علاوہ جمیعت کثیر باغیان جنگی کے سپاہی زمیندار اور بڑے بڑے رئیس تعلقہ دار جن کی بہادری مشہور خلافت تھی لڑنے مرنے پر تیار تھے۔ جب نیپالیوں نے دیکھا کہ انگریزی فوج پہاڑ کے نیچے آکر صف بستہ ہو گئی تو ان کے سپہ سالار نے برہیس قدر کو لکھا کہ اگر امان چاہتے ہو تو مع التایق وغیرہ دیوڑھ میں رہو اور فوج کو پہاڑ کے نیچے جانے کا حکم دو۔ اگر مع فوج پہاڑ پر آئے تو ہماری فوج سے جنگ ہوگی۔ برہیس قدر مع بیگمات وغیرہ کے پہاڑ پر آئے اور جب فوج نے پہاڑ کے نیچے جا کر جنگ شروع کی تو ادھر سے نیپالیوں نے ازراہ مہمان نوازی توپیں لگا دیں۔ بھاگنے کا کہیں راستہ نہ رہا چنانچہ قیامت خیز جنگ ہوئی۔ چوتھے روز تمام انقلابی فوج پہاڑ پر چڑھ گئی اور نیپالی فوج کا محاصرہ کر لیا تو سالار نے بگیم کو عیاری سے پیغام بھیجا کہ آپ مع پانچ سو آدمیوں کے نیا کوٹ میں رہیں۔ چنانچہ برہیس قدر مع متعلقین نیا کوٹ روانہ ہوئے اور باقی سب دیوڑھ میں رہے، اکثر کی جان بچ گئی، کچھ انگریزوں سے جا ملے۔ برہیس قدر نے جنگ بہادر سے مل کر مدد کی درخواست بھی کی مگر نامعلوم ہوئی۔ ”لشکر نانا راؤ اور بالا راؤ وغیرہ کو لے کر کشمیر روانہ ہوا“

بینی مادھو کی قربانی | جنگ بہادر اب اپنی بہادر فوجوں کو لے کر مصیبت زدہ

۱۔ انگریزوں کے وفادار یہاں بھی کارگزاریاں دکھا رہے تھے۔ احسن التواتر کے بموجب ”اسی رات کو بزرگان لشکر کو سازش امراؤ مرزا کی انگریزوں سے ثابت ہو گئی۔“ سرسید نے لکھا ہے کہ خیر الدین (بعد میں گورکھپور کا ڈپٹی مجسٹریٹ) کرنل کیلی کے ہمراہ بھٹوں میں موجود تھا اور باغیوں کی جاسوسی کر رہا تھا، بہت سوں کو گرفتار کرایا (خیر خواہ مسلمانان ہند ص ۸۰)

انقلابیوں سے جنگ کرتا پھر رہا تھا۔ دیگوٹھ میں مع فوج داخل ہوا (نومبر ۱۸۵۹ء) جہاں رانا بینی مادھو نیمہ زن تھا۔ رانا سے کہا کہ اپنے گھر چلے جاؤ۔ اُس نے جواب دیا کہ ہمارا کوئی گھر نہیں، دھڑی کی مہلت البتہ درکار ہے۔ رانا کے پاس اس وقت صرف ڈھائی سو سپاہی تھے۔ رانا نے حملہ زیورات اور دولت کا انبار لگا کر کہا "جس کو دولت درکار ہو اٹھالے اور جس کو ہمارا ساتھ دینے میں دنیا و عقبیٰ کی بھلائی دکھائی دیتی ہے وہ ہمارے ساتھ آئے۔ صرف دو سپاہیوں نے دنیاوی دولت کو پسند کیا اور باقی نے رانا کا ساتھ دینے کے لیے ہتھیار اٹھالے۔ رانا نے عورتوں کو پہاڑ کی کھوہ میں بٹھایا اور خود انگریزی اور نیپالی فوجوں سے مقابلے کے لیے نکل آیا۔ کہا جاتا ہے کہ رانا نے اپنی عورتوں سے کہا "ہم سے تو اب صبر کرو مگر بیگم صاحبہ کی رفاقت سے منہ نہ موڑنا۔" بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز افسروں نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا، کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ تقریباً ایک ہزار آدمی کام آگئے، نیپالی سپاہی گاجر مولیٰ کی طرح کٹ گئے اور بینی مادھو کے سب ہمراہی ختم ہو گئے کچھ توپوں سے کام آئے اور باقی نے تیزی سے آگے بڑھ کر تلوار سے جنگ شروع کی۔ مقابل فوج دو ہزار سے بھی زیادہ تھی لیکن یہ اس قدر جاں بازی سے لڑے کہ نیپالی اور انگریزی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ رانا کے سپاہیوں نے پیچھا کیا۔ ایک نیپالی افسر نے کچھ فوج ایک جگہ آڑ میں چھپا دی تھی جس نے اچانک گولاباری کی اور یہ انقلابی مع رانا کے کام آگئے۔ لے

نرپت سنگھ | چودھری جیسا سنگھ (ساکن ترون سرائے) کا بیٹا نرپت سنگھ جس نے روٹیا کے قلعے پر ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ انگریزی فوج سے جنگ کر کے اُن

۱۔ تمنا (رام سہائے): احسن التواتر، ۱۱۰-۱۱۱۔ بعض کا بیان ہے کہ رانا یہاں نہیں تھا بلکہ اس کا بھائی جوگ راج سنگھ تھا۔ بینی مادھو کے خاندان کو گھاگرہ پار کچھ علاقہ پرورش کے لیے دیدیا گیا تھا۔ سرکاری کاغذات میں ہے کہ بینی مادھو اور جوگ راج سنگھ جنگ میں کام آئے۔ البتہ دوسرے بھائی، بیوہ اور بیٹے (۱۲-۱۳ سال) دسمبر ۱۸۵۹ء تک نیپال میں رہے پانچ سو روپے ماہانہ کی جائداد دیکر سیتاپور بھی دیدیا گیا

کے منہ پھیر دیئے تھے اور برابر سگری سے بغاوت میں حصہ لیتا رہا، ایک روایت کے مطابق رانا یمنی مادھو کے ساتھ ہی جنگ میں کام آیا۔ اخبار طائر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ بے حد خستہ حالت میں تھا لیکن اس کے باوجود قسم کھائی تھی کہ —

”جگوان نے اس کے خاندان کے کچھ لوگوں کی قربانی لی ہے۔ وہ اپنے باقی ماندہ لوگوں

کو بھی اسی طرح وطن پر قربان کر دے گا“۔

چردا کے راجہ نے کچھ دن اپنے قلعے پر نانا صاحب کو پناہ دی اور انگریزی فوج کے آنے پر خود بھی ترائی اور نیپال چلا گیا۔

دوسرے انقلابی سردار

امیٹھی کے لال مادھو سنگھ نے (غالباً نیپال اور ترائی میں) ہتھیار ڈالے۔ جنوری ۱۹۵۷ء میں راجہ دیشی بخش سنگھ (گوندہ) بھی موت سے ہم کنار ہو گیا اور گوندہ کی رانی نے اپنے ہمراہیوں (۸۹) کے ساتھ ہتھیار ڈالے۔ جنرل خدا بخش، ہر پرشاد (چکلا دار خیر آباد) بھی ۱۹۵۷ء یا جنوری ۱۹۵۷ء میں فوت ہو گئے۔ مہدی حسن اور اس کے چچا میر دوست محمد وغیرہ نے جنوری ۱۹۵۷ء میں اور جوالا پرشاد نے ۱۹۵۷ء کے آخر میں ہتھیار ڈالے۔ راجہ جے لال سنگھ بن درشن سنگھ اور دوندیا کھیرہ کے رام بخش کو پھانسی ہوئی۔ توئی سنگھ کو کالا پانی۔

مان سنگھ، ڈرگ بچے سنگھ، دروندہ واجد علی اور کاشی پرشاد کی جہاں بخشی ہوئی، انعام ملے۔ جوالا پرشاد (اس نام کے دو اشخاص تھے) کو ۲۰ مئی ۱۹۵۷ء کو کانپور میں پھانسی دی گئی۔ ڈرگ بچے سنگھ (مہونا کا) ۱۹۵۷ء میں گرفتار ہوا۔ کلاب سنگھ اور بوندی کا ہر دت سہائے بھی ڈھوگر (علاقہ ترائی) میں کام آگئے۔ ملیریانے بالا صاحب کو شکار کیا (جولائی ۱۹۵۷ء) عظیم اللہ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں بھٹول میں فوت ہوا اور موخاں مع شیخ سکھن گرفتار انڈمان بھیجا گیا جہاں غالباً ۱۹۷۷ء میں جزیرہ سراوک میں فوت ہوا۔

۱۔ فریڈم اسٹریگل جلد ۲ ص ۴۲۴

۲۔ سین / ۳۶۸ — ۳۶۵، فریڈم اسٹریگل جلد ۲ ص ۴۲۴

بیگم حضرت محل

لکھنؤ سے نکل کر بیگم بو زدی پہنچیں، کچی گڑھی میں قیام کیا۔ راجہ نے بقدر ہمت مدد کی اور یہاں پھر حکومت کا نظام قائم کیا فرمان جاری ہوئے، ناظم مقرر ہوئے مگر گھاگرہ کے اُس پار بھی انگریزی فوج کے آنے پر ہمیں مادھو نے جنگ کی اور بیگم نے نیپال کا ارادہ کیا۔ آخر کار انگریزی فوج نے گھاگرہ پر پل بنالیا (آٹھ دس دن جنگ کے بعد) پھر گھاٹ پر معرکے کی جنگ ہوئی۔ جنرل خدا بخش بر جیس قدر کو کے کر نکلا، تلسی پور میں بھکوان پور کے قریب قیام کیا پھر کلریا پر ایک تصادم کے بعد بھٹول پہنچے۔ یہاں نیپالی حکام ایک طرف ان سب کو دلاسا دیتے رہے اور دوسری طرف انگریزوں کو تمام اطلاعات دے کر نیپال میں داخل کر دیا۔ خط و کتابت سے ظاہر ہے کہ راجہ نیپال نے مدد سے انکار کر دیا۔ نیپال گورنمنٹ کا ارادہ یہ تھا کہ ممکن ہو تو انقلابی سرداروں کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جائے اور ضروری ہو تو جنگ کی جائے چنانچہ یہ مصیبت زدہ چٹون، بھٹول اور نیا کوٹ وغیرہ میں ٹکراتے پھرتے رہے۔ مشہور ہے کہ بیگم کے ہمراہ خان بہادر خاں کی زوجہ بھی تھی۔

راجہ نیپال کی طرف سے بل بھدر سنگھ ۱۷ فروری ۱۸۵۹ء کو بیگم سے بات کرنے آیا جس نے لکھا ہے کہ مجھ کو بیگم کی پالکی کے قریب بلایا گیا، بیگم نے کہا:

”اگر جنگ بہادر ہم کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کرتے ہیں تو ہم مرنے کے

لیے تیار ہیں اس لیے ہمیں کٹھنڈے چلو..... مجھے امید تھی کہ جنگ بہادر میری بہتری

کے لیے کچھ نہ کچھ کریں گے۔“

بل بھدر سنگھ نے کہا کہ خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تعمیل ہونا چاہیے۔ خط میں لکھا تھا

کہ ”تم میں جن لوگوں نے انگریز افسروں اور عورتوں کا خون نہیں بہایا وہ ہتھیار رکھ کر بیٹھو اندی پر چلے جائیں انگریزی فوجیں انہیں گھر پہنچا دیں گی“ بیگم دس منٹ خاموش رہی اور پھر کہا کہ باہر جا کر تمام سرداروں کو خط سنا دو۔ خط سن کر تمام سرداروں نے جواب دیا کہ:

”ہم ہندو مسلمان مذہب کے لیے لڑے، راجہ جنگ بہادر بھی ہندو ہیں اس لیے

اُن کو ہماری مدد کرنا چاہیے۔ بڑائی کے لیے ہماری تعداد کم نہیں ہے اگر وہ ہم کو پچاس ساٹھ ہزار فوج دیدیں تو ہم انگریزوں کے مقابلے میں اُن کو دو گنی تنخواہ دیں گے..... جو علاقہ ہم فتح کریں گے وہ گورکھا حکومت کا ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے ملک میں ہم کو پناہ دیدیں..... انگریزوں کے زیادہ سے زیادہ دس بارہ سو بیوی بچوں کو ہمارے جاہل سپاہیوں نے بغیر ہمارے حکم کے مارا ہے حالانکہ ہم ہندو مسلمانوں کے تقریباً ایک لاکھ بیوی بچوں کو انگریزوں نے یا تو پھانسی دی یا تہ تیغ کیا..... لیکن اگر مہاراجہ ہم کو انگریزوں کے حوالے ہی کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ ہم ایک لاکھ آدمیوں کو جو ہمدردی کے طالب ہیں انہیں ایسا سخت جواب نہیں دینا چاہیے تھا“ اے

اس گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ دس دن کے اندر یہاں سے چلے جاؤ۔ بیگم کو نیپال میں رہنے کی اجازت دیدی گئی اور وہیں یہ غیور اور باہمت بیگم اپریل ۱۸۴۹ء میں دنیا سے رخصت ہو گئی، کٹھنڈو کی ایک مسجد میں مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امن قائم ہونے کے بعد انگریزی حکومت کی طرف سے انہیں پنشن وغیرہ کی پیش کش کی گئی مگر بیگم نے ٹھکرا دی۔ لکھنؤ کے کمشنر کا بیان (۱۸۸۹ء) یہ تھا کہ وہ غلام حسین علی خاں کے ملازم عنبر کی بیٹی تھی۔ ماں کے انتقال کے بعد برجیس قدر نے کلکتہ میں قیام کیا (۱۸۹۳ء)۔ برجیس قدر رمضان علی کے بیٹے مہر قدر زاد علی اور تین پوتے انجم قدر روشن علی، گوکب قدر اور

اے فاروقی: مآثر دلاوری ۲۷۵-۲۸۱، آخر میں جب انقلابیوں کو انگریزوں کے حوالے کیا گیا تو وہ دو ہزار رہ گئے تھے (سین-۲۷۱) اپریل ۱۸۵۹ء تک بیگم، خان بہادر اور نانا وغیرہ نیکوٹ میں تھے۔ بالا صاحب رتن پور میں تھا۔

نیر قدر و اصف علی کلکتہ ہی میں آباد ہیں۔ اگست ۱۸۹۲ء میں ہی برہمپیس قدر کا انتقال ہوا۔ آزادی وطن کے بعد حکومت ہند کی طرف سے ان لوگوں کے وظیفے مقرر کیے گئے ہیں۔

بخت خاں | جنرل بخت خاں کے حالات بریلی اور دہلی وغیرہ میں ہماری نظر سے گزر چکے۔ دہلی کی شکست کے بعد وہ مع فوج وہاں سے نکل گیا۔

لکھنؤ میں بھی اس کی موجودگی ثابت ہے۔ بعض رپورٹیں بتاتی ہیں کہ ۱۸۵۸ء میں نواب گنج کے مقام پر کام آیا مگر یہ تصدیق طلب ہے۔ ڈاکٹر سین نے لکھا ہے کہ وہ ۱۲ مئی ۱۸۵۹ء کو ایک جنگ میں کام آگیا۔ ایچ۔ جی۔ کیٹس کا بیان ہے کہ نہ وہ ہاتھ آیا نہ کوئی خبر ملی۔ اکثر انگریزوں مثلاً سپتان ویڈی۔ کٹس اور کرنل بروچر (آف بنگال آرٹلری) نے بخت خاں کی بہادری اور ذہانت کی بڑی تعریف کی ہے۔ ذکا اللہ دہلوی نے تاریخ عہد انگلشیہ میں لکھا ہے کہ بخت خاں نے دہلی میں انتظامات سنبھالنے کے بعد ہر کام میں باقاعدگی پیدا کی، شکر اور نمک کا محصول معاف کیا تاکہ غریبوں کو فائدہ پہنچے۔ اعلان کیا کہ جو شہزادہ شہر میں ٹوٹ مار کرے گا اس کی ناک کٹوا دوں گا۔ اعلان کرایا کہ عوام اپنے پاس ہتھیار رکھیں اور جس کے پاس نہ ہو اس کو مفت فراہم کیا جائے گا۔ جامع مسجد میں علماء کو جمع کر کے فتوے پر دستخط کرائے اور ایک حلف نامہ سپاہ میں تقسیم کرایا۔ اس کے ہمراہ تقریباً ستر علماء دہلی آئے تھے جن میں مولوی امام خاں۔ مولوی

۱۔ مہر قدر زہد علی کی طرف سے حکومت ہند کو ایک عرضداشت پیش کی گئی تھی جس میں لکھا تھا کہ برہمپیس قدر نے کلکتہ میں آزادی کی تحریک چلانے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ ان کے ٹرکے، لڑکی اور دو ساتھیوں کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا (الجمعیۃ، ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء) لیکن دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ برہمپیس قدر نے واجد علی شاہ کا جانشین ہونے کی وجہ سے کچھ مراعات کا مطالبہ کیا جس پر ان کے عزیزوں نے زہر دیدیا اور یہ انگریز حاکموں کے اشارے پر کیا گیا۔ مہر قدر زہد علی کا ۱۹۶۱ء میں انتقال ہوا۔

عبدالغفور اور مولوی سرفراز علی بھی تھے۔ نانا صاحب کا بھائی بالا صاحب بھی اس کے ہمراہ آیا اور ساتھ رہا۔ دہلی میں پہاڑی پر مقیم انگریزی فوج پر چاروں طرف سے بیک وقت حملہ کرنے کا پلان بنایا اور ایک نقشہ مرزا مغل کے پاس بھیجا جس میں ہدایت تھی کہ وہ کشمیری دروازے سے حملہ کرے اور بخت خاں خود اجمیری اور لاہوری دروازوں سے حملہ کرے گا مگر الہی بخش نے شہزادوں کو بھڑکایا کہ بخت خاں پٹھان حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، جنگ و جدل تم کرو گے اور نام ہوگا بخت خاں کا۔ شہزادے اس کے بھڑکائے میں آگئے اور بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ جب شکست کے بعد بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرے میں مقیم ہوا تو بخت خاں مع فوج کے مشرق کی طرف جھناکے کنارے آکر ٹھہرا اور بہادر شاہ سے ملنے کی درخواست کی۔ بہادر شاہ نے اپنے پوتے مرزا شہ بالا (پسر خضر سلطان) کو بھیجا کہ ملاقات کا منشا دریافت کرے۔ بخت خاں نے کہا کہ مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ خود بادشاہ سے کہوں گا اگر ان کے مشیر اور صلاح کار ملنے سے روکتے ہیں تو میرا سلام کہنا، میں جاتا ہوں مگر تمہارے باپ دادا بڑی غلطی کر رہے ہیں جو یہاں قبرستان میں پڑے ہیں۔۔۔ اس کے بعد بہادر شاہ سے ملاقات ہوئی جس کا حال اپنی جگہ پر بیان ہوا ہے۔

۱ اخبار الصنادید، مؤلفہ نجم الغنی خاں میں اصل نام محمد بخش خاں لکھا ہے اور تاریخ روہیل کھنڈ، (قلمی) مؤلفہ نیاز احمد خاں میں بھی یہی نام دیا گیا ہے۔ دہلی کی شکست کے بعد وہ بلجھ گڑھ ہو کر لکھنؤ چلا گیا۔ ۲ دسمبر کی ایک سرکاری رپورٹ (انٹیلی جنٹس ریکارڈ آف میوٹنی) میں بیان ہے کہ اُس نے فرخ آباد میں فوج کی کمان کی۔ ۱۲ فروری ۱۸۵۸ء کی خبر یہ تھی کہ شاید وہ میراں گھاٹ اور گلبرام میں ہے۔ اس کی عر ساٹھ سال بیان کی گئی ہے۔ پچالیس سال فوجی ملازمت کی لے

1. SEN : 83-86, 371

COOPER : Crisis in Punjab 201.

BROUCHIER : Eight Months Campaigns.....44.

Foreign pol. Consultations-187

نیپال میں انقلابی رہنما | نیپال جانے والے معروف رہنماؤں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ کچھ اور سردار جن کا ذکر سرکاری کاغذات میں ہے، یہ تھے:

احسن علی: مموخاں کا عزیز، پہلی گارڈ اور عالم باغ کی جنگوں میں شامل، بغاوت میں نمایاں حصہ
رانا امراؤ سنگھ: راجہ اکونا کا بھائی، گورکھپور میں سرگرم رہا
ٹھاکر رام غلام سنگھ: تعلقہ دار رام پور کیسہ

خان علی خاں: شاہ جہاں پور کا ساکن، بغاوت میں نمایاں
راجہ اودت پیرکاش سنگھ: تعلقہ دار اکونا (بہرائچ)

راجہ جوتی سنگھ: تعلقہ دار چمڑا (بہرائچ)، مارچ ۱۹۵۸ء میں گورکھپور کی جنگ میں شامل،
نومبر ۱۹۵۸ء میں بھی جنگ میں شریک، بالاراؤ کے ساتھ رہا۔

کیپٹن امراؤ سنگھ: نمبر ۶ رجمنٹ اودھ کا صوبے دار، بیسوارہ کا ساکن، برہیس قدر کے دربار
میں اثر و رسوخ کا حامل

کیپٹن اوسان سنگھ: لکھنؤ میں ایک دستہ منظم کیا، بغاوت میں نمایاں
کوچک سلطان: بہادر شاہ کا بیٹا، شکست دہلی کے بعد لکھنؤ آیا اخبار شعلہ طور، کانپور میں ۱۱
جولائی ۱۸۶۵ء کو ختم ہوئی کہ گرفتار کر کے سنگھاپور بھیجا گیا۔ (بحوالہ تاریخ صحافت اردو-۱۲۱)

مرزا ابو (عباس): بہادر شاہ کا پوتا، غالباً شکست دہلی کے بعد لکھنؤ آیا
جنرل خدا بخش: دار رونی (دریاد) کا زمیندار، بغاوت میں نمایاں، نواب گنج کی جنگ جون ۱۹۵۸ء
میں کمانڈر، نان پارہ کی جنگ جنوری ۱۹۵۹ء میں شامل۔

جوالا پرشاد: کانپور میں خاص سرغنہ، دوندیا کھیرہ کے قریب کا ساکن۔

ان کے علاوہ نظر علی۔ مادھو سنگھ۔ شیودت سنگھ۔ گنگا سنگھ (بانگر مومو میں فیروز شاہ کا ساتھی)
میجر گوپال۔ کیپٹن رکھوناتھ تیواری۔ بھگوان بخش۔ موہن سنگھ چودھری۔ کیپٹن آنند سنگھ۔ سردار سنگھ
رنجیت سنگھ وغیرہ بھی نیپال میں تھے۔

مولوی لیاقت علی | الہ آباد کی شکست کے بعد مولوی لیاقت علی کی مختلف مقامات پر سرگرمیاں بیان ہو چکی ہیں۔ سرکاری رپورٹوں میں انھیں "زبردست اثر و اقتدار کا آدمی" کہا گیا ہے۔

"A Man of Considerable Influence and Authority"

اندازہ ہے کہ وہ بھی نیپال گئے مگر زیادہ نہ ٹھہرے۔ مشہور ہے کہ وہ پنجاب اور کشمیر، ترکستان، بخارا اور ترکمانیہ گئے۔ بعض بیانات کے مطابق سرحد، سندھ، بڑودہ اور ملتان میں بھی قیام کیا۔ ۱۸۵۹ء میں لاج پور ضلع سورت میں خفیہ مرکز قائم کیا اور دس سال قیام کیا۔ آخر کار سچالی ریلوے اسٹیشن پر بمبئی پولیس نے گرفتار کیا اور الہ آباد لاکر مقدمہ چلایا گیا۔

انگریزوں کی تحریروں میں انھیں پیشہ ور اقوام سے بتاتی ہیں۔ ڈاکٹر سین نے بھی انہی رولہ توں کی بنا پر پیشہ ور اقوام سے متعلق اور اسکول ماسٹر لکھا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بتایا ہے کہ شہری عوام میں بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا جو ان کے بلند کردار کی وجہ بھی تھی۔ اس عزت و احترام کا اعتراف بھی ثابت کرتا ہے کہ وہ پست اقوام سے نہیں تھے اور الہ آباد خصوصاً مہکاوں وغیرہ کے باشندے بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سین کا یہ بھی خیال ہے کہ فوجی قواعد اور انتظامی صلاحیت سے ناواقفیت کی بنا پر امن و انتظام اور قانون بحال کرنے میں ناکامی رہی۔ ان کے ہی اثر کی وجہ سے الہ آباد میں عیسائی آبادی سلامت رہی۔ معین الدین نے 'خدنگ غدر' میں لکھا ہے کہ وہ چچاؤنی کی مسجد میں رہتے تھے۔ عزت اور ہرول عزیز کا اندازہ 'تاریخ الہ آباد' مؤلف مقبول صمدی سے بھی ہوتا ہے۔ کتاب چونکہ انگریزی عہد (۱۹۳۷ء) کی تصنیف ہے اس لیے مؤلف کو ذرا سہم کر کہنا

” یہ شوریدہ سرفتنہ گمر مولوی لیاقت علی باشندہ مہنگاؤں پر گنہ چائل ضلع الہ آباد میں جن کے تقدس و اتقا کا شہرہ دور دور تک تھا۔ بغاوت کے شروع ہی سے ضلع الہ آباد کے اس علاقے میں جو مابین دو آب گنگ و یمن واقع ہے، اُن کا بڑا اثر تھا۔ وہاں کے آشفہ مزاج غریب پسند خیرہ سرزمین داروں کو صوبہ روپات سرکاری ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو قتل و خون و غارتگری و تاراج میں اُن کا پیشوا بن سکے۔ نظرا انتخاب مولوی لیاقت علی پر پڑی۔ وہ بڑی اُن بان اور مردانہ تزک و احتشام سے کوچ کر کے الہ آباد آئے مگر میں نے بعض سن رسیدہ، ممتاز و فہیم مسلمانوں کو اُن کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے ہوئے سنا ہے“ ۱

ایس۔ جی چودھری نے لکھا ہے کہ ۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو گرفتار اور ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو انڈمان بھیجے گئے ۲ وہیں ۱۸۹۲ء میں انتقال ہوا۔ انڈمان میں درس و تدریس اور اصلاحی کاموں میں وقت گزارا۔ آزادی وطن کے بعد حکومت ہند کی طرف سے اُن کے تین نواسوں کا وظیفہ مقرر کیا گیا جن میں دو الہ آباد اور ایک احمد آباد میں تھا۔ اب اُن کا بھی انتقال ہو چکا ہے (۱۹۸۲ء)۔ مولوی صاحب کی بیٹی ۱۹۲۷ء تک زندہ تھی۔ نواسوں کی اولاد الہ آباد وغیرہ میں موجود ہے۔

نواب فضل حسین بن عنایت حسین نے فرخ آباد سے نواب فرخ آباد اور بجنور وغیرہ نکل کر اودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگوں میں شرکت کے بعد نیپال کا رخ کیا مگر وہاں سے نکلنا پڑا۔ ۷ جنوری ۱۸۵۹ء کو ہتھیار ڈالے، فروری میں فتح گڑھ

۱ مقبول محمدنی : تاریخ الہ آباد ص ۳۲-۳۱

2. CHAUDHURY : Civil Rebellion 312

Viscent Dictionary 567

لا کر مقدمہ اور سزائے موت تجویز ہوئی لیکن بعد میں عرب بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ انقلابیوں نے رہا کرانے کی کوشش کی چنانچہ ۹ مئی ۱۸۵۹ء کو پانچ سو آدمی اس ارادے سے مین پوری آگرہ سڑک پر آئے۔ ہر ہون کو گوالیار پہنچنے پر افواہ تھی کہ شہزادہ فیروز شاہ نے چھڑانے کی کوشش کی۔ اگست ۱۸۵۹ء میں عدالت روانہ کر دیا گیا۔ لے نواب کے ساتھیوں میں چودھری محمد علی کو اپریل ۱۸۵۹ء میں گولی ماری گئی، نواب کے چھوٹے بھائی سخاوت حسین کو اور اقبال مندرخاں اور غنفر حسین وغیرہ کو پھانسی ہوئی۔ متیر شکوہ آبادی نے ”دونوں شہید راہ خدا آہ ہائے ہائے“ سے تاریخ برآمد کی تھی۔

بجنور کے نواب محمود کو گرفتار کر کے قید کیا گیا مگر سزا ملنے سے پہلے ہی میرٹھ جیل میں منتقل ہو گیا۔ سرکاری کاغذات میں ایک جگہ ذکر ملتا ہے کہ ۱۹ جولائی ۱۸۵۹ء کو نواب نجیب آباد بمقام ٹوٹھوکر (نیپال) میں فوت ہوا مگر نام نہیں دیا گیا۔

فرخ آباد اور باندہ کے انقلابیوں میں سید اسماعیل حسین متیر شکوہ آبادی (ولد سید احمد حسین شاد) گرفتار ہو کر انڈمان بھیجا گیا، چھ سال بعد رہا (۱۲۸۲ھ) بمقام رام پور ۱۲۹۶ھ میں وفات ہوئی، متعدد تصانیف مثلاً ’منتخب عالم‘، ’تنویر الاش‘، ’نظم منیر‘، ’مثنوی معراج‘، ’اعلان حق‘، ’سراج المنیر‘ وغیرہ ہیں۔

آگرے کے ڈاکٹر وزیر خاں کا تعلق بہار کے افغان خاندان سے تھا، انگریز حکمران ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کی، عیسائی مذہب کا وسیع مطالعہ تھا، پہلے کلکتہ پھر آگرہ میں اسٹینٹ سرجن (آگرے میں محلہ کاغدیان تاج گنج میں مقیم)۔ آگرہ میں پادری فڈرے سے مناظرہ کرایا (۱۸۵۶ء) مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے پادری کو مناظرے میں شکست دی۔ ڈاکٹر وزیر نے

بغاوت میں نمایاں حصہ لیا، اگر تے سے دہلی اور پھر لکھنؤ میں قیام کیا۔ بغاوت کے بعد حجاز
 جاکر مولوی رحمت اللہ کے پاس قیام کیا۔ انگریزوں کی طرف سے حکمران (سلطان عزیز) کو خط
 لکھا گیا مگر ایک عرب سردار نے کہا کہ جب میرے قبیلے کا بچہ بچہ کٹ جائے گا تب کوئی ڈاکٹر
 وزیر خاں کو ہاتھ لگا سکے گا۔ لہذا سلطان نے حکومت برطانیہ کو صاف انکار لکھ بھیجا۔ طبیعی پا
 کر وزیر خاں نے وفات پائی، جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ایک کتاب 'تحریر انا جیل' (قلمی)
 تصنیف کی ہے یہ مولوی فیض احمد بدایونی نے آخر تک بریلی اور شاہجہانپور (۱۹۵۸ء) کے معرکوں
 میں حصہ لیا اس کے بعد لا پتہ ہو گئے۔

مولانا احمد اللہ کون تھے؟

مثنوی سوانح احمدی، مؤلفہ فتح محمد تائب (قلمی)
 کی بنیاد پر انتظام اللہ شہابی نے اپنی کتابوں
 'ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء' اور 'غدر کے چند علماء' میں لکھا ہے کہ ان کا اصل نام
 سید احمد علی عرف ضیاء الدین، خطاب دلاور جنگ مدراسی، جلال الدین عادل کے پوتے اور
 ابوالحسن تانا شاہ والی گول کنڈہ کے پڑ پوتے تھے۔ ان کے والد محمد علی مصاحب تھے، ٹیپو
 سلطان اور نواب چینا پٹن (مدرا اس) کے۔ تقریباً ۱۲۰۰ء میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت کے
 ساتھ فنون سپہ گری بھی سکھائے گئے۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں طبیعت امارت سے بیمار
 ہو گئی اور نوابی سے کنارہ کشی کی، سیاحت پر کمر باندھی حیدر آباد گئے اور نظام کی فوج میں تیغ
 زنی کے جوہر دکھائے۔ وہیں شادی ہوئی مگر اولاد نہ ہوئی، بیوی کا انتقال ہو گیا۔ مثنوی کے
 اشعار سے پتہ چلتا ہے بعض انگریزوں کی تجویز پر لندن روانہ ہوئے اور شاہ انگلستان کے
 دربار میں گئے۔ واپسی میں حج کیا، ایران وغیرہ کی سیاحت کی۔ پھر واپس آکر پیکانیر کو پسند
 کیا اور سانہر چلے گئے جہاں چلہ کشی کی۔ بارہ برس گزار کر جے پور میں میر قمران علی شاہ سے

فیض باطن حاصل کیا۔ نام سید احمد شاہ شاہ تجوینہ ہوا اے ٹونک گئے نواب وزیر الدولہ نے آؤ بھگت کی۔ وہاں وعظ کی محفلوں کے ساتھ ہی بعد عصر محفل سماع ہوتی تھی یہاں سے کوآلیار ہاکر حضرت محراب شاہ قلندر سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ محراب شاہ نے تلقین جہاد کی۔ مثنوی میں ہے کہ

لیا اُن سے پھر امتحان جہاد کہ پہنچے نصاریٰ پہ تیغ عناد

مُرشد کی ہدایت پر دہلی آئے۔ علماء اور صوفیائے کرام سے تبادُل خیال کیا مگر مایوسی ہوئی صرف مفتی صدر الدین آزاد دہنے کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور اگرہ جانے کا مشورہ دیا لہذا اگرہ پہنچے مفتی انعام اللہ خاں وکیل سرکار کے یہاں قیام کیا۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز تھا اور تمام علماء کی ان کے یہاں نشست تھی۔ ہر ایک نے انھیں عزت و احترام سے جگہ دی مولوی فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ قوالی کی محفلیں جمنے لگیں، ذکر و فکر کے حلقے قائم ہوئے، ہندو بھی معتقد ہونے لگے۔ چنانچہ بابو بیہنی پرشاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کے بڑے معتقد تھے۔ محفل سماع کا خاص اہتمام ہوتا، مریدین پر توجہ ڈالی جاتی اور لوہے کے کڑھاؤ میں کولے کے انکارے بھرے رہتے وہ مجلس میں پھیلا دیئے جاتے، مریدین لوٹتے، آگ بالکل اثر نہ کرتی۔ شہابی لکھتے ہیں کہ میری پھوپھی عمدۃ النساء زوجہ غلام غوث بے خبر الہ آبادی فرمایا کرتی تھیں کہ ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی توجہ تھی اور وہ ان کے مرید تھے وہ بھی شریک محفل سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کولوں پر لوٹتے مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا اے وعظ آپ کے بے پناہ ہوا کرتے۔ ہزار ہا ہندو مسلمان حرکتیں ہوتے، سننے والے بے قرار ہو ہو جاتے۔ مولانا سید طفیل احمد منگلوری نے کتاب "مسلمانوں کا روشن

۱ بعض دستاویزوں پر دستخط "سید احمد علی" ثبت ہیں۔

۲ اس طرح کی محفلوں کا ذکر لکھنؤ کے حالات میں بھی ملتا ہے۔

مستقبل میں لکھا ہے کہ اگرے کی تقریروں میں دس دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا پوس
نے ایک موقع پر انھیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا ہفتے میں تیسرے دن قلعے کے میدان
میں مریدین کو لے کر سپہ گری اور شہ سواری کی مشق کراتے۔ ان کا جلوس جماعت اور جمعہ کو نکلتا
خود پالکی میں ہوتے، آگے ڈنکا بجاتا ہوا ہوتا تھا۔ اسی دوران جب مولانا دورے پر باہر گئے
ہوئے تھے اگرہ کے چند علماء اور مشائخ پر مقدمہ دائر کیا گیا جو بظاہر رشوت خوری کے الزام پر تھا
مگر اصل ان کی انقلابی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے تھا۔ یہ خبریں سید الاخبار (۱۲۴۶ھ) میں
شائع ہوئیں۔ یہ واقعات دس گز دی کے عنوان سے ہم اگرہ کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔
۱۸۵۶ء میں جب پادری فنڈرے اگرہ میں مناظرہ ہوا، مولانا گوالیار ہو کر لکھنؤ ہا چکے تھے مولانا
لکھنؤ پہنچے تو مریدین کی جماعت ہمراہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کانپور گئے اور عظیم اللہ دیوہ سے ملے پھر
اناد ہو کر لکھنؤ گئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی یہاں صدر الصدور تھے جو کچھ دن قبل مولوی امیر علی کے
خلاف فتویٰ دے چکے تھے، آپ سے ملنے آئے اور ایسی گفتگو ہوئی کہ فوراً استعفیٰ دے کر الور چلے
گئے اور انگریزوں کے دشمن ہو گئے۔ مولانا احمد اللہ سے عوام کو عقیدت بڑھتی ہی چلی گئی۔ مثنوی
میں ہے کہ

نصاری سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا

لکھنؤ سے فیض آباد پہنچے۔ یہ حالات اپنی جگہ بیان کیے جا چکے ہیں۔

شہابی نے جی ٹی بلو فارسٹ کا یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ ”وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ
سے مولوی روحانی طاقت کی بنا پر صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپہ سالار تھا۔ ظلم طبیعت میں نہ تھا۔
مولوی فیض آبادی احمد شاہ نام تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔۔۔۔۔ اس مولوی کو
اکثر انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں
بظاہر مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکا تھا لیکن انگریزوں کے لیے یہ راز ہی رہا ایک عرصے تک وہ
اگرہ میں مقیم رہا۔ ہیرت انگیز اثر شہر کے باشندوں پر تھا۔۔۔۔۔ عرصے بعد یقین ہو گیا کہ وہ حکومت کے

نانا صاحب کی گم شدگی | نانا صاحب کو گرفتار کرنے کے لیے انگریزوں نے پوری کوشش کی مگر ان کی گم شدگی

ہمیشہ ایک سوالیہ نشان بنی رہی آج ہم پہلی بار مستند ذرائع سے یہ داستان بیان کر رہے ہیں۔

اپریل ۱۸۵۹ء میں نانا صاحب اور بالاجی صاحب سے صلح کے لیے خط و کتابت ہوئی۔ ۲۰ اپریل ۱۸۵۹ء (۱۷ رمضان ۱۲۷۵ھ) کے خط میں لکھا:

”تم نے سب کے جرم معاف کر دیئے اور نیپال کا راجہ تمہارا دوست ہے اس کے باوجود تم کچھ نہ کر سکے۔ تم نے سب کو اپنی حمایت میں لے لیا اور میں اکیلا رہ گیا ہوں لیکن تم دیکھو گے کہ وہ سپاہی جن کو میں دو سال سے محفوظ کیے ہوئے ہوں، کیا کر سکتے ہیں۔۔۔۔ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر مجھ جیسے اکیلے شخص کو برطانیہ جیسی طاقت ور قوم کا دشمن مان لیا گیا تو یہ تو میرے لیے باعثِ فخر و ناز ہے۔ میرے دل کی ہر تمنا پوری ہو گئی۔ موت تو ایک دن آنی ہے، موت سے کیا ڈر۔۔۔“

میجر رچرڈ سن نے جس کو یہ خط ایک برہمن نے دیا تھا، جواب میں لکھا کہ ”دکٹوریہ کا اعلان عام ہے اگر تم نے کسی انگریز کا خون نہیں کیا تو بے خوف آ جاؤ۔“ نانا صاحب نے دکٹوریہ کا دستخطی خط طلب کیا جس پر کسی تیسرے ملک کی مہر ہو۔ اپنے خط (۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء) میں لکھا تھا:

”جان یک روز کبھی جائے گی پر اس طرح عزت کھو کر کیوں مرنا۔ اور آپ سے اور ہم سے لڑائی فساد۔۔۔۔۔“

جب تک رہے گا ہم چاہے مارے جائیں چاہے قید
ہوں چاہے پھانسی، جو لکھا ہوگا سو ہوگا اور ہم سے جو
کچھ ہوگا سوتلوں سے ہوگا“ ۱۔

ہوپ گرانٹ کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

”تمہیں ہندوستان پر قبضہ جانے اور مجھے غیر قانونی
قرار دینے کا کیا حق ہے؟ تمہیں کس نے ہندوستان
پر حکومت کا حق دیا ہے۔ تم فرنگی تو بادشاہ اور ہم اپنے
ملک میں پور اور ڈاکو۔۔۔!“

کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب کے خاندان کی کچھ عورتیں گوالیار میں آگئی تھیں اور کچھ
نیپال میں رہیں۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں اطلاع تھی کہ وہ بھوٹان کی پہاڑیوں میں ہیں۔
پرسیول لینڈون نے اپنی کتاب ”نیپال“ میں بتایا ہے کہ نانا صاحب مادھوراؤ
بھاؤ بھٹ کے دوسرے بیٹے تھے جس کی بیوی باجی راؤ کی رانی کی بہن تھی۔ نانا صاحب
کے ہمراہ باجی راؤ کی بیوہ اور ان کی بیوی کاسی بائی (بعض جگہ یہ نام سندربائی یا کرشنا بائی
بتایا گیا ہے) بھی تھی۔ خیال ہے کہ تانتیا ٹوپی بھی ان کے ساتھ نیپال گیا لیکن بعد میں
واپس آگیا۔ جنگ بہادر نے اپنا آدمی (کیدار سنگھ) انھیں لینے کے لیے بھیجا جس نے
انہیں ایک گاؤں ڈیوندری میں (بہنی گھاٹ کے قریب) پہنچایا۔ جنگ بہادر نے یہاں

۱۔ یہ خط نیشنل آرکائیوز (نئی دہلی) میں موجود ہے۔ اخبار بنگال ہرکارو اور انڈیا
گزٹ، مورخہ ۲۶ اگست ۱۸۵۸ء کی خبروں میں بتایا گیا تھا کہ نانا صاحب نیپال
میں ڈھورگڈھی سے ۱۸ میل دور ہیں اور بالا صاحب۔ اودگیر۔ بابا بھٹ۔ رتو تانتیا۔ گنگا
دھرتانتیا۔ بٹو خاں۔ شاہ علی۔ احمد اللہ۔ محمد اسحاق (شاہجہا پور کے) وغیرہ ہمراہ ہیں۔

پیغام بھیجا کہ ”کاسی بائی اور دوسری عورتوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ میں تمہیں پناہ دے کر انگریزوں سے تعلقات نہیں بگاڑوں گا۔ اگر جنگ چاہتے ہو تو بتادو۔ ہمارے گور کچھ تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔“

کہا جاتا ہے کہ نانا کے ساتھیوں میں ایک کلیان جی نامی شخص بھی تھا جو سیہور کے ہرش رام شاستری کا بھائی تھا اور نانا کا ہم عمر تھا۔ دونوں کو شاستری جی نے ہی تعلیم دی تھی۔ نانا کے ساتھ ان کی دو بیویاں بھی بتائی جاتی ہیں جن میں ایک کا نام سوئی بائی تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا شری دھر پیدا ہوا تھا۔ ان کے ہمراہیوں میں خان یقین شاہ، کوکتال شاہ، بلد یو سنگھ وغیرہ تھے۔ کلیان جی کی ڈاڑھی اور نانا صاحب کے خطوط ان کے حالات سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

کلکتے کے سرکاری ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے عورتوں کو نیپال گورنمنٹ کی ’پناہ‘ میں دیدیا اور مغرب کی سمت چلے گئے (یہ پہلے بھی نظر سے گزرا ہے کہ ”فوج نانا کو لے کر کشمیر روانہ ہوئی)۔ کھٹمنڈو کے سرکاری ریکارڈ سے عیاں ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں دھیر شمشیر سنگھ نیپال اور ترائی کے علاقوں میں انقلابیوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ جون ۱۹۵۹ء میں سدھی مان سنگھ نے جنگ بہادر کو خط لکھا کہ بالآخر صاحب بھی اپنی عورتوں کو نیپال گورنمنٹ کی پناہ میں دینا چاہتا ہے۔ جنگ بہادر کا جواب وہی تھا کہ وہ انگریزوں کا دوست ہے، جو کچھ کر سکتا ہے کرے گا۔ مشہور ہے کہ اُسی دوران بالا صاحب کی موت ہوئی۔ نانا کی موت کی بھی افواہ تھی۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں نانا صاحب کی عورتوں نے جنگ بہادر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی کیونکہ وہ بیماریوں کا شکار تھیں اور کسی اچھی جگہ جانا چاہتی تھیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ نانا صاحب دیوکاری کے مقام پر موت کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے یہاں اپنے کچھ زیورات بھی دس ہزار روپے میں فروخت کیے۔ انگریزی حکومت کی طرف سے

جنگ بہادر پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ نانا کی موت کی تصدیق اور تحقیق کر لے۔ سیدھی مان سنگھ نے اس موقع پر جواب میں لکھا کہ ”میں آخر کیا کر سکتا ہوں۔ انگریز کس کی گواہی منظور کریں گے۔۔۔۔“ اس نے نانا صاحب کی موت کے ثبوت بھی فراہم کیے یہ کچھ ہڈیاں (استو) تھیں جو اُن کی ماں نے بنارس میں دفن کرانے کے لیے بھجوائی تھیں۔ حکومت ہند کے فارن آفس (دفتر امور خارجہ) کے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رزیڈنٹ نیپال کرنل جی ریزے نے اپنے خط (۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء) میں لکھا تھا کہ ”کل شام جنگ بہادر کو خبر ملی کہ نانا صاحب ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء کو انتقال کر گئے مگر یہ خبر مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔“ دسمبر ۱۸۵۹ء میں حکومت ہند نے سکریٹری آف اسٹیٹ لندن کو یہ خبر بھیجی اور کافی دن بعد یعنی ۷ اگست ۱۸۵۹ء کو پھر نیپال کو خط لکھ کر کہا گیا کہ نانا کی موت کی افواہ اور عظیم اللہ خاں کی موت (شروع دسمبر ۱۸۵۹ء بمقام جھٹول) کی خبر کو اچھی طرح تحقیق کر کے جانچ کی جائے۔ جولائی ۱۸۵۹ء میں رزیڈنٹ نے رپورٹ دی کہ اگر نانا اب تک زندہ ہے تو یہ راز جنگ بہادر کے سینے میں دفن ہے۔ بعد میں ایک انگریز کے نوکر نے گورکھپور سے اطلاع دی کہ نانا زندہ ہے اور اس معاملے کو اخبار ”فرینڈ آف انڈیا“ نے پھر تازہ کیا۔ جنگ بہادر نے اس دوران نیپال کے

۱۔ نانا کے پاس بیش قیمت ہیرے جو اہرات اور ایک نو لکھا ہار تھا جو پیشوا سے ملا تھا، جس کی دنیا میں نظیر نہ تھی۔ یہ ہار جنگ بہادر کی نذر کر دیا گیا (یہ راز اب کھلا کہ جنگ بہادر نے کیوں انگریزوں سے کہا تھا کہ وہ نانا کو گرفتار کر کے دغا بازی اور بے ایمانی نہیں کرے گا) اس کے علاوہ بے شمار ہیرے جو اہرات بھی اسی بہادر کو دیئے گئے۔ نو لکھا ہار ۱۹۰۱ء میں مہاراجہ درجنگ نے دیوا شمشیر سنگھ سابق وزیر اعظم نیپال سے خرید لیا۔ اب انہی کے خاندان میں ہے۔

رزیدنٹ سے پُر اسرار گفتگو کی اور کہا کہ حکومت ہند نانا صاحب کو ڈھونڈنے کے لیے نیپال میں اپنے آدمی بھیج دے۔ اگر وہ کامیاب ہوئے تو میں نانا کو گرفتار کر کے حکومت کے حوالے کر دوں گا اور اگر وہ کامیاب نہ ہوں تو مجھے اودھ کے شمال مشرقی سرحد پر ترائی کا وہ علاقہ دیا جائے جس کے لیے پہلے انکار کر دیا گیا تھا۔ اس عجیب مطالبے اور بات چیت سے انگریزوں کے دلوں میں پھر شبہ پیدا ہو گیا۔ کرنل ریمز نے رپورٹ بھیجی کہ جنگ بہادر نے بھٹول میں کچھ جاؤداد نانا کے خاندان کے ہاتھ پچیس ہزار میں فروخت کی ہے۔ اور نانا بیراگی یا گوسائیں کے بھیس میں کسی محفوظ جگہ میں پوشیدہ ہیں۔ اس نے لکھا کہ دہلی سے ایک جوہری یہاں آیا جو بیگم حضرت محل اور نانا صاحب کے جواہرات کا اندازہ لگانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ جنگ بہادر خود جواہرات لے کر آیا اور جواہرات خریدے گئے۔ جوہری شکایت کرتے ہیں کہ کسی اور کو یہ جواہرات خریدنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

اسی زمانے میں کھٹنڈو میں ایک فقیر آیا جو بتاتا تھا کہ ملتی ناتھ کے مقام پر دو اہم شخص موجود ہیں لیکن کرنل ریمز نے حکومت ہند کو کسی مزید تحقیقات سے باز رکھا۔ ۱۲ اگست ۱۹۵۷ء کو ایک خط میں گورنر جنرل نے اس سلسلے میں کھٹنڈو سے مزید تحقیقات بند کرنے کا حکم دیا۔ کرنل ریمز کا خیال تھا کہ اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ نانا صاحب زندہ ہیں۔ رزیدنسی کے ایک حوالدار کو ایک فقیر نے بتایا کہ بالا صاحب کی موت کے بعد وہ کچھ دن نانا صاحب کے کیمپ میں رہا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۷ء کے بعد تک نانا صاحب کے ساتھ رہا ہے (جبکہ جنگ بہادر نے نانا کی موت کی تاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۷ء بتائی تھی)۔ جنگ بہادر نومبر ۱۹۵۷ء میں ترائی کے علاقوں میں گیا اور تمام انقلابی سرداروں کو جمع کیا لیکن نانا صاحب نہیں آئے۔ وہ ترائی کے علاقوں میں تھے۔ جب انقلابی سردار جنگ بہادر سے ملنے

آئے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑیوں میں چلے گئے۔ کچھ دن بعد ایک اور پنجابی فیر نے بتایا کہ اُس نے مکتی ناتھ جاتے میں نانا صاحب کے کیمپ میں اُن سے بات چیت کی ہے۔ یہ ڈونگا گاؤں کا واقعہ ہے۔ جو کہ لام جنگ کے علاقے میں ہے (جنگ بہادر بطور وزیراعظم لام جنگ کا راجہ تھا) یہاں تین چار سو آدمیوں کا قیام ہے اور اجنبی لوگوں کے لیے پرہ رگایا گیا ہے۔ یہاں اُس نے ایک شخص کو دیکھا جو مرہٹہ راجہ کہلاتا تھا۔ کیمپ کے لوگوں سے اُسے پتہ چلا کہ یہ نانا صاحب ہیں۔ اُن کے سپاہی فقیروں کے بھیس میں تھے۔ یہ کہانی اُس ریکارڈ سے مطابقت رکھتی ہے جو ٹھگی اور ڈکیتی کے محکمے کے کاغذات میں ہے۔ ایک تولدار جب گوداوری کے بارہ سالہ میلے میں گیا تو وہاں کے پُجاریوں نے بتایا کہ نانا صاحب ان پہاڑیوں میں مقیم ہیں۔ یہ وہی جگہ تھی جو پنجابی فیر نے بتائی تھی۔ یہ مکتی ناتھ اور کماؤں کے درمیان کی پہاڑیاں تھیں۔ کچھ فقیروں کا بیان تھا کہ نانا صاحب فیر کے بھیس میں ہیں اور لمبے بالوں کا جوڑا بنا کر سر پر باندھتے ہیں۔ انگریز ابھی تک کھوج میں سرگرداں تھے اور ایک شخص کو مکتی ناتھ بھیجا گیا کہ وہ پتہ لگائے۔

جنگ بہادر نے بھی رزیدنسی کے سرجن سے ایک ملاقات میں اقرار کیا کہ اگرچہ بالآ راؤ کے مرنے کی خبر سچ ہے مگر نانا کی خبر شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ نیپال یا ترائی میں نہیں ہیں۔ اُس نے خیال ظاہر کیا کہ ”دکن کو گیا۔“ کرنل ریمزے کا اندازہ تھا کہ جنگ بہادر کے الفاظ ”دکن کو گیا“ بتاتے ہیں کہ وہ اس بارے میں اور کچھ بھی جانتا ہے۔ انڈین فارن سکریٹری کرنل ایچ ایم ڈورنڈ کے پرائیویٹ سکریٹری ای۔سی۔یلے نے دو آدمی کھوج لگانے کے لیے بھیجے جنہوں نے نومبر ۱۸۷۴ء میں رپورٹ دی مگر یہ بھی زیادہ قابل یقین نہیں تھی۔ انھوں نے بتایا کہ جنگ بہادر نانا کی عورتوں کو جنہیں کٹھ منڈو میں پناہ دی گئی ہے، اپنی بیویوں کی طرح رکھتا ہے اور وہاں جاتا رہتا ہے۔ یہ جگہ تھا پا

تھلی کے قریب ایک مکان ہے جو جنگ بہادر کے محل کے قریب باگ متی ندی کے کنارے نشیب میں واقع ہے۔ سال بھر میں ایک بار (جنوری فروری) کا سی بانی شورت کے میلے کے موقع پر کچھ بیراگیوں کو کھانا وغیرہ کھلاتی تھی۔ یہ خیال بے جا نہ ہوگا کہ وہ اس بہانے اپنے شوہر سے ملنے کا وقت نکالتی تھی۔ ٹھکی اینڈ ڈکیتی محکمے کے ریکارڈ سے پتہ لگتا ہے کہ کا سی بانی نے اندازاً ۱۸۶۶ء میں اپنے باپ سکھارام کو نیپال بلایا اور عظیم اللہ خاں اس کے ساتھ گیا تھا۔ سکھارام یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اُس کی بیٹی سہاگن عورتوں کی طرح چوڑیاں پہنتی اور بندیا وغیرہ لگاتی ہے۔ عظیم اللہ نے ہندوستان لوٹ کر کانپور کے ایک چوکیدار گنیش کو بتایا کہ نانا صاحب زندہ ہیں اور جنگ بہادر کی حفاظت میں ہیں۔ کھٹنڈو میں بیگم کے کیمپ میں، جو قریب ہی تھا، یہ ذکر ہوتا رہتا تھا کہ روسی فوجیں آئیں گی اور نانا کو تخت پر بٹھایا جائے گا۔

۱۸۶۳ء میں ہندوستانی فوج کے دستوں کو جو آسام کی سرحد پر دیوان گری میں تھے خبر ملی تھی کہ نانا صاحب بھوٹانی فوج میں موجود ہیں۔ چھ سال بعد کھٹنڈو کے گورنر کے ایک عزیز نے ذاتی معلومات کی بنا پر ان کے زندہ موجود ہونے کی اطلاع دی اور ۱۸۹۵ء کے شروع میں یہ قطعی طور پر خبر تھی کہ وہ ۵۵ مارچ کو اپنی رانی سے ملنے آئیں گے مگر اپریل تک اتیت بیراگی لوگ نہیں آئے۔ ایک اور اطلاع یہ تھی کہ نانا صاحب اتیت بیراگی کے بھیس میں یقیناً آباد کچھ میلے میں آتے رہے ہیں۔ اس طرح کہانیاں بھی بہت تھیں مگر اندازاً ۱۹۱۴ء تک نانا کے موجود ہونے کی افواہیں تھیں۔ ایک اور واقعہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ واقعہ ۱۸۹۵ء کا ہے۔ راج کوٹ سے تیس میل دور ایک مقام پر ایک بوڑھا فقیر جو سڑک پر غل غیاڑے کا باعث بنا ہوا تھا، گرفتار ہوا۔ دوسرے دن تھانے کا انچارج یہ خبر لے کر آیا کہ وہ نانا صاحب ہیں کیونکہ یہ بوڑھا شخص پاگلوں کی طرح جنگ بہادر کے وعدوں کو دہراتا تھا۔ اور سوتے میں بھی نیپال کی بات کرتا

اور اپنے پیشوا ہونے کا ذکر کرتا تھا۔ جب پولس افسر نے نانا صاحب کے محلے کا ریکارڈ طلب کیا تو دیکھا کہ یہ قیدی کسی حد تک اُس سے مشابہت رکھتا ہے۔ تھانے دار نے فوراً کلکتے کو تار دیا کہ ”نانا کو پکڑ لیا گیا، ہدایات بھیجئے۔“ جواب یہ آیا کہ ”فوراً چھوڑ دو۔“ غالباً حکومت اس دھوکے کی پکڑ دھکڑ سے عاجز آچکی تھی اور نانا صاحب کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کی ساری اُمکیں چالیس پچاس سال میں خاک ہو چکی تھیں۔ ۱۵

سرکاری ذرائع کا بیان تو یہاں ختم ہوتا ہے لیکن ایک اور بیان مخصوص ذاتی معلومات کی بنا پر مختصراً یہ ہے کہ نانا صاحب اپنے چند ہمراہیوں مثلاً کلیان جی، کوکناں شاہ۔ یقین شاہ اور بلدو سنگھ وغیرہ کے ساتھ سیہور کے مقام پر (غالباً سوراٹر) آگئے تھے اور گوت میسور مہادیو کے پاس والی گچھا میں دیویا نند مہاراج کے نام سے یہاں رہے۔ اُن کا ایک بیٹا شری دھرتھا جسے کلیان جی نے اپنا بیٹا کہہ کر گردھر کے نام سے پالا اُس کی اولاد میں کیشولال آج بھی سیہور میں رہتا ہے جس کے پاس نانا صاحب اور کلیان جی کے خطوط اور ڈائری وغیرہ ہے۔ ان خطوط سے نہ صرف کچھ نئے حالات روشنی میں آتے ہیں بلکہ بغاوت کی نوعیت اور وطنی جذبات بھی آشکار ہوتے ہیں۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ موقع ملنے پر آزادی کے لیے پھر جنگ کرنے کا پلان بنا رہے تھے۔ وہ گومتی ندی کے کنارے گچھا بنا کر رہتے تھے ۱۶ کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نانا صاحب کے ایک

LONDON (P) : Nepal. London, 1928 p. 170

۱۵

MOJUMDAR (K) : Anglo-Nepalese Relation in 19th Century.
p. 88-99.

۱۶ اُن کے مختصر سامان میں پیشوائی پگڑی، دکشا دت شکھ، اکھنڈ چرم اور بھوانی تلوار وغیرہ تھی۔ یہ تلوار گاؤں کے راج محل میں تھی اب نگر پالیکا کے دفتر میں ہے۔ باقی چیزیں مثلاً مالا اور چٹنی پیسنے کا پتھر کیشولال کے پاس ہیں۔ یہاں نانا صاحب نوسادر اور گندھک وغیرہ سے دوائیں بنانے اور لکڑی پتھر پر نقاشی کا کام کرتے تھے۔

ایک ساتھی مور و پنت پٹیا لہ، چترال اور سری نگر وغیرہ گئے تھے بعض جگہ انہیں کوٹا نامی لیا گیا۔ نانا صاحب اور ان کے ساتھی بھوپال اور اٹاری وغیرہ ہوتے ہوئے ادھر آئے تھے وہ بتیول کے جنگلوں میں بھی دو مہینے رہے پھر اٹاری، کھنڈوا، کالاکنڈ، رتلام اور کھبات ہوتے ہوئے سیہور آئے۔ یہاں انہیں گھوگاسی کی سات پوٹی بندرگاہ پر اتارا گیا۔ ان کا نام دیویانند مہاراج رکھا گیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں بڑودہ کے دیوان نے کلیان جی کو بلایا اور ناناصا کے بارے میں معلومات کی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سوامی دیانند سرسوتی ان کے گرو تھے۔ اول انہیں کے مشورے سے (غالباً سمت ۱۹۱۲ میں) یہ طے کیا گیا تھا کہ موقع ملنے پر پھر بغاوت کی جائے۔ کلیان جی کی ڈائری سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، جو ایک نیا انکشاف ہے، کہ جب ہڈسن نے مغل شہزادوں کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کیا (ستمبر ۱۸۵۷ء) تو انہیں پھڑانے کے لیے نانا صاحب کے ساتھیوں نے وہیں جدوجہد کی جس کی وجہ سے ہڈسن نے شہزادوں کو قتل کر دیا لہ نانا صاحب کا یہ قول بھی انہیں کاغذات میں بیان کیا گیا ہے کہ

”میں سارے دیش کی آزادی کے لیے جیا اور لڑا لیکن ان دشت

رجواڑوں نے ملک انگریز کے توالے کر دیا ورنہ فرنگیوں کی ہمارے

سامنے کیا بساط تھی“

ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دوران بغاوت میں بہادر شاہ سے جا کر ملے بھی تھے۔ ناناصا کی رائے تھی کہ انگریزوں کو نکالنے کے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے مسلح جنگ۔ ان کے پاس جب بھی ایک خزانہ محفوظ تھا جس کی مدد سے ایک بڑی فوج کو منظم کر کے جنگ کی جاسکتی

۱۔ شہزادوں کو پھڑانے کی جدوجہد کا ذکر بعض انگریزوں اور خود ہڈسن کے بیان سے ملتا ہے جسے عام طور پر شہزادوں کے قتل کرنے کا بہانہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہ تصدیق کلیان جی کی ڈائری سے ہوتی ہے کہ نانا کے ساتھی یہاں موجود تھے۔

تھی۔ کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ خزانہ بڈنور کے مودی رام کے پاس ہے۔ اس کے بارے میں ایک نقشہ اور تفصیل بھی ان کاغذات میں ملتی ہے۔ آخر میں اُن کے ساتھ صرف بائیس آدمی رہ گئے تھے جو دمن بھجادیئے گئے نانا صاحب کے شبہ میں جو مختلف لوگ ۱۸۹۳ء تک گرفتار ہوئے اور چھوڑے گئے ان کی داستان بہت طویل ہے۔ ایک خبر یہ تھی کہ وہ مکہ اور قسطنطنیہ میں شہزادہ فیروز کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے کا پلان بنا رہے ہیں۔ ۱

۱۔ ان حالات کے لیے یہ کتابیں اور مآخذ پیش نظر ہیں :

1. SEN : Eighteen Fifty Seven pp. 369-70, 392-93
2. LANDON (Perceval) : Nepal, Chapter 9.
3. GUPTA (P.C.) : Nana Saheb and Rising at Kanpure.
19th Century. (1973)
4. MOJUMDAR (K) : Anglo-Nepalese Relation in

۵۔ اخبار 'ملاپ'، ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء

۶۔ رسالہ 'دھرم گیگ' (ہندی) ۹ مئی ۱۹۷۶ء

ضمیمہ

اہم دستاویزات اور سرکاری ریکارڈ

① دہلی کے سپاہیوں کا اعلان

سب ہندو مسلمان رعایا اور ملازم ہندوستان کو افسران فوج انگریزی مقیم دہلی اور میرٹھ کی طرف دریافت ہوئے کہ اب سب فرنگیوں نے اس بات پر ایک کیا ہے کہ اول سب فوج ہندوستانی کو بیدھم کر کے پہرے رکھیں اور رعایا کو بزور تدبیر سلطان کر لیں چنانچہ ہم سب نے فقط دین کے واسطی سے رعایا اتفاق کر کے کافر زندہ چھوڑا اور پادشاہت دہلی اس عہد پر قائم کیا کہ فوج اپنی فرنگیوں کو قتل کر کے اپنی اطاعت..... (کاغذ چھٹا ہوا ہے)..... اطاعت کر کی ہمیشہ..... تنخواہ پاتی رہی سیکڑوں توپ..... (کاغذ دریدہ)..... خزانہ ہاتھ آیا اب لازم یہ ہے کہ جسکو کر سلطان ہونا دشوار ہووے رعایا اور فوج ہر مقام کی ایک دل ہو کر ہمت کریں تخم انکافروں کا باقی نہ رکھیں اور جس قدر مصارف رسد رسانی فوج یاں رعایا کا ہودی اوسکی رسید افسران فوج سی لیکر اپنی پاس رکھیں دو چند قیمت سرکار پادشاہی سے ملی گی اور جو لوگ اس وقت میں بھی نامردی کریں گی یا ان دغا بازوں کا فریب کھا کر انکی قول پر اعتماد کریں گی عنقریب اپنی کمی پر پشیمان ہو کر کف افسوس ملیں گی اور شمرہ اطاعت کا مثل رئیس لکھنؤ کی پائیں گی لازم یہ ہے کہ سب ہندو مسلمان اس معرکے میں ایک کر کے چنڈا دیں معتبر کی تدبیر سی ہندو بست اپنی محافظت کا کر لیں جسکا انتظام اچھا ہوگا اور جسکی رعایا راضی ہوگی وہی عہدہ ہلیلہ پر سرفراز ہونگی اور جہاں تک ہو سکی نقل اس اشتہار کی کر کے ہر مقام پر روانہ کرنا لازم ہی تاکہ سب ہندو مسلمان خبردار ہو شیار ہو جاویں اور مقام نمود پر اسکو آویزاں کرنا چاہی اور اشتہار کی مشتہر کرنی میں بہت احتیاط لازم ہے۔۔۔

ترجمہ :- تاکہ یہ راز کھل نہ جائے۔ اس اشتہار کا جاری ہونا خدا کی راہ میں تلوار کا پہلا وار ہے۔ اور تنخواہ سوار کی تیس روپیہ اور سپاہی کی دس روپیہ ہے۔ تقریباً سو ہزار آدمی جنگ کے لیے تیار ہیں اور انھوں نے انگریزی رجمنٹوں کے نشان (جھنڈے) پر قبضہ کر لیا ہے۔ شہر کے آس پاس علاقوں سے چودہ جھنڈے اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ

اٹھائے گئے ہیں۔ کانپور اور الہ آباد سے ان شیطانوں کا جلد خاتمہ ہونے والا ہے۔
(اصل اردو اشتہار انگریزوں نے اگست ۱۸۵۷ء میں حاصل کیا)

② عریضہ ٹھاکر بخش تعلقہ دار حناپور

بنام سرکار اودھ مورخہ ۵ شوال ۱۲۷۴ھ (۱۸ مئی ۱۸۵۸ء)

کیفیت تمیل حکم سرکار فیض آثار محکومہ پنجم شوال ۱۲۷۴ھ ہجری جو کہ فرماں بردار
حاضر باش قدیم ہے اور ابتدا سے یعنی عرصہ برس روز شروع جنگ کفار و نکلے موہ جمعیت
اسلاح بنڈاں اپنے حاضر دار السلطنت لکھنؤ میں رہ کر جنگ وصف مقابلہ کفاروں کے
مستعد رہا اور اب بھی ابتدا سے موہ جمعیت اپنے ہمراہ جناب رانا صاحب خداوند نعمت
جناب رانا بیٹی مادھو بخش صاحب بہادر دلیر جنگ کے حاضر ہے اور کبھی فرماں برداری
و حاضر باشی سرکار فیض آثار سے بہبودی اپنی ہانکر کوئی قصور ظہور میں نہ لاوے گا واجب
جان کر عرض کیا۔ الہی آفتاب دولت و اقبال کا ہمیشہ روشن رہو فقط

فرماں بردار ٹھاکر بخش سنگھ تعلقہ دار
حناپور وغیرہ معروضہ ۲۶ شوال ۱۲۷۴ھ ہجری

③ عرضداشت ولی داد خاں بہ حضور بہادر شاہ

بعض عرض برساند حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی شاہ جم جہاہ
امروز نمک خوار مو سپاہ قلیل بر سر کافراں کہ بجماعت کثیر مقیم بلند شہر بودند
تافت و قتال صعب روداد غازیان بلا خیال کم و بیش آنچنان گولہ بازی و تفنگ
اندازی کردند کہ مخالفان راہ گریز بنمودند غازیان تعاقب شاں تالیک کردہ کردند

زیاده از آن بباعث قلت سپاه تعاقب نساختند و بسیار کافران با آن سلامت بزدند و راه میریخته گرفته فروعات پس فردا مع پلٹن گورال و توپخانه مقابلہ خواهند کرد و از آنجا کہ این ملک بسیار از ایرد تاحال زیر سرکاری بزمہ کاشتکاران باقیست و فرنگیاں ہرگز بدون قتل خویش ازیں ملک دست بردار نخواہد شد و این قبل عوائض متعدد بطلب پلٹن و توپخانه نمک خوار ترسیل داشتہ لیکن تاحال فرمان والا شان مع پلٹن و توپخانه غیر ایراد نیاد و اندریں صورت سخت حیرانم کہ کافران بسیار و سپاہ من اندک از پلٹن گورہ چگونہ عہدہ برائی خواہد شد و این ملک بردو کشت بسیار و خون ریزی بیشمار بدست آمدہ است بسبب نہ رسیدن کمک مفت از دست خواہد رفت کمال سبکی غازیان نمک خوار سرکار خواہد شد وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز بدست نمی آید و جان نثار در جان نثاری خود غدری نیست بہ نظر خیر خواہی حضور مجبور عرض میکنم کہ یک پلٹن و توپخانه برائے کمک بزودی ارسال شود تا تاریخ بستم این ماہ شوال بمقام ملاکدہ رسد تا کہ دما از سر کافران بر آرم و زردہ زدہ تا میریٹہ و از میریٹہ بقدم یوسی حضور حاضر شوم و اگر تعویق در رسیدن کمک خواہد شد نوبت بخانہ ام خواہد رسید و باز حضور والا را تاسف خواہد شد۔

الہی آفتاب دولت اقبال تابان و درخشاں باد

مہر عظیم الدولہ ممتاز الملک

محمد ولیاد خاں بہادر نصیر جنگ

معروضہ ۱۸ شوال ۱۲۴۲ھ

(م ۱۱ جون ۱۸۵۴ء)

④ عرضداشت ولی دادخاں بخد مت بہادر شاہ

زین قبل عرضداشت بطلب فوج بحضور لامع النور ترسیل کرده ام یقین کہ بملاحظہ اقدس گذشتہ باشند تا حال ملک عنایت نشدہ و حال اینجا از بس ابر و خراب زیرا کہ تحصیل زر مالکذاری مطلق نشدہ بیکار شدہ ام قوم جاٹ فرنگیاں را بخانہ خود نشدہ ایندہ بلوہ کردہ اند و ملک شاہی را تباہ و بربادی رساند تا بمقدور خود دفع شر مفسدان میکنم لیکن از صرف روز مرہ بہ تنگ آمدہ ام و نہ خبری ارسال حضور کردم۔ اکنون نوبت کار بہ استخوان رسیدہ بخردستگیری حضور اقدس این کار دشوار آساں شدن نمی تواند حالاً فوج بریلی عبور دریائے گنگ نمودہ مقیم قصبہ کدہ مکسر است فرمان والا شان بنام فوج مذکور صادر گرد کہ ازین فوج موافق حکم شاہی برای ہر قدر کہ صادر باشد نزد فدوی ماند فدوی بخوبی تمام رسد رسائی فوج شاہی متعینہ خود خواہد کرد و تنخواہ فوج ماہ بہ ماہ خواہد داد و بعد رسیدن فوج سز نش مفسدان کردہ و فرنگیاں و حامان را قتل و غارت نمودہ۔ کار تحصیل شروع نماید و از زر تحصیل گذر اوقات خود کند و باقی از بہ حضور والا ترسیل نماید۔ الہی آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔ حد ادب۔

۲۹ شوال ۱۲۴۳ھ (م ۲۲ جون ۱۸۵۷ء)

⑤ عرضداشت دلجیت سنگھ تعلقہ دار بودھی پور (دھمیڑی)

بنام احمد اللہ شاہ مورخہ ۱۷ شعبان ۱۲۴۳ھ (۲۱ اپریل ۱۸۵۸ء)

حکم نامہ قدر توامہ شعر سکونت داشتن بہ اطمینان تمام در دیہہ و در خانہ و اندیشہ نہ کردن بنوعی و ارسال داشتن و اصل باقی بقید تفصیل زر مدخلہ و ارشاد ملک و اعانت

فرمودن سرکار بہر کام مورخہ ہفتدہم شعبان المعظم ۱۲۴۴ھ شرف نفاذ یافت سرفرازی
 فراواں و جمعیت بے پایاں بخشید خداوند اوصورت این است کہ در علاقہ متعلقہ غلام
 زر مالکنداری چہد اسنگہ تحصیلدار کہ از طرف راجہ گور بخش سنگہ تعلقہ دار رام نگر دہمپڑی
 مقرر بود از اسامیاں تحصیل کردہ گرفت و آنچه کہ مبلغاں در علاقہ دمہ آسامیاں باقی ماندہ
 گنگا بخش سنگہ تفریقہ تحصیل کردہ گرفت و علاقہ غلام راجہ گور بخش سنگہ مذکور سپرد گنگا
 بخش سنگہ وغیرہ کردہ داد غلام محض بے دخل گردید الحال گنگا بخش سنگہ مردمان گوبارہ
 چہار صد فراہم کردہ مستعد بر ہلاکت غلام است از باعث ہمراہ رفتن ملازمان حضور والا بردوانہ
 او تفریقہ مذکور را زیادہ بر عداوت و کاوش پیدا شدہ و غلام را بہر کیف تقویت و طمانیت
 قدم حضور والا است سرکار اگر عداوت غلام فرمائند البتہ جاں بری غلام متصور است و
 خواہ سرکار کدائی کارندہ مقرر شدہ دریں جا بیاید غلام آنچه از سرکار دریں علاقہ باقیست
 تحصیل کرانندہ دہد و بدوں اعانت سرکار غلام چنداں جمعیت ندارد کہ از گنگا بخش
 پیش رفت نماید چہ کہ تفریق دار مذکور اہل مقدور و جمعیت موفور دارد و غلام را
 فقط طاقت از تفقدات سرکار است اگر حکم شود غلام معہ مردمان موجودہ حاضر خدمت
 ماند ازیں ہاجہ خورد در علاقہ دخل نمی باید و در خانہ ماندن دشوار است ہر روز گفتہ می
 فریبکہ امروز محاصرہ کردہ بقتل خواہم رسانید واجب دانستہ بعض والا رسانیدہ فقط
 عرضی خانہ زاد دلچیت سنگہ

⑤ عرضی قادر بخش درونہ میگزین بنام احمد اللہ شاہ

مورخہ ۱۸ شعبان المعظم ۱۲۴۴ھ (۲۱ اپریل ۱۸۵۵ء)

از انجا کہ این خادم بسبب ہنگامہ و یورش کفاراں از شہر لکھنؤ حلاوطن

شده متعلقاں را بجائے حفاظت رسانید و در سرانے آغا میرز قدر که میگزین بامکان
 فدوی حاصل بود به حضوری والا رسانید و بجای آوری حکم والا بجا آورد و ہزاراں روپیہ را
 مال حساب در شہر لکھنؤ گذاشتہ رفت طوریکہ نوبت چہیت چہ عرض سازم جایکہ قیام
 گریز ہستم جملہ قوم مسلمین السلام رئیس اند عنقریب جملہ صاحبان بنا بر جنگ کفاراں
 حاضر حضور میشوند لہذا امیدوار فضل و کرم کہ جواب عرضی و یک قطعہ حکمنامہ بنام ناظم
 خیر آباد در باب میگزین عنایت کردہ کہ ہر قدر کہ میگزین در علاقہ خیر آباد ممکن شود صد
 باب آں نمودہ تلاش کردہ قریب حاضر حضور سازم و بنظر عنایات دستگیری کہ من خادم
 قدیم وابستہ دامن دولت حضور است از ورود کیفیت شہر لکھنؤ و مجتمع شدن افواج
 جنگی و تعلقداران این فدوی را اطلاع بخشند دریں والا باستماع رسید کہ تعلقداران علاقہ
 بیسواڑہ و سلطانپور در شہر لکھنؤ رسیدہ قتل کفاراں نمودند و مورچہ در عیش باغ قرار
 گرفتند۔ بمع خوش خبری باین طور جملہ زمینداران و تعلقداران تیاری حاضری حضور دارند
 زودی جواب جملہ عرضات کہ بخدمت فیض در جت عرض کردہ اند مرحمت بشود کہ
 خود را جلد بہ نیاز قدم بوسی پایہ آستان عالی رسانم واجب بود عرض نمود۔
 کمترین خادم قادر بخش دروغہ میگزین

④

خط راجہ جے لال سنگھ بنام رامیشور بخش تعلقہ دار ملاوان

۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ (۳ اگست ۱۸۵۶ء)

زبدۃ الامرا را و مسر بخش تعلقہ دار ملاوان بعافیت باشند با اظہار طہاکر گمان
 سنگہ تعلقہ دار رام پور واضح شد کہ مردمان راجہ ہر پر شاد سنگھ چکلہ دار خیر آباد بمقدمہ اسباب

انگریزی تعرض نیماید لہذا دو نفر حاضر داراں مامور شد مرسند۔۔۔۔۔ بغور صدور نوشتہ ہذا اسباب انگریزی را ہمراہ حاضر داراں با اہتمام ٹہا کر مذکور و نیز بحفاظت مردماں ہمراہی خود و مردم چکلہ دار ارسال سرکار فیض آثار رسانند و مردماں چکلہ دار مذکور را باید کہ از مزاحمت باز آید تاکید مزید دانستہ۔

⑧ خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

۲۱ شعبان ۱۲۷۲ھ (۱۶ اپریل ۱۸۵۸ء)

بغرض _____ می رساند

چار قطعہ حکمنامہ فیض توامہ ایک بیچ مقدمہ بھیجی دو ہزار روپیہ کے اور دوسرا بمقدمہ ادا کی مخبران اور تیسرا بطلب اونٹوں اور ہاتیوں کے اور نہیں حاضر ہونی فدوی کے اور چوتھا بطلب بہاری لال عامل محمدی صادر ہوا سرفراز و ممتاز کیا جواب حکمنامہ اول کا یہ ہی کہ یہ روپیہ منجملہ رقم موعودہ محمد یوسف خاں کلکٹر کے طلب ہی یا فدوی ہی حضور طلب فرماتی ہیں مفصل اطلاع ہو کہ مطابق اوکے تدبیر کی جاتی۔ اور جواب دوسری حکمنامے کا یہ ہی کہ تینوں مجرم مقید بحفاظت مردمان پلٹن فغفور حضور میں روانہ کی جاتی ہیں یقین ہے کہ کل پہونچیں اور جواب تیسرے حکمنامے کا یہ ہی کہ بمجرّد صادر ہونی حکمنامہ حضور کی دو سوار بطلب ہاتیوں کی صدر پور کو کہ وہاں ہاتھی سرکاری چرائی پر ہیں بھیجی گئی ہیں جس وقت آئیگی فوراً روانہ کروں گا اور جواب چوتھے حکمنامے کا یہ ہی کہ بہاری لال عامل محمدی بسبب باقی رہنے تنخواہ کے فوج متعینہ محمدی میں مقید ہی اور آنا جانا اوسکا اونہیں لوگوں کی اختیار میں ہے اس صورت میں فدوی مجبور ہی۔۔۔۔۔ اور زبانی ہر کارہ کی دریافت ہوا کہ انگریزاں لکھنؤ کا قصد تاخت باڑی کا بہت جلد ہی زبانی کڈر کی جو فوج کے ہمراہ ہے یہ مفصل حال اوسنے سنا لہذا گزارش

ہے کہ خیال اس امر کا ملحوظ خاطر مبارک ہو کہ بخوبی حفاظت اور تدارک کیا جاوے
از جانب فدوی محمود علی مرید با اعتقاد آداب و تسلیمات قبول ہو۔

⑨ خط کاظم علی بخدمت احمد اللہ شاہ

مورخہ ۲ شعبان ۱۲۷۲ھ (۵ اپریل ۱۸۵۸ء)

بعض عرض _____ محارسانہ

آج کی دن فوج تعیناتے محمدی کے مع عامل محمدی داخل محمود آباد کے ہوئی اور
قریب چار ہزار کی جمعیت ہی اب حضور بھی اگر قصد آگے بڑھیں تو بہت
مناسب ہے اس صورت میں ایک مرتبہ اور حضور تشریف بہٹولی کڑی راجہ کور بخش
سنگھ تشریف لے چلیں اور وہاں چلکر فوج ملازم اور مردم تعلقہ دار ہر طرف واسطی تدارک
کفار و نکی مقرر فرمائیں تو لڑائی بند و بست کے ساتھ ہو بس جس دن حضور قصد اوہر
تشریف لانے کا کریں تو ایسی اطلاع کیجی کہ فدوی اپنی تن خواہ منشی محمود علی کو روانہ
خدمت مفید رحمت کا کرے۔

⑩ خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

۱۸ شعبان ۱۲۷۲ھ (۲ اپریل ۱۸۵۸ء)

بعض عرض _____ محارسانہ

اونٹوں کی تلاش بہت کی گئی مگر بھگولی میں بہم نہ پہنچی مگر زبانی منشی محمود علی
صاحب ضرورت ہاتھوں کی بھی سنی گئی سو ہاتی بھیجی میں پہونچگی اور رہالہ جنگی سی واسطی
حضور خدمت عالی کے تاکید کی گئی لیکن اونہوں نے عذر کیا کہ جب سب سوار مجتمع
ہونگے تب ہم حاضر ہونگی اور گولہ انداز تو پچانہ نصیر آباد بھی تو پونگی لیجانی پر راضی نہیں

ہیں اور فدوی ہمراہ سواروں کی حاضر حضور ہوتا مگر مہاجن شاپور کا ابھی تک نہیں آیا ہی یقین ہی کہ کل تک آجائی ہو امر کہ اس سے طے پائیگا اطلاع کرونگا اور اگر ارشاد ہو تو بدولن آئی ہوئی اس کے حاضر ہوں۔

⑪ خط سید کاظم علی بخد مت احمد اللہ شاہ

۱۲ شعبان ۱۲۷۲ھ (۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء)

حکم نامہ حضور کا بطلب اسب و میگزین و دیرہ وغیرہ پہونچا سرفراز و ممتاز کیا آپ پر نقوب روشن ہے کہ جس طرح پر لکھنؤ سی نکلنا ہوا کہ سوئی ایک بوڑھ کپڑے کے جو بدن پہ تہا کسی کے پاس کوئی چیز نہیں تھی اور اب ہی اس طرح کی بے سرو سامانی ہی کہ قابل بیان کے نہیں ہی باوجود اسکی بجا آوری ارشاد میں بسر و چشم حاضر ہیں اور جو کچھ ہو سکتا ہی خدمت عالی میں روانہ کیا جاتا ہے چنانچہ ایک گھوڑی خاصہ کی کہ لوٹ سے نکال رہی تھی ہمراہ عبدالرحیم کے روانہ کی تھی اور سامان میگزین کا بخدا کہ مطلق نہیں ہے مگر فیض آباد وغیرہ سے شورہ اور کندک طلب کیا ہی جس وقت باروت وغیرہ تیار ہوگی فوراً بھیدی جائیگی اور خیمہ وغیرہ اس سامان میں کہاں ہی ورنہ ہرگز بھیجے میں تامل نہ ہوتا اور حضور پر ظاہر ہی کہ ہم لوگ خادم اور تابع دار حضور کی ہیں اور جان و مال ہمارا آپ پر فدا ہی مگر کیا کریں کہ آج کل کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی ہی حال ہماری پریشانی اور بی استطاعتی کا حضور پر سب روشن ہے حاجت عرض کی نہیں ہی فقط

پیشانی پر تحریر :

حکم ہوا کہ جیسے کرے ویسے بہرے ہکو کچھ پرواہ

کے سے نہیں ہے خدا کا فضل درکار ہی۔

۱۲ شعبان ۱۲۷۴ھ ہجری

⑫ خط سید کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

جناب فیض شاہ صاحب۔ لکھناوند نعمت پیر و مرشد برحق خلیفۃ اللہ شاہ احمد اللہ دام فیضہم
بعض عرض

متواتر سنا گیا اور معتبروں نے آکر یہاں کہا کہ چودہری ملک ط گنج نے بہت سی
رسد واسطی انگریزوں کے جمع کی ہی اور کر رہا ہی لہذا گزارش یہ ہی کہ حضور ایک رسالہ
سواروں کا بھیج کر بمقدور سامان رسد وغیرہ کی وہاں جمع ہوا ہی اوٹھوا لیجی اور چودہری
ناعاقبت اندیش کو جو سزا مناسب ہو دیجی زیادہ حد ادب۔

عرضی سید کاظم علی

۱۲ شعبان ۱۲۷۴ھ (۲۸ مارچ ۱۸۵۸ء)

⑬ خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

بعض عرض

آج جو سوار کہ واسطی یعنی ہاتھوں کی گئی تھی آئی اور اونکی زبانے معلوم ہوا کہ وہ ہاتھی
بھٹولی کو گئی لہذا ایک خط بطلب ہاتھوں کے بھٹولی کو پاس علی محمد خاں دروغہ کی بیجا ہی
جس وقت آئیگی فوراً روانہ حضور کرونگا اور واسطی یعنی خیمہ جن سواروں کو کرسی پہنچا تھا
وہ آج پھر آئی کل اور سواروں کو وہاں بھیجوں گا اور باقی حال زبانے حبیب اللہ خاں رسالدار
کی مع سولات رسالہ اپنی کی حاضر حضور ہوتی ہیں مفصل دریافت ہوگا زیادہ حد ادب۔
الہی آفتاب فیض و مکرمت طالع و باد از جانب فدوی محمود علی آداب و تسلیمات قبول

۲۲ شعبان ۱۲۷۲ھ

(۷ اپریل ۱۸۵۸ء)

⑫ خط سید کاظم علی بہ خدمت احمد اللہ شاہ

جناب فضیلت ماب شاہ صاحب خداوند نعمت پیر و مرشد برحق خلیفۃ اللہ شاہ احمد اللہ دام اقبالہم

بعض عرض ————— می رساند

حکمنامہ سرکاری کہ بنام مشیراں جناب بیگم صاحبہ کی تھا اوس وقت پاس بیگم صاحبہ کے بھجوا دیا گیا جس وقت جواب اوسکا آئیگا فوراً روانہ خدمت عالی کرونگا اور فہرست ضروریات کی جو ملفوف حکم نامے کے تھی وہ بھی بھیج دی گئی ہے ایک گھوڑا موجود ہے مگر چار جامہ وغیرہ اسباب اوسکا نہیں ہے جناب بیگم صاحبہ کو اطلاع کی گئی ہے بروقت آنے اجازت کی خدمت عالی میں بھیج دیا جائیگا مگر رقعہ مہری آپ کے اور ایک آدمی معتبر درکار ہے کیونکہ پہلا گھوڑا جو سوار کے ہاتھ بھیجا گیا تھا معلوم ہوا کہ آپ تک نہیں پہنچا اس واسطی گھوڑے کی بھیجی میں تامل ہے اور فوج جس قدر آتی جاتی ہے حضور کی خدمت میں بھیجتا جاتا ہوں زیادہ حد ادب

عرضی فدوی سید کاظم علی کارندہ علی محمد خاں

۹ ماہ شعبان ۱۲۷۲ھ ہجری

⑬ عریضہ سید کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

جناب شاہ صاحب پیر و مرشد برحق

بعض عرض ————— می رساند

تین شخص گویندہ انگریزی گرفتار ہو کر آئی ہیں سو یہاں محمود آباد میں قید ہیں

اگر ارشاد ہو حضور کی خدمت میں روانہ کروں یا جیسا حکم ہو ویسا عمل میں آئی: زیادہ حد ادب
از جانب فدوی محمود علی آداب و تسلیمات قبول باد فقط

فدوی سید کاظم علی

۱۹ شعبان ۱۲۷۴ ہجری (۳ اپریل ۱۸۵۸ء)

اس کی پیشانی پر یہ حکم لکھا ہے:

حکم نامہ بنام سائل جاری ہو کہ تینوں گواہیندہ کو فی الفور حراست چالان کرے ایسا
ہو کہ فرار ہو جاؤ میں۔ ۱۲ شعبان

①۶ عریضہ علی محمد وسید کاظم علی بہ خدمت احمد اللہ شاہؒ

(۲۶ مارچ ۱۸۵۸ء)

بہ عرض شاہ صاحب خداوند نعمت پیر و مرشد بوقت خلیفۃ اللہ شاہ احمد اللہ دام فیضہم فی رساند

حکم نامہ فیض خامہ محکومہ نہم شعبان ۱۲۷۴ لہ ہاتھ شتر سوار کے پہونچا سر فرار و ممتاز کیا
واسطی بھیجی گہوڑوں کی ارشاد ہوا ہی او کی صورت یہ ہے کہ جس قدر گہوڑی سرکاری تھے
راہ میں جس شخص نے پائے لے لیے چنانچہ سات گہوڑی اور ایک گہوڑی راجہ ڈرگ بجی سنگھ
تعلقہ دار ہونا کی پاس ہیں اور ستائیس گہوڑیاں تلنگا پلٹن لونی نے رکھ لیں چنانچہ اون کی
واسطی حضور میں عرض کہ نہ بھیجا تھا کہ آپ وہ گہوڑیاں تلنگوں سے طلب کر لیں یقین ہے
کہ آپ نے منگوالی ہوں اب سرکار میں فقط تین چار بچہ ہی کہ قابل سواری کے نہیں
ہیں اور ایک گہوڑی گا بن باقی ہیں مگر راجہ ڈرگ بجی سنگھ کو لکھا ہے کہ دو تول گہوڑی
اور گہوڑی یہ بھی دیں مگر ابھی تک اوسنے نہیں بھیجی ہیں جس وقت بھی دیگا ایک گہوڑی
حضور کی سواری کے واسطے بھیج دوں گا اور جو حضور نے فدوی کو مع جمعیت طلب فرمایا ہی

شکل اوسکی یہ ہے کہ ابھی تک کچھ لوگ یہاں جمع نہیں ہوئی ہیں اور جو تھوڑی بہت آئی ہیں انکو خدمت عالی میں روانہ کیا اور جس وقت جمعیت کثیر بہم پہنچی گی خدوی خود حاضر ہوگا ابھی یکہ و تنہا کیا حاضر ہو۔ اور آپ کے پاس تو عنایت خداوندی سے جمعیت کثیر اور سنا کہ آٹھ ہزار آدمی خیر آباد سی آپ کے ہمراہ آئی ہیں اس صورت میں امید وار ہوں کہ آپ اب — (ترجمہ) باری سے آگے بڑھیں گے اور ہمارے دین کے ان دشمنوں کو قتل کریں گے جنہوں نے لکھنؤ میں بھرتی شروع کر دی ہے۔ آپ کی فتح ہوگی مجھے اپنا وفادار جانیں ہم یہاں آپ کی عنایت کے بھروسے پر مقیم ہیں۔ اپنے وفادار مرید علی محمد کی جانب سے احترام و آداب قبول کیجئے۔

①۷ عریضہ دلجیت سنگھ علاقہ بدی پور بہ خدمت احمد اللہ شاہ

بعض بندگان جناب عالی متعالی شاہ صاحب خداوند نعمت و ناصر زماں حاتم دورا رستم زماں دام اقبالہم و افضالہم۔

خداوند نعمت سلامت خانہ زاد موروثی از ہمیشہ خیر خواہی سرکار ابد قرار ساختہ و پرورش و تفصیلات ملازماں سرکار معالی بر جانب غلام دوام ماندہ چنانچہ فی الحال امری خیر خواہی دیدہ بالتماس بندگان جناب ہمایوں می پرواز کہ کنکا پرشاد بلادر زادہ ساہو بہاری لعل مہاجن لکھنؤ کہ از عرصہ دریں علاقہ مع متعلقان و زر کثیر گریختہ آمدہ بودند اول چندے در فتحپور قیام داشتہ بعد از اں ہنگام آمدن کفاراں در کر سے ساہو مسطور امری دریائی بعلاقہ رام پور گریختہ رفتہ اقامت در زبیدہ چنانچہ دی رور ساہو مذکور متعلقان و زر کثیر با ارادہ رفتن لکھنؤ برائے حصول ملاقات کفاراں در شاپور متعلقہ فتحپور بخانہ کنکا پرشاد رسیداد فروش شدہ اند یقین است کہ در دو یک روز بلکہ در صبح شام عازم لکھنؤ شوند ہوں ہر گاہ نامبردہ در لکھنؤ رسیدہ و دو چہار لک روپیہ بہ کفاراں دادہ زیادہ

ترتقویت بادشاں خواہد شد لہذا عہتی ساخت کہ اگر ملازماں عالی را دو چہار مک روپیہ در وقت
سرفتن منظور مزاج مقدس باشد بر فور ملاحظہ عہتی ہذا ہزار پانصد کس مردم سوار و پیادہ را اجازت
بخشد کہ اوشاں بلا تامل در شاپور مذکور بر مکان کنکا بخش مزبور آمدہ و محاصرہ کرد برادر
زادہ ساہو صاحب را لکھنؤ فتن نہ ہند وزیر کثیر حسب دل خواہ از اوشاں بگرنہ برائے
اطلاع بغرض برداختہ آئندہ سرکار مالک..... است

الہی آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد

خانہ زاد

دلچیت سنگھ تعلقہ دار بدی پور وغیرہ

متعلقہ علاقہ رام نگر و سمیٹے

⑱ عریضہ تعلقہ دار (؟) بہ خدمت احمد اللہ شاہؒ

دو قطعہ اشتہار نامہ کی بایں مضمون کہ سرکار فیض آثار نے عیوض شریک ہونے
معرکہ کارزار اور قتل کرنے انگریزاں نابکار کے کہ نصف جمع علاقہ کے پانچ برس تک بابت
شرکت کے ہرزمیندار اور تعلقہ دار کو معاف فرمایا ہے چنانچہ ہوشخص کہ شریک سرکار ہو کر
لڑائی میں حاضر رہے او کو آدھی جمع اس سال میں معاف ہو کر انکی جمع مالگنداری سے
منہا ہو کر اور چار برس تک آئندہ معاف اور منہا ہوتی رہیگی اس واسطے اشتہار دیا جاتا ہے
کہ ہوشخص تعلقہ دار خواہ زمیندار علاقہ بیسواڑہ کا شریک فوج سرکار کے اور رانا مینی مادھو بخش
بہادر دلیر جنگ کے ہو کر انگریزوں کو قتل کریگا اور آدمی اپنی بحساب فی ہزار پچاس
نفر لاویگا او کو بھی آدھی جمع پانچ برس تک معاف ہوگی۔ اس صورت میں سب کو
لازم ہے کہ جان و دل سے اس معرکہ میں شریک اور مارنے اور نکاسی میں انگریزوں کی
مستعد ہو کر داد شجاعت و مردانگی دو اور سزاوار پرورش سرکار کے بنو اور اگر اس

پروٹش میں بھی شراکت نہ کریگا تو کچھ اوسکو معاف نہ ہوگا اور سزا دی جاوے گی اور دوسرا قطعہ بدیں مضمون کہ جو کوئی پاس انگریزوں کے حاضر ہوا کریشان ہوا بجز ذلت و خواری کے..... قصور اوسکا معاف کیا گیا سو اب بھی شریک معرکہ کارزار کے ہمراہ فوج شاہی و رانا بھنی مادھو بخش بہادر دلیر جنگ قتل کرنے انگریزوں کی جاں نثاری کری صادر ہوا جناب عالی کمترین بہر صورت حضور عالی متعالے کا ہی شروع ماہ کنوار سے بموجب صادر ہونے احکامات حضور کے ہمراہ فوج شاہی واسطی مارنے کفاروں کی جاں نثاری کی ہی اب بھی حسب الحکم حضور کے بسرو چشم..... ہمراہ ہمراہی ساتھ فوج حضور و رانا بھنی مادھو بخش بہادر دلیر جنگ کے واسطی مارنے قوم نصاریٰ کے حاضر ہوں امیدوار..... کا ہوں واجب جانکر عرض کیا۔

الہی آفتاب دولت و اقبال کا تاباں و درخشاں ہو جیو۔

①۹ خط راجہ دلچہ سنگھ بنام احمد اللہ شاہ

مورخہ ۵ شوال ۱۲۷۲ھ (۱۹ مئی ۱۸۵۸ء)

جناب حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی خلد اللہ دام ملک و سلطنتہ

بعض عرض ————— فی رساند

دو قطعہ اشتہار نامہ کچہری دیوانعام سلطانی مرقومہ پنجم شوال ۱۲۷۲ھ معرفت افران متعینہ نظامت بیسواڑہ پاس اس تابعدار کی پہونچی مضمون مطلب اوسکے سے تابعدار بخوبی مطلع و آگاہ ہوا زمانی سلف سی خصوصاً روز اول..... جنگ و جدل بمقابلہ کفاروں کے یہ تابعدار جس نہج پر جاں نثاری و فرماں برداری میں سرکار معالیٰ کی حاضر رہا ہی اوس سے زیادہ تر ایسے وقت میں تابعدار کی واسطی جاں نثاری فرق مبارک بندگاں سرکار معالیٰ کی حاضر ہو کر فرق نہوگا چونکہ تابعدار کے پاس..... قلیل علاقہ و فوج قلیل ہے و

کسرت حفاظت رسد باب کفارال گذرگاہ دریائے گنگ و حفاظت متعلقاں و رعایا و امداد فوج سرکار معالیٰ مقدم ہے اس لیے جس وقت جس مقام پر اس اطراف میں کارزار بمقابلہ کفارال افواج سرکاری سے شروع ہوو پائے استقامت افواج سرکار معالیٰ کا موقع مقام پر قرار پاوے بے شک افواج تابعدار..... امداد افواج سرکار معالیٰ کی پہونچے گی کُلّیاً یا صریحاً توقف نہوگا..... کے رہی کہ حالات فریب و مطالعہ وہی کفارال بد اندیشاں کا اوپر ہر خاص و عام کی ظاہر ہی بخوبی تدارک کفارال عمل میں آویگانہ الحقیقت عزت و دین و دھرم تابعدار..... کر سکتا ہے اس ملک اودھ کا بخشا ہوا اسے سرکار معالیٰ کا ہے نہ کہ کفار ناہنجاراں بعید الوطنان کا بکدامی نوعہ آمیزش و میل کفارال سود مند متوطنان اس ملک اودھ کی نہوگا درجہ مجبوری..... الہی آفتاب دولت و اقبال و ایمان روشن رہے۔

راجہ دلجی سنگھ بہادر

②۰ خط بینی مادھو بنام بالاراؤ صاحب

(مورخہ ۱۶ شوال ۱۲۷۴ھ)

بعد گزارش مراسم نیاز مندیہا پیش خدمت است عنایت نامہ فیض شمارہ مملو توجہ بے پایاں اسر سرور خاطر سانی بہ دریافت حال فتح یابی بندہ و ایمائے روانہ کردن فوج در بہرائچ پیش خود برائے تہیہ..... رکھونا تہہ سگہ پانڈے ورود یافت کامیاب و کامراں گردایندہ از آنجا کہ در حقیقت از عنایت سانی و اقبال سرکار والا بہر کیف فتح عظیم حاصل شد کہ کشتگاں گورہ ہائے و سکھ را شمارے نیست محض از عنایات ایزدی و اقبال سرکار والا است کہ ہر لحظہ ہمراہ من معین و مددگار است و ہنوز ازیں نواہی دفع نشداند۔

مہرانا بینی مادھو بخش بہادر

۲۱) نانا صاحب کا ایک اہم خط

(مورخہ ۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء)

مہر۔ صاحب پیشوا بہادر

رجسٹرڈ صاحب کمان افسر کا لکھا ہوا تاریخ ۲۲ ماہ اپریل کو پہنچا حال معلوم ہوا ہماری طرف سے اشتہار جو لکھا گیا اس میں بہت سی باتیں تھیں لیکن اپنی ایک بات میں جواب دیا سو ہم کو منظور ہی لیکن اس طرح ہم نہیں آسکتے جو ملکہ شاہ کوین بادشاہ زادی کے طرف سے مہر دستخطی و خط فرامیس کے کمان افسر باسکن کمان افسر کے ہمراہ ہمارے پاس آوی تو ہم اونکی اوپر خاطر داری رکھ کر بیشک یہ بات کو منظور کرینگے ہم ملکہ کیا کریں جب کہ اپنے اجنگ ہندوستان میں دغا بازی کی سو ہم خوب جانتے ہیں سو جو آپکی دلیں فساد ملک سے نکالنا ہو تو بادشاہ زادی کا خود لکھا ہوا مہری دستخطی خط ہمراہ فرامیس کے کمان افسر کے ہاتھ آوی تو ہم منظور کرینگے ہماری پاس کوین بادشاہ زادی کا لکھا ہوا مہری دستخطی ہم نے اپنی ولایت لندن کو بھیجا تھا اس وقت اسکی ہاتھ بادشاہ زادی نے بھیجا تھا موجود ہے جو آپکو یہ بات کرنا ہو اس طرح ہوگا ہم حاضر ہیں نہیں تو جان یک روز کبھی جائیگی پر اس طرح عزت کھو کر کیوں مرنا اور اچھے اور ہمسے لڑائی و فساد و جنگ جب تک رہیگا ہم چاہی ماری جائیں چاہے قید ہوں چاہے پہانسی ہو لکھا ہوگا سو ہوگا اور ہم سے جو کچھ ہوگا سو تلوار سے ہوگا نہیں تو دوسری ہو کہ بادشاہ زادی کا لکھا اوکے موافق اوی تو ہو سکیگا اب جو مناسب دیکھیں۔

(یہ خط کی بجائے نقل ہے)

(۲۲) قطعہ

(”صادق الاخبار“ دہلی ۲ اگست ۱۸۵۷ء میں محمد غلام علی مشاق کے نام سے

درج تھا)

عہد ہر سال تمہیں تہنیت آمیز رہے غرقِ نولِ جانِ عدوِ فخرِ نولِ ریز رہے
قتلِ کفار ہوں اور فتحِ مبارک ہو ظفر نام کو بھی نہ جہاں میں سرانگہ ریز رہے

(۲۲) قطعہ تہنیت

بہادر شاہ نے بقرعید (یکم اگست ۱۸۵۷ء) کے موقع پر جنرل بخت خاں کو بھیجا۔
لشکرِ اعلا الہی آج سارا قتل ہو گورکھا گورے سے تا گورنصاری قتل ہو
آج کا دن عیدِ قرباں کا بھی جانینگے ہم اے ظفر تہ تیغ جب دشمن تمہارا قتل ہو
(”صادق الاخبار“ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ)

(۲۲) فرمان بر جیس قدر

سب ہندو مسلمان یہ جانتے ہیں کہ چار چیزیں ہر ایک مانس کو بہت پیاری
ہیں اول دین و دہرم دوسرے عزت و آبرو تیسرے جان اپنی و اپنوں کی چوتھے مال و
اسباب یہ چار چیزیں عملداری ہندوستان میں بچے رہتی ہیں اس عملداری میں کوئی
دین و دہرم کو نہیں ٹوکتا ہے ہر ایک مانس اپنے دین و دہرم پر رہتا ہی عزت و آبرو
ہر ایک مانس کی موافق اس کی درد کی رہتی ہے اشراف کسی قوم کا ہوسید اور شیخ اور
مغل اور پٹھان مسلمانوں میں اور برہمن اور چہتری اور بیس اور کالیستھ ہندو موافق
اپنی اپنی رتبہ کی عزت آبرو رکھتی ہیں کوئی پاجی جیسے چوہڑے چار اور دبانک اور پاسی

اونکی برابری نہیں کر سکتی اور کسی اشراف اور پاجی کی اس عملداری میں جان نہیں ماری جاتی اور کسی کا مال و اسباب بھی بی کسی ہرم اور بڑے پاپ کی چھینا نہیں جاتا اور انگریز لوگ ان چار چیزوں کی پیری ہیں دین اور دہرم ہندو مسلمان سب کا کہونا چاہتے ہیں چاہتی ہیں کہ سب لوگ کرسٹین ہوں نصرانی بن جائیں اونکی عمل میں ہزاروں آدمی کرسٹین ہو گئی اور ہوتی جاتی ہیں۔ عزت آبرو ہر ایک اشراف کی اور چوٹری چمار کی اونکی نزدیک برابر ہے بلکہ انگریز لوگ ہر اشراف کو مقابلہ پاجی کے ذلیل و بے عزت کرتی ہیں ایک چوٹری اور ایک چمار کی کہنسی (کہنے سے) اشراف بلکہ نواب اور راجہ کو کہنچوا بلاتی ہیں اور بے عزت کرتی ہیں جہاں جاتی ہیں وہاں عزت دار لوگوں کو پھانسی دیتی ہیں اور اونکی زن بچے مار ڈالتے ہیں اور عورتوں سے اونکی فوجی براکام کر کی سبکو بیحرمت کرتے ہیں اور سب مال و اسباب سب لوگوں کا گھروں کو کھود کر سب لے لیتی ہیں کچھ نہیں چھوڑتے۔ بیٹی مہاجنوں کو جہانسی نہیں مارتی اونکا مال لیکر اور اونکی عورتوں کو بیعزت کر کی چھوڑ دیتی ہیں جہاں جاتی ہیں وہاں کی سب لوگوں سے ہتھیار لے لیتی ہیں جب وہ نہتی ہو جاتی ہیں جسکو چاہتی ہیں پھانسی سی یا گولی توپ سی (توپ سے) باندھ کر مار ڈالتی ہیں جس کو چاہتی ہیں بیدم کرتی ہیں جسکو چاہتی ہیں بیعزت کرتی ہیں۔ بعض جگہ یہ فریب کرتی ہیں کہ زمینداروں سے وعدہ پیسا معاف کرنیکا کرتے ہیں یا جمع میں تخفیف دیتی ہیں اس مطلب سے کہ جب عملداری خوب بیٹھ جائیگی اور قابو میں سب آجائینگے پہر ہو چاہیں گی انکا حال کرینگے یا کرسٹین کرینگے یا پھانسی دینگے یا بیعزت کرینگے بعض زمیندار احمق اونکی فریب میں آجاتی ہیں اور جو چتر اور ہوشیار ہیں وہ فریب نہیں کھاتی ہیں۔ اس واسطے سب ہندو مسلمانوں کو جتایا جاتا ہے کہ بچا نا دین و دہرم اور عزت و آبرو ناموس و جان اپنی اور اپنی لوگوں کی اور اپنی مال و اسباب کا جسکو منظور ہو وہ انگریزوں سے لڑنی بر باتفاق فوج سرکار کی مستعد

رہے اور ہرگز اونکی فریب میں نہ آئے سرکار سے اونکی پرورش اور تخفیف ہوگی
..... (نقل بحسنہ)

②۵ ضلع مراد آباد کے باغی سرکاری ملازمین

اس فہرست کا عنوان یہ ہے — "فہرست نوکران سرکاری کہ باغی ہو کر
ماخوذ ہوئے ابتدائے ۱۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء لغایت ۱۷ جولائی ۱۸۵۸ء بابت ضلع مراد آباد"

نام باغی	عہدہ	سزا
۱۔ نیاز علی خاں	ڈپٹی کلکٹر ڈپٹی مجسٹریٹ مراد آباد	پھانسی
۲۔ محمد عابد علی خاں	ایضاً	"
امانت اللہ	وکیل دیوانی مراد آباد	"
غلام حسین ^۱ ۲ ۳	چپراسیان فوجداری مراد آباد	پھانسی (ایک کو)
سیتا کار کے	تنگہ نوکر سرکار	گولی سے مارا گیا
بخش اللہ۔ الہی بخش۔ نور بخش	سپاہیان رسالہ نواب صاحب	گولی سے مار گئے
کریم بخش۔ غلام مصطفیٰ رحیم بخش		
غلام نبی خاں۔ عبد اللہ خاں		
(دس افراد)		
عنایت خاں نعمت خاں برقنداز	پھوکیدار	
محمد مبارز الدین	صدر امین مراد آباد	
محمد تقی	تھیلدار چھبرامو ضلع فرخ آباد	
حامد علی	تھیلدار سنجل	پھانسی

معطل	تحصیلدار کاشی پور	سید ظہور حسن
پھانسی	سرکار سنہل	کریم بخش
"	سررشتہ دار فوجداری مراد آباد	ابوالفضل
	رسالدار لکھنؤ	محمد علی بیگ
پھانسی	سوار فوجداری بجنور	معظم خاں
	سوار فوجداری و سپاہی گاردوسن صاحب	فتح سنگھ - کھیم سنگھ
پھانسی	سوار رجمنٹ دوم	شہاب الدین
"	سوار تربی اول رسالہ ہشتم	علی بخش
	سوار رسالہ سوئم	علی حسین
	سواران	عظیم اللہ - وزیر خاں حسین بخش
	سوار رجمنٹ ۱۶	فیض اللہ
	رسالدار نواب صاحب	میاں خاں
	سوار فوجداری مراد آباد	مصطفیٰ بیگ
	سوار رسالہ نواب صاحب	ہز بخش سنگھ
پھانسی	سوار رجمنٹ ۲	پیر بخش
	ملازم نواب صاحب	کریم بخش
	منصف شہر مراد آباد	مولوی قطب الدین
	منصف حوالی شہر مراد آباد	مولوی فضل الحق
	منصف بلاری	محمد برکت اللہ
	منصف دھام پور ضلع بجنور	امداد حسین خاں
	منصف سنہل	محمد عظیم الدین حسن

ظہور حسن

وکیل دیوانی مراد آباد

سراج الدین

وکیل

نادر خاں

وکیل صدر دیوانی

ولایت علی

وکیل صدر امین

انور حسین منظر حسین

امین دیوانی۔ وکیل سنبھل

امام الدين

وکیل دیوانی

نجف علی

وکیل منصفی بلاری

امیر الدین

المین منصفی ٹہا کردوارہ

شاہ محمد خاں

سیاہی رسالدار نواب صاحب

غیر علی

میرشته دارصدر اعظم، ماد آباد

نظر الدین

نوکر علی گڑھ کا تھا

غلام قادر خاں

دفعہ دار کو تو مالی مراد آباد

فدا بخش

پیر اسی فوجداری

عبد اللہ

ایضاً

عصر الدين

مددگار کلکٹر مراد آباد

احمت علی

جمع دار ضلع بجنور

مام بخش

سرشته دار کلکتری بختور

میر خاں

برقنداز کوتوالی امروہ

سنبل چند

سہا ہی جلد از ضلع پور نر

بہاں خاں

حیراسی دلوانی

محمد بخش

ملازم جمیل خانہ علی گڑھ کا تھا

پہانسی

پیمانی

بکھانسی

کھانسی

بھانسی

کھانسی

نعمت علی
ننھا عرف پھکڑ

یہ گولٹ داز تھا

نوکر جیل خانہ مراد آباد کا تھا اور شامل

فوج باغی ہو کر دہلی کو گیا تھا

مددگار کو تو ملی مراد آباد

چپراسی منصفی حسن پور

پھانسی

سپاہی رسالہ نواب صاحب

سپاہی گارڈ

سپاہی

سوار رسالہ ہشتم

حیدر حسن

غلام قادر خاں

لعل محمد

در بار سنگھ

اندر جیت

عمر خاں

(یہ فہرست رو بکاری عدالت فوجداری مراد آباد واقع ۸ جولائی ۱۸۵۸ء باجلاس
مستر ہارج ایکسن کے حکم سے تیار کی گئی۔

اس پر حکم تحریر ہے کہ ”ترجمہ انگریزی میں کرایا جاوے“ (۲۶)

بابو رام نرائن (چندوسی-مراد آباد) وغیرہ کی بغاوت مئی ۱۸۵۸ء

(سرکاری ریکارڈ مراد آباد)

غریب پرور سلامت

جناب عالی۔ تحقیق دریافت ہوا ہے کہ مسمیان احمد اللہ خاں و اکبر خاں ساکن سرائے
ترین و بابو رام نرائن ساکن چندوسی بجماعت ایک ہزار پیادہ و سوار اقوام مسلمان ساکن
سرائے ترین و سنبھل و دادلی و چندوسی و نرولی ضلع مراد آباد و اسلام نگر متعلقہ ضلع بدایوں
مع چہار ضرب توپ بہ ارادہ غارت گری ضلع بدایوں مقام اسلام نگر قیام پذیر ہیں اور
ہر روز غارت گری کر کے قوت بسری اپنی کرتے ہیں۔ رعایا سرکار متعلقہ پرگنہ بسولی

وگنور ضلع بدایوں کو غارت اور برباد کر دیا ہے اور ہر روزہ کرتے ہیں اور ارادہ اُن کا واسطے غارت گری چندوسی اور نرولی کے مصمم ہے اور فدویان بہمراہی جناب صاحبزادہ علی اصغر خاں صاحب بہادر ناظم چندوسی کے چندوسی میں موجود ہیں اور پانچ سو سوار و پیادہ اور ایک ہزار توپ سنبھل سے حسب الطلب صاحبزادہ موصوف کے چندوسی میں آگئے ہیں اور مورچہ اوپر گاؤں کیتھل کہ ملحق السوانہ چندوسی کے ہے صاحبزادہ موصوف نے لگا دیئے ہیں واسطے اطلاع کے خدمت میں بندگانہ حضور پرنور کے عرض کیا۔ الہی آفتاب دولت و شہمت کا چمکتا رہیو

عرضی فدویان بھاگیت سنگھ وگنکا سنگھ سواران
ملازم سرکار از مقام چندوسی معروضہ ۱۸ مئی ۱۸۵۸ء

(اس کاغذ پر جسے سی و سن کا حکم اور دستخط ہیں۔ باغیوں کی جائداد کے متعلق تحصیل دار کو احکام درج ہیں۔)

②۷ حکم ڈپٹی کلکٹر مراد آباد

شجاعت شعار سید افضل علی منصرم جائداد باغیان خیریت سے رہو
عرضی تمہاری مورخہ ۲۷ دسمبر سن حال رشتہ دو فرد اسباب مسمیان سعادت خاں و ولایت حسین خاں وکلو وغیرہ باغیان ملاحظہ سے گزر کر تمکو لکھا جاتا ہے اگر اسباب مفروقہ قبل از ماہ نوامبر ہے تو نیلام کیا جاوے۔

المقوم ۱۳ دسمبر ۱۸۵۸ء

②۸ ٹھاکر دوارے کے باغی افراد

مراد آباد کے تمام تھانوں کو باغی افراد کی فہرست بھیجنے کے احکام جاری کیے گئے تھانہ ٹھاکر دوارہ کے تھانے دار قادر بخش کا جواب ہم سرکاری ریکارڈ سے نقل کر رہے ہیں جو ۲۶ دسمبر ۱۹۵۸ء کو بھیجا گیا

”جناب عالی۔ حکم مندرجہ پروانہ برائے اطلاع حاصل ہو کر عرض یہ ہے کہ ایکسٹینشن آرمی باغی پہلی نومبر ۱۹۵۸ء سے حاضر ہوئے ہیں اور ضمانت بھی اونکی بموجب حکم عدالت کے لے لی گئیں ہیں اور سترہ آدمی نے قبل نومبر سے مانفود ہو کر پھانسی پائی اور اکیس آدمی اور سوائے اُن سولہ آدمیوں کی قبل یکم نومبر سے مانفود ہوئے کہ منجملہ اونکے بیس آدمی دائم الجبس اور ایک آدمی چودہ برس کو قید ہوا اس حساب سے حاضر ہونا پہلی نومبر سے ایکسٹینشن آرمی باغی کا معلوم ہوتا ہے اور جو آدمی پھانسی پا چکے اور دائم الجبس ہوئے شمار اونکا باغیان کلاں میں چاہیئے۔۔۔۔۔“

محمد قادر بخش دروغہ ٹھاکر دوارہ

②۹ مجسٹریٹ شاہ جہاں پور (جی پی منی) کا خط

(۱۷ جون ۱۹۵۸ء)

یہ مجسٹریٹ شاہ جہان پور کے اس خط کا ترجمہ ہے جو اُس نے مولانا احمد اللہ شاہ کی شہادت کی خبر سن کر روہیلکھنڈ کے کمشنر کو لکھا۔

میرے نیم سرکاری خط مورخہ ۱۵ اور ۱۶ جون سے آپ کو یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ مولوی احمد اللہ شاہ پوائن میں قتل کر دیا گیا۔

۲۔ اب میں آپ کو مزید رپورٹ دینے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ گزشتہ رات یہاں آیا اور اپنے ساتھ مولوی کا سر اور جسم لایا تھا اور جس کا کہ میں..... دن بھر انتظار کرتا رہا دوپہر کے بعد انکے نہ آنے سے مجھے بے قراری شروع ہوئی اور میں نے جزل سے ملتان کی کبولری کا ایک دستہ پوائن بھیجنے کی درخواست کی تاکہ اگر راجہ باغیوں کی طرف سے سرکو پھین لینے کی کوشش سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہو تو اسکی مدد کی جائے.....

۳۔ سرکو پوائن اور شاہجہانپور کے کئی آدمیوں سے شناخت کرا لیا گیا کہ یہ مولوی احمد اللہ شاہ کا ہے اور اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سرکو پبلک کے سامنے کو توالی پر رکھا گیا اور جسم کو برسر عام آج صبح جلا کر راکھ دریا میں بہا دی گئی۔

۴۔ میں نے کل نیم سرکاری خط میں راجہ کے خط کی بنو نقل روانہ کی ہے اس سے آپ کو مولوی کی موت سے متعلق تفصیلات کا علم ہوا ہوگا، تاہم میرے پاس چند دوسرے ذرائع سے جو خبریں آئی ہیں انکے پیش نظر میں نہیں سمجھتا کہ واقعی کوئی سخت تصادم ہوا۔ ظاہر ہے کہ مولوی اپنے..... ہمراہیوں کے ساتھ گڑھی پر آیا تھا اور راجہ جگناتھ سنگھ سے بات چیت کی خواہش ظاہر کی جس نے اپنے بھائی بلدیو سنگھ کو سُننے کے لیے بھیجا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ مولوی نے نائب تحصیلدار اور تھانے دار کو توالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ نامنظور کر دیا گیا تب اُس نے اپنے ہمراہیوں سے قلعے کا دروازہ زبردستی ہتھی کے ذریعے کھولنے کو کہا۔

۵۔ یہ سُن کر راجہ کے ہاتھیوں نے فائرنگ کیا جس سے مولوی اور اس کے دو ساتھی مارے گئے۔ جیسے ہی مولوی گرا بلدیو سنگھ نے اس کا سر تن سے جدا کرنے کا حکم دیا۔ راجہ کے تین آدمی مارے گئے اور تقریباً بیس شدید زخمی ہوئے۔ یہ اچانک حادثہ میگزین اور بارود پھٹنے سے ہوا۔

۶۔ حکومت کی طرف سے پچاس ہزار روپیہ کا ہوا انعام باغی مولوی کی گرفتاری پر

مقرر کیا گیا تھا اس میں یہ خصوصی شرط تھی کہ "اُس کو کسی انگریزی کیمپ یا فوجی پوسٹ پر زندہ سپرد کیا جائے" میرا خیال ہے کہ موجودہ صورت میں پورا انعام راجہ کو ملنا چاہیے جس کی بدولت انتہائی مستقل مزاج اور بے حد با اثر باغی سرداروں میں سے ایک سے چھٹکارا ملا ہے۔

۷۔ جب سے میں نے ضلع کا چارج لیا ہے میں برابر راجہ پر دباؤ ڈالتا رہا ہوں کہ اگر اُس نے حکومت برطانیہ سے ہمیشہ کی طرح پھر وفاداری کا اظہار کیا تو اُس کو فائدہ پہنچے گا۔۔۔۔۔ اور جب مجھے یہ خبر ملی کہ محمدی کے باغیوں کی طرف سے پوائنٹ پر حملہ ہونے کے امکانات ہیں تو میں نے اُسے لکھا کہ وہ مولوی کو گرفتار کرنے کا یہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے۔ مجھے خوشی ہے کہ آخر کار اس میں کامیابی ہوئی اور ایک ایسا باغی لیڈر جو اپنے پیروں پر حیرت انگیز اثر کی بنا پر انتہائی پریشان کن دشمن ثابت ہوا تھا، نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ (خط میں آگے چل کر ایک شخص کی تعریف کی گئی ہے جو راجہ کے پاس گیا تھا اور راجہ کو ساتھ لے کر آیا)

کتابیات اور حوالے

کتابیات اور حوالے

URDU, HINDI BIBLIOGRAPHY

- | | | |
|----------------|---------------------------|----------------------|
| ۱۸۸۵ء
۱۳۰۲ھ | آئینہ اودھ | ابوالحسن قطبی (سید): |
| ۱۹۷۸ء | تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ | امجد علی خاں: |
| ۱۹۸۴ء | امام بخش صہبائی | آہوبہ (این ڈی): |
| | مکمل تاریخ دہلیہ | ابوالحسن رمضان علی: |
| | (بارہویں صدی ہجری سے | |
| ۱۹۸۴ء | چودھویں صدی تک) | |
| ۱۹۷۳ء | تاریخ جون پور | اقبال احمد: |
| | مختصر تاریخ گورکھپور | احمر لاری: |
| | حیاتِ حافظ رحمت خاں | الطاف علی (سید): |
| | روحِ صحافت | امداد صابری: |
| ۱۹۴۰ء | ۱۸۵۷ء کے غدار شعراء | _____: |
| ۱۹۵۹ء | ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء | _____: |
| | شہیدانِ وطن مراد آباد | _____: |
| | تذکرہ حافظا من شہید | _____: |
| | آثارِ رحمت (سوانح مولانا | _____: |
| | رحمت اللہ کیرانوی) | |

- ایوب قادری : مولانا فیض احمد بدایونی ۱۹۵۷ء
 : جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
 احمد اختر : سوانح دہلی
 ادارہ مطبوعات پاکستان : کوائف و صحائف ۱۸۵۷ء ۱۹۵۷ء
 ادبی اکیڈمی لکھنؤ : لکھنؤ اور جنگ آزادی ۱۹۵۷ء
 انیس فاطمہ : ۱۸۵۷ء کے ہیرو
 الطاف حسین : تاریخ ضلع گورگاؤں
 امین چند : تاریخ حصار
 اظہر (اشتیاق) : شاہ حسن عسکری اور جنگ
 اسلام پرویز : آزادی کے عوامل ۱۹۸۵ء (کراچی)
 اینڈریوز (سی ایف) : بہادر شاہ ظفر ۱۹۸۷ء
 بلائی داس : ذکا اللہ دہلوی (ترجمہ) ۱۹۵۲ء
 باری : گلدستہ اودھ
 بلگرامی (سید حسین) : کمپنی کی حکومت ۱۹۴۴ء
 بسمل (رضی الدین) : مرقع عبرت ۱۳۰۰ھ
 بنسل (رتن لال) : کنز التواریخ (بدایوں) ۱۹۰۷ء
 بشیر الدین : مسلم دیش بھگت ۱۹۴۹ء
 برلاس (علی اظہر) : واقعات دارالحکومت ۱۹۱۹ء
 : اودھ پر انگریزوں کا
 غاصبانہ قبضہ ۱۹۸۳ء

	(یعنی واجد علی شاہ کے خطوط۔ قلمی)	تاریخ ممتاز
۱۸۷۶ء ۱۳۹۳ھ	حسن التواریخ	تمنا (رام سہائے):
۱۹۵۷ء	بیگمات اودھ	تصدق حسین:
۱۸۶۳ء	تاریخ احمدی (قلمی)	تائب (فتح محمد):
	انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا	تھامپسن (ایڈورڈ):
	دوسرا رخ	
۱۹۳۱ء	(مترجم حسام الدین) —	
	غدر کے مناظر (ترجمہ سرگزشت	تاباں (ظفر):
۱۹۳۵ء	انگلیسی)	
۱۸۸۵ء	تاریخ عجیب	جعفر تھامپسن:
۱۹۵۹ء	واجد علی شاہ اور ان کا عہد	جعفری (رئیس احمد):
۱۹۵۷ء	بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد	—:
۱۹۰۳ء	حیات جاوید	حالی (الطاف حسین):
	ریاض مختاریہ	دانش (مدد علی):
۱۸۹۷ء	گلستان ہند۔ سندیلہ	درگا پرشاد:
۱۹۱۵ء	تواریخ سندیلہ	—:
	بوستان اودھ	درگا پرشاد:
۱۹۰۴ء	تاریخ عروج عہد انگلیشیہ	ذکا اللہ دہلوی:
۱۹۷۷ء	جان عالم واجد علی شاہ	رضوی (مسعود حسن):
۱۹۰۷ء	تاریخ سندھیا	رگھوناتھ داس:

- باغی میرٹھ ۱۹۵۷ء : روحانی کمیٹی :
 جنگ آزادی ۱۸۵۷ء : رتنوی (خورشید مصطفیٰ) :
 مرقع اکبر آباد یعنی تاریخ آگرہ ۱۹۳۱ء : سعید احمد مارہروی :
 افسانہ لکھنؤ ۱۸۷۳ء : سیادت حسین سید جلال الدین :
 کارنامہ سروری ۱۹۳۳ء : سرور جنگ (آغا مرزا) :
 دار فغان فرخ آباد : کسینہ (رادھا رمن) :
 بدایوں ۱۸۵۷ء میں کراچی ۱۹۶۰ء : سلیمان بدایونی :
 جنگ آزادی میں مسلم سمیع الدین (عابدہ) :
 خواتین کا حصہ ۱۹۹۰ء :
 سن ستاون ۱۹۵۷ء : سند رلال :
 خیر خواہ مسلمانان ہند (۲ حصہ) ۱۸۶۰ء : سید احمد (سر) :
 اسباب بغاوت ہند ۱۹۰۳ء : _____ :
 تاریخ سرکشی بجنور : _____ :
 ایسٹ انڈیا کمپنی اور شہابی (انتظام اللہ) :
 باغی علماء :
 غدر کے چند علماء : شہابی (انتظام اللہ) :
 علمائے حق اور ان کی : _____ :
 مظلومیت کی داستانیں :
 وقائع ہیرت افروز (قلمی) ۱۸۶۲ء : شور (جارج پیش) :
 آئینہ تاریخ نما : شیو پرشاد :

- شہر (عبدالعلیم) :
- شفیع الدین مراد آبادی :
- صبیح الدین :
- صدیقی (شنا الحق) :
- صدیقی (عتیق) :
- _____ :
- صمدی (مقبول احمد) :
- صدیق حسن خاں :
- ضیا القادری (یعقوب حسین) :
- طفیل احمد منگلوری :
- ظہیر الدین :
- ظہیر دہلوی :
- عامی (عبدالعزیز) :
- عامی (ظفر حسن امروہوی) مترجم :
- عبدالغفار :
- عزیز ملک :
- عاشق الہی :
- گزشتہ لکھنؤ
- ۱۸۹۶ء حالات محمد علی جمعی گرین
- ۱۹۲۶ء تاریخ شاہجہاںپور
- ۱۹۸۶ء جہاد شاملی و تھانہ بھون
- ۱۸۵۷ء کے اخبارات اور
- ۱۹۶۶ء دستاویزیں
- ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی
- ۱۹۵۷ء کے عہد میں
- ۱۳۵۷ء تاریخ الہ آباد
- تاریخ قنوج
- ۱۹۱۵ء اکمل التواریخ (۲ حصہ)
- ۱۹۲۵ء روح روشن مستقبل
- ۱۸۶۳ء اسرار واجدی (قلمی)
- ۱۹۱۲ء داستان غدر
- ۱۹۶۳ء تاریخ روہیل کھنڈ
- ایام غدر (ہورٹسٹ انگلیسی
- ۱۹۲۳ء کی سرگزشت)
- ۱۹۰۷ء تریاق شورش
- ۱۹۸۲ء صحافت اور تحریک آزادی
- تذکرۃ الرشید

- علی حیدر :
 عباسی (محمود احمد) :
 عنایت حسین خاں :
 علوی (امیر احمد) :
 عاشق (عبدالحق) :
 غلام امام خاں :
 غالب (اسد اللہ خاں) :
 غلام حسین :
 غلام نبی :
 فوق بلگرامی (اولاد حیدر) :
 فرحت اللہ :
 فاروقی (ابرار حسین) :
 فصیح الدین بلخی :
 فراق (ناصر ندیم) :
 فضل حق خیر آبادی (مولانا) :
 کھٹانا (رام پرشاد) :
 کمال الدین حیدر :
 تذکرہ مشاہیر کاکوری
 تاریخ امروہہ (۲ جلد)
 سرگزشت ایام غدر
 بہادر شاہ ظفر
 بہارستان اودھ
 تاریخ رشید خانی
 دستنبو (فارسی)
 سیر المتاخرین
 تاریخ جہجہر
 تاریخ اڑیسہ و بہار
 دہلی کی آخری شمع
 مآثر دلاوری (تذکرہ احمد اللہ شاہ)
 تاریخ مگدھ (بہار)
 لال قلعے کی ایک جھلک
 الثورة الهندیہ (ترجمہ از عربی)
 بہ عنوان باغی ہندوستان از
 عبدالشاہد شیرانی
 گوجری زبان و ادب
 قیصر التواریخ
 ۱۹۲۷ء
 ۱۹۳۰ء
 ۱۸۵۸ء
 ۱۹۰۲ء
 ۱۹۱۵ء
 ۱۹۴۶ء
 ۱۹۳۳ء
 ۱۹۳۷ء
 ۱۹۴۳ء
 ۱۸۹۶ء

۱۸۸۹ء	مہاراجہ عظیم	کنہیا لال :
۱۹۱۴ء	کتاب جھانسی	کشن نرائن :
۱۸۵۳ء	تاریخ مالوہ	کریم علی خاں :
	تواریخ بریلی (قلمی)	گلزاری لال :
۱۸۶۰ء	بساطِ غدر (رسالہ)	گنیشی لال (حکیم) :
۱۸۷۰ء	کیفیت بلند شہر	لچھن سنگھ :
۱۸۷۲ء	تاریخ آفتاب اودھ	محمد تقی :
۱۸۷۸ء	خدا ننگ غدر - تالیف ۱۲۹۵ھ	معین الدین حسن :
۱۹۷۲ء	(مرتبہ: خواجہ احمد فاروقی)	
۱۹۰۰ء	ابھیر کلدیپکا	مان سنگھ :
۱۹۲۲ء	دکن کی سیاسی تاریخ	مودودی (ابوالعلا) :
۱۹۳۱ء	دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ	_____ :
۱۹۵۷ء	علمائے حق	محمد میاں (مولانا) :
۱۸۷۷ء	مرقعُ الور	مخدوم تھانوی :
۱۲۹۳ھ	تواریخ بلند شہر	منگل سین :
۱۸۷۳ء	ایک مجاہد معمار (سوانح مولانا	محمد سلیم :
۱۹۵۲ء	رحمت اللہ کیرانوی)	
	ایک نادر روزنامہ (مرتبہ	منظر علی سندیلوی :
۱۹۵۳ء	نور الحسن ہاشمی)	
۱۸۸۷ء	تاریخ ضلع حصار	مہاراج کرشن :

تاریخ بغاوت ہند	مکند لال :
۱۸۵۷ء	محمد شفیع :
۱۹۵۷ء	محمد عمر نور الہی :
۱۹۲۶ء	مہر (غلام رسول) :
۱۸۵۷ء	_____ :
سرگزشت مجاہدین	_____ :
۱۹۵۷ء	_____ :
جماعت مجاہدین	_____ :
۱۹۵۷ء	_____ :
سیرت سید احمد شہید	محمد یوسف - مترجم :
سرگزشت ہورٹسٹ انگلیسی	
در بلوچستان ہندوستان	مصطفیٰ علی بریلوی :
۱۸۹۳ء	نند کشور :
۱۹۶۶ء	نیاز احمد خاں ہوش :
۱۸۷۷ء	نذیر احمد مترجم :
۱۸۶۵ء	نصر اللہ خاں :
۱۸۹۶ء	نجم الغنی :
مصابغِ غدر (ترجمہ)	_____ :
تاریخ مظفرنگر	نظامی (خلیق احمد) :
تاریخ اودھ، ۵ جلد	_____ :
۱۹۱۹ء	نظامی (خواجہ حسن) :
۱۹۱۶ء	
اخبار الصنادید (تاریخ رام پور)	
۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ	
(مصنفہ عبدالطیف)	
۱۹۵۸ء	
دہلی کی آخری شمع (مصنفہ)	
فرحت اللہ بیگ	

۱۹۲۵ء	دہلی کی جانکنی	:
۱۹۲۶ء	غدر دہلی کے اخبار	:
۱۹۲۶ء	غدر کا نتیجہ	:
۱۹۲۶ء	غدر کی صبح شام	:
۱۹۲۵ء	بہادر شاہ کارونر ناچہ	:
۱۹۲۴ء	بہادر شاہ کا مقدمہ	:
	بیگمات کے آنسو	:
	گرفتار شدہ خطوط	:
۱۸۷۲ء	تواریخ نادر العصر (لکھنؤ)	: نول کشور
۱۹۵۷ء	۱۸۵۷ء میری نظریں	: ناصر کاظمی (مرتب)
	تاریخ فرخ آباد (قلمی)	: ولی اللہ (مفتی)
	سیرت فرخ آباد (قلمی)	: ولایت حسین
۱۸۸۷ء	تاریخ فرخ آباد	: ولیم ارون
	سوانح مولانا محمد قاسم	: یعقوب نانوتوی

ہندی کتابیں

	آنکھوں دیکھا غدر (ترجمہ)	: امرت لال ناگر
۱۹۵۷ء	بنجھا پرداس از دی بی گوڈھے	
۱۹۵۷ء	غدر کے پھول	:

۱۹۵۷ء

بلیدان

بھگوان دیو : مرتب

۱۹۲۲ء

۱۹۵۷ء کا غدیر یا سپاہی و دروہ

چندر شیکھر پاٹھک :

۱۹۷۵ء

ہریانہ میں سوتنتر تا آندولن

کرپال چندر یادو :

۱۹۵۷ء

سوتنتر دہلی

رضوی (ایس اے کے) :

بھارت میں انگریزی راج

سندر لال :

۱۹۵۷ء

۱۸۵۷ء کی راجپہ کرائتی

شرما (رام ولاس) :

بہلوگرانی

﴿انگریزی﴾

Foreign Office Library, Indore.

Royal Asiatic Soc. Library, Bombay.

School of Oriental and African Studies, London.

Some important books and material, Records etc.

Punjab State Archives, Patiala.

Ambala Div. Records 1857-58

Delhi Div. Records (Pol. And Military)

Delhi and Hissar Records

Mutiny Files (R-130 to R-269)

Haryana Dist. Record Rooms.

List of mutineers hanged

Historical notes on Mutiny

Misc. records of Mutiny

Central India Agency Record Office, Indore.

Mutiny papers (Files, MSS)

Letters – books and Registers

Old Record Filed

Political Agencies Files (1857-58)

Dhar State Record Office, Dhar.

Files of “Malwa Akhbar” (Urdu)

Mutiny papers, State records.

Historical Record Office, Gwalior.

U.P. State Archives, Lucknow.

Daily bulletins issued by E.A. Reade

Proceedings of Foreign, Political, General, Judicial and Military Dept. of N.W.P.

These archives also contain the printed "Narrative of Events" for the districts of N.W.P.

Regional Archives, Allahabad.

Cawnpore Collectorate Records

Meerut and Bareilly Commissioner's office Mutiny records.

Secretariat Record Room, Lucknow.

Original telegrams and bulletins of N.W.P. and Agra

Foreign Dept. N.W.P. Abstract proc. For 1958, Home Dept. Proc.

National Library, Calcutta.

Collection of newspapers and cuttings from 'Hindu telligencer', 'Bengal Harkaroo', India Gazette, 'Hindoo Patriot', Friend of India.

Andhra Pradesh State Archives, Hyderabad.

Merseyside County Museum, Liverpool.

Greathed, E.H.	Papers
----------------	--------

Cambridge University Library.

Berkley, Lionel	Papers
-----------------	--------

Ludlow, J.M.	Papers
--------------	--------

Stoneyhurst College.

Capt. Mowbray Thompson's Narrative	
------------------------------------	--

Ryan, James	Papers
-------------	--------

Worcester College, Oxford.

Hadow, Dr. Gilbert	Letters
--------------------	---------

Royal Commission on Hist. MSS.

Broadland	Papers
-----------	--------

Sheffield City Library.

Blake, W.G.	Letters
-------------	---------

Leeds City Library.

Canning, Lord	Papers
---------------	--------

Nottingham University Library.

Wrench, E.M.	Diary, Letters
--------------	----------------

Clowes, P.L.	Letters
Delhi Force Intelligence	Reports
Ewart, C.H.	Letters
Fairweather, James	
"Through the Mutiny with 4 th Punjab Infantry."	
Greathed, William, Wilberforce and Harris	
Letters	
Lawrence, Henry	Letters
Lawrence, John	Letters
Letters and diaries of Aludelow, Maxwell, Thomas, Mills, Arthur Nash, Edwards, Powlett, P.R. Rean, W.H., Simpson, Johh, Taylor, Alexander, Wilson, T.F. etc.	

National Library, Scotland (U.K.).

Brown, George	Letters
Campbell, Colin	Letters
Gleig, G. Robert	Letters
Halket, James	Diary
Lithgow, S.	Letters
Richardson, John	Letters

Durham University.

Grey, Earl	Papers
------------	--------

Centre for South Asian Studies, Cambridge.

Bayens	Family Papers
Barners	Family Papers
Erskine	Family Papers
Gore Lindsay	Family Papers
Hare	Family Papers
Kenyon	Family Papers
Monckton	Family Papers
<p>‘Narrative of occurrences at Delhi, written by a native residing within the walls of the city of Delhi.</p>	
Poppe	Family Papers
Showers	Family Papers
Stansfield	Family Papers
Waller	Family Papers

National Army Museum, London.

Bingham, G.W.	Diary
Blake, Col. Pilkington	Diary
Borthwish, John.	Letters
Bradshaw, A.P.	Letters
Cadell, Thomas.	Letters
Carmichael, G.L.O.	Diary

Sylvester, Dr. J.H. Diary
 Timbrell, Mrs. Agnes. Memoirs
 Vansitart, Mrs. Henry. Diary
 Vibart Collection
 Vibart, E.C. Letters
 Warner, Ensign. W.H. Letters

British Museum, London.

Hands. Lt. J.S.	Diary
Hearsey, Johd.	Letters
Holmes, J.G.	Letters
Horne, Ms. Amelia	Narrative
Lang, Arthur	Diary
Layard	Papers
Moore, Rev. Thomas	Diary
Mutiny Papers,	Miscellaneous
Napier	Papers

County Record Office, Berkshire.

Dundas	Papers
Ewen	Papers

Bodleian Library.

Durand, Henry Marion	Papers
Monk Bretton	Papers

- Collins, Francis. Letters
- Edwards, Herbert. Papers
- Havelock, Henry. Papers
- Hutchinson Collection, Letters
- Kaye, John. Papers
- Lawrence, George. Letters
- Lawrence, Henry Collection
- Lyall Collection
- Mansfield, W.R. Confidential notes
- Marsden, Col. Diary
- Mawe, Thomas. Letters
- Moorsom, H.M. Letters
- Munshi Mohan Lal. Account (K.M.P.)
- Neil, James. Diary (K.M.P.)
- Nicholson, John. Letters.
- Oliver, J.R. Memoirs
- Outram, James. Papers
- Palmer, T.S.M. Memoirs
- Shakespear, W. Diary
- Sneyd, Mrs. Elizabeth. Memoirs
- Sunders, C.B. Correspondence
- Strachey Collection
- Sturt, J.V. Memoirs
- Syed Mubarak Shah (Tr. R.M. Edwards)
- “City of Delhi during the Siege.”

UNPUBLISHED SOURCES, RECORDS AND MANUSCRIPTS

The sources material on the Revolt of 1957 is chiefly to be found at following places.

National Archives of India, New Delhi.

Military Dept. Papers

Mutiny Papers

Foreign Dept. Pol. Proceedings

Foreign Dept. Secret Consultations

India Office Library. London.

Ahsanullah (tr. By H.S. Reid):

Account of the Mutiny (K.M.P.)

Baird Smith, Col. Richar. Letters

Bartrum, Mrs. K. Diary, Letters

Beams, John. Memoirs.

Bresford, Gen. Marcus. Diary

Biddulph, Robert. Letters

Blake, H. William. Letters

Campbell, Sir Colin. Papers

Carrington, Samuel. Letters

Carter, George. Diary

Clifford, R.H. Diary

Clowes, G.R. Letters

Coldstream Collection

- URQUHART (D) : Rebellion in India, the wondrous tale of the greased cartridges. London, 1857.
- LUSHINGTON (S) : Banda and Kirwee booty Judgement delivered in the high court of Admiralty of England. London, 1866.
- LETTERS of Capt. Evance Dy. Commissioner of Poorwah, Oudh on the state of his district. 1858.
- JACOB (G. Le G) : Correspondence regarding an omission in a Parliamentary Return etc. of troops serving under Le Grand Jacob during the Mutiny. 1865.
- INGLIS (J.E.W.) : Reports on the engineering operations during defence of Lucknow in 1857. Lucknow, 1857.
- GENERAL orders and despatches relating to relief of Garrison of Lucknow. Calcutta, 1859.
- EXTRACTS from the Calcutta Gazette illustrative of the services rendered by the Bengal Yeomanry Cavalry during the Mutiny 1857 to 1859. Calcutta, 1880.
- CROMMELIN (Capt. W.A.) : Memorandum on three passages of the Ganges at Cawnpore during the rainy season of 1857. Calcutta, 1858.
- DESPATCH from the Governor Gen. Re. The organisation H.M. European forces, 1860.
- CORRESPONDENCE re. Artillery forces in India from the commencement of the Mutiny, 1859.
- CORRESPONDENCE connected with the removal of W. Tayler from Commissionership of Patna.
- CORRESPONDENCE connected with the arrest and trial of Lootf ali Khan, Calcutta, 1858.

MUTINY IN INDIA, Narrative of events regarding the Mutiny and restoration of authority, 2 vols. Calcutta.

MINUTE by Governor of Bengal on the Mutinies as they affected the lower provinces under Govt. of Bengal. Calcutta, 1858.

CONDUCT after the disaffection and Mutiny of native regiments and its consequences.

COLLECTION of official narratives of the Mutiny furnished by the magistrates or commissioners of the various localities, 1858.

LETTER from a Layman in India on the policy of E.I.Co. in matters of Religion. London, 1858.

ACCOUNT of the outbreak at Bolarum. London, 1856.

BASIS of the reorganisation of our power in India. 1858.

BRIEF narrative of events connected with the removal of W. Tayler from Patna. 1857.

CAMPBELL (R.J.R.) : India, its government, misgovernment and future considered. London, 1858.

CAUSES of the Indian Revolt. By a Hindu of Bengal. Ed. by M. Lewin. London, 1857.

CAUSES and effect: Rebellion in India. By a resident in N.W.P. London, 1857.

FORJETT (C) : Reply to Gen. Jacob's Pamphlet. London, 1879.

GARDINER (R) : Cursory view of the present crisis in India. London, 1857.

LORD ELLENBOROUGH's Blunder, Causes of Mutiny 1857.

YADAV (K.C.) : Rao Tula Ram – A Hero of 1857.

YEDWARD (G) : Episode of the Rebellion and Mutiny in Oudh. Lucknow, 1876.

YOUNG (Col. Keith) : See : KEITH YOUNG

YOUNGHUSBAND : Story of the Guides. 1908.

PRINTED RECORDS AND PAMPHLETS

RETURN re. Regiments in Bengal army that remained faithful during Mutiny, 1863.

RETURN of the name or number of each regiment which has mutinied since Jan. 1857 etc. 1859.

RETURN of officers who served in the expedition to Persia and during rebellion in India, 1861.

REPORTS on Administration of Cis-Sutlej during Mutiny, 1858.

PUNJAB Govt. Records, Lahore, 1911.

PROCEEDINGS of the trial of Bahadur Shah. Calcutta, 1895.

PRESS list of Mutiny papers. Calcutta, 1921.

PARTICULARS of Regiments which mutnied in 1857.

PARLIAMENTARY PAPERS 1857-58, 1859-60, 1863.

MUTINY REPORTS – Punjab Selections from public correspondence of Administration for the affairs of Punjab, 1859.

MUTINY IN INDIA, Further papers relative to the Mutinies in East Indies, 1857.

gloriously fallen in defence of English supremacy in Asia during the Sepoy Rebellion. 1858.

WILSON (M) : History of Behar Indigo Factories. Calcutta, 1908.

WILSON (John Cracroft) : Mutiny and Rebellion in the District of Moradabad.

WILSON (Thomas F.) : Defence of Lucknow : A diary recording daily events during the Siege of Residency by a staff officer London. 1858.

WOLSELEY : Story of a Soldier's Life. London, 1905.

WOOD (Elvelyn) : Revolt in Hindustan 1857-59. London, 1908.

WOODRUFF : Men who Ruled India. London, 1954.

WOOK (Evelyn) : From Midshipman to field Marshal. 1912.

WOUNDED Officer : My Escape from Mutiny in Oudh. London, 1858.

WYLEI (M) : English Captives in Oudh and Episode in the History of Mutinies of 1857. Calcutta, London, 1858.

WYLLY (H.C.) : Neill's Blue Caps, 2 vols. Aldershot, 1926.

YADAV (Kirpal Chander) : Delhi, 1857, 2 vols. (1) Trial of Bahadur Shah. Delhi, 1982.

YADAV (Kirpal Chander) : Revolt of 1857 in Haryana. Delhi, 1977.

YADAV (K.C.) : Haryana : Studies in History and Culture. Krukshetra, 1968.

YADAV (K.C.) : Haryana : Sketches – Historical and Descriptive. Krukshetra. 1974.

- WAGENT REIBER (F) : Reminiscences of Sepoy Rebellion 1857.
- WALKER (T.N.) : Through the Mutiny. London, 1907.
- WALLACE (C.L.) : See : COSENS
- WALSH (Rev. J.J.) : Memorial of the Fattehgurh Mission and her Martyred Missionaries, with some remark on the Mutiny. Philadelphea, 1859.
- WALROND (T) : See : Elgin, Earl of--.
- WATERFIELD (A.J.) : Children of the Mutiny: a record of those now living who were in India during the sepoy war 1857-59. 1935.
- WHEELER (E) : What shall we do at Delhi? An English man's letter to humanitarians. London, 1857.
- WHITE (S. Dewe) : Indian Reminiscences. Allen, 1880.
- WHITE : Complete History of Great Sepoy war
- WHY IS THE Native army Disaffected – A letter by an old Indian. Calcutta, 1857.
- WILBERFORCE (R.G.) : Unrecorded Chapter of the Indian Mutiny. London, 1894.
- WILLIAM (Rev. E.A.) : Cruise of the Pearl round the world with an account of the operations of Naval Brigade in India. London, 1859.
- WILLIAM (G.N.) : Memorandum on the Mutiny outbreak at Meerut in 1857.
- WILLIAMS (Dr. G.) : Notes on the Wounded from the Mutiny in India. London, 1859.
- WILLIAMS (G) : Synopsis of Evidence of Cawnpore Mutiny.
- WILLIAMS (J.V.) : Fallen Horses of the Indian Wars: a poem in memory of Havelock, and other Britons

- TRUCKER (H.C.) : Glance at the past and the Future in connection with Indian Revolt. 1857.
- TUKER (F) Ed. : Chronicle of private Henry Metcalfe. London, 1953.
- TURNBULL (J.R.) : Letters written during the Siege of Delhi. Torquay, 1876.
- TURNBULL (J.R.) : Sketches of Delhi. 1858.
- TYRELL (I) : From England to Antipodes and India 1846 to 1902. Madras, 1902.
- URQUHART (D) : Rebellion in India, Mr. Disraeli a speech reviewed, Illegality of the acts abolishing native customs. London, 1857.
- UTTAR PRADESH, INFORMATION (Dept. of,) : Freedom struggle in Uttar Pradesh ed. by S.A.A. Rizvi, 5 vols. Lucknow, 1957-59.
- VALBEZEN (E De) : English in India. London, 1883.
- VERNY (E.H.) : Shannon's Bridge in India. London, 1862.
- VERNEY (G.L.) : Devils Wind. London, 1956.
- VERNE (Jules) : Stream house (The Demon of Cawnpore; Tigers and Trailors). London, 1959.
- VIBART (E) : Sepoy Mutiny as seen by Snaltem, From Delhi to Lucknow. London, 1898.
- VIBART (H.M.) : Richard Baird Smith. Westminster, 1897.
- VIBART (H.M.) : Life of Gen. Henry N.D. Frendergast.
- VINCENT (Benjamin) : Haydn's Dictionary of Dates. 22 ed. 1898.
- VOLUNTEER (Swanston W.O.) : My Journal. 1890.

THACKERAY (Edward) : Reminiscences of the Indian Mutiny and Afghanistan. London, 1916.

THOMSON (Mowbray) : Story of Cawnpore. London, 1859.

THOMSON (Edward) : Other side of the Medal. London, 1930.

THORNHILL (M) : Personal Adventures and Experiences of a Magistrate During the Rise, Progress and Suppression of the Mutiny. London, 1884.

THORNTON (J.H.) : Memoirs of Seven Campaigns. London, 1895.

THOUGHTS of a Native of Northern India on the Rebellion, its causes and Remedies. London, 1858.

TOD (James) : Annals and Antiquities of Rajasthan, 2 vols. 1914.

TRACY (L) : Red Year. London, 1908.

TRAVERS (Gen.) : Evacuation of Indore. 1876.

TRAVELYAN (G.O.) : Cawnpore. London, Cambridge, 1865, 1899.

TROTTER (Lionel James) : Leader of Light Horse. Life of Hodson of Hodson's Horse, William Blackwood, 1898, 1901.

TROTTER (L.J.) : Life of Nicholson: Based on private and hitherto unpublished documents. London, 1898, 1927.

TROTTER (L.J.) : Bayard of India. Edinburgh, 1903.

TROTTER (L.J.) : India Under Victoria, 1836-80, 2 vols. London, 1886.

TRUCKER (H.C.) : Letter to an Official concerned in the Education of India. London, 1858.

SYED AHMED : Essay on the Causes of Indian Revolt.
Tr. By W.N. Lees, Graham and Colvin. Banares,
Calcutta, 1860, 1873.

SYED AHMAD KHAN : Loyal Mohamadons of India.
1858.

SYLVESTER (John Henry) : Recollections of the
Campaign in Malva and Central India. Bombay,
1860.

TAGORE (Jyotirindranath) : Jhansir Rani (Bengali). 1900.

TAHMANKAR (D.V.) : Ranee of Jhansi. London, 1958.

TARACHANDE : History of Freedom Movement in
India, 2 vols. New Delhi, Publications Div., 1967.

TAYLER (W) : Patna Crisis.

TAYLER (W) : Selection of Letters from Distinguished
Indian Statesmen and others regarding my Services
during the Rebellion of 1857 1st Series. London.
1868.

TAYLER (W) : Thirty eight years in India, 2 vols.
London, 1913.

TAYLOR (P.J.O.) : Rani of Jhansi. 1995.

TAYLER (M) : Letters.

TAYLER (Miss A.C.) : Sir Alexander Tayler, 2 vols.
London, 1913.

TAYLER (Meadows) : Story of my Life. Edinburgh,
London, 1878.

TEMPLE (R) : Lord Lawrence. London, 1889.

TEMPLE (Richard) : Men and Events of My Time in
India, 2 vols. London, 1882.

THACKERAY (E.T.) : Two Indian Campaigns in 1857-
58. Chatham, 1896.

- Dalhouse, Governor General. With private correspondence relative to the annexation of Oude to British India. 2 vols. Richard Bentley, 1858.
- SMITH (R.B.) : Life of Lord Lawrence, 2 vols. London, 1883.
- SOMERVILLE (E.C.E.) : Wheel Tracks. 1923.
- SOPPITT (Mrs.) : Diary of an Officer's Wife. Fitchett, Reprint, 1912.
- SPEID (John B.) : Our Last Years in India.
- SRIVASTVA (Khushhali Lal) : Revolt of 1857 in Central India – Malwa. Bombay, 1966.
- SRIVASTAVA (M.P.) : Indian Mutiny 1857. 1979.
- STARK (H.A.) : Call of the Blood or Anglo-Indians and the Mutiny. Rangoon, 1932.
- STANFORD (J.K.) Ed. : Ladies in the Sun.
- STENT (Greater) : Scraps from My Sabretasche, 1882.
- STEWART (C.E.) : Through Persia in Disguise, with Reminiscences of the Indian Mutiny. London, 1911.
- STEWART : Victoria Cross. London, 1916.
- STORY of the Indian Mutiny 1857-58. Edinburgh, 1913.
- STRACHEY () : End of Empire.
- SWANSTON (W.O.) : My Journal. Uxbridge, 1890.
- SWINEY : Historical Records of 32nd Ligh Infantry 1702-1982. London, 1895.
- SWINSON (Arthur) : North West Frontier – People and Events 1839-1947. 1967.

SHADWELL (Gen.) : Life of Colin Campbell, Lord Clyde, 2 vols. London, 1881.

SHARMA (B) : Maniram Dewan, (Assamese). Gauhati, 1950.

SHARMA (B) : Satawan Sal, (Assamese). Gauhati 1947.

SHARP (Henry) : Delhi : Its story and buildings. O.U.P., 1921.

SHEPHERD (W.J.) : Personal Narrative of the Outbreak and Massacre at Cawnpore. Lucknow, 1879, 1886.

SHERER (G.M.) : Brief Narrative Called for by James Outram Showing how 73rd N.I. was saved. Jersey, 1860.

SHERER (J.M.) : Daily Life During the Indian Mutiny, 1857. London, (See also MAUDE) 1898.

SHERRING (M.A.) : History of Protestant Mission in India. London, 1884.

SHERRING (M.A.) : Indian Church during the Rebellion. London, 1859.

SHOWERS (C.L.) : Missing Chapter of the Indian Mutiny. London, 1888.

SIEVEKING (I. Giberne) : Turning point in the Indian Mutiny. London, 1910.

SINHA (Shyam Narain) : Revolt of 1857 in Bundelkhand. Lucknow, 1982.

SINHA (Shyam Narain) : Rani Laxmi Bai of Jhansi. Allahabad, 1980.

SITARAM : From Sepoy to Subedar. Tr. By Norgate 1911.

SLEEMAN (W.H.) : Journey through the Kingdom of Oude in 1849-50 by directions of the Earl of

ROWBOTHAM (W.B.) : Naval Brigade in the Indian Mutiny. London, 1858.

ROY (Surendranath) : Gwalior.

ROYCHOUDHRY (P.C.) : 1857 in Bihar. 1959.

RUGGLES (J) : Recollections of Lucknow Veteran 1845-76. London, 1906.

RUSSEL (William Howard) : 1. My Diary in India in 1858-59, 2 vols. London and Calcutta (Reprinted Indian portion).

2. My Indian Mutiny Diary. 1860, 1906.

SARDA (Harbilas) : Ajmer. 1941.

SARWAR JANG : My Life.

SAVARKAR (Vinayak Damodar) : Indian War of Independence 1857. London, Bombay, 1909, 1947.

SCOT (P.G.) : Personal Narrative of Escape from Nowgong to Banda and Nagoda. 1857.

SCRUTATOR : English Tenure of India 1857.

SEATON (Thomas) : From Cadet of Colonel, 2 vols. 1866.

SEDGWICK (Col. F.R.) : Indian Mutiny of 1857. London, 1908 (1920).

SEN (Surender Nath) : Eighteen Fifty Seven. Delhi, 1957.

SEPOY REBELLION, Reprinted from the London Qly. Review. London, 1858.

SEVESTRE (A.A.) : Short and Useful compilation from Calcutta Govt. Gazette about the fall of Delhi. Calcutta, 1858.

SEYMOUR (C.C.) : How I won the Indian Mutiny Medal. Benaras, 1888.

- RAIKES (C) : Notes on the Revolt in NWP. London, 1858.
- RAINES (Julius) : Campaign in Central India 1857. 1900.
- RAMGOPAL : Indian Muslims. Bombay, 1965.
- RAMSAY : Rough Recollections of Military Service and Society. London, 1882.
- RAWLINSON (H.G.) Ed. : See : Becher, Augusta.
- READ (A.E.) : Narrative of Events at Agra. Agra, 1857.
- REES (L.E.R.) : Personal Narrative of the Siege of Lucknow from its commencement to its relief, 3rd. ed. London, 1858.
- REPORT on Administration of Cis-Sutlej during Mutiny. 1858.
- RETURN of Officers who served in the expedition to Persia and during the Rebellion. 1861.
- RICH (Capt. G) : Mutiny in Sialkot. Sialkot, 1924.
- RICHARD (Hilton) : Indian Mutiny of 1857.
- RIZVI (Syed Athar Abbas) and BHARGAVA : Freedom Struggle in UP, 5 vols. Lucknow. 1957-60.
- ROBERTS (Earl) : Fortyone years in India, 2vols. London, 1897.
- ROBERTS (Earl F.) : Letters Written During the Mutiny. London, 1924.
- ROBERTSON : Political prospects of British India.
- ROBERTSON (H.D.) : District Duties During the Revolt in the N.W.P. of India in 1857. London, 1859.
- ROTTON (J.E.W.) : Chaplain's Narrative of Siege of Delhi, London, 1858.

- PINCOTT (F) : Analytical Index to Sir John W. Kaye's History of the Sepoy War and Malleson's History of the Indian Mutiny. London, 1880.
- PITTF (W) : Incidents in India and Memories of the Mutiny. London, 1896.
- POLEHAMPTON (E) : and POLEHAMPTON (T.S.) : Memoir, 3rd ed. London, 1859.
- POLOLOCK (J.C.) : Way to Glory. London, 1857.
- POLEHAMPTON (T.S.) : Memoir : Letters and Diary. London, 1858.
- PRESENT CRISIS in India, London, 1857.
- PRESS LIST of Mutiny Papers. Calcutta, 1921.
- RICHARD (I.T.) : Mutinies in Rajputana. London, 1860.
- PRICE (G.W.) : Extra Special Correspondent. London, 1957.
- PRINSEP (Charles) : Record of Services of the East India Co. Civil servants in Madras Presidency from 1741 to 1858, Trubner, 1885.
- PROCEEDINGS of the Trial of Bahadur Shah. Calcutta, 1895.
- PUNJAB (Govt. of,) : Punjab Govt. Records, Mutiny Correspondence, 2 vols. Lahore, 1911.
- PUNJAB (Govt. of,) : Punjab Govt. Records : Delhi Residency and Agency. Lahore, 1911.
- QANUNGO (K.R.) : History of the Jats. Calcutta, 1925.
- QEYAMUDDIN AHMAD : Wahabi Movement in India. Calcutta, 1966.
- RADCLIFFE (F.W.) : See : LEE

- OWEN (M) : Memorials of Christian Martyrs etc. London, 1859.
- PAGET (Mrs. L.) : Camp and Cantonment. London, 1865.
- PALMER : Indian Life, Sketches 1816-66. Mussoorie, 1888.
- PALMER (J.B.) : Outbreak of Mutiny at Meerut in 1857. Cambridge, 1966.
- PANIGRAHI (D.N.) : Charles Metcalf in India. Delhi, 1970.
- PANIKKAR (Kavalam Madhava) : British Diplomacy in North India : a study of the Delhi Residency 1803-1857. Delhi, 1968.
- PARASNIS (D.B.) : Life of Rani Jhansi.
- PARASNIS (D.B.) : Life of Baiza Bai.
- PARLIAMENTARY PAPERS : 1857-60.
- PARTICULARS of Regiments which mutinied in 1857-59.
- PASSINGHAM (Capt.) : Missionary Tours in India and Ceylon.
- PATRA (K.M.) : Orisa under East India Company.
- PERSON (Hesketh) : Hero of Delhi. London, 1939.
- PEEL : Commission Report. 1859.
- PELLY (L) : Views and Opinions of Brigd. John Jacob. London, 1858.
- PEMBLE (John) : The Raj, the Mutiny and the kingdom of Oudh. 1977.

NARRATIVE of the Indian Revolt from it Outbreak to the Capture of Lucknow by Sir Colin Campbell. London, 1858.

NASH (J.T.L.) : Volunteering in India. London, 1893.

NATRAJAN (L.) : Peasant uprising in India 1850-1900. Bombay, 1953.

NIGAM (N.K.) : Delhi in 1857. Delhi, 1957.

NOLAH (Edward Henry) : Illustrated History of British Empire in India and the East from earliest times to the suppression of the Sepoy Mutiny in 1859. 2 vols. New York, 1857-59.

NORGATE and PHILLOTT Tr. : From Sepoy to Subedar, by Sitaram. Calcutta, 1911.

NORMAN (H.W.) : Lecture on the Relief of Lucknow. Simla, 1867.

NORMAN (F.M. Sir H.W.) : Narrative of the Campaign of Delhi Army. London, 1858.

NORTON (J.B.) : Rebellion in India : How to prevent another. London, 1857.

NORTH (Major) : Journal of an English Officer in India. London, 1858.

OILFIELD (H.A.) : Sketches from Nepal, vol.2. (Matter relating to 1857)

OLIVER (J.R.) : Campaigning in Oudh.. London.

ORLICH (L.) : Military Mutiny in India. London, 1858.

ORME (Robert) : Historical Fragment of Mughal Empire, 1805.

OUTRAM (James) : James Outram's Campaigning in India 1857-58. London, 1860.

- MUKHOPADHYAYA (Sambhu Chandra) : Mutinies and the people or statement of native fidelity in 1857-58. Calcutta, 1859, 1905.
- MUNRO (W) : Records of Service and Campaigning in many Lands. 2 vols. London, 1887.
- MUNRO (W) : Reminiscences of Military Service with 93rd Sutherland Highlanders. London, 1883.
- MUTER (Mrs. D.D.) : My Recollections of the Sepoy Revolt 1857-58. London, 1911.
- MUTINIES, THE GOVT. AND THE PEOPLE, by a Hindu. Calcutta, 1858.
- MUTINY IN INDIA, Narrative of Events regarding the Mutiny and the restoration of authority, 2 vols. Calcutta, 1901.
- MUTINY IN INDIA. Further papers relative to the Mutinies in the East Indies, 1857.
- MUTINY NARRATIVES N W P Agra.
- MUTINY in The Bengal Army by a Retired Officer. London, 1857.
- MUTINY REPORTS – Punjab, Selections from public correspondence of the Administration for the Affairs of Punjab. 1859.
- NARRATIVE of the Indian Revolt. London, 1858.
- NAPIER (H.D.) : Field Marshal Napier of Magdala. London, 1927.
- NAPIER (R) : Report on Engineering operations at Siege of Lucknow, 1859.
- NAPIER : Biographical Memoirs of the Late Capt. G.W.W. Fulton.

- MINUTE by the Governor of Bengal on the Mutinies as the affected the Lower provinces, Bengal. Calcutta, 1858.
- MISRA (Anand Swarup) : Nana Saheb Peshwa and the fight for Freedom, Lucknow, 1961.
- MITRA (J.M.) Ed. : Press List of Mutiny Papers. Calcutta, 1921.
- MONTALEMBERT : Debate on India in English Parliament. London, 1858.
- MORISON (J.L.) : Lawrence of Lucknow (1806-57), London, 1934.
- MOTIRAM Ed. : Two Historic Trials in Red Fort.
- MOWAT : British Soldiers in India. London, 1859.
- MOWBRAY THOMSON : See Thomson (Mowbra).
- MUINUDDIN : History of Faraizi Movement in Bengal, 1965.
- MUIR (Ramsay) : Making of British India 1756-1858 described in a series of despatches, treatises, statutes and other documents. Manchester University Press, 1917.
- MUIR (S.W.) : Agra Correspondence During Mutiny.
- MUIR (William) : Records of the Intelligence Dept. of the Govt. Of NWP During the Mutiny of 1857. vol. I, II Ed. by Coldstream, 1902.
- MUKHERJEE (Harendra Nath) : India struggle for Freedom. Bombay, 1946.
- MUKERJI (R) : Rise and Fall of East India Co. 1955.
- MUKERJI (R) : Oudh in Revolt.

- MARTIN (R. Montgomery) : Indian Empire, 3 vols. London, 1858-61.
- MARX (Karl) : and ENGELS (F) : First Indian War of Independence 1857-59. Moscow.
- MAUDE (F.G.) and SHERER (J.W.) : Memoirs of the Mutiny with the personal Narrative of Sherer, 2 vols. London, 1894.
- MAUDE (E) : Oriental Campaign and European Furloughs; Autobiography of a Veteran of the Indian Mutiny. London, 1908.
- MAUNSELL (F.R.) : Siege of Delhi. London, 1912.
- McGUFFIE (T.H.) : Stories of Famous Mutinies, Barker, 1966.
- McLEOD (A) : On India. London, 1872.
- MEAD (H) : Sepoy Revolt: Its Causes and Consequences. London, 1857.
- MECNAM (C.H.) : Sketches and Incidents of the Siege of Lucknow. London, 1858.
- MEDLEY (Capt. J.G.) : Year's Campaign in India from March 1857 to March 1858. London, 1858.
- MEEK (Rev. R.) : Martyr of Allahabad. London, 1857.
- MEHTA (Asokh) : 1857 – the Great Rebellion.
- MERCER (E.S.) : Letter to Ellenborough (on the Causes of the Indian Mutiny of 1857). London, 1861.
- MERSEY (Viscount) : Viceroys and Governor Generals of India.
- METCALFE (C.T.) : Two Native Narratives of the Mutiny at Delhi. Westminster, 1898.
- MERCALK (T.H.) : Aftermath of Revolt 1857-70.

- MAHDI HUSAIN : Bahadur Shah-II and the War of 1857. Delhi, 1958.
- MAJENDIE (V.D.) : UP Among the Pandies. 1859, 1974.
- MAJUMDAR (R.C.) : History of Freedom Movement in India, 2 vols. Calcutta, 1962.
- MAJUMDAR (R.C.) : Sepoy Mutiny and the Revolt of 1857. Calcutta, 1957.
- MALCOM : Report on the province of Malva.
- MALET (H.P.) : Lost Links in the Indian Mutiny. London, 1867.
- MALIK (H) Tr. : History of Bijnor Rebellion by Sir Syed.
- MALLESON (George Bruce) : Indian Mutiny of 1857 with portraits and plans. London, 1906.
- MALLESON (George Bruce) : History of the Indian Mutiny, 3 vols. London, 1878-80.
- MALLESON and KAYE : History of the Indian Mutiny, 6 vols. London, 1889, 1897.
- MALLESON (George Bruce) : Indian Mutiny of 1857. London, 1891.
- MALLESON (George Bruce) : Mutiny of the Bengal Army. Popularly known as Red Pamphlet, 2 parts. London, 1857.
- MALLESON (Lt. Col. W.) : Revolt in Central India. Simla, 1908.
- MARIAM : Story of the Indian Mutiny of 1857. 1896.
- MARIWALLA (C.L.) When the Storm Came (1857).
- MARSHMAN (J.C.) : Memoirs of Henry Havelock. London, 1860, 1902.

LUARD (C.E.) : Contemporary Newspaper Accounts of the Events During the Mutiny in Central India. 1912.

LUDLOW (J.M.) : British India, Its Races, and History Considered with reference to Mutinies of 1857 2 vols. Cambridge, 1858.

LUDLOW (J.M.) : Pamphlet on the War in Oudh.

LUSHINGTON (S) : Banda and Kirwee Booty, Judgement delivered in High Court of Admiralty of England. London, 1866.

LUTFULLAH : Man behind the War of Independence. Karachi, 1957.

LYALL (A) : Rise of British Dominion in India. London, 1893.

McCREA (R) : Tablets in Memorial Church, Cawnpore, 1894.

MACKAY (J) : From London to Lucknow, with Memoranda of Mutinies, Marches, Flights, Fights and Conversations, 2 vols. London, 1860.

MACKENZIE (Mrs. C) : Six Years in India, Delhi the City of the Great Moguls. London, 1857.

MACKENZIE (A.R.D.) : Mutiny Memoirs. Allahabad, 1892.

MACMUNN (Gen. F.G.) : Indian Mutiny in Perspective. London, 1931.

MACPHERSON (William) : Memorials of Service in India. 1865.

MADHYA PRADESH (Govt. of,) : History of Freedom Movement in MP. 1956.

MAHDI ALI : Hyderabad Affairs, 12 vols. 1884.

LECKY (Edward) : Fictions Connected with Indian outbreak of 1857 Exposed. Bombay, 1859.

LEE (J.F.) and RADECLIFFE (F.W.) : Indian Mutiny upto the Relief of Lucknow. 1918.

LEE-WARNER (W) : Life of Dalhousie, 2 vols. London, 1904.

LEE-WARNER (W) : Memories of Henry Wylie Norman. London, 1908.

LETTERS TO SECY. GOVT. OF BENGAL in connection with Riot at Patna on 3.7.1857.

LETTERS of Capt. Evans, Dy. Com. Of Zillah Poorweh Oude on the state of his district. 1858.

LETTER FROM A Layman in India on the policy of East India Company in Matters of Religion. London, 1858.

LETTERS from Lucknow and Cawnpore. Greenwich (Privately printed). 1858.

LEWIN (Malcom) : Causes of the Indian Revolt by a Hindu of Bengal. London.

LEWIN (Malcom) : Has Oudh been worse Governed, London, 1857.

LIEWEELLYS (Alexander) : Siege of Delhi.

LORD ELLENBDROUGH'S BLUNDER, the Causes of the Mutiny 1857 ... by a Bombay Officer. Bombay, 1857.

LOW (Miss U) : Fifty Years with John Company. London, 1936.

LOWE (Thomas) : Central India During the Rebellion of 1857. London, 1860.

KEITH YOUNG (Col.) : Delhi – 1857 ed. by Henry Norman and Mrs. Keith Young. London, 1902.

KELLY : Relief of Arrah.

KENNEDY (J) : Great Indian Mutiny. London.

KHADGAWAT (N.R.) : Rajasthan's Role in 1857. Jaipur, 1957.

KHAN (Moinuddin A) : Selections from Bengal Govt. on Wahabi Movement (1863-70). Dacca, 1961.

KINCAID (C.A.) : Lakshmi Bai, Rani of Jhansi.

KNOLLYS (H) and GRANT (H) : See : GRANT (H)

KNOLLYS (H) : Life of Hope Grant. 2 vols. London, 1894.

KNIGHT (A.E.) : Romance of Colonization; Indian from the Aryan Invasion to the Mutiny. London, 1897.

KUNTE (V.K.) : Biographical Sketch of Bhao Sahib Rao Ramchandra Rao Reshimwale. 1915.

LANDON (Perceval) : Nepal, 2 vols. London, 1928.

LANDON (P) : '1857' in Commemoration of 50th Anniversary of the Mutiny. London, 1907.

LANDON (P) : Under the Sun. London, 1906.

LANG (John) : Wanderings in India. London, 1859.

LAWRENCE (G) : Reminiscences of forty three years in India. London, 1875.

LAWRENCE (T.B.) : Six Years in the North West from 1854-60; Being extracts from a Private Diary with a glimpse of Rebellion. Calcutta, 1861.

LEASOR (James) : Red fort. 1956.

LEATHER (Major) : Arrah in 1857.

- INNES (J.J. McLeod) : Narrative of the Siege of Lucknow. Calcutta, 1857.
- JACOB (John) : Few Remarks on Bengal Army --- By a Bombay Officer. London, 1857.
- JACOB (Grand Le) : Correspondence regarding an omission in a Parliamentary return and on the claim to the medal etc. Vantor, 1865.
- JACOB (Grand Le) : Western India During and After the Mutiny. London, 1872.
- JACOB (George Le Grand) : Causes of the Crisis of 1857-58.
- JOCELYN (J.R.J.) : History of Royal and Indian Artillery in Mutiny of 1857. London. 1915.
- JOHNSON (W.T.) : Twelve Years of a Soldier's Life. London, 1897.
- JONES (Oliver J.) : Recollections of a Winter Campaign in India. London, 1859.
- JOSHI (P.C.) Ed. : Symposium on 1857. Delhi, 1957.
- JOYCE (Michael) : Ordeal at Lucknow. London, 1938.
- JWALA SAHAI : Loyal Rajpoutana. Allahabad, 1902.
- KAVANAGH (T.H.) : How I won the Victoria Cross. London, 1860.
- KAYE : Lives of Indian Officers. 2 vols. London, 1867.
- KAYE (John William) : History of the Sepoy War in India. 3 vols. London, 1878, 1880.
- KAYE (J.W.) : Christianity in India : Historical Narrative. London, 1859.
- KEENE (H.G.) : Servant of John Company. London, 1897.
- KEENE (H.G.) : Fifty Seven. London, 1883.

HUNTER(William Wilson) : Marquis of Dalhousie.
Oxford, 1890, 1961.

HUTCHINSON (G) : Narrative of the Mutinies in Oudh.
Calcutta, 1859.

HUXHAM (Mrs.) : Personal Narrative of the Siege of
Lucknow.

HYDERABAD, HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT
(Committee of _____) : Freedom Struggle in
Hyderabad, 2 vols. 1956.

INDIA : The Revolt and Home Govt. Calcutta, 1857.

INDIA : Its Dangers Considered in 1856 by a Retired
Officer, Jersey, 1858.

INDIA, INFORMATION AND BROADCASTING
(Ministry of _____) : Eighteen Fifty Seven : A
pictorial presentation, Delhi, 1957.

INDIAN MUTINY to the Fall of Delhi. Compiled by a
former Editor of the 'Delhi Gazette' London, 1857.

INGLIS (Mrs. J) : Siege of Lucknow. 1892.

INGLIS (Maj. Gen. J.E.W.) : Reports on the Engineering
Operations during the defence of Lucknow in
1857. 1857.

INGLIS (Julia) : Letters containing extracts from a journal
... London, 1858.

INNES (J.J. McLeod) : Indian Mutiny : Cuttings from
Newspapers published during mutinies.

INNES (J.J. McLeod) : Sepoy Revolt, Critical Narrative.
London, 1897.

INNES (McLeod) : Lucknow and Oudh in the Mutiny.
1896.

HILTON (Richard) : Indian Mutiny 1857. London, 1957.

HISTORY of the Delhi Massacre, by a Lady. London, 1858.

HISTORY of the Siege of Delhi, by an officer who served there. 1861.

HISTORY of Nana's Claims against E.I.Co. London. N.D.

HODSON (WSR) : Hodson of Hodson's Horse. London, 1889.

HODSON (William Stephen Raiks) : Twelve years of soldiers' life in India: being extracts from the Letters ... including a personal narrative of the Siege of Delhi. Ed. by G.H. Hodson. Boston, 1860.

HOLMES (T.Rice) : History of the Indian Mutiny. London, 1898, 1904, 1913.

HOLMES (T.R.) : Sir Charles Napier. Cambridge, 1925.

HOLLOWAY (J) : Essays on the Indian Mutiny. London, 1864.

HOPE : Story of the Indian Mutiny. 1896

HOPEGRANT and KNOLLYS (H) : Incidents in the Sepoy War, compiled from the private journals of Hope Grant. Edinburgh, 1873.

HOPEGRANT : Selections from Correspondences, 2 vols. 1894.

HUNGERFORD : Report of the Occurrences at Mhow During and subsequent to the Mutiny of Native Troops in July 1857. 1858.

HUNTER (WW) etc. History of Orissa, 1956.

HUNTER (WW) : Annals of Rural Bengal.

- GROOM (WT) : With Havelock from Allahabad to Lucknow. London, 1894.
- GUBBINS (Martin Richard) : Account of Mutinies in Oudh and of the Siege of Lucknow Residency. London, 1859.
- GUPTA (Rajni Kant) Sipahi Juddher Itihas. 1886-1900.
- GUPTA (Pratul Chandra) : Nana Sahib and the Rising at Cawnpore. Oxford, Clarendon, 1963.
- GURNEY (JH) : Moral of a Sad Story. Four Sermons on the Indian Mutiny. London, 1857.
- HALLEWAY (H) : Essay on the Indian Mutiny. 1864.
- HALLS (JJ) : Two Months in Arrah in 1857. London, 1860.
- HANCOCK (AG) : Short Account of the Siege of Delhi in 1857. Simla, 1892, 1899.
- HANSARD - Parliamentary Debates (Relevant vols.) Series - 3 vols. CXLVII to CLIII etc.
- HARE (A) : Two Noble Lives. 3 vols. London, 1895.
- HARRIS (Mrs. James P) : Lady's Diary of the Siege of Lucknow. London, 1858.
- HAVELOCK (Allen) : Main Military Questions of the Day.
- HEADLEY (J) : Life of Havelock. London, 1859.
- HEDAYAT ALI : Few Words Relative to the Mutiny of Bengal Army and Rebellion in the Bengal Presidency. Calcutta, 1858.
- HERFORD (I.S.A.) : Stirring Times under Canvas. London, 1862.
- HIBBERT(Christopher) : Great Mutiny. London, 1978.

- GILBERT (H) : Story of the Indian Mutiny. London, 1916.
- GIMLETE (G.H.D.) : Postscript to the Records of Indian Mutiny. London, 1927.
- GODSE (V. Bhutt) : Manjha Pravas – Eye witness Account of 1857 (Marathi and Hindi). 1948.
- GOLDEN Commemoration of the Indian Mutiny. London, 1908.
- GOLDSMITH (FJ) : James Outram, 2 vols. London, 1881.
- GORDON (C.A.) : Recollections of 39 years. London, 1898.
- GORDON ALEXANDER (Col. W) : Recollections of a Highland Subaltern During the Campaigns of 93rd Highlanders in India. London, 1898.
- GOUGH (Gen. Hugh) : Old Memories. Edinburgh, 1897.
- GOWRING (T) : Soldier Experiences a voice from the Ranks. Nottingham, 1902.
- GRAHAM (G.F.I.) : Life and Work of Sir Syed Ahmad. Calcutta, 1909.
- GREATHED (H.H.) : Letters written during the Siege of Delhi. London, 1858.
- GREENE (D.S.) : Views in India from Drawings Taken During the Sepoy Mutiny. London, 1859.
- GRETTON (Col. Le M) : Campaign and History of Royal Irish Regt. From 1694 to 1902. Edinburgh, 1911.
- GREVILLE : Memoirs (vol.7). London, 1938.
- GREY (L.J.H.) : Tales of Our Grandfather, ed. by F.C. Grey. London, 1912.
- GRIFFITHS (Charles J) : Siege of Delhi. London, 1910.

FORTESQUE (John) : History of the British Army.

FRASER : Memoirs and Correspondence.

FRASER (Hasting E) : Our Faithful Ally, the Nizam.
London, 1865.

FROM LONDON to Calcutta by the over Land Route.
Calcutta, 1873.

FROST (T) : Narrative of the Mutiny in India. London.

GANGULY (DC) : Selected Documents of British Period
of Indian History. 1958.

GARDINER (R) : Cursory View of the Present Crisis in
India; together with the Military power of England.
London, 1857.

GARRETT (H.L.O.) Ed. : Trial of Bahadur Shah, 1932.

GARDINER (R) : Military Analysis of the Remote and
proximate Causes of Indian Rebellion drawn from
official papers of Govt. of India. London, 1858.

G.D. PSUED, (i.e. George Dodd) : History of the Indian
Revolt and the Expedition to Persia and China and
Japan, 1856-58.

GENERAL RECORDS and Despatches relating to Relief
of Garrison of Lucknow etc. Calcutta, 1859.

GERMON (M) : Journal of the Siege of Lucknow.
London,

GERMON (Mrs. R.C.) : Diary Kept, May-Dec. 1857.
London, 1870.

GHOSH (J.M.) : Sanyasi and Fakir Raiders in Bengal.
Calcutta, 1930.

GIBNEN (Capt. R.D.) : My Escape from Mutiny in Oudh.
2 vols. London, 1858.

ELGIN (Earl of) : Letters and Journals of James Earls of Elgin ed. by Walrond. London, 1872.

ELLIOTT (JG) : Frontier 1839-1947 : the story of the NW Frontier of India. Cassell, 1968.

EVANS (Rev. T) : Three Lectures on the Revolt of the Bengal Army in 1857. Mussoorie, 1899.

EWART (JA) : Story of a Soldier's life, 2 vols. London, 1881.

EXTRACTS from the Calcutta Gazette illustrative of the Services rendered by the Bangal Yeomanry Cavalry during the Indian Mutiny 1857-59. Calcutta, 1880.

EYRE (Vincent) : Letters and Despatches.

FANSHAWE (HC) : Delhi Past and Present. Murray, 1902.

FAYRER (J) : Recollections of my Life. Edinburgh, 1900.

FISHER (FH) : Statistical Description and Historical Account of N.W.P. 1883.

FITCHETT (WH) : Tale of the Great Mutiny. London, 1939 (1924).

FORBES-MITCHELL (W) : Reminiscences of the Great Mutiny. London, 1897, 1904.

FORBES (A) : Havelock. London, 1890.

FORREST (George Williams) : History of the Indian Mutiny. 3 vols. Edinburgh and London, 1904-12.

FORREST (GW) : Neville Chamberlain. Edinburgh, 1909.

FORREST (GW) : Selection from Letters Despatches and other State papers preserved in Military Dept. 4 vols. Calcutta, 1893-1902.

DAMODAR (Vinayak K) : The Rane, a legend of Indian Mutiny.

DUBERLY (Mrs. H) : Campaigning Experiences in Rajputana and Central India During the Suppression of the Mutiny. London, 1859, 1974.

DUFF (Alexander) : Indian Rebellion; Causes and Results, in a series of Letters. London, 1858.

DUNLOP (Robert Henry Wallace) : Services and Adventure with Khaki Ressler During the Mutinies of 1857-58. London, Allahabad, 1859, 1974.

DURAND (Mortimer) : Life of Henry Marion Durand, 2 vols. 1883.

DUTT (Ramesh Chander) Economic History of India in Victorian Age. London, 1950.

EDWARDS (Michael) : Necessary Hell

EDWARDS (Michael) Ed. : My Indian Mutiny Diary. By W.H.Russel. London, 1957.

EDWARDS (Michael) : Battle of Plassey and the conquest of Bengal. Batsford, 1963.

EDWARDS (Michael) : Battles of the Indian Mutiny. L London, 1963.

EDWARDS (R.M.) Tr. : City of Delhi During Siege by Mubarak Shah Khan.

EDWARDS (W) : Facts and Reflections Connected with Indian Rebellion. Liverpool, 1859.

EDWARDS (W) : Personal Adventures during Indian Rebellion in Rohilkhand, Fathegarh and Oude. London, 1858, 1974.

EDWARDS AND MERIVALE : Life of Henry Lawrence. 2 vols. London, 1875.

- DATTA (Kali Kankar) : Freedom Movement in Bihar, 1957.
- DATTA (Kali Kankar) : Contemporary Account of Indian Mutiny, 1950.
- DATTA (Kali Kankar) : Anti British plots.
- DATTA (Kali Kankar) : Kunwar Singh and Amar Singh (Biography) Patna, 1957.
- DAVIDSON : Our Faithful Ally the Nizam.
- DAWSON (L) : Squires and Sepoys 1857-1957. London, 1960.
- DESPATCH from the Governor General re. Organisation of H.M. European Forces. 1960.
- DEWAR (Douglas) : Handbook to the English pre-Mutiny Records of United Provinces. Agra and Oudh. Allahabad.
- DHARAMPAL : Tatya Tope. New Delhi, 1957.
- DICKINSON (John) : Dhar not Restored; Inspite of the House of Commons and the public opinion. 1864.
- DICKINSON (John) : Last Counsels of an Unknown Counselor. 1877.
- DIGBY (W) : 1857, A friend in need, 1887 – Friendship Forgotten. London, 1890.
- DISTRICT GAZETTEERS
- DIVER (M) : Honoria Lawrence. London, 1936.
- DODGION : General views and Special points of interest of the City of Lucknow. London, 1860.
- DOGG (G) : History of the Indian Revolt (Known as Chamber's History). London, 1859-60.

CORRESPONDENCE, re. Artillery forces in India, from commencement of the Mutiny, 1859.

CORRESPONDENCE, re. Prize property, 1860.

COSENS (FR) and WALLACE (CL) : Fatehgarh and the Mutiny. Lucknow, 1933.

CRAWSHAY (G) : Immediate Cause of Indian Mutiny as set forth in the Official Correspondence. London, 1858.

CRISIS IN India; Causes and Proposed Remedies by a Military Officer, 1857.

CROFTON (Mrs. OS) : Indian Monumental Inscriptions, 1934.

CROMMELIN (WA) : Memorandum on the Three Passages of the River Ganges during the Rainy Season of 1857 by the Oudh Field Force under the Command of Havelock. Calcutta, 1858.

CRUMPS (CW) : Pictorial Record of Cawnpore Massacre. London, Calcutta, 1858.

CULROSS (J) : Missionary Martyr of Delhi. London, 1860

CUNNINGHAM (Henry Stewart) Rulers of India – Canning. Oxford, 1891.

CURETON (Gen. C) : Short account of the services of Charles Cureton during the mutiny. Colchester, 1893.

DALY (H) : Memoirs of Gen. Henry Daly.

DANGERFIELD (George) : Bengal Mutiny, the story of Sepoy Rebellion. New York, London, 1933.

DANVERS (RW) : Letters from India and China During 1854-58. London, 1898.

- CHAUDHURI (Shashi Bhusan) : Theories of the Indian Mutiny. Calcutta, 1965.
- CHAUDHURI (Shashi Bhusan) : Civil Rebellion in the Indian Mutinies 1857-59. Calcutta, 1957.
- CHICK (NA) : Annals of the Indian Rebellion. Calcutta, 1860.
- CHIRAGH ALI : Hyderabad under Salarjung. 4 vols. 1886
- CHOPRA (P) : Theories of Indian Mutiny. Calcutta, 1965.
- CHUNDER (Bholanauth) Travels of Hindoo, 2 vols. London, 1869.
- CHURCHER (EJ) : Some Reminiscences of three-quarter of a Country in India. London, 1909.
- COLLECTION OF Official narratives of the Mutiny by the Magistrates or Commissioners. 1858.
- COLLIER (Richard) : Sound of Fury.. 1963.
- COLVIN (Aukland) Life of John Russel Colvin. Oxford, 1895.
- COOPER (L) : Havelock. London, 1957.
- COOPER (F) : Crisis in Punjab. London, 1858.
- COOPLAND (Mrs. RM): Lady's Escape from Gwalior and Life in the Agra Fort During the Mutiny. London, 1859.
- CORRESPONDENCE connected with the removal of Mr. W. Tayler from Patna. – Arrest and Trial of Lootf Ali khan ... "Brief Narrative of Events". Calcutta, 1858.
- CORRESPONDENCE, RE. DEPARTURE OF Mr. Hudson, Syed Ukber Allee, and Khirat Allee Khan from England, their arrest and detention etc. 1859.

- BRIGGS (Henry George) : Nizam: his history and relations With the British Govt. 2 vols. Quaritch, 1861.
- BROCK (W) : Biographical Sketch of Havelock. London, 1858.
- BROWN (Cave) : Punjab and Delhi in 1857, 2 vols. Edinburgh, 1861.
- BROWN (J) : Cawnpore and Nana of Bithoor. Cawnpore, 1890.
- BROWN (J) : Lucknow Guide. Lucknow. 1874.
- BROWN (J) : Lucknow and its Memorials of the Mutiny. Agra, 1886
- BUCKLAND (CE) : Bengal under Lieutenant Governors: being a narrative of the events and public measures during their periods of office from 1854 to 1898. 2 vols. Calcutta, 1902
- BURNE (Owen) : Memoirs. London, 1907.
- BURNE (Owen Tudor) Clyde and Strathnairn. Oxford, 1891.
- CAMPBELL (George) : Memoirs of my Indian Career. 2 vols. London, 1893.
- CARDEW (FG) : Hodson's Horse, 1857-1922. Edinburgh, 1922.
- CASE (Mrs. A) : Day by Day at Lucknow. London, 1858.
- CAVENAGH (Orfeue) : Reminiscences of an Indian Official. London, 1884.
- CHALMERS (J) : Letters written from India during the Mutiny and Waziri Campaigns. Edinburgh, 1904.
- CHATOPADHAYAYA (Harparshad) : Sepoy Mutiny 1857. Calcutta, 1957

- BECHER (Augusta) : Personal Reminiscences ed. By H.G. Rawlinson. London, 1930
- BELL (Maj. E) : English in India; Letters from Nagpore Written in 1857-58. London, 1859.
- BELL (Even) : Letters to H.M. Durand, 1884.
- BHARGAVA (ML) : Saga of 1857, Delhi, 1991.
- BHATNAGAR (OP) Ed. : Private Correspondence of J.W.Sherer, Collector of Fathepur, Allahabad, 1968.
- BHATNAGAR (GD) : Oudh Under Wajid Ali Shah.
- BHATTACHARYA (Mahashweta) : Jhansir Rani (Bengali). Calcutta, 1956
- BILGRAMI (S. Husain) : Memoirs of Salar Jung. Bombay, 1883.
- BIPANCHANDRA : Freedom Struggle. Delhi, 1972.
- BIRD (RW) : Indian Mutiny. London, 1858.
- BOMBAY (Govt. of __) : Source Material for History of Freedom Movement. Bombay, 1957.
- BOMBAY (Govt. of __) : Selections from Record.
- BONHAM (John) : Oudh in 1857. London, 1928.
- BOSWORTH (Smith R) : Life of Lord Lawrence, 2 vols. 1883.
- BOURCHIER (Col. G) : Eight Months Campaign against Bengal Sepoy Army During Mutiny of 1857. London, 1858.
- BRIEF Narrative of Events Connected with the Removal of W. Taylor from Patna, 1857.
- BROOME (Arthur) : History of the rise and progress of the Bengal Army. Calcutta, 1850.

- ARGYLL (Duke of) : India under Dalhousie and Canning, London, 1865.**
- ARNOLD (Edwin) : Dalhousie's Administration of British India. London, 1865.**
- ATKINS (JB) : Life of W.B. Russel, 2 vols. London, 1911.**
- ATKINSON (GF) : Campaign in India 1857-58. London, 1859.**
- BAKSHI (SR) : Mutiny to Independence. 1988.**
- BALDWIN (JA) : Indian Gup, untold Stories of Indian Mutiny. London, 1897.**
- BALL (Charles) : History of the Indian Mutiny. 2 vols. London and New York, 1859.**
- BANDOPADHYAYA (Durgadas) ; Bidrohe Bangali. Calcutta (Bengali), 1925.**
- BANDOPADHYAYA (Panchkari) : Sipathi Bidrohe (Bengali).**
- BARKER (Gen. GD) : Letter from Persia and India 1857-59. London, 1915**
- BARPUJARI (HK) : Assam in the days of East India Co. 1980.**
- BARTRUM (KM) : Widow's Reminiscences of the siege of Lucknow. London, 1858.**
- BASU (BD) : Consolidation of Christian Power in India. Calcutta, 12927.**
- BASU (BD) : Rise of Christian Power in India. Calcutta, Ed. 2, 1931.**
- BEARCE (GD) : British Attitude towards India 1784-1858, 1961.**

BIBLIOGRAPHY

ABSTRACTS OF THE PROCEEDINGS of the Governor
GENERAL of India, 1877, vol. XVII, 1878.

ADYE (J) : Recollections of a Military Life. London, 1895

ADYE (Gen. Sir J) : Defence of Cawnpore by the Troops
under orders of Charles Windham: London, 1858-
.59

AHLUWALIA (MM): Freedom Struggle in India. Delhi,
1965.

AITCHESON (C): Collection of Treaties, Engagements
and Sanuds Relating to India. 10 Vols., 1892.

AITCHESON (C) : Lord Lawrence. Oxford, 1892

ALEXANDER (Rev. T) : Cause of the Indian Mutiny
being an Exposition of the Second Psalm. London,
1857.

ALLEN (C) : Few words about Red Pamphlet, by one who
served under Dalhousie. London, 1858

ANDERSON : Blue Pamphlet. London, 1858.

ANDERSON (RP) : Personal Journal of the Siege of
lucknow. London, 1858.

ANDERSON and SUBEDAR : Last Days of Company.
London 1918.

ANDREWS (CF) : Maulvi Zakaullah of Delhi. 1928.

ANSON (Maj. O H S G) : With 9th Lancers During the
Indian Mutiny. London, 1896.

ARGYLL (Duke of) : Autobiography and Memoirs. 2
Vols., London, 1906.

نقل خط نواب یوسف علیؑ (رام پور)

ہنام حکیم سید اکبر علی سید نثار علی سید سبحان علی (امروہہ)

بتاریخ ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء

سید صاحبان مشفق مہربان دوستان سلمہم اللہ تعالیٰ

بعد شوق ملاقات بہت آیات کہ مزیدی بر آن متصور است واضح خواطر محبت
مآثر باد مکاتبہ خلوصیت طراز خلاصہ ارادت و اختصاص قدیمہ خود درین سرکار دہم مطیع و
متقاد بودن خود ہا از یوم انتظام اہالی این سرکار در ضلع مراد آبادی الآن و عدم مشارکت از سادات
و رہبر کلان کہ ہوائی خود سری در سردارند بادیگر مراتب مصارقت و داد و وصول شادمانی آورده
ہمافہما مطلع نمود و بدریافت مضامین صداقت و مودت آگنیش سرور خاطر افزود از آنجا کہ
طریق اتحاد و سلوک شرفائی مآل اندیش و رؤسائی کیاست کیش است و بفضل الہی آن مشفقان
از سادات کرام و رؤسائی آن مقام ہستند و دوستداران نیز پاس ارتباط آن مہربان بدل ملحوظ لہذا
تفویض خامہ محبت نگاری شود کہ خاطر دوستداران از خلوص و اخلاص بودہ خوشنود تصور ساختہ و
روابط موانست را یونافینو فزاید نگاشتہ با اطمینان خواطر بہ ہمین نہج اکثر بہ ترسیل مکاتبات خیریت
آیات سرور و مطمئن می نمودہ باشند باقی خیریت نہاد جمیت و نشاط باد۔

و ستخط

یوسف علی خان

(نواب رام پور)

(منقول از تذکرہ بدر چشت، مؤلفہ خورشید رضوی، ص ۲۶۱، تاریخ امروہہ، جلد ثانی، ص ۳۹۲)
لہ نواب یوسف علی خان ۱۸۵۵ء میں تحت نشین ہوئے۔ صفحہ ۵۶۸ پر غلطی سے ۱۸۸۵ء چھپ گیا ہے، تصحیح کرنی چاہئے۔

نقل عرضداشت مولوی سید سبحان علی (امروہہ) بہ خدمت بہادر شاہ
(مرقومہ ۲۵ / ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ)

بازیافتگان آشیای فیض نشان خورشید خدم مرینح حشم حضرت خدیو گیمان
سلطان زمین وزماں طجائی دین و امان ظل سبحانی خلیفۃ الرحمنانی خلد اللہ ملکہ

ہموقف عرض..... می رساند

پس از بجا آوری مراسم تسلیمات و کورنش و بعد ای فدویت کہ غلامان عقیدت کیشان
را ذریعہ بہبودی کونین است الحمد للہ افضالہ کہ دعائای سحری و ادعیہ التجائی نیم شبی
دعاگویان موروثی و نمک خواران ازلی بذروہ اجابت رسیدہ یعنی بہ یاد روی اقبال عدو مال حضرت
قضا جریان فرقہ معاندین بد نہاد جا بجا مقتول و مہلوک گردیدہ و نیز اقبال والا طالع گشت و تسلط
غلامان دولت قاہرہ ہر طرف ملک گردیدہ و می گرد و چنانچہ شمن اقبال والا ازین ملک و ضلع ہم
اخراج فرقہ نصاری و خلوی ملک از حاکمان حکمران گردید و پس از چند سالہا تمنای دلی و آرزوی
قلبی غلامان عقیدت کیش و دعاگویان بر آمد کہ سایہ ظل سبحانی بر مفارق خلق اللہ گو عقیدت
سرایان بود مگر بہ عالم ظہور ہم منبسط گردیدہ.....

عرضی : نبیرہ سید محمود مالامال کرمانی قدس سرہ عزیز کترین غلامان
عقیدت کیش سید محمد سبحان علی متوطن معافیدار امر وہہ۔

مورخہ ۲۵ / ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

(منقول از تاریخ امر وہہ، ص ۶۵، تذکرہ بدر چشت، ص ۲۴۹)

اشاریہ

شخصیات

۴۶۷، ۴۷۵-۴۷۸، ۴۸۲-۴۸۶، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۱، ۵۷۷-۶۱۳، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۳۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۵۴، ۶۶۷-۶۷۰
 ۳۳۰ احمد بیگ (دہلی)
 ۳۳۰ احمد سعید مجددی (شاہ)
 احمد علی (ایجنٹ راجا ناتھ سنگھ، دہلی)
 ۳۶۷، ۳۴۰
 احمد علی (کانپور) ۵۳۷، ۵۳۵، ۵۳۷
 ۵۵۵
 احمد علی نواب فرخ نگر ۳۰۶، ۳۲۰، ۳۶۶، ۳۷۰
 ۵۲۸ احمد علی (مولوی)
 ۲۶۱، ۲۸۷، ۳۳۰ احمد قلی
 ۲۸۵، ۲۸۳ احمد یار خاں
 ۸۱، ۳۰۷ اخوند (سوات)
 ۶۶۳ اُدت پرکاش (اکوٹا، بہرائچ)
 ۴۳۲ اُدت سنگھ
 اُدت نرائن سنگھ راجا (ستاسی گورکھپور)
 ۴۹۹، ۵۰۳، ۶۵۰
 ۵۱۰، ۵۳۲ اُدت سنگھ
 ۵۱۱-۵۱۳ ارادت خاں
 ۶۵۱، ۴۵۵، ۴۳۷، ۴۳۶، ۴۳۲ اوریش سنگھ
 ۴۶۲، ۴۹۸ ایڈرن ہوپ

۱۲۲ Asifud Daula آصف الدولہ
 ۱۸۵، ۱۸۲ Asif Quazi آصف قاضی
 ۲۵۲ آکلینڈ (لارڈ)
 ۱۷۹ ابراہیم (شیخ)
 ۳۳۱، ۲۸۸، ۲۷۳، ۲۶۲ ابوبکر
 ۱۹۲ اتھرسنگھ
 ۳۸۹ اے جے ناتھ سنگھ
 ۳۳، ۲۴۱ احسن اللہ خاں (حکیم)
 ۲۶۲-۲۶۰، ۲۵۸، ۲۵۶، ۲۵۳، ۲۴۴-۲۴۲
 ۲۶۸، ۲۶۴، ۲۷۰-۲۸۷، ۲۹۴
 ۲۹۹، ۲۹۸، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۲
 ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۳۶، ۳۵۳، ۳۵۹
 ۴۰۱ احسن نانوتوی (مولانا)
 ۲۴۷ احمد اختر (فرزند دارا بخت)
 ۵۵۵، ۵۴۷ احمد اللہ (پتھور)
 ۶۰۰، ۲۳۷ احمد اللہ تحصیلدار (بجنور)
 ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷، ۶۴۵
 ۴۳، ۶۴، ۹۵ احمد اللہ شاہ (مولانا)
 ۲۰۳-۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۳۶، ۲۴۰
 ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۸۱، ۳۲۰، ۳۲۲
 ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۸
 ۴۴۰، ۴۴۳، ۴۴۶-۴۴۸، ۴۵۹، ۴۶۶

۶۶۲، ۳۵۴، ۳۳۱-۳۲۸	۶۵۲	ارجن سنگھ (بدلا پور)
۵۹۵، ۵۹۱، ۵۸۶ (سنجھل)	۲۲۴، ۱۵۳، ۶۵	ارنٹ جون
۶۶۱	۲۵۰، ۲۴۸، ۲۴۷	اسپیر-پی
۵۶۳	۳۵۱	اشین
۴۱۲، ۴۱۱	۱۸۵	اسحق (مولوی)
۱۷۰	۵۸۷، ۵۸۳، ۵۸۲	اسد علی (مراد آباد)
۵۲۸	۱۴۲	اسمٹھ دی
۴۰۲	۲۲۹، ۲۲۸	اسمٹھ
۵۶۰، ۲۸۷	۴۰۷، ۴۰۶، ۳۸۶، ۳۸۱	اسمعیل خاں
۳۰۷	۶۵۰، ۶۳۳، ۶۱۰، ۶۰۷، ۵۷۳، ۴۰۸	
۶۱۳، ۵۷۲	۵۱۱	اشرف خاں
۴۵۶، ۴۴۵، ۴۴۰	۳۸۴	اشرف خاں (نواب)
۶۶۳، ۶۳۸، ۶۱۴، ۴۹۰	۸۰، ۲۸، ۲۷	اشرف (کنور محمد، ڈاکٹر)
۴۱۳	۵۸۷	اعلیٰ علی خاں (مراد آباد)
۶۵۳، ۶۵۱، ۵۳۲، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۱۰		افضل (شیخ محمد) (امروہہ)
۳۴۰	۵۹۷، ۵۹۴، ۵۸۹	
۵۹۴	۳۸۱	اکبر زماں (آگرہ)
۳۶۸	۶۳۹، ۳۹۰	اکبر سنگھ (ٹھاکر)
۱۷۹، ۱۷۸	۴۴۷، ۲۳۹، ۱۲۰، ۱۱۹	اکبر شاہ (ثانی)
۵۱۵، ۴۹۸	۳۵۸، ۳۵۴، ۳۵۱	
۴۵۸، ۴۴۴	۳۶۸، ۳۰۶	اکبر علی (نواب پٹودی)
۴۹۲، ۴۵۳، ۴۳۲، ۹۲، ۶۴	۶۶۶	اقبال مند خاں (فرخ آباد)
۶۲۳، ۶۱۲، ۴۹۶	۱۶۷	الہی بخش (مرزا) (ہدایت افزا)
۴۴۴، ۱۳۱، ۱۳۰، ۷۴، ۷۳	۳۱۳، ۲۹۹، ۲۲۹۸، ۲۹۳، ۲۵۵	

۵۸۲، ۵۷۳، ۵۷۰-۵۶۸، ۵۶۱-۵۵۹	۴۸۱، ۴۷۶-۷۸، ۴۷۲-۷۴، ۴۵۹، ۴۵۸
۵۸۳، ۶۵۳، ۶۳۰، ۶۱۹، ۶۱۷، ۶۰۶	۶۱۲، ۵۵۰، ۴۹۷، ۴۸۰، ۴۹۴
۶۷۰، ۶۶۱	۵۶۳، ۵۶۲ (اوجھار تیغ ناتھ (بریلی)
۲۶۲، ۲۵۳ (بختاور شاہ (فرزند بہادر شاہ)	۴۲۳ اورنگ زیب
۱۶۰، ۱۵۹ بخشی (الیس آر)	۱۳۷، ۱۳۴، ۱۱۶ ایڈمنڈ ای
۶۴۹، ۸۰ بدر چشتی (شاہ آبن)	۵۶۴، ۱۶۴، ۱۵۱، ۹۱، ۶۹ ایڈورڈ ولیم
۳۶۲ براؤن کاوے	۵۷۴، ۵۷۱
۴۴۳-۴۴۰، ۴۲۸، ۴۲ برجیس قدر	۴۱۹، ۴۱۸ ایشری پرشاد (راجا)
۶۰۹، ۴۸۸، ۴۵۷، ۴۴۹، ۴۴۶، ۴۴۵	۵۰۹ ایشوری پرشاد (مہاجن)
۶۶۱، ۶۶۰، ۶۵۹، ۶۵۶، ۶۵۳، ۶۱۳	۲۳۸، ۲۳۷، ۸۵، ۵۰ اینڈریوز سی ایف
۱۰۵ برک (Burk)	۴۵۰، ۳۶۷، ۲۷۱، ۲۶۶، ۲۲۲ اینسن
۴۴۰، ۴۳۸، ۴۲۹ (رسالدار)	۱۷۷ بابا صاحب (شیواجی چہارم)
۴۵۶، ۴۴۵، ۴۴۱	۵۳۴، ۵۳۳، ۱۴۱، ۱۳۲ باجی راؤ (پیشوا)
۱۹۱ برکت اللہ وکیل	۱۳۱ بال کرشن (راجا)
۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۳، ۲۷۱، ۲۶۶ برنارڈ ہنری	۴۷۵، ۴۴۱ بال کشن (مہاراجا)
۵۹۴ بشارت علی (امروہہ)	۵۳۳، ۴۸۵ بالا صاحب (گنگا دھر)
۲۳۶ بش سنگھ کوتوال	۶۱۵، ۶۰۶، ۵۷۳، ۵۴۵-۵۴۳، ۵۳۶
۴۸۹، ۴۸۸ بل بھدر سنگھ (جھالاری)	۶۳۲، ۶۳۸، ۶۳۷، ۶۲۸، ۶۲۳، ۶۱۹
۶۵۰ بل کرن سنگھ (گورکھپور)	۶۶۲، ۶۶۰، ۶۵۸، ۶۵۶، ۶۵۳، ۶۵۰
۶۵۱، ۶۵۰، ۵۰۳ بلی سنگھ	۶۷۶-۶۷۱
۵۱۷، ۵۱۴، ۴۷۴، ۴۷۲ بندہ حسن	۸۱، ۷۷، ۷۰ بخت خاں (جنرل)
۴۱۵ بتی سنگھ (راجا الور)	۴۰۸، ۴۰۲، ۲۹۷-۲۹۴، ۲۹۰-۲۸۴
۱۲۶، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۵ بولش ولیم	۴۵۸، ۴۰۶، ۳۲۹-۳۲۶، ۳۱۸، ۳۱۴
۳۳، ۳۱ بہادر شاہ ظفر (سراج الدین)	۵۵۶، ۴۵۶، ۴۸۲، ۴۷۸، ۴۷۱

۶۰۲-۳	پرتاپ سنگھ (تاج پور بجنور)	۱۳۹، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۵، ۷۴، ۷۲، ۴۲-۳۸
۱۹۴، ۱۸۶، ۱۳۵	پرتاپ سنگھ راجاستارا	۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۰، ۲۰۴، ۲۰۰، ۱۹۵، ۱۶۶
۵۱۵، ۵۰۷، ۵۰۶، ۵۰۴	پرتھی پال سنگھ	۲۳۶-۲۳۸، ۲۳۰، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۵۲
۶۵۳، ۶۵۱، ۵۳۰		۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۳-۳۶۹، ۳۷۸
۵۱۱	پرنام سنگھ	۳۸۰-۳۸۲، ۳۹۵، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۶
۵۱۴	پھلی سنگھ	۴۱۲، ۴۴۰، ۴۴۳، ۵۳۱، ۵۴۲، ۵۴۷
۶۱۶، ۳۷۰	پنی جنرل	۵۶۴، ۵۷۰، ۵۹۷، ۶۰۰، ۶۰۳، ۶۴۷
۵۷۳	پنی ج	۶۶۲، ۶۶۳، ۶۷۰، ۶۷۹
۱۷۶	پورندر سنگھ	بہادر علی (بہادر گڑھ، داری) ۳۰۷، ۳۰۵
۲۱۲، ۷۹، ۶۰	پیر علی	۳۴۰، ۳۶۸، ۳۷۱
۱۸۵، ۱۸۳	پیر محمد مولانا	۱۲۹، ۹۶
تاتیا ٹوپے (رام چندر راؤ پانڈورنگا)		۳۴۰
۵۵۰-۵۲، ۵۴۶، ۵۳۹-۴۰، ۴۶۸-۶۹		۶۲۸
۶۷۲، ۶۳۹		بیجا بانی (زوجہ دولت راؤ سیندھیا) ۲۰۴، ۱۹۴
۳۹۱	تاج خاں میواتی	بیجونی ناراین (دراگ، آسام) ۱۷۴
۹۲، ۸۲، ۷۷، ۴۷	تارا چند	بنی بہادر سنگھ (نصرت پور) ۵۳۲، ۵۳۰
۶۲۴، ۶۱۳، ۹۴	تائب (فتح محمد)	۶۵۳، ۶۵۲
۴۳۳، ۴۳۲	تعلقہ دار (باغی لیڈر، اودھ)	بنی مادھو ۸۹، ۱۵۰، ۴۳۳، ۴۵۴، ۴۵۵
۴۹۴-۹۸، ۴۴۵، ۴۳۷، ۴۳۶		۴۸۹، ۵۰۴، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۱۲، ۵۱۵
تفضل حسین نواب (فرخ آباد) ۳۸۷		۶۱۳-۶۱۵، ۶۲۳، ۶۲۸-۶۳۰، ۶۳۴
۵۷۱، ۴۷۱، ۴۸۲، ۴۷۰-۷۳، ۳۸۸		۶۳۷، ۶۳۸، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۵۳، ۶۵۶-۶۵۹
۶۶۵، ۶۴۴-۴۵، ۶۱۷، ۶۱۰، ۶۰۶		۳۶۱
۳۱۲، ۳۱۱، ۳۰۷، ۳۰۶، ۲۳۶	تلارام	۲۲۱
۳۷۰، ۳۶۶		۲۱۰
		پامر جے۔ اے
		پانڈے (ایشری)
		پانڈے (بشن دت)

۹۵	جعفر تھائیری (محمد)	۱۵۱، ۱۳۲، ۹۱، ۵۱	تھارن ہل
۹۶	جعفری (رئیس احمد)	۵۲۷، ۱۵۸	تھامسن ایڈاورڈ
۱۷۰	جگ بندھو	۱۵۷	تھامسن ٹریزن
۱۸۹	جگن ناتھ ڈھال	۵۳۸، ۵۳۳، ۱۶۸	تھامسن، موہری
	جوالا پرشاد (کانپور)	۳۸۸، ۳۸۶	تج سنگھ راجا (مین پوری)
	۵۳۷، ۵۳۵، ۵۲۷	۳۸۹، ۳۹۰، ۳۱۴، ۴۷۱، ۴۷۴، ۴۷۸	
	۶۵۸، ۶۵۳، ۶۲۳، ۵۵۴، ۵۴۵، ۵۳۸	۶۵۱، ۶۳۹، ۶۱۹، ۶۰۶، ۵۱۵	
۶۶۳			
	جوالا پرشاد (راجا، لکھنؤ)		تیرتھ سنگھ (راجا سلہٹ)
	۶۶۳، ۶۵۸، ۱۴۱		
	جوان بخت	۴۱۲	نکرم سنگھ (ہاتھرس)
	۲۶۲، ۲۵۳، ۱۹۵، ۱۶۷، ۱۶۶		
	۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۰۹، ۲۹۹		ٹھاکر پانڈے
		۴۷۲، ۳۸۸، ۳۸۶، ۳۵۸	
۱۳۸	جواہر سنگھ (ٹانک پور)	۱۷۴، ۱۷۲، ۱۵۵، ۱۴۱، ۳۵	ٹیپو سلطان
	جوز (جے، بریگیڈیر)	۶۶۷، ۶۳۴، ۵۳۳، ۳۳۴، ۱۹۷، ۱۸۱	
			ٹیٹوشاہ
	۶۱۷، ۶۱۶، ۶۰۵، ۵۸۵، ۵۷۳	۱۸۸	
	جنگ بہادر (نیپال)	۱۸۸، ۱۸۷	ٹیٹو نظام (میرتن)
	۴۷۳، ۴۷۲، ۴۳۱		
	۶۵۳، ۶۵۲، ۶۲۶، ۵۰۰، ۴۸۲، ۴۷۴	۵۴۵، ۵۳۷، ۵۳۵، ۵۲۷	ٹیکا سنگھ
	۶۷۷-۶۷۲، ۶۵۶	۶۰، ۵۹	ٹیلر، ایم
	جہانگیر مرزا	۱۹۰، ۱۴۸، ۱۴۷، ۶۹	ٹیلر، ڈبلیو
	۲۳۷، ۱۴۰		
	جھوری سنگھ	۵۱۰	جائن سنگھ (جون پور)
	۶۵۱، ۵۳۴، ۵۱۵، ۵۱۴، ۵۱۱، ۵۱۰		
	جے لال سنگھ	۶۵۲	جائیشور بخش (بدلا پور)
	۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳		
	۴۴۰-۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۵۵، ۴۵۹	۵۲۷، ۱۵۸	جان (تھامسن ایڈاورڈ)
	۶۵۸، ۵۰۷، ۴۶۶		جان (ڈبلیو، بریگیڈیر)
	جے مل سنگھ (ٹھاکر) بریلی	۶۱۷، ۶۱۶، ۶۰۵، ۵۸۵، ۵۷۳	
	۵۷۲، ۵۶۴-۵۶۰، ۵۵۸	۵۱۱	جانبانی ناتھ
	جیکب (لی گریڈ)	۶۵۷، ۴۹۷، ۴۵۴	جاس سنگھ
	۱۹۶، ۵۸، ۳۱		

۳۶۸، ۳۱۳، ۳۰۶ (نواب دو جانہ)	۳۲۵، ۳۱۹	جیکب (میجر) دہلی
۵۱۴، ۵۰۳ (گورکھپور)	۳۳۳، ۲۲۷	جیمس لیزر
۳۸۱	۶۶۳	جیوتی سنگھ (راجا چوردا)
۵۱۴	۲۸۶، ۲۸۵، ۲۳۶، ۲۳۱، ۹۳	جیون لال
۹۰	۴۵۲، ۲۳۲، ۱۲۷، ۱۴۱، ۵۳	چارلس بال
۶۳۰، ۵۰۳، ۴۳۷، ۴۳۶ (راجا)	۶۳۲، ۵۵۱، ۵۴۹، ۴۹۱، ۴۷۲، ۴۵۳	
۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹	۵۱۰	چتر جیت سنگھ
۴۴۳، ۴۳۴ (چودھری)	۱۹۲	چتر سنگھ
۴۷۴، ۴۴۵	۸۱، ۳۷	چٹو پادھیالے (ایچ پی)
۴۴۱، ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۴ (بیگم)	۱۹۱	چراغ علی (منشی)
۴۶۸، ۴۶۷، ۴۵۹، ۴۴۹-۴۴۶، ۴۴۲	۱۷۱	چکرا بسوئی (اوڑیسہ)
۴۷۵-۴۷۸، ۴۸۱-۴۸۹، ۴۹۱، ۴۹۲	۱۹۲	چندر کور
۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۷، ۶۱۳-۶۱۵، ۶۱۷	۶۵۱، ۴۳۷، ۴۳۱	چندریش سنگھ (اودھ)
۶۱۹، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۲-۶۳۸، ۶۴۱	۶۳۳	چندریکا بخش
۶۴۵-۶۴۷، ۶۵۰، ۶۵۲-۶۶۰، ۶۷۵	۱۸۰	چندولال
۶۷۶	۴۲۵، ۹۵، ۷۸، ۴۸ (ایس بی)	چودھری (ایس بی)
۵۲۶، ۵۲۵	۴۴۰، ۳۰۷، ۳۱۰، ۴۵۵، ۴۷۱، ۵۰۱	
۱۶۱، ۳۴۳	۶۶۵، ۵۹۸، ۵۹۳، ۵۹۲، ۵۸۸، ۵۴۵	
۴۲۳، ۱۳۶	۱۲۵	چیت سنگھ (راجا بنارس)
۳۰۷، ۲۸۲، ۶۸، ۶۲، ۴۵	۲۹۱، ۲۸۴، ۸۹	چیمبرلین
۴۰۹، ۵۵۶، ۶۱۱، ۶۱۹، ۶۱۹-۶۲۲، ۶۲۸	۵۹۵، ۵۹۰	حامد علی قاضی (سنہل)
۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۳، ۴۲-۶۴۸، ۶۵۰	۳۴۳، ۳۴۲ (دہلی)	حسن عسکری (شاہ)
۶۶۰، ۶۵۹، ۶۵۳	۳۶۱، ۳۶۰	
۴۷۴، ۴۵۶، ۴۴۵، ۴۳۸	۱۹۱	حسن علی (پولیس جمعدار)

۳۸۲	دیوہنس (دھول پور)	۶۳۷، ۶۳۳، ۶۲۸، ۵۷۶، ۴۸۳، ۴۸۲
۳۹۳	دیوی بخش سنگھ (راجا گوٹہ)	۶۶۳، ۶۵۶، ۶۴۴، ۶۳۸
۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۴، ۴۹۵		۵۱۶
۵۰۰، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۱۵، ۶۲۹، ۶۳۷		خضر سلطان ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۷۷، ۲۸۸
۶۴۰، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۳، ۶۵۸		۳۰۲، ۳۱۸، ۳۳۱، ۶۶۲
۳۰۲	دیوی سنگھ (راجا، دہلی)	۶۳۹، ۶۳۴، ۶۲۳
۳۳۲، ۳۳۷	ڈاگ جی	۴۰۴، ۴۰۳، ۴۰۱
۱۵۰، ۵۳	ڈزرائلی بنجامن	۶۵۶، ۶۴۴-۶۴۲، ۵۱۶، ۶۲
۶۱۳، ۴۹۰، ۴۵۷	ڈگ وے سنگھ (مہوبا)	۵۹۸
۶۱۴، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۸، ۶۵۳، ۶۵۸		۲۵۳، ۱۶۶
۱۳۵، ۱۳۴-۱۳۹، ۱۳۵، ۹۰، ۳۳	ڈلہوزی	۱۳۶
۵۳۸، ۲۰۰		۱۸۸
۲۳۷، ۹۱، ۷۰، ۶۳	ڈنلپ (ایچ ڈبلیو)	۹۵
۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۵، ۴۰۴		۴۲۸
۳۹۳، ۶۳، ۵۴، ۳۲	ڈوف الکرڈر	۱۹۲
۲۵۴، ۲۴۴، ۲۴۲	ڈوگلاس (سی آر جی)	۳۹۲، ۳۸۸
۲۵۷، ۲۵۹، ۳۵۱، ۳۵۲		۴۱۹، ۱۸۳
۱۷۲	ڈھونڈیا داگھ	۱۱۸، ۷۵
۵۸۳	ڈھونگل سنگھ (مراد آباد)	۱۷۳
۱۲۳	ڈیوڈسن	۵۷۸، ۵۷۶
۱۹۴	ڈیورینڈ کرٹل	۲۷۳
۷۶۱، ۲۴۹، ۲۴۷، ۸۵	ڈکا، اللہ دہلوی	۱۷۹
۲۱۸، ۲۱۸، ۲۱۴، ۲۰۷، ۲۰۴، ۳۲	رابرٹس	۴۳۴
۲۸۱، ۴۷۲، ۴۶۵، ۴۶۳، ۴۹۷، ۴۸۴		۱۷۶، ۱۷۵
		دعوتِ حق (جونیور)
		خیر الدین
		خیر الی خاں
		خوشحال چند
		دامودر راؤ
		داود (محمد محسن)
		درگا پرشار
		دلیپ سنگھ (فیض آباد)
		دلیپ سنگھ
		دمبر سنگھ (راجا ایٹھ)
		دوست محمد
		دولت راؤ
		دوا کر ڈکشت (بیجا پور)
		دولت رائے (شاہجہاں پور)
		دہنی سنگھ سپاہی
		دیپارائے
		دھپت رائے (سندیلہ)
		دھن جونی

۶۶۷، ۶۶۶	۳۹۸، ۱۵۱، ۹۱، ۶۵	رابرٹ سن
۶۰۲، ۶۰۰	۱۳۵	رابرٹ ٹائٹ
رحمت علی (بجنور)	۴۵۶، ۴۴۵، ۴۴۰	راجمند تیواڑی
رحیم علی ۳۹۳، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۵	۱۹۰، ۱۸۹	راحت علی (نیوریا)
۶۳۴، ۵۷۵، ۵۳۶-۳۷	۶۲۸، ۵۲۷، ۴۵۴۱	رام بخش ڈنڈیا کھیڑ
رحیم علی سنہل	۶۵۸، ۶۴۱، ۶۳۰، ۶۲۹	
۶۱۰-۱۱، ۵۸۵	۵۶۳	رام پرساد (بریلی)
رستم شاہ (اودھ)	۳۱۳، ۳۰۳، ۳۰۲	رام جی داس (دہلی)
۵۱۲، ۴۳۲، ۴۲۹	۲۴۱	رام چندر
رستم علی (چاند پور)	۵۱۹	رام چندر (الہ آباد)
۶۰۲	۶۰۲، ۶۰۰، ۵۵	رام سروپ (بجنور)
رسل (ڈبلیو) ۶۶، ۱۶۳، ۲۰۳، ۲۵۲، ۴۹۳	۹۶	رام سہائے تمنا
۶۱۹، ۶۱۲، ۵۲۸	۵۵۵، ۵۴۹، ۵۴۵، ۵۳۷	رام لال کانپور
رشید احمد گنگوہی مولانا	۶۴۴، ۶۱۱، ۵۷۲	رام نرائن (اسلام نگر)
۶۴۲، ۴۰۲، ۷۷	۱۱۳، ۱۰۲	رام نرائن پٹنہ
رضی اللہ مولوی (بدایوں)	۲۰۳، ۹۷، ۱۹۵	رانگو بابو جی (ستارا)
۵۷۲، ۵۷۰، ۶۱	۱۸۴	راؤ رنبا
رگھبر سنگھ	۵۳۳	راؤ صاحب (پانڈورنگا)
۵۱۰	۵۱۰	رتن سنگھ
رگھو جی گھوسلے (راجانا پور)	۴۳۹، ۴۱۴، ۳۹۱، ۳۸۳، ۳۸۲	رجب علی دہلی
۱۳۵	۶۵۰، ۵۹۹، ۵۱۶، ۵۰۱	۳۳۱، ۳۲۸
رگھوناتھ (بریلی)	۳۲۵، ۳۱۶، ۳۰۰، ۲۷۶	رچرڈ سن
۵۶۲-۶۳	ریڈ، ٹی، میجر	
رگھوناتھ سنگھ	۱۳۱	رحمت اللہ (ادگیر)
۴۵۴، ۴۵۶، ۴۴۵، ۴۴۰	۸۳	رحمت اللہ کیرانوی مولوی
۵۴۷، ۵۴۳، ۵۲۵		
رنجیت سنگھ		
۲۲۳، ۱۸۷، ۱۷۴، ۱۸۳		
رندھیر سنگھ چودھری بجنور ہلدور		
۶۰۵، ۶۰۲		
رندھیر سنگھ (شکراستو)		
۶۵۳، ۵۱۰		
روپ سنگھ		
۶۳۹، ۴۱۴، ۳۹۱، ۳۸۳، ۳۸۲		
روڈرکرافٹ ایچ		
۶۵۰، ۵۹۹، ۵۱۶، ۵۰۱		
ریڈ، ٹی، میجر		
۳۲۵، ۳۱۶، ۳۰۰، ۲۷۶		
ریس، ایل، ای، آر		
۱۳۱		
ریکس، سی		
۸۳		

۱۲۴	سعادت علی	۱۹۴	زمان شاہ
۵۹۵	سعد اللہ (سنجل)	۳۹۰، ۳۸۳	زور آور سنگھ
۱۳۸	سکندر بیگم (بھوپال)	۵۸۴	زین العابدین مولوی (مراد آباد)
۱۸۱، ۱۲۱	سکندر جاہ	۵۹۲، ۵۸۸	
۵۳۶، ۵۳۶-۳۷	سلامت اللہ، مولوی	۲۳۹، ۱۶۷، ۱۶۶، ۳۳	زینت محل بیگم
۱۳۰	سلیمین	۲۸۵، ۲۷۲، ۲۶۲، ۲۵۳، ۲۵۱، ۲۴۵	
۳۷۸	سلیم چشتی حضرت شاہ (فتح پور سیکری)	۳۳۲، ۳۳۰، ۳۱۰، ۲۹۸-۹۹، ۲۹۳-۹۲	
۱۸۲، ۱۸۱	سلیم مولوی	۳۵۴، ۳۳۰، ۳۳۵-۳۷	
۱۴۰، ۱۳۷، ۹۵، ۲۸	سندر لال پنڈت	۳۳۲، ۳۱۳، ۳۰۲	سالک رام (دہلی)
۱۴۹-۱۴۵-۱۴۴		۲۴۴، ۲۰۱، ۹۴	ساور کر، وی۔ ڈی
۶۵۱، ۵۳۲، ۵۳۱، ۳۸۱	شگرام سنگھ	۶۲۶، ۴۸۴، ۶۷۶، ۴۷۵	
۵۱۳، ۵۱۱، ۶۵۳، ۶۵۲		۵۹۷، ۵۹۴	سبحان علی سید (امروہہ)
۵۵	سنیل چند	۳۰۱-۲، ۲۸۸، ۲۸۱	سیدھاری سنگھ
۵۵۸-۶۲	سوبھا رام دیوان (بریلی)	۸۱	سڈنی کوٹن
۶۴۲، ۶۱۱، ۶۰۷، ۶۰۶		۲۸۳، ۱۱۳، ۱۰۱	سراج الدولہ
۵۱۱	سورج مندر مصر	۵۹۲، ۵۸۸	سراج علی مولوی (مراد آباد)
۳۳۶، ۳۳۲، ۲۵۴	سوندرس (دہلی)	۵۹۵	
۳۷۱، ۳۷۰		۵۱۰	سرب دین سنگھ
۲۶۲	سہراب ہندی	۱۷۳	سربھدرا (راجا و شاکھا چٹم)
۳۶۳، ۱۶۳، ۱۶۱	سیتا رام سپوکی	۲۸۷، ۷۷، ۴۵	سرفراز علی، مولوی
۵۷۶، ۵۷۵	سیتل سنگھ (شاہجانپور)	۵۶۹، ۵۵۶، ۵۰۳، ۴۸۲، ۳۱۸، ۲۸۵	
۶۲۷، ۴۷۱	شیش تھامس (کرٹل)	۶۵۳، ۶۱۷، ۵۸۲، ۵۷۷، ۵۷۶-۵۷۵	
۱۱۵، ۱۱۳، ۹۳، ۷۷، ۶۳	سید احمد (سر)	۶۷۰، ۶۶۲، ۶۵۴	
۵۱۶، ۳۵۹، ۲۴۶، ۱۶۶، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۳۱		۵۱۰	سرنام سنگھ

۴۹، ۴۳	شری واستو	۶۵۶، ۶۴۴، ۶۰۶، ۶۰۰، ۵۸۶، ۵۸۰
۵۳۵-۳۷	شمس الدین کانپور	۱۸۲، ۱۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۵
۳۵۳	شمس الدین نواب (دہلی)	۵۹۷، ۵۰۵
۵۶۹، ۵۶۸	شمسہ تاجدار بیگم (رامپور)	۱۸۲
۴۴۱-۴۴۰	شہاب الدین	۱۹۱
۶۶۷، ۵۹۲، ۳۷۹	شہابی انتظام اللہ	۵۲
۶۷۰، ۶۶۹		سین، ایس این ۳۰، ۴۸، ۹۵، ۲۸۹
۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹	شورس، برگ	۶۴۳، ۶۴۲، ۶۰۵، ۳۷۹، ۳۷۷، ۳۱۷
۴۰۱	شیخ محمد ثانی مولانا	۶۶۴، ۶۶۱
۳۷۴، ۹۱، ۵۵، ۳۸	شیر، جے ڈبلیو	۳۵۲، ۳۵۰
۵۲۸، ۵۳۴، ۵۳۰، ۵۲۵-۲۶		۱۶۶
۶۵۰، ۶۴۸، ۵۵۲-۵۳		شہ عالم ۵۰۳، ۲۳۹، ۱۱۹، ۱۱۸
۵۳۵، ۵۳۴، ۱۴۱، ۹۲	شیفرڈ ٹریویلیان	۵۴۶، ۵۴۵، ۵۳۷
۵۰۴	شیو غلام سنگھ (ردولی)	۶۷۲، ۵۴۷
۱۷۳	شیوالنگا (کٹور)	۵۹۲، ۵۸۹، ۵۸۸
۶۶۸، ۲۸۸، ۲۶۷	صدر الدین مفتی	شہ مل سنگھ (بجروں) ۳۹۶، ۳۹۵، ۲۳۶
۳۶۹، ۲۶۴، ۲۸۰	صد (عبدالصمد خاں)	۴۰۸، ۴۰۰
۶۳۸، ۶۰۷، ۳۷۲		شبیر علی (امروہہ) ۵۹۶، ۵۹۵
۴۰۲	ضامن علی حافظ	۵۹۲، ۵۸۹، ۵۸۶
۱۴۶، ۵۷، ۵۷	ظفر حسن عاصی امروہوی، ایام غدر	۵۹۲، ۵۸۶
۵۹۲	ظہور حسن (کاشی پور)	شرف الدولہ ۴۴۵-۴۸، ۴۴۱، ۴۲۷
۲۸۰، ۲۶۱، ۲۵۳	ظہیر الدین (مرزا مغل)	۴۸۶، ۴۸۳، ۴۸۳، ۴۷۸
۳۱۵، ۳۰۲، ۲۹۹، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۶		شری دھر ۶۷۸، ۶۷۳
۶۶۲، ۳۴۰، ۳۳۱		شریعت اللہ ۱۸۸

۱۸۴	عبداللہ شیخ	ظہیر دہلوی ۲۵۷، ۲۴۶، ۲۳۳، ۲۳۲، ۹۳
۳۳۱، ۲۶۲	عبداللہ (مرزا) بن شاہ رخ	۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۷۷-۷۹
	عبداللہادی دیکھو لال خان	۲۸۵، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۲۱، ۳۳۱
۵۳۷	عزیز (کانپور)	۳۵۵، ۵۶۷، ۵۹۸
	عظیم اللہ ۱۴۱، ۱۹۶، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۲۲	عالم علی (مولوی سید) (مراد آباد) ۵۷۸
	۲۸۲، ۵۳۳، ۵۳۶-۵۳۹، ۵۴۵، ۵۴۶	۵۸۹، ۵۸۲
۶۷۷، ۶۷۶، ۶۷۴، ۶۶۹، ۶۵۸، ۶۱۷		عادل محمد خان (بھوپال) ۱۴۸
	عظیم الدین حسین (مصنف سنبھل) ۵۹۵، ۵۹۲	عباس علی خان (مراد آباد) ۵۸۱-۵۸۶
۱۳۹	عظیم جاہ	عباس علی راجا (ٹانڈا) ۵۰۲، ۴۳۳
۳۰۵، ۲۸۷	عظیم (شاہزادہ)	۶۵۱، ۶۳۰، ۵۰۳
۵۱۲	علی بہادر (نواب پاندہ)	عباس قلی خان ۲۵۱
۶۴۴، ۶۲۸	علی خان میواتی	عباس مرزا (لکھنؤ) ۴۳۳
۶۵۲، ۵۰۰، ۱۹۱	علی کریم (مولوی)	عبد الجلیل (مولوی) [علی گڑھ] ۴۱۲
۴۷۷، ۴۴۸، ۴۱۱، ۴۰۹، ۱۳۱	علی نقی	عبد الحکیم ۱۸۵
Constantinople	عمر پاشا (کونستینوپل)	عبد الحق (گوزگاؤں) ۳۳۱
۲۰۳		عبد الرحمن (بدایوں) ۵۷۲
۵۸۸	عمر خان (مراد آباد)	عبد الرحمن (نواب) ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۲
۱۸۸، ۱۸۷	عنایت علی (مولوی)	۳۴۰، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۷۰
۵۶۳	عنایت علی بریلوی (مفتی)	عبد الرحمن (مولوی) [کانپور] ۵۳۷
۴۰۲، ۴۰۱	عنایت علی قاضی (بجنور)	عبد الصمد (جھجر) دیکھو صمد خان
۶۰۷، ۶۰۴، ۶۰۱، ۴۰۴، ۴۰۳		عبد العزیز (شاہ) ۷۵
۲۸۷، ۳۳۷	غازی (جہادی، مجاہدین)	عبد الغفور (مولوی) ۲۸۷، ۳۱۸، ۶۶۲
۵۸۱، ۵۸۰، ۵۷۳، ۴۶۱، ۴۱۲، ۴۱۱، ۴۰۶		عبد اللطیف ۴۰۹، ۲۵۱، ۴۳۶
۶۴۶، ۶۱۶، ۶۰۶		عبد اللطیف (بلند شہر) ۴۰۸

۳۵۷، ۳۵۱	۳۷۴، ۳۷۳	غلام امام شہید
۳۵۳ Fraser W. (دہلی) فریزر ولیم	۵۹۲	غلام بولن (شاہ) [مراد آباد]
Franks I.H. (آئی ایچ) فرینکس	۵۲۸	غلام حیدر (مولوی)
۵۱۴، ۵۱۲، ۴۸۲، ۴۷۴، ۴۷۲، ۴۳۵، ۴۳۲	۱۸۱	غلام رسول (کرنول)
۶۳۵، ۵۷۴، ۵۷۲ (بدایوں) فصاحت اللہ	۵۱۱-۵۱۵، ۶۲۹، ۶۳۰	غلام حسین
۶۰۶، ۵۷۵، ۵۶۳ (سید) فضل حق	۶۲۵، ۶۵۲، ۶۵۱	
۶۳۳، ۶۰۷	۳۸۵	غلام علی خاں کوتوال
۶۶۹، ۶۳۸، ۳۰۵ (مولانا) فضل حق خیر آبادی	۵۹۲، ۵۸۵	غلام قادر (مراد آباد)
۴۰۲ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (حضرت شاہ)	۳۳۲	غلام معین (رسالدار ٹونک)
۵۱۷، ۴۵۵، ۴۴۳ (سلون) فضل عظیم	۳۰۲، ۳۰۱، ۲۸۸، ۲۸۱ (دہلی)	غوث محمد خاں
۶۵۲، ۵۳۱	۴۱۲، ۶۳	غوث محمد خاں (علی گڑھ)
۲۰۳، ۲۰۲ فضل علی	۱۳۹	غوث محمد خاں (نواب)
۵۱۰ فقیر بخش	۲۶۲، ۲۵۳، ۱۶۶	فتح الملک
فلرٹن رابرٹ (Fullerton Robert)	(Forbes (M.W.) فاربس میتھشل ڈبلیو	
۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۵	۶۲۱، ۶۱۹، ۴۹۴، ۴۵۴	
۶۶۹، ۶۶۶، ۱۴۳ فنڈر پادری (آگرہ)	۳۶۲ (Forsyth) فارستھ (انبالہ)	
۳۸۳، ۳۷۹، ۳۷۸ فیروز شاہ (شہزادہ)	Forrest G.W. فارسٹ (جی ڈبلیو)	
۵۵۵، ۴۸۲، ۴۷۱، ۴۵۸، ۴۱۳، ۳۸۶	۶۶۹، ۴۷۳، ۴۶۴، ۴۶۳، ۲۱۸، ۹۳، ۹۰	
۵۹۵، ۵۹۲، ۵۸۶-۵۸۴، ۵۷۸، ۵۷۳	۵۹۲	فتح سنگھ (مراد آباد)
۶۱۷، ۶۱۶، ۶۱۱، ۶۱۰، ۶۰۷، ۶۰۶، ۶۰۰	۲۵۵، ۱۶۷، ۱۶۶	فخرو (مرزا)
۴۰-۶۳۸، ۳۳-۶۳۰، ۶۲۸، ۶۲۳-۶۱۹	۱۲۹ (Fransis P.) فرانسس (پی)	
۶۸۰، ۶۷۰، ۶۶۶، ۶۵۳	۱۹۹، ۱۸۶، ۱۸۱، ۱۲۲	فریزر
Fishar F.H. (ایف ایچ) فیشر	Fraser Simon (دہلی) فریزر سائمن	
۵۸۶، ۵۸۴، ۵۱	۲۷۶، ۲۵۹، ۲۵۷، ۲۵۴، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۱	

۲۸۱	کالے خاں توپچی (دہلی)	فیض احمد بدایونی (مولوی) ۵۷۵، ۶۱۷	۶۶۷، ۶۶۸
۱۷۶	کامیشور سنگھ		فینس Finis
	کائے (جے ڈبلیو) Kaye (J.W.)	۲۳۲، ۲۳۳	فیض اللہ
	۲۰۳، ۱۵۶، ۹۲، ۸۶، ۶۹، ۶۳، ۵۲، ۴۹	۳۳۱، ۲۶۱	قادر علی شاہ
	۵۳۵، ۵۲۹، ۴۹۲، ۳۲۲، ۲۹۰، ۲۱۸، ۲۱۱	۴۲۰، ۴۱۹	قادر علی (شاہجہاں پور)
۱۸۹	کبیر الدین (سہرام)	۵۷۶	قاسم خاں
۲۳۶	کدم سنگھ	۱۷۹	قاسم، شاہ محمد
۲۰۹	کوپر (جی)	۳۷۳، ۳۷۳	قاسم علی (الہ آباد)
۳۱	کوپر (کمشنر پٹنہ) (Cooper)	۵۱۹	قاسم نانوتوی (مولانا)
	کوچک سلطان (بن بہادر شاہ)	۴۰۲	قدرت اللہ بیگ (ابن ظفر یاب مرزا)
	۶۷۰، ۶۶۳، ۶۰۷، ۳۸۶	۳۳۰	قربان علی مولوی (دھام پور بجنور)
	کوئیل جی (G. Campbell)	۶۰۲	قطب شاہ (مولوی سید)
	۵۲۳، ۳۲۵، ۳۱۷	۵۶۵، ۵۶۲	۶۴۶، ۶۱۰، ۶۰۶
	کیمپبل کولن (کمانڈر ان چیف) Colin		قمر علی، سید (مراد آباد)
	Campbel ۴۶۰، ۴۵۹، ۳۸۷	۵۸۸	قمر علی مولوی (مراد آباد)
	۴۶۹، ۴۶۸، ۴۶۶، ۴۶۴، ۴۶۳، ۴۶۲	۵۸۹	قنوجی لال
	۴۸۰، ۴۷۸، ۴۷۶، ۴۷۶، ۴۷۳، ۴۷۱	۴۶۰، ۴۴۴	قوٹش، مرزا
	۴۳۱، ۴۲۰-۶۱۵، ۵۵۲، ۵۵۰، ۴۹۲، ۴۸۱	۲۵۳	کارنوالس (Cornwalis)
	۶۳۱، ۶۲۸-۶۳۶	۱۵۵	کاظم علی (میر)
۲۱۰	کشن دت (راجا)	۶۱۳، ۴۹۰، ۴۳۵، ۴۱۱	کالکا بخش
	کشن کشور (راجا گوپال پور)	۶۵۳، ۶۳۱، ۴۳۶	کالکا پرشاد
	۵۰۰	۵۷۶، ۵۷۵	کالوین (لیفٹنٹ گورنر آگرہ) Colvin
	۶۵۱، ۵۰۳		۳۷۹، ۳۷۶، ۳۶۷، ۳۶۴، ۳۵۶، ۳۳۶
۵۱۷	کشن نزین (جونپور)		
۳۸۱	کرامت علی		

۵۳۵، ۵۲۵، ۴۹۵، ۴۹۴، ۴۷۲	۵۱۷	کرامت علی (مولوی)
۵۰۷، ۴۹۶، ۹۲ Gubbins کبنز	۳۷۴	کریم اللہ (مولوی)
۶۲۹ گجادر سنگھ	۵۹۱	کریم بخش (سنجل)
۹۲ Groom W.T. گروم ڈبلیو ٹی	۳۶۰	کریم بخش (میگزین دہلی)
، ۲۳۵، ۹۲ (Greathed) گریتھڈ	۵۷۸	کفایت علی مراد آبادی (مولوی)
، ۳۷۹، ۳۱۱، ۳۰۰، ۲۹۴، ۲۹۲، ۲۷۴، ۲۴۶	۵۸۸، ۵۸۶، ۵۸۲	
۴۰۸، ۴۰۷، ۳۹۲، ۳۸۲، ۳۸۱	۲۸۳، ۱۰۸، ۱۰۲، ۱۰۱	کلانیو (لارڈ)
، ۶۲۸، ۴۳۴ گلاب سنگھ (آف بروا)	۵۶۶، ۵۶۱	گلن خاں
۶۵۸، ۶۵۲، ۶۴۰، ۶۳۳، ۶۳۲	۶۷۹، ۶۷۸، ۶۷۳	کلیان جی
۲۰۳ گلاب سنگھ (راجا کشمیر)	۹۶	کمال الدین
، ۵۶۷، ۵۰۱، ۴۰۹ گلزار علی (امروہہ)	۲۱۲، ۱۷۶	کندر پشور سنگھ
۵۹۹، ۵۹۸، ۵۹۵، ۵۹۳، ۵۹۰	، ۵۰۰، ۴۶۹، ۱۹۱، ۴۰، ۳۴	کنور سنگھ
۶۲۸ گنڈا سنگھ	۵۳۲، ۵۱۳، ۵۱۱، ۵۱۰، ۵۰۸، ۵۰۷، ۵۰۲	
۱۳۶ گنگا دھر راؤ	۵۲۰، ۱۱۴، ۹۴	کنہیا لال
، ۳۸۹، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸ گنگا سنگھ	۵۹۲	کھیم سنگھ
۴۱۵، ۳۹۳	Keith (Young) کیتھ (نیگ)	
۱۸۹ گنگا ناراین	، ۲۹۸، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۴۶، ۲۱۶، ۹۲، ۷۱	
، ۴۳۷، ۴۳۱، ۶۲ (رام نگر) گول بخش سنگھ	۳۶۷، ۳۱۱، ۳۰۸، ۳۰۶	
۴۷۴، ۴۴۵	۱۷۲	کیرلا ورما (کوٹایام)
۳۵۶ گھاسی رام (دہلی)	۶۷۸	کیشو لال
۴۶ گھنشیام سنگھ	Kennedy کنیدی (ریورنڈ)	
۵۷۵ گھنشیام سنگھ (شاجبھاں پور)	۱۵۲، ۱۴۵، ۵۴	
گھوش (ایس ایم) سکریشری فریدم ہسٹری	، ۸۵، ۶۸، ۶۷ (Canning) کیننگ	
۴۹ بورڈ	، ۳۶۷، ۳۴۳، ۲۸۴، ۲۰۰، ۱۵۰، ۱۴۹، ۹۰	

۶۵۱، ۵۱۵، ۴۸۵	لوگارد Lugard	۳۳۲	گوپال سنگھ کنور (دہلی)
، ۶۱۷، ۴۹۱، ۴۳۵	لونی سنگھ (مستھولی)	۱۷۵	گودادھر سنگھ
۶۵۸، ۶۳۸، ۶۳۳		(Gordon	گورڈن الگورڈر
، ۴۸۲، ۲۰۲، ۱۸۳، ۴۰	لیاقت علی (مولوی)	۴۹۴، ۴۷۰، ۴۶۴، ۳۸۷	Alexandor)
، ۵۴۵، ۵۲۸، ۵۲۷، ۵۲۳-۵۱۹، ۵۰۵		۵۹۶، ۵۹۴	گورسہائے (امروہہ)
۶۷۰، ۶۶۵، ۶۶۴، ۶۵۲، ۶۱۸، ۶۱۷		۱۷۵	گودھڑ کواری
۱۱۹، ۱۱۸	لیک جیرارڈ Lake Gerard	۶۴۶، ۶۹	گودن کپتان
۴۷۰، ۴۶۴	مائیکل ایف Mitchell, F.	Gowan Cape	گودن کیپ (بریلی)
، ۴۷۹، ۴۴	ماجندی Majendie	۵۶۵	
۴۹۳، ۴۸۶، ۴۸۱		۱۳۸	گوندراؤ ناتا، بالا (آف جالون)
، ۴۵۵، ۴۳۲، ۴۳۱	مادھو پرشاد (بہار)	۳۳۲	گینڈا مل (دہلی)
۵۱۵، ۵۰۸، ۵۰۷		Lawrence Henry	لارنس ہنری
۶۵۳	مادھو سنگھ	، ۴۳۳، ۴۲۳، ۲۶۶، ۲۲۳، ۲۰۷، ۱۵۰، ۱۳۰	
۲۱۰	مارٹن منٹگمری Martin Mintgumri	۴۹۶، ۴۴۴، ۴۴۰-۴۳۸	
Martineau Capt.	مارٹینو (کیپٹن)	۱۸۳، ۱۸۲	لال خاں (عبدالہادی)
۳۶۲، ۳۵۹		۳۸۱، ۳۷۸	لال خاں میواتی (آگرہ)
Marshman	مارش مین	، ۶۴۳، ۴۴۵	لال مدھو سنگھ (کالا کنکر)
۴۹۲، ۴۵۹، ۴۲۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۴۲، ۱۲۷		۶۵۸، ۶۳۶، ۶۳۳، ۶۳۰، ۶۲۹	
، ۵۹۵، ۴۰۴	ماڑے خاں (بجنور)	۵۷۲	پچھمن سنگھ (بدایوں)
۶۴۴، ۶۰۷، ۶۰۴		۳۸۲	پچھمن سنگھ گوجر
۴۸۶	مان سنگھ (دہلی)	۶۴۸، ۶۳۲، ۶۳۰، ۶۲۳	لکڑ شاہ (لیج آباد)
۱۹۳	مان سنگھ (راجا، جودھپور)	۱۹۳	لکشمین راؤ (اے گڑھ)
، ۴۳۱-۴۲۹، ۱۵۰	مان سنگھ (شاہ گنج)	۵۳۲، ۵۱۰	لکشمین سنگھ
، ۴۹۶، ۴۸۸، ۴۵۸، ۴۵۴، ۴۴۵، ۴۳۳		۳۷۸	لکشمی چند سیٹھ (مٹھرا)

۶۱۸، ۹۵، ۳۹، ۳۸	محمد ار	۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۸، ۶۲۹، ۶۳۱، ۶۴۹	
۱۸۷	مجنوں شاہ	۶۵۸	
۵۸۶-۵۸۱	مجنو خاں (مراد آباد)	۴۳، ۴۱، ۳۳، ۳۲ Malleson	
مجید الدین (نواب، مراد آباد) دیکھو جھو خاں		۲۱۴، ۲۰۹، ۲۰۵، ۲۰۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۹۳، ۹۰	
محبوب علی (دہلی) ۲۶۱، ۲۵۸، ۲۵۵		۴۳۲، ۳۲۹، ۳۲۵، ۳۲۴، ۲۵۶، ۲۳۵	
۳۱۳، ۲۸۷، ۲۷۰، ۲۶۸		۵۰۹، ۴۹۰، ۴۸۵، ۴۶۷، ۴۶۵، ۴۵۶	
۴۰۴، ۴۰۲، ۴۰۱	محبوب علی (قاضی)	۶۲۷، ۶۲۶، ۶۱۹، ۵۸۰	
۵۸۸	محبوب علی (مولوی) مراد آبادی	۱۷۹، ۷۹	مبارز الدولہ (گوہر علی)
۲۴۲	محبوب علی (مولوی میر) دہلی	۲۰۲، ۱۸۵، ۱۸۰	
۶۶۸	محراب شاہ	۵۵۸	مبارک شاہ خاں (بریلی)
۶۳۳، ۶۳۲، ۶۲۲، ۴۸۴	محمد (مولوی)	۵۷۲، ۵۶۰-۶۱	
۶۷۲	محمد اسحاق (شاجہاں پور)	۲۹۶، ۲۸۷، ۲۶۱، ۸۹	مبارک شاہ کوتوال
محمد امین شاہ سید غازی (امروہہ)		۹۳	متر، کے
۵۹۷، ۹۵، ۸۰		۶۰۵	متھرا داس لالہ، (بجنور)
۳۶۱، ۳۴۴	محمد باقر	۸۳ Metcalf, T.R.	مٹکاف، ٹی. آر
۴۲۹، ۶۲	محمد حسن میر (گورکھپور)	مٹکاف، تھیوفیلس جون چارلس، جوائنٹ	
۵۱۵، ۵۰۴، ۴۹۸، ۴۸۴، ۴۷۲، ۴۳۱		مجمسٹریٹ (دہلی)	
۶۴۲-۴۴، ۶۳۲، ۶۳۱، ۶۲۹، ۶۲۳		Metcalf Theophilus John	
۶۵۰-۵۳		Charles, Joint Magistrate (Delhi)	
۵۹۱	محمد حسین شیخ (امروہہ)	۳۵۷، ۳۵۶، ۲۷۶، ۲۶۸، ۲۱۴، ۲۰۰	
۷۳-۷۱	محمد سعید	۵۳۴، ۳۶۵، ۳۶۴	
۳۶۶	محمد شاہ (راجا)	Metcalf, ٹومس، تھیوفیلس	
۵۵۷-۶۱، ۲۸۷	محمد شفیع (رسالدار)	۳۵۶، ۱۱۸ Tomas Theophilus	
۵۹۶	محمد علی (مولانا)	(دیکھو غازی)	مجاہدین، جہادی

۶۵۲، ۵۱۰-۱۵	۱۸۵	محمد علی (مولوی)
۲۱۱ مظفر حسین (آغا مرزا)	۱۹۵	محمد عوض (مفتی)
۵۹۶، ۴۰۷ مظفر علی (امروہہ)	۲۸، ۲۷	محمد میاں
۴۱۳ مظفر علی مولوی (علی گڑھ)	۴۰۴، ۷۱	محمود خاں (نواب)
۵۷۷، ۵۷۵، ۴۶ مظہر کریم (مولوی)	۶۶۶-۶۶۵، ۶۱۰، ۶۰۵-۶۰۱	
۵۹۰ معصوم علی (امروہہ)	۴۴۹، ۴۰۰	محمود خاں کوتوال
۵۶۳ معصوم علی (بریلی)		محمد ولس خاں (امروہہ)
۲۱۳، ۱۲۹، ۱۲۸، ۹۳ معین الدین	۵۹۲ Mohammad Wais Khan	
۴۴۱، ۳۶۶، ۳۰۹، ۲۸۷، ۲۶۱، ۲۳۶	۶۴۳، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۱۰	مخدوم بخش
۶۷۰، ۶۶۴، ۴۸۹، ۴۸۸، ۴۸۷	۶۵۳، ۶۵۲	
۱۱۲، ۱۰۹ مگر جی آر کے	۶۳۳، ۵۶۱-۵۵۸	مدار علی (بریلی)
ملکند لال (دہلی) سکریٹری بہادر شاہ	۹۰	مدد علی
Mukandlal Sec. to Bahadur	۵۳۶، ۵۳۵	مدد علی (باندہ، کانپور)
۴۴۲، ۴۴۰، ۹۴ Shah	۲۴۲	مدن گوپال (دہلی)
ملکھ پادھیائی ایس سی	۷۶	مدنی (مولانا حسین احمد)
۹۳ (Mukhopadhyay S.C.)	۳۸۲	مراد علی (آگرہ)
۴۴۸-۴۴۵، ۴۴۱، ۴۰۰ تمو خاں	۳۶۱، ۳۴۳	مرزا مراد
۶۳۰، ۶۱۵، ۴۸۹، ۴۸۴، ۴۸۲، ۴۶۷		مرزا مغل (دیکھو ظہیر الدین)
۶۶۳، ۶۵۸، ۶۵۴، ۶۴۶	۲۱۲	مسح الزماں
۱۸۸، ۱۵۹، ۱۹۹ منٹو	۴۶۱	مسح الزماں (مولوی) اودھ
۴۵۵، ۴۴۳ منصب علی (چودھری)	۵۶۴، ۵۶۲، ۵۶۰	مشرا (بیج ناتھ)
۶۳۲، ۶۲۹، ۵۵۵، ۵۴۷، ۴۷۴، ۴۷۳	۲۸۱	مشرا بھاگیرتھ (آف نیچہ)
۲۲۱-۲۱۹ منگل پانڈے	۴۹۹	مشرف خاں
۵۸۰، ۵۷۸ متو (مولوی دہاج الدین مراد آبادی)	۵۰۷، ۵۰۴	مظفر جہاں (جونپور)

۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۳-۱۰۱	میر جعفر	۶۰۲	منیر خاں (بجنور)
۱۲۱	میر عالم	۱۷۶، ۴۱	منی رام دت
Mc Carthy	میک کارتی جسٹن	۶۶۶، ۴۵	منیر شکوہ آبادی
۱۵۸، ۵۳	Juston	۵۹۲، ۵۸۸	منیر علی (مولوی) مراد آباد
۲۳۴	Mc. Kenzie		مود نارائین (ٹکری)
۶۵۲، ۶۵۱	میگھر سنگھ	۱۹۱	Mod Narayan (Tikari)
۱۹۷، ۱۸۸، ۱۰۶-۱۰۳	میر قاسم	۵۶۳	مول چند (بریلی)
۵۸۳، ۳۸۰	Muir, W		مول راج (ملتان)
۱۹۳	نادر خاں (راولپنڈی)	۱۹۲	Moolraj (of Multan)
۵۵۱، ۴۷۲، ۴۰	نادر علی (فرخ آباد)	۱۱۹، ۱۱۸	مہادی جی سندھیا
۲۰۳، ۱۹۶، ۱۴۱، ۹۱، ۴۰، ۳۸	نانا صاحب	۵۲۷	مہاراج سنگھ
۲۰۴، ۲۰۷، ۲۱۵، ۲۴۰، ۲۸۵، ۳۳۴		۵۱۲	مہتاب رائے
۳۳۸، ۳۸۸، ۴۱۴، ۴۲۲، ۴۳۱، ۴۴۶		۴۴۳، ۴۳۶، ۴۳۵	مہدی حسن (اودھ)
۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۷۰		۴۶۰، ۴۷۳، ۴۷۴، ۵۰۲، ۵۱۱	۴۵۵
۴۷۲، ۴۸۲، ۴۹۰، ۵۰۳، ۵۲۰، ۵۲۵-۲۷		۵۳۰، ۵۳۱، ۵۹۹، ۶۲، ۶۲۹، ۶۳۱	
۵۳۱، ۵۳۳-۵۵، ۵۷۸، ۶۰۷، ۶۱۰		۶۳۳، ۶۳۷، ۶۴۱، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۸	
۶۱۱، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۳، ۶۲۸، ۶۳۰		۳۰۴	مہدی حسن (ڈاکٹر)
۶۳۷-۴۱، ۶۵۳-۵۸، ۶۶۰، ۶۶۲		۹۰	مہدی علی
۶۷۱-۸۰		۵۹۶، ۵۹۰، ۴۰۷	مہربان علی (امروہہ)
۱۳۶ Nana Fernawis	نانا فرناویس	Mehr Singh (of	مہر سنگھ (شاملی)
Naneh Nawab	نتھے نواب کانپور	۴۰۴، ۴۰۲	Shamli)
۵۵۳، ۵۳۷	(Kanpur)	۳۹۱	مہندر سنگھ (سکرولی)
۲۴۷، ۱۹۹	Nily, Mirza	۵۱۷	مہی پال (جونپور)
۳۵۹، ۳۵۸	نبی بخش، نواب	۱۲۱	مہی پت رام

نہر سنگھ (راجا بٹھہ گڑھ) ۳۱۲، ۳۱۱، ۲۷۰	۵۹۰	نجم علی شیخ (امروہہ)
۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۵۴، ۳۰۶	۱۰۶	نجم الدولہ
نہال سنگھ (ایٹا) Nihal Singh	۹۶	نجم الغنی
۲۸۸ (Etah)		نرپت سنگھ (رویہ) Narpat Singh
نیاز احمد، مولوی (بدایوں) ۵۷۴، ۵۷۱		(Ruiya) ۴۹۸، ۴۹۷، ۴۶۹، ۴۵۷
نیاز محمد خان، جنرل ۴۷۲، ۳۸۸، ۳۸۶		۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۳، ۴۸-۶۳۰، ۶۳۰-۶۳۵
۶۳۶، ۶۰۷، ۵۶۱، ۵۶۰		۶۵۷-۵۸
نیاز علی (شاہجہاں پور) ۵۷۶		نرسم دتاتریا Narsim Datatrya
نیاز علی، مولوی (پٹنہ) ۱۹۱		۱۷۷، ۱۷۶
نیاز علی صوبیدار (آگرہ) ۳۷۷		نرنجن سنگھ Narinjan Singh
نیمپر چارلس Napier Charles		۶۳۹، ۳۹۱، ۳۸۸، ۳۸۳، ۳۸۲
۲۰۰، ۱۶۲، ۲۶۵، ۱۴۲		نسیم اللہ (علی گڑھ) ۶۳۹، ۴۱۳، ۴۱۲
نیل Neill ۵۱۷، ۵۰۷، ۴۵۹، ۸۹		نظام علی خان ۵۷۶، ۵۷۵، ۴۶
۵۵۰، ۵۴۹، ۵۴۳، ۵۲۸، ۵۲۲		۶۳۳، ۶۲۸، ۶۱۷، ۵۷۸
واجد علی شاہ ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۲۸، ۹۶		نظامی، خلیق احمد ۹۴، ۸۰، ۷۶، ۶۷
۳۳-۱۳۱، ۱۳۰، ۲۰۹، ۲۱۱، ۴۱۷، ۴۱۸		۵۹۷، ۳۰۹، ۲۳۶
۶۷۰، ۴۸۴، ۴۶۶، ۴۶۲، ۴۲۷، ۴۱۹		نظامی، خواجہ حسن ۳۳۱، ۳۱۶، ۲۹۱، ۲۳۶، ۹۴
وارث علی ۴۰		نعمت اللہ (مولوی) مراد آباد ۵۸۸، ۵۸۷
وال پول Walpole ۴۷۱، ۳۸۷		نعمت اشرف (الہ آباد) ۵۱۹
۶۱۶، ۴۶۷		نکلسن جون (دہلی) Nicholson
والا جاہ محمد علی Waala Jah		John Brig ۳۱۹، ۳۱۷، ۳۰۱، ۳۰۰
۱۳۹ Mohammad Ali		۳۲۵، ۳۲۰
وزیر خاں ڈاکٹر ۵۷۳، ۴۲۱، ۳۳۶		نواب علی (راجا محمود آباد) ۶۳۵، ۶۲
۶۶۸، ۶۶۶، ۶۱۷		۴۸۸، ۴۵۶، ۴۴۵

۵۵۱، ۴۶۹، ۴۶۰ C.A., Maj. Gen.	۱۸۲	وزیر الدولہ
Venkatappa Naik ونکاتپا نائیک	۱۹۴	وزیر علی
۵۹	۵۳۷	وسیع الدین (کانپور)
وہاج الدین مراد آبادی (مولوی)	۶۱۴، ۶۷۱، ۶۴۱، ۶۳۴	وکتوریا
۵۸۰، ۵۷۸	۶۵۲، ۵۲۷	ولایت حسین (الہ آباد)
Wheeler، ویلر ہیوج میجر جنرل	۶۵۲	ولایت حسین (باندہ)
Hugh، Maj. Gen.	۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۵، ۱۸۱	ولایت علی
۵۳۸-۴۲، ۵۳۵-۳۶	۱۲۶، ۱۲۲	ولسلی Wellesley
۴۱۱	Watson	ولسن آرک ڈیل (دہلی) Archdale
۱۸۶	Veerappe	ویلن Wilson
(Veera	ویرا (راجا کورگ)	ولسن جے. سی. Wilson J.C. ۳۱-۳۰
۱۷۲	(Raja Coorg)	۵۷۹، ۵۶۸، ۵۵۷، ۳۷۴، ۲۳۷، ۲۰۷
Willoughby، ویلوگی، جی لیفٹیننٹ	۶۰۷، ۶۰۵، ۶۰۲، ۶۰۰، ۵۸۱	
۳۹۹، ۲۶۴-۶۵	G. Lt	ولی اللہ شاہ
Hardy (P)	ہارڈی (پی)	ولی داد خاں، نواب
۸۵، ۸۴، ۷۳، ۶۷		۳۰۶، ۲۵۳، ۱۵۰
۴۳۲	Hutchinson	۴۱۲، ۴۰۵-۹، ۳۸۸، ۳۸۶، ۳۸۱، ۳۷۴
۱۹۱	ہدایت علی (صدر امین ترہٹ)	۵۹۴، ۵۹۰، ۵۸۹، ۵۸۳، ۵۷۳، ۴۷۱
Hudson	ہڈسن (ڈبلیو، ایس. آر)	۶۴۹، ۶۳۳، ۶۲۱، ۶۱۹، ۶۰۷، ۶۰۶
۳۳۹، ۳۳۲-۳۲۹، ۲۹۹	W.S.R.	ولنگٹن Wellington
۶۷۹، ۴۸۱، ۳۵۵		۱۵۶، ۱۳۲
۴۸۴، ۴۴۳، ۴۳۴	ہرپر شاد (خیر آباد)	ویلوتامپی (تراونکور) Velotampy
۶۲۸، ۶۲۳، ۶۳۲، ۶۳۰، ۶۲۳، ۶۲۲		۱۷۳
۶۵۸		ولیم، ایف. William, F. ۵۵، ۳۱
		۴۰۵، ۳۹۴، ۲۳۵، ۶۵
		ونڈہم، سی. اے. میجر جنرل Windham

۶۲۶، ۵۳۴، ۴۹۵	ہردت سنگھ (بہرائی)	۶۴۱، ۴۹۵، ۴۵۶
۱۵۵ Heber (Bishop) ہیر بشپ	ہردت سہائے (چوردا)	۴۸۴، ۴۵۶
۲۲۰ Hearsey Gen. (جنرل) ہیر سے		۶۵۸، ۴۸۸
۳۰۶ ہیرا سنگھ (برگیڈیر، نیچ)	ہرکشن سنگھ	۵۰۰
۵۸۷ ہیرا سنگھ (مراد آباد)	ہنٹر (ڈبلیو ڈبلیو) Hunter W.W.	
۴۴۲ ہیرالال (دہلی)		۷۹، ۷۸
۳۶۰، ۲۴۰ Hariot (جی) ہیریٹ	ہندوراؤ	۷۵
۱۲۵، ۱۲۳، ۱۰۸ Hastings ہسٹنگز	ہملٹن ڈی	۱۵۷
۴۱۷، ۱۲۶	ہنومان سنگھ	۶۵۲
۶۴ ہیل (Hail)	ہنومت سنگھ (کالا نگر)	۴۲۹، ۱۵۰
Hugh Rose (H) ہیوروز (ایچ)		۶۲۸، ۶۲۳، ۴۹۶، ۴۷۴، ۴۵۴، ۴۳۲
۶۳۹، ۹۰		۶۵۲، ۶۴۱
۲۳۲، ۲۲۸ Hugh Gough ہیوگف	ہوپ (گرانٹ) Hope Grant	
۴۴۹، ۴۴۱، ۶۹ Havlock ہیولاک		۴۶۲، ۴۹۰، ۴۲۵، ۴۸۲، ۴۷۵
۴۹۶، ۴۵۹، ۴۵۸، ۴۵۴، ۴۵۳، ۴۵۰		۵۰۸، ۴۹۰، ۴۸۱، ۴۸۰، ۴۷۳-۴۷۰
۵۵۵، ۵۵۰-۵۴۷، ۵۴۴، ۵۴۳، ۵۴۵		۶۲۸، ۶۲۷، ۶۳۱، ۶۱۵، ۵۷۲، ۵۵۳
ہیوم (الان اوکٹیوین)		۶۷۲
۴۱۲، ۴۹۰، ۴۸۲ Hume (Allan Q.)	ہورستت انگریسی Hortestet Inglisi	
۲۲۲، ۷۳ Yadaw K.C. یادو کے سی		۴۱۵، ۴۱۳، ۴۱۱، ۱۶۸، ۱۴۶، ۱۱۳، ۹۱، ۵۶
۱۳۵ یسٹنٹ راؤ (ٹاگپور)		۵۴۵-۵۳۹، ۵۳۴، ۴۶۹
۶۷۸، ۶۷۳ یقین شاہ	ہولاس سنگھ	۵۴۶، ۵۴۳، ۵۴۷، ۵۴۷
۵۶۸، ۵۶۷ یوسف علی نواب (رامپور)	ہولاس سنگھ (کانپور)	۵۴۳، ۵۴۷
۶۰۰، ۵۹۹، ۵۹۷، ۵۸۵	ہومز (رائس) Homes Rice	
۶۱۱، ۶۰۶		۴۷۷، ۴۸۴، ۱۵۵، ۹۳، ۵۲، ۳۰

مقامات

۶۵۰، ۶۳۶، ۶۰۲، ۵۵۷، ۵۴۹، ۵۴۳	۱۴۴	آرہ Aara
۶۶۵، ۶۶۴، ۶۵۲	۱۷۳	آرکٹ
الہ آباد، باغی لیڈر اور مقامات	۲۱۲، ۱۷۳-۷۵، ۱۷۱	آسام
Allahabad Rebel Leaders & Places	۱۴۳، ۱۱۹، ۹۷، ۹۶	آگرہ Agra
۵۲۸-۳۱، ۵۱۹-۲۲	۲۷۰، ۲۵۹، ۲۰۵، ۲۰۴، ۱۹۵، ۱۶۴، ۱۵۹	
Alwar اور	۳۹۰، ۳۸۳، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۶۷، ۲۹۰	
۳۱۵، ۳۰۵، ۲۸۱، ۲۶۷	۴۱۳، ۴۱۵، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۴۰	
Ambala امبالہ	۶۳۹، ۴۷۰، ۴۶۹، ۴۱۶، ۴۱۵، ۴۱۳	
۲۱۶، ۲۱۰، ۱۳۹، ۸۳	۶۶۶-۶۹، ۶۵۰	
۵۵۷، ۳۶۲، ۳۵۶، ۲۹۱، ۲۷۱، ۲۲۲	۴۰۸، ۳۸۲	آگرہ، باغی لیڈر
امورہا (گورکھپور)	Anwla (Bareilly) آنولا (بریلی)	
۵۰۰-۴، ۴۹۹، ۶۲	۵۶۶-۶۷	
۶۵۰، ۶۳۱، ۵۹۹، ۵۱۶	۳۸۹، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۷۳	اٹاوہ
امروہہ (یوپی) Amroha (U.P.)	۵۰۴، ۴۷۰، ۴۶۷، ۴۱۴، ۴۱۱، ۳۹۱، ۳۹۰	
۵۰۰، ۴۰۹، ۴۰۷، ۲۸۵، ۹۵، ۷۷، ۶۳	۶۵۰، ۶۳۹، ۶۳۸	
۵۶۱، ۵۶۷، ۵۸۶، ۵۸۹، ۵۹۰	اجیت مل (اٹاوہ) Ajitmal (Itawa)	
۶۴۹، ۶۱۰، ۵۹۲-۹۹	۶۳۹، ۴۱۴، ۳۹۱، ۳۸۳، ۶۴	
امیٹھی	اڑیسہ ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۵۴، ۱۴۵، ۱۰۱، ۳۹، ۳۶	
۶۵۸، ۶۳۶، ۶۳۳، ۶۳۰، ۶۲۹	اسلام نگر (بدایوں) ۶۴۴، ۵۷۵، ۵۷۲	
اٹاؤ	اعظم گڑھ ۴۵۵، ۴۳۱، ۱۶۴، ۶۳	
۴۹۶، ۴۷۲، ۴۵۳، ۴۵۲، ۴۴۹	۵۱۱، ۵۰۶-۰۸، ۵۰۲، ۴۹۹، ۴۹۸، ۴۶۰	
۶۳۲-۳۳، ۶۱۵، ۵۴۹	۶۳۶، ۶۳۴، ۵۱۶، ۵۱۵، ۵۱۳	
اندور	الہ آباد ۱۹۲، ۱۲۴، ۱۲۰، ۱۱۸، ۹۷، ۶۵	
۳۷۹، ۱۸۲، ۱۳۸، ۹۰، ۳۷	۴۵۵، ۴۵۴، ۴۱۸، ۳۳۵، ۲۷۷، ۲۰۲	
۵۵۴، ۴۶۹، ۴۵۵	۵۲۰، ۵۱۸، ۵۱۴، ۵۰۶، ۵۰۴	
انڈمان	۵۴۵، ۵۳۸-۴۱، ۵۳۵، ۵۲۳-۳۲	
انگلینڈ		
(دیکھو لندن)		
۵۹۸، ۴۰۹		
انوپ شہر		
Oudh, Rebel اور دہ، باغی تعلقہ دار		
۴۳۳، ۴۳۲ Taluqadars		
۴۹۴-۹۸، ۴۴۵، ۴۳۷، ۴۳۶		

۶۳۷، ۴۴۲	بتولی (بارہ بنگی)	۹۵، ۷۴، ۶۴، ۶۴، ۶۲، ۴۲، ۳۴	اودھ
۵۵۶، ۴۰۲، ۹۴، ۷۱، ۵۵، ۳۹	بجنور	۲۰۲، ۲۰۱، ۱۹۳، ۱۵۰، ۱۴۰، ۱۳۳-۱۳۴	
۶۶۵، ۶۱۰، ۶۰۰-۰۷، ۵۹۵، ۵۷۰		۳۸۷، ۳۸۵، ۳۲۳، ۳۲۱، ۳۱۳، ۳۱۱، ۲۰۹	
۴۷۲، ۱۶۳، ۱۵۱، ۹۶، ۶۹، ۵۲	بدایوں	۵۰۶، ۵۰۵، ۵۰۲، ۴۱۷-۹۸، ۳۹۰	
۵۱۶، ۵۵۶، ۶۳-۶۴، ۵۶۳، ۷۵-۷۶		۵۴۹، ۵۳۰، ۵۲۵-۲۷، ۵۱۴، ۵۱۱، ۵۰۸	
۶۴۵، ۶۱۱، ۶۰۷		۵۵۲، ۵۷۷، ۱۵-۶۱۴، ۶۱۷، ۳۱-۶۲۳	
۵۷۳-۷۵، ۵۷۲، ۵۷۱	بدایوں، باغی لیڈر	۶۷۵، ۶۶۵، ۶۴۲، ۶۳۶	
۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۱۳۶	بھرت پور	۱۸۷	اودھے پور Udaipur
۱۷۲	بردوان	۱۸۶	اورنگ آباد
۱۸۷، ۱۷۴، ۱۶۲، ۱۴۲، ۱۳۶	برما	۳۷۳، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۱	ایٹا، ایٹ
۶۴۲، ۳۳۹، ۱۹۷		۶۳۹، ۴۱۷	
۲۱۹	برہم پور	۳۹۴-۹۳	ایٹا (باغی لیڈر)
۱۹۵، ۱۶۲، ۹۴، ۷۰، ۴۵، ۳۶	بریلی	۵۲۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۲۰۰	ایران
۴۷۲، ۴۰۷، ۴۰۰، ۳۱۹، ۳۱۵، ۳۰۷		Badli ki (دہلی)	بادلی کی سرائے
۵۷۳، ۵۵۶-۷۰، ۵۵۳، ۵۲۵، ۴۸۸		۲۵۱، ۲۸۰، ۲۷۵	Sarai (Delhi)
۶۰۰، ۵۹۸، ۵۸۸، ۵۸۰، ۵۷۸، ۵۷۶		۱۸۹	بارانھوم
۶۱۶، ۶۱۱، ۶۱۰، ۶۰۷، ۶۰۶، ۶۰۵		۲۲۸، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۱	بارک پور
۶۶۷، ۶۶۱، ۶۴۶-۴۸، ۶۴۴، ۶۱۸-۲۰		۶۳۳، ۶۱۴، ۴۸۹، ۴۸۸	بارہ بنگی
۵۹۹، ۵۰۴، ۴۹۹	بستی (گورکھپور)	۶۲۳، ۳۱۶، ۶۱۳، ۴۹۰	باری (سیتاپور)
۴۹۱، ۴۸۴	Biswa بسوا	۳۹۵-۹۷	باغیت
۱۷۷	بٹاری	۱۷۰	بان پور
۳۶۳، ۳۱۱، ۳۰۶، ۲۷۰	بٹب گڑھ	۵۱۴، ۵۰۴، ۴۶۱، ۱۸۳، ۹۷، ۶۵	بانہ
۳۵۴، ۳۱۴، ۶۶۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۶		۶۵۲، ۵۳۲، ۵۲۶	
۱۳۹، ۳۶۷		۶۲۲، ۴۴۳	بانگرمو
۱۷۷	بگام	۵۳۳، ۴۷۰، ۱۴۱	بٹھور Bithoor
۶۲۹، ۶۱۸، ۴۷۸، ۴۷۴	بگرام	۵۵۵، ۵۴۸-۵۰	

۶۵۰، ۴۳۳	بھنگا، راجہ	۶۵۰، ۶۴۲، ۶۰۶، ۴۰۵-۹، ۳۶۸	بلند شہر
۱۸۴، ۱۸۳، ۱۴۹، ۱۴۸، ۸۰، ۳۷	بھوپال	۴۰۹، ۴۰۸	بلند شہر، باغی لیڈر
۴۵۶، ۴۴۳	بیسواڑہ	۱۸۱، ۱۶۱، ۱۴۱، ۹۶، ۷۰، ۴۰	بمبئی
۳۱۶، ۳۱۵، ۲۶۷	بیکانیر	۶۶۴، ۶۴۶، ۲۸۴، ۱۸۴، ۱۸۲	
۶۳۱، ۵۹۹، ۵۰۲-۰۴	بیلوا	۱۴۴، ۱۳۵، ۱۲۵، ۱۲۴، ۵۸، ۳۷	بنارس
۱۷۲، ۶۵	پالامو	۵۱۱، ۵۰۶-۵۱۰، ۵۰۴، ۴۱۸، ۲۱۱، ۱۸۷	
۱۰۴، ۸۳، ۸۲، ۷۹، ۷۸، ۵۸	پٹنہ	۵۱۴، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۲۴، ۵۳۲، ۵۴۱	
۱۱۳، ۱۱۴، ۱۵۴، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۷		۶۵۱، ۶۵۰، ۶۳۹	
۲۰۶، ۲۰۵		۵۱۰، ۵۰۹	بنارس، باغی لیڈر
۳۷۲، ۳۷۱، ۳۶۸، ۳۶۳	پٹودی	۱۳۸، ۱۳۷، ۱۲۰، ۵۲، ۳۵	بندیل کھنڈ
۶۷۹، ۳۷۱، ۳۶۶، ۲۸۶، ۲۷۱، ۱۸۳	پٹیالہ	۵۵۳، ۵۴۳، ۴۱۴، ۱۹۳	
۲۱۴، ۲۰۷، ۲۰۶	پشاور	۵۰۳، ۵۰۲	بنسی (گورکھپور)
۱۱۳، ۱۰۳، ۱۰۱	پلاسی Plassey	۱۰۵، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۷۸، ۵۲	بنگل
۲۸۳، ۲۸۲، ۲۱۴، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۵۴، ۱۱۹		۱۱۴، ۱۲۴، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۶۱	
۱۴۲، ۱۳۹، ۹۰، ۸۹، ۸۱، ۷۸	پنجاب	۵۵۰، ۲۸۳، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۸۸، ۱۸۷	
۲۸۲، ۲۰۰، ۱۹۸، ۱۹۲، ۱۶۲، ۱۵۱، ۱۴۸، ۱۴۵		۱۸۱	بنگلور
۶۶۴، ۳۶۳، ۳۰۵، ۲۸۴		۱۹۹	بولارام
۶۲۸، ۶۲۳، ۵۷۵، ۵۶۰	پوین، راجا	۶۳۰، ۴۸۹، ۴۸۴	بونڈی Bundi
۶۴۵، ۶۳۳، ۶۳۰		۶۵۸-۵۹، ۶۵۰، ۶۳۴	
۵۷۵، ۵۶۳، ۵۵۶، ۱۹۵	پیلی بھیت	۳۶۸، ۳۶۳	بہادر گڑھ
۶۴۴-۴۶، ۶۳۷، ۶۳۳، ۶۲۲، ۶۱۱، ۶۰۶		۱۸۹، ۱۷۱، ۱۵۴، ۱۰۲، ۷۴، ۶۵	بہار
۴۵۶، ۴۲۷، ۲۰۲، ۱۵۰	تلسی پور	۴۵۰، ۲۱۳، ۱۹۸، ۱۹۲، ۱۹۱	
۶۵۹، ۶۳۸، ۵۰۰، ۴۹۰، ۴۶۶		۴۸۴، ۴۵۶، ۴۴۳، ۲۱۰، ۱۹۴	بہرائچ
۱۳۷-۱۳۶	تنجور	۶۶۳، ۶۴۱، ۶۳۸، ۵۰۳، ۵۰۱	
۴۰۴، ۴۰۱	تھانہ بھون	۱۷۲	بھاگلپور
۲۰۶	تھانیر	۶۷۴-۷۶، ۶۵۹، ۶۵۵-۵۶	بھٹول (نیپال)

۳۷۲، ۳۶۸، ۳۶۳	دُ جانہ	۶۵۱، ۶۵۰، ۶۳۳، ۵۱۵، ۵۰۷، ۵۰۲	ٹائڈ
۱۹۱	در بھنگا	۶۶۸، ۵۰۵، ۱۹۵، ۱۸۲، ۱۳۸، ۸۰	ٹونک
۲۱۶	دم دم	۲۵۵، ۱۶۱	جیل پور
۷۱، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	دہلی	۱۳۸، ۱۳۶، ۶۵	جالون
۸۱-۷۷، ۸۹، ۹۲، ۹۶، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۸		۳۱۵، ۱۸۷، ۱۸۲، ۱۸۳	جودھ پور
۱۵۱، ۱۵۲، ۱۶۸، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۹		۱۳۸	جاورا اسٹیٹ
۱۹۵، ۱۹۵-۵، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۲۲		۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۵۵	جون پور
۲۳۳، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۶، ۲۷۸		۶۵۲، ۶۵۱، ۵۱۰-۱۶، ۴۷۴، ۴۶۰	
۳۷۹، ۳۸۹، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵		۵۱۶، ۵۱۱	جون پور، باغی لیڈر
۹۹-۳۹۸، ۱۰-۲۰۲، ۲۲۳، ۲۵۸، ۳۶۷		۴۳، ۵۵، ۶۵، ۶۶، ۱۳۶، ۱۳۹	جھانسی رانی
۴۷۲-۴۷۱، ۵۰۲، ۵۰۵، ۵۱۸، ۵۲۰-۲۱		۲۰۵، ۲۱۳، ۳۳۳، ۶۰۶	
۵۳۱، ۳۶-۵۳۵، ۵۳۳، ۵۷۰، ۵۷۳		۲۷۰، ۲۸۰، ۳۲۱، ۳۱۱، ۳۱۲	تھجر
۵۸۴، ۸۹-۵۸۶، ۵۹۲، ۵۹۳-۹۶		۳۳۰، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۶۹	
۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۶، ۶۳۹		۳۷۲، ۳۷۱	
۶۳-۶۶۱، ۶۸-۶۶۷، ۶۷۰، ۶۷۵		۸۰، ۱۸۷، ۲۳۷، ۳۱۵، ۳۷۸	جے پور
دہلی اسٹیٹ، باغی لیڈر تھجر، بلیک گڑھ وغیرہ		۴۷۲، ۴۷۱	جیندھ
۳۷۰، ۳۶۹		۶۳۸، ۵۰۱، ۵۰۳	چرڈا Churda
۳۳۳	دہلی، اخبارات	۶۶۳، ۶۵۸	
۳۳۸-۳۹	دہلی، باغی شہزادہ مغل خاندان	۶۱۱، ۵۹۵	چندوی
۳۵۰-۵۸	دہلی، خاص مقامات اور یادگاریں	۳۰-۳۳۸، ۳۳۳، ۳۷۸، ۳۹۶	چبھٹ
۳۳۸، ۳۳۷	دہلی، فتویٰ جہاد (جامع مسجد)	۱۷۱	چھوٹا ناگپور
۳۷۴، ۳۳۵، ۴۰	دیناپور (دانا پور)	۵۰۴	حمیر پور
۵۱۰، ۴۵۳، ۴۵۱، ۴۵۰		۱۷۰، ۱۶۹	خواردا (پوری)
۴۰۱، ۳۹۸، ۶۵	دیوبند	۸۵-۴۸۳، ۴۳۳، ۴۳۳	خیر آباد
۶۳۶، ۶۱۳، ۵۷۷، ۴۵۳	ڈنڈی کھیرا	۶۳۸، ۶۳۰، ۶۲۳، ۶۲۲، ۶۱۳، ۶۵۸، ۴۹۰	
۶۶۳، ۶۵۸، ۶۴۱، ۶۳۷		۳۷۲، ۳۷۱، ۳۶۳، ۳۰۶	دادری

۴۴۳، ۴۳۶، ۴۳۰	Salon سالون	۱۹۴، ۱۷۴، ۱۱۱، ۱۰۷، ۱۰۴	ڈھاکا
۶۳۰، ۵۳۱، ۴۵۵		۱۴۸	راحت گڑھ
Sawant Wadi	ساونت وادی	۵۶۰، ۵۵۶، ۳۱۹، ۲۸۵، ۱۹۵	رامپور
۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۶		۵۶۵، ۵۸۰-۸۶، ۵۶۷-۷۰	
۱۸۳، ۱۳۵، ۱۳۴، ۴۰	ستارا اسٹیٹ	۶۴۶، ۶۴۵، ۶۰۵، ۵۹۹-۶۰۰	
۵۰۴، ۲۰۳، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۸۷، ۱۸۶		۶۶۶، ۶۴۹	
Satasi	ستاسی (گورکھپور)	۱۷۱	راپنچی
۶۵۰، ۵۰۳، ۵۰۰، ۴۹۹ (Gorakhpur)		۱۳۹	رانیا
Sithana (Frontier)	ستھانا (فرانٹیر)	۱۹۸، ۱۶۲	راولپنڈی
۲۰۶		۱۸۶	راپنچور
۴۰۳، ۳۹۴	سردھنہ (میرٹھ)	۶۳۷، ۶۳۵، ۶۱۵، ۵۳۱، ۵۰۵	رائے بریلی
۴۶۵، ۴۶۱، ۴۴	سکندر باغ	۵۸۱، ۴۰۴، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۵۳	رژکی
۱۶۱	Sakhar, Sindh سکھر سندھ	۶۱۶، ۶۰۱، ۵۹۵	
۱۹۱	سگولی	۴۷۴، ۴۴۳	رسول آباد
۴۷۲، ۴۵۵، ۴۴۳، ۴۳۵	سلطان پور	۵۳۵، ۲۰۳	روس Russia
۶۳۴، ۶۳۰، ۴۸۴، ۴۷۳		۱۷۵	رنگ پور
۱۸۹	سلیٹ	۳۵۴، ۳۳۷، ۳۳۵، ۲۸۴، ۲۱۹	رنگون
۵۸۳-۸۶، ۵۶۱	سنجھل (مراد آباد)	۳۶۴، ۳۰۵، ۲۷۲، ۱۵۲، ۱۴۸	روہتک
۶۱۱، ۵۹۵، ۵۹۲، ۵۹۰		۷۳، ۶۹، ۶۸، ۶۲، ۵۲، ۳۴	روہیل کھنڈ
۱۳۶	سنجھل پور	۱۹۴، ۳۸۷، ۳۹۰، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۷۱	
۶۶۴، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۸۲، ۱۶۲، ۱۶۱	سندھ	۶۱۹، ۶۱۶، ۶۱۲، ۵۵۶-۶۱۱، ۵۰۴، ۴۷۲	
۶۳۳، ۴۷۸	سنڈی	۶۶۵، ۶۴۴-۴۸، ۶۲۸، ۶۲۴	
۴۴۳، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۳۳	سنڈیلہ	۳۰۶، ۳۰۷، ۲۳۶، ۱۵۲، ۱۳۹	ریواڑی
۶۳۶، ۶۳۲، ۶۲۹-۳۰، ۶۲۲-۲۳		۳۷۰	
۱۷۱	سنگھ بھوم	۴۱، ۱۷۶	سارنگ، راجہ
۲۱۰	سورج گنڈ	۲۱۳، ۴۵۳، ۴۵۰، ۶۵، ۳۶	ساگر-نربدا

۴۱۴، ۴۱۳	علی گڑھ، باغی لیڈر	۱۹۵، ۱۵۱، ۱۳۹، ۶۲، ۳۵	سہارن پور
۵۹۴، ۴۰۷، ۴۷۳	غازی آباد	۶۴۲، ۵۵۶، ۳۹۸، ۳۹۷	
۶۵۲، ۵۱۶، ۵۰۷، ۱۸۷، ۶۵	غازی پور	۱۵۹	سہرام پور (بنگال)
۵۳۰، ۵۲۶، ۵۲۵، ۴۶۱، ۹۷	فتح پور	۶۵۲، ۵۳۲	سہرام
۶۱۴، ۵۴۸، ۵۴۷		۶۴۴، ۶۱۱، ۶۰۷، ۵۷۱-۷۴، ۵۶۱	سہوان
۳۷۸	فتح پور سیکری	۲۱۶	سیالکوٹ
(دیکھو فرخ آباد)	فتح گڑھ	۴۴۸، ۴۴۱، ۴۳۵-۳۸، ۴۳۳، ۴۲۹	سیتاپور
۲۰۳	فرانس	۶۵۷، ۶۴۳، ۶۳۶، ۶۱۵، ۶۱۳، ۴۹۰	
فرخ آباد (باغی لیڈر)		۶۷۸	سیہور
۵۰۴، ۴۷۲، ۴۵۳، ۳۸۴-۸۸		۶۴۲، ۴۰۴، ۴۰۲، ۴۰۱	شاملی
فرخ آباد، فتح گڑھ ۴۷۵، ۴۷۳، ۴۵، ۴۰		۴۷۲، ۴۷۴، ۱۹۵، ۶۴	شاہجہاں پور
۴۰۷، ۴۹۱، ۳۸۴-۸۸، ۳۸۲، ۳۸۱		۵۷۳، ۵۶۳، ۵۵۶، ۵۵۳، ۵۲۵، ۴۹۱	
۵۷۳، ۵۵۵، ۵۴۳، ۴۷۸، ۴۷۰-۷۲		۶۱۷، ۶۱۶، ۶۰۷، ۵۸۰، ۵۷۵-۷۸	
۶۳۶، ۶۱۷، ۶۱۶، ۶۱۰-۱۱، ۶۰۷، ۶۰۶		۶۴۴، ۶۳۶، ۶۳۳، ۶۲۴-۲۷، ۶۱۹	
۶۶۶، ۶۶۵، ۶۶۲، ۶۴۷، ۶۴۵، ۶۴۴		۶۷۲، ۶۶۷، ۶۶۳، ۶۴۹، ۶۴۵	
فرخ نگر ۳۶۹، ۳۶۶، ۳۶۳، ۱۳۹		۵۷۸، ۵۷۵-۷۷	شاہجہاں پور، باغی لیڈر
۳۷۱، ۳۷۰		۹۷	شاہ گڑھ
۳۸۲، ۳۸۰	فیروز آباد	۳۷۷	شاہ گنج (آگرہ)
۴۲۵، ۴۲۴، ۴۲۲، ۴۰۴، ۱۵۰	فیض آباد	۵۷۲، ۷۴۱	شمس آباد
۴۵۵، ۴۴۷، ۴۴۱، ۴۲۸-۳۳، ۴۲۶		۶۴۷، ۶۳۶، ۶۱۴، ۱۵۰	شکر پور
۴۶۰، ۴۹۶، ۴۹۹، ۵۱۵، ۴۲۹		۱۸۲، ۵۹	شولا پور
۶۴۱، ۶۳۲-۳۷		۵۵۵، ۴۷۴، ۴۶۹	شیوراج پور
۶۳۹، ۶۳۸، ۴۷۰	قنوج	۲۸۰، ۲۷۷	علی پور (دہلی)
۴۱۹، ۴۴۳، ۱۶۲	کابل	۵۹۴	علی جان منزل (امروہا)
۶۷۳، ۶۶۰، ۱۸۷	کاشی مانڈو	۴۰۶، ۴۷۰، ۴۱۳، ۹۶، ۹۴، ۶۲	علی گڑھ
۶۷۷، ۶۷۶		۶۳۹، ۴۷۰، ۴۰۹-۱۵، ۳۹۱، ۳۸۹، ۴۷۳	

۱۹۳	گجرات	۶۰۷، ۴۷۱، ۳۹۲	کاس گنج
۳۷۰، ۳۶۴	گڑ گاؤں	۱۴۱، ۹۱، ۶۴، ۵۸، ۳۹، ۳۴	کانپور
۱۷۲	گنجم	۴۴۹، ۴۴۴، ۴۴۲، ۴۱۸، ۲۲۳، ۲۱۲، ۱۶۸	
۱۹۶، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷	گوا	۴۷۰، ۴۶۸، ۴۶۰، ۴۵۸، ۴۵۳، ۴۵۰	
۲۰۷، ۲۰۴، ۱۹۴، ۱۸۲، ۳۸، ۳۷	گوالیار	۵۲۷، ۵۲۵، ۵۲۲، ۵۱۲، ۵۰۴، ۴۷۶	
۴۵۰، ۴۱۱، ۳۹۱، ۳۷۷، ۳۷۶، ۲۹۴		۶۶۳، ۶۵۸، ۶۲۹، ۵۵۵، ۵۳۳، ۵۳۱	
۵۵۴، ۵۵۱، ۵۵۰، ۴۶۸، ۴۵۵، ۴۵۳		۶۷۶، ۶۶۹	
۶۷۲، ۶۶۸-۶۹، ۶۶۶، ۶۴۹، ۶۳۹		۵۵۳، ۵۴۷، ۵۴۶	کانپور، باغی لیڈر
۵۳۰، ۵۲۵، ۵۲۴، ۵۱۱	گوپی گنج	۴۰۳، ۴۰۱	کاندھلہ
۶۵۱، ۵۵۴		۱۷۰	کنٹک Cuttak
۴۳۰، ۴۲۹، ۴۸۴، ۱۹۴، ۷۱	گورکھپور	۳۳۹، ۱۸۲	کراچی
۵۱۴، ۵۰۴، ۴۹۸، ۴۷۲، ۴۶۰، ۴۵۵		۴۰۳، ۴۰۱	کرانہ
۵۱۶، ۵۱۴، ۵۹۸-۵۰۴، ۵۷۲، ۵۱۶		۲۶۸	کشن گڑھ، راجا
۶۵۰، ۶۴۳، ۶۴۲، ۶۳۱، ۵۹۹، ۵۳۰		۴۷۴، ۴۵۷، ۱۵۰، ۴۴۵	کلا کنکر
۶۶۳		۶۳۹، ۵۵۲، ۵۵۰، ۴۵۴، ۳۸۳	کھنسی
۴۹۵، ۴۳۶-۳۸، ۳۹۳، ۲۱۰	گونڈہ	۱۵۹، ۱۴۷، ۱۳۴، ۱۳۱، ۱۰۴، ۹۶	کلکتہ
۶۳۲، ۶۲۹، ۵۹۹، ۵۰۸، ۵۰۳، ۵۰۰		۲۱۹، ۲۱۱، ۲۰۹، ۲۰۵، ۱۹۳، ۱۷۱، ۱۶۹	
۶۵۸، ۶۵۳، ۶۵۰، ۶۴۹، ۶۴۰، ۶۳۷		۵۵۶، ۵۲۸، ۴۵۹، ۴۱۹، ۴۱۷، ۲۴۳	
گونڈہ، راجا (دیکھو) دیوی سنگھ		۶۷۲، ۶۷۰، ۶۶۶، ۶۶۰-۶۱، ۶۵۲	
۱۹۸، ۱۶۲	گووند گڑھ	۶۷۷، ۶۷۳	
۱۷۵	گوہاٹی	۳۰۷، ۲۶۹، ۱۵۲	کرنال Karnal
۱۸۷، ۱۸۳	کیکواڑ	۱۸۳، ۱۸۱، ۱۷۳، ۱۷۷	کرنول
۳۶۸، ۱۸۱، ۳۲	لاہور	۳۷۲، ۳۷۰، ۳۶۹	کنوند
۵۱۰	لدھیانہ	۱۷۶-۱۷۸، ۵۸، ۳۶	کولہاپور
۹۷، ۹۶، ۸۱، ۷۹، ۴۴، ۴۲	لکھنؤ	۱۷۶	کونکن Konkan
۲۲۲، ۲۱۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۱۹۵، ۱۵۰، ۱۳۳		۱۸۶	کیپ بال

۶۳۸، ۶۳۷	۲۲۳، ۲۲۹، ۳۱۹، ۳۳۰، ۳۳۳، ۳۶۱
محمدی (دیکھو) لکھنیم پور کھیری	۴۰۸، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۳۱، ۴۳۲
مراد آباد ۳۹، ۵۵، ۶۳، ۷۷، ۷۸	۴۳۳، ۴۳۵، ۴۹۸، ۵۰۴، ۵۱۲، ۵۳۵
۹۷، ۱۸۵، ۲۷۳، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۶۸	۵۴۳-۵۴، ۵۵۰، ۵۷۰، ۵۷۷، ۶۰۲
۵۶۹، ۵۷۸-۵۷۹، ۶۰۰، ۶۱۰، ۶۱۶	۶۱۲، ۶۱۵، ۶۲۹، ۶۳۳، ۶۳۷، ۶۳۹
مراد آباد، باغی لیدر ۹۲-۵۸۳، ۷۰۲	۶۴۲، ۶۴۵، ۶۵۳، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۲
مراد آباد، گورنمنٹ ریکارڈ ۹۲-۵۸۷، ۷۰۲	۶۶۹، ۶۷۰
مرزا پور ۹۷، ۳۳۵، ۴۵۱، ۵۱۰، ۵۱۱	لکھنؤ، باغی لیدر ۵۷-۳۵۶
۶۵۱، ۵۳۲	لکھنیم پور کھیری، محمدی ۵۷۷، ۵۷۷
محمود آباد ۶۳۰، ۶۲۲	۵۸۰، ۵۹۹، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۲۲، ۶۲۸
مدراس ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۶۱، ۱۷۳	۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۸، ۶۳۹-۶۴۳
۱۸۱، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۸۴	لندن/انگلینڈ ۶۲، ۸۹، ۹۶، ۱۱۰، ۱۲۶
۵۰۸، ۴۶۰	۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۷، ۱۶۰، ۱۹۵، ۲۱۷
مصر Egypt ۲۰۳	۲۵۲، ۳۱۹، ۶۲۶، ۶۲۸، ۶۶۶، ۶۶۷
منظفر پور ۱۴۴	۶۷۴
منظفر نگر ۸-۴۰۱، ۵۸۰، ۶۰۳، ۶۴۲	لوہارو ۳۲، ۱۸۱، ۳۶۸
منظفر نگر، باغی لیدر ۴۰۳، ۴۰۳	مالابار-ویلوور-مدراس ۳۶، ۱۷۲، ۱۷۳
مکہ ۶۸۰	مالا گڑھ ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۲، ۵۸۹، ۵۹۰
ملتان ۱۹۲، ۶۶۳	۶۰۶، ۶۳۲، ۶۳۹
ملیح آباد ۲۲۳، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۰	مالدہ ۸۳
۶۳۲، ۶۲۳	مان بھم ۱۷۲
مندسور ۱۳۸، ۴۱۳	ماہول (جون پور) ۵۰۷، ۵۱۲
مہد گاؤں (الہ آباد) ۵۰۵، ۶۶۳	مبارک پور (اعظم گڑھ) ۵۰۷، ۵۱۲، ۵۱۳
میرٹھ ۳۰، ۳۱، ۳۸، ۴۸، ۶۳، ۶۷	متھرا ۵۱، ۶۵، ۱۵۱، ۲۱۳، ۲۷۰، ۳۰۷
۹۷، ۱۱۷، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۲۷، ۲۲۸	۳۷۳، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۱، ۶۳۹
۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۴	مٹھولی ۴۳۵، ۴۹۱، ۶۱۷، ۶۳۳

نصیر آباد ۳۱۵، ۳۰۳-۳، ۲۸۲، ۲۷۰	۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۹، ۳۰۷، ۳۰۶، ۲۷۳
۳۱۵، ۳۷۷، ۳۷۶	۳۰۵، ۳۹۳-۳۰۰، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۷۳
۶۰۰-۶۰۴	۵۷۹، ۵۷۰، ۵۶۸، ۵۵۷، ۵۵۶، ۵۳۵
نیپال ۲۰۳، ۱۹۱، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۳۰	۶۶۶، ۶۰۵، ۶۰۵، ۵۹۳، ۵۸۱
۳۸۷، ۳۸۲، ۳۷۳، ۱۶۸، ۲۳۱، ۳۸۷	میسور ۱۷۲، ۱۵۵، ۱۳۶، ۱۲۱، ۸۰
۶۲۲، ۶۲۱، ۵۵۳، ۵۱۶، ۵۰۴، ۵۰۳	۵۳۵، ۱۸۲
۶۶۳-۶۶، ۶۵۲-۶۰، ۶۵۰، ۶۴۶	مین پوری ۳۸۶، ۳۷۳، ۳۰۷، ۲۷۰
۶۷۲-۷۷	۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۱۴، ۳۱۱، ۳۹۲، ۳۸۹
نیچ ۳۱۵، ۳۸۱، ۳۷۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۲	۶۶۶، ۶۵۱، ۶۳۹، ۵۱۵، ۵۰۴
نئی تال ۵۶۵، ۵۶۴، ۵۵۹، ۵۵۶	نابھا (پنجاب) ۲۷۱
۶۱۱، ۶۰۶، ۵۹۴، ۵۸۰-۸۱، ۵۶۹، ۵۶۸	نارنول Narnaul ۳۷۲، ۳۶۹، ۳۶۶
۲۱۴، ۱۹۴، ۱۹۷، ۸۱	ناگپور ۱۳۶، ۱۳۵
۳۱۵، ۳۱۴	ناگر راجا (گورکھپور) Naggar
۶۴۰، ۶۱۸، ۶۱۷	۶۵۱، ۵۰۴، ۵۰۲، ۵۰۰، ۴۹۹
۱۴۵، ۱۳۹، ۹۰، ۷۳	نان پارہ ۵۹۹، ۵۰۱، ۴۸۹، ۴۵۶
۱۹۱، ۱۷۲، ۱۷۱	۶۶۳، ۶۴۶، ۶۴۱، ۶۳۸
۳۰۷، ۱۵۲	نانک پور ۱۳۸
۲۷۴، ۲۷۳	نانگی (نانگلوانی، دہلی) ۳۰۵
۴۳۴، ۴۲۲، ۴۲۱، ۹۰، ۸۰، ۴۲	نجیب آباد ۶۴۲، ۶۰۴-۵، ۶۰۱، ۶۰۰
۱۸۰-۱۸۷، ۱۷۹، ۱۷۴، ۱۴۹، ۱۴۲، ۱۳۰	۶۶۶
۲۶۷، ۲۰۲، ۱۹۹، ۱۹۸	نر پور (گورکھپور) ۶۵۱، ۵۱۵، ۵۰۰، ۴۹۹

RAMPUR RAZA LIBRARY PUBLICATIONS

About the book

- Name of the Book* : History of the Indian Struggle for Freedom
1857
- Author* : Syed Khurshid Mustafa Rizvi
- Published by* : DR. W.H. SIDDIQI
(Former Director, Archaeological Survey of India)
Officer On Special Duty
Rampur Raza Library, Rampur
- Edition* : A.D. 2000
- Qty* : 500
- Printed by* : I.B. Foundation, New Delhi
- Price* : Rs. 500/- Or \$ 20/- Or £ 15/-

ISBN : 81-87113-39-1

RAMPUR RAZA LIBRARY
HAMID MANZIL, RAMPUR-244901 U.P. INDIA

HISTORY OF THE INDIAN STRUGGLE FOR FREEDOM 1857

By

Syed Khurshid Mustafa Rizvi

Foreword by

Dr. W.H. Siddiqi

(Former Director, Archaeological Survey of India)

RAMPUR RAZA LIBRARY

RAMPUR- 244901 (UP) INDIA